وہ جسے چاہے سیدھی راہ کی ہدایت فرماتا ہے
فقہ حنفی کی عظیم معرکہ آرا کتاب کی جامع و مستند اردو شرح
فیوضات الرضویہ فی تشریحات الھدایہ
المعروف بہ
شرح ھدایہ
جلد ششم
کتاب الطلاق
ترجمہ و شرح
علامہ محمد لیاقت علی رضوی
استاذ الفقہ، جامعہ شہابیہ اچھرہ لاہور
تصنیف
امام ابوالحسن علی بن ابوبکر بن عبدالجلیل الفرغانی
شبیر برادرز
زبیدہ سنٹر ۴۰، اردو بازار لاہور
فون: 042-37246006

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

باہتمام	ملک شبیر حسین
سن اشاعت	مئی 2012ء / رجب المرجب 1433ھ
طابع	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
کمپوزنگ	ورڈز میکر
سرورق	اے ایف ایس ایڈورٹائزر، لاہور 0345-4653373
قیمت	روپے

ضروری التماس

قارئین کرام! ہم نے اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کے متن کی تصحیح میں پوری کوشش کی ہے، تاہم پھر بھی آپ اس میں کوئی غلطی پائیں تو ادارہ کو آگاہ ضرور کریں تاکہ وہ درست کر دی جائے۔ ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔

ترتیب

مقدمہ رضویہ

الحمدُ للّٰہ الذی جعلَ العلماءَ ورثۃ الأنبیاء ، وخلاصۃَ الأولیاء ، الذین یدعو لھم ملائکۃُ السماء ، والسَّمَکُ فی الماء ، والطیرُ فی الھواء والصلاۃُ والسلامُ الاتمّان الأعمّان علی زُبدۃِ خُلاصۃ الموجودات، وعُمدۃ سُلالۃ المشھودات، فی الأصفیاءِ الأزکیاء ، وعلی آلہ الطیبینَ الأطھارِ الأتقیاء ، وأصحابہ الأبرار.نجومِ الاقتداءِ والاھتداء .اما بعد فیقول العبد الضعیف الی حرم ربہ الباری ،محمد لیاقت علی الحنفی الرضوی البریلوی غفرلہ والوالدیہ ، الساکن قریۃ سنتیکا من مضافات بھاولنگر .اعلم ان الفقہ اساس من سائر العلوم الدینیۃ وامور الدنیاویۃ . اخرز شرح الھدایہ باسم "فیوضات الرضویہ فی تشریحات الھدایہ" بتوفق اللّٰہ تعالی وبوسیلۃ النبی الکریم ﷺ .

مصالح مرسلہ کے اصول میں ائمہ اربعہ کا طرز استدلال

حضرت امام ابوحنیفہ امام اعظم رضی اللہ عنہ پارٹنر مزدور کی ضمانت کے قائل ہیں اگر چہ اس کا عمل یعنی کام اپنے پارٹنر کے ساتھ طے کردہ کام کے مخالف نہ ہو۔الا یہ کہ جو کچھ اس کے ہاتھوں برباد ہو جائے اس کے فعل کے بغیر جیسے اس کی موت کی وجہ سے یا چوری کی وجہ سے (ان دونوں صورتوں میں وہ نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوگا) البتہ جب تک وہ دلیل پیش نہ کردے اس کی بات کا بھروسہ نہیں کیا جائے گا امام صاحب کا فتویٰ ظاہری بنیاد مصلحت مرسلہ پر ہے جیسا کہ پہلے صناع کی ذمہ داری میں گزر چکا ہے۔مشترک اجیر نفس باب میں سے ہے اگر چہ ایک لحاظ سے اجیر (مزدور) ہے اور اس نے وہی کیا جس کی ادائیگی پر اس نے سودا کیا تھا لیکن جو اس کے ہاتھ (اختیار) میں ہے تا کہ مزدور کو شریک بنانے کی لوگوں کی ضرورت کا راستہ نہ رک جائے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ :باپ کا اپنے بیٹے کی لونڈی سے اولاد طلب کرنا سبب ہے اس کی طرف ملکیت منتقل ہونے کا حالانکہ اس پر کوئی نص نہیں نہ ہی ملکیت منتقل ہونے کا کوئی معین اصول ہے۔اس میں بیٹے کی پاکدامنی کے استحقاق کی مصلحت ہے اور اب ضرورت نے اس کی طرف ملکیت منتقل کردی ہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ :ان کا فتویٰ ہے کہ مرتد کو قتل کیا جائے اگر چہ وہ شہادتین کا اقرار اور توبہ کا اظہار کرے اس لیے کہ زندیق منافق نہیں ہوتا منافق کا کفر ظاہراً معلوم نہیں ہوتا وہ صراحتاً نہیں بلکہ دھوکے سے کفر کرتا ہے۔جب کہ زندیق (مرتد) کے کفر کی اطلاع امام کو مل چکی ہوتی ہے اور واضح دلائل وثبوتوں سے ملی ہوتی ہے۔پھر خود کو شہادتین اور توبہ کے اظہار کی آڑ

میں بچاتا ہے اور یہ توبہ بار بار کرتا ہے اگر ایسے آدمی کو قتل کر دیا جائے تا کہ اس کے زہریلے اثرات دین کی آڑ میں اسلامی معاشرے میں نہ پھیلیں تو یہ شارع کے قصد حفظ دین کے باب سے ہوگا۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ :ان سے ابن قیم نے نقل کیا ہے کہتے ہیں مخنث کو جلاوطن یا شہر بدر کیا جائے اس لیے کہ اس سے فساد کے علاوہ اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔امام کے نزدیک اسے ایسے شہر کی طرف بھیجا جائے جہاں کے لوگ اس کے فساد سے محفوظ ہوں اگر چہ اس کو روکے رکھنے کا ان کو خوف ہے۔ابن قیم نے امام احمد علیہ الرحمہ کی سیاست کے بارے میں گفتگو کے ضمن میں یہ بات نقل کی ہے۔(اعلام الموقعین :۴/۳۷۷)

عدم تقلید کے سبب فقہی مصائب ونقصانات

امام ابوبکر جصاص رازی اپنے اُصول میں لکھتے ہیں ۔کہ ان لوگوں کی مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں جو شریعت کے اُصول کو نہیں جانتے، اور قیاس کے طرق اور اجتہاد کے وجوہ کے قائل نہیں، مثلاً :داؤد اصبہانی اور کرابیسی اور ان کی مثل دُوسرے کم فہم اور ناواقف لوگ، اس لئے کہ انہوں نے چند احادیث ضرور لکھیں مگر ان کو وجوہ نظر اور فروع وحوادث کو اُصول کی طرف لوٹانے کی معرفت حاصل نہیں تھی۔ان کی حیثیت اس عامی شخص کی سی ہے جس کی مخالفت کا کچھ اعتبار نہیں، کیونکہ وہ حوادث کو ان کے اُصول پر مبنی کرنے سے ناواقف ہیں۔اور داؤد عقلی دلائل کی یکسر نفی کرتے تھے، ان کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ :

آسمانوں اور زمین میں اور خود ہماری ذات میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی توحید پر دلائل نہیں۔

ان کا خیال تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو صرف خبر کے ذریعہ پہچانا ہے۔وہ یہ نہ سمجھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کے صحیح ہونے کی پہچان، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اور مسیلمہ کذاب وغیرہ جھوٹے مدعیانِ نبوت کے درمیان فرق اور ان جھوٹوں کے جھوٹ کے علم کا ذریعہ بھی عقل اور ان معجزات، نشانات اور دلائل میں غور کرنا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قادر نہیں، کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی معرفت سے قبل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حاصل ہو جائے، پس جس شخص کی مقدارِ عقل اور مبلغ علم یہ ہو، اسے علماء میں شمار کرنا کیسے جائز ہے؟

اور اس کی مخالفت کا کیا اعتبار ہے؟ اور وہ اس کے ساتھ یہ بھی اعتراف کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانتا، کیونکہ یہ قول کہ :

میں اللہ تعالیٰ کو دلائل سے نہیں پہچانتا اس بات کا اعتراف ہے کہ وہ اللہ کو نہیں پہچانتا۔پس وہ عامی سے بھی زیادہ ناواقف اور چوپائے سے بھی زیادہ ساقط ہے۔لہٰذا ایسے شخص کا قول اپنے زمانے کے لوگوں کے خلاف بھی لائق اعتبار نہیں، چہ جائیکہ متقدمین کے خلاف لائق اعتبار ہوتا۔نیز ہم کہتے ہیں کہ :ہر وہ شخص جو اُصولِ سمع، طرقِ اجتہاد اور قیاسِ فقہی کے طرق کو نہیں جانتا اس کی مخالفت کا اعتبار نہیں، خواہ علومِ عقلیہ میں وہ کتنا ہی بلند پایہ ہو، ایسے شخص کی حیثیت بھی عامی کی سی ہے، جس کی مخالفت کسی شمار میں نہیں۔

اللہ تعالیٰ جصاص کو اہلِ علم کی جانب سے جزائے خیر عطا فرمائے، انہوں نے اس کم فہم جماعت کی حالت کو خوب ظاہر کر دیا، اگر چہ ان کے بارے میں کچھ سختی کا لہجہ بھی اختیار کیا۔جصاص ان لوگوں کی حالت کو دُوسروں سے زیادہ جانتے تھے، کیونکہ

ان کے امام کا زمانہ جصاص کے قریب تھا، اوران کے بڑے بڑے داعیوں کے تو وہ ہم عصر تھے، اوران کی یہ دُرشتی اس بنا پر ہے کہ اللہ کے دین کو جاہلوں کے ہاتھ کا کھلونا بنتے دیکھ کر آدمی کو غیرت آنی چاہئے، یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قولِ بلیغ کا حکم فرمایا ہے، اور جو شخص ان کے حق میں تساہل سے کام لیتا ہے وہ ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا، ہاں ! دین کو نقصان ضرور پہنچاتا ہے۔ امام الحرمین نے بھی اس شدت میں جصاص کی پیروی کی ہے، اور جس شخص کا یہ خیال ہے کہ امام الحرمین کا قول ابنِ حزم اور ان کے تبعین کے بارے میں ہے وہ تاریخ سے بے خبر ہے، کیونکہ امام الحرمین کے زمانے میں ابنِ حزم کا مذہب مشرق میں نہیں پھیلا تھا کہ ظاہریہ کے نام سے اس پر گفتگو کرتے۔

اسلاف امت پر اعتماد کی دلیل کا بیان

ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کے طریقہ پر احکامِ شرعیہ بجالانا تقلیدِ شخصی کہلاتا ہے، مثلاً امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ یا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ میں سے کسی کے طریقے پر عمل کرنا۔ تقلیدِ شخصی کی شرعی حیثیت میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اَنَّ الاُمَّۃَ قَدْ اجْتَمَعَتْ عَلَی اَنْ یَعْتَمِدُوْا عَلَی السَلَفِ فِیْ مَعْرِفَۃِ الشَرِیْعَۃِ، فَالتَّابِعُوْنَ اعْتَمَدُوْا فِیْ ذٰلِکَ عَلَی الصَحَابَۃِ، وَ تَبعُ التَابِعِیْنَ اعْتَمَدُوْا عَلَی التَّابِعِیْنَ، وَ ھٰکَذَا فِیْ کُلِّ طَبَقَۃٍ اِعْتَمَدَ العُلَمَاءُ عَلَی مِنْ قَبْلِہِمْ۔

امت نے اجماع کرلیا ہے کہ شریعت کی معرفت میں سلف صالحین پر اعتماد کیا جائے۔ تابعین نے اس معاملہ میں صحابہ کرام پر اعتماد کیا اور تبع تابعین نے تابعین پر اعتماد کیا۔ اسی طرح ہر طبقہ میں علماء نے اپنے پہلے آنے والوں پر اعتماد کیا۔

(شاہ ولی اللہ، عقد الجید، 31 : 1)

اسی طرح تقلید شخصی کو لازم کرنے کی ایک واضح نظیر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں جمع قرآن کا واقعہ ہے، جب انہوں نے قرآنِ حکیم کا ایک رسم الخط متعین کردیا تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے پہلے قرآنِ حکیم کو کسی بھی رسم الخط کے مطابق لکھا جاسکتا تھا کیونکہ مختلف نسخوں میں سورتوں کی ترتیب بھی مختلف تھی اوراس ترتیب کے مطابق قرآنِ حکیم لکھنا جائز تھا لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے امت کی اجتماعی مصلحت کے پیشِ نظر اس اجازت کو ختم فرما کر قرآن کریم کے ایک رسم الخط اور ایک ترتیب کو متعین کر کے امت کو اس پر متفق و متحد کردیا اور امت میں اسی کی اتباع پر اجماع ہوگیا۔

(صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، رقم الحدیث، ۴۷۰۲)

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے ہم سب مسلمانوں کو اسلاف امت مسلمہ اور فقہاء امت مسلمہ ائمہ اربعہ کے فقہی مقام کو سمجھنے اور ان کی فقہی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھنے اور انہیں زندہ رکھتے ہوئے احکام شرعیہ پر عمل کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ

محمد لیاقت علی رضوی، حلٹ سنتیکا، بہاولنگر

كِتَابُ الطَّلَاقِ

﴿یہ کتاب طلاق سے متعلق احکام کے بیان میں ہے﴾

کتاب طلاق کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مصنف جب کتاب النکاح سے فارغ ہوئے تو انہوں نے کتاب الرضاع کو شروع کیا ہے کیونکہ رضاعت سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ اور یہ احکام نکاح کے احکام سے متعلق لازم تھے۔ کتاب طلاق سے پہلے کتاب رضاع بیان کرنے کا سبب یہ بھی ہے کہ اس سے دائمی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کی اہمیت حکم کے پیش نظر کتاب الرضاع کو کتاب طلاق پر مقدم کیا ہے۔ جبکہ طلاق کا حکم غایت معلومہ کے طور پر اہم ہے۔ لہٰذا نکاح و رضاع کے احکام کو ان کے سبب وجودی میں تقدم کے پیش نظر مقدم بیان کیا ہے جبکہ طلاق کا سبب، سبب وضعی ہے جس کا موخر ہونا ہے۔

(فتح القدیر، ج ۷، ص ۴۴۱، بیروت)

طلاق کی کتاب کو نکاح کی کتاب سے موخر کرنے کی دلیل اس طرح بھی واضح ہے کہ حق طلاق اس وقت تک ثابت نہیں ہوتا ہے جب تک نکاح کا عقد ثابت نہ ہو جائے۔ لہٰذا کتاب نکاح کو کتاب طلاق پر مقدم ذکر کیا ہے۔ اور عرف میں اسی پر عمل ہے کہ طلاق کا حکم اسی شخص کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے جس کا نکاح ثابت ہو۔ کیونکہ غیر ناکح یہ کہے کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو عرف اس پر استہزاء کریں گے کہ اس کا عقد نکاح ثابت نہیں تو عقد نکاح کو ختم کرنے کا دعویٰ کس طرح کر سکتا ہے۔

طلاق کی لغوی تعریف

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

وَالطَّلَاقُ اسْمٌ بِمَعْنَى الْمَصْدَرِ الَّذِي هُوَ التَّطْلِيقُ كَالسَّلَامِ وَالسَّرَاحِ بِمَعْنَى التَّسْلِيمِ وَالتَّسْرِيحِ ، وَمِنْهُ قَوْله تَعَالَى (الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ) أَيْ التَّطْلِيقُ ، أَوْ هُوَ مَصْدَرُ طَلُقَتْ بِضَمِّ اللَّامِ أَوْ فَتْحِهَا طَلَاقًا كَالْفَسَادِ .وَعَنْ الْأَخْفَشِ نَفْيُ الضَّمِّ .وَفِي دِيوَانِ الْأَدَبِ إنَّهُ لُغَةٌ ، وَالطَّلَاقُ لُغَةً رَفْعُ الْوَثَاقِ مُطْلَقًا ، وَاسْتُعْمِلَ فِعْلُهُ بِالنِّسْبَةِ إلَى غَيْرِ نِكَاحِ الْمَرْأَةِ مِنْ الْأَفْعَالِ أَطْلَقْت بَعِيرِي وَأَسِيرِي ، وَفِيهِ مِنْ التَّفْعِيلِ طَلَّقْت امْرَأَتِي ، يُقَالُ ذَلِكَ إخْبَارًا عَنْ أَوَّلِ طَلْقَةٍ أَوْقَعَهَا ، فَإِنْ قَالَهُ ثَانِيَةً فَلَيْسَ فِيهِ إلَّا التَّأْكِيدُ ، أَمَّا إذَا قَالَهُ فِي الثَّالِثَةِ فَلِلتَّكْثِيرِ كَغَلَّقْتِ الْأَبْوَابَ .(فتح القدير ، ج۷، ص ۴۴۱، بيروت)

یہ مصدر ہے: طلقت المراۃ وطلقت تطلق طلاقا فھی طالق سے یعنی چھوڑنا، ترک کرنا اور الگ کر دینا۔ کہا جاتا ہے: طلق البلاد یعنی اس نے شہر چھوڑ دیا، اور اطلق الأسیر یعنی قیدی کو رہا کر دیا۔ اسی طرح یہ چند دیگر معانی پر بھی دلالت کرتا ہے:

اس کا اطلاق پاک، صاف اور حلال پر بھی ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے: ھو لک طلق یعنی وہ تیرے لیے حلال ہے۔ اسی طرح بُعد اور دوری پر بھی بولا جاتا ہے، کہا جاتا ہے: طلق فلان فلاں شخص دور ہوا۔

اسے خروج اور نکلنے کے معنوں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ أنت طلق من ھذا الأمر (اللسان: ۲۶۹۶۴، معجم اللغہ: ۳۳۰۳) یعنی تو اس معاملے سے خارج ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

مذکورہ معانی پر گہری نظر ڈالتے ہیں تو مقصود لفظ طلاق اور ان میں ہم یک گونہ ربط پاتے ہیں۔ جب شوہر بیوی کو طلاق دیتا ہے تو اس کو چھوڑ رہا ہوتا ہے اور کسی دوسرے کے لیے اسے حلال کر رہا ہوتا ہے۔ اس سے دوری اختیار کر رہا ہوتا ہے تو اس عقد سے بھی نکل رہا ہوتا ہے جو ان دونوں کو جمع کیے ہوئے تھا، چنانچہ لفظ طلاق میں یہ تمام معانی جمع ہو جاتے ہیں۔ (فتح الباری: ۲۵۸۹)

طلاق کی شرعی تعریف

طلاق کی شرعی تعریف کے سلسلہ میں فقہائے کرام کی طرف سے متعدد عبارات دیکھنے میں آئی ہیں۔ ان میں سے جامع و مانع تعریف اس طرح ہوگی۔

حل قید النکاح (وبعضہ) فی الحال أو المآل بلفظ مخصوص۔ (الدر المختار: ۴۲۴/۴)

علامہ ابن قاسم لکھتے ہیں۔ کہ حال یا مستقبل میں کسی مخصوص لفظ کے ساتھ نکاح کی گرہ کھولنا۔ یہ تعریف الدر المختار کی ہے جس پر اہل علم کا اتفاق موجود ہے۔ میں نے اس میں (وبعضہ) کا اضافہ اس لیے کیا ہے کہ اس میں طلاق رجعی بھی داخل ہو جائے۔ (الروض المربع لابن قاسم: ۴۸۲۶)

قرآن کے مطابق مشروعیت طلاق کا بیان

(۱) اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ ۔ (البقرہ، ۲۳۰)

طلاق (جس کے بعد رجعت ہو سکے) دو بار تک ہے پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا۔

(۲) فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ

.(البقرہ ۲۳۲)

پھر اگر تیسری طلاق دی تو اس کے بعد وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔ پھر اگر دوسرے شوہر نے طلاق دے دی تو ان دونوں پر گناہ نہیں کہ دونوں آپس میں نکاح کرلیں۔ اگر یہ گمان ہو کہ اللہ (عزوجل) کے حدودکو قائم رکھیں گے اور یہ اللہ (عزوجل) کی حدیں ہیں، اُن لوگوں کے لیے بیان کرتا ہے جو سمجھ دار ہیں۔

(۳) وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ .(البقرہ ۲۳۱)

اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور اُن کی میعاد پوری ہونے لگے تو اُنہیں بھلائی کے ساتھ روک لو یا خوبی کے ساتھ چھوڑ دو اور اُنہیں ضرر دینے کے لیے نہ روکو کہ حد سے گزر جاؤ اور جو ایسا کریگا اُس نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اللہ (عزوجل) کی آیتوں کو ٹھٹھانہ بناؤ اور اللہ (عزوجل) کی نعمت جو تم پر ہے اُسے یاد کرو اور وہ جو اُس نے کتاب وحکمت تم پر اُتاری تمہیں نصیحت دینے کو اور اللہ (عزوجل) سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ (عزوجل) ہر شے کو جانتا ہے۔

(۴) وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ .(البقرہ ۲۳۲)

اور جب عورتوں کو طلاق دو اور اُن کی میعاد پوری ہو جائے تو اے عورتوں کے والیو! اُنہیں شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب کہ آپس میں موافق شرع رضامند ہو جائیں۔ یہ اُس کو نصیحت کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ (عزوجل) اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو۔ یہ تمہارے لیے زیادہ ستھرا اور پاکیزہ ہے اور اللہ (عزوجل) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

(۵) فان خفتم الا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ (البقرہ ۲۲۹)

اگر تم کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدوں پر قائم نہ رہ سکیں گے تو دونوں پر کوئی حرج نہیں کہ عورت بدلہ دے کر علیحدگی اختیار کرے۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ جب شوہر اور بیوی اللہ تعالیٰ کے احکام وحدود کو قائم نہ رکھ سکیں اور نکاح کے مقاصد فوت ہونے کا پختہ قرینہ موجود ہو تو پھر ایسی صورت میں شوہر کیلئے مباح ہے کہ وہ اسلام کے بیان کردہ طریقے کے مطابق طلاق دے اور اسی طرح عورت کیلئے بھی مباح ہے کہ اپنے شوہر سے خلع کرسکتی ہے تاکہ حدود اللہ جیسے بڑے احکام کے تحفظ کیلئے کم نقصان کا ارتکاب کرلیا جائے۔ کیونکہ وہ دونوں کسی دوسری جگہ اپنے اپنے نکاح بعد میں کرسکتے ہیں لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی حدوں کو توڑ دیا تو دینا

میں اس کا کوئی قائم مقام نہیں ہے کہ جس سے اس قانون کے ٹوٹنے کا ازالہ کیا جائے ۔کیونکہ وحی منقطع ہوچکی اور قوانین اسلام کو ابدی حیثیت حاصل ہے۔

احادیث کے مطابق مشروعیت طلاق کا بیان

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا" :اے معاذ! کوئی چیز اللہ (عزوجل) نے غلام آزاد کرنے سے زیادہ پسندیدہ روئے زمین پر پیدا نہیں کی اور کوئی شے روئے زمین پر طلاق سے زیادہ ناپسندیدہ پیدا نہ کی۔(سنن الدار قطنی"، کتاب الطلاق، الحدیث، ۳۹۳۹)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے فرمایا : کہ "تمام حلال چیزوں میں خدا کے نزدیک زیادہ ناپسندیدہ طلاق ہے۔("سنن أبی داود"، کتاب الطلاق، باب کراهیة الطلاق، الحدیث، ۲۱۷۸)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے اور اپنے لشکر کو بھیجتا ہے اور سب سے زیادہ مرتبہ والا اُس کے نزدیک وہ ہے جس کا فتنہ بڑا ہوتا ہے۔اُن میں ایک آ کر کہتا ہے میں نے یہ کیا، یہ کیا۔ابلیس کہتا ہے تو نے کچھ نہیں کیا۔دوسرا آتا ہے اور کہتا ہے میں نے مرد اور عورت میں جُدائی ڈال دی۔اسے اپنے قریب کر لیتا ہے اور کہتا ہے، ہاں تو ہے۔(مسند احمد بن حنبل، رقم الحدیث، ۱۴۳۸۴)

إنما الطلاق لمن أخذ بالساق (سنن ابن ماجہ:۲۰۸۱) طلاق کا اختیار اسی کو ہے، جو پنڈلی تھامتا ہے۔

مشروعیت طلاق پر اجماع کا بیان

علامہ ابن قدامہ حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔اسی طرح آپ ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دی اور پھر ان سے رجوع کیا۔(سنن نسائی:۳۵۶۰، سنن ابوداؤد:۲۲۸۳) طلاق کی مشروعیت پر بیسیوں احادیث و آثار موجود ہیں۔

جہاں تک اجماع کا تعلق ہے تو صدر اوّل سے لے کر موجودہ زمانہ تک ،طلاق کے جواز پر اجماع چلا آ رہا ہے اور کسی ایک نے بھی اس کا انکار نہیں کیا۔(المغنی لابن قدامہ:۳۲۳۱۰)

طلاق دینے کا فقہی حکم

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ طلاق دینا جائز ہے البتہ بغیر عذر شرعی ممنوع ہے۔اور وجہ شرعی ہو تو مباح ہے۔بلکہ بعض صورتوں میں مستحب مثلاً عورت اس کو یا اوروں کو ایذا دیتی یا نماز نہیں پڑھتی ہے۔عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بے نمازی عورت کو طلاق دے دوں اور اُس کا مہر میرے ذمہ باقی ہو، اس حالت کے ساتھ دربار خدا میں میری پیشی ہو تو یہ اُس سے بہتر ہے کہ اُس کے ساتھ زندگی بسر کروں۔اور بعض صورتوں میں طلاق دینا واجب ہے مثلاً شوہر نامرد یا ہیجڑا ہے یا اس پر

کسی نے جادو یا عمل کر دیا ہے کہ جماع کرنے پر قادر نہیں اور اس کے ازالہ کی بھی کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ ان صورتوں میں طلاق نہ دینا سخت تکلیف پہنچانا ہے۔ (درمختار، کتاب طلاق، ج ۴، ص ۴۱۴، بیروت)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

لغت میں طلاق کے معنی بندھن کھول دینا اور چھوڑ دینا ہے اور اصطلاح شرع میں طلاق کہتے ہیں اس پابندی کو اٹھا دینا جو نکاح کی وجہ سے خاوند اور جورو پر ہوتی ہے۔ حافظ نے کہا کبھی طلاق حرام ہوتی ہے جیسے خلاف سنت طلاق دی جائے (مثلاً حالت حیض میں یا تین طلاق ایک ہی مرتبہ دے دے یا اس طہر میں جس میں وطی کر چکا ہو) کبھی مکروہ جب بلا سبب محض شہوت رانی اور نئی عورت کی ہوس میں ہو، کبھی واجب ہوتی ہے جب شوہر اور زوجہ میں مخالفت ہو اور کسی طرح میل نہ ہو سکے اور دونوں طرف کے پنچ طلاق ہی ہو جانی مناسب سمجھیں۔ کبھی طلاق مستحب ہوتی ہے جب عورت نیک چلن نہ ہو، کبھی جائز مگر علماء نے کہا ہے کہ جائز کسی صورت میں نہیں کہ مگر اس وقت جب نفس اس عورت کی طرف خواہش نہ کرے اور اس کا خرچ اٹھانا بے فائدہ پسند نہ کرے۔

(فتح الباری، بتصرف)

اس صورت میں بھی طلاق مکروہ ہوگی۔ خاوند کو لازم ہے کہ جب اس نے ایک عفیفہ پاک دامن عورت سے جماع کیا تو اب اس کو نبا ہے اور اگر صرف یہ امر کہ اس عورت کو دل نہیں چاہتا طلاق کے جواز کی علت قرار دی جائے تو پھر عورت کو بھی طلاق کا اختیار ہونا چاہئے۔ جب وہ خاوند کو پسند نہ کرے حالانکہ ہماری شریعت میں عورت کو طلاق کا اختیار بالکل نہیں دیا گیا ہے (ہاں خلع کی صورت ہے جس میں عورت اپنے آپ کو مرد سے جدا کر سکتی ہے جس کے لیے شریعت نے کچھ ضوابط رکھے ہیں جن کو اپنے مقام پر لکھا جائے گا) نکاح کے بعد اگر زوجین میں خدانخواستہ عدم موافقت پیدا ہو تو اس صورت میں حتی الامکان صلح صفائی کرائی جائے جب کوئی بھی راستہ نہ بن سکے تو طلاق دی جائے۔

طلاق کی ممانعت میں احادیث

حضرت محارب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جن امور کو مباح کیا ہے ان میں سب سے ناپسندیدہ عمل طلاق کا ہے۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 413)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال چیزوں میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 414)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی عورت کو اس کے شوہر سے یا غلام کو اس کے آقا سے برگشتہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 411)

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا حلال کئے گئے کاموں میں سے اللہ عزوجل کو سب سے زیادہ ناپسند (چیز) طلاق ہے۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 175)

مسائل طلاق پرعدم التفات سے معاشرتی نقصانات

جس طرح اسلامی شریعت نے نکاح کے معاملے اور معاہدے کو ایک عبادت کی حیثیت دے کر عام معاملات ومعاہدات کی سطح سے بلند رکھا ہے اور بہت سی پابندیاں اس پر لگائی ہیں اسی طرح اس معاملہ کا ختم کرنا بھی عام لین دین کے معاملات کی طرح آزاد نہیں رکھا کہ جب جس کا دل چاہا اس معاملہ کو ختم کر دیا اور کسی دوسرے سے نکاح کا معاملہ کر لے۔ بلکہ اللہ تعالی نے اس نکاح کو ختم کرنے کا ایک خاص حکیمانہ قانون بنایا ہے، جس کو طلاق کہتے ہیں۔۔

آج کل جو طلاق کے حوالے سے ہمارے معاشرے میں بے چینی اختلافات اور انتشار پایا جاتا ہے اس کا حقیقی سبب صرف یہی ہے کہ لوگوں نے اسلام کے نظام طلاق کو اس کے صحیح مفہوم میں سمجھا ہی نہیں اور سمجھنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ اپنی جہالت کی بنا پر اپنے لئے مسائل کو خود پیدا کرتے ہیں اور بدنام اسلام اور علماء کو کرتے ہیں۔۔

آج کل کے عام مسلمانوں کو علماء کی یاد محض مردے کو غسل دلوانے، نماز جنازہ پڑھوانے، باپ کے مرنے کے بعد میراث سے حصہ ڈھونڈنے کے وقت ہی آتی ہے یا پھر نکاح کے وقت ادب سے مولوی کے سامنے بیٹھے ہوتے ہیں۔ وہ طلاق دینے کے بعد مولوی کے پاؤں پکڑ کر بیٹھنے پر تو آمادہ ہوتے ہیں۔ لیکن طلاق دینے سے قبل مولوی صاحب سے طلاق دینے کا طریقہ پوچھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔ اور خود ہی سیکھنے کی زحمت برداشت کرتے ہیں۔ نتیجہ بھی یہی نکلتا ہے کہ طلاق مغلظہ دے کر در در کی ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ جہالت کے ہاتھوں مجبور ہو کر عزت وناموس کا جنازہ بھی دھوم سے نکلواتے ہیں اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے لعنت کے مستحق قرار بھی پاتے ہیں۔

نکاح کے حوالے سے اسلامی تعلیمات یا یوں کہیے کہ منشاء خداوندی یہ ہے نکاح کا معاملہ اور معاہدہ عمر بھر کے لئے ہو، اس کے توڑنے اور ختم کرنے کی کبھی نوبت ہی نہ آئے۔ کیونکہ نکاح کو ختم کرنے کا اثر صرف میاں بیوی پر ہی نہیں پڑتا، بلکہ ان کی نسل اور اولاد کی تباہی وبربادی اور بعض اوقات خاندانوں اور قبیلوں میں فساد تک پہنچ جاتا ہے۔ اور پورا معاشرہ اس سے بری طرح متاثر ہوتا ہے۔

اسی لئے شریعت اسلامیہ جو اسباب اور وجوہ اس نکاح کو توڑنے کا سبب بن سکتے تھے ان تمام اسباب کو راہ سے ہٹانے کا پورا انتظام کیا ہے۔ میاں بیوی کے ہر معاملے اور ہر حال کے لئے جو ہدایتیں قرآن وسنت میں مذکور ہیں ان سب کا حاصل یہی ہے کہ یہ رشتہ ہمیشہ زیادہ سے زیادہ مستحکم ہوتا چلا جائے۔ ٹوٹنے نہ پائے، میاں بیوی میں ناموافقت کی صورت میں اول افہام وتفہیم سے کام لیا جائے۔ مسئلہ حل نہ ہو تو زجر وتنبیہ کی جائے۔ اور پھر بھی اگر معاملہ حل نہ ہو سکے تو خاندان ہی کے چند افراد کو ثالث بنا کر معاملہ طے کرنے کی تعلیم دی ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا

يُوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۔(النساء ،۳۵)

اور اگر تم کو میاں بی بی کے جھگڑے کا خوف ہو۔تو ایک حاکم مرد والوں کی طرف سے بھیجو اور ایک حاکم عورت والوں کی طرف سے۔یہ دونوں اگر صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ ان میں میل کر دے گا بے شک اللہ جاننے والا خبر دار ہے۔

اس آیت میں خاندان ہی کے افراد کو ثالث بنانے کا فرمان کس قدر حکیمانہ ہے کہ اگر میاں بیوی کے اختلاف کا یہ معاملہ خاندان سے باہر گیا تو بات بڑھ جانے اور دلوں میں زیادہ بعد پیدا ہو جانے کا خطرہ ہے۔

لیکن بسا اوقات ایسی صورتحال پیدا ہو جاتی ہے کہ اصلاح احوال کی تمام تر کوششیں نا کام ہو جاتی ہیں اور تعلق نکاح کے مطلوبہ ثمرات میاں بیوی، خاندان اور معاشرے کو حاصل نہیں ہو پاتے۔اور میاں بیوی کا آپس میں ایک ساتھ رہنا ان دونوں کے لئے ہی نہیں بلکہ خاندان اور معاشرے کے لئے ایک عذاب بن سکتا ہے یا بن جاتا ہے۔

ایسی حالت میں نکاح کے اس رشتہ کو ختم کرنے میں ہی سب کے لئے راحت اور سلامتی بن سکتا ہے۔اسی لئے شریعت اسلامیہ نے بعض دیگر مذاہب کی طرح یہ نہیں کہا کہ جب ایک بار نکاح ہو گیا تو اب یہ نا قابل تنسیخ ہے۔بس جو بھی ہے جیسا بھی ہے جہاں بھی ہے اب ساری زندگی ایک ساتھ ہی رہنا ہے۔بلکہ شریعت نے طلاق اور فسخ نکاح کا قانون بنایا ہے۔طلاق کا اختیار مرد کو دیا۔جس میں عادۃً فکر و تدبر اور تحمل کا مادہ عورت سے زیادہ ہوتا ہے۔لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عورت کو بالکل اس حق سے محروم کر دیا کہ وہ شوہر کے ظلم و ستم سہنے پر ہی مجبور رہے۔بلکہ عورت کو یہ حق دیا ہے کہ حاکم شرعی کی عدالت میں اپنا معاملہ پیش کر کے نکاح فسخ کرا سکے۔

اسی طرح شریعت اسلامیہ کی یہ تعلیم بھی نہیں ہے جس کا جب دل چاہے نکاح ختم کر دے۔جب چاہا دوبارہ شادی کر لی۔جیسا کہ یورپ امریکہ وغیرہ میں عموماً کیا جا رہا ہے۔اور یہی بد تہذیبی جمہوریت اور حقوق نسواں کے نام پر دوسروں پر مسلط کرنے کی ایک کامیاب کوشش کی جا رہی ہے۔

بہر حال مختصر یہ کہ شریعت نے نکاح کو ختم کرنے کا اختیار بہر حال دیا ہے اور یہ اختیار مرد کو بھی حاصل ہے اور عورت کو بھی حاصل ہے۔مگر شریعت کے بتائے ہوئے طریقہ کار کے مطابق۔چونکہ ہمارا موضوع اس وقت طلاق ہے جس کا تعلق مرد کے نکاح کو ختم کرنے کے حق سے ہے اس لئے عورت کے نکاح کو ختم کرنے کے حق، تنسیخ نکاح۔یا خلع سے یہاں بات نہیں کروں گا۔۔۔

شریعت نے مرد کو بوقت ضرورت شدیدہ کے نکاح کو ختم کرنے کی اجازت دی ہے۔لیکن اس کے ساتھ ہی اسلام نے مرد کو بعض ہدایات دی ہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ اس پر بعض پابندیاں عائد کی ہیں۔

() شریعت نے بتا دیا کہ مرد کا طلاق کا اختیار استعمال کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت مبغوض اور مکروہ ہے صرف مجبوری کی حالت میں اجازت ہے۔

(ا) حالت غیظ و غضب میں یا کسی وقتی اور ہنگامی نا گواری میں اس طلاق کے اختیار کو استعمال نہ کرے۔لیکن اگر کرے گا تو

طلاق تو ہو چکی مگر گناہ بھی ملے گا۔

(۲) اسی طرح عورت کے ایام ماہواری میں طلاق دینے سے منع کیا گیا ہے۔ اگر دی تو طلاق تو ہوگی مگر گناہ گار ہوگا۔

(۳) معاملہ نکاح کو ختم کرنے کا طریقہ وہ نہیں رکھا گیا جو عام معاملات کو ختم کرنے کا رکھا گیا ہے۔ ادھر معاملہ ختم ادھر دونوں فریق آزاد جو مرضی ہے کریں چاہے خود ہی دوبارہ معاملہ کرلیں یا فورا کسی دوسرے سے معاملہ کرلیں۔ بلکہ معاملہ نکاح کو ختم کرنے کے لئے پہلے تو اس کے تین درجے تین طلاقوں کی صورت میں رکھے ہیں۔ پھر اس پر عدت کی پابندی لگائی ہے۔ عدت پوری ہونے تک معاملا نکاح کے متعدد اثرات باقی رہتے ہیں۔ مثلا عورت دوسرا نکاح دوران عدت نہیں کرسکتی۔ اور مرد ذمہ عورت کا نان ونفقہ دوران عدت ہوگا۔

(۴) ایک یا دو طلاق صریح الفاظ میں دی ہے تو نکاح نہیں ٹوٹا، عدت ختم ہونے سے قبل مرد رجوع کرسکتا ہے۔

(۵) لیکن یہ رجوع کا اختیار بھی اللہ تعالی نے مرد کو صرف دو طلاق تک محدود رکھا ہے۔ اس کے بعد تیسری طلاق اگر دے دی تو مرد کو رجوع کا اختیار حاصل نہیں ہوگا۔۔ حکیمانہ قانون اللہ تعالی نے عورت کی حفاظت کے لئے بنا رکھا ہے تا کہ کوئی ظالم اور بے قدرا شخص ہمیشہ طلاق دیتا اور رجوع کرتا ہی نہ رہے۔ اور اس کی نظر میں بیوی یا عورت کی کوئی قدر و منزلت ہی نہ ہو۔

طلاق کی شرعی حیثیت کا بیان

فقہاء کا کہنا ہے کہ طلاق پر پانچ احکامات لاگو ہوتے ہیں۔ کبھی واجب ہوتی ہے : یہ اس وقت جب شوہر مباشرت (صحبت) کے قابل نہ ہو، یا بیوی پر خرچ نہیں کرسکتا، تو اسکی دینداری کا تقاضا ہے اسکو طلاق دیدے، (اگر یہ بیوی کی خواہش ہو تو)، تا کہ اسکو روکنے کے نتیجہ میں اسکے اخلاق میں بگاڑ نہ آ جائے، یا کوء نقصان نہ ہو، نیز نا چاقی کی اصلاح کیلئے جمع ثالثوں کی طلاق، جب دونوں میں ہوئے جھگڑوں کی اصلاح کی کوششیں نا کام ہو جائیں، اور دونوں ثالث، دونوں میں علاحدگی ہی مناسب سمجھیں۔

کبھی مستحب ہوتی ھے : یہ اس صورت میں جب بیوی، شوہر کے حقوق کی ادائیگی میں تساھل برتے، مثلا بغیر کسی شرعی سبب کے اپنے آپ کو شوہر سے دور رکھے، اور اس پر مصر رھے، نیز اس صورت میں بھی طلاق مستحب ھے، جب بیوی خود، نا اتفاقی کی بنا پر اسکا مطالبہ کرے، اور اس پر مصر رھے۔

کبھی جائز ہوتی ھے : یہ اس صورت میں جب بیوی کی بد اخلاقی، اور اسکے برے سلوک سے بچنے، اسکی واقعی ضرورت پیش آئے، یا شوہر بیوی سے اتنی سخت نفرت کرتا ھیکہ اسکو کنڑول نہیں کرسکتا، یا یہ اندیشہ لاحق ہو جائے کہ بیوی کی حق تلفی ہوگی، یا اس پر ظلم ہوگا، (اس صورت میں طلاق جائز ہوگی)۔

انہی تینوں احکام کیطرف دفعہ نے ان لفظوں میں اشارہ کیا ھے، "یہ، ایسی شادی سے، جسکا شرعی مقصد پورا نہیں ہو رھا ہو، ایسے وقت میں چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے رکھی گ ء ھے، جبکہ خاوند و بیوی کے درمیان اختلافات زور پکڑ جائیں، اور یہ یقین ہو جائے کہ شادی کا برقرار رہنا محال ھے"۔

موجودہ دفعہ میں مذکور لفظ 'شرع' (مشروع کی گئی ہے یا رکھی گئی ہے)، میں، واجب، مستحب، اور جائز بھی آ جاتے ہیں۔
طلاق کبھی مکروہ ہوتی ھے، یہ عام فقہاء کا مذھب ھے، یہ اس صورت میں، جب طلاق کی کوئی ضرورت ہی نہ ہو، بعض لوگوں کا تو کہنا ھیکہ اسمیں بیوی کیلیے بنا کسی سبب کے جو تکلیف ونقصان ھے، اس بنا پر یہ طلاق حرام ھے۔
طلاق کبھی حرام ہوتی ھے: یہ اس صورت میں، جب شوہر کو یقین ہو کہ یا تو بیوی سے بے انتہا قلبی تعلق کی بنا پر، یا اسکے علاوہ کسی اور خاتون سے شادی پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے گناہ میں مبتلا ہونیکا یقین ہو، نیز حالت حیض میں یا اس پاکی کی حالت میں، جس میں صحبت کی ہو، طلاق دینا حرام ھے، اسکو بدعی طلاق کہتے ہیں، اسکا تفصیلی بیان آگے آئے گا۔

مسئلہ طلاق میں اصلاح عوام کی ضرورت

لیکن بدقسمتی سے بہت سے لوگ بیک وقت تین طلاقیں دے بیٹھتے ہیں پھر علمائے کرام سے مسئلہ پوچھتے ہیں تو علمائے حق اہل سنت و جماعت یہ فتوی دیتے ہیں کہ اب وہ بغیر حلالہ کے تمہارے نکاح میں نہیں آسکتی کیونکہ شریعت نے بغیر حلالہ کے شوہر اول سے اسکا نکاح منع کردیا ہے۔ تو جاہل و بے وقوف لوگ سر پکڑ کو بلبلا اٹھتے ہیں کہ دیکھو ایک شخص کا گھر برباد ہو رہا ہے اور اس کے پانچ ،سات بچے ہیں جو معصوم ہیں وہ بیچارے تو بھوک سے مرجائیں گے۔ خاندان کے اندر کئی دشمنیاں جنم لیں گی اور علمائے کرام پر اس طرح کے جملے کستے ہیں کہ جیسے ان کے درمیان اور علمائے کرام کے درمیان حق و باطل کا معرکہ شروع ہو چکا ہے۔
لیکن افسوس؛ اس بات پر کہ لوگ ساری ساری عمر بسر کر جاتے ہیں مگر نکاح، طلاق اور دیگر شرعی احکام کو سمجھنے کی طرف ذرا توجہ نہیں دیتے۔ ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہیے اگر غلطی انکی اپنی ہو اور الزام شریعت پر، یہ کتنی بڑی غلط فہمی ہے۔ اور اللہ کا کیا ہوا حرام تو کسی بھی صورت میں حلال نہیں ہوسکتا۔ اگرچہ ساری دنیا کے روشن خیال اور عقل کل کا دعوی کرنے والے لوگ ساری عمر اپنا سر پکڑ کر بیٹھیں تب بھی وہ اللہ کے حرام کیے ہوئے کو حلال نہیں کر سکتے۔ لہذا برائے مہربانی اپنی غلطیوں کی وجہ سے اسلام کے احکام کو بدلنے سے باز رہیں۔
اسی طرح وہ نام نہاد علماء جو عوامی خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے تین طلاقوں کو ایک طلاق کہہ دیتے ہیں اور پھر اس پر فتاوی جات کی بھرپور اشاعت بھی کر بیٹھتے ہیں انہیں بھی یاد رکھنا چاہیے کہ تین، تین ہوتا ہے اور ایک، ایک ہوتا ہے۔ کیا اگر کسی نے کہا کہ اس کے تین خدا ہیں تو کیا تم اسکی توحید کو قبول کرلو گے۔ اگر ایسی توحید قابل قبول نہیں تو پھر وحدہ لاشریک کے احکام کو بھی حق کے ساتھ بیان کرو، نہ کہ عوامی خواہشات کی پیروی۔۔۔!؟
یاد رہے احکام شرع میں حلت و حرمت کا حکم شرعی نصوص کے ذریعے ثابت کرنا یہ کوئی عام لوگوں کا منصب نہیں ہے کہ وہ جس طرح چاہیں استدلال کرتے ہوئے احکام کی تشریح کریں۔ یہ مجتہدانہ صلاحیت و بصیرت اہل علم لوگوں یعنی فقہائے اسلاف کا کام تھا اور وہ پوری دیانتداری کے ساتھ یہ کام کر گزرے ہیں اور اب ہمیں ان کی اتباع وتقلید کا حکم ہے۔

باب طلاق السنۃ

﴿یہ باب طلاق سنت کے بیان میں ہے﴾

باب طلاق سنت کی فقہی مطابقت کا بیان

مصنف نے کتاب طلاق میں سب سے پہلے اس باب کا ذکر کیا ہے جس میں طلاق کی اقسام کو بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ طلاق کے احکام سے متعلق تمام جزئیات کا انطباق انہی تین اقسام پر منحصر ہے۔ لہذا ان کا مفہوم ومعنی سمجھنا ضروری تھا تا کہ جب کوئی حکم طلاق ثابت ہو تو اس کا ان تینوں اقسام میں سے کسی ایک پر منطبق کیا جا سکے۔

طلاق سنہ کے باب کی فقہی مطابقت اس طرح بھی باقی مسائل طلاق سے مقدم ہے کیونکہ اس میں طریقہ طلاق بیان کیا گیا ہے۔ یقیناً طلاق میں اصل حظر ہے لیکن جب یہ ضرورت کے وقت مباح ہوتی ہے تو تب یہ جاننا ضروری ہوا کہ اس کی اباحت کا طریقہ کیا ہے۔ لہذا مصنف نے اس کی اباحت کے وقت اختیار کیا جانے والا طریقہ بیان کیا ہے۔ اور پھر اس کو تین اقسام پر تقسیم کرتے ہوئے صحیح طریقے کی اہمیت اور غلط طریقے کی قباحت کو ذکر کر دیا ہے تا کہ حالت اباحت میں صحیح طریقہ اپنایا جائے اور غلط طریقے سے احتراز کیا جائے۔

طلاق کی اقسام کا فقہی بیان

قَالَ ﴿ الطَّلَاقُ عَلٰى ثَلَاثَةِ اَوْجُهٍ :حَسَنٌ، وَاَحْسَنُ، وَبِدْعِيٌّ .فَالْاَحْسَنُ اَنْ يُطَلِّقَ الرَّجُلُ امْرَاَتَهُ تَطْلِيقَةً وَاحِدَةً فِيْ طُهْرٍ لَمْ يُجَامِعْهَا فِيْهِ وَيَتْرُكَهَا حَتّٰى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا ﴾ ؛ لِاَنَّ الصَّحَابَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ كَانُوا يَسْتَحِبُّوْنَ اَنْ لَا يَزِيْدُوْا فِي الطَّلَاقِ عَلٰى وَاحِدَةٍ حَتّٰى تَنْقَضِيَ الْعِدَّةُ (۱) فَاِنَّ هٰذَا اَفْضَلُ عِنْدَهُمْ مِنْ اَنْ يُطَلِّقَهَا الرَّجُلُ ثَلَاثًا عِنْدَ كُلِّ طُهْرٍ وَاحِدَةً ؛ وَلِاَنَّهُ اَبْعَدُ مِنَ النَّدَامَةِ وَاَقَلُّ ضَرَرًا بِالْمَرْاَةِ وَلَا خِلَافَ لِاَحَدٍ فِي الْكَرَاهَةِ

ترجمہ

فرمایا: طلاق کی تین اقسام ہیں۔ (۱) حسن' (۲) احسن' (۳) بدعت۔ احسن طلاق یہ ہے: آدمی اپنی بیوی کو ایک طلاق دے ایسے طہر میں' جس میں اس نے اس عورت کے ساتھ صحبت نہ کی ہو اور پھر اس عورت کو چھوڑ دے یہاں تک کہ اس عورت کی عدت گزر جائے۔ اس کی دلیل یہ ہے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اس بات کو مستحب سمجھتے تھے: وہ ایک سے زیادہ طلاق نہ دیں' یہاں تک کہ عدت گزر جائے اور یہ بات ان کے نزدیک اس چیز سے زیادہ فضیلت رکھتی تھی کہ آدمی ہر طہر میں ایک طلاق دے کر

تین طلاقیں دیدے۔اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے:اس صورت میں آدمی ندامت سے دور رہتا ہے اور اس کا ضرر بھی کم ہوتا ہے۔تاہم اس کے مکروہ ہونے کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(۱) اخرجہ ابن ابی شیبۃ فی "مصنفہ" عن ابراھیم النخعی بلفظ "کانوا یستحبون ان یطلقھا واحدۃ، ثم یترکھا حتی تحیض ثلاث حیض" و اسنادہ صحیح

طلاق سنت کا بیان

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ طلاق سنت اس طریقہ سے ہے کہ انسان بغیر جماع کیے عورت کو پاکی کی حالت میں طلاق دے دے پھر جس وقت اس کو حیض آ جائے اور وہ عورت پاک ہو جائے تو اس وقت اس کو دوسری طلاق دے دے پھر جس وقت اس کو حیض آ جائے اور وہ پاک ہو جائے جب اس کو اور ایک طلاق دے پھر اس کے بعد عورت ایک حیض مدت گزارے۔حضرت اعمش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابراہیم سے دریافت کیا تو انہوں نے بھی اسی طریقہ سے بیان فرمایا۔(سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1332)

حضرت یونس بن جبیر سے روایت ہے کہ میں نے ابن عمر سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو اپنی بیویوں کو ایام حیض میں طلاق دیتا ہے فرمایا تم عبداللہ بن عمر کو جانتے ہو؟ انہوں نے بھی اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تھی جس پر حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا آپ نے انہیں رجوع کرنے کا حکم دیا،حضرت عمر نے پوچھا کیا وہ طلاق بھی گنی جائے گی؟ فرمایا خاموش رہو،اگر وہ عاجز ہو اور پاگل ہو جائیں تو کیا ان کی طلاق نہیں گنی جائے گی۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1183)

حضرت عبداللہ بن مسعود نے بیان کیا طلاق کا سنت طریقہ ہے کہ عورت کو طہر میں ایک طلاق دے جب تیسری بار پاک ہو تو آخری طلاق دے اور اس کے بعد عدت ایک حیض ہوگی۔(سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 178)

طلاق سنت میں فقہی مذاہب اربعہ

حضرت سالم اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی بیوی کو ایام حیض میں طلاق دی جس پر حضرت عمر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا انہیں رجوع کرنے کا حکم دو۔پھر حاملہ ہونے یا حیض سے پاک ہونے کی صورت میں طلاق دیں حضرت یونس بن جبیر کی ابن عمر اور سالم کی اپنے والد سے مروی حدیث دونوں حسن صحیح ہیں یہ دوسری حدیث حضرت ابن عمر سے کئی سندوں سے مروی ہے اس پر علماء صحابہ اور دیگر علماء کا عمل ہے۔کہ طلاق سنت یہی ہے کہ ایسے طہر میں طلاق دی جائے جس میں جماع نہ کیا ہو بعض اہل علم کہتے ہیں کہ ایک طہر میں ایک طلاق دینا بھی سنت ہے امام شافعی،احمد کا بھی یہی قول ہے بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ طلاق سنت اسی صورت میں ہوگی کہ ایک ہی طلاق دے ثوری اسحاق کا یہی قول ہے حاملہ عورت کو جس وقت چاہے طلاق دے امام شافعی،احمد،اور اسحاق کا یہی قول ہے بعض علماء کے نزدیک اسے ہر ماہ میں ایک طلاق

دی جائے۔(جامع ترمذی: جلداول: حدیث نمبر 1184)

وقت ومحل کے اعتبار سے اقسام طلاق کا بیان

طلاق کی قسمیں : یہ بات جاننی چاہئے کہ وقت ومحل کے اعتبار سے نفس طلاق کی تین قسمیں ہیں

(۱) احسن (۲) حسن، حسن کو سنی بھی کہتے ہیں (۳) بدعی

طلاق احسن کی صورت یہ ہے کہ ایک طلاق رجعی ایسے طہر پا کی کی حالت میں دی جائے جس میں جماع نہ کیا ہو اور پھر اس کو اسی حالت میں چھوڑے یعنی پھر نہ تو اس کو اور طلاق دے اور نہ اس سے جماع کرے) یہاں تک کہ اس کی عدت پوری ہو جائے طلاق کی یہ پہلی قسم سب سے بہتر ہے۔

طلاق حسن : کی صورت یہ ہے کہ ایک طلاق حسن رجعی ایسے طہر پا کی کی حالت میں دی جائے جس میں جماع نہ کیا ہو بشرطیکہ عورت مدخول بہا ہو اور اگر عورت غیر مدخول بہا ہو تو اس کے لئے ایک طلاق حسن ہے نیز اس کو حیض کی حالت میں بھی طلاق دی جاسکتی ہے اور آئسہ صغیرہ اور حاملہ عورتوں کے لئے طلاق حسن یہ ہے کہ ان کو تین مہینہ تک ہر مہینہ میں ایک طلاق دی جائے نیز ان عورتوں کو جماع کے بعد بھی طلاق دینا جائز ہے طلاق کی یہ دوسری قسم بھی بہتر ہے۔

طلاق بدعی : کی صورت یہ ہے کہ مدخول بہا کو ایک ہی طہر میں یا ایک ہی دفعہ میں تین طلاقیں دیدے یا ایسی دو طلاقیں دے جس میں رجعت کی گنجائش نہ ہو یا اس کو اس طہر میں طلاق دے جس میں جماع کر چکا ہو اس طرح اگر کسی شخص نے حیض کی حالت مین طلاق دی تو یہ بھی طلاق بدعی کے حکم میں ہے اور اگر وہ عورت کہ جس کو حیض کی حالت میں طلاق دی ہے مدخول بہا ہو تو صحیح تر روایت کے مطابق اس سے رجوع کرنا واجب ہے جب کہ بعض علماء نے رجوع کرنے کو مستحب کہا ہے، پھر جب وہ پاک ہو جائے اور اس کے بعد دوسرا حیض آئے اور پھر اس سے بھی پاک ہو جائے تب اگر طلاق دینا ضروری ہو تو اس دوسرے طہر میں طلاق دی جائے طلاق کی یہ تیسری قسم شریعت کی نظر میں ناپسندیدہ ہے گو طلاق واقع ہو جاتی ہے مگر طلاق دینے والا گنہگار رہوتا ہے۔

طلاق کی اقسام میں مذاہب اربعہ

احناف طلاق کی تین قسمیں قرار دیتے ہیں : احسن، حَسَن اور بدعی۔ احسن طلاق یہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو ایسے طہر میں جس کے اندر اس نے مجامعت نہ کی ہو، صرف ایک طلاق دے کر عدت گزر جانے دے۔ حَسَن یہ ہے کہ ہر طہر میں ایک ایک طلاق دے۔ اس صورت میں تین طہروں میں تین طلاق دینا بھی سنت کے خلاف نہیں ہے،۔ اگر چہ بہتر یہی ہے کہ ایک ہی طلاق دے کر عدت گزر جانے دی جائے۔ اور طلاق بدعت یہ ہے کہ آدمی بیک وقت تین طلاق دے دے، یا ایک ہی طہر کے الگ الگ اوقات میں تین طلاق دے، یا حیض کی حالت میں طلاق دے، یا ایسے طہر میں طلاق دے جس میں وہ مباشرت ہو۔ ان میں سے جو فعل بھی وہ کرے گا گناہگار ہوگا۔ یہ تو ہے حکم ایسی مدخولہ عورت کا جسے حیض آتا ہو۔ رہی غیر مدخولہ عورت

سنت کے مطابق طہر اور حیض دونوں حالتوں میں طلاق دی جاسکتی ہے۔ اور اگر عورت ایسی مدخولہ ہو جسے حیض آنا بند ہو گیا ہو، یا ابھی آنا شروع ہی نہ ہوا ہو، تو اسے مباشرت کے بعد بھی طلاق دی جاسکتی ہے، کیونکہ اس کے حاملہ ہونے کا امکان نہیں ہے۔ اور عورت حاملہ ہو تو مباشرت کے بعد اسے بھی طلاق دی جاسکتی ہے، کیونکہ اس کا حاملہ ہونا پہلے ہی معلوم ہے۔ لیکن ان تینوں قسم کی عورتوں کو سنت کے مطابق طلاق دینے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ایک مہینہ بعد طلاق دی جائے، اور احسن یہ ہے کہ صرف ایک طلاق دے کر عدت گزر جانے دی جائے۔ (ہدایہ، فتح القدیر، احکام القرآن للجصاص، عمدۃ القاری)

امام مالکؒ کے نزدیک بھی طلاق کی تین قسمیں ہیں۔ سُنی، بدعی مکروہ، اور بدعی حرام۔ سنت کے مطابق طلاق یہ ہے کہ مدخولہ عورت کو جسے حیض آتا ہو، طہر کی حالت میں مباشرت کیے بغیر ایک طلاق دے کر عدت گزر جانے دی جائے۔ بدعی مکروہ یہ ہے کہ ایسے طہر کی حالت میں طلاق دی جائے جس میں آدمی مباشرت کر چکا ہو، یا مباشرت کیے بغیر ایک طہر میں ایک سے زیادہ طلاقیں دی جائیں، یا عدت کے اندر الگ الگ طہروں میں تین طلاقیں دی جائیں، یا بیک وقت تین طلاقیں دے ڈالی جائیں۔ اور بدعی حرام یہ ہے کہ حیض کی حالت میں طلاق دی جائے۔ (حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر۔ احکام القرآن لابن العربی)

امام احمد بن حنبلؒ کا معتبر مذہب یہ ہے جس پر جمہور حنابلہ کا اتفاق ہے: مدخولہ عورت جس کو حیض آتا ہو اسے سنت کے مطابق طلاق دینے کا طریقہ یہ ہے کہ طہر کی حالت میں مباشرت کیے بغیر اسے طلاق دی جائے، پھر اسے چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ عدت گزر جائے۔ لیکن اگر اسے تین طہروں میں تین الگ الگ طلاقیں دی جائیں، یا ایک ہی طہر میں تین طلاقیں دے دی جائیں، یا بیک وقت تین طلاقیں دے ڈالی جائیں، یا حیض کی حالت میں طلاق دی جائے، یا ایسے طہر میں طلاق دی جائے جس میں مباشرت کی گئی ہو اور عورت کا حاملہ ہونا ظاہر نہ ہو، تو یہ سب طلاق بدعت اور حرام ہیں۔ لیکن اگر عورت غیر مدخولہ ہو یا ایسی مدخولہ ہو جسے حیض آنا بند ہو گیا ہو، یا ابھی حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو، یا حاملہ ہو، تو اس کے معاملہ میں نہ وقت کے لحاظ سے سنت و بدعت کا کوئی فرق ہے نہ تعداد کے لحاظ سے۔ (الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف علیٰ مذہب احمد بن حنبلؒ)

امام شافعیؒ کے نزدیک طلاق کے معاملہ میں سنت اور بدعت کا فرق کے لحاظ سے ہے نہ کہ تعداد سے یعنی مدخول عورت جس کو حیض آتا ہو اسے حیض کی حالت میں طلاق دینا یا جو حاملہ ہو سکتی ہو اسے ایسے طہر میں طلاق دینا جس میں مباشرت کی جاچکی ہو اور عورت کا حاملہ ہونا ظاہر نہ ہو بدعت اور حرام ہے۔ رہی طلاقوں کی تعداد، تو خواہ بیک وقت تین طلاقیں دی جائیں، یا ایک ہی طہر میں دی جائیں، یا الگ الگ طہروں میں دی جائیں، بہر حال یہ سنت کے خلاف نہیں ہے۔ اور غیر مدخولہ عورت جسے حیض آنا بند ہو گیا ہو، یا حیض آیا ہی نہ ہو، یا جس کا حاملہ ہونا ظاہر ہو، اس کے معاملہ میں سنت اور بدعت کا کوئی فرق نہیں ہے۔ (مغنی المحتاج)

ہر قسم کی طلاق کے وقوع میں اتفاق مذاہب اربعہ

کسی طلاق کے بدعت، مکروہ، حرام، یا گناہ ہونے کا مطلب ائمہ اربعہ کے نزدیک یہ نہیں ہے کہ وہ واقع ہی نہ ہو۔ چاروں مذاہب میں طلاق، خواہ حیض کی حالت میں دی گئی ہو، یا بیک وقت تین طلاقیں دے دی گئی، یا ایسے طہر میں طلاق دی گئی ہو جس میں

مباشرت کی جاچکی ہو اور عورت کا حاملہ ہونا ظاہر نہ ہوا ہو، یا کسی اور ایسے طریقے سے دی گئی ہو جسے کسی امام نے بدعت قرار دیا ہے، بہر حال واقع ہو جاتی ہے، اگر چہ آدمی گناہ گار ہوتا ہے۔ لیکن بعض دوسرے مجتہدین نے اس مسئلے میں ائمہ اربعہ سے اختلاف کیا ہے۔

حضرت سعید بن مسیب اور بعض دوسرے تابعین کہتے ہیں کہ جو شخص سنت کے خلاف حیض کی حالت میں طلاق دے دے اس کی طلاق سرے سے واقع ہی نہیں ہوتی۔ یہی رائے امامیہ کی ہے۔ اور اس رائے کی بنیاد یہ ہے کہ ایسا کرنا چونکہ ممنوع اور بدعت محرمہ ہے اس لئے یہ غیر مؤثر ہے۔ حالانکہ اوپر جو احادیث ہم نقل کر آئے ہیں ان میں یہ بیان ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے جب بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی تو حضور نے انہیں رجوع کا حکم دیا۔ اگر یہ طلاق واقع ہی نہیں ہوئی تھی تو رجوع کا حکم دینے کے کیا معنی؟ اور یہ بھی بکثرت احادیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے اور اکابر صحابہؓ نے ایک سے زیادہ طلاق دینے والے کو اگر چہ گناہ گار قرار دیا ہے، مگر اس کی طلاق کو غیر مؤثر قرار نہیں دیا۔

طلاق دینے کے طریقہ حسن کا بیان

﴿وَالْحَسَنُ هُوَ طَلَاقُ السُّنَّةِ، وَهُوَ اَنْ يُطَلِّقَ الْمَدْخُوْلَ بِهَا ثَلَاثًا فِيْ ثَلَاثَةِ اَطْهَارٍ﴾ وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِنَّهُ بِدْعَةٌ وَلَا يُبَاحُ اِلَّا وَاحِدَةً، لِاَنَّ الْاَصْلَ فِي الطَّلَاقِ هُوَ الْحَظْرُ وَالْاِبَاحَةُ لِحَاجَةِ الْخَلَاصِ وَقَدِ انْدَفَعَتْ بِالْوَاحِدَةِ. وَلَنَا قَوْلُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَدِيْثِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ﴿اِنَّ مِنَ السُّنَّةِ اَنْ تَسْتَقْبِلَ الطُّهْرَ اسْتِقْبَالًا فَتُطَلِّقَهَا لِكُلِّ قُرْءٍ تَطْلِيْقَةً (۱)﴾ وَلِاَنَّ الْحُكْمَ يُدَارُ عَلٰى دَلِيْلِ الْحَاجَةِ وَهُوَ الْاِقْدَامُ عَلَى الطَّلَاقِ فِيْ زَمَانِ تَجَدُّدِ الرَّغْبَةِ وَهُوَ الطُّهْرُ الْخَالِيْ عَنِ الْجِمَاعِ، فَالْحَاجَةُ كَالْمُتَكَرِّرَةِ نَظَرًا اِلٰى دَلِيْلِهَا ثُمَّ قِيْلَ: الْاَوْلٰى اَنْ يُؤَخِّرَ الْاِيْقَاعَ اِلٰى آخِرِ الطُّهْرِ احْتِرَازًا عَنْ تَطْوِيْلِ الْعِدَّةِ، وَالْاَظْهَرُ اَنْ يُطَلِّقَهَا كَمَا طَهُرَتْ، لِاَنَّهُ لَوْ اَخَّرَ رُبَّمَا يُجَامِعُهَا، وَمِنْ قَصْدِهِ التَّطْلِيْقُ فَيُبْتَلٰى بِالْاِيْقَاعِ عَقِيْبَ الْوِقَاعِ.

(۱) أخرجه الدارقطني في "سننه" والطبراني من حديث ابن عمر في قصة تطليق امرأته، فقال له النبي ﷺ "السنة أن تستقبل الطهر، فتطلق لكل قرء"، قال البيهقي في "المعرفة" أتى عطاء الخراساني في هذا الحديث بزيادات لم يتابع عليها، وهو ضعيف، انظر "نصب الراية" ۲۲۱/۳ و "الدراية" ۶۹/۲

ترجمہ

اور طلاق حسن سے مراد سنت طلاق ہے اور وہ یہ ہے: آدمی مدخول بہا (بیوی) کو تین طہروں میں تین طلاقیں دے۔ حضرت

امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: یہ بدعت ہے اور صرف ایک ہی طلاق دینا مباح ہے'اس کی وجہ یہ ہے: طلاق میں اصل چیز ممنوعیت ہے اور اس کو چھٹکارے کے حصول کے لئے مباح قرار دیا گیا ہے اور وہ چیز ایک طلاق کے ذریعے بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ ہماری دلیل حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: ''سنت یہ ہے: تم طہر آنے دو اور پھر ہر ایک طہر میں ایک طلاق دو''۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے: حکم کا مدار ضرورت کی بنیاد پر ہوتا ہے اور وہ (دلیل) ایسے زمانے میں طلاق کا اقدام کرنا ہے جس میں دوبارہ نئے سرے سے رغبت پیدا ہو چکی ہو اور یہ چیز ''طہر'' کے زمانے میں ہوتی ہے ایسا ''طہر'' جس میں صحبت نہ کی گئی ہو اس لیے ضرورت کی دلیل کی طرف دیکھتے ہوئے' دوبارہ حاجت ہونے کی صورت حال پیدا ہو جائے گی۔ پھر یہ بات بھی بیان کی گئی ہے: زیادہ بہتر یہ ہے: آدمی طلاق دینے کو طہر کے آخری حصے تک مؤخر کرے تاکہ عدت کو طول دینے سے بچ سکے' تاہم زیادہ مناسب یہ ہے: جیسے ہی عورت پاک ہو' مرد اسے طلاق دیدے کیونکہ وہ اگر اس کو مؤخر کرے گا' تو ہو سکتا ہے' اس عورت کے ساتھ صحبت کر لے۔ چونکہ وہ طلاق دینے کا ارادہ تو کر چکا ہے' تو اس صورت میں وہ صحبت کرنے کے بعد طلاق واقع کرنے میں مبتلا ہو سکتا ہے۔

مسنون طریقے سے طلاق دینے میں احادیث

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ انہوں نے زمانہ رسالت میں اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دیدی تو حضرت عمر بن الخطاب نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کو چاہیے کہ وہ اس سے رجوع کرے پھر اس کو اپنے پاس رکھے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے پھر حیض آئے پھر پاک ہو اس کے بعد اگر چاہے تو اس کو رکھ لے یا چاہے تو جماع کیے بغیر اس کو طلاق دیدے پس یہ ہے وہ عدت جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس میں عورتوں کو طلاق دی جائے۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 415)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس سے کہو کہ رجوع کرے پھر جب پاک ہو جائے یا حاملہ ہو جائے تو طلاق دیدے۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 417)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی حضرت عمر نے یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غصہ میں آ گئے اور فرمایا کہ اس کو کہو کہ وہ اس سے رجوع کرلے پھر اس کو اپنے پاس رکھے یہاں تک کہ وہ حیض سے پاک ہو جائے پھر اس کو دوسرا حیض آئے اور وہ پھر حیض سے پاک ہو اس کے بعد اگر چاہے تو طلاق دیدے پاکی کی حالت میں جماع کیے بغیر اور یہ طلاق کی عدت کے مناسب ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 418)

حضرت یونس بن جبیر سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عمر سے پوچھا کہ تم اپنی بیوی کو کتنی طلاقیں دی تھیں؟ انہوں

نے کہا ایک۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 419)

طلاق بدعت دینے کا بیان

(وَطَلَاقُ الْبِدْعَةِ اَنْ يُطَلِّقَهَا ثَلَاثًا بِكَلِمَةٍ وَاحِدَةٍ اَوْ ثَلَاثًا فِي طُهْرٍ وَاحِدٍ، فَإِذَا فَعَلَ ذٰلِكَ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَكَانَ عَاصِيًا) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: كُلُّ الطَّلَاقِ مُبَاحٌ لِاَنَّهُ تَصَرُّفٌ مَشْرُوعٌ حَتّٰى يُسْتَفَادَ بِهِ الْحُكْمُ وَالْمَشْرُوعِيَّةُ لَا تُجَامِعُ الْحَظْرَ، بِخِلَافِ الطَّلَاقِ فِي حَالَةِ الْحَيْضِ؛ لِاَنَّ الْمُحَرَّمَ تَطْوِيلُ الْعِدَّةِ عَلَيْهَا لَا الطَّلَاقِ. وَلَنَا اَنَّ الْاَصْلَ فِي الطَّلَاقِ هُوَ الْحَظْرُ لِمَا فِيهِ مِنْ قَطْعِ النِّكَاحِ الَّذِي تَعَلَّقَتْ بِهِ الْمَصَالِحُ الدِّينِيَّةُ وَالدُّنْيَوِيَّةُ وَالْاِبَاحَةُ لِلْحَاجَةِ اِلَى الْخَلَاصِ، وَلَا حَاجَةَ اِلَى الْجَمْعِ بَيْنَ الثَّلَاثِ وَهِيَ فِي الْمُفَرَّقِ عَلَى الْاَطْهَارِ ثَابِتَةٌ نَظَرًا اِلَى دَلِيلِهَا، وَالْحَاجَةُ فِي نَفْسِهَا بَاقِيَةٌ فَاَمْكَنَ تَصْوِيرُ الدَّلِيلِ عَلَيْهَا، وَالْمَشْرُوعِيَّةُ فِي ذَاتِهِ مِنْ حَيْثُ اِنَّهُ اِزَالَةُ الرِّقِّ لَا تُنَافِي الْحَظْرَ لِمَعْنًى فِي غَيْرِهِ وَهُوَ مَا ذَكَرْنَاهُ، وَكَذَا اِيقَاعُ الثِّنْتَيْنِ فِي طُهْرٍ وَاحِدٍ بِدْعَةٌ؛ لِمَا قُلْنَا. وَاخْتَلَفَتِ الرِّوَايَةُ فِي الْوَاحِدَةِ الْبَائِنَةِ. قَالَ فِي الْاَصْلِ: اِنَّهُ اَخْطَأَ السُّنَّةَ؛ لِاَنَّهُ لَا حَاجَةَ اِلَى اِثْبَاتِ صِفَةٍ زَائِدَةٍ فِي الْخَلَاصِ وَهِيَ الْبَيْنُونَةُ، وَفِي الزِّيَادَاتِ اَنَّهُ لَا يُكْرَهُ لِلْحَاجَةِ اِلَى الْخَلَاصِ نَاجِزًا.

ترجمہ

اور بدعت طلاق یہ ہے: شوہر ایک ہی کلمے کے ذریعے تین طلاقیں دیدے یا ایک ہی طہر میں تین طلاقیں دیدے جب وہ ایسا کرے گا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور وہ شخص گنہگار ہوگا۔ امام شافعی فرماتے ہیں: کسی بھی طریقے کے ساتھ طلاق دینا مباح ہے کیونکہ یہ ایک ایسا تصرف ہے جو مشروع ہے تاکہ اس کے ذریعے حکم مستفاد ہو سکے لہٰذا مشروعیت ممانعت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی جبکہ حیض کی حالت میں طلاق دینے کا حکم اس سے مختلف ہے کیونکہ وہاں عورت کی عدت کو طول دینا حرام ہے طلاق دینا منع نہیں ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے: طلاق میں اصل چیز ممانعت ہے کیونکہ اس سے نکاح ختم ہو جاتا ہے جس کے ذریعے بہت سے دینی اور دنیاوی مصالح متعلق ہوتے ہیں اور علیحدگی کی ضرورت کے پیش نظر اسے مباح قرار دیا گیا ہے جبکہ تین طلاقیں ایک ساتھ دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور مختلف طہروں میں متفرق طور پر دینے کی ضرورت بھی ثابت ہوگی اس کی حاجت کی دلیل کو سامنے رکھتے ہوئے اور کیونکہ بذات خود اس کی ضرورت موجود ہے اس لیے اس پر دلیل کو متصور کرنا بھی ممکن ہوگا۔ اپنی ذات کے اعتبار سے یہ

مشروع اس حیثیت سے ہے کہ اس کے ذریعے رقیت زائل ہو جاتی ہے اور یہ بات ممانعت کے منافی نہیں ہے' کیونکہ اس میں'' غیر'' کا مفہوم پایا جا رہا ہے اور وہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ اسی طرح ایک طہر میں' دو طلاقیں دینا بھی بدعت ہے' جس کی دلیل ہم ذکر کر چکے ہیں۔ ایک بائنہ طلاق کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔

امام محمد نے کتاب المبسوط میں یہ بات بیان کی ہے: ایسا شخص سنت کی خلاف ورزی کرے گا' کیونکہ علیحدگی اختیار کرنے میں کسی اضافی صفت کو ثابت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور وہی صفت'' بینونہ'' ہے۔ زیادات کی روایات میں یہ بات ہے: ایسا مکروہ نہیں ہے' کیونکہ اس صورت میں فوراً چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے۔

طلاق بدعت کی تعریف

عربی زبان میں ثلاثی مجرد کے باب سے مشتق اسم طلاق کے ساتھ کسرہ صفت لگا کر عربی اسم بدعت لگانے سے مرکب توصیلی بنا۔ اردو زبان میں بطور اسم استعمال ہوتا ہے۔ 1867ء کو" نورالہدایہ "میں تحریراً مستعمل ملتا ہے۔

(فقہ) اس طلاق کی تین صورتیں ہیں (1) حالت حیض میں طلاق دی ہو، (2) ایسے طہر میں طلاق دی ہو جس میں مباشرت ہو چکی ہو (۳) تین طلاقیں بیک وقت دے دی ہوں۔" امام مالک علیہ الرحمہ اور بہت سے فقہا نے تیسری طلاق کو جائز ہی نہیں رکھا وہ اس کو طلاق بدعت کہتے ہیں۔

حالت حیض کی وقوع طلاق میں مذاہب اربعہ

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حیض کی حالت میں طلاق دینے والے کو چونکہ رسول اللہ ﷺ نے رجوع کا حکم دیا تھا، اس لئے فقہاء کے درمیان یہ سوال پیدا ہوا ہے کہ یہ حکم کس معنی میں ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد، امام اوزاعی، ابن ابی لیلی، اسحاق بن راہویہ اور ابوثور کہتے ہیں کہ ایسے شخص کو رجوع کا حکم تو دیا جائے گا مگر رجوع پر مجبور نہ کیا جائے گا۔

(عمدۃ القاری، علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ)

ہدایہ ہیں حنفیہ کا مذہب یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس صورت میں رجوع کرنا نہ صرف مستحب بلکہ واجب ہے۔ مغنی المحتاج میں شافعیہ کا مسلک یہ بیان ہوا ہے کہ جس نے حیض میں طلاق دی ہو اور تین نہ دے ڈالی ہوں اس کے لئے مسنون یہ ہے کہ وہ رجوع کرے، اور اس کے بعد والے طہر میں طلاق نہ دے بلکہ اس کے گزرنے کے بعد جب دوسری مرتبہ عورت حیض سے فارغ ہو تب طلاق دینا چاہے تو دے، تا کہ حیض میں دی ہوئی طلاق سے رجوع محض کھیل کے طور پر نہ ہو۔

الانصاف میں حنابلہ کا مسلک یہ بیان ہوا ہے کہ اس حالت میں طلاق دینے والے کے لئے رجوع کرنا مستحب ہے۔

لیکن امام مالک علیہ الرحمہ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ حیض کی حالت میں طلاق دینا جرم قابل دست اندازی پولیس ہے۔ عورت خواہ مطالبہ کرے یا نہ کرے، بہر حال حاکم کا یہ فرض ہے کہ جب کسی شخص کا یہ فعل اس کے علم میں آئے تو وہ اسے رجوع پر

مجبور کرے اور عدت کے آخری وقت تک اس پر دباؤ ڈالتا رہے۔ اگر وہ انکار کرے تو اسے قید کردے۔ پھر بھی انکار کرے تو اسے مارے۔ اس پر نہ مانے تو حاکم خود فیصلہ کردے کہ "میں نے تیری بیوی تجھ پر واپس کردی" اور حاکم کا یہ فیصلہ رجوع ہوگا جس کے بعد مرد کے لئے اس عورت سے مباشرت کرنا جائز ہوگا، خواہ اس کی نیت رجوع کی ہو یا نہ ہو، کیونکہ حاکم کی نیت کی قائم مقام ہے۔ (حاشیہ الدسوقی)

مالکیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جس شخص نے طوعا وکرہا حیض میں دی ہوئی طلاق سے رجوع کرلیا ہو وہ اگر طلاق ہی دینا چاہے تو اس کے لئے مستحب طریقہ یہ ہے کہ جس حیض میں اس نے طلاق دی ہے اس کے بعد والے طہر میں اسے طلاق نہ دے بلکہ جب دوبارہ حیض آنے کے بعد وہ طاہر ہو اس وقت طلاق دے۔ طلاق سے متصل والے طہر میں طلاق نہ دینے کا حکم دراصل اس لئے دیا گیا ہے کہ حیض کی حالت میں طلاق دینے والے کا رجوع صرف زبانی کلامی نہ ہو بلکہ اسے طہر کے زمانے میں عورت سے مباشرت کرنی چاہیے پھر جس طہر میں مباشرت کی جاچکی ہو اس میں طلاق دینا چونکہ ممنوع ہے، لہذا طلاق دینے کا صحیح وقت اس کے طہر والا ہی ہے (حاشیہ الدسوقی)

طلاق ثلاثہ کے وقوع میں مذاہب اربعہ

ایک مجلس میں تین دفعہ دی گئی طلاق کو سنت کے خلاف ہے، طلاق بدعت ہے؛ لیکن اس کے واقع ہوجانے میں ائمہ اربعہ کا اختلاف نہیں، حضرت امام نووی شافعیؒ لکھتے ہیں۔

"وقد اختلف العلماء فیمن قال لامراته انت طالق ثلثاً فقال الشافعی ومالك وابو حنیفة واحمد وجماهیر العلماء من السلف والخلف یقع الثلاث" ۔ (نووی شرح مسلم)

علامہ نووی شافعی کہتے ہیں :امام مالک علیہ الرحمہ، امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور قدیم وجدید تمام علماء کے نزدیک تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔ اسی طرح امام ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ جس شخص نے بیک وقت تین طلاقیں دیں وہ واقع ہوجائیں گی۔

سیدنا حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عمر، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت ابن مسعود اور حضرت انس رضی اللہ عنہم اجمعین کا بھی یہی نظریہ ہے اور بعد کے تابعین اور ائمہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ (المغنی، ج7 :ص ۲۸۲، بیروت)

بیک وقت تین طلاق دینا حرام ہیں

حضرت محمود ابن لبید کہتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ کو اس شخص کے بارے میں بتایا گیا جس نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہوکر کھڑے ہوگئے اور فرمایا کیا اللہ عزوجل کی کتاب کے ساتھ کھیلا جاتا ہے (یعنی حکم خداوندی کے ساتھ استہزاء کیا جاتا ہے) درآنحالیکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں یہ سن کر مجلس نبوی میں موجود صحابہ میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں اس شخص کو قتل نہ کردوں؟ (نسائی)

اللہ عزوجل کی کتاب سے قرآن کریم کی یہ آیت (اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ)2 ۔البقرۃ229:) مراد ہے۔

اس آیت میں یہاں یہ حکم بیان کیا گیا ہے کہ ایک ساتھ تین طلاقیں نہ دینی چاہئیں بلکہ متفرق طور پر دینی چاہئیں دیں (وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰیٰتِ اللّٰہِ ھُزُوًا) 2 ۔البقرۃ231:) کے ذریعہ یہ تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو لہولعب کی طرح بے وقعت مت سمجھو چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی آیت کی طرف اشارہ فرمایا کہ متفرق طور پر طلاق دینے کی بجائے ایک ساتھ تینوں طلاقیں دینا حق تعالیٰ کے حکم ومنشاء کی خلاف ورزی ہے اور یہ خلاف ورزی گویا حق تعالیٰ کے احکام کے ساتھ استہزاء ہے۔ کیونکہ جس شخص نے حق تعالیٰ کے حکم کے خلاف کیا اس نے درحقیقت اپنے عمل سے یہ ثابت کیا کہ اس کی نظر میں حکم خداوندی کی کوئی وقعت نہیں ہے کہ اس پر عمل نہ کرنا اور کرنا دونوں برابر ہیں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک تین طلاق ایک ساتھ دینا بدعت وحرام ہے۔اور اس حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کے اس فعل پر غضب ناک ہوتے تھے جو گناہ ومعصیت کا باعث ہوتا تھا حضرت امام شافعی کے نزدیک تین طلاق ایک ساتھ دینا حرام نہیں ہے بلکہ خلاف اولیٰ ہے۔

علماء لکھتے ہیں کہ تین طلاقیں ایک ساتھ نہ دینے میں فائدہ یہ ہے کہ ایک طلاق کے بعد شاید اللہ تعالیٰ خاوند کے دل کو اس کی بیوی کی طرف مائل کر دے اور اس کے فیصلہ میں کوئی ایسی خوشگوار تبدیلی آجائے کہ وہ رجوع کر لے اور ان دونوں کے درمیان مستقل جدائی کی نوبت نہ آئے۔

علماء کے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یوں کہے کہ انت طالق ثلاثا (یعنی تجھ پر تین طلاق ہیں) تو آیا اس کی بیوی پر ایک طلاق پڑے گی یا تین طلاق واقع ہوں گی چنانچہ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ حضرت امام شافعی حضرت امام ابوحنیفہ حضرت امام احمد اور جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ تین طلاقیں پڑیں گی جب کہ طاؤس اور بعض اہل ظاہر یہ کہتے ہیں کہ ایک طلاق پڑ گئی۔

ایک صحابی کا یہ کہنا کہ میں اس شخص کو قتل نہ کر دوں؟ اس بناء پر تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو کتاب اللہ کے ساتھ استہزاء کرنے والا کہا تھا جو کفر ہے اور اگر کوئی مسلمان کفر کی حد میں داخل ہوجائے تو اس کی سزا قتل ہے حالانکہ ان صحابی نے یہ نہیں جانا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں جو الفاظ ارشاد فرمائے ہیں وہ زجر وتوبیخ پرمبنی ہیں ان کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں۔

ایک ساتھ تین طلاقیں دینے کا بیان

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ان سے حضرت عویمر عجلان نے بیان کیا کہ میں حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ اگر کوئی شخص اپنی اہلیہ کے پاس کسی اجنبی آدمی کو دیکھے اور وہ شخص اس

اجنبی شخص کو قتل کر دے تو اس قتل کرنے کے عوض کیا اس شخص کو بھی قتل کر دیں گے اگر وہ شخص ایسا نہ کرے؟ یعنی اس عورت کے شوہر کے واسطے کیا شرعی حکم ہے؟ تم یہ مسئلہ اے عاصم میری جانب سے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کرو چنانچہ پھر حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے یہ مسئلہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا اگر چہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مذکورہ سوال ناگوار محسوس ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سوال کو برا خیال فرمایا اور سائل کے اس سوال کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معیوب خیال فرمایا حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناگواری محسوس کر کے گراں محسوس ہوا اس وجہ سے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کو اس سوال سے افسوس ہوا اور ان کو اس سوال سے شرمندگی محسوس ہوئی اور خیال ہوا کہ میں نے خواہ مخواہ یہ مسئلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا بہر حال جس وقت حضرت عاصم رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے واپس گھر تشریف لائے جب حضرت عویمر کہنے لگے کہ تم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟ حضرت عویمر سے حضرت عاصم نے کہا کہ تم نے مجھ کو اس طرح کے سوال کرنے کا خواہ مخواہ مشورہ دیا (یعنی مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ مسئلہ نہیں دریافت کرنا چاہیے تھا) اس پر حضرت عویمر نے جواب دیا کہ خدا کی قسم میں اس مسئلہ کو بغیر دریافت کیے نہیں رہوں گا۔ یہ کہہ کر حضرت عویمر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف چل دیئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے درمیان تشریف فرما تھے انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی دوسرے کو دیکھے اور اگر یہ شخص اس کو قتل کر دے تو کیا اس کو بھی قتل کر دیا جائے گا؟ آیا اس کے ساتھ (یعنی قاتل کے ساتھ) کس قسم کا معاملہ ہوگا؟ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمہارے واسطے حکم خداوندی نازل ہو چکا ہے تم جاؤ اور اس عورت کو لے کر آؤ۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں نے لعان کیا یعنی حضرت عویمر اور ان کی اہلیہ محترمہ نے اور ہم لوگ بھی اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک موجود تھے۔ جس وقت حضرت عویمر لعان سے فارغ ہو گئے تو فرمانے لگے کہ اگر اب میں اس خاتون کو مکان میں رکھوں تو میں جھوٹا اور غلط گو قرار پایا۔ چنانچہ انہوں نے اس کو اسی وقت تین طلاقیں دے ڈالیں اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کا انتظار بھی نہ فرمایا۔

(سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1340)

بیک وقت تین طلاقیں دینے کی ممانعت وانعقاد

سہ بارہ طلاق کا طریقہ یقیناً قرآن وحدیث کے خلاف اور گناہ ومعصیت ہے، غور وفکر کے بغیر غصہ کی حالت میں طلاق دینے کی وجہ سے زوجین مزید مشکلات میں مبتلاء ہو جاتے ہیں، اس لئے سہ بارہ طلاق کا طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہیے اور مسلم معاشرے میں مرد حضرات کو اس سے واقف کرانا چاہیے تاکہ سہ بارہ طلاق کا غیر شرعی طریقہ اختیار نہ کیا جائے اور معصیت کی یہ راہ مسدود ہو جائے، اس کے باوجود اگر کوئی شخص تین طلاق دے تو تین واقع ہو جائیں گی۔ عہد نبوی میں ایک صاحب نے تین طلاق دی تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نافذ قرار دیا

،سنن ابوداؤد شریف کتاب الطلاق ،باب فی اللعان ص 306، میں حدیث پاک ہے
:عن سهل بن سعد فی هذا الخبر قال فطلقها ثلاث تطلیقات عند رسول الله صلی الله علیه وسلم فانفذه رسول الله صلی الله علیه وسلم .

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے (حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کے) واقعہ کے بارے میں روایت ہے انہوں نے فرمایا (عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ) نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اپنی بیوی کو تین طلاق دی تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تین طلاق کو نافذ قرار دیا۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ تین طلاق کو کالعدم نہیں قرار دیا جاسکتا، جمہور صحابہ وتابعین اور ائمہ اربعہ اہل سنت کا مذہب یہی ہے کہ تین طلاق دینے سے تین طلاق واقع ہوجاتی ہیں۔

یہ مسئلہ احادیث مبارکہ سے ثابت اور صحابہ وتابعین ،فقہاء ومحدثین سے منقول ہونے کے بعد اس کے مقابل کسی کی رائے کو قبول نہیں کیا جاسکتا مقام غور ہے کہ غصہ کی حالت میں اگر کوئی شخص کسی دنیوی قانون کی خلاف ورزی کرے تو اس کو قابل سزا قرار دیا جاتا ہے اور وہی شخص اسلامی قانون کی خلاف ورزی کرے تو غصہ کی حالت کا عذر پیش کرکے رائے زنی کی جاتی ہے، اہل اسلام قرآن وحدیث میں بتائے گئے اصول واحکام کے پابند ہیں، لہذا تین طلاق کے سلسلہ میں دی گئی یہ رائے کہ غصہ کی حالت میں اور بیوی کو اطلاع نہ پہنچنے کی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی، نا قابل قبول ہے۔

ردالمحتار ج 2 کتاب الطلاق ص 455, میں ہے وذهب جمهور الصحابة والتابعین ومن بعدهم من ائمة المسلمین الی انه یقع ثلاث وعن هذا قلنالو حکم حاکم بانها واحدة لم ینفذ حکمه لانه لایسوغ الاجتهاد فیه فهو خلاف لا اختلاف .

طلاق ثلاثہ کے نفاذ کا ثبوت

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور میں نے عرض کیا کہ میں خالد کی لڑکی ہوں اور فلاں کی اہلیہ ہوں اور اس نے مجھ کو طلاق کہلوائی ہے اور میں اس کے لوگوں سے خرچہ اور رہائش کے واسطے مکان مانگ رہی ہوں۔ وہ انکار کرتے ہیں۔ شوہر کی جانب کے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس عورت کے شوہر نے اس کو تین طلاقیں دے کر بھیجا ہے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس کا نان نفقہ اور رہائش کے واسطے جگہ اس خاتون کو ملتی ہے کہ جس خاتون سے مرد طلاق سے رجوع کرے اور تین طلاق دینے کے بعد طلاق سے رجوع نہیں ہوسکتا۔ اس وجہ سے ایسی عورت کا نان نفقہ بھی نہ ملے گا۔ (سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1341)

ایک مجلس کی تین طلاقوں کے وقوع میں اسلاف امت مسلمہ کا اختلاف

علامہ ابن قدامہ حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ابن عباس، ابو ہریرہ، ابن عمر، عبداللہ بن عمرو، ابن مسعود اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاق واقع ہو جاتی ہیں اور عورت اس پر حرام ہو جائے گی حتی کہ کسی دوسرے مرد سے شادی کرے اور پھر بیوہ ہو یا طلاق پائے اور اس میں مدخولہ یا غیر مدخولہ کا کوئی فرق نہیں۔ اور یہی قول ہے بعد کے اکثر اہل علم کا تابعین اور ائمہ میں سے بھی ہے۔

اور عطاء، طاؤس سعید بن جبیر، ابوالشعثا اور عمرو بن دینار کا کہنا ہے کہ غیر مدخولہ کی اکٹھی تین طلاقیں ایک ہوں گی۔ اور طاؤس ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہ کی ابتدائی خلافت میں تین طلاقیں ایک ہوتی تھیں، اور سعید بن جبیر، عمرو بن دینار، مجاہد، اور مالک بن الحارث ابن عباس سے طاؤس کی روایت کے خلاف روایت کرتے ہیں، اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ بھی طاؤس کی روایت کے خلاف ہے۔ (مغنی، ج ۷، ص ۳۷۰، بیروت)

بہ یک وقت تین طلاقوں کے عدم وقوع میں غیر مقلدین کے عجیب استدلالات

غیر مقلدین نے تین کو ایک ثابت کرنے کیلئے ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرنے شروع کر دیئے ہیں اور اس قسم کے استدلال شروع کیے ہیں جو بعض اوقات عقل وادارک سے بالکل دور اور انسانی سوچ سے کوسوں دور ہیں۔ اول تو غیر مقلدین رائے اور قیاس کی سخت مخالفت کرتے ہیں مگر جب خود کسی مسئلہ میں رائے یا قیاس سے کام لیتے ہیں تو پھر تمام عقلی حدود سے بھی گزر جاتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہمہ وقت قرآن وحدیث ہوتا ہے۔ اور کسی قسم کے فقہی اصول کو خاطر میں نہیں لاتے لیکن جب کسی مسئلہ میں پھنس جاتے ہیں یا فقہاء کی مخالفت کی ٹھان لیتے ہیں تو پھر رائے، قیاس، ظن، گمان اور ہر طرح غیر فقہی اصول بھی اپنانے سے گریز نہیں کرتے۔

طلاق ثلاثہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تعزیری فیصلہ

اللہ تعالی کے نزدیک طلاق ناپسندیدہ عمل ہے: اسلام کے اصول عدل واصلاح پر مبنی ہیں اسی بناء پر بوقت مجبوری اسلام نے طلاق کو جائز رکھا ہے۔ یعنی اگر میاں بیوی کے درمیان نباہ کی صورت نہیں رہتی تو پھر طلاق کے ذریعہ وہ ایک دوسرے سے خلاصی کر سکیں گے باوجود اس کے کہ یہ فعل اللہ کو پسند نہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ": عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال چیزوں میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسند چیز طلاق ہے "۔

(المستدرک للحاکم، ج2، ص:196)

اس حدیث کو امام حاکم نے صحیح کہا ہے اور حافظ ذھبی نے تلخیص میں اس کو صحیح مسلم کی شرط پر مانا ہے - اس ناپسندیدگی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ طلاق آخری حربہ ہے اس سے قبل جہاں تک اصلاح کا امکان ہو تو اس کی کوشش کی جائے -

بیک وقت زیادہ طلاق دینا منع ہے:

اسی لئے شریعت نے بیک وقت ایک سے زیادہ طلاقیں دینے سے منع فرمایا ہے - محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی شخص کی خبر دی گئی کہ اس نے بیک وقت اپنی بیوی کو تین طلاقین دیدی ہیں ۔آپ ﷺ غصہ کی حالت میں کھڑے ہوگئے اور فرمانے لگے کہ اللہ کی کتاب سے کھیل ہورہا ہے حالانکہ میں تم میں موجود ہون یہاں تک کہ یہ سن کر ایک آدمی کھڑا ہوگیا اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کو قتل نہ کردوں؟ (سنن نسائی، ج 2، ص (81:)

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں بیک وقت تین طلاقوں کو بدعت کہا گیا ہے اور اس طرح طلاق دینے والے کو عاصی اور گنہگار بتلایا گیا ہے -(ہدایہ، ج 2، باب طلاق السنۃ ،ص (355:)

امام ابوبکر جصاص رازی حنفی نے صحابہ رض سے اس مسئلہ کی بابت چند آثار نقل کرکے فرماتے ہیں ":ان صحابہ رضی اللہ عنہم سے تین طلاقیں اکٹھی دینے کی منع ثابت ہے -اور کسی ایک صحابی سے اسکے خلاف منقول نہیں لہذا اجماع ہوا-"

(احکام القرآن، ج 1، ص (383:)

(طلاق سنت) بلکہ شریعت نے طریقہ یہ بتلایا ہے کہ کم از کم ایک مہینہ کے بعد دوسری طلاق ہو -چنانچہ امام نسائی نے سنن میں ان کے لیے ایک باب مقرر کیا ہے کہ "باب طلاق السنۃ "اس کے تحت یہ حدیث لائے ہیں -

"عبداللہ ابن مسعود رض سے روایت ہے (وہ فرماتے ہیں) مسنون طریقہ طلاق کہ یہ ہے کہ طہر کی حالت میں بغیر ہم بستیر کے ایک طلاق دے پھر ایک ماہواری کے بعد طہر آئے تو دوسری طلاق دے اسی طرح تیسرے طہر میں -پھر (تیسری) طلاق دے اسکے بعد عدت گزارے -اور امام اعمش فرماتے ہیں کہ ابراہیم نخعی سے یہ مسئلہ پوچھا تو انہوں نے مجھی یہی جواب دیا"-

(سنن نسائی، ج 2، باب طلاق السنۃ ،ص ۸۰)

اور علامہ ابوبکر جصاص رازی حنفی فرماتے ہیں ":ہمارے علماء (حنفی) نے کہاہ یکہ طلاق کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ جب حیض سے پاک ہو تو بغیر جماع (ہمبستری) کرنے کے ایک طلاق دیدے اور اگر تین دینا چاہتا ہے تو ہر ایک طلاق ہر ایک طہر میں قبل الجماع (ہمبستری سے پہلے) دیدے یہی قول امام سفیان ثوری کا ہے -اور امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ بواسطہ ابراہیم نخعی ہم کو خبر پہنچی ہے کہ صحابہ کرام کو یہ بات پسند تھی کہ بیک وقت ایک سے زیادہ طلاقیں نہ دی جائیں اور تین طلاقیں الگ الگ ہر ایک طہر میں دی جائیں -(احکام القران للجصاص، ج 1، ص (389:)

ایک وقت کی تین طلاق کا ایک ہونا فطرت سلیمہ کے موافق ہے: یہی فیصلہ عقل سلیم اور فطرت انسانیہ کے موافق ہے کیونکہ تین ماہ کا وقفہ اس لیے دیا جاتا ہے کہ کسی طرح دونوں میاں بیوی پشیماں ہوکر دوبارہ اپنا گھر آباد کریں -اور جب ثابت ہوا کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا بدعت اور گناہ ہے بلکہ اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل اور مذاق ہے، تو پھر اس قسم کی طلاق کیسے واقع ہوسکتی ہے اس کو واقع کہنا گویا کہ ایک ناجائز فعل کی اجازت دینا ہے -

ایک وقت کی تین طلاق کا ایک ہونا اور (مرّتان) کی وضاحت: (طلاق دو مرتبہ ہے اس کے بعد پھر نیکی کے ساتھ لوٹا کے رکھنا یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔) (البقرۃ، ۲۲۹)

یہ آیت کریمہ بھی واضح کرتی ہے کہ بیک وقت ایک ہی طلاق ہوگی، نہ دو، نہ تین کیونکہ "مرّتان" کا اطلاق "مرۃ بعد مرۃ" یکے بعد دیگرے پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ: (سنعذبھم مرّتین) (التوبہ "(101: یعنی عنقریب انکو ہم دو مرتبہ عذاب کریں گے۔"

جس کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ دونوں عذابوں کے درمیان وقفہ ہوگا ورنا بیک وقت ایک ہی عذاب کہلائے گا نہ کہ اسے دو مرتبہ کہا جائے گا۔ اس طرح (مرّتان) کا مطلب ہے کہ دونوں طلاقوں میں وقفہ ہو۔ اسی طرح تیسری (طلاق) بھی وقفہ کے بعد ہو جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ سے معلوم ہوا۔

مندرجہ بالا استدلال میں غیر مقلدین نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے فقہی استدلال کو تعزیری کہہ کر ٹھکرا دیا اور خود اپنے اجتہادی نقطہ نظر اور تین کو ایک بنا کر ایک ایسی رائے قائم کی جس کی کوئی بنیاد نہ ہوا سے شریعت بنا کر لوگوں پر ٹھونس دیا ہے۔ ہم غیر مقلدین سے یہ پوچھنے میں بہ جانب حق ہیں کہ انہیں اس قسم کے استدلال کونسی وحی سے معلوم ہوئے ہیں۔ کہیں مرزے قادیانی کی طرح ان پر الہامی وحی یا قادیانی دجال کی طرح کوئی خفیہ جالی وحی تو نہیں آنے لگی کہ جس سے استدلال کرتے کرتے لوگوں پر کوئی نئی شریعت زبردستی نافذ کرنے میں مصروف ہوئے ہیں۔

غیر مقلدین کا فقہ حنفی کی بعض عبارات سے جاہل ہونا

علماء حنفیہ کے سرخیل ابوبکر جصاص رازی حنفی فرماتے ہیں: (الطلاق مرّتان)

اس آیت کا تقاضا ہے کہ لازما دو طلاقین الگ الگ ہوں کیونکہ اگر کسی نے بیک وقت دو اکھٹی طلاقیں دیں تو اس کے لیے یہ کہنا درست نہیں ہوگا کہ اس نے دو مرتبہ طلاق دی ہے اسی طرح کوئی آدمی کسی کو بیک وقت دم درہم دیتا ہے تو اس وقت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے دو مرتبہ درہم دیے ہیں جب تک کہ دونوں الگ الگ نہ دے۔ (احکام القرآن، ج 1، ص؛ (389)

(تفسیر البحر المحیط ج 2، ص -192-191:تفسیر کشاف للومحشری، ج 1، ص -283:تفسیر المظھری مصنفہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، ج 1، ص -300:التفسیرات الاحمدیہ مصنفہ ملا جیون الحنفی ص 144-143:وغیرھا من التفاسیر میں مذکور ھے پس ثابت ھوا کہ بیك وقت دو یا تین طلاقیں ایك ھی شمار ھونگی -

امام ابوبکر جصاص علیہ الرحمہ کی مذکورہ تصریح میں کہیں بھی طلاق ثلاثہ کو ایک طلاق شمار نہیں کیا گیا نہ جانے غیر مقلدین کس طرح لوگوں کی آنکھوں میں غبار ڈالنے کی کوشش کرنے لگے ہیں۔

قارئین غور کریں غیر مقلدین کا کس قدر خطرناک اسلام دشمن عنصر ہے جو لوگوں کو گمراہ کرنے کیلئے سرگرداں رہتا ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا تعزیری فیصلہ؟

اور پھر خلافت فاروقیہ میں بھی دو سال تک اسی طرح حکم جاری رہا اس کے بعد امیر المومنین عمر فاروق رض نے ایک سیاسی مصلحت کی بناء پر بیک وقت تین کو تین قرار دیدیا اس لیے کہ لوگوں نے اس سہولت کا ناجائز فائدہ لینا شروع کیا اور طلاق دینے میں جلد بازی کرنے لگے تو امیر المومنین عمر فاروق رض نے تین کو نافذ کر دیا - اور خود علت بیان کرتے ہیں کہ :ان الناس قد استعجلو فی امر - الخ - چونکہ لوگ ایک ایسے کام میں جلدی کرنے لگے جس میں ان کو شریعت کی جانب سے کافی مہلت دی گئی تھی، اور اللہ تعالی کی اس نعمت کی انہوں نے قدر نہیں کی، اس لیے امیر المومنین عمر رض نے اس بڑھتے ہوئے فتنہ کو روکنے کے لیے بحیثیت حاکم شرعی ہونے کے تادیبا اور تعزیرا یہ حکم جاری کیا، تا کہ لوگ اس بری حرکت سے باز آجائیں -

یہی حدیث مسلم میں تین طرق سے مروی ہے اور تیسرے میں یہ لفظ ہیں ":فلما کان فی عھد عمر تتابع الناس فاجازه الیھم" (یعنی لوگ طلاق کے معاملہ میں شرارت کرنے لگے لہذا ان پر اس کو حد جاری کر دیا) -

غیر مقلدین بتائیں کہ انہوں نے کس نص سے یہ جانا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ تعزیری تھا۔اس حکم کو تعزیری ثابت کرنے قرآن وحدیث سے دلیل پیش کریں اگر نہیں کر سکتے تو انہیں کسی قسم کی رائے یا قیاس آرائیوں سے ہرگز کام نہیں لینا چاہیے۔

خود بعض علماء کو بھی اعتراف ہے کہ امیر المومنین عمر رض کا یہ حکم تعزیری اور انتظامی تھا - چنانچہ علامہ قہستانی لکھتے ہیں ":زمانہ رسالت سے لے کر امیر المومنین عمر رض کی شروع خلافت تک جب کوئی شخص اکٹھی تین طلاقیں دیتا تھا تو وہ ایک ہی طلاق واقع ہوتی تھی پھر لوگوں کے بکثرت طلاق دینے کی وجہ سے تین طلاقیں سیاستا اور تعزیرا تین نافذ کر دی گئیں "-(جامع الرموض، ص 331:)

اسی طرح علامہ طحاوی نے لکھا ہے کہ ":پس امیر المومنین عمر رض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کرنے والے نہیں تھے، نہ انکو ایسا حق تھا اسکی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ وہ خود اپنے دور خلافت میں نبوی فیصلے پر کاربند تھے اور اسی کے مطابق فیصلہ نافظ کرتے تھے - اسلئے ان کے اس انتظامی قدم کو اپنے مذہب کی دلیل بنانا اختلاس ہے اقتباس نہیں بلکہ شریعت میں ناجائز تصرف ہے "-(حاشیہ درمختار، ج2، ص(128:

(امیر مومنین عمر رض کا اپنے فیصلہ سے رجوع) بلکہ خود عمر فاروق رض نے اپنے فیصلہ سے بھی آخر میں رجوع فرمایا - چنانچہ حافظ ابو بکر اسمعیلی کتاب مسند عمر میں حدیث لاتے ہیں ":امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں کسی چیز پر اتنا نادم نہیں ہوا جتنا کہ تین چیزوں پر ہوا کاش میں طلاق کو حرام نہ کرتا اور لونڈیوں کی شادی نہ کرواتا اور نوحہ کرنے والی عورتوں کو قتل نہ کرواتا "-(اغاثۃ اللھفان لا بن القیم، ج 1، ص (351:)

قارئین!

طلاق فی نفسہ ایک مباح عمل ہے اگر چہ وہ لوگ کثرت سے طلاق دے رہے تھے، اور اس سے ایک بہت بڑا فتنہ شروع ہو گیا

تھا، اور امیر المومنین نے ان کی تنبیہ کے لیے یہ قدم اٹھایا: تاہم آپ نے اس پر بھی (اسی طرح) ندامت کا اظہار کیا (کہ) جو چیز ایک مباح تھی، اگرچہ وہ شرارت کا سبب بن گئی، تاہم مجھے یہ حق نہیں تھا کہ ایسا قدم اٹھاؤں جس سے ایک مباح چیز جس کی اللہ نے رخصت دی ہے وہ ممنوع ہو جائے - امیر المومنین تو شرعی معاملات میں اپنے دخل دینے سے اتنے خائف تھے - اگرچہ اس میں احادیث کے کئی پہلو موجود بھی ہوں پھر بھی ایسے قدم اٹھانے پر نادم ہو جاتے تھے - پھر جب خود فیصلہ کرنے والا اپنے فیصلہ پر نادم ہے تو پھر اس کا سہارا لے کر ایک صریح اور واضح حکم (کو) جو کہ حدیث میں مذکور ہو اس کے خلاف مذہب بنانا کسی طرح جائز نہیں -

(امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رض کے دیگر بعض انتظامی اور تعزیری فیصلے) امیر المومنین عمر رض کے ایسے کئی اقدام ہیں جو انتظام کے طور پر تھے - مثلاً: ☆ شرابی کا گھر جلانا - (کتاب الاموال لابی عبید القاسم ابن سلام، ص 102: وما بعدھا) ☆ اسی طرح جب لوگ شراب سے باز نہیں آ رہے تھے تو اس کی سزا 40 سے بڑھا کر 80 کوڑوں تک کر دی اور بعض کو ملک بدر کر دیا۔ ☆ کوفہ کے گورنر سعد رض کی جگہ کو جلانا اس لیے کہ رعیت والوں سے وہ پردہ میں تھے -

(اغاثة اللهفان، ج1، ص(349 -348)

طلاق ثلاثہ میں غیر مقلدین و اہل تشیع کا اتحاد

پہلی قسم (لفظ تین کو تین بار تکرار کرنے) میں طلاق اس لئے واقع نہیں ہوگی کیونکہ یہ ایک طلاق ہے اور صیغہ طلاق میں لفظ تین کو استعمال کرنے سے تین طلاقیں واقع نہیں ہوں گی، اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ نماز کی ہر رکعت میں ایک مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھنا شرط ہے، لہذا اگر کوئی پوری نماز میں ایک مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھے اور نماز ختم کرنے کے بعد لفظ پانچ یا دس کی قید کا اضافہ کرے (اور کہے کہ میں نے پانچ مرتبہ یا دس مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھ لیا) تو کوئی بھی یہ نہیں کہے گا کہ اس نے پانچ مرتبہ یا دس مرتبہ سورہ فاتحہ کی تکرار کی ہے۔

اور جن احکام میں بھی تکرار اور عدد کی شرط ہے اس میں اسی طرح ہے: جیسے رمی جمرات میں سات مرتبہ پتھر مارنا واجب ہے اور ایک مرتبہ میں سات پتھر مارنا کافی نہیں ہے، یا لعان کے مسئلہ میں چار مرتبہ شہادت کو ایک مرتبہ شہادت کو چار کی قید سے ادا کرنا کافی نہیں ہے بلکہ اصل شہادت کو چار مرتبہ اس کی طرف سے تکرار کرے۔ (اہل تشیع کے مسائل)

ایک مجلس کی طلاق ثلاثہ کا حدیث سے ثبوت وقوع

عامر شعبی سے روایت ہے میں نے فاطمہ بنت قیس سے کہا تم اپنی طلاق کو حدیث بیان کرو۔ انہوں نے کہا کہ میرے خاوند نے مجھ کو تین طلاقیں دیں اور وہ یمن کو جانے والا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس (طلاق) کو برقرار رکھا۔

(سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 181

طلاق ثلاثہ کے وقوع میں مذاہب اسلاف و مذاہب اربعہ

واضح رہے کہ از روئے قرآن وحدیث وجمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین رضی اللہ عنہم وتبع تابعین رضی اللہ عنہم، ائمہ مجتہدین بالخصوص چاروں ائمہ کرام امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک علیہ الرحمہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم ان تمام حضرات کے نزدیک ایک ساتھ تین طلاق دینے سے تینوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسريح باحسان (بقره)

اور اگلی آیت میں ھے :فان طلقها فلاتحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره (بقره)

یعنی دو طلاق دینے تک تو مرد کو رجوع کا اختیار ہے، لیکن جب تیسری طلاق بھی دیدی تو اب مرد کے لئے رجوع کا حق باقی نہیں رہتا، عورت اپنے شوہر پر حرمت مغلظہ کے ساتھ حرام ہوجاتی ہے۔

چنانچه اس آیت کی تفسیر میں علامه قرطبی علیه الرحمه فرماتے هیں :ترجم البخاری علی هذه الاية باب من اجاز الطلاق الثلاث بقوله تعالىٰ الطلاق مرتان، فامساك بمعروف او تسريح باحسان، وهذا اشارة الى ان هذه التعديد انما هو فسخة لهم فمن ضيق على نفسه لزمه قال علمائنا :واتفق ائمة الفتوىٰ على لزوم ايقاع الطلاق الثلاث فى كلمة واحدة وهو قول جمهور السلف المشهور عن الحجاج بن ارطاة وجمهور السلف والائمة انه لازم واقع ثلاثاً ولافرق بين ان يوقع ثلاثًا مجتمعة فى كلمة او متفرقة فى كلمات (الجامع لاحكام القرآن)

اسی طرح احکام القرآن میں ہے

قال ابوبكر :قوله تعالىٰ الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسريح باحسان الاية :
يدل على وقوع الثلاث معاً مع كونه منهياً عنها

اسی طرح حدیث میں ہے:

عن عائشة ان رجلًا طلق امراته ثلاثاً فتزوجت فطلق فسئل النبيا اتحل للاول قال لاحتى يذوق عسيلتها كما ذاق الاول (بخاری شریف)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دیدیں پھر اس نے دوسرے سے نکاح کرلیا، اس نے صحبت کئے بغیر طلاق دیدی، آپ علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ پہلے خاوند کے لئے یہ عورت حلال

ہوئی؟ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: جب تک دوسرا شوہر صحبت نہ کرلے پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی۔

اس حدیث میں طلق امراتہ ثلاثًا کا جملہ اس کا متقضی ہے کہ تین طلاق اکھٹی اور دفعۃ دی گئیں۔ اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے تین طلاقیں اکٹھی واقع ہوجانے پر استدلال ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

وھی بایقاع الثلاث اعم من ان تکون مجمعةً او متفرقةً(فتح الباری ،ادارة بحوث العلمیة)

حدیث میں ھے:

عن مجاھد قال کنت عند ابن عباس فجاء ہ رجل فقال انه طلق امراته ثلاثاً قال فسکت حتی ظننت انه رآدھا الیه ثم قال ینطلق احدکم فیرکب الحموقة ثم یقول :یا ابن عباس یا ابن عباس وان اللہ تعالیٰ قال ومن یتق اللہ یجعل له مخرجاً، وانك لم تتق اللہ فلااجد لك مخرجاً، عصیت ربك وبانت منك امراتك ۔ (سنن ابی داؤد،حقانیه)

ترجمہ: مجاہد سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں (کیا حکم ہے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش ہوگئے (مجاہد کہتے ہیں) مجھے گمان ہونے لگا کہ شاید ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی بیوی کو واپس لوٹانے والے ہیں پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کہ تم میں سے بعض لوگ ایسے ہیں کہ ان پر حماقت سوار ہوتی ہے، پھر میرے پاس آتا ہے اور کہتا ہے یا ابن عباس یا ابن عباس رضی اللہ عنہ جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہ اس کے لئے راستہ نکالتا ہے اور تو اللہ تعالیٰ سے ڈرا نہیں (اور بیک وقت تین طلاقیں دیدی) اس لئے قرآن کے مطابق تمہارے لئے کوئی راستہ نہیں پاتا تو نے خدا کی نافرمانی کی ہے اور تمہاری بیوی تم پر حرام ہوگئی ہے اور تم سے جدا ہوگئی ہے۔ اور ابوداؤد اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

روی ھذا الحدیث حمید الاعرج وغیرہ عن مجاھد عن ابن عباس ؟ کلھم قالوا فی الطلاق الثلاث انه اجاز ھا قال وبانت منك (ابی داؤد ج:/ ط حقانیه(

• یعنی ان حضرات نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے یہ تمام رواۃ متفقہ طور پر نقل فرمارہے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تین طلاقوں کو نافذ فرمادیا اور فتویٰ دیا کہ عورت جدا ہوگئی۔ اسی طرح نسائی شریف کی حدیث میں ہے:

عن محمود بن لبید قال اخبر رسول الله اعن رجل طلق امراته ثلاث تطليقات جميعاً فقام غضباناً ثم قال ايلعب بكتاب الله وانا بين اظهر كم حتى قال رجل وقال يا رسول الله الا اقتله(سنن نسائی ،کتاب طلاق،قدیمی کتب خانه کراچی)

ترجمہ: محمود بن لبید سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کوخبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں اکٹھی دیدیں ہیں۔آپ علیہ السلام نے غضبناک ہوکر تقریر فرمائی کہ کیا کتاب اللہ کے ساتھ کھیل کیا جارہا ہے، حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں، آنحضرت اکا یہ غصہ دیکھ کر ایک صحابی کھڑے ہوگئے اور عرض کیا :یا رسول اللہ ! کیا اسے قتل نہ کردوں۔

حدیث مذکورہ بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ تین طلاقیں مجتمعاً واقع ہوجاتی ہیں۔اگر واقع نہ ہوتیں تو آنحضرت اغضبناک نہ ہوتے اور فرمادیتے کہ کوئی حرج نہیں رجوع کرلو۔

اسی طرح مؤطاامام مالک علیہ الرحمہ میں ہے۔

عن مالك بلغه ان رجلاً قال لابن عباس رضى الله عنهما انى طلقت امرأتى مأة تطليقة ما ذاترى على؟ فقال له ابن عباس طلقت منك بثلاث وسبع وتسعون اتخذت بها آيات الله هزوا

ترجمہ:ایک شخص نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دیں ہیں، اس کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا : تین طلاقوں سے تو عورت تجھ سے جدا ہوگئی اور بقیہ ستانوے طلاقوں سے تو نے اللہ کی آیات کا تمسخر کیا ہے۔

اور طحاوی شریف میں ھے:

عن مالك بن حارث قال رجل الى ابن عباس ؟فقال ان عمى طلق امراته ثلاثاً فقال: ان عمك عصى الله فاثمه الله واطاع الشيطان فلم يجعل له مخرجا فقلت كيف ترى فى رجل يحلها له فقال من يخادع الله يخادعه (باب الرجل يطلق امراته ثلاثا معا .

مالک بن حارث فرماتے ہیں کہ ایک شخص ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہا میرے چچا اپنی عورت کو دفعۃً تین طلاقیں دے بیٹھے ہیں۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا : تیرے چچا نے خدا کی نافرمانی کی اور شیطان کی اطاعت کی اور آپ نے

اس کے لئے کوئی گنجائش نہیں نکالی۔ مالک بن حارث فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا: آپ اس شخص کے متعلق کیا فرماتے ہیں جو اس عورت کو اس شوہر کے لئے حلال کرنے؟ آپ نے فرمایا: جو اللہ سے چالبازی کرے گا اللہ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرے گا۔

اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن انس قال كان عمر اذا اتى برجل قد طلق امراته ثلاثاً فى مجلس او جعه ضرباً وفرق بينهما وفيه ايضا عن معمر عن الزهرى فى رجل طلق امراته ثلاثاً جميعاً قال ان من فعل فقد عصى ربه وبانت منه امراته ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس ایسا شخص لایا جاتا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دی ہوتیں تو آپ اس کو سزا دیتے ہیں اور دونوں میں تفریق کر دیتے ہیں۔ تو قرآنی آیات وتفاسیر واحادیث سے روز روشن کی طرح یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دفعۃً تین طلاقیں دینے سے تین ہی شمار ہوتی ہیں۔

باقی غیر مقلدین کا مسلک فتویٰ از روئے قرآن وحدیث اور جمہور صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور چاروں ائمہ کے متفقہ مسلک کے خلاف ہے، جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے اور جس حدیث کو بطور استدلال پیش کیا ہے، اس حدیث سے تین طلاقوں کو ایک شمار کرنے کا استدلال کرنا تمام فقہاء کے نزدیک باطل ہے۔ مذکورہ حدیث حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے اس حدیث سے استدلال کرنا اس لئے درست نہیں ہے کہ اس حدیث کو ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے اور اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت غیر مدخولہ کے متعلق ہے، عام نہیں ہے۔ واضح رہے کہ عورتیں دو قسم کی ہیں۔

غیر مدخولہ (جس کے ساتھ ہمبستری نہ ہوئی ہو)

مدخولہ (جس کے ساتھ صحبت ہو چکی ہو) غیر مدخولہ عورت کو اگر الگ الگ لفظوں میں اس طرح طلاق دی جائے۔ تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے تو پہلے ہی لفظ سے وہ بائنہ ہو جاتی ہے یعنی نکاح سے نکل جاتی ہے اور ایسی عورت پر عدت بھی لازم نہیں ہوتی، جب یہ عورت پہلے ہی لفظ سے بائنہ ہو گی اور اس پر عدت بھی نہیں تو اس کے بعد وہ طلاق کا محل نہ رہی، اس بناء پر دوسری اور تیسری طلاق لغو ہوتی ہے، اسی اعتبار سے حدیث میں کہا گیا ہے کہ اگر تین طلاقیں دی جائیں تو ایک شمار ہوتی ہیں۔ حضور اکرم ، حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر کے ابتدائی سالوں میں غیر مدخولہ کو طلاق دینے کا یہی طریقہ تھا۔ مگر بعد میں لوگوں نے جلد بازی شروع کر دی اور ایسی غیر مدخولہ کو ایک ساتھ ایک لفظ میں تین طلاق دینے لگے تو حضرت عمر نے فرمایا کہ اب تین طلاق ہی ہوں گی۔ کہ (انت طالق ثلاثا) کہہ کر طلاق دی ہے اور یہ لفظ نکاح قائم ہونے کی حالت میں بولا ہے۔ (ابوداؤد شریف ج ۱، ص ۳۰۶)

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضور اکرم اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر کے ابتدائی زمانہ میں جب انت طالق، انت طالق، انت طالق کہا جاتا تو عموماً لوگوں کی دوسری اور تیسری طلاق سے تاکید کی نیت ہوتی، استیناف کی نیت نہیں ہوتی تھی اور اس زمانہ میں لوگوں میں دین اور تقویٰ اور خوف آخرت اور خوف خدا غالب تھا دنیا کی خاطر دروغ بیانی کا خطرہ تک دل میں نہ آتا تھا۔ آخرت میں جوابدہی اور آخرت کے عذاب کا اتنا استحضار رہتا کہ مجرم بذات خود حاضر ہوکر اپنے جرم کا اقرار کرتا اور اپنے اوپر شرعی حد جاری کرنے کی درخواست کرتا، اس بناء پر ان کی بات پر اعتماد کر کے ایک طلاق کا حکم کیا جاتا، اسی اعتبار سے حدیث میں کہا گیا ہے کہ اس زمانے میں تین طلاقیں ایک شمار کی جاتی تھیں مگر جیسے جیسے عہد نبوی سے بعد ہوتا گیا اور بکثرت عجمی لوگ بھی حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے، ان میں تقویٰ وخوف آخرت کا معیار کم ہونے لگا اور پہلے جیسی سچائی، امانت داری اور دیانت داری نہ رہی، دنیا اور عورت کی خاطر دروغ بیانی ہونے لگی، جس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس عراق سے ایک سرکاری خط آیا کہ یہاں ایک شخص نے اپنی بیوی کو یہ جملہ کہا ہے حبلك علی غاربك (تیری رسی تیری گردن پر ہے) حضرت عمر بن خطاب نے اپنے عامل کو لکھا کہ ان مروان یوافینی بمکۃ فی الموسم اس کو کہو کہ حج کے زمانہ میں مکہ مکرمہ میں مجھ سے ملے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حج کے زمانہ میں کعبہ کا طواف کررہے تھے کہ اس آدمی (عراقی) نے آپ سے ملاقات کی اور سلام کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم کون ہو، اس نے کہا: میں وہی ہوں جس کو آپ نے حج کے زمانہ میں طلب کیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تجھے رب کعبہ کی قسم سچ بتا حبلك علی غاربك سے تیری کیا نیت تھی، اس نے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ نے اگر اس مبارک جگہ کے علاوہ کسی اور جگہ قسم لی ہوتی تو میں صحیح نہ بتاتا، حقیقت یہ ہے کہ میں نے اس جملے سے فراق کا یعنی عورت کو اپنے نکاح سے الگ کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عورت تیرے ارادے کے مطابق تجھ سے علیحدہ ہوگئی۔

(موطأ امام مالك علیه الرحمه ماجاء فی الخلیة والبریة واشباه ذلك بحواله فتاویٰ رحیمه)

یہ عراقی ایک عورت کے لئے جھوٹی قسم کھانے کے لئے اور دروغ بیانی کے لئے تیار تھا مگر کعبۃ اللہ اور حرم شریف کی عظمت وتقدس کا خیال رکھتے ہوئے کذب بیانی سے احتراز کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عوام کی جب یہ حالت دیکھی، نیز آپ کی نظر اس حدیث پر تھی۔

اکرموا اصحابی فانھم خیارکم، ثم الذین یلونھم، ثم الذین یلونھم، ثم یظھر الکذب حتی ان الرجل یحلف ولایستحلف ویشھد ولایستشھد الخ ۔ (مشکوۃ المصابیح، باب مناقب الصحابة)

یعنی عہد نبوت سے جیسے جیسے دوری ہوتی چلی جائے گی، دینداری کم ہوتی رہے گی اور کذب ظاہر ہوگا۔ حضرت عمر ؟ نے موجودہ اور آئندہ حالات کو پیش نظر رکھ کر صحابہ سے مشورہ کیا کہ جب ابھی یہ حالت ہے تو آئندہ کیا حالت ہوگی اور لوگ عورت کو الگ کردینے کی نیت سے تین طلاق دیں گے اور پھر غلط بیانی کر کے کہیں گے کہ ہم نے ایک طلاق کی نیت کی تھی۔ آپ نے اس چور دروازے کو بند کرنے کے لئے فیصلہ کیا کہ لوگوں نے ایسی چیز میں جلد بازی شروع کردی جس میں انہیں دیر کرنی چاہئے تھی، اب جو شخص تین مرتبہ طلاق دے گا، ہم اسے تین ہی قرار دیں گے۔ صحابہ کرام نے اس فیصلہ سے اتفاق کیا اور کسی ایک نے بھی حضرت عمر کی مخالفت نہ کی، چنانچہ طحاوی شریف میں ہے۔

فخاطب عمر بذلك الناس جميعا وفيهم اصحاب رسول الله ا ورضى الله عنهم الذين قد علموا ما تقدم من ذلك فى زمن رسول الله ا فلم ينكره عليه منهم ولم يدفعه دافع (طحاوی، ج ۲، ص ۳۲۰)

محقق احناف علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

ولم ينقل عن احد منهم انه خالف عمر حين امضى الثلاث وهى يكفى فى الاجماع (حاشيه ابو داؤد ج ١، ص ٣٠٦)

یعنی کسی ایک صحابی سے بھی یہ منقول نہیں ہے کہ جب حضرت عمر ؟ نے صحابہ کی موجودگی میں تین طلاق کا فیصلہ کیا، ان میں سے کسی ایک نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف کیا ہو اور اس قدر بات اجماع کے لئے کافی ہے۔ امام نووی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فاختلف العلماء فى جوابه وتاويله فالاصح ان معناه انه كان فى اول الامر اذا قال لها انت طالق، انت طالق، انت طالق، ولم ينو تاكيداً ولااستينافاً يحكم بوقوع طلقة لقلة ارادتهم الاستيناف بذلك فحمل على الغالب الذى هو ارادة التاكيد فلما كان فى زمن عمرو كثر استعمال الناس بهذه الصيغة وغلب منهم ارادة الاستيناف بها حملت الاطلاق على الثلاث عملاً بالغالب السابق الى الفهم (نووى شرح مسلم ج ١، ص ٤٨٠، قديمى كتب خانه كراچى)

یعنی حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بالکل صحیح تاویل اور اس کی صحیح مراد یہ ہے کہ شروع زمانہ میں جب کوئی انت طالق، انت طالق، انت طالق کہہ کر طلاق دیتا تو عموماً اس زمانہ میں دوسری اور تیسری طلاق سے تاکید کی نیت ہوتی تھی، استیناف کی

بہت نہ ہوتی تھی، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا اور لوگوں نے اس جملہ کا استعمال بکثرت شروع کیا اور عموماً ان کی نیت طلاق کی دوسرے اور تیسرے لفظ سے استیناف ہی کی ہوتی تھی، اس لئے اس جملہ کا جب کوئی استعمال کرتا تو عرف کی بناء پر تین طلاقوں کا حکم کیا جاتا۔

یہ ہے حدیث حضرت ابن عباس ؟ کا مطلب محدثین کی نظر میں اور یہی تشریح اور مقصد صحیح ہے۔ جو مطلب غیر مقلدین بیان کرتے ہیں، وہ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ راوی حدیث حضرت عبد اللہ ابن عباس ؟ نے خود تین طلاقوں کے نفاذ کا فتویٰ دیا ہے، جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے۔

علامہ ابن قیم نے بھی باوجود اس تشدد و تصلب کے جو ان کو اس مسئلہ میں تھا، حضرت ابن عباس کے اس فتویٰ ایک مجلس میں تین طلاقیں تین ہیں اور اس کے بعد رجعت جائز نہیں سے انکار نہیں کیا، بلکہ اس فتویٰ کے ثابت ہونے کا صاف اقرار کیا ہے۔ چنانچہ اغاثۃ اللھفان میں فرماتے ہیں۔

فقد صح بلاشك ابن مسعود وعلى ابن عباس الالزام بالثلاث ان اوقعها جملة

اور چونکہ یہ مسئلہ حلال وحرام کے متعلق ہے، اگر واقعی تین کو ایک سمجھا جاتا تو اس کے راوی صرف حضرت ابن عباس ؟ ہی کیوں ہیں، ان کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام سے اس کے بارے میں کوئی روایت نہیں ہے، جبکہ ان سے بڑے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق اس کے برخلاف فیصلہ فرماتے ہیں اور یہ صحابہ کرام کے سامنے کی بات ہے اور ایک صحابی نے بھی اس حکم کے خلاف نہیں کیا جس سے اس مسئلہ پر ان کا اجماع معلوم ہوتا ہے۔ الغرض تین طلاقیں شرعاً واقع ہو چکی ہیں، بیوی شوہر پر حرمت مغلظہ سے حرام ہو گئی ہے، گمراہ لوگوں سے فتویٰ لے کر حرام کو حلال بنانے کی کوشش کرنا بدترین گناہ ہے، لہٰذا دونوں میں علیحدگی ضروری ہے، بصورت دیگر اگر ایک ساتھ رہے تو حرام کے اندر مبتلا ہوں گے چنانچہ حدیث میں ہے۔

من اعلام الساعة وان يكثروا اولاد الزنا قيل لابن مسعود وهم مسلمون اقال نعم: ياتى على الناس زمان يطلق الرجل المرأة طلقها فيقيم على فراشها منهما زانيان ما اقاما . (الخصائص الكبرى للسيوطى ج،٢،ص ٢٧٠، حقانيه)

اور قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ زنا کی اولاد کی کثرت ہو جائے گی، پوچھا گیا حضرت ابن مسعود سے کیا وہ مسلمان ہوں گے؟ فرمایا: ہاں! وہ مسلمان ہوں گے، ایک زمانہ آئے گا لوگوں پر کہ مرد اپنی بیوی کو طلاق دے دے گا، لیکن پھر بھی اس کے ساتھ اس کے بستر پر رہے گا جب تک دونوں اس طرح رہیں گے زنا کار ہوں گے۔

قال:ياتى على الناس زمان يطلق الرجل المرأة ثم يجحدها طلاقها ثم يقيم على فرجها فهما زانيان ما اقاما(المعجم الاوسط للطبرانى ج،٥،ص ٣٤٢،بيروت)

فرمایا کہ لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ مرد اپنی بیوی کو طلاق دے گا پھر طلاق دینے سے انکار کرے گا پھر اس سے ہم بستری کرتا رہے گا پس جب تک وہ دونوں اس طرح رہیں گے زنا کار ہوں گے۔

تین طلاق کے بارے میں حدیثِ ابنِ عباس پر بحث

شیخ حسن الکوثری لکھتے ہیں کہ یہ دعویٰ کرنے کے بعد کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تین طلاق کو طلاق دہندگان پر نافذ کرنا بطور سزا تھا، حکمِ شرعی کے طور پر نہیں تھا، غیر مقلدین لکھتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جانب سے یہ سزا لوگوں کو طلاق کو کھلونا بنانے سے روکنے کے لئے تھی، اور یہ محض وقتی سزا تھی، پھر معاملہ اور زیادہ اُلجھ گیا، اور لوگ اندھا دُھند طلاق کو کھلونا بنانے لگے، اور اکثر صحابہ اس موقع پر موجود تھے، اور وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کو دیکھ رہے تھے جس کو انہوں نے برقرار رکھا تھا، اور وہ، اکثر حضرات کی رائے کے مطابق خروج سے بچنے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت سے ڈرتے تھے، اور ان میں سے بعض حضرات سمجھتے تھے کہ یہ حکم محض زجر و تعزیر کی خاطر ہے، پس کبھی تین طلاق کے نفاذ کا فتویٰ دیتے تھے، اور کبھی عدمِ نفاذ کا۔ اور اس اعتبار سے کہ آخری دو طلاقیں عدت میں باطل ہیں، واقع نہیں ہوتیں، جیسا کہ ابنِ عباس سے دونوں طرح کے فتوے ثابت ہیں۔

اس کے بعد تابعین کا دور آیا تو انہوں نے بھی اختلاف کیا، ان میں سے بہت سے حضرات پر فتویٰ کے بارے میں واردشدہ روایات کی حقیقت اوجھل ہوگئی، زبانوں میں عجمیت داخل ہو چکی تھی، اور انہوں نے روایات عربی طریقے پر سنی تھیں کہ: فلاں نے تین طلاقیں دیں اس لئے جو لوگ عربیت کا صحیح ذوق نہیں رکھتے تھے اور جو انشاء اور خبر کے درمیان فرق پر غور نہیں کر سکتے تھے، انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ تین طلاق دینے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص طلاق دینے کے ارادے سے اپنی بیوی کو یوں کہے کہ: تجھے تین طلاق۔

اور حدیثِ عمر کو تکرار فی المجلس پر محمول کرنا، جبکہ قبل ازیں تکرار کو تاکید پر محمول کیا جاتا تھا (جیسا کہ نووی اور قرطبی کی رائے ہے) نا قابلِ اعتبار تاویل ہے، جس کو حدیثِ ابنِ عباس جو رکانہ کے بارے میں وارد ہے ساقط قرار دیتی ہے (یہ حدیث مسندِ احمد میں ہے، اور ابھی آپ دیکھیں گے کہ یہ روایت خود ہی ساقط ہے، کسی دوسری چیز کو کیا ساقط کرے گی)، اور ابنِ حجر کہتے ہیں کہ: یہ حدیث اس مسئلے میں نص ہے، یہ اس تاویل کو قبول نہیں کرتی جو دوسری احادیث میں جاری ہو سکتی ہے (یہ حدیث ابنِ حجر کے نزدیک معلول ہے، جیسا کہ التلخیص الحبیر میں ہے، پس اس کا محتمل تاویل نہ ہونا کیا فائدہ دیتا ہے؟)

میں کہتا ہوں کہ مجھے رہ رہ کر تعجب ہوتا ہے کہ اس خود رو مجتہد کے کلام میں آخر ایک بات بھی ایسی کیوں نہیں ملتی جس کو کسی درجے میں بھی صحیح اور درست کہہ سکیں؟ شاید حق تعالیٰ شانہ نے ان لوگوں کو رسوا کرنے کا فیصلہ کر رکھا ہے جو پوری اُمت کے خلاف بغاوت کرتے ہیں، واقعی اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو ٹالنا ناممکن ہے، اور وہ حکیم و خبیر ہے!

یا سبحان اللہ! کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے شخص کے بارے میں یہ تصور کیا جا سکتا ہے وہ لوگوں کو ما ثبت فی الشرع کے

خلاف پر مجبور کریں؟ اور کیا صحابہ کے بارے میں یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ڈر کران کی ہاں میں ہاں ملا دیں؟ حالانکہ ان میں ایسے حضرات بھی موجود تھے جو کج روی کجی کو اپنی تلواروں سے سیدھا کر دیتے تھے۔ مولف رسالہ نے جو کچھ کہا ہے یہ خالص رافضی وساوس اور رافضیت کے جراثیم ہیں، اہل فساد ان جراثیم کو چکنے چپڑے الفاظ کے پردے میں چھپانا چاہتے ہیں۔

کوئی کج رو کسی ایک صحابی سے ایک بھی صحیح روایت پیش نہیں کرسکتا کہ انہوں نے فتویٰ دیا ہو کہ تین طلاقیں ایک ہوتی ہیں، اس کو زیادہ سے زیادہ کوئی چیز مل سکتی ہے تو وہ اس قبیل سے ہوگی جس کو ابن رجب نے اعمش سے نقل کیا ہے، اور جس کا ذکر گزشتہ سطور میں آچکا ہے۔

یا ابوالصہبا کی روایت کے قبیل سے ہوگی جس کی عللِ قادحہ کو اہل علم طشت از بام کر چکے ہیں، اور یہ بھی اس صورت میں ہے جبکہ اس روایت کو اس احتمال پر محمول کیا جائے جس کے اہلِ زیغ قائل ہیں، اس کی بحث عنقریب آتی ہے۔

یا ابوالزبیر کی اس منکر روایت کے قبیل سے ہوگی جس کے منکر ہونے کے دلائل اُوپر گزر چکے ہیں، یا طلاقِ رکانہ کی بعض روایات کے قبیل سے ہوگی جن کا غلط ہونا عنقریب آتا ہے، یا اس قبیل سے ہوگی جس کو ابنِ سیرین بیس برس تک ایسے لوگوں سے سنتے رہے جن کو وہ سچا سمجھتے تھے، بعد میں اس کے خلاف نکلا، جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔ یا ابنِ مغیث جیسے ساقط الاعتبار شخص کی نقل کے قبیل سے ہوگی۔

پس کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہیں جانتے تھے کہ لوگوں کو خلافِ شرع پر مجبور کرنا حرام اور بدترین حرام ہے اور شریعت سے خروج ہے؟ اور کیسا بُرا خروج؟ چلئے فرض کر لیجئے ! کہ انہوں نے لوگوں کو مجبور کیا تھا، لیکن سوال یہ ہے کہ ترکِ رجعت یا منعِ تزوّج پر مجبور کرنے کی قیمت نکاح وطلاق پر مجبور کرنے سے زیادہ تو نہیں ہوگی؟ اکثر اہلِ علم کے نزدیک جبراً نکاح کا ایجاب وقبول کرانے سے نکاح نہیں ہوتا، اسی طرح جبراً طلاق کے الفاظ کہلانے سے طلاق نہیں ہوتی، اس صورت میں کیا ان طلاق دینے والوں کو یہ استطاعت نہیں تھی کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علم کے بغیر اپنی مطلقہ عورت سے رُجوع کر لیں؟ یا (بعد از عدت) نکاح کر لیں؟ آخر ایسا کون ہے جو لوگوں کو ایسی چیزوں سے روک دے جن کے وہ مالک ہیں؟ یہاں تک کہ انساب میں گڑبڑ ہو جائے، اور شر ور کے تمام دروازے چوپٹ کھل جائیں۔

اور ابنِ قیم کو خیال ہوا کہ وہ اپنے کلام فاسد پر یہ کہہ کر پردہ ڈال سکتے ہیں کہ حضرت عمر کا یہ عمل اس تعزیر کے قبیل سے تھا جو ان کے لئے مشروع تھی، لیکن سوال یہ ہے کہ یہ کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ کوئی شخص تعزیر کے طور پر ایک شرعی حکم کے الغا کا اقدام کرے؟ اور ایسے نام نہاد تعزیری حکم کا اس تعزیر سے کیا جوڑ جو شریعت میں معروف ہے اور جس کے فقہائے اُمت قائل ہیں؟ ابن قیم اس مسئلے پر طول طویل کلام کرنے کے باوجود اس کی ایک بھی نظیر تو پیش نہیں کر سکے، بلکہ اس دروازے کا کھولنا درحقیقت پوری شریعت کو اس قسم کے حیلوں بہانوں سے معطل کر دینے کا دروازہ کھولنا ہے، جیسا کہ طوفی حنبلی نے مصالحِ مرسلہ کی آڑ میں اسی قسم کا

دروازہ کھولنے میں دراز نفسی سے کام لیا ہے، پس اس قسم کی توجیہ درحقیقت ایک گندی تہمت ہے، حضرت عمر پر بھی، ان جمہور صحابہ پر بھی جنھوں نے حضرت عمر کی اس مسئلے میں موافقت کی، اور خود شریعتِ مطہرہ پر بھی۔ چنانچہ یہ بات اس شخص پر مخفی نہیں جس نے اس مسئلے کی گہرائی میں اُتر کر دیکھا ہو، اور جس نے اس کے تمام اطراف و جوانب کی پوری چھان بین کی ہو، محض شاذ اقوال کی تقلید پر اکتفانہ کیا ہو، یا بحث کے محض کسی ایک گوشے کو نہ لے اُڑا ہو۔

اور حافظ ابنِ رجب حنبلی نے اپنی مذکورہ بالا کتاب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کے بارے میں ایک نفیس فائدہ ذکر کیا ہے، میرے لئے ممکن نہیں کہ اس کی طرف اشارہ کئے بغیر اسے چھوڑ جاؤں، وہ لکھتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو فیصلے کئے وہ دو قسم کے ہیں، ایک یہ کہ اس مسئلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کوئی فیصلہ سرے سے صادر نہ ہوا ہو، اور اس کی پھر دو صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے میں غور کرنے کے لئے صحابہ کو جمع کیا، ان سے مشورہ فرمایا، اور صحابہ نے اس مسئلے پر ان کے ساتھ اِجماع کیا، یہ صورت تو ایسی ہے کہ کسی کے لئے اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ یہی حق ہے۔ جیسے عمرتین کے بارے میں آپ کا فیصلہ، اور جیسے اس شخص کے بارے میں فیصلہ جس نے اِحرام کی حالت میں بیوی سے صحبت کر کے حج کو فاسد کر لیا تھا کہ وہ اس اِحرام کے مناسک کو پورا کرے، اور اس کے ذمہ قضا اور دَم لازم ہے، اور اس قسم کے اور بہت سے مسائل۔

اور دُوسری صورت یہ کہ صحابہ نے اس مسئلے میں حضرت عمر کے فیصلے پر اِجماع نہیں کیا، بلکہ حضرت عمر کے زمانے میں بھی اس مسئلے میں ان کے اقوال مختلف رہے، ایسے مسئلے میں اختلاف کی گنجائش ہے، جیسے دادا کے ساتھ بھائیوں کی میراث کا مسئلہ۔

اور دُوسری قسم وہ ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ، حضرت عمر کے فیصلے کے خلاف مروی ہو۔ اس کی چار صورتیں ہیں۔

اوّل: یہ کہ اس میں حضرت عمر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کی طرف رُجوع کر لیا ہو، ایسے مسئلے میں حضرت عمر کے پہلے قول کا کوئی اعتبار نہیں۔

دوم: یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلے میں دو حکم مروی ہوں، ان میں سے ایک حضرت عمر کے فیصلے کے موافق ہو، اس صورت میں جس فیصلے پر حضرت عمر نے عمل کیا وہ دُوسرے کے لئے ناسخ ہوگا۔

سوم: یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنسِ عبادات میں متعدّد انواع کی رُخصت دی ہو، پس حضرت عمر ان انواع میں افضل اور اَصلح کو لوگوں کے لئے اختیار کر لیں، اور لوگوں سے اس کی پابندی کرائیں۔ پس جس صورت کو حضرت عمر نے اختیار فرمایا ہو اس کو چھوڑ کر کسی دُوسری صورت پر عمل کرنا ممنوع نہیں۔

چہارم: یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ کسی علت پر مبنی تھا، وہ علت باقی نہ رہی تو حکم بھی باقی نہ رہا، جیسے مولفۃ

القلوب، یا کوئی ایسا مانع پایا گیا جس نے اس حکم پر عمل کرنے سے روک دیا۔

اور صاحب بصیرت پر مخفی نہیں کہ زیر بحث مسئلہ ان انواع واقسام میں کس قسم کی طرف راجع ہے۔ چنانچہ اب ہم حدیث ابن عباس پر، جس میں حضرت عمر کے تین طلاقوں کے نافذ کرنے کا ذکر ہے، اور حدیث رکانہ پر بحث کرتے ہیں، تا کہ یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جائے کہ کسی کج رو شخص کے لئے ان دونوں حدیثوں سے تمسک کی گنجائش نہیں، بلکہ ان دونوں سے جمہور کے دلائل میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

رہی ابن عباس کی حدیث، جس کے گرد یہ شذوذ پسند گنگناتے نظر آتے ہیں، اس اُمید پر کہ ان کو اس حدیث میں کوئی ایسی چیز مل جائے گی جو ان کو اُمت کے خلاف بغاوت کے لئے کچھ سہارے کا کام دے سکے گی، اس حدیث کا متن یہ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں، حضرت ابوبکر کے زمانے میں اور حضرت عمر کی خلافت کے پہلے دو سالوں میں تین طلاق ایک تھی، پس حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: لوگوں نے ایک ایسے معاملے میں جلد بازی سے کام لیا، جس میں ان کے لئے سوچ بچار کی گنجائش تھی، پس اگر ہم ان تین طلاقوں کو ان پر نافذ کر دیں (تو بہتر ہو)، چنانچہ آپ نے ان پر تین طلاق کو نافذ قرار دے دیا۔

اور ایک دُوسری روایت میں حضرت طاؤس سے یہ الفاظ مروی ہیں کہ ابو الصہبا نے ابن عباس سے کہا کہ: اپنی عجیب و غریب باتوں میں سے کچھ لائیے! کیا تین طلاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے زمانے میں ایک نہیں تھی؟ ابن عباس نے فرمایا کہ: ہاں! یہی تھا، پھر جب حضرت عمر کے زمانے میں لوگوں نے پے در پے طلاق دینی شروع کی تو حضرت عمر نے تین طلاقوں کو ان پر نافذ کر دیا۔

اور ایک روایت میں طاؤس سے یہ الفاظ مروی ہیں کہ ابو الصہبا نے ابن عباس سے کہا کہ: کیا آپ کو علم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں، حضرت ابوبکر کے زمانے میں اور حضرت عمر کی خلافت کے تین سالوں میں تین طلاق صرف ایک ٹھہرائی جاتی تھی؟ ابن عباس نے کہا: ہاں!

ان تینوں احادیث کی تخریج امام مسلم نے اپنی صحیح میں کی ہے۔ لیکن مستدرک حاکم میں یردون کا جو لفظ ہے (یعنی تین طلاقوں کو ایک کی طرف لوٹایا جاتا تھا) تو یہ عبداللہ بن موئل کی روایت سے ہے، جس کو ابن معین، ابوحاتم اور ابن عدی نے ضعیف کہا ہے، ابوداود اس کو منکر الحدیث کہتے ہیں، اور ابن ابی ملیکہ کے الفاظ حدیث میں انقطاع کے الفاظ ہیں، اور اگر حاکم میں تشیع نہ ہوتا تو وہ مستدرک میں اس حدیث کی تخریج سے انکار کر دیتے، چنانچہ شیعوں میں کتنے ہی ایسے اشخاص ہیں جو روافض کی تلبیسات کے اور ان کے مذہب شیعہ کا لبادہ اوڑھنے سے دھوکا کھا جاتے ہیں، بغیر اس کے کہ جائیں کہ اس قسم کے مسائل سے شیعوں کا اصل مدعا کیا ہے۔

اب ہمیں سب سے پہلے طلاق الثلاث کے لفظ پر غور کرنا چاہئے کہ آیا الثلاث پر لامِ استغراق داخل ہے اور تین طلاق

سے ہر قسم کی تین طلاقیں مراد ہیں؟ یا تین طلاقوں کی کوئی خاص معہود قسم مراد ہے؟ چنانچہ (پہلی شق تو باطل ہے، کیونکہ) یہاں ہر قسم کی تین طلاق مراد لینا ممکن نہیں، کیونکہ تین طلاق کی ایک صورت یہ ہے کہ تین طلاقیں الگ الگ طہروں میں دی جائیں، ایسی تین طلاقوں کا ایک ہونا ممکن نہیں، خواہ یہ طلاق کی تعداد کو تین تک محدود کیے جانے سے قبل ہو، یا اس کے بعد، کیونکہ جب تک طلاق کو تین تک محدود نہیں کیا گیا تھا لوگ جتنی چاہیں طلاق دے سکتے تھے، اور تین کے ایک ہونے کا کوئی اعتبار نہیں تھا، لہٰذا طلاق کو تین تک محدود قرار دیئے سے پہلے تین کے ایک ہونے کے کوئی معنیٰ نہیں تھے، اور اس کے بعد بھی تین کے ایک ہونے کا تصور نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد: اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ اس اَمر میں نص ہے کہ طلاق کی تعداد، جس کے بعد مراجعت صحیح ہے، صرف دو ہیں، تیسری طلاق کے بعد عورت شوہر کے لئے حلال نہیں رہے گی یہاں تک کہ وہ دُوسرے شوہر سے نکاح کرے۔ پس اس آیتِ شریفہ کے نزول کے بعد تین کو ایک قرار دینا کیسے ممکن ہوگا؟

الغرض! اس حدیث میں تین طلاقوں سے مراد ایسی تین طلاقیں مراد نہیں ہوسکتیں جو الگ الگ طہروں میں دی گئی ہوں، لہٰذا صرف ایک ہی احتمال باقی رہا کہ تین طلاقوں سے مراد ایسی تین طلاقیں ہیں جو ایسے الگ الگ طہروں میں نہ دی گئی ہوں، جن میں صحبت نہ ہوئی ہو، اور اس احتمال کی صرف دو صورتیں ہیں، یا تو یہ تین طلاقیں بیک لفظ دی جائیں گی، یا الگ الگ الفاظ سے، اگر الگ الگ الفاظ سے پے درپے واقع کی جائیں تو اس مطلقہ کے ساتھ شوہر کی خلوَت ہوچکی ہوگی یا نہیں، اگر خلوَت نہیں ہوئی تھی تو وہ پہلے لفظ سے بائنہ ہوجائے گی، دُوسری اور تیسری طلاق کا محل ہی نہیں رہے گی۔ اور جس صورت میں کہ عورت کے ساتھ شوہر کی خلوَت ہوچکی ہو، پس اگر طلاق دینے والے کی نیت ایک طلاق کی تھی اور اس نے دُوسرا اور تیسرا لفظ محض تاکید کے طور پر استعمال کیا تھا تو دیانۃً اس کا قول قبول کیا جائے گا۔

اور جس صورت میں کہ تین طلاق بالفاظِ غیر متعاقبہ یا بلفظِ واحد واقع کی گئی ہوں تو اس کے دو مفہوم ہوسکتے ہیں:

ایک یہ کہ آج جو تین طلاق بلفظِ واحد دینے کا رَواج ہے، دورِ نبوی، دورِ صدیقی اور حضرت عمر کے ابتدائی دور میں اس کا رواج نہیں تھا، بلکہ ان مقدس اَدوار میں اس کے بجائے ایک طلاق دینے کا رواج تھا، لوگ ان زمانوں میں سنت طلاق کی رعایت کرتے ہوئے تین الگ الگ طہروں میں طلاق دیا کرتے تھے، بعد کے زمانے میں لوگ پے درپے اکٹھی طلاقیں دینے لگے، کبھی حیض کی حالت میں، کبھی ایک ہی طہر میں بلفظِ واحد یا بالفاظِ متعاقبہ۔

دُوسرا مفہوم یہ ہوسکتا ہے کہ جس طرح تین طلاق دینے کا آج رواج ہے کہ لوگ بلفظِ واحد یا بالفاظِ متعاقبہ ایک طہر میں یا حیض کی حالت میں طلاق دیا کرتے ہیں، یہی رواج ان تین مقدس زمانوں میں بھی تھا، لیکن ان زمانوں میں ایسی تین طلاقوں کو ایک ہی شمار کیا جاتا تھا، تو کیا ہم اس معاملے میں ان حضرات کی مخالفت کریں؟ اور ہم ان کو تین طلاقیں شمار کریں جبکہ وہ حضرات ان تین کو ایک شمار کرتے تھے؟

الغرض! سبر و تقسیم کے بعد جو آخری دو احتمال نکلتے ہیں ان میں سے پہلے احتمال کے خلاف کوئی ایسی چیز نہیں جو اس کو غلط

قرار دے، اس کے برعکس دُوسرے احتمال کے غلط ہونے کے قوی دلائل موجود ہیں، مثلاً:

اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عباس کا فتویٰ اس کے خلاف ہے، (جو اس احتمال کے باطل اور مردود ہونے کی دلیل ہے)، چنانچہ نقاد نے کتنی ہی احادیث کو اس بنا پر نا قابلِ عمل قرار دیا ہے کہ ان کی روایت کرنے والے صحابہ ؟ کا فتویٰ ان کے خلاف ہے، جیسا کہ ابنِ رجب نے شرح علل ترمذی میں اس کو شرح وبسط سے لکھا ہے، یہی مذہب ہے یحییٰ بن معین ؟ کا، یحییٰ بن سعید القطان کا، احمد بن حنبل کا اور ابن المدینی کا۔ اگرچہ بعض اہلِ علم کی رائے یہ ہے کہ راوی کی روایت کا اعتبار ہے، اس کی رائے کا اعتبار نہیں، لیکن یہ بھی اس صورت میں ہے کہ حدیث اپنے مفہوم میں نص ہو کہ اس میں دُوسرا احتمال نہ ہو، یا اگر مفہوم قطعی نہیں تو کم سے کم راجح احتمال ہو، مرجوح نہ ہو، لیکن جو احتمال کہ محض فرضی اور مصنوعی ہو اس رائے کے مطابق بھی وہ کیسے لائق شمار ہوسکتا ہے؟ اور جس شخص نے علم مصطلح الحدیث میں صرف متاخرین کی کتابوں تک اپنی نظر کو محدود رکھا ہو اس نے اپنی بصارت پر اپنی نظر کے اُفق کی پٹی باندھ رکھی ہے، اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے یہ فتویٰ تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ تین طلاق بلفظِ واحد سے تین ہی واقع ہوتی ہیں۔ جیسا کہ گزشتہ بحث میں ابنِ عباس ؟ سے اس کی روایت حضرت عطاء، حضرت عمرو بن دینار، حضرت سعید بن جبیر، حضرت مجاہد رحمہم اللہ اور دیگر حضرات کے حوالے سے بلکہ خود طاؤس کے حوالے سے بھی گزر چکی ہے۔

اس روایت کے نقل کرنے میں طاؤس منفرد ہیں، اور ان کی یہ روایت دیگر حضرات کی روایت کے خلاف ہے، اور یہ ایسا شذوذ (شاذ ہونا) ہے جس کی وجہ سے روایت مردود ہو جاتی ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا وجہ سے مردود ہو جاتی ہے۔

کرابیسی کے حوالے سے اُوپر گزر چکا ہے کہ ابنِ طاؤس جو اپنے والد سے اس روایت کو نقل کرتے ہیں انہوں نے اس شخص کو جھوٹا قرار دیا ہے جو ان کے باپ (طاؤس) کی طرف یہ بات منسوب کرے کہ وہ تین طلاق کے ایک ہونے کے قائل تھے۔

اس روایت کے یہ الفاظ کہ :ابو الصہبا نے کہا یہ انقطاع کے الفاظ ہیں، (یعنی معلوم نہیں کہ طاؤس نے خود ابو الصہبا سے یہ بات سنی یا نہیں؟) اور صحیح مسلم میں بعض احادیث منقطع موجود ہیں۔

نیز ابو الصہبا سے اگر ابنِ عباس کا مولیٰ مراد ہے تو وہ ضعیف ہے، جیسا کہ امام نسائی نے ذکر کیا ہے، اور اگر کوئی دُوسرا ہے تو مجہول ہے۔

نیز حدیث کے بعض طرق میں یہ الفاظ ہیں :ہات من ہنا تک یعنی ابو الصہبا نے ابنِ عباس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ: لایئے !اپنی قابلِ نفرت اور بُری باتوں میں سے کچھ سنایئے! حضرت ابنِ عباس کی جلالتِ قدر کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے درجے کا کوئی صحابی بھی ان کو ایسے الفاظ سے مخاطب نہیں کرسکتا، چہ جائیکہ ان کا غلام ایسی گستاخانہ گفتگو کرے، اور حضرت ابنِ عباس اس کے ان گستاخانہ خطاب کی تردید بھی نہ کریں۔

اور بریں تقدیر کہ ابنِ عباس نے اس کو بغیر تردید کے جواب دیا (تو گویا اس حدیث کا قابلِ نفرت اور بُری باتوں میں سے ہونا تسلیم کرلیا) اندریں صورت یہ روایت خود انہی کے اقرار وتسلیم کے مطابق قبیح اور مردود باتوں میں سے ہوئی، (پھر اس کو

استدلال میں پیش کرنے کے کیا معنیٰ؟) اور حضرت ابنِ عباس کی رُخصتوں کا حکم سلف وخلف کے درمیان مشہور ہے، اور امام مسلم ؒ کی عادت یہ ہے کہ وہ تمام طرقِ حدیث کو ایک ہی جگہ جمع کر دیتے ہیں، تا کہ حدیث پر حکم لگانا آسان ہو، اور یہ حدیث کے مرتبے کی تعریف وتشخیص کا ایک عجیب وغریب طریقہ ہے۔

اس حدیث کا اگر زیرِ بحث مفہوم لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ نعوذ باللہ حضرت عمر نے محض اپنی رائے سے شریعت سے خروج اختیار کیا، اور حضرت عمر کی عزت وعظمت اس سے بالاتر ہے کہ ایسی بات ان کی جانب منسوب کی جائے۔

نیز اس سے جمہور صحابہ پر یہ تہمت عائد ہوتی ہے کہ وہ نعوذ باللہ اپنے تنازعات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حَکَم بنانے کے بجائے رائے کو حَکَم ٹھہراتے تھے، اور یہ ایک ایسی شناعت وقباحت ہے جس کو صحابہ کے بارے میں روافض کے سوا کوئی گوارا نہیں کرسکتا، اور اہلِ تحقیق کے نزدیک اس شذوذ کا مصدر روافض ہی ہیں۔

اور یہ سمجھنا کہ : حضرت عمر کا یہ عمل سیاسی تھا، جس کو بطور تعزیر اختیار کرنے کی حضرت عمر کے لئے گنجائش تھی یہ نری تہمت ہے، جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دامن پاک ہے۔ آخر ایسا کون ہوگا جو سیاست کے طور پر شریعت کے خلاف بغاوت کو جائز رکھے؟

پس یہ عشرہ کاملہ (پوری دس وجوہ) آخری دو احتمالوں میں سے دُوسرے احتمال کے باطل ہونے کا فیصلہ کرتی ہیں، لہٰذا برتقدیرِ صحتِ حدیث پہلا احتمال متعین ہے،() اور میں ذیول طبقات الحفاظ کی تعلیقات میں بھی اس حدیث کے علل کو ذکر کرچکا ہوں، جو یہاں کے بیان کے قریب قریب ہے۔ علاوہ ازیں تین کو ایک کہنا (نصاریٰ کا قول ہے) مسلمانوں کے مذہب سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

جعلوا الثلاثة واحدًا، لو انصفوا لم یجعلوا العدد الکثیر قلیلًا

انہوں نے تین کو ایک بنادیا، اگر وہ انصاف کرتے تو عددِ کثیر کو قلیل نہ بناتے۔

حافظ ابنِ رجب اپنی مذکور الصدر کتاب میں ابنِ عباس کی اس حدیث پر گفتگو شروع کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ پس اس حدیث کے بارے میں ائمہء اسلام کے دو مسلک ہیں، ایک مسلک امام احمد اور ان کے موافقین کا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث کی اسناد میں کلام ہے، کیونکہ یہ روایت شاذ ہے، طاؤس اس کے نقل کرنے میں متفرد ہیں، اور ان کا کوئی متابع موجود نہیں، کوئی راویء حدیث خواہ بذاتِ خود ثقہ ہو، لیکن ثقہ راویوں کے خلاف اس کا کسی حدیث کے نقل کرنے میں متفرد ہونا حدیث میں ایک ایسی علت ہے جو اس کے قبول کرنے میں توقف کو واجب کردیتی ہے، اور جس کی وجہ سے روایت شاذ یا منکر بن جاتی ہے، جبکہ وہ کسی دُوسرے صحیح طریق سے مروی نہ ہو۔ اور یہ طریقہ ہے متقدمین ائمہ حدیث کا، جیسے امام احمد، یحییٰ بن معین، یحییٰ بن قطان، علی بن المدینی وغیرہ۔ اور زیرِ بحث حدیث ایسی ہے کہ اس کو طاؤس کے سوا حضرت ابنِ عباس سے کوئی بھی روایت نہیں کرتا، ابنِ منصور کی روایت میں ہے (ہم اس روایت کی طرف سابق میں اشارہ کرچکے ہیں) کہ : امام احمد نے فرمایا۔

ابنِ عباس کے تمام شاگرد طاؤس کے خلاف روایت کرتے ہیں۔ (ہم اس کی مثل اثرم) سے بھی اُوپر نقل کر چکے ہیں، اور جوز جانی (صاحب الجرح) کہتے ہیں: یہ حدیث شاذ ہے، میں نے زمانہء قدیم میں اس کی بہت تتبع تلاش کی، لیکن مجھے اس کی کوئی اصل نہیں ملی۔

اس کے بعد ابنِ رجب لکھتے ہیں اور جب اُمت کسی حدیث کے مطابق عمل نہ کرنے پر اجماع کر لے تو اس کو ساقط اور متروک العمل قرار دینا واجب ہے، امام عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں کہ: وہ شخص علم میں امام نہیں ہو سکتا جو شاذ علم کو بیان کرے۔ امام ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ: وہ حضرات (یعنی سلف صالحین) احادیثِ غریبہ سے کراہت کیا کرتے تھے۔ یزید بن ابی حبیب کہتے ہیں کہ: جب تم کوئی حدیث سنو تو اس کو تلاش کرو، جس طرح گم شدہ چیز کو تلاش کیا جاتا ہے، اگر پہچانی جائے تو ٹھیک، ورنہ اس کو چھوڑ دو۔ امام مالک سے مروی ہے کہ: بدتر علم غریب ہے، اور سب سے بہتر علم ظاہر ہے، جس کو عام لوگ روایت کرتے ہیں۔ اور اس باب میں سلف کے بہت سے ارشاد مروی ہیں۔

اس کے بعد ابنِ رجب لکھتے ہیں حضرت ابنِ عباس جو اس حدیث کے راوی ہیں، ان سے صحیح اسانید کے ساتھ ثابت ہے کہ انہوں نے اس حدیث کے خلاف اکٹھی تین طلاق کے لازم ہونے کا فتویٰ دیا، اور امام احمد اور امام شافعینے اسی علت کی وجہ سے اس حدیث کو معلول قرار دیا ہے، جیسا کہ ابنِ قدامہ نے المغنی میں ذکر کیا ہے، اور تنہا یہی ایک علت ہوتی تو اس حدیث کے ساقط ہونے کے لئے کافی تھی، چہ جائیکہ اس کے ساتھ یہ علت بھی شامل ہو کہ یہ حدیث شاذ اور منکر ہے اور اجماعِ اُمت کے خلاف ہے۔ اور قاضی اسماعیل اَحکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ: طاؤس اپنے فضل وصلاح کے باوجود بہت سی منکر اشیاء روایت کیا کرتے ہیں۔ من جملہ ان کے ایک یہ حدیث ہے، اور اَیوب سے مروی ہے کہ وہ طاؤس کی کثرتِ خطا سے تعجب کیا کرتے تھے اور ابنِ عبدالبر کہتے ہیں کہ اس حدیث کی روایت میں طاؤس نے شذوذ اختیار کیا ہے۔

پھر ابنِ رجب لکھتے ہیں کہ علمائے اہلِ مکہ ان شاذ اقوال کی وجہ سے طاؤس پر نکیر کیا کرتے تھے جن کے نقل کرنے میں وہ متفرد ہوں۔ اور کرابیسی ادب القضا میں لکھتے ہیں کہ: طاؤس، ابنِ عباس سے بہت سے اخبارِ منکرہ نقل کرتے ہیں، اور ہماری رائے یہ ہے واللہ اعلم کہ یہ منکر خبریں انہوں نے عکرمہ سے لی ہیں، اور سعید بن مسیّب، عطاء اور تابعین کی ایک جماعت عکرمہ سے پرہیز کرتی ہے۔ عکرمہ، طاؤس کے پاس گئے تھے، طاؤس نے عکرمہ سے وہ کچھ لیا ہے جن کو عموماً وہ ابنِ عباس سے روایت کرتے ہیں۔ ابوالحسن السبکی کہتے ہیں کہ: پس ان روایات کی ذمہ داری عکرمہ پر ہے، طاؤس پر نہیں۔

اور ابنِ طاؤس سے کرابیسی کی روایت ہم پہلے نقل کر چکے ہیں کہ: ان کے باپ طاؤس کی طرف یہ جو کچھ منسوب کیا گیا ہے، وہ سب جھوٹ ہے۔ یہ گفتگو تو مسلکِ اوّل سے متعلق تھی۔ اور دُوسرے مسلک کے بارے میں ابنِ رجب ہی لکھتے ہیں اور یہ مسلک ہے ابنِ راہویہ کا اور ان کے پیروکاروں کا، اور وہ ہے معنیٔ حدیث پر کلام کرنا، اور وہ یہ کہ حدیث کو غیر مدخول بہا پر محمول کیا جائے، اس کو ابنِ منصور نے اسحاق بن راہویہ سے نقل کیا ہے۔ اور الجوزی نے الجامع میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے، اور ابوبکر الاثرم

نے اپنی سنن میں اس پر باب باندھا ہے، اور ابو بکر الخلال نے بھی اس پر دلالت کی ہے، اور سنن ابوداوئد میں بروایت حماد بن زید عن ایوب عن غیر واحد عن طاؤس عن ابن عباس یہ حدیث اس طرح نقل کی ہے کہ آدمی جب اپنی بیوی کو تین طلاق دُخول سے پہلے دیتا تو اس کو ایک ٹھہراتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور حضرت ابوبکر کے زمانے میں اور حضرت عمر کے ابتدائی دور میں، پھر جب حضرت عمر نے لوگوں کو دیکھا کہ پے در پے طلاق دینے لگے ہیں تو فرمایا کہ ان کو ان پر نافذ کردو۔

اور ایوب اِمام کبیر ہیں، پس اگر کہا جائے کہ وہ روایت تو مطلق تھی تو ہم کہیں گے کہ ہم دونوں دلیلوں کو جمع کر کے یہ کہیں گے کہ وہ روایت بھی قبل الدخول پر محمول ہے۔

یہاں تک مسلکِ ثانی میں ابنِ رجب کا کلام تھا۔ اور شوکانی نے اپنے رسالہ تین طلاق میں (ابوداوئد کی مندرجہ بالا) اس روایت کو (جس میں طلاق قبل الدخول کا ذکر ہے) بعض افرادِ عام کی تخصیص کے قبیل سے ٹھہرانے کا قصد کیا ہے، حالانکہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ الثلاث میں لام کو استغراق پر محمول کرنا صحیح نہیں، لہٰذا یہ روایت اس قبیل سے نہیں ہوگی۔ اور شوکانی کا یہ کلام محض اس لئے کہ ان کو بہر حال بولتے رہنا ہے، خواہ بات کا نفع ہو یا نہ ہو، بالکل ایسی ہی حالت جس کا ذکر اِمام زفر ؟ نے فرمایا تھا (کہ میں مخالف کے ساتھ مناظرہ کرتے ہوئے اسے صرف خاموش ہو جانے پر مجبور نہیں کرتا بلکہ اس کے ساتھ مناظرہ کرتا رہتا ہوں یہاں تک کہ وہ پاگل ہو جائے، اور پاگل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایسی مجنونانہ باتیں کرنے لگے جو کبھی کسی نے نہیں کیں)۔

پھر شوکانی کہتے ہیں کہ : طلاق قبل الدخول نادر ہے، پس لوگ کیسے پے در پے طلاقیں دینے لگے یہاں تک کہ حضرت عمر غصہ ہو گئے؟ میں کہتا ہوں کہ جو چیز ایک شہر میں یا ایک زمانے میں نادر شمار ہوتی ہے وہ بسا اوقات دُوسرے زمانے میں اور دُوسرے شہر میں نادر نہیں، بلکہ کثیر الوقوع ہوتی ہے، اس لئے شوکانی کا یہ اعتراض بے محل ہے، علاوہ ازیں شوکانی یہ چاہتے ہیں کہ سنن ابوداوئد میں روایت شدہ صحیح حدیث کے حکم کو محض رائے سے باطل کر دیں، (پس یہ درحقیقت انکارِ حدیث کے جراثیم ہیں)، غالباً اس قدر وضاحت اس بات کو بتانے کے لئے کافی ہے کہ ان لوگوں کے لئے حدیثِ ابنِ عباس سے استدلال کی کوئی گنجائش نہیں۔

اب لیجئے حدیثِ رکانہ ! جس سے یہ لوگ تمسک کرنا چاہتے ہیں، یہ وہ حدیث ہے جسے اِمام احمد نے مسند میں بایں الفاظ ذکر کیا ہے حدیث بیان کی ہم سے سعد بن ابراہیم نے، کہا : خبر دی ہم کو میرے والد نے محمد بن اسحاق سے، کہا : حدیث بیان کی مجھ سے داؤد بن حصین نے عکرمہ سے، اس نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے کہ انہوں نے فرمایا۔

رکانہ بن عبدیزید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ہی مجلس میں دے دی تھیں، پھر ان کو اس پر شدید غم ہوا، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم نے کیسے طلاق دی تھی؟ انہوں نے کہا کہ : میں نے تین طلاقیں ایک ہی مجلس میں دے دیں۔ فرمایا : یہ تو ایک ہوئی، لہٰذا تم اگر چاہو تو اس سے رُجوع کرلو، چنانچہ رکانہ نے اس سے رُجوع کرلیا۔

اور مجھے بے حد تعجب ہوتا ہے کہ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ صحابہ کے زمانے میں تین طلاق اَنتِ طالق ثلاثا کے لفظ سے ہوتی ہی نہیں تھی، وہ اس حدیث سے تین کو ایک کی طرف رَدّ کرنے پر استدلال کیسے کرنا چاہتا ہے؟ پس جو تین طلاق کہ مجلسِ واحد

میں ہے، طلاق ثلاثہ کے الفاظ سے نہ تو لامحالہ تکرار لفظ کے ساتھ ہوگی، اور تکرار کی صورت میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ اس نے تاکید کا ارادہ کیا ہو، دوسرے یہ کہ تین طلاق واقع کرنے کا قصد کیا ہو، پس جب معلوم ہوا کہ اس نے صرف ایک کا ارادہ کیا تھا تو دیانۃً اس کا قول قبول کیا جائے گا، اور اس کا یہ کہنا کہ میں نے تین طلاق دیں، اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اس نے طلاق کا لفظ تین بار دہرایا، اور ہوسکتا ہے کہ راوی نے حدیث کو مختصر کرکے روایت بامعنی کردی ہو۔ علاوہ ازیں یہ حدیث منکر ہے، جیسا کہ امام جصاص اور ابنِ ہمام فرماتے ہیں، کیونکہ یہ پختہ کار ثقہ راویوں کی روایت کے خلاف ہے، نیز یہ حدیث معلول بھی ہے، جیسا کہ ابن حجر نے تخریج احادیث رافعی (التلخیص الحبیر) میں ذکر کیا ہے، تخریج میں ابنِ حجر کے الفاظ یہ ہیں۔

حدیث: رکانہ بن عبد یزید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، پس کہا کہ: میں نے اپنی بیوی سہیمہ کو البتہ طلاق دے دی ہے، اور اللہ کی قسم! کہ میں نے ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری بیوی مجھ کو لوٹادی۔ اس حدیث کو امام شافعی، ابوداؤد، ترمذی اور ابنِ ماجہ نے تخریج کیا ہے۔ اور انہوں نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ آیا یہ رکانہ تک مسند ہے یا مرسل؟ ابوداؤد، ابن حبان اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے، اور امام بخاری نے اس کو اضطراب کی وجہ سے معلول کہا ہے، ابنِ عبدالبر نے تمہید میں کہا ہے کہ محدثین نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، اور اس باب میں ابنِ عباس سے بھی روایت ہے (یعنی بلفظِ ثلاث، جیسا کہ ہم نے اُوپر پوری روایت نقل کردی ہے) اس کو امام احمد نے اور حاکم نے روایت کیا ہے، اور یہ معلول ہے۔

بلکہ ابنِ حجر نے فتح الباری میں ان حضرات کی رائے کی تصویب کی ہے کہ (ابنِ عباس کی مذکورہ بالا حدیث میں) تین کا لفظ بعض راویوں کا تبدیل کیا ہوا لفظ ہے، کیونکہ البتہ کے لفظ سے تین طلاق واقع کرنا شائع تھا، (اس لئے راوی نے البتہ کو تین سمجھ کر تین طلاق کا لفظ نقل کردیا) اور اہلِ علم کے اقوال طلاقِ بتہ کے بارے میں مشہور ہیں۔

اب ہم مسندِ احمد میں (مذکورہ بالا) حدیث محمد بن اسحاق پر کلام کرتے ہیں تاکہ اس کے منکر اور معلول ہونے کے وجوہ ظاہر ہوجائیں۔ رہا محمد بن اسحاق! تو امام مالک اور ہشام بن عروہ وغیرہ نے طویل وعریض الفاظ میں اس کو کذاب کہا ہے، یہ صاحب ضعفاء سے تدلیس کرتے تھے، اور بیان کئے بغیر اہلِ کتاب کی کتابوں سے نقل کرتے تھے اور بتاتے نہیں تھے کہ یہ اہلِ کتاب کی روایت ہے، اس پر قدر کی بھی تہمت ہے، اور لوگوں کی حدیث کو اپنی حدیث میں داخل کردینے کا بھی اس پر الزام ہے، یہ ایسا شخص نہیں جس کا قول صفات میں قبول کیا جائے، اور نہ احادیثِ احکام میں اس کی روایت معتبر ہے، خواہ وہ سماع کی تصریح کرے، جبکہ اس کی روایت کے خلاف روایات پے در پے وارد ہوں، اور جس نے اس کی روایت کو قوی کہا ہے تو صرف مغازی میں قوی کہا ہے۔

اس حدیث کی سند میں دُوسرا راوی داؤد بن حصین ہے، جو خارجیوں کے مذہب کے داعیوں میں سے تھا، اور اگر امام مالک نے اس سے روایت نہ کی ہوتی تو اس کی حدیث ترک کردی جاتی، جیسا کہ ابو حاتم نے کہا ہے، اور ابنِ مدینی کہتے ہیں کہ

داوٗد بن حصین جس روایت کو عکرمہ سے نقل کرے، وہ منکر ہے، اور اہلِ جرح وتعدیل کا کلام اس کے بارے میں طویل الذیل ہے، جن حضرات نے اس کی روایت کو قبول کیا ہے تو صرف اس صورت میں قبول کیا جبکہ وہ نکارت سے خالی ہو، پس اس کی روایت ثقہ ثبت راویوں کے خلاف کیسے قبول کی جاسکتی ہے؟

اور تیسرا راوی عکرمہ ہے، جس پر بہت سی بدعات کی تہمت ہے، اور سعید ابنِ مسیب اور عطاء جیسے حضرات اس سے اجتناب کرتے تھے، پس حضرت ابنِ عباس سے روایت کرنے والے ثقہ راویوں کے خلاف اس کا قول کیسے قبول کیا جائے گا؟ پس جس نے اس روایت کو منکر کہا اس نے بہت ہی صحیح کہا ہے۔ اور امام احمد سے اس قسم کے متن کی تحسین ایسی سند کے ساتھ صحیح نہیں، حالانکہ وہ خود فرماتے ہیں کہ: طاوٗس کی روایت حضرت ابنِ عباس سے تین طلاق کے بارے میں شاذ اور مردود ہے، جیسا کہ ہم اسحاق بن منصور اور ابوبکر اثرم کے حوالے سے قبل ازیں نقل کرچکے ہیں۔

علامہ ابنِ ہمام حنفی لکھتے ہیں کہ: صحیح تر وہ روایت ہے جس کو ابوداوٗد، ترمذی اور ابنِ ماجہ نے نقل کیا ہے کہ: رکانہ نے اپنی بیوی کو بتہ طلاق دی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے حلف لیا کہ اس نے صرف ایک کا ارادہ کیا تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت اس کو واپس کرادی، اس نے دُوسری طلاق حضرت عمر کے زمانے میں اور تیسری حضرت عثمان کے زمانے میں دی۔

اور اسی کی مثل مسندِ شافعی میں ہے، چنانچہ ابوداوٗد کی سند میں نافع بن عجیر بن عبد یزید ہے، پس نافع کو ابنِ حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے، اگرچہ نافع کو بعض ایسے لوگوں نے مجہول کہا ہے جن کی رجال سے ناواقفیت بہت زیادہ ہے۔ اور اس کے والد کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ کبار تابعین میں ہیں اور ان کے بارے میں کوئی جرح منقول نہیں۔ اور امام شافعی کی سند میں عبداللہ بن علی بن سائب بن عبید بن عبد یزید ابو رکانہ واقع ہے، جس کو امام شافعی نے ثقہ کہا ہے۔ رہے عبداللہ بن علی بن یزید بن رکانہ، جس کو ابنِ حزم ذکر کرتے ہیں، ان کی ابنِ حبان نے توثیق کی ہے۔ علاوہ ازیں تابعین میں یہی کافی ہے کہ ان کو جرح کے ساتھ ذکر نہ کیا گیا ہو، تاکہ وہ جہالتِ وصفی سے نکل جائیں، صحیحین میں اس نوعیت کے بہت سے رجال ہیں، جیسا کہ الذہبی ? نے یہ کہتے ہوئے اعتماد کیا ہے کہ آدمی کی اولاد اور اس کے گھر کے لوگ اس کے حالات سے زیادہ واقف ہوا کرتے ہیں۔

حافظ ابنِ رجب نے ابنِ جریج کی وہ حدیث ذکر کی ہے، جس میں وہ کہتے ہیں کہ: مجھے خبر دی ہے ابورافع مولیٰ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے بعض نے عکرمہ سے انہوں نے ابنِ عباس سے (اس سند سے مسند کی روایت کے ہم معنی روایت ذکر کی ہے) اس روایت کو ذکر کرکے حافظ ابنِ رجب لکھتے ہیں کہ:

اس کی سند میں مجہول راوی ہے، اور جس شخص کا نام نہیں لیا گیا وہ محمد بن عبداللہ بن ابی رافع ہے، جو ضعیف الحدیث ہے، اور اس کی احادیث منکر ہیں، اور کہا گیا ہے کہ وہ متروک ہے، لہٰذا یہ حدیث ساقط ہے، اور محمد بن ثور الصنعانی کی روایت میں ہے کہ رکانہ نے کہا: میں نے اس کو طلاق دے دی، اس میں ثلاثا کا لفظ ذکر نہیں کیا، اور محمد بن ثور ثقہ ہیں، بڑے درجے کے آدمی ہیں، نیز اس

کے معارض وہ روایت بھی ہے جو رکانہ کی اولاد سے مروی ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو بتہ طلاق دی تھی۔

اس سے ابن قیم کے کلام کا فساد معلوم ہو جاتا ہے جو انہوں نے اس حدیث پر کیا ہے، جس صورت میں کہ حدیث رکانہ میں البتہ کی روایت صحیح ہو اس سے جمہور کے دلائل میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے، اور جس صورت میں کہ حدیث رکانہ میں اضطراب ہو، جیسا کہ امام ترمذی نے امام بخاری سے نقل کیا ہے، اور امام احمد نے اس کے تمام طرق کو ضعیف قرار دیا ہے، اور ابن عبدالبر نے بھی اس کی تضعیف میں امام احمد کی پیروی کی ہے، اس صورت میں حدیث رکانہ کے الفاظ میں کسی لفظ سے بھی استدلال ساقط ہو جاتا ہے۔ اس حدیث کے اضطرابات میں سے ایک یہ ہے کہ کبھی روایت کرتے ہیں کہ طلاق دینے والا ابو رکانہ تھا، اور کبھی یہ کہ رکانہ کا باپ نہیں بلکہ خود رکانہ تھا، اس اضطراب کو یوں دفع کیا جاسکتا ہے کہ یہ اضطراب تین کی روایت میں ہے، البتہ کی روایت میں نہیں، البتہ کی روایت متن وسند کے اعتبار سے علل سے خالی ہے، اور اگر فرض کرلیا جائے کہ اس میں بھی علت ہے تو (یہ روایت ساقط الاعتبار ہوگی اور) باقی دلائل بغیر معارض کے باقی رہیں گے۔

اور ابن رجب کہتے ہیں ہم اُمت میں سے کسی کو نہیں جانتے جس نے اس مسئلے میں مخالفت کی ہو، نہ ظاہری مخالفت، نہ حکم کے اعتبار سے، نہ فیصلے کے لحاظ سے، نہ علم کے طور پر، نہ فتویٰ کے طور پر۔ اور یہ مخالفت نہیں واقع ہوئی مگر بہت ہی کم افراد کی جانب سے، ان لوگوں پر بھی ان کے ہم عصر حضرات نے آخری درجے کی نکیر کی، ان میں سے اکثر لوگ اس مسئلے کو مخفی رکھتے تھے، اس کا اظہار نہیں کرتے تھے۔

پس اللہ تعالیٰ کے دین کے اخفاء پر اجماع اُمت کیسے ہوسکتا ہے، جس دین کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے نازل فرمایا؟ اور اس شخص کے اجتہاد کی پیروی کیسے جائز ہوسکتی ہے جو اپنی رائے سے اس کی مخالفت کرتا ہو؟ اس کا اعتقاد ہرگز جائز نہیں۔

اُمید ہے کہ اس بیان سے واضح ہو گیا ہوگا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تین طلاق کو نافذ کرنا حکم شرعی تھا، جس کی مدد پر کتاب و سنت موجود ہیں، اور جو اجماع فقہائے صحابہ کے مقارن ہے، تابعین اور ان کے بعد کے حضرات کا اجماع مزید براں ہے، اور یہ حکم شرعی کے مقابلے میں تعزیری سزا نہیں تھی۔ پس جو شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تین طلاق کو نافذ کرنے سے خروج کرتا ہے وہ ان تمام چیزوں سے خروج کرتا ہے۔ (مقالہ، شیخ حسن کوثری)

طلاق سنت کے دو طرق کا بیان

﴿وَالسُّنَّةُ فِي الطَّلَاقِ مِنْ وَجْهَيْنِ: سُنَّةٌ فِي الْوَقْتِ، وَسُنَّةٌ فِي الْعَدَدِ. فَالسُّنَّةُ فِي الْعَدَدِ يَسْتَوِي فِيهَا الْمَدْخُولُ بِهَا وَغَيْرُ الْمَدْخُولِ بِهَا﴾ وَقَدْ ذَكَرْنَاهَا ﴿وَالسُّنَّةُ فِي الْوَقْتِ تَثْبُتُ فِي الْمَدْخُولِ بِهَا خَاصَّةً، وَهُوَ أَنْ يُطَلِّقَهَا فِي طُهْرٍ لَمْ يُجَامِعْهَا فِيهِ﴾ لِأَنَّ

اَلْمُرَاعَی دَلِیْلُ الْحَاجَةِ وَهُوَ الْاِقْدَامُ عَلَی الطَّلَاقِ فِیْ زَمَانِ تَجَدُّدِ الرَّغْبَةِ وَهُوَ الطُّهْرُ الْخَالِی عَنِ الْجِمَاعِ، اَمَّا زَمَانُ الْحَیْضِ فَزَمَانُ النَّفْرَةِ، وَبِالْجِمَاعِ مَرَّةً فِی الطُّهْرِ تَفْتُرُ الرَّغْبَةُ ﴿وَغَیْرُ الْمَدْخُوْلِ بِهَا یُطَلِّقُهَا فِیْ حَالَةِ الطُّهْرِ وَالْحَیْضِ﴾ خِلَافًا لِزُفَرَ رَحِمَهُ اللّٰهُ هُوَ یَقِیْسُهَا عَلَی الْمَدْخُوْلِ بِهَا. وَلَنَا اَنَّ الرَّغْبَةَ فِیْ غَیْرِ الْمَدْخُوْلِ بِهَا صَادِقَةٌ لَا تَقِلُّ بِالْحَیْضِ مَا لَمْ یَحْصُلْ مَقْصُوْدُهُ مِنْهَا، وَفِی الْمَدْخُوْلِ بِهَا تَتَجَدَّدُ بِالطُّهْرِ.

ترجمہ

اور طلاق میں سنت دو اعتبار سے ہوتی ہے'ایک وقت کے اعتبار سے سنت ہے اور دوسری عدد کے اعتبار سے سنت ہے۔تعداد کے اعتبار سے سنت میں'مدخول بہا اور غیر مدخول بہا(دونوں طرح کی بیویاں) برابر ہوں گی' جیسا کہ ہم اس کا ذکر کر چکے ہیں۔وقت کے اعتبار سے سنت صرف''مدخول بہا'' بیوی کے ساتھ ثابت ہوگی اور وہ یہ ہے: آدمی اس عورت کو ایسے طہر میں طلاق دے جس میں اس عورت کے ساتھ صحبت نہ کی ہو۔اس کی وجہ یہ ہے: داعیہ پیدا کرنے والی چیز دلیل حاجت ہے اور وہ ایسے زمانے میں طلاق دینا ہے'جس میں رغبت نئے سرے سے پیدا ہوتی ہے اور یہ زمانہ وہ طہر ہے جس میں صحبت نہ کی گئی ہو'جہاں تک حیض کے زمانے کا تعلق ہے'تو وہ نفرت کا زمانہ ہے اور طہر میں ایک مرتبہ صحبت کر لینے کے بعد رغبت کم ہو جاتی ہے۔غیر مدخول بہا عورت کو آدمی طہر یا حیض کسی بھی حالت میں طلاق دے سکتا ہے' جبکہ امام زفر کی رائے مختلف ہے وہ اس عورت کو مدخول بہا عورت پر قیاس کرتے ہیں۔ہماری دلیل یہ ہے: غیر مدخول بہا عورت میں دلچسپی برقرار رہتی ہے اور یہ اسے حیض آنے سے کم نہیں ہوتی جب تک مرد کا مقصود اس سے حاصل نہ ہو(یعنی مرد اس کے ساتھ صحبت نہ کر لے) جبکہ مدخول بہا عورت کے اندر طہر کے ساتھ یہ دلچسپی نئے سرے سے ہوتی ہے۔

حالت حیض میں طلاق دینے کی ممانعت کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا ذکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا،آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ سے بہت غصہ ہوئے اور فرمایا کہ اس گناہ کا تدارک کرنے کے لئے) عبداللہ کو چاہئے کہ وہ اس عورت سے رجوع کرے یعنی مثلا یوں کہے کہ میں نے اس کو اپنے نکاح میں واپس لے لیا) اور پھر اس کو اپنے پاس رکھے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے اور پھر جب وہ حائضہ ہو اور اس کے بعد پاک ہو جائے اور پھر جب وہ حائضہ ہو اور اس کے بعد پاک ہو جائے اور طلاق دینا ضروری ہو تو پاکی کی حالت میں اسے طلاق دے قبل اس کے کہ اس سے جماع کرے،پس یہی وہ عدت ہے جس کے بارے میں اللہ تعالی نے حکم دیا ہے کہ اس میں عورتوں کو طلاق دی جائے۔ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا کہ عبداللہ کو حکم دو

کہ وہ اس عورت سے رجوع کرے اور پھر اس کو پاکی کی حالت میں بشرطیکہ وہ حاملہ نہ ہو اور حیض آتا ہو یا حمل کی حالت میں طلاق دے۔ (بخاری و مسلم)

فتغیظ فیہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ سے بہت غصہ ہوئے) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حالت حیض میں طلاق دینا حرام ہے کیونکہ اگر یہ حرام نہ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ پر غصہ نہ ہوتے۔ اور حالت حیض میں طلاق دینا حرام اس لئے ہے کہ ہوسکتا ہے کہ طلاق دینے والے نے حالت حیض میں محض کراہت طبع کے سبب طلاق دی ہو اور وہ مصلحت اس کے طلاق دینے کیوجہ سے نہ ہو جس کی بناء پر طلاق دینا حرام ہو۔ مگر کوئی شخص اگر حالت حیض میں طلاق دیدے تو طلاق پڑ جائیگی یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ کو رجوع کرنے کا حکم دیا اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ رجوع کرنا طلاق کے بعد ہی ہوتا ہے۔

حالت حیض کی وقوع طلاق میں امام بخاری کا مؤقف

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اور ابو معمر عبداللہ بن عمرو منقری نے کہا (یا ہم سے بیان کیا) کہا ہم سے عبدالوارث بن سعید نے، کہا ہم سے ایوب سختیانی نے، انہوں نے سعید بن جبیر سے، انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے، انہوں نے کہا یہ طلاق جو میں نے حیض میں دی تھی مجھ پر شمار کی گئی۔

یعنی اس کے بعد دو ہی طلاقوں کا اور اختیار رہا۔ ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء نے اسی سے دلیل لی ہے اور یہ کہا ہے کہ جب ابن عمر رضی اللہ عنہما خود کہتے ہیں کہ یہ طلاق شمار ہوگی تو اب اس کے وقوع میں کیا شک رہا۔

وقوع طلاق حائض میں امام بخاری سے غیر مقلدین کا اختلاف

غیر مقلد وحید زمان لکھتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا صرف قول حجت نہیں ہوسکتا کیونکہ انہوں نے یہ بیان نہیں کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے شمار کیے جانے کا حکم دیا۔ میں (وحید الزماں) کہتا ہوں کہ سعید بن جبیر نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی اور ابوالزبیر نے اس کے خلاف روایت کی۔ اس کو ابوداؤد وغیرہ نے نکالا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس طلاق کو کوئی چیز نہیں سمجھا اور شعبی نے کہا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک یہ طلاق شمار نہ ہوگی۔ اس کو عبدالبر نے نکالا اور ابن حزم نے باسناد صحیح نافع سے، انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایسا ہی نکالا کہ اس طلاق کا شمار نہ ہوگا اور سعید بن منصور نے عبداللہ بن مبارک سے، انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایسا ہی نکالا کہ انہوں نے اپنی عورت کو حالت حیض میں طلاق دے دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ طلاق کوئی چیز نہیں ہے۔ حافظ نے کہا یہ سب روایتیں ابوالزبیر کی روایت کی تائید کرتی ہیں اور ابوالزبیر کی روایت صحیح ہے۔ اس کی سند امام مسلم کی شرط پر ہے۔ اب خطابی اور قسطلانی وغیرہ کا یہ کہنا کہ ابوالزبیر کی روایت منکر ہے قابل قبول نہ ہوگی اور امام شافعی کا یہ کہنا

کہ نافع ابوالزبیر سے زیادہ ثقہ ہے اور نافع کی روایت یہ ہے کہ اس طلاق کا شمار ہوگا صحیح نہیں کیونکہ ابن حزم نے خود نافع ہی کے طریق سے ابوالزبیر کے موافق نکالا ہے۔

غیر مقلدین جو بہ ظاہر بخاری کی بڑی رٹ لگاتے پھرتے ہیں جبکہ خود ان کے نام نہاد مصنفین جو پندرھویں صدی کا فتنہ ہیں ان میں اتنی جرأت بھی ہے کہ وہ امام بخاری سے اختلاف کرتے ہیں واقعی سچ ہے کہ غیر مقلد اسے کہتے ہیں جس میں عقل نہ ہو۔

ایک طہر میں ایک طلاق کی مشروعت کا سبب

مصنف فرماتے ہیں۔ یہاں داعیہ پیدا کرنے والی چیز طلاق کی ضرورت کی دلیل ہے' اور وہ داعیہ ایسے وقت میں طلاق دینا ہے جب رغبت نئے سرے سے پیدا ہوتی ہے' اور یہ وہ زمانہ ہے جو صحبت سے خالی طہر پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہاں یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے: حیض کے دوران طلاق کیوں نہیں دی جاسکتی؟ تو اس کے جواب میں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: جہاں تک حیض کے وقت کا تعلق ہے' تو اس دوران میں مرد کو صحبت کے عمل سے دلچسپی نہیں ہوتی۔ اس پر یہ سوال کیا جاسکتا ہے: اگر آپ نئے سرے سے دلچسپی کو طلاق دینے کا داعیہ قرار دیتے ہیں' تو ایک طہر میں ایک سے زیادہ طلاقیں کیوں نہیں دی جاسکتی ہیں۔ مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے: ایک طہر کے دوران ایک مرتبہ صحبت کر لینے سے دلچسپی کم ہو جاتی ہے اسی لئے ایک طہر میں ایک ہی طلاق کو مشروع کیا گیا ہے۔

یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے: وقت کے اعتبار سے طلاق میں آپ مدخول بہا اور غیر مدخول بہا کے درمیان فرق کیوں کرتے ہیں؟ مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: غیر مدخول بہا عورت کے حق میں وقت کے اعتبار سے سنت ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جب مرد نے اس کے ساتھ صحبت ہی نہیں کی' تو اس کے حق میں طہر اور حیض دونوں حالتیں برابر شمار ہوں گی۔ تاہم اس بارے میں امام زفر کی رائے مختلف ہے' کیونکہ انہوں نے غیر مدخول بہا عورت کو مدخول بہا عورت پر قیاس کیا ہے۔

احناف یہ کہتے ہیں: مرد نے جس عورت کے ساتھ صحبت نہ کی ہو۔ اس کے حق میں حیض کی وجہ سے' مرد کی دلچسپی کم نہیں ہوتی۔ اس وقت تک' جب تک مرد اس عورت سے اپنا مقصد حاصل نہیں کر لیتا' یعنی اس کے ساتھ ایک مرتبہ صحبت نہیں کر لیتا۔ اس کے برعکس جس عورت کے ساتھ وہ ایک مرتبہ صحبت کر چکا ہو' اس کی طہر کی حالت میں اس کے لئے مرد کی دلچسپی نئے سرے سے پیدا ہو جاتی ہے۔

جس عورت کو حیض نہ آتا ہو اسے طلاق دینے کا سنت طریقہ

قَالَ (وَإِذَا كَانَتِ الْمَرْاَةُ لَا تَحِيضُ مِنْ صِغَرٍ اَوْ كِبَرٍ فَاَرَادَ اَنْ يُطَلِّقَهَا ثَلَاثًا لِلسُّنَّةِ طَلَّقَهَا وَاحِدَةً، فَإِذَا مَضٰى شَهْرٌ طَلَّقَهَا اُخْرٰى، فَإِذَا مَضٰى شَهْرٌ طَلَّقَهَا اُخْرٰى) ؛ لِاَنَّ الشَّهْرَ فِي حَقِّهَا قَائِمٌ مَقَامَ الْحَيْضِ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى (وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ) إِلٰى اَنْ قَالَ

(وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ) وَالإِقَامَةُ فِي حَقِّ الْحَيْضِ خَاصَّةً حَتَّى يُقَدَّرَ الِاسْتِبْرَاءُ فِي حَقِّهَا بِالشَّهْرِ وَهُوَ بِالْحَيْضِ لا بِالطُّهْرِ، ثُمَّ إِنْ كَانَ الطَّلاقُ فِي أَوَّلِ الشَّهْرِ تُعْتَبَرُ الشُّهُورُ بِالأَهِلَّةِ، وَإِنْ كَانَ فِي وَسَطِهِ فَبِالأَيَّامِ فِي حَقِّ التَّفْرِيقِ، وَفِي حَقِّ الْعِدَّةِ كَذَلِكَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَعِنْدَهُمَا يُكْمِلُ الأَوَّلَ بِالآخِرِ وَالْمُتَوَسِّطَانِ بِالأَهِلَّةِ وَهِيَ مَسْأَلَةُ الإِجَارَاتِ .

قَالَ (وَيَجُوزُ أَنْ يُطَلِّقَهَا وَلا يَفْصِلَ بَيْنَ وَطْئِهَا وَطَلاقِهَا بِزَمَانٍ) وَقَالَ زُفَرُ يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا بِشَهْرٍ لِقِيَامِهِ مَقَامَ الْحَيْضِ ؛ وَلأَنَّ بِالْجِمَاعِ تَفْتُرُ الرَّغْبَةُ، وَإِنَّمَا تَتَجَدَّدُ بِزَمَانٍ وَهُوَ الشَّهْرُ . وَلَنَا أَنَّهُ لا يُتَوَهَّمُ الْحَبَلُ فِيهَا، وَالْكَرَاهِيَةُ فِي ذَوَاتِ الْحَيْضِ بِاعْتِبَارِهِ ؛ لأَنَّ عِنْدَ ذَلِكَ يَشْتَبِهُ وَجْهُ الْعِدَّةِ، وَالرَّغْبَةُ وَإِنْ كَانَتْ تَفْتُرُ مِنَ الْوَجْهِ الَّذِي ذَكَرَ لَكِنْ تَكْثُرُ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ ؛ لأَنَّهُ يَرْغَبُ فِي وَطْءٍ غَيْرِ مُعَلَّقٍ فِرَارًا عَنْ مُؤَنِ الْوَلَدِ فَكَانَ الزَّمَانُ زَمَانَ رَغْبَةٍ وَصَارَ كَزَمَانِ الْحَبَلِ .

ترجمہ

اور اگر عورت کو کم سنی یا زیادہ عمر کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو اور مرد اسے سنت کے مطابق تین طلاقیں دینے کا ارادہ کرے تو وہ اسے ایک طلاق دے گا' جب ایک مہینہ گزر جائے گا' تو دوسری طلاق دے گا' کیونکہ اس عورت کے حق میں مہینہ حیض کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: "اور وہ عورتیں جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں"۔ یہ آیت یہاں تک ہے "اور وہ عورتیں جنہیں حیض نہیں آتا"۔ یہ قائم مقام ہونا' صرف حیض کے ساتھ مخصوص ہے' یہاں تک کہ استبراء میں اس کے حق میں مہینے کا اعتبار کیا جائے گا' اور وہ چیز حیض ہے' طہر نہیں ہے۔ مرد نے اگر طلاق مہینے کے آغاز میں دی ہو' تو مہینوں کا اعتبار چاند کے حساب سے ہوگا۔ لیکن اگر درمیان میں دی ہو' تو علیحدگی کرنے میں دونوں کا اعتبار ہوگا اور عدت میں بھی دنوں کا ہی اعتبار ہوگا' یہ حکم امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔ صاحبین کے نزدیک دوسرے مہینے کے ذریعے پہلے مہینے کو مکمل کر لیا جائے گا' اور درمیان کے چاند کا حساب ہوگا۔

یہ مسئلہ اجارات سے تعلق رکھتا ہے۔ فرماتے ہیں: یہ بات جائز ہے' مرد ایسی عورت کو طلاق دیدے' اور اس کے ساتھ صحبت کر لے اور پھر اسے طلاق دینے کے درمیان کوئی وقتی فرق نہ کرے۔ امام زفر فرماتے ہیں: ان دونوں کے درمیان ایک ماہ کا فاصلہ رکھے کیونکہ یہ حیض کے قائم مقام ہے۔ نیز صحبت کرنے کے نتیجے میں رغبت کم ہو جاتی ہے' اور یہ کچھ عرصے کے بعد از سر نو پیدا ہوتی ہے اور وہ زمانہ ایک مہینہ ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے: ایسی عورت کے حاملہ ہونے کا امکان نہیں ہے۔ حیض والی عورتوں میں اس چیز کا خیال رکھتے ہوئے اس

چیز کو مکروہ قرار دیا گیا ہے' کیونکہ ایسی صورت میں عدت مشتبہ ہو جاتی ہے۔ جہاں تک رغبت کا تعلق ہے' تو اگر چہ وہ ایک حوالے سے کم ہو جاتی ہے' جس کا ذکر کیا گیا ہے' لیکن دوسرے حوالے سے زیادہ بھی ہو جاتی ہے' کیونکہ مرد ایسی صحبت کرنے میں رغبت رکھے گا جس کے نتیجے میں حمل نہ ہو سکتا ہو تا کہ اسے بچے کا بوجھ نہ برداشت کرنا پڑے لہٰذا ایسی عورت کے لئے ہر زمانہ رغبت کا زمانہ ہے اور اس کی مثال حمل کے زمانے کی طرح ہو جائے گی۔

غیر حائض خواتین کی عدت طلاق کا بیان

وَ الّٰٓیٴِۡ یَئِسۡنَ مِنَ الۡمَحِیۡضِ مِنۡ نِّسَآئِکُمۡ اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ فَعِدَّتُہُنَّ ثَلٰثَۃُ اَشۡہُرٍ ۙ وَّ الّٰٓیٴِۡ لَمۡ یَحِضۡنَ ؕ وَ اُولَاتُ الۡاَحۡمَالِ اَجَلُہُنَّ اَنۡ یَّضَعۡنَ حَمۡلَہُنَّ ؕ وَ مَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مِنۡ اَمۡرِہٖ یُسۡرًا ۔(الطلاق،۵)

اور تمہاری عورتوں میں جنہیں حیض کی امید نہ رہی اگر تمہیں کچھ شک ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور ان کی جنہیں ابھی حیض نہ آیا۔اور حمل والیوں کی میعاد یہ ہے کہ وہ اپنا حمل جن لیں۔اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے کام میں آسانی فرما دے گا۔

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

بوڑھی ہو جانے کی وجہ سے کہ وہ سنِ ایاس کو پہنچ گئی ہوں۔سنِ ایاس ایک قول میں پچپن اور ایک قول میں ساٹھ سال کی عمر ہے اور اصح یہ ہے کہ جس عمر میں بھی حیض منقطع ہو جائے وہی سنِ ایاس ہے۔اس میں کہ ان کا حکم کیا ہے۔

شانِ نزول : صحابہ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ حیض والی عورتوں کی عدّت تو ہمیں معلوم ہو گئی جو حیض والی نہ ہوں ان کی عدّت کیا ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی وہ صغیرہ ہیں، یا عمر تو بلوغ کی آ گئی مگر ابھی حیض نہ شروع ہوا، ان کی عدّت بھی تین ماہ ہے۔

میڈیکل چیک اپ سے استبرائے رحم کا شرعی حکم

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب عورت کو معلوم ہو کہ اسے کسی بیماری یا نفاس یا رضاعت کی بنا پر حیض نہیں آ رہا تو وہ انتظار اس مرض اور سبب کے زائل ہونے اور خون آنے کا انتظار کرے چاہے انتظار لمبا ہو، الا یہ کہ وہ نا امیدی کی عمر یعنی اس عمر میں پہنچ جائے جس میں حیض نہیں آتا تو پھر اسے نا امید عورتوں والی عدت گزارنا ہو گی۔

امام شافعی رحمہ اللہ سے مسند شافعی میں ان کی سند سے حبان بن منقذ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دے دی اور اس کی ایک بیٹی بھی تھی جسے وہ دودھ پلا رہی تھی، چنانچہ اس کے حیض کی مدت زیادہ ہو گئی اور حبان بیمار ہو گئے تو انہیں کہا گیا: اگر تم فوت ہو گئے تو وہ آپ کی وارث ہو گی، تو وہ عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس گئے اور عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس زید بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ بھی تھے انہوں نے عثمان رضی اللہ تعالی عنہ سے اس کے متعلق دریافت کیا تو عثمان رضی اللہ تعالی عنہ نے زید

اور علی رضی اللہ تعالی عنہما کو فرمایا ": تم دونوں کی رائے کیا ہے؟ تو دونوں نے فرمایا : ہماری رائے تو یہی ہے کہ اگر وہ عورت فوت ہوگئی تو یہ اس کے وارث ہونگے ، اور اگر یہ فوت ہوگیا تو وہ اس کی وارث ہوگی؛ کیونکہ وہ عورت ان میں شامل نہیں جو حیض سے ناامید ہو چکی ہوں، اور نہ ہی ان لڑکیوں میں شامل ہوتی ہے جو ابھی حیض کی عمر تک نہیں پہنچیں "تو جبان اپنے گھر گیا اور اس سے اپنی بچی چھین لی تو اس کی مطلقہ بیوی کو حیض واپس آ گیا، اور جب اسے دو حیض ہی آئے تھے کہ تیسرا حیض آنے اور عدت ختم ہونے سے قبل ہی جبان فوت ہو گیا، تو عثمان رضی اللہ تعالی عنہ نے اس عورت کو جبان کا وارث بنایا۔ (المغنی ابن قدامہ (11 /. (216)

استبراء رحم کے لیے صرف میڈیکل چیک اپ پر اکتفا کرنا جائز نہیں، بلکہ ایک حیض کے ساتھ استبراء رحم کرنا ضروری ہے۔

حاملہ عورت کو طلاق دینے کا سنت طریقہ

﴿وَطَلَاقُ الْحَامِلِ يَجُوزُ عَقِيبَ الْجِمَاعِ﴾ ؛ لِأَنَّهُ لَا يُؤَدِّي إِلَى اشْتِبَاهِ وَجْهِ الْعِدَّةِ، وَزَمَانُ الْحَبَلِ زَمَانُ الرَّغْبَةِ فِي الْوَطْئِ لِكَوْنِهِ غَيْرَ مُعَلَّقٍ أَوْ يَرْغَبُ فِيهَا لِمَكَانِ وَلَدِهِ مِنْهَا فَلَا تَقِلُّ الرَّغْبَةُ بِالْجِمَاعِ ﴿وَيُطَلِّقُهَا لِلسُّنَّةِ ثَلَاثًا يَفْصِلُ بَيْنَ كُلِّ تَطْلِيقَتَيْنِ بِشَهْرٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ. وَقَالَ مُحَمَّدٌ﴾ وَزُفَرُ ﴿لَا يُطَلِّقُهَا لِلسُّنَّةِ إِلَّا وَاحِدَةً﴾ لِأَنَّ الْأَصْلَ فِي الطَّلَاقِ الْحَظْرُ، وَقَدْ وَرَدَ الشَّرْعُ بِالتَّفْرِيقِ عَلَى فُصُولِ الْعِدَّةِ، وَالشَّهْرُ فِي حَقِّ الْحَامِلِ لَيْسَ مِنْ فُصُولِهَا فَصَارَ كَالْمُمْتَدِّ طُهْرُهَا .

وَلَهُمَا أَنَّ الْإِبَاحَةَ بِعِلَّةِ الْحَاجَةِ وَالشَّهْرُ دَلِيلُهَا كَمَا فِي حَقِّ الْآيِسَةِ وَالصَّغِيرَةِ، وَهَذَا ؛ لِأَنَّهُ زَمَانُ تَجَدُّدِ الرَّغْبَةِ عَلَى مَا عَلَيْهِ الْجِبِلَّةُ السَّلِيمَةُ فَصَلَحَ عِلْمًا وَّدَلِيلًا، بِخِلَافِ الْمُمْتَدِّ طُهْرُهَا ؛ لِأَنَّ الْعِلْمَ فِي حَقِّهَا إِنَّمَا هُوَ الطُّهْرُ وَهُوَ مَرْجُوٌّ فِيهَا فِي كُلِّ زَمَانٍ وَلَا يُرْجَى مَعَ الْحَبَلِ .

ترجمہ

اور حاملہ عورت کے ساتھ صحبت کرنے کے بعد اسے طلاق دینا جائز ہے' کیونکہ اس کے نتیجے میں عدت مشتبہ نہیں ہوتی اور حمل کا زمانہ صحبت میں دلچسپی کا زمانہ ہے' کیونکہ اس کے نتیجے میں مزید بچے کی پیدائش کا امکان نہیں ہوتا یا اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے: اس عورت سے اس مرد کا بچہ پیدا ہونا ہے' لہٰذا صحبت کرنے کے نتیجے میں دلچسپی کم نہیں ہوگی۔ مرد ایسی عورت کو سنت کے مطابق تین طلاقیں دے گا' اور ہر دو طلاقوں کے درمیان ایک ماہ کا وقفہ رکھے گا۔ یہ حکم امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ہے۔ امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ایسی عورت کو سنت کے مطابق' طلاق ایک ہی ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے: طلاق میں اصل چیز ممانعت ہے اور

شریعت میں تفریق کا حکم عدت میں فصل کے اعتبار سے دیا ہے' جبکہ حاملہ عورت کے حق میں مہینہ اس فصل سے تعلق نہیں رکھتا تو اس کی مثال ایسی عورت کی طرح ہوگی جس کا طہر طویل ہوگیا ہو۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے: حاجت کی بنیاد پر طلاق کو مباح قرار دیا گیا ہے اور مہینہ اس کی دلیل ہے جس طرح حیض سے مایوس یا کمسن عورت کے حق میں یہ ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے: یہ رغبت میں تجدد کا زمانہ ہوتا ہے اس چیز کے حساب سے جو چیز فطرت سلیمہ میں پائی جاتی ہے اس لیے یہ بات نشان اور دلیل بننے کی صلاحیت رکھتی ہے' جبکہ جس عورت کا طہر طویل ہو چکا ہو اس کا حکم مختلف ہے' کیونکہ اس کے حق میں اصل نشان طہر ہے اور وہ کسی بھی وقت میں اس میں پائے جانے کی امید ہو سکتی ہے' لیکن حمل کے ساتھ اس کی امید نہیں ہو سکتی۔

حاملہ کو طلاق دینے کی اباحت کا بیان

حضرت ابن عمر نے طلاق دی اپنی عورت کو حالت حیض میں۔ حضرت عمر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسکا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا رجوع کرے پھر طلاق دے جب وہ حیض سے پاک ہو یا حاملہ ہو جائے۔

(سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 180)

حالت حمل میں ہونے والی طلاق کو طلاق سنی کہا جاتا ہے۔ اس طلاق میں عدت کے اندر رجوع کی گنجائش باقی رہتی ہے۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ والی روایت صحیح مسلم میں ہے جس میں یہ الفاظ مروی ہیں کہ سیدنا ابن عمر نے الت حیض میں طلاق دی تو سیدنا عمر کو رسول اللہ نے فرمایا کہ اسے حکم دیں کہ وہ رجوع کرے پھر حالت طہر یا حمل میں طلاق دے۔ معلوم ہوا کہ حالت حمل میں دی ہوئی طلاق کا وقوع ہو جاتا ہے

عدت میں طلاق دینے کے عمومی حکم کا بیان

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحْصُوا الْعِدَّةَ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَ مَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا

(طلاق، ۱)۔

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے وقت پر انہیں طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو۔ اور اپنے رب اللہ سے ڈرو۔ عدت میں انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ آپ نکلیں مگر یہ کہ کوئی صریح بے حیائی کی بات لائیں۔ اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھا بیشک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا تمہیں نہیں معلوم شاید اللہ اس کے بعد کوئی نیا حکم بھیجے۔ (کنز الایمان)

اس آیت میں یہ حکم بیان ہوا کہ انہیں ان کی عدت میں طلاق دو یہ حکم بطور عام ہے لہذا خواہ عورت حاملہ ہو یا غیر حاملہ ہو اس کی طلاق دینا صحیح ہے۔

اہل تشیع کے نزدیک حاملہ کو دوبارہ طلاق دینے کا بیان

آیت اللہ اعظمی لکھتا ہے کہ مسئلہ ۲۳۴ ضروری ہے کہ عورت طلاق کے وقت حیض ونفاس کے خون سے پاک ہو اور شوہر نے اس پاکی میں اس کے ساتھ نزدیکی نہ کی ہو اور ان دو شرائط کی تفصیل آئندہ مسائل میں بیان ہوگی۔ عورت کو تین صورتوں میں حیض ونفاس کی حالت میں طلاق دینا صحیح ہے: (۱) اس کے شوہر نے نکاح کے بعد اس سے نزدیکی نہ کی ہو۔ (۲) معلوم ہو کہ حاملہ ہے اور اگر معلوم نہ ہو اور اس کو اس کا شوہر حیض کی حالت میں طلاق دے اور بعد میں معلوم ہو کہ حاملہ تھی تو احتیاط واجب ہے کہ اسے دوبارہ طلاق دے۔ (۳) غائب ہونے کی وجہ سے مرد معلوم نہ کر سکتا ہو کہ اس کی بیوی حیض ونفاس سے پاک ہے یا نہیں۔

اگر عورت کو خون حیض سے پاک سمجھتے ہوئے طلاق دے اور بعد میں معلوم ہو کہ طلاق دیتے وقت وہ حالت حیض میں تھی تو اس کی طلاق باطل ہے اور اگر اسے حالت حیض میں سمجھتے ہوئے طلاق دے اور بعد میں معلوم ہو کہ وہ پاک تھی تو طلاق صحیح ہے۔

(توضیح المسائل، طلاق کے احکام)

حکم کا مدار دلیل ہونے کا قاعدہ فقہیہ

(وَالْحُكْمُ يُدَارُ عَلَى دَلِيلِهَا) (عنایہ شرح الهدایہ، ج ۵، ص ۱۷۶، بیروت)

حکم کا مدار اس کی دلیل پر ہے۔

حاملہ کو جماع کے بعد طلاق دینے کا بیان

حاملہ عورت کے ساتھ صحبت کرنے کے فوراً بعد اسے طلاق دینا جائز ہے چونکہ اس عمل کے نتیجے میں اس عورت کی عدت مشتبہ نہیں ہوتی ہے' کیونکہ اس کی عدت تو اسی وقت ختم ہوگی' جب وہ بچے کو جنم دے گی۔

اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ عورت کے حمل کا زمانہ' صحبت میں دلچسپی کا زمانہ ہے' کیونکہ مرد کے اس کے ساتھ صحبت کرنے سے مزید کوئی اور حمل ٹھہرنے کا امکان نہیں ہوتا۔ یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: حاملہ عورت کو طلاق دینے کا سنت طریقہ یہ ہے: اسے ایک' ایک ماہ کے بعد تین طلاقیں دی جائیں تاہم یہ طریقہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ہے۔

امام محمد علیہ الرحمہ یہ فرماتے ہیں: ایسی عورت کے لئے سنت یہی ہوگا' اسے ایک ہی طلاق دی جائے چونکہ اپنی اصل کے اعتبار سے طلاق ممنوع ہے۔ امام محمد علیہ الرحمہ کے اس بیان پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے: اگر طلاق اپنے اصل کے اعتبار سے ممنوع ہے تو پھر آپ اس عورت کو ایک سے زیادہ طلاق دینے کے قائل کیوں ہیں جو حاملہ نہیں ہوتی؟ اس کا جواب یہ ہے: اس عورت کے حق میں ایک مہینہ فصل کی حیثیت نہیں رکھتا اور اس کی مثال اس عورت کی طرح ہو جاتی ہے جس کا طہر طویل ہو چکا ہو۔ یعنی کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے اسے طویل عرصے تک حیض نہ آئے تو ایسی عورت کے حق میں ایک مہینہ عدت میں فصل کے قائم مقام نہیں ہوتا۔

شیخین؛ یہ فرماتے ہیں: طلاق کو ضرورت کے پیش نظر مباح قرار دیا گیا ہے اور ایک مہینہ اس ضرورت کے لئے دلیل کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کی مثال اسی طرح ہوگی جیسے کسی عورت کو زیادہ عمر ہو جانے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو یا کم عمری کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے: انسانوں کی عام فطرت کے مطابق یہی عرصہ یعنی ایک مہینہ دوبارہ دلچسپی پیدا ہونے کی نشانی اور دلیل بن سکتا ہے۔

امام محمد علیہ الرحمہ نے حاملہ عورت کو اس عورت پر قیاس کیا تھا جس کا طہر طویل ہو جاتا ہے۔ اس کے بارے میں مصنف فرماتے ہیں۔ طویل طہر والی عورت کا حکم اس سے مختلف ہے کیونکہ اس کے حق میں نشانی اور دلیل طہر ہے جو ہر زمانے میں موجود ہو سکتا ہے جبکہ حمل کی حالت میں کیونکہ عورت کو حیض نہیں آتا اس لئے اسے نئے سرے سے طہر آنے کا امکان بھی نہیں ہوگا۔

حیض کی حالت میں طلاق دینے کا بیان

﴿وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَاَتَهُ فِیْ حَالَةِ الْحَیْضِ وَقَعَ الطَّلَاقُ﴾ ؛ لِاَنَّ النَّهْیَ عَنْهُ لِمَعْنًی فِیْ غَیْرِهٖ وَهُوَ مَا ذَكَرْنَاهُ فَلَا یَنْعَدِمُ مَشْرُوعِیَّتُهُ ﴿وَیُسْتَحَبُّ لَهُ اَنْ یُرَاجِعَهَا(۱)﴾ ﴿لِقَوْلِهٖ عَلَیْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِعُمَرَ مُرْ ابْنَكَ فَلْیُرَاجِعْهَا﴾ وَقَدْ طَلَّقَهَا فِیْ حَالَةِ الْحَیْضِ .وَهٰذَا یُفِیدُ الْوُقُوْعَ وَالْحَثَّ عَلَی الرَّجْعَةِ ثُمَّ الِاسْتِحْبَابُ قَوْلُ بَعْضِ الْمَشَایِخِ .وَالْاَصَحُّ اَنَّهُ وَاجِبٌ عَمَلًا بِحَقِیقَةِ الْاَمْرِ وَرَفْعًا لِلْمَعْصِیَةِ بِالْقَدْرِ الْمُمْكِنِ بِرَفْعِ اَثَرِهٖ وَهُوَ الْعِدَّةُ وَدَفْعًا لِضَرَرِ تَطْوِیلِ الْعِدَّةِ

قَالَ ﴿فَاِذَا طَهُرَتْ وَحَاضَتْ ثُمَّ طَهُرَتْ﴾ ، فَاِنْ شَاءَ طَلَّقَهَا وَاِنْ شَاءَ اَمْسَكَهَا .قَالَ : وَهٰكَذَا ذُكِرَ فِی الْاَصْلِ .وَذَكَرَ الطَّحَاوِیُّ اَنَّهُ طَلَّقَهَا فِی الطُّهْرِ الَّذِیْ یَلِی الْحَیْضَةَ الْاُولٰی .قَالَ اَبُو الْحَسَنِ الْكَرْخِیُّ ﴿مَا ذَكَرَهُ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیفَةَ، وَمَا ذُكِرَ فِی الْاَصْلِ قَوْلُهُمَا﴾ وَوَجْهُ الْمَذْكُورِ فِی الْاَصْلِ اَنَّ السُّنَّةَ اَنْ یَفْصِلَ بَیْنَ كُلِّ طَلَاقَیْنِ بِحَیْضَةٍ وَالْفَاصِلُ هَاهُنَا بَعْضُ الْحَیْضَةِ فَتَكْمُلُ بِالثَّانِیَةِ وَلَا تَتَجَزَّاُ فَتَتَكَامَلُ .وَجْهُ الْقَوْلِ الْاٰخَرِ اَنَّ اَثَرَ الطَّلَاقِ قَدْ انْعَدَمَ بِالْمُرَاجَعَةِ فَصَارَ كَاَنَّهُ لَمْ یُطَلِّقْهَا فِی الْحَیْضِ فَیُسَنُّ تَطْلِیقُهَا فِی الطُّهْرِ الَّذِیْ یَلِیهِ ..

(۱) أخرجه البخاری فی "صحیحه" برقم (۴۹۰۸) و مسلم فی "صحیحه" برقم (۱۴۷۱) و أبو داود فی "سننه" برقم (۲۰۹) والترمذی فی "جامعه" برقم (۱۱۹۲) والنسائی فی "المجتبی من السنن" برقم (۳۱۷۵) وابن ماجه فی "سننه" برقم (۲۰۲۳) عن ابن عمر رضی الله عنهما۔

ترجمہ

جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اس کے حیض کی حالت میں طلاق دیدے تو طلاق واقع ہو جائے گی چونکہ اس سے ممانعت کی دلیل دوسری ہے جسے ہم ذکر کر چکے ہیں لہٰذا اس کی مشروعیت معدوم نہیں ہوگی تاہم مرد کے لئے یہ بات مستحب ہے کہ وہ اس عورت کے ساتھ رجوع کر لے اس کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ فرمان ہے: ''تم اپنے بیٹے سے کہو! وہ اس عورت کے ساتھ رجوع کر لے''۔ اس کی دلیل یہ ہے: حضرت عبداللہ بن عمر نے اس عورت کو حیض کی حالت میں طلاق دی تھی اور یہ بات طلاق کے واقع ہونے کا فائدہ دیتی ہے اور رجوع کرنے کی ترغیب کا فائدہ دیتی ہے۔ مشائخ کے قول کے مطابق یہ بات مستحب ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے: ایسا کرنا واجب ہے تاکہ امر کی حقیقت پر عمل کیا جائے اور معصیت کو ممکنہ طور پر ختم کیا جا سکے کہ اس کا نشان اٹھا لیا جائے اور وہ چیز عدت ہے اور عدت کو طول دینے کے ضرر کو دور کیا جا سکے۔ مصنف فرماتے ہیں: اس عورت کو طہر آ جائے پھر حیض آ جائے پھر طہر آ جائے پھر اگر وہ مرد چاہے تو اس عورت کو طلاق دیدے اور اگر چاہے تو اپنے ساتھ روکے رکھے۔ مصنف فرماتے ہیں: کتاب المبسوط میں اسی طرح ذکر کیا گیا ہے۔

امام طحاوی نے یہ بات ذکر کی ہے: مرد اس عورت کو اس طہر میں طلاق دے گا جو پہلے حیض کے فوراً بعد آیا ہے۔ شیخ ابوالحسن کرخی فرماتے ہیں: امام طحاوی نے جو بات ذکر کی ہے وہی امام ابوحنیفہ کی دلیل ہے اور کتاب المبسوط میں جو بات ذکر کی گئی ہے وہ صاحبین کا قول ہے۔ کتاب المبسوط میں جو بات منقول ہے اس کی دلیل یہ ہے: سنت یہ ہے: دو طلاقوں کے درمیان ایک حیض کا فرق ہو اور یہاں پر حیض کا بعض حصہ فرق ہے لہٰذا دوسرے حیض کے ذریعے اسے مکمل کیا جائے گا اور حیض کے حصے نہیں کیے جا سکتے کہ اس کے نتیجے میں یہ ایک مکمل ہو جائے۔ دوسرے قول کی دلیل یہ ہے: طلاق کا اثر رجوع کرنے کے نتیجے میں معدوم ہو گیا تو یہ اسی طرح ہو گیا گویا اس مرد نے اس عورت کو حیض کے دوران طلاق دی ہی نہیں لہٰذا بعد میں آنے والے طہر میں اسے طلاق دینا مسنون ہو جائے گا۔

حالت حیض میں طلاق دینے کا فقہی بیان

حضرت عبداللہ ابن عمر کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی تو حضرت عمر نے اس کا ذکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ سے بہت غصہ ہوئے اور فرمایا کہ اس گناہ کا تدارک کرنے کے لئے) عبداللہ کو چاہئے کہ وہ اس عورت سے رجوع کرے یعنی مثلا یوں کہے کہ میں نے اس کو اپنے نکاح میں واپس لے لیا) اور پھر اس کو اپنے پاس رکھے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے اور پھر جب وہ حائضہ ہو اور اس کے بعد پاک ہو جائے اور پھر جب وہ حائضہ ہو اور اس کے بعد پاک ہو جائے اور طلاق دینا ضروری ہو تو پاکی کی حالت میں اسے طلاق دے قبل اس کے کہ اس سے جماع کرے، پس یہی وہ عدت ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس میں عورتوں کو طلاق دی جائے۔ ایک

روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا کہ عبداللہ کو حکم دو کہ وہ اس عورت سے رجوع کرے اور پھر اس کو پاکی کی حالت میں بشرطیکہ وہ حاملہ نہ ہو اور حیض آتا ہو یا حمل کی حالت میں طلاق دے۔

(بخاری ومسلم ومشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 476)

فتغیظ فیہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ سے بہت غصہ ہوئے) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حالت حیض میں طلاق دینا حرام ہے کیونکہ اگر یہ حرام نہ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ پر غصہ نہ ہوتے۔ اور حالت حیض میں طلاق دینا حرام اس لئے ہے کہ ہوسکتا ہے کہ طلاق دینے والے نے حالت حیض میں محض کراہت طبع کے سبب طلاق دی ہو اور وہ مصلحت اس کے طلاق دینے کی دلیل سے نہ ہو جس کی بناء پر طلاق دینا حرام ہو۔ مگر کوئی شخص اگر حالت حیض میں طلاق دیدے تو طلاق پڑھ جائے گی یہی دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ کو رجوع کرنے کا حکم دیا اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ رجوع کرنا طلاق کے بعد ہی ہوتا ہے۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں دوسرے طہر (یعنی دوسرے حیض کے بعد پاکی کی حالت) تک طلاق کو مؤخر کرنے میں کیا مصلحت ہے؟ سیدھی بات تو یہ ہے کہ حکم یہ ہوتا کہ جس حیض میں طلاق دی گئی ہے اور پھر رجوع کیا گیا ہے اسی حیض کے گزرنے کے بعد پاکی کی حالت میں طلاق دی جائے لیکن اس کے برعکس اس کو دوسرے طہر تک مؤخر کیا گیا ہے، چنانچہ اس کے بارے میں علماء کہتے ہیں کہ اس کی کئی دلیلیں ہیں اول تو یہ کہ رجوع کرنا صرف طلاق کی غرض سے نہ ہو لہذا طلاق دینے کو ایک ایسی مدت تک کے لئے مؤخر کر دینا چاہئے جس میں ایک طرف تو طلاق دینا حلال اور دوسری طرف طلاق کے فیصلہ پر نظرثانی کا موقع بھی مل جائے اور شاید کوئی ایسی راہ نکل آئے کہ طلاق دینے کی نوبت ہی نہ آئے اور ظاہر ہے کہ ان دونوں مصلحتوں کی رعایت دوسرے طہر ہی میں ہوسکتی ہے۔

دوم یہ کہ اتنی مدت تک کے لئے طلاق دینے کو مؤخر کرنا دراصل طلاق دینے والے کے اس فعل بد یعنی حالت حیض میں طلاق دینے کی سزا ہے سوم یہ کہ جس حیض کی حالت میں طلاق دی گئی ہے وہ اور اس کے بعد کا طہر یعنی پاکی کی حالت دونوں گویا ایک ہی چیز کے حکم میں ہیں لہذا اگر پہلے طہر میں دی گئی تو گویا حیض ہی کی حالت میں دی لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ ان تینوں دلیلوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دوسرے طہر تک طلاق سے باز رہنا واجب نہیں ہے بلکہ اولی ہے۔

وقوع کے اعتبار سے اقسام طلاق

وقوع کے اعتبار سے طلاق کی دو قسمیں ہیں: رجعی۔ بائن

طلاق رجعی کی صورت یہ ہے کہ طلاق دینے والا ایک بار یا دو صریح الفاظ میں یوں کہے کہ انت طالق یا طلقتک یا اردو میں یہ کہے تجھ پر طلاق ہے یا میں نے تجھے طلاق دی اس طرح طلاق دینے سے طلاق دینے والا ایام عدت میں بغیر نکاح کے رجوع کرسکتا ہے یعنی اگر وہ یوں کہے کہ میں نے تجھ سے رجوع کیا یا اس کو ہاتھ لگائے یا مساس کرے اور یا اس سے جماع کرے تو اس سے رجوع

ہو جاتا ہے جدید نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی۔

طلاق بائن : کی صورت یہ ہے کہ طلاق کے صریح الفاظ کی بجائے ایسے الفاظ کے ذریعہ طلاق دی جائے جو اگر چہ صراحۃ طلاق کے لئے استعمال نہ ہوتے ہوں مگر کنایۃ وہ طلاق کا مفہوم بھی ادا کرتے ہوں علاوہ ان تین الفاظ کنایات کے جن کو فقہاء نے صریح طلاقوں کے لئے تسلیم کیا ہے طلاق بائن کا حکم یہ ہے کہ عورت نکاح سے نکل جاتی ہے تجدید نکاح کے بغیر اس عورت کو بیوی بنا کر رکھنا حرام ہے۔

حکم اور نتیجہ کے اعتبار سے اقسام طلاق

اس کی دو قسمیں ہیں مغلظہ مخففہ : طلاق مغلظہ کی صورت یہ ہے کہ یکبارگی تین طلاقیں دی جائیں مثلا یوں کہے کہ میں نے طلاق دی یا الگ الگ تین طلاقیں دی جائیں مثلا یوں کہے کہ میں نے طلاق دی میں نے طلاق دی میں نے طلاق دی) اس طلاق کے بعد طلاق دینے والا اس عورت کو دوبارہ اپنے نکاح میں بغیر حلالہ نہیں لاسکتا حلالہ کی صورت یہ ہے کہ وہ عورت عدت گزارنے کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے اور دوسرا مرد اس سے جماع کر کے اس کو طلاق دے دے اور پھر جب اس کی عدت پوری ہو جائے تو پہلا شوہر اس سے نکاح کر لے۔

طلاق مخففہ کی صورت یہ ہے کہ یکبارگی یا الگ الگ دو طلاقیں دے یا ایک طلاق دے پھر اگر یہ دو طلاقیں یا ایک طلاق الفاظ صریح کے ساتھ ہو تو عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے تجدید نکاح کی ضرورت نہیں اور اگر الفاظ کنایہ کے ساتھ ہو تو تجدید نکاح کے بعد اس کو اپنی بیوی بنا سکتا ہے حلالہ کی ضرورت نہیں۔

کن لوگوں کی طلاق واقع ہوتی ہے اور کن لوگوں کی واقع نہیں ہوتی۔

ہر عاقل و بالغ کی دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے خواہ وہ آزاد ہو یا غلام اور خواہ وہ اپنی خوشی سے طلاق دے یا کسی کے جبر واکراہ سے دے یا نشہ کی حالت میں دے۔

اسی طرح اگر عاقل و بالغ شوہر گونگا ہو اور وہ اشارہ معہودہ کے ذریعہ طلاق دے تو اس کی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے اور لڑکے اور دیوانے کی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوگی اسی طرح اگر سویا ہوا شخص طلاق دے اور بیدار ہونے کے بعد کہے کہ میں نے تجھے سوتے میں طلاق دی ہے تو اس کی طلاق بھی واقع نہیں ہوگی اگر کسی مالک نے اپنے غلام کی بیوی کو طلاق دی تو اس کی طلاق دی تو اس کی طلاق بھی واقع نہیں ہوگی۔

طلاق میں اصلی اعتبار عورت کا ہے چنانچہ آزاد عورت کے لئے تین طلاقیں ہیں اگر چہ وہ کسی غلام کے نکاح میں ہو اسی طرح لونڈی کے لئے دو طلاقیں ہیں اگر چہ وہ کسی آزاد مرد کے نکاح میں ہو۔

حالت حیض میں طلاق کی صورت رجوع سے متعلق مذاہب اربعہ

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حیض کی حالت میں طلاق دینے والے کو چونکہ رسول ﷺ نے رجوع کا حکم دیا تھا، اس لئے فقہاء کے درمیان یہ سوال پیدا ہوا ہے کہ یہ حکم کس معنی ہے۔ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ، امام شافعی، امام احمد، امام اوزاعی، ابن ابی لیلی، اسحاق بن راہویہ اور ابوثور کہتے ہیں کہ ایسے شخص کو رجوع کا حکم تو دیا جائے گا مگر رجوع پر مجبور نہ کیا جائے گا (عمدۃ القاری)

ہدایہ ہیں حنفیہ کا مذہب یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس صورت میں رجوع کرنا نہ صرف مستحب بلکہ واجب ہے۔ مغنی المحتاج میں شافعیہ کا مسلک یہ بیان ہوا ہے کہ جس نے حیض میں طلاق دی ہو اور تین نہ دے ڈالی ہوں اس کے لئے مسنون یہ ہے کہ وہ رجوع کرے، اور اس کے بعد والے طہر میں طلاق نہ دے بلکہ اس کے گزرنے کے بعد جب دوسری مرتبہ عورت حیض سے فارغ ہو تب طلاق دینا چاہے تو دے، تا کہ حیض میں دی ہوئی طلاق سے رجوع محض کھیل کے طور پر نہ ہو۔

الانصاف میں حنابلہ کا مسلک یہ بیان ہوا ہے کہ اس حالت میں طلاق دینے والے کے لئے رجوع کرنا مستحب ہے۔ لیکن امام مالک علیہ الرحمہ اور ان کے اصحاب کہتے ہین کہ حیض کی حالت میں طلاق دینا جرم قابل دست اندازی پولیس ہے۔ عورت خواہ مطالبہ کرے یا نہ کرے، بہر حال حاکم کا یہ فرض ہے کہ جب کسی شخص کا یہ فعل اس کے علم میں آئے تو وہ اسے رجوع پر مجبور کرے اور عدت کے آخری وقت تک اس پر دباؤ ڈالتا رہے۔ اگر وہ انکار کرے تو اسے قید کر دے۔ پھر بھی انکار کرے تو اسے مارے۔ اس پر نہ مانے تو حاکم خود فیصلہ کر دے کہ "میں نے تیری بیوی تجھ پر واپس کر دی" اور حاکم کا یہ فیصلہ رجوع ہوگا جس کے بعد مرد کے لئے اس عورت سے مباشرت کرنا جائز ہوگا، خواہ اس کی نیت رجوع کی ہو یا نہ ہو، کیونکہ حاکم کی نیت کی قائم مقام ہے (حاشیہ الدسوقی)

مالکیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جس شخص نے طوعا و کرہا حیض میں دی ہوئی رجوع کر لیا ہو وہ اگر طلاق ہی دینا چاہے تو اس کے لئے مستحب طریقہ یہ ہے کہ جس حیض میں اس نے طلاق دی ہے اس کے بعد والے طہر میں سے طلاق نہ دے بلکہ جب دوبارہ حیض آنے کے بعد وہ طاہر ہو اس وقت طلاق دے۔ طلاق سے متصل والے طہر میں طلاق نہ دینے کا حکم دراصل اس لئے دیا گیا ہے کہ حیض کی حالت میں طلاق دینے والے کا رجوع صرف زبانی کلامی نہ ہو بلکہ اسے طہر کے زمانے میں عورت سے مباشرت کرنی چاہیے پھر جس طہر میں مباشرت کی جا چکی ہو اس میں طلاق دینا چونکہ ممنوع ہے، لہذا طلاق دینے کا صحیح وقت اس کے والا طہر ہی ہے (حاشیہ الدسوقی)

سنت کے مطابق تین طلاق کہنے کا بیان

﴿وَمَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ وَهِيَ مِنْ ذَوَاتِ الْحَيْضِ وَقَدْ دَخَلَ بِهَا: أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا لِلسُّنَّةِ وَلَا نِيَّةَ لَهُ فَهِيَ طَالِقٌ عِنْدَ كُلِّ طُهْرٍ تَطْلِيقَةً﴾ ؛ لِأَنَّ اللَّامَ فِيهِ لِلْوَقْتِ وَوَقْتُ السُّنَّةِ طُهْرٌ

أَوْ جِمَاعٍ فِيهِ ﴿وَإِنْ نَوَى أَنْ تَقَعَ الثَّلَاثُ السَّاعَةَ أَوْ عِنْدَ رَأْسِ كُلِّ شَهْرٍ وَاحِدَةٌ فَهُوَ عَلَى مَا نَوَى﴾ سَوَاءٌ كَانَتْ فِي حَالَةِ الْحَيْضِ أَوْ فِي حَالَةِ الطُّهْرِ وَقَالَ زُفَرُ: لَا تَصِحُّ نِيَّةُ الْجَمْعِ لِأَنَّهُ بِدْعَةٌ وَهِيَ ضِدُّ السُّنَّةِ. وَلَنَا أَنَّهُ مُحْتَمِلٌ لَفْظَهُ؛ لِأَنَّهُ سُنِّيٌّ وُقُوعًا مِنْ حَيْثُ إِنَّ وُقُوعَهُ بِالسُّنَّةِ لَا إِيقَاعًا فَلَمْ يَتَنَاوَلْهُ مُطْلَقُ كَلَامِهِ وَيَنْتَظِمُهُ عِنْدَ نِيَّتِهِ

ترجمہ

اور جس شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ تمہیں سنت کے مطابق تین طلاقیں ہیں اور اس عورت کو حیض آتا ہو اور وہ مرد اس کے ساتھ صحبت بھی کر چکا ہو اور مرد نے یہ کہتے ہوئے کوئی نیت نہ کی ہو تو ہر طہر کے وقت اس کو ایک طلاق ہوگی کیونکہ یہاں "ل" وقت کے لئے ہے اور سنت وقت ایسا طہر ہے جس میں صحبت نہ کی گئی ہو۔

اگر مرد نے یہ نیت کی ہو: تین طلاقیں ایک ساتھ واقع ہو جائیں یا ہر مہینے کے شروع میں ایک طلاق واقع ہو جائے تو اس کی نیت کے مطابق حکم ہوگا خواہ وہ عورت اس وقت حیض کی حالت میں ہو یا طہر کی حالت میں ہو۔ امام زفر فرماتے ہیں: جمع کی نیت کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ بدعت ہے اور یہ چیز سنت کی ضد ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے: اس مرد کا لفظ اس بات کا احتمال رکھتا ہے چونکہ یہ واقع ہونے کے اعتبار سے سنت ہوگی کہ اس کا وقوع سنت کے مطابق ہوا ہے۔ دینے کے اعتبار سے نہیں ہوگی اور آدمی کا مطلق کلام اسے شامل نہیں ہوگا لیکن اس کی نیت کی موجودگی میں اس مفہوم پر مشتمل ہوگا۔

حالت حیض میں دی جانے والی طلاق کے اعتبار میں فقہی مذاہب

نام نہاد غیر مقلد وحید زمان لکھتا ہے۔ ائمہ اربعہ اور اکثر فقہاء تو اس طرف گئے ہیں کہ یہ طلاق شمار ہوگی اور ظاہریہ اور اہلحدیث اور امامیہ اور ہمارے مشائخ میں امام ابن تیمیہ، امام ابن حزم اور علامہ ابن قیم اور جناب محمد باقر اور حضرت جعفر صادق اور امام ناصر اور اہل بیت کا یہ قول ہے کہ اس طلاق کا شمار نہ ہوگا۔ اس لئے کہ یہ بدعی اور حرام تھی۔ شوکانی اور محققین اہلحدیث نے اس کو ترجیح دی ہے۔

ائمہ اربعہ کے سوا بعض اہل ظواہر جن کا کسی قدر مسائل میں کام نہیں ہے مولوی وحید زمان نے ان کو بھی ائمہ وفقہاء کے ساتھ ملانے کی کوشش کی ہے۔ اہل علم پر واضح ہے کہ جہلاء کے نام فقہاء کے ساتھ لکھ دینے سے ان کی فقاہت کی سند نہیں دی جاسکتی اور اسی طرح نام نہاد غیر مقلدین کا دھوکہ اور ان کی شیطانی چالبازی ہے کہ مستقل فقہی مذاہب والے ائمہ کے ساتھ نہایت غیر مستند اور متنازع روشن خیال عالم کا نام شامل کر دیتے ہیں قابل غور امر ہے کہ کیا ابن قیم یا ابن تیمیہ کی یہ حیثیت ہے کہ انہیں بھی مذاہب اربعہ کے ائمہ کی طرح کوئی امام تسلیم کر لیا جائے۔

اور مولوی وحید زمان کی اندھی تقلید یہ ہے کہ اپنے ائمہ کو امام باقر و امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما سے پہلے لکھ دیا۔ اس کا معنی یہ

ہے کہ غیر مقلدین کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ انہیں کسی طرح بھی علمی شخصیات میں فرق کرنا بھی نہیں آتا۔ معلوم ہوا کہ غیر مقلدین فرقہ عقل سے عاری اور مخبوط الحواس جسے شیطان نے مس کر کے دنیا میں چھوڑ رکھا ہے۔

اہل حدیث (غیر مقلدین) قلابازیاں

جماعت اہل حدیث ہی کے رئیس ندوی اپنی کتاب ضمیر کا بحران صفحہ 349 پر لکھتے ہیں، ہم کہتے ہیں کہ نصوص کتاب وسنت سے یہی ثابت ہے کہ بحالت حیض عورت کو دی ہوئی طلاق نہیں پڑتی اسی کو عام اہل حدیث اہل علم کی طرح روضہ ندیہ کے مصنف نے بھی اختیار کیا ہے۔

نتائج تحقیق علمائے اہل حدیث ا۔ ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کی دلیل قرآن وسنت کے قریب نہیں، اور نصوص کتاب وسنت کے خلاف ہے۔۔ ابن حزم وشوکانی ومحققین اہل حدیث کا مذہب قرآن وسنت کے قریب تر ہے۔۔ صحابی کا قول حجت نہیں۔

حیران ہوں کہ رودوں جگر کو کہ پیٹوں دل کو میں

جماعت اہل حدیث ہی کی شائع شدہ کتاب احکام ومسائل صفحہ 491 پر طلاق کے احکام میں لکھا ہے۔ برحق مسلک یہی ہے کہ حالت حیض میں دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے، جمہور ائمہ محدثین کا یہی قول ہے۔ دلائل درج ذیل ہیں۔

۔ عبداللہ بن عمر جنہوں نے طلاق دی تھی انہوں نے خود اس کی تصریح کی ہے کہ یہ طلاق شمار کی گئی۔ جماعت اہل حدیث ہی کی شائع شدہ جدید سنن ابوداؤد از حافظ زبیر علی زئی دیکھیے، حیض کے ایام میں طلاق خلاف سنت ہے مگر شمار کی جائے گی، لغو اور باطل نہیں۔

جماعت اہل حدیث ہی کی شائع شدہ موطا امام مالک علیہ الرحمہ از حافظ زبیر علی زئی صفحہ 320 دیکھیے۔ حالت حیض میں طلاق دینا جائز نہیں ہے لیکن اگر دی جائے تو یہ شمار ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ بدعی طلاق واقع ہو جاتی ہے اگرچہ ایسی طلاق دینا غلط ہے۔

نتائج تحقیق محققین اہل حدیث ا۔ ائمہ اربعہ وجمہور فقہاء کی دلیل کتاب وسنت کے قریب تر ہے۔۔ ابن حزم وشوکانی ومحققین اہل حدیث کا مذہب قرآن وسنت کے قریب نہیں ہے۔۔ قول صحابی حجت ہے۔ ۴۔ بدعی یعنی خلاف سنت طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

کیا آپ حضرات بتا سکتے ہیں، کہ یہ سب کیا ہے، جن حضرات کی تحقیق پر آپ اعتماد کرتے ہیں اور ہر موضوع پر ان کے حوالے پیش کیے جاتے ہیں، کیا انہوں نے اتنے عرصہ تک جو موقف رکھا وہ غلط تھا؟

اور اگر نہیں تو کیا اب کے اہل حدیث محقق حضرات نے جو نیا موقف اپنایا اور ابن حزم، ابن تیمیہ، شوکانی صاحبان کی تحقیق کورد کر دیا یہ موقف صحیح ہے؟

آخر کیا دلیل ہے نصوص کتاب وسنت تو صدیوں سے وہی ہیں مگر جماعت اہل حدیث کے موقف میں اتنی بڑی قلابازی آنے کی وجوہات کیا ہیں؟

اور جن لوگوں نے جماعت اہل حدیث کی تحقیق پر اعتماد کرتے ہوئے پہلے فتوے پر عمل کیا اور اب بھی کر رہے ہوں کہ جن کے پاس صرف صحیح بخاری ہوگی؟ ان کا یہ عمل کس کھاتے میں جائے گا؟

اور کیا لوگوں کو اب نئی تحقیق پر عمل کرنا چاہیے یا کہ پرانی پر اور اس کی کیا گارنٹی ہے کہ چند سال بعد پھر محققین پرانے موقف کی طرف نہ رجوع کر جائیں۔

امام زفر کا ائمہ احناف سے طلاق بدعی میں اختلاف

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔ اگر کسی عورت کو حیض آتا ہو اور اس کا شوہر اس کے ساتھ صحبت بھی کر چکا ہو اور پھر وہ اس عورت سے یہ کہے: انت طالق ثلاثا للسنة (یعنی تمہیں سنت کے مطابق تین طلاقیں ہیں) اور شوہر نے اس بارے میں کوئی نیت نہ کی ہو تو اس صورت میں اس عورت کو ہر طہر کے وقت ایک طلاق ہو جائے گی۔ اس کی دلیل یہ ہے: جملے میں استعمال ہونے والا حرف ''ل'' وقت لئے ہے اور سنت وقت وہ طہر ہے جس میں صحبت نہ کی گئی ہو۔

اگر مرد نے ان الفاظ کے ہمراہ یہ نیت کی ہو: اس عورت کو اسی وقت تین طلاقیں ہو جائیں یا ہر مہینے کے آغاز میں ایک طلاق ہو تو اس شخص کی نیت کے مطابق اس کا حکم ہوگا۔ خواہ وہ عورت اس وقت حیض کی حالت میں ہو یا طہر کی حالت میں ہو۔ امام زفر کی دلیل مختلف ہے وہ یہ فرماتے ہیں: ان الفاظ کے ذریعے ایک ساتھ تین طلاقوں کی نیت کرنا درست نہیں ہوگا کیونکہ ایک ساتھ تین طلاقیں دینا تو بدعت ہے تو یہ ''سنت کے مطابق'' کیسے ہو سکتا ہے۔ احناف یہ کہتے ہیں: مرد کے الفاظ ایک ساتھ تین طلاقیں دینے کا مفہوم رکھتے ہیں یعنی وہ واقع ہونے کے اعتبار سے سنت ہو کیونکہ اس کا واقع ہونا سنت کے مطابق ہے۔ اگرچہ طلاق دینے کا طریقہ سنت کے مطابق نہیں ہے۔ یہی دلیل ہے: مرد کی کسی نیت کے بغیر اس کلام کے نتیجے میں یہ حکم نہیں دیا جاتا لیکن اگر وہ نیت کرے تو یہ مفہوم شامل ہوگا۔

غیر حائض کو تجھے سنت کے مطابق تین طلاق کہنے کا بیان

﴿وَاِنْ كَانَتْ اٰيِسَةً اَوْ مِنْ ذَوَاتِ الْاَشْهُرِ وَقَعَتْ السَّاعَةَ وَاحِدَةٌ وَّبَعْدَ شَهْرٍ اُخْرٰى وَبَعْدَ شَهْرٍ اُخْرٰى﴾ ؛ لِاَنَّ الشَّهْرَ فِيْ حَقِّهَا دَلِيْلُ الْحَاجَةِ كَالطُّهْرِ فِيْ حَقِّ ذَوَاتِ الْاَقْرَاءِ عَلٰى مَا بَيَّنَّا ﴿وَاِنْ نَوٰى اَنْ يَّقَعَ الثَّلَاثُ السَّاعَةَ وَقَعْنَ عِنْدَنَا خِلَافًا لِزُفَرَ لَمَا قُلْنَا﴾ بِخِلَافِ مَا اِذَا قَالَ اَنْتِ طَالِقٌ لِلسُّنَّةِ وَلَمْ يَنُصَّ عَلَى الثَّلَاثِ حَيْثُ لَا تَصِحُّ نِيَّةُ الْجَمْعِ فِيْهِ ؛ لِاَنَّ نِيَّةَ الثَّلَاثِ اِنَّمَا صَحَّتْ فِيْهِ مِنْ حَيْثُ اِنَّ اللَّامَ فِيْهِ لِلْوَقْتِ فَيُفِيْدُ تَعْمِيْمَ الْوَقْتِ وَمِنْ ضَرُوْرَتِهٖ تَعْمِيْمُ الْوَاقِعِ فِيْهِ، فَاِذَا نَوَى الْجَمْعَ بَطَلَ تَعْمِيْمُ الْوَقْتِ فَلَا تَصِحُّ نِيَّةُ الثَّلَاثِ .

ترجمہ

اور اگر وہ عورت (حیض سے) مایوس ہو چکی ہو یا مہینے کے اعتبار سے (عدت بسر کرنے والی ہو) تو فوراً ایک طلاق واقع ہو جائے گی ایک مہینے کے بعد دوسری ہوگی اور پھر ایک مہینے کے بعد تیسری ہوگی' کیونکہ ایسی عورت کے حق میں ایک مہینہ حاجت کی دلیل ہوگا' جیسے حیض والی عورت کے حق میں طہر ہوتا ہے' جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اگر مرد نے یہ نیت کی کہ تین طلاقیں واقع ہو جائیں تو ہمارے نزدیک وہ واقع ہو جائیں گی' جبکہ امام زفر کی دلیل مختلف ہے' جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس کے برخلاف اگر مرد نے یہ کہا: تمہیں سنت کے مطابق طلاق ہے' اور اس نے لفظ تین استعمال نہیں کیا' تو اس صورت میں تین طلاقیں ایک ساتھ دینے کی نیت درست نہیں ہوگی' کیونکہ تین کے لفظ میں نیت اس لیے درست ہوتی ہے' کیونکہ اس میں "ل" وقت کے لئے ہے اور یہ وقت کی تعمیم کا فائدہ دیتا ہے اور اس کے لئے یہ بات ضروری ہے' اس میں واقع ہونے والی چیز میں بھی تعمیم ہو' تو جب مرد نے ایک ساتھ کی نیت کی تو وقت کی تعمیم باطل ہو جائے گی' لہٰذا تین کی نیت درست نہیں ہوگی۔

غیر حائض کی طلاق وعدت کا بیان

وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ یُسْرًا (طلاق، ۵)

اور تمہاری عورتوں میں جنہیں حیض کی امید نہ رہی۔ اگر تمہیں کچھ شک ہو۔ تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور ان کی جنہیں ابھی حیض نہ آیا۔ اور حمل والیوں کی میعاد یہ ہے کہ وہ اپنا حمل جن لیں۔ اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے کام میں آسانی فرمادے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ غیر حائض یعنی جس کو حیض آنا بند ہو جائے اس کو اگر طلاق دی جائے طلاق واقع ہو جائے گی اور اس کیلئے عدت تین ماہ ہوگی کیونکہ عدت کا اطلاق تب ہی درست ہو سکتا ہے جب وقوع طلاق ہو۔

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بوڑھی ہو جانے کی دلیل سے کہ وہ سنِ ایاس کو پہنچ گئی ہوں۔ سنِ ایاس ایک قول میں پچپن اور ایک قول میں ساٹھ سال کی عمر ہے اور اصح یہ ہے کہ جس عمر میں بھی حیض منقطع ہو جائے وہی سنِ ایاس ہے۔ اس میں کہ ان کا حکم کیا ہے۔

شانِ نزول: صحابہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ حیض والی عورتوں کی عدّت تو ہمیں معلوم ہو گئی جو حیض والی نہ ہوں ان کی عدت کیا ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یعنی وہ صغیرہ ہیں، یا عمر تو بلوغ کی آ گئی مگر ابھی حیض نہ شروع ہوا، ان کی عدّت بھی تین ماہ ہے۔ مسئلہ: حاملہ عورتوں کی عدّت وضعِ حمل ہے خواہ وہ عدّت طلاق کی ہو یا وفات کی۔ (خزائن العرفان، طلاق، ۵)

۴۔ یہ ان کی عدت ہے، جن کا حیض عمر رسیدہ ہونے کی دلیل سے بند ہو گیا ہو، یا جنہیں حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو۔ واضح رہے کہ نادر طور پر ایسا ہوتا ہے کہ عورت سن بلوغت کو پہنچ جاتی ہے اور اسے حیض ہی نہیں آتا۔

سنت کے مطابق تین طلاق کہنے سے وقوع طلاق

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر عورت کو زیادہ عمر کی دلیل سے حیض نہیں آتا' یا کم عمری کی دلیل سے اس کا حکم مہینے کے اعتبار سے ہوتا ہے' اور اس کا شوہر یہ الفاظ استعمال کرے' جو سابقہ مسئلے میں بیان ہوئے ہیں یعنی انت طالق ثلاثا للسنة (تمہیں سنت کے مطابق تین طلاقیں ہیں)۔

تو ایک طلاق اسی وقت واقع ہو جائے گی' دوسری ایک مہینے بعد واقع ہو گی' تیسری اس کے ایک مہینے کے بعد واقع ہو گی۔ اس کی وجہ وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کی ہے: حیض والی عورت کے حق میں طہر' نئے سرے سے ضرورت کی دلیل ہوتا ہے' جبکہ جن عورتوں کو حیض نہیں آتا ان کے حق میں مہینہ یہ دلیل شمار ہوتا ہے۔

اگر یہاں بھی مرد نے ان الفاظ کے ذریعے تین طلاقیں ایک ساتھ دینے کی نیت کی ہو' تو ہمارے نزدیک وہ واقع ہو جائیں گی' جبکہ امام زفر کے نزدیک حکم مختلف ہے جیسا کہ پہلے بھی یہ بات بیان کی جا چکی ہے۔

لیکن اگر شوہر نے یہ کہا ہو۔ انت طالق للسنة اور اس بارے میں لفظ تین استعمال نہ کیا ہو' تو تین طلاقیں ایک ساتھ دینے کی نیت درست نہیں ہو گی۔ اس کی دلیل یہ ہے: تین طلاقیں ایک ساتھ دینے کی نیت اس وقت درست ہوتی ہے جب اس میں موجود "ل" وقت کے لئے ہو جو وقت کے عام ہونے کا فائدہ دے اور اس کے لئے یہ بات ضروری ہو گی: اس میں واقع ہونے والی چیز بھی عام ہو' تو جب مرد نے ایک ساتھ تین طلاقوں کی نیت کر لی' تو وقت کے عام ہونے کا مفہوم باطل ہو جائے گا اس لئے تین کی نیت کرنا درست نہیں ہو گا۔

غصہ کی حالت میں دی گئی تین طلاق کا شرعی حکم

شوہر اور بیوی کو باہم الفت ومحبت، مودت ورحمت، خوش اخلاقی وحسن معاشرت کے ساتھ رہنا چاہئے، اگر زوجین ایک دوسرے کے حقوق بحسن وخوبی ادا کرتے رہیں، شوہر بیوی کی رہائش، خوراک وپوشاک اور دیگر ضروریات کی تکمیل کر دے اور بیوی دستور کے مطابق شوہر کی اطاعت کرے تو ان کے درمیان فرحت ومسرت کا ماحول قائم رہتا ہے۔

مفاہمت ومصالحت کے تین طریقے

اگر کسی دلیل سے ناموافق حالات پیدا ہوں اور بیوی نافرمانی کرتی رہے تو باہمی مفاہمت ومصالحت سے کام لینا چاہئے، شوہر کو تین طریقوں سے معاملہ کو سلجھانے کی تاکید کی گئی

۱)) سب سے پہلے وہ بیوی کو نصیحت کرے

2)) بستر علیحدہ کرے

3)) تادیب اور تنبیہ کرے ،اللہ تعالی کا ارشاد ھے ، وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا -

ترجمہ :اور وہ عورتیں جن کی نافرمانی کا اندیشہ ھو انھیں پھلے نرمی سے سمجھاؤپھرانھیں خوابگاھوں سے علحدہ کردواور (پھر بھی بازنہ آئیں تو)انھیں تنبیہ وتادیب کرو اگر وہ اطاعت کرنے لگیں تو ان پر کوئی راستہ مت تلاش کرو ۔(سورۃ النساء .34)

طلاق کا اقدام کرنے سے پہلے ان مراحل میں سعی وکوشش کرنے اور سنجیدگی سے غور وفکر کرنے کی تاکید کی گئی لیکن شریعت مطہرہ میں اس کوطلاق کی شرط نہیں کہا گیا ، نیز طلاق کے وقت بیوی کا موجود ہونا یا اس کوطلاق کی اطلاع دینا طلاق واقع ہونے کے لئے شرط نہیں ، اگر شوہر طلاق دینا چاہے تو طلاق بائن یا طلاق مغلظہ کے بجائے طلاق رجعی کے لئے کہا گیا تا کہ عدت گذرنے تک شوہر کو اپنے فیصلہ پر مزید غور وفکر کرنے اور فیصلہ واپس لینے کی گنجائش رہے اور بیوی کی غلطی ہو تو وہ اپنی اصلاح کرلے۔اس کے باوجود کوئی شخص ان تمام طریقوں کو نظر انداز کر کے طلاق کا اقدام کر بیٹھے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

غصہ کی تین حالتیں اور طلاق کا حکم

حالت غصہ کی طلاق کی بابت ردالمحتار ج 2 ص ,463 میں غصہ کی تین حالتیں بیان کی گئی ہیں ، دو حالتوں میں طلاق واقع ہوتی ہے اور ایک حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی :۔

(۱) غصہ کی ابتدائی حالت ہو کہ جس کی دلیل عقل میں خلل وفتور نہ آیا ہو ، اپنی گفتگو والفاظ کو جانتا ہو اور اپنے قصد وارادہ کو سمجھتا ہو ، ایسی حالت میں دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

(۲) غصہ کی انتہائی شدید حالت ہو کہ حد جنون تک پہنچ جائے اور ہوش وحواس باقی نہ رہیں ، زبان سے نکلنے والے الفاظ جاننے اور سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو جائے ، ایسے شدید غصہ کی حالت میں دی گئی طلاق واقع نہیں ہوتی اور اسکے دیگر اقوال واعمال خرید وفرخت ، نکاح وعتاق وغیرہ کا بھی اعتبار نہیں۔

(۳) غصہ کی درمیانی حالت جو مذکورہ دو حالتوں کے مابین ہو اور غصہ حد جنون کو نہ پہنچے ، احناف کے پاس اس حالت میں بھی دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

دوسری صورت میں ذکر کردہ غصہ کی انتہائی شدید حالت میں طلاق واقع نہ ہونے کا حکم اس وقت ہے جب کہ اس حالت

کا ثبوت دو عادل گواہوں کی گواہی سے ہو یا طلاق دینے والے کے حلفیہ بیان سے بشرطیکہ اس کا غصہ کی انتہائی شدید حالت میں آپے سے باہر ہو جانا بطور عادت لوگوں میں معروف ہو۔

ردالمحتار ج 2ص463، میں ہے :وسئل نظما فیمن طلق زوجته ثلاثافی مجلس القاضی وهومغتاظ مدهوش فاجاب نظما ایضا بان الدهش من اقسام الجنون فلا یقع واذاکان یعتاده بان عرف منه الدهش مرة یصدق بلا برهان اه قلت وللحافظ ابن القیم الحنبلی رسالة فی طلاق الغضبان قال فیها انه علی ثلاثة اقسام احدها ان یحصل له مبادی الغضب بحیث لایتغیرعقله ویعلم مایقول ویقصده وهذا لااشکال فیه الثانی ان یبلغ النهایة فلا یعلم مایقول ولایریده فهذا لاریب انه لاینفذ شی من اقواله الثالث من توسط بین المرتبتین بحیث لم یصر کالمجنون فهذا محل النظروالادلة تدل علی عدم نفوذ اقواله اه ملخصا من شرح الغایة الحنبلیة لکن اشارفی الغایة الی مخالفته فی الثالث حیث قال ویقع طلاق من غضب خلافا لابن القیم . . . والذی یظهر لی ان کلا من المدهوش والغضبان لایلزم فیه ان یکون بحیث لایعلم مایقول بل یکتفی فیه بغلبة الهذیان واختلاط الجد بالهزل کما هو المفتی به فی السکران۔

اگر کوئی شخص ان تمام شرعی ہدایات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے، غور وفکر کے بغیر غصہ کی حالت میں طلاق دے اور بیک وقت ایک تلفظ میں تین طلاق دے تو قرآن کریم وحدیث شریف کی رو سے طلاق واقع ہو جائے گی اور طلاق دینے والا گنہگار قرار پائیگا، شوہر کا غصہ کی ابتدائی یا درمیانی حالت میں ہونا، بیوی کا موجود نہ ہونا، یا بیوی کو اطلاع نہ پہنچنا طلاق واقع ہونے کو نہیں روکتا ، جب شوہر نے طلاق دی ہے تو جیسے طلاق دی واقع ہوگی، ایک دی ہو تو ایک، تین دی ہو تو تین۔ بیوی کی غیر موجودگی میں طلاق کے لئے بیوی کی طرف طلاق کی نسبت کرنا یا نام کے ساتھ طلاق دینا ضروری ہے۔

شدید غصے میں وقوع طلاق کا اعتبار

حنفیہ کے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ وہ غصہ والا شخص جسے اس کا غصہ اس کی طبیعت اور عادت سے اس طرح باہر کردے کہ اس کی باتوں اور اس کے کاموں پر بے مقصدیت غالب آجائے اس کی طلاق واقع نہ ہوگی، اگر چہ وہ جانتا ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور ارادہ سے ہی کہتا ہو کیونکہ وہ ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ جس میں اس کا ادراک یعنی سوجھ بوجھ میں تغیر اور تبدیلی آجاتی ہے لہذا اس کا قصد و

ارادہ صحیح شعور و صحیح ادراک پر مبنی نہیں ہوتا، پس وہ (مجنوں و دیوانہ تو نہیں ہوتا لیکن وقتی طور پر) مجنوں کی طرح ہو جاتا ہے، کیونکہ ضروری نہیں کہ مجنوں ہمیشہ ویسی حالت میں رہے کہ جو کہے اسے اس کا پتہ نہ ہو بلکہ بعض اوقات میں وہ معقول (عقل مندوں کی طرح) باتیں کرتا ہے، پھر اوٹ پٹانگ مارنا شروع کر دیتا ہے۔

عبدالرحمٰن الجزیری، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، 295-294 : 4، داراحیاء التراث العربی، بیروت ۔لبنان

شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں : غضب اگر واقعی اس درجہ، شدت پر ہو کہ حدِ جنون تک پہنچا دے تو طلاق نہ ہوگی ۔ امام احمد رضا، فتاوٰی رضویہ، 378 : 12، مسئلہ 146 :

امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرّہ کے خلیفہ و تلمیذ خاص علامہ امجد علی اعظمی مرحوم اپنی شہرہ آفاق کتاب میں لکھتے ہیں: یونہی اگر غصہ اس حد کا ہو کہ عقل جاتی رہے تو (طلاق) واقع نہ ہوگی ۔ امجد علی، بہار شریعت، 7 : 8، طبع لاہور

شہادت طلاق میں اہل تشیع کی الٹی منطق

معروف شیعہ محقق آیت اللہ اعظمی لکھتا ہے ۔ مسئلہ ۲۲۷ ضروری ہے کہ طلاق صحیح عربی صیغے اور لفظ طالق سے پڑھی جائے اور دو عادل مرد اسے سنیں اور اگر شوہر خود صیغہ طلاق جاری کرنا چاہے اور اس کی بیوی کا نام مثلاً فاطمہ ہو تو یوں کہے زَوْجَتِي فَاطِمَةُ طَالِقٌ یعنی میری بیوی فاطمہ آزاد ہے اور اگر کسی دوسرے کو وکیل کرے تو وہ وکیل کہے زَوْجَةُ مُوَكِّلِي فَاطِمَةُ طَالِقٌ اور جب عورت معین ہو تو نام ذکر کرنا ضروری نہیں ہے ۔ (توضیح المسائل، طلاق کے احکام)

اہل تشیع کے چند نام نہاد محققین نے جدید تحقیق کے ذریعے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ نکاح کیلئے گواہوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے ۔ جبکہ طلاق کے صیغے کیلئے لکھ رہے ہیں کہ اس کو دو عادل مرد سنیں ۔ عجب گمراہ کن فلسفہ ہے اہل تشیع کا کہ نکاح میں گواہی کا انکار کریں اور طلاق میں مان لیں ۔ شاید اہل تشیع کے ہاں طلاق کا معاملہ نکاح سے زیادہ اہم ہے ۔ البتہ اہل تشیع کی پرانی روش ہے کہ وہ نصوص شرعیہ کا انکار کرنے اور یہود و نصاریٰ کی طرح ان میں تحریف کرنے میں ماہر ہیں ۔ لہذا جہاں شرعی نصوص سے شہادت ثابت ہے اس کا انکار کر دیا اور جہاں شرعی نص نہ تھی وہاں خواہ مخواہ حکم ثابت کر دیا ۔

فصل

یہ فصل بعض لوگوں سے طلاق کے وقوع یا عدم وقوع کے بیان میں ہے

وقوع طلاق اور عدم وقوع طلاق فصل کی فقہی مطابقت

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ جب طلاق سنت وحسن اور بدعت سے فارغ ہوئے ہیں تو اب انہوں نے طلاق کے ان مسائل سے متعلق فصل کو شروع کیا ہے کہ وہ افراد جن کی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور جن سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اور یہ فصل مسائل طلاق کے اعتبار متنوع اور مختلف ہے لہذا اس کو الگ فصل کے طور پر بیان کیا ہے۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۵، ص ۱۸۴، بیروت)

بچے پاگل سوئے ہوئے شخص کی طلاق کا عدم وقوع

﴿وَيَقَعُ طَلَاقُ كُلِّ زَوْجٍ إِذَا كَانَ عَاقِلًا بَالِغًا، وَلَا يَقَعُ طَلَاقُ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ وَالنَّائِمِ﴾ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ﴿كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ إِلَّا طَلَاقَ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ(۱)﴾ وَلِأَنَّ الْأَهْلِيَّةَ بِالْعَقْلِ الْمُمَيِّزِ وَهُمَا عَدِيمَا الْعَقْلِ وَالنَّائِمُ عَدِيمُ الْاِخْتِيَارِ .

ترجمہ

اور ہر شوہر کی (دی ہوئی) طلاق واقع ہو جاتی ہے جبکہ وہ شوہر عاقل ہو اور بالغ ہو۔ بچے پاگل اور سوئے ہوئے شخص کی طلاق واقع نہیں ہوتی اس کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: "ہر طلاق ہو جاتی ہے سوائے بچے اور پاگل کی دی ہوئی طلاق کے"۔ اس کی ایک دلیل یہ ہے: اہلیت عقل کی دلیل سے ہوتی ہے جو تمیز کر سکتی ہو اور یہ دونوں (یعنی بچہ اور پاگل) عقل نہیں رکھتے۔ جبکہ سویا ہوا شخص اختیار نہیں رکھتا۔

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر طلاق واقع ہو جاتی ہے مگر بے عقل اور مغلوب العقل کی طلاق واقع نہیں ہوتی امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کے ایک راوی عطاء بن

(۱) لم يجده مخرجوا الهداية بهذا اللفظ، وانما أخرج الترمذي في "جامعه" برقم (۱۲۰۹) عن أبي هريرة رضي الله عنه مرفوعا: "كل طلاق جائز، الا طلاق المعتوه المغلوب على عقله" وقال: هذا حديث لا نعرفه مرفوعاً الا من حديث عطاء بن عجلان وهو ذاهب الحديث، وروى ابن أبي شيبة في "مصنفه" عن ابن عباس قال: لا يجوز طلاق الصبي، وروى ايضا عن علي رضي الله عنه: "كل طلاق جائز الا طلاق المعتوه وانظر "نصب الراية" ۳/۲۲۲ و "الدراية" ۲/۶۹

مجاان روایت حدیث میں ضعیف شمار کئے جاتے ہیں کیونکہ ان کے حافظہ میں حدیث محفوظ نہیں رہتی تھی۔

امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک اس حدیث کے مطابق ہے کیونکہ ان کے نزدیک کبھی دیوانے کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ حدیث میں معتوہ سے دیوانہ مراد ہے یعنی وہ شخص جو کبھی تو مسلوب العقل رہتا ہو اور کبھی اس کی عقل ٹھکانے رہتی ہو قاموس میں لکھا ہے کہ عتہ جو معتوہ کا مصدر ہے کے معنی ہیں کم عقل ہونا مدہوش ہونا اور صراح میں لکھا ہے کہ معتوہ الٹے ہوئے ڈول اور بے عقل شخص کو بھی کہتے ہیں چنانچہ فقہ کی کتابوں میں اس کے یہی معنی بیان کئے گئے ہیں اس اعتبار سے حدیث کا یہ جملہ المغلوب علی عقلہ گویا لفظ معتوہ کا عطف تفسیری ہے یعنی اس جملہ میں معتوہ کی وضاحت مقصود ہے اسی لئے بعض روایات میں المغلوب بغیر واؤ کے ہے۔

اس تفصیل سے یہ ثابت ہوا کہ جب معتوہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی تو مجنون مطلق یعنی پاگل شخص کہ جو سرے سے عقل وشعور رکھتا ہی نہیں اس کی طلاق بطریق اولی واقع نہیں ہوگی چنانچہ زین العرب نے کہا ہے کہ یوں تو معتوہ ناقص العقل اور مغلوب العقل کو کہتے ہیں لیکن مجنون سویا ہوا شخص مدہوش اور ایسا مریض کہ جس کی عقل اس کے مرض کی وجہ سے جاتی رہے وہ بھی اس لفظ کے مفہوم میں شامل ہیں یعنی ان سب کی بھی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

لفظ معتوہ کے بارے میں علامہ ابن ہمام نے بعض علماء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ معتوہ اس شخص کو کہتے ہیں جو ناقص العقل و کم سمجھ اور پریشان کلام ہو یعنی بے عقلی اور ناسمجھی کی باتیں کرتا ہو اور فاسد التدبیر یعنی بے عقلی اور بے سمجھی کے کام کرتا ہو لیکن نہ تو مارتا پھرتا ہو اور نہ گالیاں بکتا پھرتا ہو بخلاف مجنوں کے کہ لوگوں کو مارتا اور گالیاں بکتا پھرتا ہے۔

امام ترمذی کے قول کے مطابق اس حدیث کا راوی اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ کل طلاق جائز الا طلاق المعتوہ یعنی ہر طلاق واقع ہو جاتی ہے مگر معتوہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص مرفوع القلم ہیں یعنی ان تین شخصوں کے اعمال نامہ اعمال میں نہیں لکھے جاتے کیونکہ ان کے کسی قول وفعل کا کوئی اعتبار نہیں اور وہ مواخذہ سے بری ہیں ایک تو سویا ہوا شخص جب تک کہ وہ بیدار نہ ہو دوسرا لڑکا جب تک وہ بالغ نہ ہو تیسرا بے عقل شخص جب تک کہ اس کی عقل درست نہ ہو جائے (ترمذی) اور دارمی نے اس روایت کو حضرت عائشہ سے اور ابن ماجہ نے حضرت عائشہ سے اور حضرت علی سے نقل کیا ہے۔

نابالغ کی طلاق کا فقہی حکم

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ بالغ ہونے سے پہلے انسان پر اللہ کریم کی طرف سے کوئی حکم واجب نہیں ہوتا اسی طرح بلوغ سے پہلے دی جانے والی طلاق کو بھی شریعت نے جائز اور نافذ قرار نہیں دیا۔ حدیث پاک میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: تین شخصوں سے تکلیف اٹھالی گئی ہے (۱) سوئے ہوئے شخص سے یہاں تک کے بیدار ہو جائے (۲) بچے سے یہاں تک کہ بالغ ہو جائے (۳) پاگل سے یہاں تک کہ وہ عقل والا ہو جائے (ترمذی۔ابوداود۔مشکوۃ) (ابن ابی شیبہ نے اپنی سند

یے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں لا یجوز طلاق الصبی والمجنون : بچے اور پاگل کی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے (فتح قدیر، کتاب طلاق)

سوئے ہوئے شخص کی طلاق کا حکم

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔اس سے پہلے بچوں کی طلاق کے ذیل میں ایک روایت گزر چکی ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے تین افراد کو شریعت کے احکام کی بجا آوری سے معاف کیے جانے کا حکم بیان فرمایا ہے ان میں ایک وہ شخص بھی ہے جو سویا ہوا ہو۔سونے کی حالت میں نہ تو اس پر کسی عبادت کی ادائگی واجب ہوتی ہے اور نہ اس حالت میں اس کا کوئی تصرف معتبر ہوتا ہے۔اس لیے اگر کسی شخص نے اسی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دیدی تو اس کی طلاق واقعہ نہیں ہوگی صاحب درمختار نے بھی یہی لکھا ہے۔اور نہ سوئے ہوئے کی طلاق واقع ہوتی ہے اس حالت میں ارادہ واختیار ختم ہونی کی دلیل سے اس شخص کا کلا مصدق، کذب خبر، انشاد غیرہ کے ساتھ متصف نہیں ہوتا ہے۔(درمختار مع ردالمختار ج 3 ص243۔244)

پاگل کی طلاق کا فقہی بیان

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا معتوہ کی طلاق کے علاوہ ہر طلاق واقع ہو جاتی ہے اس حدیث کو ہم صرف عطاء بن عجلان کی روایت سے مرفوع جانتے ہیں اور وہ ضعیف ہیں اور حدیثیں بھول جاتے ہیں علماء کا اسی پر عمل ہے کہ دیوانے کی طلاق واقع نہیں ہوتی مگر وہ دیوانہ جسے کبھی کبھی ہوش آجاتا ہو اور وہ اسی حالت میں طلاق دے تو طلاق ہو جائے گی۔(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1202)

علامہ ابن عابدین شامی تلویح سے نقل کرتے ہوئے جنون کے بارے میں لکھتے ہیں کہ جنون اس قوت کے مختل ہو جانے کا نام ہے جس کے ذریعہ انسان اچھے اور برے افعال کے درمیان فرق کرتا ہے اور جس کے ذریعہ عمل کے نتایج اور انجام کار کے متعلق سوچتا ہے اس کے بارے میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ حالت جنون میں اس کا کوئی تصرف صحیح نہیں ہوگا اگر اس نے اپنی بیوی کو اسی حالت میں طلاق دے دی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔البتہ اگر جنون پیدا ہونے سے پہلے کسی نے اپنی بیوی کی طلاق کو کسی شرط پر معلق کیا تھا۔مثلا کہ اگر میکہ گئی تو تجھ پر طلاق یہ کہنے کے بعد وہ پاگل ہو گیا اور عورت اس کے جنون کی حالت میں میکے چلی گئی تو یہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ چنانچہ درمختار میں ہی : اور نہ مجنون کی طلاق واقع ہوگی۔سوائے اس کے کہ عقل وہوش کی حالت میں مشروط طلاق دی ہو پھر مجنون ہو گیا اور اسی حالت میں شرط پائی گئی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ (درمختار مع ردالمختار، کتاب طلاق)

سفیہ (کم عقل) کی طلاق کا حکم

سفیہ لغت میں خفت اور ہلکا پن کے معنی میں آتا ہے اور فقہاء کی اصطلاح میں سفاہت سے مراد کم عقلی ہے جس کی دلیل سے آدمی اپنے مال پر اسطرح تصرف کرتا ہے جو عقل کے تقاضہ کے خلاف ہو ایسے شخص کو عرف عام میں خفیف العقل کہا جاتا ہے ایسے شخص

کی طلاق کو بھی شریعت نے صحیح قرار دیا ہے۔درمختار میں ہے :او سفیها خفیف العقل :یا طلاق دینے والا خفیف العقل ہوتو اسکی بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔

مجنون کی طلاق معلق کے وقوع کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مجنون نے ہوش کے زمانہ میں کسی شرط پر طلاق معلق کی تھی اور وہ شرط زمانہ جنون میں پائی گئی تو طلاق ہوگئی۔ مثلاً یہ کہا تھا کہ اگر میں اس گھر میں جاؤں تو تجھے طلاق ہے اور اب جنون کی حالت میں اُس گھر میں گیا تو طلاق ہوگئی ہاں اگر ہوش کے زمانہ میں یہ کہا تھا کہ میں مجنون ہو جاؤں تو تجھے طلاق ہے تو مجنون ہونے سے طلاق نہ ہو گی۔(درمختار، ج ۴، ص ۴۲۷)

مذاق میں نکاح وطلاق کا فقہی حکم

طلاق کے مسئلہ میں کھیلنا اور مذاق کرنے کی کوئی مجال نہیں، کیونکہ جمہور علماء کے ہاں مذاق میں دی گئی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے اس کی دلیل درج ذیل حدیث ہے :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " : تین چیزوں کی حقیقت بھی حقیقی ہی ہے، اوران میں مذاق بھی حقیقت ہے : نکاح اور طلاق اور رجوع کرنا۔(سنن ابوداود حدیث نمبر(2194) سنن ترمذی حدیث نمبر(1184) سنن ابن ماجہ حدیث نمبر(2039)،اس حدیث کی صحت میں علماء کا اختلاف ہے،

اس حدیث کا معنیٰ بعض صحابہ پر موقوف بھی وارد ہے : عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ " : چار چیزیں ایسی ہیں جب وہ بولی جائیں تو جاری ہونگی طلاق، آزادی اور نکاح اور نذر "علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ " : تین چیزوں میں کوئی کھیل نہیں، طلاق اور آزادی اور نکاح "ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ " : تین اشیاء میں کھیل بھی حقیقت کی طرح ہی ہے : طلاق اور نکاح اور غلام آزاد کرنا "آپ کی بیوی نے بطور مذاق طلاق دینے کا مطالبہ کر کے بہت بڑی غلطی کی ہے،اور پھر عورت کو بغیر ایسے عذر کے جو طلاق کو مباح کرتا ہو خاوند سے طلاق طلب کرنا حلال نہیں کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے .ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " :جس عورت نے بھی اپنے خاوند سے بغیر تنگی اور سبب کے طلاق طلب کی اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے"

مذاق وجبری طلاق میں اہل تشیع کا موقف

جو شخص اپنی بیوی کو طلاق دے رہا ہے وہ عقل مند ہو اور احتیاط واجب یہ ہے کہ بالغ ہو اور اپنے اختیار سے طلاق دے اور اگر اسے مجبور کیا گیا ہو کہ اپنی بیوی کو طلاق دے تو وہ طلاق باطل ہے اور اسی طرح چاہیے کہ وہ طلاق کا قصد رکھتا ہو۔پس اگر صیغہ طلاق مزاحاً کہہ دے تو طلاق صحیح نہیں۔(رسالہ خمینی، طلاق کے احکام)

زبردستی دلوائی جانے والی طلاق وقوع کا بیان

﴿وَطَلَاقُ الْمُكْرَهِ وَاقِعٌ﴾ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ، هُوَ يَقُوْلُ اِنَّ الْاِكْرَاهَ لَا يُجَامِعُ الْاِخْتِيَارَ وَبِهٖ يُعْتَبَرُ التَّصَرُّفُ الشَّرْعِيُّ، بِخِلَافِ الْهَازِلِ ؛ لِاَنَّهٗ مُخْتَارٌ فِي التَّكَلُّمِ بِالطَّلَاقِ .وَلَنَا اَنَّهٗ قَصَدَ اِيْقَاعَ الطَّلَاقِ فِيْ مَنْكُوْحَتِهٖ فِيْ حَالِ اَهْلِيَّتِهٖ فَلَايَعْرٰى عَنْ قَضِيَّتِهٖ دَفْعًا لِحَاجَتِهٖ اعْتِبَارًا بِالطَّائِعِ، وَهٰذَا ؛ لِاَنَّهٗ عَرَفَ الشَّرَّيْنِ وَاخْتَارَ اَهْوَنَهُمَا، وَهٰذَا اٰيَةُ الْقَصْدِ وَالِاخْتِيَارُ، اِلَّا اَنَّهٗ غَيْرُ رَاضٍ بِحُكْمِهٖ وَذٰلِكَ غَيْرُ مُخِلٍّ بِهٖ كَالْهَازِلِ .

ترجمہ

اور جس شخص کو زبردستی طلاق دینے پر مجبور کیا گیا ہو اس کی دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے اس بارے میں امام شافعی کی دلیل مختلف ہے۔وہ یہ فرماتے ہیں: مجبور کرنا اختیار کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا اور اختیار کی دلیل سے شرعی تصرف معتبر ہوتا ہے' جبکہ مذاق میں طلاق دینے والے کا حکم اس سے مختلف ہے' کیونکہ وہ طلاق کے الفاظ استعمال کرنے کے بارے میں مختار ہوتا ہے۔ہماری دلیل یہ ہے: اس شخص نے اپنی منکوحہ کو ایسی حالت میں طلاق دینے کا ارادہ کیا ہے جب وہ طلاق دینے کا اہل ہے' لہٰذا وہ اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے' اس کے حکم سے لاتعلق نہیں ہو سکتا' اور اس کو طائع پر قیاس کیا جائے گا۔اس کی دلیل یہ ہے: اس نے دو طرح کی برائیوں کو جانا اور ان میں سے آسان کو اختیار کر لیا تو یہ اس کے اختیار کی نشانی ہے البتہ وہ اس کے حکم سے راضی نہیں ہے اور یہ بات اس حوالے سے رکاوٹ نہیں ہو سکتی جیسے مذاق میں طلاق دینے والے (کا بھی یہی حکم ہے)۔

مجبوری (اِکراہ) کی طلاق

الاکراہ لغوی طور پر یہ اَکرِہَ یَکرَہ سے مصدر ہے۔یعنی کسی کو ایسے کام کے کرنے یا چھوڑنے پر مجبور کیا جائے جس کو وہ ناپسند کرتا ہو۔اصلاً یہ کلمہ رضا اور پسند کی مخالفت پر دلالت کرتا ہے۔امام فرا کہتے ہیں:

يقال أقامني على كره ــ بالفتح ــ إذا أكرهك عليه إلىٰ أن قال :فيصير الكره بالفتح فعل المضطر (اللسان:٣٨٦٥٥)

کہا جاتا ہے مجھے مجبور کیا گیا۔یعنی جب یہ فتحہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد مجبور شخص کا فعل ہوگا۔

اکراہ کی اصطلاحی تعریف:

انسان کا ایسا کام کرنا یا کوئی ایسا کام چھوڑنا جس کے لیے وہ راضی نہ ہو۔اگر اسے مجبور کیے بغیر آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ ایسا نہ کرے۔

کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اکراہ سے مراد آدمی کا کوئی ایسا کام کرنا ہے جو وہ کسی دوسرے کے لیے انجام دیتا ہے۔(معجم لغۃ الفقہاء: ص ۸۵)

مختلف اعتبار سے اکراہ کی متعدد اقسام ہیں۔ اکراہ اقوال میں بھی ہوسکتا ہے اور افعال میں بھی۔ جہاں تک افعال کا تعلق ہے تو اس کی بھی دو اقسام ہیں: مجبور اور غیر مجبور۔

اَقوال میں اکراہ

علمائے کرام نے اقوال میں جبر کی صحت کو تسلیم کیا اور اس پر اتفاق کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جو شخص حرام قول پر مجبور کیا جائے، اُس پر جبر معتبر مانا جائے گا۔ اسے وہ حرام بات کہہ کر اپنے آپ کو چھڑانا جائز ہے اور اس پر کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ زبردستی کا تصور تمام اقوال میں پایا جاتا ہے، لہٰذا جب کوئی شخص کسی بات کے کہنے پر مجبور کر دیا جائے تو اس پر کوئی حکم مرتب نہیں ہوگا اور وہ لغو جائے گا۔

اس سلسلے میں احناف نے فسخ اور عدم فسخ کے مابین تفریق کو ملحوظ رکھا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر اکراہ خرید و فروخت اور اُجرت دینے میں ہو پھر تو وہ فسخ ہو جائے گا، لیکن طلاق، عتاق (آزادی) اور نکاح میں فسخ کا احتمال باقی نہیں رہے گا۔ لہٰذا جو شخص بیع و تجارت کے لیے مجبور کیے جانے کے بعد بیع کرلے تو اس کو اختیار ہے، چاہے تو اس بیع کو باقی رکھے یا پھر فسخ کر دے، لیکن طلاق، آزادی اور نکاح میں میں اختیار باقی نہیں رہے گا۔ (العنایۃ والکفایۃ: ۱۶۶۸)

تاہم اس ضمن میں اگر ادلہ شرعیہ کا جائزہ لیا جائے تو عدم تفریق کا قول زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ فرمانِ عالی شان ہے:

اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ (النحل: ۱۰۶)

مگر یہ کہ وہ مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔

امام شافعی اس کے متعلق فرماتے ہیں: إن الله سبحانه وتعالیٰ لما وضع الكفر عمن تلفظ به حال الكراه أسقط عنه أحكام الكفر، كذلك سقط عن المكره ما دون الكفر لإن الأعظم إذا سقط سقط ما هو دونه من باب أولىٰ (الام: ۳، ۲۷۰)

جس طرح اللہ تعالیٰ نے حالتِ اکراہ میں کلمۂ کفر کہنے میں رخصت عنایت کی ہے اور اس سے کفریہ احکام ساقط کیے ہیں، بالکل اسی طرح کفر کے علاوہ دیگر چیزیں بھی مجبور سے ساقط ہو جائیں گی، کیونکہ جب بڑا گناہ ساقط ہوگیا تو چھوٹے گناہ تو بالاولیٰ ساقط ہو جائیں گے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إن الله وضع عن أمتي الخطأ والنسيان وما استكرهوا عليه (سنن ابن ماجۃ: ۲۰۴۵)

اللہ تعالیٰ نے میری اُمت سے خطا و نسیان اور مجبوری سے کیے جانے والے کام معاف کر دیے ہیں۔

ابن قیم الجوزیہ کہتے ہیں: مجبور کے کسی کلام کا کوئی اعتبار نہیں ہے ،قرآن کریم بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ جو شخص کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا جائے ، وہ کافر نہیں ہوگا اور اسی طرح جو اسلام کے لیے مجبور کیا جائے ، اسے مسلمان بھی تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ سنت میں بھی واضح اشارہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجبور شخص سے تجاوز کیا ہے اور اس کو مؤاخذے سے بری قرار دیا ہے اس کے بعد امام ابن قیم اقوال اور افعال میں اکراہ کے مابین فرق بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

اقوال میں اکراہ اور افعال میں اکراہ کے مابین فرق یہ ہے کہ افعال کے وقوع پذیر ہوجانے کے بعد اس کے مفاسد کا خاتمہ ناممکن ہے۔ جبکہ اقوال کے مفاسد کو سوئے ہوئے اور مجنون پر قیاس کرتے ہوئے دور کیا جاسکتا ہے۔ (زادالمعاد: ۲۰۵۵،۲۰۶)

یہاں یہ بھی یاد رہے کہ اکراہ (جبر) کی ایک تقسیم درست اور غیر درست کے اعتبار سے بھی کی گئی ہے۔ غیر درست اکراہ تو وہ ہے کہ جس میں ظلم و زیادتی سے کوئی بات منوائی گئی ہو۔ جبکہ درست اکراہ یہ ہے کہ جس میں حاکم کسی شخص کو اپنا مال بیچنے پر مجبور کرے تاکہ وہ اس سے اپنا قرض ادا کرے۔ یا وہ ایلاء کرنے والے کو طلاق دینے پر مجبور کرے جب کہ وہ رجوع کرنے سے انکار کرے۔ (جامع العلوم والحکم : ص ۳۷۷)

اکراہ کی شرائط کا فقہی بیان

اہل علم نے اکراہ کی درج ذیل شرائط کا تذکرہ کیا ہے:

۱۔ اکراہ اس شخص کی طرف سے ہوگا جو صاحب قدرت ہو جیسے حکمران۔

۲۔ مجبور کو ظن غالب ہو کہ اگر میں نے اس کی بات نہ مانی تو یہ وعید اور اپنی دھمکی کو نافذ کردے گا اور مجبور اس سے بچنے یا بھاگنے سے عاجز ہو۔

۳۔ اکراہ ایسی چیز سے ہو جس سے مجبور کو نقصان پہنچنے کا ڈر ہو۔ (شرح الکبیر: ۲/۳۶۷)

ان شروط پر مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے اتفاق کا اظہار کیا ہے۔ البتہ ان میں سے کچھ لوگوں نے چند دیگر شرائط کا اضافہ بھی کیا ہے۔ ظاہر بات یہ ہے کہ اکراہ کی تحدید حاکم اور مفتی کے ساتھ خاص کی جائے گی اور انہی کے ثابت کردہ اکراہ کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ لوگوں کے احوال کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ (الکفایۃ: ۱۶۸۸)

اکراہ کی صورت میں وقوع طلاق میں فقہی مذاہب اربعہ

اس تحریر میں مجبوری کی طلاق کو موضوع بحث بنانے کا مقصد اس قضیے کا حل ہے کہ ایسی طلاق وقوع پذیر ہوتی ہے یا نہیں؟

امام مالک علیہ الرحمہ، شافعی، احمد اور داؤد ظاہری کے نزدیک ایسی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ یہی قول عمر بن خطاب، علی بن ابی طالب، ابن عمر، ابن زبیر، ابن عباس اور دیگر کثیر جماعت کا ہے۔ جبکہ امام ابوحنیفہ اور ان کے صاحبین نے اس طلاق کے وقوع کا موقف اختیار کیا ہے اور یہی موقف شعبی نخعی اور ثوری کا بھی ہے۔ (الکفایۃ والعنایۃ: ۳۴۴۳)

سبب اختلاف یہ ہے کہ مجبور کیا جانے والا مختار ہے یا نہیں؟ کیونکہ طلاق کے الفاظ بولنے والے کا ارادہ تو طلاق دینے کا نہیں ہوتا اور وہ تو اپنے لئے دو برائیوں میں سے کم تر برائی کو اختیار کر رہا ہوتا ہے اور وہ مجبور کرنے والے کی وعید سے بچنے کے لیے طلاق دینے کو اختیار کر لیتا ہے۔

فقہاء احناف اور ان کے مؤیدین کے دلائل

۱۔نصب الرایۃ میں ہے کہ ایک آدمی سو رہا تھا کہ اس کی بیوی نے چھری پکڑ کر اس کے گلے پر رکھی اور دھمکی دی کہ تو مجھے طلاق دے، ورنہ میں تیرا کام تمام کر دوں گی۔اس شخص نے اسے اللہ کا واسطہ دیا لیکن وہ نہ مانی۔لہٰذا اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔پھر وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔اور تمام ماجرا بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

لاقیلولة فی الطلاق (نصب الرایة:۲۲۲۳) طلاق میں کوئی فسخ نہیں ھے۔

۲۔ابو ہریرہ سے روایت ہے: ثلاث جدھن جد، وھزلھن جد :النکاح والطلاق والرجعة ۔(سنن ترمذی: ۱۱۸۴)

تین چیزوں کی سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور مذاق بھی سنجیدگی ہے۔نکاح، طلاق اور رجوع۔

احناف اس حدیث سے اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ مذاق کرنے والے کا مقصد تو وقوع طلاق نہیں ہوتا بلکہ اس نے فقط لفظ کا ارادہ کیا ہوتا ہے۔اس کی طلاق کا واقع ہونا واضح کرتا ہے کہ مجرد لفظ کا بھی اعتبار کیا جائے گا۔اس طرح مجبور کو بھی مذاق کرنے والے پر قیاس کیا جائے گا، کیونکہ دونوں کا مقصود لفظ ہوتا ہے، معنیٰ مراد نہیں ہوتا۔(فتح القدیر:۳۴۴۳)

۳۔حضرت عمرؓ سے مروی ھے:

أربع مبهمات مقفولات لیس فیهن رد :النکاح والطلاق، والعتاق والصدقة (ایضاً)

چار مبہم چیزیں بند کی ہوئی ان میں واپسی نہیں ہوسکتی: نکاح، طلاق، آزادی اور صدقہ

۴۔ایک حدیث حضرت حذیفہؓ اور ان کے والدِ گرامی سے متعلق ہے جب ان دونوں نے مشرکین نے نہ لڑنے کا حلف لیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

نفی لهم بعهدهم ونستعین الله علیهم (صحیح مسلم:۱۷۸۷)۔

ہم ان سے معاہدہ پورا کریں گے اور اللہ سے ان کے خلاف مدد مانگیں گے۔اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ قسم حالت اکراہ اور غیر اکراہ میں برابر ہے۔لہٰذا مجرد لفظ کے ساتھ کسی حکم کی نفی کے لیے اکراہ کو معتبر نہیں مانا جائے گا۔جیسا کہ طلاق۔(فتح القدیر:۳۴۴۳)

۵۔اُن کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ مکلف کی طرف سے ایسے محل میں طلاق ہے، جس کا وہ مالک ہے لہٰذا اس پر غیر مجبور کی طلاق کے

احکام مرتب ہوں گے۔(الھدایۃ :۳۴۴۳)

مجبوری کی طلاق کے غیر معتبر ہونے بعض اہل ظواہر کے دلائل

۱۔حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا :لا طلاق ولا عتاق فی غلاق (مسند احمد:۲۷۶۶)

زبردستی کی کوئی طلاق اور آزادی نہیں ہے۔اور اِکراہ زبردستی میں شامل ہے، کیونکہ مجبور و مکرہ شخص تصرف کا حق کھو بیٹھتا ہے۔

۲۔حضرت علیؓ سے موقوفا روایت ہے:

کل طلاق جائز إلا طلاق المعتوہ والمکرہ(سنن ترمذی :۱۱۹۱)

دیوانے اور مکرہ کے سوا ہر ایک کی طلاق جائز ہے۔

۳۔صحیح بخاری میں حضرت عبداللہؓ بن عباس کا قول ہے:

طلاق السکران والمستکرہ لیس بجائز(صحیح بخاری، ترجمۃ الباب :باب الطلاق فی الغلاق)

مجبوری اور نشے کی حالت میں طلاق جائز نہیں ہے۔

۴۔ثابت بن احنف نے عبدالرحمن بن زید بن خطاب کی اُمّ ولد سے نکاح کرلیا۔ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عبدالرحمن بن زید بن خطاب نے مجھے بلایا۔میں اُن کے ہاں آیا تو وہاں دو غلام کوڑے اور زنجیریں پکڑ کر بیٹھے ہوئے تھے۔اُس نے مجھ سے کہا :تو نے میرے باپ کی اُمّ ولد سے میری رضا کے بغیر نکاح کیا ہے۔میں تجھے موت کے گھاٹ اُتار دوں گا۔پھر کہنے لگا :تو طلاق دیتا ہے یا میں کچھ کروں؟ تو میں نے کہا :ہزار بار طلاق۔میں اس کے ہاں سے نکل کر عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آیا اور سارا ماجرا بیان کیا تو آپ نے فرمایا :یہ طلاق نہیں ہے، اپنی بیوی کے پاس چلا جا۔پھر میں عبداللہ بن زبیر کے پاس آیا تو اُنہوں نے بھی یہی فرمایا۔(موطا امام مالک علیہ الرحمہ، کتاب الطلاق، باب جامع الطلاق :۱۲۴۵)

۵۔چونکہ یہ قول زبردستی منوایا جاتا ہے، اس لیے یہ کوئی تاثیر نہیں رکھتا۔جیسا کہ مجبوری کی حالت میں کلمہ کفر کہنا۔(المغنی:۳۵۱۱۰،زادالمعاد:۲۰۴۵)

نشے کی حالت میں طلاق کے حکم کا بیان

﴿وَطَلَاقُ السَّكْرَانِ وَاقِعٌ(۱)﴾ وَاخْتِيَارُ الْكَرْخِيِّ وَالطَّحَاوِيِّ أَنَّهُ لَا يَقَعُ، وَهُوَ أَحَدُ قَوْلَيْ الشَّافِعِيِّ ؛لِأَنَّ صِحَّةَ الْقَصْدِ بِالْعَقْلِ وَهُوَ زَائِلُ الْعَقْلِ فَصَارَ

كَزَوَالِهٖ بِالْبَنْجِ وَالدَّوَاءِ .وَلَنَا اَنَّهٗ زَالَ ﴿بِسَبَبٍ هُوَ مَعْصِيَةٌ فَجُعِلَ بَاقِيًا حُكْمًا زَجْرًا لَهٗ، حَتّٰى لَوْ شَرِبَ فَصُدِعَ وَزَالَ عَقْلُهٗ بِالصُّدَاعِ نَقُوْلُ اِنَّهٗ لَا يَقَعُ طَلَاقُهٗ﴾

(۱) أخرج ابن أبي شيبة في "مصنفه" أن عمر أجاز طلاق السكران بشهادة نسوة انظر "نصب الراية" ۲۲٤/۳ و "الدراية" ۷۰/۲

ترجمہ

اور نشئی شخص کی دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ امام کرخی اور امام طحاوی نے اس بات کو اختیار کیا ہے: یہ واقع نہیں ہوتی۔ امام شافعی کا ایک قول یہی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے: قصد عقل کے ذریعے درست ہوتا ہے اور اس شخص کی عقل زائل ہو چکی ہے تو یہ بھنگ یا دوا کی دلیل سے عقل کے زائل ہونے کی مانند ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے: اس کی عقل ایک ایسے سبب کی دلیل سے زائل ہوئی ہے جو گناہ ہے لہٰذا حکم کے اعتبار سے اسے باقی رکھا جائے گا تا کہ اس شخص کو نصیحت ہو سکے۔ یہاں تک کہ اگر اس شخص نے شراب پی پھر اس کے سر میں درد ہوا اور اس کی عقل زائل ہوگئی تو ہم یہ کہیں گے: اس کی طلاق واقع نہیں ہوئی۔

حالت نشہ کی طلاق میں فقہی مذاہب اربعہ

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ فقہاء کی اصطلاح میں شراب یا کوئی بھی نشہ آور چیز پی کر اس طرح بدمست ہو جائے کہ مرد و عورت کا امتیاز بھی باقی نہ رہے اور زمین آسمان کا فرق بھی نہ کر سکے۔ اگر شراب یا دوسری حرام چیزیں افیون، بھنگ وغیرہ کے پینے سے عقل زائل ہو جائے اور وہ شخص نشہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو حنفیہ کے نزدیک طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ تابعین میں سے حضرت سعید بن المسیب، حضرت عطاء، حضرت حسن بصری، حضرت ابراہیم نخعی، حضرت ابن سیرین، حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم کا یہی مسلک ہے۔ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ، حضرت اوزاعی، اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم بھی اسی کے قائل ہیں۔۔ البتہ حضرت قاسم بن محمد، حضرت طاؤس، حضرت ربیعہ بن عبدالرحمن، حضرت لیث، حضرت زفر رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کہتے ہیں کہ ایسے شخص کی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، صحابہ کرام میں سے حضرت عثمان غنی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ حنفیہ میں سے حضرت امام طحاوی اور حضرت امام کرخی کے نزدیک بھی ایسے شخص کی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے۔ (فتح القدیر ج ۳، ص ۳۴۵، بیروت۔ البحر الرائق)

غضب کی تعریف

یہ غضب، یغضب غضباً سے مصدر ہے۔ کہا جاتا ہے رجل غضبان او امراۃ غضبی۔ یہ رضا کی ضد ہے۔ (لسان العرب: ۳۶۶۲۵) مطلقاً یہ غصہ اور اشتعال کے لیے بولا جاتا ہے۔

علامہ جرجانی لکھتے ہیں۔

الغضب تغير يحصل عند غليان دم القلب ليحصل عنه التشف

للمصدر (التعریفات: ص ۱۶۲)

دل کے خون کے کھولنے کی دلیل سے جو تغیر ہوتا ہے اس کو غضب کہتے ہیں تاکہ دل کو تسلی ہو سکے۔

غصے کی حالتیں غصے کی تین حالتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

1۔ یہ کہ انسان پر غصہ کی ابتدائی حالت طاری ہو جہاں پر اس کی عقل میں فتور نہ آئے اور جو وہ کہہ رہا ہو اس کو بخوبی جانتا ہو۔ ایسی حالت میں دی گئی طلاق بغیر کسی اشکال کے واقع ہو جائے گی اور وہ اپنے اقوال کا مکلف ہوگا۔ (جامع العلوم والحکم: ص ۱۴۸)

2۔ ایسا غصہ جس میں انسان حواس کھو بیٹھتا ہے۔ اور متکلم کو پتہ نہیں چلتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ تو یہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ابن قیم فرماتے ہیں: وذلك انه لم يعلم صدور الطلاق منه فهو شبه مايكون بالنائم والمجنون ونحوهم (إغاثة اللهفان في حكم طلاق الغضبان: ص ۳۹)

چونکہ وہ طلاق کے صدور کے متعلق نہیں جانتا ہوتا۔ لہٰذا وہ بھی سوئے ہوئے اور پاگل وغیرہ کے مشابہ تصور ہوگا۔

3۔ غصے کی تیسری حالت یہ ہے کہ انسان پر شدید غصہ تو طاری ہو، لیکن ایسا نہ ہو کہ وہ ہوش و حواس ہی کھو بیٹھا ہو۔ اس حالت میں دی گئی طلاق کی تنفیذ اور عدم تنفیذ میں علما کے مابین اختلاف ہے۔ (ایضاً)

غصے کے حالت میں دی گئی طلاق کا حکم

غصے کی حالت میں دی گئی طلاق کے بارے میں دو قسم کی آرا ہیں:

1۔ احناف اور بعض حنابلہ کا موقف ہے کہ غصے کی حالت میں دی گئی طلاق شمار نہیں ہوگی۔ (حاشیہ ابن عابدین: ۴۲۷/۲)

2۔ مالکیہ اور حنابلہ کا خیال ہے کہ غصے کی حالت میں دی گئی طلاق واقع ہو جائے گی اور اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

(حاشیہ الشرح الکبیر: ۳۶۶/۲)

طلاق ثلاثہ میں احناف کے فقہی دلائل

احناف اور ان کے مؤیدین نے درج ذیل ادلہ سے استدلال کیا ہے۔

1۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لا طلاق ولا عتاق فی غلاق (سنن ابوداؤد: ۲۱۹۳) زبردستی کی طلاق اور آزادی نہیں ہے۔ اور زبردستی غصے کو بھی شامل ہے، کیونکہ اس میں دلیل پر بندش لگ جاتی ہے۔

2۔ فرمان عالیشان ہے: لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ (البقرہ: 225)

اللہ تعالیٰ تمہیں ان قسموں پر نہ پکڑے گا جو پختہ نہ ہوں۔

ابن عباسؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: لغو اليمين أن تحلف وأنت غضبان (بیهقی 2450)

لغو قسم یہ ہے کہ آپ غصے کی حالت میں قسم اٹھائیں۔

اسی پر قیاس کرتے ہوئے غصے کی حالت میں دی گئی طلاق کو بھی طلاق شمار نہیں کیا جائے گا۔(طلاق الغضبان : ص۳۴)

3 ۔فرمان الٰھی ھے :وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ ا (الاعراف(200:

اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیجئے۔

متکلم شدید غصے کی حالت میں شیطان کے بہکانے سے طلاق یا اس طرح کے دیگر الفاظ غیر ارادی طور پر بول دیتا ہے۔لہٰذا ایسی حالت میں اس پر طلاق احکام مترتب نہیں ہوں گے۔(طلاق الغضبان: ص ۳۵)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا :إن الغضب من الشیطان (سنن ابوداؤد :۴۷۸۴) غصہ شیطان کی طرف سے ہے۔

4۔عمران بن حصین سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا نذر فی غضب و کفارته کفارة یمین(سنن نسائی: ۳۸۴۲)

غصے کی حالت میں نذر نہیں ہے اور اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔خدا تعالیٰ نے اپنی نذروں کو پورا کرنے والوں کی تعریف کی ہے۔تو جب حالت غضب میں مانی گئی نذر میں رخصت موجود ہے تو طلاق میں یہ رخصت کیوں باقی نہ رکھی جائے۔

(طلاق الغضبان: ص۴۱)

5۔حدیث ابوبکرہ :لا یقض القاض بین اثنین وھو غضبان (سنن ابن ماجہ:۲۳۱۶)

قاضی غصے کی حالت میں دو لوگوں کے مابین فیصلہ نہ کرے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ غصہ علم و ارادہ پر اثر انداز ہوتا ہے اور درست فیصلہ کرنے میں مانع ہوتا ہے۔تو ایسی حالت میں دی گئی طلاق بھی معتبر نہیں ہوگی۔(طلاق الغضبان: ص۴۳)

vi) نشے کی حالت میں دی گئی طلاق کا وقوع نہیں ہوتا کیونکہ متکلم کا طلاق دینے کا ارادہ نہیں ہوتا، یاد رہے کہ غصے کی حالت نشے سے بھی بڑھ کر ہوتی ہے۔(طلاق الغضبان :ص ۴۵)

غیر مقلدین واہل ظواہر کے تنقیدی دلائل

1۔اس سلسلہ میں حضرت عائشہ کی بیان کردہ حدیث اس نزاع سے خارج ہے، کیونکہ اس سے مراد زبردستی ہے۔اور زبردستی محض غصے کا نام نہیں ہے۔ابن قیم فرماتے ہیں :الغلاق السداد باب العلم و القصد علیه (تہذیب السنن:۱۸۷/۶)

غلاق علم و ارادہ کے دروازہ کو بند کرتا ہے۔لہٰذا یہ غصے کی دوسری حالت کو شامل ہے۔جس میں بالاتفاق طلاق واقع نہیں ہوتی۔

2۔حضرت ۔ ۔ ؓ کی طرف منسوب تفسیر صحیح نہیں ہے۔

ابن رجب فرماتے ھیں :لا یصح إسناده(جامع العلوم و الحکم:ص ۱۴۹)

اس کی سند صحیح نہیں ہے۔ اور اسی آیت کی تفسیر میں آپ سے دیگر اقوال بھی بیان کیے گئے ہیں۔ جیسا کہ ابن ابی حاتم نے تفسیر ابن کثیر (۲۶۸/۱) میں سعید بن جبیر کے طریق سے بیان کیا ہے کہ الموتسم وہ ہے جس میں آپ ایسی چیز کو حرام قرار دیں جو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دی ہو۔

ابن رجب فرماتے ہیں :صح عن غیر واحد من الصحابۃ انھم افتوا ان یمین الغضبان منعقدۃ وفیھا الکفارۃ (جامع العلوم والحکم :ص ۱۴۹)

دیگر بہت سے صحابہ کرام نے فتویٰ دیا کہ غصے کی حالت میں اٹھائی گئی قسم کا انعقاد ہوگا اور اس (کو پورا نہ کرنے) پر کفارہ ہوگا۔

3۔ یہ کہنا کہ غصہ کی حالت میں انسان شیطان کی اکسانے پر بول رہا ہوتا ہے۔ لہٰذا اس پر حکم مرتب نہ ہوگا۔ تو ایسا کہنا کسی طور بھی درست نہیں ہے، کیونکہ زیادہ تر گناہوں اور برائیوں کا ظہور تو شیطان کی اکساہٹ اور وساوس ہی کی دلیل سے ہوتا ہے۔ پھر اس کا مطلب تو یہ ہے کہ شیطان کے اکسانے پر کیے جانے والے کسی بھی عمل پر احکام مرتب نہ ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ سراسر خام خیالی ہے۔

4۔ حضرت عمران بن حصین کی بیان کردہ حدیث ضعیف ہے۔

5۔ ابو بکرہ کی حدیث میں ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے قاضی کو حالت غصہ میں فیصلہ نہ کرنے کا پابند کیا ہے۔ یہ قاضی کے مکلف ٹھہرتا ہے پھر یہ بھی ہے کہ قاضی نے تو اپنے علاوہ کسی اور کا فیصلہ کرنا ہوتا ہے جب کہ طلاق دینے والا خود اپنا فیصلہ کر رہا ہوتا ہے اس لیے طلاق دینے والے کو قاضی پر نہیں کیا جاسکتا۔

6۔ اس حالت کو نشہ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ نشہ میں تو انسان اپنے حواس کھو بیٹھتا ہے۔ اور اسے پتہ نہیں ہوتا وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اور یہ غصہ کی دوسری حالت ہے۔ ایسی حالت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (النساء : ۴۳)

اے ایمان والو جب تم نشہ میں مست ہو نماز کے قریب بھی نہ جاؤ۔ جب تک کہ اپنی بات سمجھنے نہ لگو۔

فقہاء مالکیہ وحنابلہ کے دلائل میں بحث ونظر

مالکیہ اور حنابلہ نے درج ذیل دلائل کو سامنے رکھا ہے۔

1۔ خولہ بنت ثعلبہ اوس بن ثابت کی اہلیہ تھیں، ایک روز ان دونوں میں جھگڑا ہو گیا تو اوس بن ثابت نے غصے سے ظہار کر ڈالا۔ حضرت خولہ پریشانی کی حالت میں حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور تمام ماجرا کہا تو اللہ تعالیٰ نے آیت

ظہار نازل فرمائیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ ان کو ظہار کے کفارہ کا حکم دیا۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۳)

2۔اوس بن ثابت نے غصے کی حالت میں ظہار کرنے کے باوجود اس کا کفارہ ادا کیا۔طلاق بھی ظہار ہی کی طرح ہے۔

(جامع العلوم: ص ۱۴۹)

ابن رجب جامع میں فرماتے ہیں۔اوس بن ثابت نے غصے کی حالت میں ظہار کیا تھا پھر بھی رسول اللہ ﷺ نے ظہار کو طلاق شمار کیا اوران کی بیوی کو ان پر حرام قرار دیا۔اور جب اللہ تعالیٰ نے ظہار کا کفارہ لازم کیا تو آپ ﷺ نے اوس بن ثابت کو کفارہ سے بری قرار نہیں دیا۔(ص:۱۴۹) ان احادیث پر یہ اعتراض وارد کیا جاسکتا ہے کہ یہ غصے کی ابتدائی حالت سے متعلق ہے اوراس سے غصے کی پہلی قسم مراد ہے۔اس کے جواب میں عرض ہے کہ یہ حدیث مطلق طور پر عمومی غضب سے متعلق ہے اوراس میں کسی قسم کی کوئی تفصیل نہیں اور احتمالی جگہ پر تفصیل کو چھوڑ دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کو عموم پر محمول کیا جائے۔اس میں اگرچہ غصہ کی تینوں حالتیں اور ہر غصے کی حالت میں دی گئی طلاق لازم ہوگی۔لیکن اجماع امت سے وہ حالت اس سے نکل گئی جب غصہ انتہاء کو پہنچ جاتا ہے۔اس طرح اس حدیث میں دوسری دونوں قسمیں شامل ہوں گی۔

3۔مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے ابن عباس سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو غصے کی حالت میں تین طلاقیں دے دی ہیں۔تو ابن عباس نے فرمایا: میں اپنے آپ میں اس قدر جرات نہیں پاتا کہ تیرے لیے وہ حلال کردوں جو اللہ تعالیٰ نے حرام کردیا ہے۔تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی ہے اوراپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کرلیا ہے۔(دارقطنی: ۱۳/۴)

4۔حسن کا قول ہے: سُنی طلاق یہ ہے کہ آدمی طہر کی حالت میں ایک طلاق دے جس میں جماع نہ کیا ہو۔ایسی صورت میں اس کے بعد تیسرے حیض تک اسے اختیار حاصل ہوگا کہ وہ رجوع کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔اگر آدمی نے غصے میں طلاق دی ہے تو تین حیض یا تین مہینے میں اس کا غصہ کافور ہوسکتا ہے۔(جامع العلوم والحکم : ص ۱۴۹)

منکرین اصول کا اصول فقہ سے استدلال

عام طور پر غیر مقلدین فقہ واصول فقہ کا نام سن کر جل جاتے ہیں لیکن طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں جب پھنس گئے تو انہیں بھی جواب دینے کیلئے فقہی قواعد یاد آگئے اور مشہور چوتھے فقہی مذہب حنبلی کا سہارا لیکر جان چھڑا رہے ہیں قارئین ملاحظہ فرمائیں۔

دلالة الأقوال تختلف بها دلالة الأقول في قبول دعوى ما يوافقها ورد ما يخالفها وتترتب عليها الأحكام بمجردها (القواعد لابن رجب :ص ۳۲۲)

دعویٰ کو قبول کرنے میں احوال کی حالت اقوال سے مختلف ہوتی ہے۔احوال پر احکام مرتب ہوں گے چاہے اقوال احوال کے مخالف ہوں یا موافق۔ابن رجب فرماتے ہیں :اس قاعدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ لڑائی جھگڑے اور غصے کی حالت میں دی گئی طلاق شمار ہوگی اورکسی کا یہ دعویٰ کہ طلاق کا ارادہ نہ تھا، قابل قبول نہ ہوگا۔

کہ طلاق ہو جائے گی۔

.2 دوسرا درجہ یہ ہے کہ غصہ انتہا کو پہنچ جائے اسے پتہ نہ چلے کہ کیا کہتا ہے اور کیا ارادہ ہے اس صورت میں بلاشبہ اس کا کوئی عمل نافذ نہ ہوگا۔

.3 تیسرا درجہ یہ ہے کہ دونوں کے درمیان ہو کہ انسان پاگل کی طرح نہ ہو جائے یہ قابل غور ہے دلائل کی روشنی میں اس صورت میں بھی اس کی کسی بات کا اعتبار نہ ہوگا۔

(ابن عابدین، ردالمحتار، 244 : 3، دارلفکر للطباعۃ والنشر، بیروت، سن اشاعت 1421ھ)

.1 مایزیل العقل فلایشعر صاحبه بماقال وهذالایقع طلاقه بلانزاع.

.2 مایکون فی مبادیة بحیث لایمنع صاحبه من تصورمایقول وقصده فهذایقع طلاقه.

.3 أن یستحکم ویشتد به فلا یزیل عقله بالکلیة ولکن یحول بینه و بین نیته بحیث یندم علی ما فرط منه اذا زال فهذا محل نظر و عدم الوقوع فی هذه الحالة قوی متجه.

.1 ایک یہ کہ غصہ اتنا زیادہ ہو کہ عقل انسانی قائم نہ رہے اور پتہ ہی نہ ہو کہ اس نے کیا کہا اس صورت میں بلا اختلاف تمام فقہاء کے نزدیک طلاق واقع نہیں ہوتی۔

.2 دوسرا غصہ ابتدائی درجہ کا ہے کہ انسان جو کہہ رہا ہوتا ہے وہ پوری طرح سمجھتا ہے اس میں طلاق ہو جاتی ہے۔

.3 تیسرا درمیانہ درجہ کا غصہ ہے جو سخت ہوتا ہے اور وہ انسان کی عقل پر غالب آ جاتا ہے مگر انسانی عقل قائم رہتی ہے لیکن دل کی نیت وارادہ کے بغیر محض شدت غصہ سے طلاق سرزد ہو جاتی ہے، وہ اپنے آپ پر قابو نہیں پا رہا ہوتا پھر طلاق سرزد ہونے کے بعد نادم ہوتا ہے۔ افسوس کرتا ہے۔ یہ صورت غور طلب ہے۔ اس حالت میں قوی اور معقول بات یہ ہے کہ طلاق نہ ہوگی۔

(ابن قیم، زاد المعاد، 215 : 5، مؤسسة الرسالة، مکتبة المنار، بیروت الکویت، سن اشاعت، 1407ھ)

علامہ شامی مزید فرماتے ھیں :الجنون فنون .(جنون کئی قسم کاھوتاھے ((ابن عابدین، ردالمحتار، 244 : 3، دار لفکر للطباعة والنشر، بیروت، سن اشاعت 1421ھ)

معلوم ہوا جو شدید غصہ میں ہو وہ ایک قسم کے وقتی مرض میں مبتلا ہوتا ہے، قرآن کریم میں مریض کے بارے میں ہے :

وَلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ. اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے .النور، 61 : 24

مفسرین کرام اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :فالحرج مرفوع عنهم في هذا.

جو مریض لوگ ہیں مرض کی حالت میں ان سے حرج وتنگی اور گرفت اٹھالی گئی ہے۔

.1عبدالرحمن بن محمد، تفسیر الثعالبی، 127 : 3، مؤسسة الأعلمی للمطبوعات بیروت .2قرطبی، جامع لاحکام القرآن، 313 : 12، دارالشعب، القاهره .3ابو محمد عبدالحق بن غالب عطية الأندلسي، المحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز، 195 : 4، دار الكتب العلمية، لبنان، سن اشاعت 1413ھ

مزید علامہ قرطبی بیان کرتے ہیں :فبینت هذه الأية انه لا حرج على المعذورين. اس آیت مبارکہ نے بیان کر دیا کہ معذور لوگوں پر کوئی گرفت نہیں ہے .قرطبی، جامع لاحکام القرآن، 313 : 12، دار الشعب، القاهره

دوسری آیت کریمہ ہے :وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (الحج، 78 : 22)

اس (اللہ تعالیٰ) نے تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی۔امام ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا : حرج کا مطلب ہے تنگی۔

ان کے شاگرد مجاهد فرماتے ہیں :ويحتج به في كل ما اختلف فيه من الحوادث ان ما ادى الى الضيق فهو منفي وما اوجب التوسعة فهو اولى.

اس آیت کریمہ سے مختلف حوادث وواقعات میں یہ دلیل پکڑی جاسکتی ہے کہ جو حکم تنگی پیدا کرے اس کا وجود نہیں اور جو فراخی و آسانی پیدا کرے وہی بہتر ہے۔

آیت کریمہ کا مطلب ہے کہ دین میں کوئی ایسی تنگی نہیں جس سے چھٹکارے کا راستہ نہ ہو .جصاصؒ، احکام القرآن، 251 : 3، طبع لاہور

امام رازی فرماتے ہیں :الضيق تنگی امام رازی، تفسیر الکبیر، 73 : 23، طبع طهران

امام قاضی بیضاوی فرماتے ہیں :ضيق بتكليف مايشتد القيام به عليكم .تنگی!

ایسی تکلیف کیا حکم دیگر جس پر قائم رہنا تم پر سخت ہو۔ بیضاوی، انوار التنزیل و اسرار التاویل، 50 : 2، طبع مصر محمود آلوسی، روح المعانی، 17 : 190، طبع تہران، ایران

حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

رفع القلم عن ثلاثة عن المجنون المغلوب على عقله وعن النائم حتى يستيقظ وعن الصبي حتى يحتلم.

تین قسم کے لوگوں پر قانون لاگو نہیں ہوتا مجنون جس کی عقل پر غصہ غالب ہو، سونے والا جب تک بیدار نہ ہو جائے اور بچہ جب تک بالغ نہ ہو جائے۔

1. حاکم، المستدرک، 68 : 2، رقم 2351، دار الکتب العلمیة، بیروت، سن اشاعت 1411ھ. 2. ابن حبان، الصحیح، 356 : 1، رقم 143، مؤسسة الرسالة، بیروت، سن اشاعت 1414ھ. 3. ابن خزیمة، الصحیح، 348 : 4، رقم 3048، المکتب الاسلامی، بیروت، سن اشاعت 1390ھ. 4. نسائی، السنن الکبری، 323 : 4، رقم 7343، دار الکتب العلمیة، بیروت، سن اشاعت 1411ھ. 5. ابو داؤد، السنن، 140 : 4، رقم 4401، دار الفکر. 6. دار قطنی، السنن، 138 : 3، رقم 173، دار المعرفة، بیروت، سن اشاعت 1386ھ. 7. ھندی، کنز العمال، 98 : 4، رقم 10309، دار الکتب العلمیة، بیروت، سن اشاعت 1419ھ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتى يستيقظ وعن الغلام حتى يحتلم وعن المجنون حتى يفيق.

تین قسم کے لوگوں پر قانون لاگو نہیں ہوتا سونے والا جب تک بیدار نہ ہو جائے، بچہ جب تک بالغ نہ ہو جائے اور مجنوں جب تک سمجھدار نہ ہو جائے۔

1. ابن حبان، الصحیح، 355 : 1، رقم 142، مؤسسة الرسالة، بیروت، سن اشاعت 1414ھ. 2. ابو داؤد، السنن، 141 : 4، رقم 4403، دار الفکر. 3. بیھقی، السنن الکبری، 83 : 3، رقم 4868، مکتبة دار الباز مکة المکرمة، سن اشاعت 1414ھ

امام نسائی اور ابن ماجہ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا کی روایت کو چند الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ بیان کیا ہے:

رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتى يستيقظ وعن الصغير حتى يكبر وعن المجنون حتى يعقل أو يفيق.

تین قسم کے لوگوں پر قانون لاگو نہیں ہوتا سونے والا جب تک بیدار نہ ہو جائے، چھوٹا (بچہ) جب تک بڑا (بالغ) نہ ہو جائے اور مجنون جب تک عقل مند یعنی سمجھدار نہ ہو جائے۔

.1نسائی، السنن الکبری، 323 : 4، رقم 7343، دار الکتب العلمیة، بیروت، سن اشاعت 1411ھ.2ابن ماجه، السنن، 658 : 1، رقم 2041، دار الفکر، بیروت،

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

لا طلاق و لا عتاق في اغلاق.

شدید غصہ میں نہ طلاق ہے نہ ہی غلام آزاد کرنا۔

.1حاکم، المستدرک، 216 : 2، رقم 2802، دار الکتب العلمیة، بیروت، سن اشاعت 1411ھ

.2ابو داؤد، السنن، 258 : 1، رقم 2193، دار الفکر

.3ابن ماجه، السنن، 660 : 1، رقم 2046، دار الفکر، بیروت

.4بیهقی، السنن، 357 : 7، رقم 14874، مکتبة دار الباز مکة المکرمة، سن اشاعت 1414ھ

.5دار قطنی، السنن، 36 : 4، رقم 99، دار المعرفة، بیروت، سن اشاعت 1386ھ

.6ابن ابی شیبه، المصنف، 73 : 4، رقم 18038، مکتبة الرشد الریاض، سن اشاعت 1409ھ

.7ابو یعلی، المسند، 421 : 7، رقم 4444، دار المأمون للتراث دمشق، سن اشاعت 1404ھ

.8احمد بن حنبل، المسند، 276 : 6، رقم 26403، مؤسسة قرطبه، مصر

.9شامیین، المسند، 287 : 1، رقم 500، مؤسسة الرسالة، بیروت، سن اشاعت 1405ھ علامه عینی عمدة القاری میں اور عبدالله بن یوسف الزیلعی نصب الرایه (شرح هدایه) میں لکھتے ہیں

قال أبو داؤد الغلاق أظنه الغضب

امام ابو داؤد نے کہا میرے خیال میں اغلاق کا معنی غصہ ہے

.1عینی، عمدة القاری، 250 : 20، دار احیاء التراث العربی، بیروت

.2عبدالله بن یوسف، نصب الرایة، 223 : 3، دار الحدیث، مصر، سن اشاعت 1357ھ

محمد بن ابی بکر ایوب الزرعی المعروف بابن القیم الجوزی الدمشقی متوفی 157ھ بھی اغلاق کا معنی غصہ ہی بیان کرتے ہیں

محمدبن ابی بکر، زادالمعاد، 214 : 5، مؤسسۃالرسالۃ مکتبۃالمنار، بیروت الکویت، سن اشاعت1407ھ

ایک اورحدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

كل طلاق جائز الاطلاق المعتوه.

ہر طلاق نافذ ہوتی ہے سوائے مدہوش کی (دی ہوئی) طلاق کے۔

.1ابن انی شیبہ، المصنف، 72 : 4، رقم17912، 17914، مکتبۃ الرشدالریاض، سن اشاعت1409ھ

.2عبدالرزاق، المصنف، 409 : 6، رقم11415، المکتب الاسلامی، بیروت

.3علی بن جعد، المسند، 120 : 1، رقم 742، مؤسسۃنادر، بیروت، سن اشاعت1410ھ

كل طلاق جائز الاطلاق المعتوه والمغلوب على عقله.

ہر طلاق نافذ ہوتی ہے سوائے مدہوش کی (دی ہوئی) طلاق کے جس کی عقل پر غصہ غالب ہو۔

.1ترمذی، السنن، 496 : 3، رقم1191، داراحیاء التراث العربی، بیروت

.2ھندی، کنزالعمال، 278 : 9، 27771، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، سن اشاعت1419ھ

فقہائے کرام کے نزدیک شدید غصہ میں دی جانے والی طلاق کی حیثیت درج ذیل ہے۔

أرادبالجنون من في عقله اختلال، فيدخل المعتوه وأحسن الأقوال في الفرق بينهما أن المعتوه هو القليل الفهم المختلط الكلام الفاسدالتدبيرلكن لايضرب ولايشتم بخلاف الجنون ويدخل المبرسم والمغمى عليه والمدهوش.

جنون (پاگل پن) کامطلب ہے کسی کی عقل میں خرابی وخلل آنا، اس میں معتوہ شامل ہے، دونوں میں فرق کرنے میں بہترین قول یہ ہے کہ معتوہ کامطلب ہے کم فہم، جس کی گفتگو میں غلط اورصحیح خلط ملط ہولیکن معتوہ (مغلوب الغضب) نہ مارتا ہے نہ گالی گلوچ بکتا ہے، بخلاف مجنوں (پاگل) کے اس میں سرسام والا، بیہوش اور مدہوش داخل ہیں۔

ابن نجیم الحنفی، البحرالرائق، 268 : 3، دارالمعرفۃ، بیروت

فالذی ینبغی التعویل علیه فی المدهوش ونحوه اناطة الحکم بغلبة الخلل فی اقواله وافعاله الخارجة عن عادته، وکذایقال فیمن اختل عقله لکبراولمرض اولمصیبة فاجاته فمادام فی حال غلبة الخلل فی الاقوال والافعال لاتعتبراقواله وان کان یعلمهاویریدهالأن هذه المعرفة والارادةغیر معتبرة لعدم حصولهاعن ادراک صحیح کمالاتعتبرمن الصبی العاقل.

مدہوش وغیرہ کی قابل اعتماد بات یہ ہے کہ اس صورت میں حکم شرعی کا مدار اس کے اقوال وافعال میں عادت سے ہٹ کر اور اس کے خلاف بیہودگی وخرابی پائی جانے سے ہے یوں جس کی عقل میں بڑھاپے، بیماری اور کسی اچانک مصیبت کی بناپر خلل آجائے تو اس کے اقوال وافعال جب تک یہ کیفیت غالب رہے گی، اس کی باتوں کا اعتبار نہ ہوگا۔ اگر چہ ان کو جانتا ہو اور ان کا ارادہ کرے کہ یہ جاننا اور ارادہ کرنا معتبر نہیں اس لیے کہ ادراک صحیح سے حاصل نہیں ہوا جیسے عقلمند بچے کی بات کا اعتبار نہیں۔

.1ابن عابدین، ردالمحتار، 244 : 3، دارلفکر للطباعةوالنشر، بیروت، سن اشاعت 1421ھ.2عالمگیری 353 : 1، طبع کوئٹه.3الکاسانی، بدائع الصنائع، 3 :1004. هدایه مع فتح القدیر، 343 : 3، طبع سکھر

عبدالرحمن الجزری الفقه علی المذاهب الاربعتمیں لکھتے هیں والتحقیق عندالحنفیةأن الغضبان الذی یخرجه غضبه عن طبیعته و عادته بحیث یغلب الهذیان علی أقواله وأفعاله فأن طلاقه لایقع، وان کان یعلم مایقول ویقصده لأنه یکون فی حالةیتغیر فیهاادراکه، فلایکون قصده مبنیاعلی ادراک صحیح، فیکون کالمجنون، لان المجنون لایلزم أن یکون دائمافی حالةلایعلم معهامایقول :فقدیتکلم فی کثیرمن الأحیان بکلام معقول، ثم لم یلبث أن یهذی.

حنفیہ کے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ وہ غصہ والا شخص جسے اس کا غصہ اس کی طبیعت اور عادت سے اس طرح باہر کردے کہ اس کی باتوں اور اس کے کاموں پر بے مقصدیت غالب آجائے اس کی طلاق واقع نہ ہوگی، اگر چہ وہ جانتا ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور ارادہ سے ہی کہتا ہو کیونکہ وہ ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ جس میں اس کا ادراک یعنی سوجھ بوجھ میں تغیر اور تبدیلی آجاتی ہے لہٰذا اس کا قصد وارادہ صحیح شعور وصحیح ادراک پر مبنی نہیں ہوتا، پس وہ (مجنوں و دیوانہ تو نہیں ہوتا لیکن وقتی طور پر) مجنوں کی طرح ہو جاتا ہے، کیونکہ ضروری نہیں کہ مجنوں ہمیشہ ایسی حالت میں رہے کہ جو کہے اسے اس کا پتہ نہ ہو بلکہ بعض اوقات میں وہ معقول (عقل مندوں کی

طرح) باتیں کرتا ہے، پھراوٹ پٹانگ مارنا شروع کردیتا ہے۔

عبد الرحمن الجزیری، کتاب الفقه علی المذاهب الأربعة، 295-294 : 4، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان

شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں: غضب اگر واقعی اس درجہ شدت پر ہو کہ حد جنون تک پہنچادے تو طلاق نہ ہوگی۔

امام احمد رضا، فتاوی رضویه، 378 : 12، مسئله 146 :

امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ کے خلیفہ وتلمیذ خاص علامہ امجد علی اعظمی مرحوم اپنی شہرہ آفاق کتاب میں لکھتے ہیں:

یونہی اگر غصہ اس حد کا ہو کہ عقل جاتی رہے تو (طلاق) واقع نہ ہوگی۔

امجد علی، بهار شریعت، 7 : 8، طبع لاهور

صورت مسئولہ میں آپ کے بقول طلاق کے وقت آپ غصہ کی ایسی کیفیت میں تھے جس میں انسان کو اپنے اوپر کنٹرول نہیں رہتا، لہٰذا ایسی کیفیت میں طلاق نہیں ہوتی، آپ پہلے کی طرح اپنی ازدواجی زندگی گزار سکتے ہیں۔

واللہ و رسولہ اعلم بالصواب مفتی: عبدالقیوم ہزاروی تاریخ اشاعت:

2012-01-13

گونگے شخص کی اشارے کے ذریعے دی گئی طلاق واقع ہوجاتی ہے

﴿وَطَلَاقُ الْاَخْرَسِ وَاقِعٌ بِالْإِشَارَةِ﴾ لِأَنَّهَا صَارَتْ مَعْهُودَةً فَأُقِيمَتْ مَقَامَ الْعِبَارَةِ دَفْعًا لِلْحَاجَةِ، وَسَتَأْتِيكَ وُجُوهُهُ فِي آخِرِ الْكِتَابِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ

گونگے شخص کی طلاق اشارے کے ذریعے واقع ہوجاتی ہے' کیونکہ ایسے اشارات عام متعارف ہیں' لہٰذا یہ عبارت کے قائم مقام ہوں گے تاکہ ضرورت کو پورا کیا جاسکے۔ عنقریب اس کتاب کے آخر میں اس کی مختلف صورتیں آپ کے سامنے آئیں گی۔ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔

گونگے کے اشارے یا کتابت سے وقوع طلاق میں مذاہب اربعہ

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: طلاق کے الفاظ کے بغیر صرف دو جگہوں پر طلاق واقع ہوگی ایک تو یہ کہ جو شخص کلام کی استطاعت نہ رکھتا ہو، مثلاً گونگا جب اشارہ سے طلاق دے دے تو اس کی بیوی کو طلاق ہوجائیگی، امام مالک علیہ الرحمہ، امام

شافعی اور اصحاب الدلیل کا یہی قول ہے، ان کے علاوہ ہم کسی کا اختلاف نہیں جانتے۔

دوسری جگہ: جب طلاق کے الفاظ لکھے اگر تو اس نے طلاق کی نیت کی تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائیگی، امام شعبی، زہری، حکم، اور امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ، امام مالک علیہ الرحمہ کا یہی قول ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ سے بیان کردہ ہے ... طلاق کی نیت کیے بغیر طلاق لکھتا تو بعض علماء کرام جن میں شعبی نخعی اور زہری حکم شامل ہیں کہتے ہیں کہ طلاق واقع ہو جائیگی، اور دوسرا قول یہ ہے کہ نیت کے بغیر طلاق واقع نہیں ہوگی، امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ، امام مالک علیہ الرحمہ کا یہی قول ہے، شافعی سے منصوص ہے؛ کیونکہ کتابت میں احتمال پایا جاتا ہے، کیونکہ اس سے قلم کا تجربہ بھی ہو سکتا ہے، اور یہ خوشخطی ... ہے، اور بغیر نیت کے گھر والوں کے غم کے لیے بھی۔ (المغنی ابن قدامہ (7 / 373)).

اور مطالب اولی النہی میں درج ہے: "اگر طلاق لکھنے والا کہے کہ میں نے تو یہ کلمات خوشخطی کے لیے لکھے تھے، یا ... میں اپنے گھر والوں کو پریشان کرنا چاہتا تھا، تو اس کی بات قبول کی جائیگی؛ کیونکہ وہ اپنی نیت کو زیادہ جانتا ہے، اور اس نے ... تھی طلاق کے علاوہ کسی اور چیز کی بھی محتمل ہے۔

جب وہ اپنی بیوی کو پریشان کرنا چاہتا ہو اور حقیقت میں نہیں بلکہ طلاق کا وہم دلانا چاہتا ہو تو اس سے طلاق کی نیت والا نہیں بن جائیگا۔ (مطالب اولی النہی (5 / 346)).

باندی کیلئے دو طلاق کا بیان

﴿طَلَاقُ الْأَمَةِ ثِنْتَانِ حُرًّا كَانَ زَوْجُهَا أَوْ عَبْدًا، وَطَلَاقُ الْحُرَّةِ ثَلَاثٌ حُرًّا كَانَ زَوْجُهَا أَوْ عَبْدًا﴾ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: عَدَدُ الطَّلَاقِ مُعْتَبَرٌ بِحَالِ الرِّجَالِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ﴿الطَّلَاقُ بِالرِّجَالِ وَالْعِدَّةُ بِالنِّسَاءِ (۱)﴾ وَلِأَنَّ صِفَةَ الْمَالِكِيَّةِ كَرَامَةٌ وَالْآدَمِيَّةُ مُسْتَدْعِيَةٌ لَهَا، وَمَعْنَى الْآدَمِيَّةِ فِي الْحُرِّ أَكْمَلُ فَكَانَتْ مَالِكِيَّتُهُ أَبْلَغَ وَأَكْثَرَ. وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ﴿طَلَاقُ الْأَمَةِ ثِنْتَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ (۲)﴾ وَلِأَنَّ حِلَّ الْمَحَلِّيَّةِ نِعْمَةٌ فِي حَقِّهَا، وَلِلرِّقِّ أَثَرٌ فِي تَنْصِيفِ النِّعَمِ إلَّا أَنَّ الْعُقْدَةَ لَا تَتَجَزَّأُ فَتَكَامَلَتْ عُقْدَتَانِ، وَتَأْوِيلُ مَا رُوِيَ أَنَّ الْإِيقَاعَ بِالرِّجَالِ

(۱) لم يجده مخرجو "الهداية" مرفوعاً، و إنما أخرجه ابن أبي شيبة بإسناد صحيح عن ابن عباس، والطبراني ... و في سنده متروك كما في "المجمع" ۳۳٦/٤ و أخرجه مالك في "الموطا" ص ۲۰۹ عن ابن عمر بمعناه انظر "نصب الراية" ۳/۲۲۵ و "الدراية" ۷۰/۲

(۲) أخرجه الدارمي في "السنن" ... وأبو داود في "السنن" ۲۹/۲ برقم (۲۱۸۹) والترمذي في "جامعه" ... (۱۱۸۲) وابن ماجه في "سننه" ۶۷۲/۱ برقم (۲۰۸۰) والحاكم في "المستدرك" ۲/۲۰۵ وصححه الذهبي۔

ترجمہ

اور باندی کو دو طلاقیں دی جاتی ہیں' خواہ اس کا شوہر آزاد شخص ہو یا غلام ہو'اور آزاد عورت کو تین طلاقیں دی جاتی ہیں خواہ اس کا شوہر آزاد شخص ہو یا غلام ہو۔ حضرت امام شافعی فرماتے ہیں: طلاق کی تعداد میں مرد کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا'اس کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: ''طلاق مردوں کے حساب سے ہوتی ہے اور عدت عورتوں کے حساب سے ہوتی ہے''۔ (اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے) مالک ہونا ایک اعزاز ہے اور آدمیت اس کا تقاضا کرتی ہے اور آزاد شخص میں آدمیت کا مفہوم زیادہ کامل طور پر پایا جاتا ہے' لہٰذا اس میں مالک ہونے کا مفہوم زیادہ اور بلیغ ہوگا۔ ہماری دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: ''کنیز کی طلاقیں دو ہوتی ہیں اس کی عدت دو حیض ہوتی ہے''۔ ایک دلیل یہ ہے: محلیت کا حلال ہونا اس کے حق میں ایک نعمت ہے اور غلام ہونا نعمتوں کے نصف کرنے میں اثر انداز ہوتا ہے' تاہم کیونکہ عقدہ کو حصوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا لہٰذا دو مکمل عقدے (اس کے حق میں لازم ہوں گے)۔ وہ روایت (جو امام شافعی کی طرف سے) نقل کی گئی ہے' اس کی تاویل یہ ہوگی: طلاق دینے کا اختیار مردوں کو ہوتا ہے۔

باندی کیلئے دو طلاق ہونے میں فقہی مذاہب اربعہ

علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں۔ حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لونڈی کی طلاق دو طلاقیں ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہے۔ محمد بن یحیی کہتے ہیں کہ ہم کو اس حدیث کی خبر ابو عاصم نے دی اور انہوں نے مظاہر سے روایت کی اس باب میں عبداللہ بن عمر سے بھی روایت ہے حدیث عائشہ غریب ہے ہم اسے صرف مظاہر بن اسلم کی روایت سے مرفوع جانتے ہیں اور ان کی اس کے علاوہ کوئی حدیث نہیں۔ علماء صحابہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کا اسی حدیث پر عمل ہے سفیان، ثوری، شافعی، احمد، اور اسحاق کا بھی قول ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1192)

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا باندی کی طلاقیں دو ہیں اور اس کے قرو دو حیض ہیں ابو عاصم کہتے ہیں کہ مظاہر نے حدیث قاسم حضرت عائشہ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی طرح روایت کیا مگر اس میں (بجائے قروھا حیضتان کے) وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ ہے ابوداؤد نے کہا یہ حدیث مجہول ہے۔ سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 426

امام ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن جزیر اور ابن منذر نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے خاوند والی عورت تجھ پر حرام ہے لیکن جسے تو اپنے مال سے خریدے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ لونڈی کو بیچنا اسکی طلاق ہے۔ (تفسیر در منثور)۔

امام ابن جریر نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ جب لونڈی کو بیچ دیا جائے جبکہ اس کا خاوند بھی ہو تو اس کا آقا اس کے بضعہ (وطی کا محل) کا زیادہ حقدار ہے۔ (تفسیر طبری، روایت 7139)

امام ابن جریر طبری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے لونڈی کی طلاق کی چھ صورتیں ہیں (مالک کا

اس کو بیچنا اسکی طلاق ہے، اسکو آزاد کرنا اسکی طلاق ہے، (مالک کا) اس کو (اپنے باپ یا بھائی کو) ہبہ کرنا (تحفتاً دے دینا) اسکی طلاق ہے، اس کی برات اس کی طلاق ہے، اس کے خاوند کی طلاق اس کو طلاق ہے۔ (تفسیر طبری روایت، 7135)۔

باندی کی دو طلاقوں میں شوافع واحناف کا اختلاف

امام شافعی اس بات کے قائل ہیں۔ طلاق میں مرد کی حیثیت کا اعتبار کیا جائے گا' یعنی اگر مرد آزاد ہوگا تو اسے تین طلاقیں دینے کا اختیار ہوگا اور اگر وہ غلام ہوگا تو اسے دو طلاقیں دینے کا اختیار ہوگا۔

امام شافعی نے اپنے مؤقف کی تائید میں نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان پیش کیا ہے۔ ''طلاق کا تعلق مردوں سے ہے' اور عدت کا تعلق خواتین سے ہے''۔ امام شافعی نے عقلی دلیل یہ پیش کی ہے۔ مالک ہونا ایک خوبی ہے جو انسان کے ساتھ مخصوص ہے' اور آزاد شخص میں یہ مفہوم مکمل طور پر پایا جاتا ہے اسی لئے (طلاق کا) مالک ہونا بھی اسی میں کامل طور پر پایا جائے گا اور وہ تین طلاقیں دینے کا حق ہے' اس کے برعکس غلام میں ملکیت کا عنصر کم ہوتا ہے اس لئے وہ کم طلاقوں کا مالک ہوگا۔

احناف یہ دلیل پیش کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کنیز کو دو طلاقیں ہوں گی اور اس کی عدت دو حیض ہے''۔ اس کی عقلی دلیل یہ ہے: محل کا حلال ہونا عورت کے حق میں نعمت ہے' اور غلام ہونا نعمت کو نصف کر دیتا ہے۔ البتہ کیونکہ طلاق کو اجزاء میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا' اس لئے پوری دو طلاقیں ہوں گی۔ امام شافعی نے جو اپنے مؤقف کی تائید میں حدیث پیش کی تھی' اس کا جواب یہ ہے: طلاق دینے کا حق مردوں کو حاصل ہے۔ اگر امام شافعی کے مؤقف کو درست تسلیم کر لیا جائے کہ طلاق کی تعداد میں مرد کی حیثیت کا اعتبار کیا جائے گا' تو پھر ان کے پاس اس حدیث کا کوئی جواب نہیں ہوگا' جو احناف نے اپنے مؤقف کی تائید میں پیش کی ہے۔ ''کنیز کو دو طلاقیں ہوں گی اور اس کی عدت دو حیض ہے''۔

ہنسی مزاق کی طلاق

ھازل وہ شخص ہے جو اپنی بات سے حقیقی معنی اور مفہوم مراد نہ لے۔ تو اگر کسی شخص نے ہنسی مزاق کے طور پر اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور طلاق دینے کا معنی مراد نہ لیا ہو۔ تو بھی اس شخص کی طلاق واقع ہو جائے گی۔ کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہنسی مزاق کے طور پہ اپنی بیوی کو طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے مگر یہ بالکل غلط ہے حدیث پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ

ثلاث جدھن جد و ھزلھن جد، النکاح والعتاق والطلاق ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن کو ہنسی کے طور پر کرنا۔ اور واقعی طور پر کرنا دونوں برابر ہیں۔ (۱) نکاح (۲) عتاق یعنی غلام آزاد کرنا (۳) طلاق ۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں یہ الفاظ منقول ہیں:

ثلاث جد ھن جد وھزلھن جد النکاح والطلاق والرجعۃ : یعنی تین چیزیں ایسی ہیں جن کو قصداً کہنا اور ہنسی مزاق کے طور پہ کہنا برابر ہے (۱) نکاح (۲) طلاق (۳) رجعت ۔ (سنن ابو دود، کتاب طلاق)

ان تین چیزوں میں حکم شرعی یہ ہے کہ اس لفظ کے اصل معنی کے مطابق اثر ہوگا اب دو مرد و عورت اگر بلا قصد ہنسی مزاق میں گواہوں کے سامنے نکاح کا ایجاب وقبول کرلیں تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔ اسی طرح بلا قصد و نیت ہنسی مزاق میں صریح طور پر طلاق دے دیں تو طلاق واقع ہو جاتی ہے ایسے ہی اپنے کسی غلام کو ہنسی مزاق میں آزاد کر دے تو غلام آزاد ہو جائے گا ہنسی مزاق کوئی عزر نہیں مانا جاتا۔

اگر شوہر غلام ہو تو طلاق دینے کا حق اُسے ہی حاصل ہوگا

﴿وَاِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ امْرَاَةً﴾ بِاِذْنِ مَوْلَاهُ وَطَلَّقَهَا ﴿وَقَعَ طَلَاقُهُ وَلَا يَقَعُ طَلَاقُ مَوْلَاهُ عَلٰى امْرَاَتِهِ﴾ ، لِاَنَّ مِلْكَ النِّكَاحِ حَقُّ الْعَبْدِ فَيَكُوْنُ الْاِسْقَاطُ اِلَيْهِ دُوْنَ الْمَوْلٰى

ترجمہ

اور جب کوئی غلام اپنے آقا کی اجازت کے ساتھ کسی عورت کے ساتھ شادی کرلے اور پھر اس عورت کو طلاق دیدے تو اس عورت کو طلاق واقع ہو جائے گی لیکن اگر اس کا آقا اس غلام کی بیوی کو طلاق دیدے تو یہ واقع نہیں ہوگی کیونکہ نکاح کی ملکیت غلام کا حق ہے لہذا یہ ساقط بھی غلام کی طرف سے ہوگا آقا کی طرف سے نہیں ہوگا۔

غلام کے حق طلاق کے ثبوت میں احادیث

شادی کرنے کے بعد طلاق کا حق صرف اور صرف غلام کو ہی دیا گیا۔ کسی مالک کو اس بات کی اجازت نہیں دی گئی کہ وہ اپنے غلام کو اپنی بیوی کو طلاق دینے پر مجبور کرے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں یہی عمل تھا۔

وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ :أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ :مَنْ أَذِنَ لِعَبْدِهِ أَنْ يَنْكِحَ، فَالطَّلَاقُ بِيَدِ الْعَبْدِ، لَيْسَ بِيَدِ غَيْرِهِ مِنْ طَلَاقِهِ شَيْءٌ" . (موطاء مالك، كتاب الطلاق، حديث (1676) . (ابن ماجه، كتاب الطلاق، حديث (2081)

حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے، "جس نے اپنے غلام کو شادی کرنے کی اجازت دے دی، تو اب طلاق کا معاملہ غلام کے ہاتھ ہی میں ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور کو طلاق کے معاملے میں کوئی اختیار نہیں۔"

حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا، "یا رسول اللہ! ﷺ میرے آقا نے میری شادی اپنی ایک لونڈی سے کر دی تھی اور اب ہمیں علیحدہ کرنا چاہتا ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم یہ سن کر منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا، "اے لوگو! یہ کیا ہو گیا ہے کہ تم میں سے ایک شخص نے اپنے غلام کی شادی اپنی ایک لونڈی سے کر دی ہے اور اب وہ چاہتا ہے کہ ان میں علیحدگی کروادے۔ طلاق تو اسی کا حق ہے جو شوہر ہے۔"

بَابُ اِیْقَاعِ الطَّلَاقِ

﴿یہ باب وقوع طلاق کے بیان میں ہے﴾

باب ایقاع طلاق کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف جب طلاق سنت کو بیان کرنے سے فارغ ہوئے تو انہوں نے طلاق سنت کے مقابل یعنی طلاق بدعت کو بیان کیا ہے کیونکہ مقابل کو سامنے ذکر کرنا یا ساتھ ذکر کرنا ہی تقابل کو متقاضی ہے۔اس کے بعد مصنف نے طلاق کی وہ اقسام یا وہ صورتیں جن میں طلاق واقع ہوگی یا نہ ہوگی ان کو بیان کریں گے۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۵، ص ۱۸۵، بیروت)

مسئلہ سرجیہ میں فقہی مذاہب کا بیان

مسئلہ سرجیہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو طلاق کے مسائل عصور متقدمہ میں سب سے زیادہ اختلاف والا ہے، حتی کہ اس میں مستقل کئی کتابیں بھی لکھی گئیں، اور اس کے بارہ میں لمبے مناقشے بھی ہوئے، یہاں ہم اس کے بارہ میں مختصر طور پر کچھ بیان کرتے ہیں:

اول: مسئلہ کی صورت: آدمی اپنی بیوی کو کہے: "میں نے تجھے طلاق دی تو تم اس سے قبل ہی تین طلاق والی" اگر اسے طلاق دے تو اس کا حکم کیا ہوگا؟ کیا اسے وہ طلاق واقع ہوگی جو اسے دی گئی ہے یا کہ وہ تین طلاق واقع ہونگی جو معلق کی گئی ہیں؟ یا کوئی بھی طلاق واقع نہیں ہوگی؟

دوم: اس کی وجہ تسمیہ: اسے سرجیہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ ابو العباس احمد بن عمر بن سریج القاضی الشافعی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، یہ شافعیہ کے بغداد میں فقیہ تھے اور (306) ہجری میں فوت ہوئے، یہ امام شافعی کے اصحاب کے طبقہ میں شامل ہوتے ہیں، اور بعض علماء نے انہیں چوتھی صدی کے مجددین میں شامل کیا ہے: (سیر اعلام النبلاء (14 / 201)

اسے ان کی جانب منسوب کرنے کا سبب یہ ہے کہ امام سریجی نے ہی سب سے پہلے فتوی دیا تھا کہ یہ طلاق واقع نہیں ہوتی، تفصیل آگے بیان ہوگی.

سوم: مسئلہ کی اہمیت: مسئلہ سرجیہ طلاق کے اہم اور خطرناک مسائل میں شامل ہوتا ہے کیونکہ اس عبارت سے طلاق واقع نہ ہونے کا قول کہنے سے طلاق کا باب بالکل بند ہونا لازم آتا ہے، اور یہ عبارت کہنے والا ازدواجی ارتباط سے چھٹکارا ہی نہیں پا سکتا، اور شریعت اسلامیہ میں یہ عظیم معاملہ ہے، کیونکہ طلاق (اگرچہ بعض افراد اس کا غلط استعمال کرتے ہیں) ہی بعض حالات میں مقبول حل باقی رہ جاتا ہے، جیسا کہ ایک قول ہے: آگ سے رگ کو داغنا آخری علاج ہے، اس لیے جب طلاق کا باب ہی بند کر دیا جائے تو یہ عیسائیوں کے بعض فرقوں کے مشابہ ہو جائیگا کہ ان کے ہاں طلاق دینا مطلقا منع ہے، اور ساری فقہ اسلامی میں اس کی کوئی

مثال اور نظیر نہیں ملتی۔

چہارم: اس مسئلہ کا حکم: اس میں علماء کے دو قول ہیں۔

پہلا قول: اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی، نہ تو وہ جو اسی وقت دی گئی ہو اور نہ ہی معلق کردہ طلاق (یعنی تین طلاق) ابن سریج شافعی جن کی طرف یہ مسئلہ منسوب ہے کا یہی اختیار ہے، اگرچہ بعض علماء نے ان سے اس قول کی نفی کی ہے، اور بہت سارے شافعی فقہاء نے اس میں متابعت کی ہے، بلکہ بعض نے تو فتح القدیر میں اسے اکثر احناف کی طرف منسوب کیا ہے، اور صاحب "مجمع الانھر (1 / 414) نے اسے "المبسوط" سے نقل کیا ہے اور جس نے اس کے علاوہ کہا اس کا انکار کیا ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ: اگر تجھے طلاق کہنے پر فوری طلاق واقع ہو جائے تو پھر معلق کے حکم سے معلق کردہ اس سے پہلے واقع ہو جائیگی، اور اگر معلق کردہ تین طلاق واقع ہو جائیں تو پھر فوری طور پر دی گئی طلاق واقع نہ ہوگی؛ کیونکہ جب اسے تین طلاق ہو گئیں تو پھر بعد میں دی گئی طلاق واقع نہیں ہوگی؛ کیونکہ وہ عورت تو اس کے نکاح سے نکل کر بائن ہو چکی ہے۔

ان کا کہنا ہے: اسے "منطقیوں کی اصطلاح میں "دور" کا نام دیا جاتا ہے، جو اس عبارت کے کہنے والے کی سب طلاق کے حکم کو ختم کر کے رکھ دیتی ہے۔

دوسرا قول: طلاق واقع ہو جائیگی، اور اس "دور" کو صحیح دور شمار نہیں کیا جائیگا، جمہور اہل علم احناف شافیہ اور حنابلہ کا یہی قول ہے، لیکن ان میں واقع شدہ طلاق کی تعداد میں اختلاف ہے اور بعض نے تو پہلے قول پر بہت شدید انکار کیا ہے، اور اس کے عدم جواز اور اس کے فیصلہ نہ کرنے کا فتوی دیا ہے۔

جیسا کہ حاشیہ رد المختار (3 / 230 - 229) اور البحر الرائق (3 / 255) اور شرح مختصر خلیل للخرشی (1 / 52) اور تحفۃ المحتاج (8 / 115 - 114) اور اقناع فی حل الفاظ ابی شجاع للشربینی (2 / 109) اور المغنی (7 / 332) اور کشاف القناع (5 / 298) میں ھے۔

ابن قدامہ رحمہ اللہ "المغنی" میں طلاق واقع ہونے کا استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں ": کیونکہ طلاق مکلف اور اختیار والے شخص کی جانب سے صحیح نکاح میں ہوتی ہے، اس لیے اس کا واقع ہونا ضروری ہے بالکل اسی طرح جیسے یہ صفت نہ بنائی جائے، اور اس لیے بھی عمومی نصوص وقوع طلاق کا تقاضا کرتی ہیں مثلا اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے:

(اور پھر اگر اس کو تیسری بار طلاق دے دی تو اب اس کے لیے حلال نہیں جب تک وہ عورت اس کے سوا دوسرے سے نکاح نہ کرے)البقرۃ(230)

اور دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالی ہے۔(اور طلاق والی عورتیں تین حیض انتظار کریں)۔ اور اسی طرح باقی سب نصوص بھی۔ اور اس لیے بھی کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے طلاق مصلحت کی خاطر مشروع کی ہے، جو طلاق کے ساتھ ہی متعلق ہے، اور انہوں نے جو بالکل ہی طلاق کی ممانعت کر دی ہے وہ اس کی مشروعیت کو باطل کر دیتی ہے، اس طرح اس کی مصلحت بھی فوت ہو جائیگی، چنانچہ

صرف دلیل اور تحکم کی بنا پر ایسا کرنا جائز نہیں۔ (المغنی (7 / . 332)

طلاق (کے الفاظ) کی دو بنیادی اقسام

﴿الطَّلَاقُ عَلٰی ضَرْبَيْنِ: صَرِيحٌ، وَكِنَايَةٌ. فَالصَّرِيحُ قَوْلُهُ: أَنْتِ طَالِقٌ وَمُطَلَّقَةٌ وَطَلَّقْتُكِ فَهٰذَا يَقَعُ بِهِ الطَّلَاقُ الرَّجْعِيُّ﴾ لِأَنَّ هٰذِهِ الْأَلْفَاظَ تُسْتَعْمَلُ فِي الطَّلَاقِ وَلَا تُسْتَعْمَلُ فِي غَيْرِهِ فَكَانَ صَرِيحًا وَأَنَّهُ يَعْقُبُ الرَّجْعَةَ بِالنَّصِّ ﴿وَلَا يَفْتَقِرُ إِلَى النِّيَّةِ﴾ لِأَنَّهُ صَرِيحٌ فِيهِ لِغَلَبَةِ الِاسْتِعْمَالِ، وَكَذَا إِذَا نَوَى الْإِبَانَةَ لِأَنَّهُ قَصَدَ تَنْجِيزَ مَا عَلَّقَهُ الشَّرْعُ بِانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ فَيُرَدُّ عَلَيْهِ. وَلَوْ نَوَى الطَّلَاقَ عَنْ وِثَاقٍ لَمْ يُدَيَّنْ فِي الْقَضَاءِ لِأَنَّهُ خِلَافُ الظَّاهِرِ وَيُدَيَّنُ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللّٰهِ تَعَالٰى لِأَنَّهُ نَوَى مَا يَحْتَمِلُهُ. وَلَوْ نَوَى بِهِ الطَّلَاقَ عَنِ الْعَمَلِ لَمْ يُدَيَّنْ فِي الْقَضَاءِ وَلَا فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللّٰهِ تَعَالٰى لِأَنَّ الطَّلَاقَ لِرَفْعِ الْقَيْدِ وَهِيَ غَيْرُ مُقَيَّدَةٍ بِالْعَمَلِ. وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يُدَيَّنُ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللّٰهِ تَعَالٰى لِأَنَّهُ يُسْتَعْمَلُ لِلتَّخْلِيصِ.

ترجمہ

اور طلاق کی دو قسمیں ہیں صریح اور کنایہ صریح سے مراد مرد کا یہ کہنا ہے (تجھے طلاق تو متعلق مطلقہ ہے میں نے تجھے طلاق دی) اس کے ذریعے رجعی طلاق واقع ہو جائے گی اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ الفاظ طلاق کے بارے میں استعمال ہوتے ہیں اس کے علاوہ کسی دوسرے مفہوم میں استعمال نہیں ہوتے تو یہ (طلاق) صریح ہوگی اور نص سے یہ بات ثابت ہے: اس کے بعد رجوع کیا جا سکتا ہے اور اس میں نیت کی ضرورت نہیں ہوتی' کیونکہ غالب استعمال کی دلیل سے یہ اس مفہوم میں صریح ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر مرد نے بائنہ کرنے کی نیت کی ہو (تو بھی یہی حکم ہوگا) کیونکہ اس نے ایسی چیز کو فوراً نافذ کر دیا ہے' جسے شریعت نے عدت پوری ہونے کے ساتھ متعلق کیا تھا۔ تو اسے اس پر لوٹا دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر اس نے قید (بیڑی) سے رہائی کی نیت کی' تو قضاء کے اعتبار سے اس کی بات کی تصدیق نہیں کی جائے گی' کیونکہ اس نے جو نیت کی ہے' وہ ظاہر کے خلاف ہے' تاہم اس کے اور اللہ تعالیٰ کے مابین معاملے کے اعتبار سے' اس کی تصدیق کر دی جائے گی' کیونکہ اس نے ایک ایسے مفہوم کی نیت کی ہے جس کا لفظ احتمال رکھتا ہے۔ اگر شوہر صریح لفظ کے ذریعے عمل (کام) سے آزادی کی نیت کرے' تو نہ تو قضاء کے اعتبار سے اس کی تصدیق کی جائے گی' اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اور اس کے درمیان معاملے کے اندر اس کی تصدیق کی جائے گی' کیونکہ طلاق کا مطلب قید کو ختم کرنا ہے اور وہ عورت کام کرنے کے حوالے سے قید نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ سے ایک روایت یہ منقول ہے: مرد اور اللہ تعالیٰ کے درمیان معاملے

میں اس بات کی تصدیق کردی جائے گی کیونکہ یہ لفظ خلاصی دینے کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔

طلاق بتہ کا فقہی مفہوم

حضرت عبداللہ بن یزید بن رکانہ اپنے والد اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو بتہ طلاق دی آپ نے پوچھا اس سے آپ کی کیا مراد ہے کتنی طلاقیں مراد ہیں میں نے کہا کہ ایک۔ آپ نے فرمایا اللہ کی قسم میں نے کہا ہاں اللہ کی قسم۔ پس آپ نے فرمایا وہی ہوگی جو تم نے نیت کی۔ اس حدیث کو ہم صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔

علماء، صحابہ، اور دوسرے علماء کا لفظ البتہ کے استعمال میں اختلاف ہے کہ اس سے کتنی طلاقیں مراد ہوتی ہیں حضرت عمر سے مروی ہے کہ یہ ایک ہی طلاق ہے۔

حضرت علی فرماتے ہیں کہ اس سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ طلاق دینے والے کی نیت کا اعتبار ہے اگر ایک طلاق کی نیت کی ہو تو ایک اگر تین کی نیت کی ہو تو تین واقع ہوتی ہیں لیکن اگر دو کی نیت کی ہو تو ایک ہی واقع ہوگی۔ سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔

امام مالک علیہ الرحمہ بن انس فرماتے ہیں اگر لفظ البتہ کے ساتھ طلاق دے اور عورت سے صحبت کر چکا تو تین طلاق واقع ہوں گی۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر ایک طلاق کی نیت ہو تو ایک واقع ہوگی اور رجوع کا اختیار ہوگا اگر دو کی نیت کی ہو تو دو اگر تین کی نیت کی ہو تو تین واقع ہوں گی۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1185)

لفظ "سراح" کے صریح ہونے یا نہ ہونے میں فقہی مذاہب

لفظ "السراح" جمہور فقہاء کے ہاں طلاق کے صریح الفاظ میں شامل نہیں ہوتا، اس لیے اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اسرحی کے الفاظ بولے تو اس سے طلاق کی نیت کے بغیر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

شافعیہ اور بعض حنابلہ کہتے ہیں کہ: یہ طلاق کے صریح الفاظ میں شامل ہوتا ہے، اس لیے اگر خاوند نے بیوی سے "اسرحی" کہا تو طلاق واقع ہو جائیگی، اور خاوند کا قول نیت نہ کرنا قبول نہیں ہوگا، الا یہ کہ اگر اس پر کوئی قرینہ دلالت کرے کہ وہ اس سے طلاق مراد نہیں لے رہا تھا۔

مثلا اگر وہ بیوی سے فصل والی جگہ میں جلدی جانے کا کہنے کے بعد "اسرحی" کہے، اور شافعی حضرات میں سے ابن حجر کی رحمہ اللہ کا فتوی ہے کہ "اسرحی" کنایہ کے الفاظ میں شامل ہوتا ہے، کیونکہ یہ سرح بغیر شد کے میں سے ہے، نہ کہ سرح شد کے ساتھ۔ اور الرملی نے نھایۃ المحتاج میں ذکر کیا ہے کہ "جب خاوند طلاق کے صریح الفاظ بولے تو پھر خاوند کی یہ بات قبول نہیں کی جائیگی۔ اس نے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تھا، لیکن یہ کہ اگر اس پر کوئی قرینہ دلالت کرتا ہو، اور اس میں انہوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ جب

وہ بیوی کو کہے: تمہیں جلد جانے کا حکم دینے کے بعد اسرحی کا لفظ بولے تو اس کا قول کیا جائیگا۔(نهاية المحتاج (6 / 429
اور مالکیہ یہ کہتے ہیں کہ: بغیر نیت کے ہی لفظ سراح سے طلاق واقع ہو جائیگی؛ کیونکہ ان کے ہاں بعض کے نزدیک یہ لفظ صریح میں شامل ہوتا ہے، یا پھر ظاہری طور پر لکھے جو نیت کا محتاج نہ ہو۔
راجح جمہور کا مسلک ہے، اس لیے السراح یا سرحتک یا اسرحی کے الفاظ سے طلاق اسی صورت میں واقع ہوگی جب وہ طلاق کی نیت کرے گا۔

طلاق صریح کے الفاظ سے طلاق میں فقہی مذاہب

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں ": قال(اور جب وہ کہے میں نے تجھے طلاق دی، یا میں نے تجھے علیحدہ کر دیا، یا میں نے تجھے چھوڑ دیا تو اسے طلاق لازم ہوگی (یہ اس کا تقاضہ کرتا ہے کہ صریح طلاق کے تین الفاظ ہیں الطلاق، الفراق، اور السراح اور ان سے بنائے جانے والے دوسرے صیغے۔
امام شافعی کا مسلک یہی ہے، اور ابو عبداللہ بن حامد کا کہنا ہے کہ: طلاق کا صریح لفظ صرف ایک ہی ہے اور وہ طلاق اور اس سے بنائے جانے والے صیغے اس کے علاوہ کوئی اور لفظ صریح نہیں، امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ اور امام مالک علیہ الرحمہ رحمہما اللہ کا مسلک یہی ہے۔
لیکن امام مالک علیہ الرحمہ اس سے بغیر نیت کے بھی طلاق واقع ہونے کے قائل ہیں؛ کیونکہ ظاہری کنایات نیت کے محتاج نہیں ہوتے۔ اس قول کی دلیل یہ ہے کہ فراق اور السراح کے الفاظ طلاق کے علاوہ بھی بہت زیادہ استعمال ہوتے ہیں، اس لیے باقی کنایہ کے الفاظ کی طرح یہ بھی طلاق میں صریح نہیں ہونگے۔
پہلی دلیل یہ ہے کہ: کتاب اللہ میں یہ الفاظ خاوند اور بیوی کے مابین علیحدگی اور جدائی کے معنی میں وارد ہوئے ہیں، تو یہ اس میں طلاق کے الفاظ کی طرح صریح ہوئے۔ اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے:(اچھے طریقہ سے روک لو، یا پھر اچھے طریقہ سے چھوڑ دو)۔ اور اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے:(اور اگر وہ دونوں علیحدہ ہو جائیں تو اللہ تعالی ہر ایک کو اپنی وسعت میں سے غنی کر دیگا)۔
(مغنی، کتاب طلاق)

طلاق کے صریح الفاظ کا فقہی بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ لفظ صریح مثلاً میں نے تجھے طلاق دی، تجھے طلاق ہے، تو مطلقہ ہے، تو طالق ہے، میں تجھے طلاق دیتا ہوں، اے مطلقہ۔ ان سب الفاظ کا حکم یہ ہے کہ ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اگرچہ کچھ نیت نہ کی ہو یا بائن کی نیت کی یا ایک سے زیادہ کی نیت ہو یا کہے میں نہیں جانتا تھا کہ طلاق کیا چیز ہے مگر اس صورت میں کہ وہ طلاق کو نہ جانتا تھا دیانۃً واقع نہ ہوگی۔

طلاغ، تلاغ، طلاک، تلاک، تلا کھ، تلا کھ، تلاخ، تلاخ، تلاق، طلاق۔ بلکہ توتلے کی زبان سے، تلات۔ یہ سب صریح کے الفاظ ہیں، ان سب سے ایک طلاق رجعی ہوگی اگر چہ نیت نہ ہو یا نیت کچھ اور ہو۔ ط ل ا ق، طالام الف قاف کہا اور نیت طلاق ہو تو ایک رجعی ہوگی۔

اردو میں یہ لفظ کہ میں نے تجھے چھوڑا، صریح ہے اس سے ایک رجعی ہوگی، کچھ نیت ہو یا نہ ہو۔ یونہی یہ لفظ کہ میں نے فارغ خطی یا فارخطی یا فارکھتی دی، صریح ہے۔

لفظ طلاق غلط طور پر ادا کرنے میں عالم و جاہل برابر ہیں۔ بہر حال طلاق ہو جائے گی اگر چہ وہ کہے میں نے دھمکانے کے لیے غلط طور پر ادا کیا طلاق مقصود نہ تھی ورنہ صحیح طور پر بولتا۔ ہاں اگر لوگوں سے پہلے کہہ دیا تھا کہ میں دھمکانے کے لیے غلط لفظ بولوں گا طلاق مقصود نہ ہوگی تو اب اس کا کہا مان لیا جائیگا۔ (درمختار، باب صریح، ج ۴، ص ۴۴۶، بیروت)

لفظ مطلقہ میں ''ط'' کو ساکن پڑھنے کا بیان

﴿وَلَوْ قَالَ اَنْتِ مُطْلَقَةٌ بِتَسْكِيْنِ الطَّاءِ لَا يَكُوْنُ طَلَاقًا اِلَّا بِالنِّيَّةِ لِاَنَّهَا غَيْرُ مُسْتَعْمَلَةٍ فِيْهِ عُرْفًا فَلَا يَكُوْنُ صَرِيْحًا﴾قَالَ ﴿وَلَا يَقَعُ بِهِ اِلَّا وَاحِدَةٌ وَاِنْ نَوٰى اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ﴾ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :يَقَعُ مَا نَوٰى لِاَنَّهُ مُحْتَمِلٌ لَفْظَهُ، فَاِنَّ ذِكْرَ الطَّالِقِ ذِكْرٌ لِلطَّلَاقِ لُغَةً كَذِكْرِ الْعَالَمِ ذِكْرٌ لِلْعِلْمِ وَلِهٰذَا يَصِحُّ قِرَانُ الْعَدَدِ بِهِ فَيَكُوْنَ نَصْبًا عَلَى التَّمْيِيْزِ .وَلَنَا اَنَّهُ نَعْتُ فَرْدٍ حَتّٰى قِيْلَ لِلْمُثَنّٰى طَالِقَانِ وَلِلثَّلَاثِ طَوَالِقُ فَلَا يَحْتَمِلُ الْعَدَدَ لِاَنَّهُ ضِدُّهُ، وَذِكْرُ الطَّالِقِ ذِكْرٌ لِطَلَاقٍ هُوَ صِفَةٌ لِلْمَرْاَةِ لَا لِطَلَاقٍ هُوَ تَطْلِيْقٌ، وَالْعَدَدُ الَّذِي يُقْرَنُ بِهِ نَعْتٌ لِمَصْدَرٍ مَحْذُوْفٍ مَعْنَاهُ طَلَاقًا ثَلَاثًا كَقَوْلِكَ اَعْطَيْتُهُ جَزِيْلًا

ترجمہ

اور اگر مرد نے یہ کہا: انت مطلقۃ یعنی ''ط'' کو ساکن کیا تو صرف نیت کی موجودگی میں وہ طلاق دینے والا شمار ہوگا' کیونکہ عرف میں یہ لفظ اس مفہوم میں استعمال نہیں ہوتا۔ اس لیے یہ صریح استعمال نہیں ہوگا۔ فرماتے ہیں: ان الفاظ کے ذریعے صرف ایک طلاق واقع ہوگی' اگرچہ اس نے زیادہ کی نیت بھی کی ہو۔ امام شافعی فرماتے ہیں: جو اس نے نیت کی ہے' اس کے مطابق طلاق واقع ہو جائے گی' کیونکہ اس کا لفظ اس مفہوم کا احتمال رکھتا ہے' کیونکہ لغت کے اعتبار سے طالق کا ذکر کرنا طلاق کا ذکر کرنے کے مترادف ہے۔ جیسے عالم کا ذکر کرنا' علم کا ذکر کرنے کے مترادف ہے۔ یہی دلیل ہے: اس لفظ کے ہمراہ تعداد کو ملانا درست ہوگا' اور یہ عدد' تمیز ہونے کی دلیل سے منصوب پڑھا جائے گا۔ ہماری دلیل یہ ہے: یہ لفظ مفرد کی صفت ہوتی ہے' یہاں تک کہ دو خواتین کو ''طلقان'' کہا جائے گا' اور تین خواتین کو طوالق کہا جائے گا' اس لیے یہ عدد کا احتمال نہیں رکھتا' کیونکہ یہ اس کی ضد ہے اور لفظ طوالق

کے اور پہلے جس تعداد کا ذکر کیا جاتا ہے وہ عورت کی صفت ہے۔ طلاق کی صفت نہیں ہے کیونکہ اس کی صفت طلاق ہے (طلاق دینا) اور وہ مصدر ہو اس کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے وہ محذوف مصدر کی صفت ہوتا ہے جس کا مطلب طلاقا ثلاثا ہے جیسے آپ کہیں: اعطیتہ جزیلا (یعنی میں نے اسے بہت زیادہ عطا کیا)۔

طلاق کے مختلف الفاظ میں نیت کا اعتبار

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا، اے مطلقہ (بسکون طا)، میں نے تیری طلاق چھوڑ دی، میں نے تیری طلاق روانہ کر دی، میں نے تیری طلاق کا راستہ چھوڑ دیا، میں نے تیری طلاق تجھے ہبہ کر دی، قرض دی، تیرے پاس گروی، امانت رکھی، میں نے تیری طلاق چاہی، تیرے لیے طلاق ہے، اللہ (عزوجل) نے تیری طلاق چاہی، اللہ (عزوجل) نے تیری طلاق مقدر کر دی، ان سب الفاظ سے اگر نیت طلاق ہو رجعی واقع ہوگی۔

(درمختار، کتاب طلاق)

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں کہ عورت سے کہا اے مطلقہ، اے طلاق دی گئی، اے طلاقن، اے طلاق شدہ، اے طلاق یافتہ، اے طلاق کردہ۔ طلاق ہوگئی اگر چہ کہے میرا مقصود گالی دینا تھا طلاق دینا نہ تھا۔ اور اگر یہ کہے کہ میرا مقصود یہ تھا کہ وہ پہلے شوہر کی مطلقہ ہے اور حقیقت میں وہ ایسی ہی ہے یعنی شوہر اول کی مطلقہ ہے تو دیانۃً اس کا قول مان لیا جائیگا اور اگر وہ عورت پہلے کسی کی منکوحہ تھی ہی نہیں یا تھی مگر اس نے طلاق نہ دی تھی بلکہ مر گیا ہو تو یہ تاویل نہیں مانی جائیگی۔ یونہی اگر کہا تیرے شوہر نے تجھے طلاق دی تو بھی وہی حکم ہے۔

عورت سے کہا تجھے طلاق دیتا ہوں یا کہا تو مطلقہ ہو جا تو طلاق ہوگئی مگر یہ لفظ کہ طلاق دیتا ہوں یا چھوڑتا ہوں اس کے یہ معنے لیے کہ طلاق دینا چاہتا ہوں یا چھوڑنا چاہتا ہوں تو دیانۃً نہ ہوگی قضاءً ہو جائیگی۔ اور اگر یہ لفظ کہا کہ چھوڑے دیتا ہوں تو طلاق نہ ہوئی کہ یہ لفظ قصد وارادہ کے لیے ہے۔

(۱) تجھ پر طلاق (۲) تجھے طلاق (۳) طلاق ہو جا (۴) تو طلاق ہے (۵) تو طلاق ہوگئی (۶) طلاق لے، باہر جاتی تھی کہا (۷) طلاق لے جا (۸) اپنی طلاق اوڑھ اور روانہ ہو (۹) میں نے تیری طلاق تیرے آنچل میں باندھ دی (۱۰) جا تجھ پر طلاق۔ ہوتی۔ (عالم گیری باب وقوع طلاق، ج۱، ص ۳۵۵)

طلاق صریح کے مختلف الفاظ کا بیان

﴿وَاِذَا قَالَ: اَنْتِ الطَّلَاقُ اَوْ اَنْتِ طَالِقُ الطَّلَاقَ اَوْ اَنْتِ طَالِقٌ طَلَاقًا، فَاِنْ لَمْ تَكُنْ لَـهُ نِيَّةٌ اَوْ نَـوٰى وَاحِـدَةً اَوْ ثِـنْتَيْـنِ فَهِـيَ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ، وَاِنْ نَوٰى ثَلَاثًا فَثَلَاثٌ﴾ وَوُقُـوْعُ الـطَّلَاقِ بِـاللَّفْظَةِ الثَّانِيَةِ وَالثَّالِثَةِ ظَاهِرٌ، لِاَنَّهُ لَوْ ذَكَرَ النَّعْتَ وَحْدَهُ يَقَعُ بِهِ

الطَّلَاقَ، فَإِذَا ذَكَرَهُ وَذَكَرَ الْمَصْدَرَ مَعَهُ وَأَنَّهُ يَزِيْدُهُ وَكَادَةً أَوْلَى .

وَأَمَّا وُقُوْعُهُ بِاللَّفْظَةِ الْأُوْلَى فَلِأَنَّ الْمَصْدَرَ قَدْ يُذْكَرُ وَيُرَادُ بِهِ الِاسْمُ، يُقَالُ :رَجُلٌ عَدْلٌ :أَيْ عَادِلٌ فَصَارَ بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهِ أَنْتِ طَالِقٌ، وَعَلَى هٰذَا لَوْ قَالَ :أَنْتِ طَلَاقٌ يَقَعُ بِهِ الطَّلَاقُ أَيْضًا وَلَا يَحْتَاجُ فِيْهِ إِلَى النِّيَّةِ وَيَكُوْنُ رَجْعِيًّا لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ صَرِيْحُ الطَّلَاقِ لِغَلَبَةِ الِاسْتِعْمَالِ فِيْهِ، وَتَصِحُّ نِيَّةُ الثَّلَاثِ لِأَنَّ الْمَصْدَرَ يَحْتَمِلُ الْعُمُوْمَ وَالْكَثْرَةَ لِأَنَّهُ اسْمُ جِنْسٍ فَيُعْتَبَرُ بِسَائِرِ أَسْمَاءِ الْأَجْنَاسِ فَيَتَنَاوَلُ الْأَدْنَى مَعَ احْتِمَالِ الْكُلِّ، وَلَا تَصِحُّ نِيَّةُ الثِّنْتَيْنِ فِيْهَا خِلَافًا لِزُفَرَ .هُوَ يَقُوْلُ :إِنَّ الثِّنْتَيْنِ بَعْضُ الثَّلَاثِ فَلَمَّا صَحَّتْ نِيَّةُ الثَّلَاثِ صَحَّتْ نِيَّةُ بَعْضِهَا ضَرُوْرَةً .وَنَحْنُ نَقُوْلُ :نِيَّةُ الثَّلَاثِ إِنَّمَا صَحَّتْ لِكَوْنِهَا جِنْسًا، حَتّٰى لَوْ كَانَتِ الْمَرْأَةُ أَمَةً تَصِحُّ نِيَّةُ الثِّنْتَيْنِ بِاعْتِبَارِ مَعْنَى الْجِنْسِيَّةِ، أَمَّا الثِّنْتَانِ فِيْ حَقِّ الْحُرَّةِ فَعَدَدٌ، وَاللَّفْظُ لَا يَحْتَمِلُ الْعَدَدَ وَهٰذَا لِأَنَّ مَعْنَى التَّوَحُّدِ يُرَاعٰى فِيْ أَلْفَاظِ الْوُحْدَانِ وَذٰلِكَ بِالْفَرْدِيَّةِ أَوِ الْجِنْسِيَّةِ وَالْمُثَنّٰى بِمَعْزِلٍ مِنْهُمَا .

ترجمہ

اور اگر مرد نے یہ کہا اَنْتِ الطَّلَاقُ یا یہ کہا اَنْتِ طَالِقٌ الطَّلَاقَ یا یہ کہا اَنْتِ طَالِقٌ طَلَاقًا تو اگر اس کی کوئی نیت نہ ہو یا اس نے ایک کی نیت کی ہو یا دو کی نیت کی ہو تو یہ ایک رجعی طلاق ہوگی اور اگر اس نے تین کی نیت کی ہو تو تین طلاقیں شمار ہوں گی۔ دوسرے لفظ اور تیسرے لفظ کے ذریعے طلاق کا واقع ہونا تو ظاہر ہے چونکہ اگر وہ شخص صرف صفت ذکر کر دیتا تو اس کے ذریعے بھی طلاق واقع ہو جاتی جب اس نے صفت ذکر کی اور اس کے ساتھ مصدر کو بھی ذکر کر دیا جو اس میں مزید تاکید پیدا کر رہا ہے تو بدرجہ اولیٰ طلاق واقع ہو جائے گی۔

جہاں تک پہلے لفظ کے ذریعے طلاق واقع ہونے کا تعلق ہے تو اس کی دلیل یہ ہے: بعض اوقات مصدر ذکر کیا جاتا ہے اس سے مراد اسم ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے رجل عدل اس سے مراد عادل ہوتا ہے تو وہ جملہ بھی مرد کے اس قول کی طرح ہو جائے گا۔ انت طالق اسی اصول کی بنیاد پر اگر مرد نے یہ کہا: انت طلاق تو اس کے ذریعے بھی طلاق واقع ہو جائے گی اور اس میں نیت کی ضرورت نہیں ہوگی اور یہ طلاق رجعی شمار ہوگی اس کی دلیل ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یہ صریح طلاق ہوگی کیونکہ عام طور پر یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے اور تین کی نیت بھی درست ہوگی کیونکہ مصدر عموم اور کثرت کا بھی احتمال رکھتا ہے کیونکہ یہ اسم جنس ہوتا ہے تو اسے دیگر تمام اسمائے جنس پر قیاس کیا جائے گا تو یہ کل کے احتمال کے ہمراہ کم از کم فرد کو شامل ہوگا۔ اس بارے میں دو کی نیت

درست نہیں ہوگی جبکہ امام زفر کی دلیل اس بارے میں مختلف ہے۔وہ یہ فرماتے ہیں: دو تین کا حصہ ہے تو جب تین کی نیت درست ہوگی تو اس کے حصے کی نیت بھی لازمی طور پر درست ہونی چاہئے۔ہم یہ کہتے ہیں: تین کی نیت اس اعتبار سے درست ہوتی ہے کیونکہ وہ جنس ہے یہاں تک کہ اگر وہ عورت کنیز ہو تو جنس ہونے کے مفہوم کا اعتبار کرتے ہوئے دو کی نیت بھی درست ہوگی لیکن آزاد عورت کے حق میں دو طلاقیں عدد ہیں اور یہ لفظ عدد کا احتمال نہیں رکھتا کیونکہ ایک کے مفہوم کی رعایت ان میں کی جاتی ہے اور وہ یا فرد ہونے کے اعتبار سے ہوسکتا ہے یا جنس ہونے کے اعتبار سے ہوسکتا ہے جبکہ دو اس سے الگ ہوتا ہے۔

طالق کہنے والے کی طلاق کا بیان

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے کہا طالق، تو پوچھا گیا کہ تو نے کس کے ارادے سے کہا، اس نے کہا میں نے اپنی بیوی کے ارادے سے کہا ہے، تو بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔جبکہ صاحب بحرالرائق نے طلاق واقع ہونے کو اس کے اقرار سے مشروط کیا ہے کہ اس نے بیوی مراد لی ہے، یہ واضح تحقیق ہے اور اللہ تعالٰی کی توفیق سے عبارات میں موافقت ہوگئی ہے، اس کی مکمل بحث دوسری جگہ مسائل کی وضاحت اور دلائل کی چھان بین کے ساتھ ردالمحتار کے ہمارے حاشیہ میں مذکور ہے، اس کی طرف رجوع تجھ پر لازم ہے کیونکہ دوسری جگہ ایسی تحقیق نہ پائے گا، سب تعریف اللہ تعالٰی غالب اور بخشنے والے کے لئے ہی ہے۔(بحرالرائق، باب طلاق، ج ۳، ص ۳۵۲، ایچ ایم سعید کراچی)

الفاظ طلاق سے وقوع طلاق کا فقہی بیان

یہاں مصنف نے طلاق دینے کے لئے عربی میں استعمال ہونے والے بعض جملوں اور ترکیب کا حکم بیان کیا ہے۔مصنف نے یہاں تین جملے نقل کئے ہیں۔(i) **انت الطلاق** (ii) **انت طالق الطلاق** (iii) **انت طالق طلاقا**

مصنف نے ان کے بارے میں یہ حکم بیان کیا ہے۔اگر مرد نے کسی نیت کے بغیر یہ الفاظ استعمال کیے ہوں یا اس نے ایک یا دو طلاقیں دینے کی نیت کی ہو تو ان تینوں صورتوں میں ایک رجعی طلاق واقع ہوگی۔یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر مرد نے تین طلاقوں کی نیت کی ہو تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔اس حکم میں اختلاف کی دلیل عربی زبان کا محاورہ ہے۔

جہاں تک دوسری اور تیسری قسم کا تعلق ہے یعنی انت طالق الطلاق' **انت طالق طلاقا** تو ان کے ذریعے طلاق کا واقع ہونا محتاج وضاحت نہیں ہے' کیونکہ اگر وہ شخص صرف صفت کا تذکرہ کرتا' یعنی انت طالق کہہ دیتا' تو بھی طلاق واقع ہو جاتی کیونکہ یہ لفظ طلاق دینے کے لئے ''صریح'' کی حیثیت رکھتا ہے' لیکن جب اس نے اس صفت طالق کے ساتھ مصدر یعنی طلاق کا لفظ بھی استعمال کر دیا' تو اب اس صفت میں تاکید کا مفہوم پیدا ہو جائے گا۔جہاں تک پہلے جملے کا تعلق ہے۔یعنی ''انت الطلاق'' کہنے کا تعلق ہے' تو اس جملے سے بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔اس کی دلیل یہ ہے: لفظ طلاق اگرچہ مصدر ہے' لیکن عربی زبان کا محاورہ یہی ہے: بعض اوقات مصدر بول کر اسم مراد لیا جاتا ہے' جیسے لفظ ''رجل عدل'' بول کر ''رجل عادل'' مراد لیتے ہیں۔اس لئے یہاں بھی

انت الطلاق بول کر انت طالق مراد لیا جائیگا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص انت طلاق کہتا ہے یعنی لفظ طلاق کو ''ال'' کے بغیر بولتا ہے' تو اس کے ذریعے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے' اور اس میں بھی نیت کی ضرورت نہیں ہوتی ہے' اور اس کے ذریعے بھی رجعی طلاق واقع ہوتی ہے۔ اس کی دلیل ہم پہلے بیان کر چکے ہیں' طلاق کا مفہوم بیان کرنے کے لئے عام طور پر یہی الفاظ استعمال ہوتے ہیں اس لئے ان کی حیثیت صریح کی ہوگی' اور لفظ صریح کے ذریعے ایک رجعی طلاق واقع ہوتی ہے۔

اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے: مصنف نے پہلے یہ بات بیان کی ہے: اگر مرد نے یہ الفاظ استعمال کرتے ہوئے تین کی نیت کی ہو' تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ جب لفظ صریح کے ذریعے ایک رجعی طلاق ہوتی ہے' تو پھر آپ نیت کی دلیل سے اسی لفظ کے ذریعے تین طلاقیں ہو جانے کا حکم کیسے دے سکتے ہیں؟ مصنف نے اس کا جواب دیتے ہوئے یہ بات بیان کی ہے۔ اس شخص نے طلاق دینے کے لئے لفظ ''مصدر'' استعمال کیا ہے' اور مصدر کے بارے میں زبان اور محاورے کا قانون یہ ہے: اس میں کثرت اور عموم کا احتمال موجود ہوتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے: مصدر ''اسم جنس'' ہوتا ہے' اور اسم جنس کے بارے میں اصول یہ ہے: اس میں کل کے احتمال کے ہمراہ ادنیٰ یعنی کم از کم فرد بھی شامل ہوتا ہے۔ اس پر یہ سوال کیا جاسکتا ہے' کل میں ادنیٰ یعنی ایک کی طرح دو بھی شامل ہوسکتا ہے' تو پھر آپ دو طلاقوں کے بارے میں مرد کی نیت کا اعتبار کیوں نہیں کرتے ہیں؟

مصنف نے اس کا جواب دیتے ہوئے یہ بات بیان کی ہے: اس بارے میں دو کی نیت درست نہیں ہوگی۔ اس مسئلے میں امام زفر کی دلیل مختلف ہے۔ وہ یہ فرماتے ہیں: کیونکہ دو' تین کا حصہ ہے' اس لئے جب تین کی نیت درست ہوگی' تو اس کے بعض حصے یعنی دو کی نیت بھی درست ہونی چاہئے۔ مصنف اس کا جواب یہ دیتے ہیں۔ تین کی نیت اس لئے درست ہے' کیونکہ وہ جنس ہے۔ یہی دلیل ہے: اگر اس شخص کی بیوی کوئی کنیز ہو' تو جنسیت کے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے' ان الفاظ کے ذریعے دو طلاقیں دینے کی نیت کرنا درست ہوگا۔ لیکن آزاد عورت کے حق میں دو کا عدد جنس نہیں' بلکہ عدد ہوگا' اور اس لفظ کے ذریعے جنس کا مفہوم مراد لیا جاسکتا ہے' تو یہ عدد کا احتمال نہیں رکھے گا۔ یہاں مصنف نے دوسری دلیل یہ بیان کی ہے: مصدر کا تعلق ان الفاظ سے ہے' جو وحدان ہوتے ہیں اور ان میں ایک ہی معنی کی رعایت کی جاتی ہے' اور وہ معنی یا تو فرد ہونے کے اعتبار سے ہوگا یا جنس ہونے کے اعتبار سے ہوگا' جبکہ دو کا عدد نہ تو فرد ہے' اور نہ ہی جنس ہے اس لئے اس میں عدد ہونے کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

اَنْتِ طَالِقٌ الطَّلَاقَ کہنے کا بیان

﴿وَلَوْ قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ الطَّلَاقَ فَقَالَ: اَرَدْت بِقَوْلِي طَالِقٌ وَاحِدَةً وَبِقَوْلِي الطَّلَاقَ اُخْرٰى يُصَدَّقُ﴾ لِاَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا صَالِحٌ لِلْاِيقَاعِ فَكَاَنَّهُ قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ وَطَالِقٌ فَتَقَعُ رَجْعِيَّتَانِ اِذَا كَانَتْ مَدْخُولًا بِهَا.

ترجمہ: اگر مرد نے یہ کہا: اَنْتِ طَالِقٌ اَلطَّلَاقَ اور پھر وہ بولا: میں نے اپنے لفظ طالق کے ذریعے ایک طلاق مراد لی ہے اور اپنے لفظ طلاق کے ذریعے دوسری مراد لی ہے تو اس شخص کی تصدیق کی جائے گی، کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک لفظ طلاق واقع کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ تو گویا اس شخص نے یہ کہا: انت طالق وطالق تو دو رجعی طلاقیں واقع ہو جائیں گی، جبکہ وہ عورت مدخول بہا ہو۔

شرح

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ الفاظ استعمال کرتا ہے۔ ''انت طالق الطلاق'' اور وہ یہ کہتا ہے: میں نے پہلے لفظ یعنی طالق کے ذریعے ایک طلاق مراد لی تھی اور دوسری لفظ یعنی الطلاق کے ذریعے دوسری طلاق مراد لی تھی تو اس کی اس بات کی تصدیق کی جائے گی، کیونکہ ان دونوں الفاظ میں سے ہر ایک لفظ طلاق واقع کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے تو ان کا مفہوم یہی ہوگا: گویا اس شخص نے انت طالق و طالق کہا ہو تو اس کے نتیجے میں دو رجعی طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ یہ اس صورت میں ہے جب وہ عورت مدخول بہا ہو۔

عورت کے وجود یا کسی عضو کی طرف طلاق کی نسبت کرنا

﴿وَاِذَا اَضَافَ الطَّلَاقَ اِلٰى جُمْلَتِهَا اَوْ اِلٰى مَا يُعَبَّرُ بِهِ عَنِ الْجُمْلَةِ وَقَعَ الطَّلَاقُ﴾ لِاَنَّهُ اُضِيْفَ اِلٰى مَحَلِّهِ، وَذٰلِكَ ﴿مِثْلَ اَنْ يَقُوْلَ اَنْتِ طَالِقٌ﴾ لِاَنَّ التَّاءَ ضَمِيْرُ الْمَرْاَةِ ﴿اَوْ يَقُوْلَ ﴿رَقَبَتُكِ طَالِقٌ اَوْ عُنُقُكِ﴾ طَالِقٌ اَوْ رَاْسُكِ طَالِقٌ ﴿اَوْ رُوحُكِ اَوْ بَدَنُكِ اَوْ جَسَدُكِ اَوْ فَرْجُكِ اَوْ وَجْهُكِ﴾ لِاَنَّهُ يُعَبَّرُ بِهَا عَنْ جَمِيْعِ الْبَدَنِ.

اَمَّا الْجَسَدُ وَالْبَدَنُ فَظَاهِرٌ وَكَذَا غَيْرُهُمَا، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ﴾ وَقَالَ ﴿فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِيْنَ﴾ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ ﴿لَعَنَ اللّٰهُ الْفُرُوْجَ عَلَى السُّرُوْجِ (١)﴾ وَيُقَالُ فُلَانٌ رَاْسُ الْقَوْمِ وَيَا وَجْهَ الْعَرَبِ وَهَلَكَ رُوْحُهُ بِمَعْنٰى نَفْسُهُ وَمِنْ هٰذَا الْقَبِيْلِ الدَّمُ فِيْ رِوَايَةٍ يُقَالُ دَمُهُ هَدْرٌ وَمِنْهُ النَّفْسُ وَهُوَ ظَاهِرٌ ﴿وَكَذٰلِكَ اِنْ طَلَّقَ جُزْءًا شَائِعًا مِنْهَا مِثْلَ اَنْ يَقُوْلَ نِصْفُكِ اَوْ ثُلُثُكِ﴾ طَالِقٌ لِاَنَّ الشَّائِعَ مَحَلٌّ لِسَائِرِ التَّصَرُّفَاتِ كَالْبَيْعِ وَغَيْرِهِ فَكَذَا يَكُوْنُ مَحَلًّا لِلطَّلَاقِ، اِلَّا اَنَّهُ لَا يَتَجَزَّاُ فِيْ حَقِّ الطَّلَاقِ فَيَثْبُتُ فِي الْكُلِّ ضَرُوْرَةً

(١) لم يجده مخرجوا "الهداية" وانما أخرجه ابن عدي باسناد ضعيف عن ابن عمر رضي الله عنه أن النبي ﷺ "نهى ذوات الفروج أن يركبن السروج" وليس في لفظه مقصود المصنف، لكونه استدل به على لا فرج من ... التي يعبر بها عن جملة الشخص كالذي ... "نصب الراية" ٤/٢٢٨ و "الدراية" ١/٧١

ترجمہ

اور جب مرد نے طلاق کی نسبت عورت کے مکمل وجود کی طرف کی یا اس کے کسی ایسے جزء کی طرف کی جس سے پورا وجود مراد لیا جاسکتا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ اس کی نسبت اس کے محل کی طرف کی گئی ہے اور اس کی مثال یوں ہوگی جیسے مرد نے یہ کہا ہو: انت طالق۔ اس کی دلیل یہ ہے: "ت" عورت (مونث) کی ضمیر ہے اگر مرد یہ کہے: تمہاری گردن کو طلاق ہے تمہاری گدی کو طلاق ہے تمہارے سر کو طلاق ہے یا تمہاری روح کو یا تمہارے بدن کو یا تمہارے جسم کو یا تمہاری شرمگاہ کو یا تمہارے چہرے کو (طلاق ہے تو ان تمام صورتوں میں طلاق واقع ہو جائے گی) کیونکہ ان اعضاء کے ذریعے پورا جسم مراد لیا جاتا ہے۔

جہاں تک لفظ جسم اور بدن کا تعلق ہے تو وہ ظاہر ہے اور جہاں تک دیگر الفاظ کا تعلق ہے تو ارشاد باری تعالیٰ ہے: "گردن آزاد کرنا"۔ یہ بھی ارشاد ہے: "ان کی گردنیں جھک گئی"۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "اللہ تعالیٰ ان شرمگاہوں پر لعنت کرے جو (گھوڑوں کی) زین پر رہتی ہیں"۔

اسی طرح یہ مقولہ ہے: فلاں شخص اپنی قوم کا سر ہے یا عربوں کا چہرہ ہے یا اس کی روح ہلاکت کا شکار ہو گئی اور اس سے مراد آدمی کی ذات ہوتی ہے۔ ایک روایت کے مطابق لفظ خون بھی اسی قبیل سے تعلق رکھتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: دَمُہٗ ہَدَرٌ (اس کا خون رائیگاں گیا) اور لفظ نفس بھی اسی قبیل سے تعلق رکھتا ہے اور یہ بات ظاہر ہے۔ اسی طرح اگر مرد نے ایسے جزء کو طلاق دی جو پھیلا ہوا ہو (یعنی کئی اعضاء پر مشتمل ہو) تو بھی طلاق واقع ہو جائے گی) جیسے مرد یہ کہے: تمہارے نصف (وجود) یا ایک تہائی (وجود) کو طلاق ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے: پھیلا ہوا جزء خرید و فروخت وغیرہ کی طرح تمام تصرفات کا محل ہوتا ہے تو اسی طرح یہ طلاق کا بھی محل ہوگا البتہ طلاق کے حق میں یہ ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہوگا تو لازمی طور پر پورے وجود پر طلاق ماننا پڑے گی۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر سر یا گردن پر ہاتھ رکھ کر کہا تیرے اس سر یا اس گردن کو طلاق تو واقع نہ ہوگی اور اگر ہاتھ نہ رکھا اور یوں کہا اس سر کو طلاق اور عورت کے سر کی طرف اشارہ کیا تو واقع ہو جائے گی۔

ہاتھ یا اُنگلی یا ناخن یا پاؤں یا بال یا ناک یا پنڈلی یا ران یا پیٹھ یا پیٹ یا زبان یا کان یا مونھ یا ٹھوڑی یا دانت یا سینہ یا پستان کو کہا کہ اسے طلاق تو واقع نہ ہوگی۔

جزوِ طلاق بھی پوری طلاق ہے اگر چہ ایک طلاق کا ہزارواں حصہ ہو مثلاً کہا تجھے آدھی یا چوتھائی طلاق ہے تو پوری ایک طلاق پڑے گی کہ طلاق کے حصے نہیں ہو سکتے۔ اگر چند اجزا ذکر کیے جن کا مجموعہ ایک سے زیادہ نہ ہو تو ایک ہوگی اور ایک سے زیادہ ہو تو دوسری بھی پڑ جائے گی مثلاً کہا ایک طلاق کا نصف اور اُس کی تہائی اور چوتھائی کہ نصف اور تہائی اور چوتھائی کا مجموعہ ایک سے زیادہ ہے لہٰذا دو واقع ہوئیں اور اگر اجزا کا مجموعہ دو سے زیادہ ہے تو تین ہونگی۔ یونہی ڈیڑھ میں دو اور ڈھائی میں تین اور اگر دو طلاق کے تین نصف کہے تو تین ہونگی اور ایک طلاق کے تین نصف میں دو اور اگر کہا ایک سے دو تک تو ایک، اور ایک سے تین

تک تو دو۔ (در مختار، ج ۴، ص ۴۴۳)

طلاق کی نسبت بدنی اعضاء کی طرف کرنے کا فقہی بیان

اسی طرح اگر مرد یہ کہے: تمہاری گردن کو طلاق ہے، تمہاری گدی، سر، روح، جسم، بدن، شرمگاہ، چہرے کو طلاق ہے۔ یہ وہ الفاظ ہیں کہ عربی کے محاورے میں ان سے پورا جسم مراد لیا جاتا ہے۔ اس کے بعد مصنف نے اس بات کی مثالیں پیش کی ہیں کہ عربی کے محاورے میں ان الفاظ کے ذریعے پورا وجود مراد لیا جاتا ہے۔ جہاں تک لفظ جسم اور بدن کا تعلق ہے، تو اس کے ذریعے پورا وجود مراد لینا کسی دلیل کا محتاج نہیں ہے۔

- جہاں تک لفظ گردن اور گدی کا تعلق تو اس کے ذریعے پورا وجود مراد لینے کی دلیل اللہ تعالیٰ کے یہ فرمان ہے۔ "تو ایک گدی (یعنی پورا غلام) آزاد کرنا"۔ اسی طرح ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: "ان کی گردنیں (یعنی ان کے پورے وجود) جھکے ہوئے ہوں" "فرج (یعنی شرمگاہ) بول کر پورا وجود مراد لینے کی دلیل نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان ہے: "اللہ تعالیٰ ان فروج (یعنی عورتوں کی شرمگاہ یعنی ان عورتوں) پر لعنت کرے جو زینوں پر رہتی ہیں"۔ یعنی پردے کا خیال نہیں رکھتی ہیں۔ لفظ سر یا چہرہ بول کر پورا وجود مراد لینے کی دلیل عربی کا یہ محاورہ ہے فلان راس القوم (فلاں شخص اپنی قوم کا سر ہے) یعنی اس کا وجود پوری قوم کے لئے باعث افتخار ہے۔ فلان وجہ العرب (فلاں شخص عربوں کا چہرہ ہے) یعنی اس کا وجود عربوں کے لئے باعث افتخار ہے۔ لفظ "روح" کے ذریعے پورا وجود مراد لینے کی دلیل عربوں کا یہ مقولہ ہے: ہلک روحہ (اس کی روح یعنی اس کا پورا وجود ہلاک ہو گیا)

ہاتھ اور پاؤں وغیرہ کی طرف طلاق کی نسبت کرنے کا بیان

﴿وَلَوْ قَالَ: يَدُكِ طَالِقٌ اَوْ رِجْلُكِ طَالِقٌ لَمْ يَقَعِ الطَّلَاقُ﴾ وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ: يَقَعُ، وَكَذَا الْخِلَافُ فِيْ كُلِّ جُزْءٍ مُعَيَّنٍ لَا يُعَبَّرُ بِهٖ عَنْ جَمِيْعِ الْبَدَنِ. يَكُوْنُ مَحَلًّا لِلطَّلَاقِ فَيَثْبُتُ الْحُكْمُ فِيْهِ قَضِيَّةً لِلْاِضَافَةِ ثُمَّ يَسْرِيْ اِلَى الْكُلِّ كَمَا فِي الْجُزْءِ الشَّائِعِ، بِخِلَافِ مَا اِذَا اُضِيْفَ اِلَيْهِ النِّكَاحُ لِاَنَّ التَّعَدِّيَ مُمْتَنِعٌ اِذِ الْحُرْمَةُ فِيْ سَائِرِ الْاَجْزَاءِ تَغْلِبُ الْحِلَّ فِيْ هٰذَا الْجُزْءِ وَفِي الطَّلَاقِ الْاَمْرُ عَلَى الْقَلْبِ.

وَلَنَا اَنَّهٗ اَضَافَ الطَّلَاقَ اِلٰى غَيْرِ مَحَلِّهٖ فَيَلْغُوْ كَمَا اِذَا اَضَافَهٗ اِلٰى رِيْقِهَا اَوْ ظُفُرِهَا، وَهٰذَا لِاَنَّ مَحَلَّ الطَّلَاقِ مَا يَكُوْنُ فِيْهِ الْقَيْدُ لِاَنَّهٗ يُنْبِئُ عَنْ رَفْعِ الْقَيْدِ وَلَا قَيْدَ فِي الْيَدِ وَلِهٰذَا لَا تَصِحُّ اِضَافَةُ النِّكَاحِ اِلَيْهِ، بِخِلَافِ الْجُزْءِ الشَّائِعِ لِاَنَّهٗ مَحَلٌّ لِلنِّكَاحِ عِنْدَنَا حَتّٰى تَصِحَّ اِضَافَتُهٗ اِلَيْهِ فَكَذَا يَكُوْنُ مَحَلًّا لِلطَّلَاقِ. وَاخْتَلَفُوْا فِي الظَّهْرِ وَالْبَطْنِ، وَالْاَظْهَرُ

أَنَّهُ لَا يَصِحُّ لِأَنَّهُ لَا يُعَبَّرُ بِهِمَا عَنْ جَمِيعِ الْبَدَنِ .

ترجمہ

اور اگر مرد یہ کہے: تمہارے ہاتھ کو طلاق ہے یا تمہارے پاؤں کو طلاق ہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ امام زفر اور امام شافعی فرماتے ہیں: واقع ہو جائے گی۔ اسی طرح یہ اختلاف ہر اس متعین جزء کے بارے میں پایا جاتا ہے جس کے ذریعے پورا جسم مراد نہیں لیا جاتا۔ امام زفر اور امام شافعی کی دلیل یہ ہے: عقد نکاح کی دلیل سے یہ ایک ایسا جزء بن گیا ہے جس سے نفع حاصل کیا جا سکتا ہے اور جس جزء کا یہ حال ہو وہ نکاح کے حکم کا محل بن سکتا ہے تو یہ طلاق کا محل بھی بن جائے گا۔ لہٰذا اضافت کے تقاضے کی دلیل سے اس میں حکم ثابت ہوگا اور پھر وہ حکم پورے وجود میں جاری ہوگا جیسا کہ جزء شائع میں ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف جب اس کی طرف نکاح کی نسبت کی جائے (تو حکم مختلف ہوگا) کیونکہ یہاں متعدی کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ تمام اجزاء کی حرمت اس جزء میں حلت پر غالب آ جائے گی جبکہ طلاق میں معاملہ اس کے الٹ ہوتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے: اس شخص نے طلاق کی نسبت اس جزء کی طرف کی ہے جو طلاق کا محل نہیں ہے تو یہ لغو جائے گا تو یہ اسی طرح ہوگا جیسے اس شخص نے طلاق کی نسبت عورت کے تھوک یا اس کے ناخن کی طرف کی ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے: طلاق کا محل وہ مخصوص ہوتا ہے جس میں قید کا مفہوم پایا جاتا ہو کیونکہ طلاق قید ختم ہونے کی خبر دیتی ہے اور ہاتھ میں ایسی کوئی قید نہیں پائی جاتی یہی دلیل ہے۔ ہاتھ کی طرف نکاح کی نسبت بھی نہیں کی جاتی۔ جزء شائع کا حکم اس سے مختلف ہے کیونکہ ہمارے نزدیک وہ نکاح کا محل ہے یہاں تک کہ اس کی طرف نکاح کو منسوب کرنا درست شمار ہوگا اور اسی دلیل سے وہ طلاق کا بھی محل ہے۔ پشت (کمر) اور پیٹ کے بارے میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے زیادہ ظاہر یہی ہے (کہ ان کی طرف طلاق کی نسبت کرنے پر) وہ درست نہیں ہوگی کیونکہ ان دونوں اعضاء کے ذریعے پورا جسم مراد نہیں لیا جاتا۔

اعضاء کی طرف نسبت سے عدم طلاق کا وقوع

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اور جب کسی شخص نے ہاتھ یا اُنگلی یا ناخن یا پاؤں یا بال یا ناک یا پنڈلی یا ران یا پیٹھ یا پیٹ یا زبان یا کان یا منہ یا ٹھوڑی یا دانت یا سینہ یا پستان کو کہا کہ اسے طلاق تو واقع نہ ہوگی۔ (جوہرہ نیرہ، کتاب طلاق)

اگر سر یا گردن پر ہاتھ رکھ کر کہا تیرے اس سر یا اس گردن کو طلاق تو واقع نہ ہوگی اور اگر ہاتھ نہ رکھا اور یوں کہا اس سر کو طلاق اور عورت کے سر کی طرف اشارہ کیا تو واقع ہو جائے گی۔ (درمختار، کتاب طلاق)

اعضاء کی جانب منسوب طلاق میں فقہی اختلاف

یہاں مصنف نے بعض دیگر اعضاء کا حکم بیان کیا ہے: اگر شوہر نے طلاق مخصوص اعضاء کی طرف منسوب کی ہو تو اس کا حکم کیا ہوگا؟ مصنف یہ فرماتے ہیں: اگر شوہر نے بیوی کے ہاتھ پاؤں کو طلاق دی ہو تو ہمارے نزدیک طلاق واقع نہیں ہوتی۔ البتہ اس

بارے میں امام زفراور امام شافعی کی دلیل مختلف ہے۔ان کے نزدیک ایسی صورت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔مصنف نے یہاں یہ اصول بیان کیا ہے: ہمارے امام زفراور امام شافعی کے درمیان ہر اس متعین جزء میں پایا جاتا ہے جس کو ذکر کر کے طلاق دی گئی ہو اور اس جزء کے ذریعے پورا جسم مراد لیا جاتا ہو۔

امام زفراور امام شافعی اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں: جس جزء کو طلاق دی گئی ہے تو جب اس سے انتفاع کیا جاسکتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا: وہ جزء نکاح کا محل ہے اور جب وہ نکاح کا محل ہوگا تو اس کا لازمی مطلب یہی ہوگا' وہ طلاق کا بھی محل ہے اس لئے اس میں حکم ثابت ہو جائے گا' اور پھر اسے پورے وجود کی طرف منسوب کر دیا جائے گا جس طرح مشترک جزء کی نسبت پورے وجود کی طرف کر دی جاتی ہے۔

اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے: آپ نے یہ کہا: اس جزء سے انتفاع کیا جاسکتا ہے اس لئے وہ محل نکاح ہوگا۔نکاح کا محل ہوگا تو وہ طلاق کا بھی محل ہوگا لیکن اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے: اگر کوئی شخص کسی عورت سے یہ کہے: میں تمہارے ہاتھ سے نکاح کرتا ہوں' یا پاؤں سے نکاح کرتا ہوں' تو آپ کے نزدیک بھی نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

اس کا جواب انہوں نے یہ دیا ہے: یہاں نکاح منعقد اس دلیل سے نہیں ہوتا کہ اگر نکاح اس جزء سے کر لیا جائے' تو اس کے نتیجے میں صرف اسی مخصوص جزء کے بارے میں حلت ثابت ہوگی' اور دیگر تمام اجزاء وجود اپنی اصل صورت میں برقرار رہیں گے اور اس کا نتیجہ یہ نکلے گا: تمام اجزاء بدن کے مقابلے میں اس ایک جزء کی حلت' حرمت کے سامنے مغلوب ہو جائے گی۔طلاق کے معاملے میں ہم اس متعین جزء کو معتبر اسی لئے کرتے ہیں' کیونکہ طلاق کا معاملہ نکاح سے مختلف ہے یعنی اس متعین جزء میں جب طلاق کو نافذ قرار دیا جائے' تو اس کی حرمت ثابت ہو جائے گی۔اب اگرچہ دیگر اجزاء میں حلت کا مفہوم پایا جاتا ہے' لیکن کسی ایک جزء کی حرمت دیگر تمام اجزاء کی حلت کو ختم کر دے گی۔

یہاں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے۔احناف اس بات کے قائل ہیں: لفظ طلاق کے ذریعے نکاح کو ختم کیا جاسکتا ہے' اور یہ قید اسی جگہ لگائی جاسکتی ہے۔جہاں یہ موجود ہے۔جہاں یہ موجود ہی نہیں ہوگی وہاں سے اس کو اٹھانا ممکن نہیں ہے۔مذکورہ بالا مسئلے میں یعنی جب شوہر نے طلاق کی نسبت عورت کے ہاتھ کی طرف کی ہے' اس میں ہم نے اس بات کا جائزہ لیا کہ اس نے طلاق کو ایک ایسی چیز کی طرف منسوب کیا ہے جس میں وہ قید پائی ہی نہیں جارہی اور اس قید کی عدم موجودگی کی دلیل سے وہ طلاق کا محل نہیں ہوسکتا جب وہ طلاق کا محل نہیں: وہ تو اس پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

اس کی مثال اسی طرح ہوگی: جیسے کہ شوہر عورت سے یہ کہے: تمہاری تھوک کو طلاق ہے' یا تمہارے ناخن کو طلاق ہے' کیونکہ تھوک اور ناخن طلاق کا محل نہیں ہوتے ہیں اس سے یہ الفاظ موثر نہیں ہو سکتے۔چونکہ ہاتھ اور پاؤں میں ایسی کوئی قید نہیں پائی جاتی' اس لئے انہیں طلاق نہیں دی جاسکتی۔اس طرح ہاتھ اور پاؤں سے نکاح بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے: آپ مشترک جزء کو دی جانے والی طلاق کے نتیجے میں پورے وجود کو طلاق ہونے کے کیوں

قائل ہیں؟ مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے: جس طرح سے مشترک جزء کی طرف نکاح کی نسبت کی جائے تو وہ پورے وجود کی طرف منسوب ہوتی ہے جس کے نتیجے میں نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔تو جب وہ مشترک جزء نکاح کا محل ہو سکتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا: وہ طلاق کا محل بھی ہو سکتا ہے۔یہاں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: عورت کے پیٹ یا پشت کی طرف طلاق کی نسبت کرنے کے نتیجے میں طلاق ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔تاہم زیادہ مناسب یہ ہے کہ ایسی دی ہوئی طلاق نہیں ہوگی اور واقع نہیں ہوگی۔اس کی دلیل یہ ہے: پشت اور پیٹ دونوں الفاظ کے ذریعے پورا وجود مراد نہیں لیا جاتا ہے۔

نصف یا ایک تہائی طلاق دینے کا بیان

﴿وَاِنْ طَلَّقَهَا نِصْفَ تَطْلِيقَةٍ اَوْ ثُلُثَهَا كَانَتْ﴾ طَالِقًا ﴿تَطْلِيقَةً وَاحِدَةً﴾ لِاَنَّ الطَّلَاقَ لَا يَتَجَزَّاُ، وَذِكْرُ بَعْضِ مَا لَا يَتَجَزَّاُ كَذِكْرِ الْكُلِّ، وَكَذَا الْجَوَابُ فِيْ كُلِّ جُزْءٍ سَمَّاهُ لِمَا بَيَّنَّا ﴿وَلَوْ قَالَ لَهَا :اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثَةَ اَنْصَافِ تَطْلِيقَتَيْنِ فَهِيَ طَالِقٌ ثَلَاثًا﴾ لِاَنَّ نِصْفَ التَّطْلِيقَتَيْنِ تَطْلِيقَةٌ، فَاِذَا جَمَعَ بَيْنَ ثَلَاثَةِ اَنْصَافٍ تَكُوْنُ ثَلَاثُ تَطْلِيقَاتٍ ضَرُورَةً .

وَلَوْ قَالَ :اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثَةَ اَنْصَافِ تَطْلِيقَةٍ، قِيْلَ :يَقَعُ تَطْلِيقَتَانِ لِاَنَّهَا طَلْقَةٌ وَّنِصْفٌ فَيَتَكَامَلَ، وَقِيْلَ :يَقَعُ ثَلَاثُ تَطْلِيقَاتٍ لِاَنَّ كُلَّ نِصْفٍ يَتَكَامَلُ فِيْ نَفْسِهٖ فَتَصِيْرُ ثَلَاثًا .

ترجمہ

اگر مرد عورت کو نصف طلاق دے یا ایک تہائی طلاق دے تو عورت کو ایک طلاق ہو جائے گی' کیونکہ طلاق کو اجزاء میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔(اور بنیادی اصول یہ ہے) جس چیز کو اجزاء میں تقسیم نہ کیا جا سکتا ہو اس کے بعض حصے کو ذکر کرنا اسے مکمل ذکر کرنے کی مانند ہوگا۔اسی طرح ہر اس جزء کا جواب ہوگا' جس کا شوہر نے نام لیا ہو اس کی دلیل ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔اگر مرد نے عورت سے یہ کہا: تمہیں تین آدھی' آدھی طلاقیں ہیں' تو اس عورت کو تین طلاقیں ہو جائیں گی۔اگر مرد نے عورت سے یہ کہا: تم دو طلاقوں کے تین نصف والی ہو' تو عورت کو تین طلاقیں ہو جائیں گی' کیونکہ دو طلاقوں کا نصف ایک طلاق ہے' تو جب تین نصف جمع کیے جائیں گے تو تین طلاقیں ہو جائیں گی۔

طلاق کا جز بھی مکمل طلاق ہے

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جزوطلاق بھی پوری طلاق ہے اگرچہ ایک طلاق کا ہزارواں حصہ ہو مثلاً کہا تجھے آدھی یا چوتھائی طلاق ہے تو پوری ایک طلاق پڑے گی کہ طلاق کے حصے نہیں ہو سکتے۔اگر چند اجزا ذکر کیے جن کا مجموعہ ایک سے

زیادہ نہ ہوتو ایک ہوگی اور ایک سے زیادہ ہوتو دوسری بھی پڑ جائے گی مثلاً کہا ایک طلاق کا نصف اور اس کی تہائی اور چوتھائی کہ نصف اور تہائی اور چوتھائی کا مجموعہ ایک سے زیادہ ہے لہٰذا دو واقع ہوئیں اور اگر اجزا کا مجموعہ دو سے زیادہ ہے تو تین ہونگی۔ یونہی ڈیڑھ میں دو اور ڈھائی میں تین اور اگر دو طلاق کے تین نصف کہے تو تین ہونگی اور ایک طلاق کے تین نصف میں دو اور اگر کہا ایک سے دو تک تو ایک، اور ایک سے تین تک تو دو۔ (درمختار، کتاب طلاق)

اطلاق طلاق میں عدم تجزی کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو آدھی یا ایک تہائی طلاق دیدے تو عورت کو ایک پوری طلاق ہوجائے گی۔ مصنف نے اس کی دلیل یہ بیان کی ہے: طلاق کو اجزاء میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا اور جس چیز کی یہ حیثیت ہو کہ اجزاء میں تقسیم نہ کیا جا سکتا ہو اس کے کسی جزء کو ذکر کرنا اس کے پورے وجود کو ذکر کرنے کے مترادف ہوتا ہے۔ یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص عورت کو دو طلاقوں کے تین حصے کر کے طلاق دے تو اس کے نتیجے میں عورت کو تین طلاقیں ہو جائے گی۔ اس کی دلیل یہ ہے: دو طلاقوں کا ایک حصہ ایک طلاق شمار ہوگا تو جب تین حصے ہوں گے تو لازمی طور پر عورت کو تین طلاقیں ہو جائیں گی۔

اگر شوہر نے بیوی کو ایک طلاق کے تین حصے کر کے دی ہو تو اس بارے میں دو قول ہیں۔ ایک قول کے مطابق دو طلاقیں واقع ہوں گی، کیونکہ ایک طلاق کے تین حصے کرنے کا مطلب یہ ہے: وہ مذکورہ طلاق بن رہی ہے تو یہاں دوسری طلاق کا نصف حصہ ہے اس لئے دو طلاقیں مکمل شمار ہو جائیں گی۔ دوسرا قول یہ ہے: اس صورت میں تین طلاقیں واقع ہوں گی اس کی دلیل یہ ہے: شوہر نے ایک طلاق کے تین نصف یعنی تین حصے کئے ہیں اور ہر حصہ چونکہ اپنی الگ حیثیت رکھتا ہے اسی لئے تین حصے ہونے کی صورت میں تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

عربی کے بعض جملوں سے طلاق کے استدلال کا بیان

﴿وَلَوْ قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ مِنْ وَاحِدَةٍ اِلَى ثِنْتَيْنِ اَوْ مَا بَيْنَ وَاحِدَةٍ اِلَى ثِنْتَيْنِ فَهِيَ وَاحِدَةٌ. وَلَوْ قَالَ: مِنْ وَاحِدَةٍ اِلَى ثَلَاثٍ اَوْ مَا بَيْنَ وَاحِدَةٍ اِلَى ثَلَاثٍ فَهِيَ ثِنْتَانِ. وَهٰذَا عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ. وَقَالَ فِي الْاُولٰى هِيَ ثِنْتَانِ وَفِي الثَّانِيَةِ ثَلَاثٌ﴾ وَقَالَ زُفَرُ: الْاُولٰى لَا يَقَعُ شَيْءٌ، وَفِي الثَّانِيَةِ تَقَعُ وَاحِدَةٌ، وَهُوَ الْقِيَاسُ لِاَنَّ الْغَايَةَ لَا تَدْخُلُ تَحْتَ الْمَضْرُوْبِ لَهُ الْغَايَةُ، كَمَا لَوْ قَالَ: بِعْتُ مِنْكَ مِنْ هٰذَا الْحَائِطِ اِلَى هٰذَا الْحَائِطِ. وَجْهُ قَوْلِهِمَا وَهُوَ الِاسْتِحْسَانُ اَنَّ مِثْلَ هٰذَا الْكَلَامِ مَتٰى ذُكِرَ فِي الْعُرْفِ يُرَادُ بِهِ الْكُلُّ، كَمَا تَقُوْلُ لِغَيْرِكَ خُذْ مِنْ مَالِي مِنْ دِرْهَمٍ اِلَى مِائَةٍ. وَلِاَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَنَّ الْمُرَادَ بِهِ الْاَكْثَرُ مِنَ

الْاَقَلِّ وَالْاَقَلُّ مِنَ الْاَكْثَرِ فَاِنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ سِنِّي مِنْ سِتِّيْنَ اِلَى سَبْعِيْنَ وَمَا بَيْنَ سِتِّيْنَ اِلَى سَبْعِيْنَ وَيُرِيْدُوْنَ بِهِ مَا ذَكَرْنَاهُ، وَاِرَادَةُ الْكُلِّ فِيْمَا طَرِيْقُهُ طَرِيْقُ الْاِبَاحَةِ كَمَا ذُكِرَ، اِذِ الْاَصْلُ فِي الطَّلَاقِ هُوَ الْحَظْرُ، ثُمَّ الْغَايَةُ الْاُوْلَى لَا بُدَّ اَنْ تَكُوْنَ مَوْجُوْدَةً لِيَتَرَتَّبَ عَلَيْهَا الثَّانِيَةُ، وَوُجُوْدُهَا بِوُقُوْعِهَا، بِخِلَافِ الْبَيْعِ لِاَنَّ الْغَايَةَ فِيْهِ مَوْجُوْدَةٌ قَبْلَ الْبَيْعِ .وَلَوْ نَوٰى وَاحِدَةً يُدَيَّنُ دِيَانَةً لَا قَضَاءً لِاَنَّهُ مُحْتَمَلُ كَلَامِهِ لٰكِنَّهُ خِلَافُ الظَّاهِرِ .

ترجمہ

اور اگر اس نے یہ کہا: تم ایک طلاق کے تین نصف کے ساتھ طلاق یافتہ ہو تو ایک قول کے مطابق دو طلاقیں واقع ہوں گی کیونکہ یہ دونوں مل کر ڈیڑھ طلاقیں ہو رہی ہیں' جنہیں مکمل کیا جائے گا (تو دو ہو جائیں گی) اور ایک قول کے مطابق تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی' کیونکہ ہر نصف اپنی ذات کے اعتبار سے مکمل ہے' تو یہ تین ہو جائیں گی۔ اگر مرد نے یہ کہا: تمہیں ایک سے لے کر دو تک' طلاق ہے یا ایک اور دو کے درمیان' جو ہے اتنی طلاق ہے' تو یہ ایک طلاق ہوگی۔ اور اگر مرد نے یہ کہا: ایک سے لے کر تین تک' ہے یا ایک سے لے کر تین کے درمیان' جو کچھ ہے اتنی طلاق ہے' تو یہ دو طلاقیں ہوں گی' یہ حکم امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔ صاحبین نے پہلی صورت کے بارے میں یہ کہا ہے: دو طلاقیں ہو جائیں گی' اور دوسری صورت کے بارے میں یہ کہا ہے: تین واقع ہو جائیں گی۔ امام زفر نے پہلی صورت کے بارے میں یہ کہا ہے: کوئی چیز واقع نہیں ہوگی اور دوسری صورت کے بارے میں یہ کہا ہے: ایک طلاق واقع ہوگی اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے' اس کی دلیل یہ ہے: غایت اس چیز کے تحت داخل نہیں ہوتی جس کے لئے غایت کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ اسی طرح ہے: جیسے اس شخص نے یہ کہا: میں اس دیوار سے لے کر اس دیوار تک تمہیں فروخت کر رہا ہوں۔ صاحبین کے فتویٰ کی دلیل استحسان ہے: اس طرح کا کلام جو عرف میں ذکر کیا جاتا ہے' تو اس سے مراد ''کل'' ہوتا ہے جیسے آپ کسی دوسرے سے یہ کہیں: میرے مال میں سے' ایک درہم سے لے کر سو درہم تک لے لو۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے: اس طرح کے کلام میں' سب سے کم سے مراد سب سے زیادہ ہوتا ہے اور سب سے زیادہ سے مراد سب سے کم ہوتا ہے۔ یہ اسی طرح ہے: جیسے لوگ یہ کہتے ہیں: میری عمر ساٹھ سے لے کر ستر تک ہے یا ساٹھ سے لے کر ستر کے درمیان ہے اور اس سے وہی معنی مراد لیتے ہیں' جو ہم ذکر کر چکے ہیں۔

ایسے کلام سے کل مراد لینا اس صورت میں ہوتا ہے۔ جب اباحت کا طریقہ ہو' جیسا کہ صاحبین نے یہ بات بیان کی ہے' جبکہ طلاق میں اصل ممانعت ہے' پھر اس کے ساتھ پہلی غایت کا موجود ہونا بھی ضروری ہے تاکہ اس پر دوسری غایت کو مرتب کیا جا سکے اور اس کے وجوب کی دلیل سے اس کا وجوب ہو سکے' جبکہ خرید و فروخت کا حکم اس سے مختلف ہے' کیونکہ سودے سے پہلے یہاں غایت موجود ہے۔ اگر مرد نے ایک طلاق کی نیت کی ہو' تو دیانت کے اعتبار سے اس کی بات تسلیم کی جائے گی' لیکن قضاء کے اعتبار

سے تسلیم نہیں کی جائے گی اب ان کی دلیل یہ ہے: اس کا کلام اس مفہوم کا احتمال رکھتا ہے لیکن یہ بات ظاہر کے خلاف ہے۔ •

ڈیڑھ طلاق کہنے سے دو طلاقوں کا وقوع

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کہا ڈیڑھ طلاق تو دو ہونگی اور اگر کہا آدھی اور ایک تو ایک۔ یونہی ڈھائی کہا تو تین اور دو اور آدھی کہا تو دو۔ (درمختار، کتاب طلاق)

جب طلاق کے ساتھ کوئی عدد یا وصف مذکور ہو تو اُس عدد یا وصف کے ذکر کرنے کے بعد واقع ہوئی صرف طلاق سے واقع نہ ہوگی مثلاً لفظ طلاق کہا اور عدد یا وصف کے بولنے سے پہلے عورت مرگئی تو طلاق نہ ہوئی اور اگر عدد یا وصف بولنے سے پہلے شوہر مر گیا یا کسی نے اُس کا مونھ بند کر دیا تو ایک واقع ہوگی کہ جب شوہر مرگیا تو ذکر نہ پایا گیا صرف ارادہ پایا گیا اور صرف ارادہ ناکافی ہے اور منہ بند کر دینے کی صورت میں اگر ہاتھ ہٹاتے ہی اُسنے فوراً عدد یا وصف کو ذکر کر دیا تو اسکے موافق ہوگی ورنہ وہی ایک ہوگی۔

علامہ ابن نجیم حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اور جس شخص کی چار عورتیں ہیں اور یہ کہا کہ تم سب کے درمیان ایک طلاق تو چاروں پر ایک ایک ہوگی۔ یونہی دو یا تین یا چار طلاقیں کہیں جب بھی ایک ایک ہوگی مگر اُن صورتوں میں اگر یہ نیت ہے کہ ہر ایک طلاق چاروں پر تقسیم ہو تو دو میں ہر ایک پر دو (۲) ہونگی اور تین یا چار میں ہر ایک پر تین، اور پانچ، چھ، سات، آٹھ میں ہر ایک پر دو اور تقسیم کی نیت ہے تو ہر ایک پر تین تو، دس وغیرہ میں بہر حال ہر ایک پر تین واقع ہونگی۔ یونہی اگر کہا میں نے تم سب کو ایک طلاق میں شریک کر دیا تو ہر ایک پر ایک ہوگی۔ (بحرالرائق، کتاب طلاق)

عددی جملوں کی تقسیم سے وقوع طلاق کا بیان

یہاں مصنف نے عربی کے بعض جملوں کا حکم بیان کیا ہے: اگر شوہر مختلف نوعیت کے الفاظ استعمال کرتا ہے تو الفاظ کے اختلاف سے حکم میں کیا فرق آئے گا۔ سب سے پہلے مصنف نے ان دو جملوں کا ذکر کیا ہے۔

(i) انت طالق من واحد الی ثنتین (تمہیں ایک سے دو تک طلاق ہے)

(ii) انت طالق مابین واحدة الی ثنتین (تمہیں ایک اور دو کے درمیان جو ہے اتنی طلاق ہے)

مصنف فرماتے ہیں: اس صورت میں ایک طلاق واقع ہوگی جبکہ درج ذیل جملوں کا حکم مختلف ہے۔

(i) انت طالق من واحدة الی ثلاث (تمہیں ایک سے لے کر تین تک طلاق ہے)

(ii) انت طالق مابین واحدة الی ثلاث (تمہیں ایک سے تین کے درمیان جو ہے اتنی طلاق ہے)

اس صورت میں دو طلاقیں ہوں گی لیکن یہ حکم امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔ صاحبین رحمہما اللہ یہ فرماتے ہیں: پہلی صورت میں دو طلاقیں ہوں گی جبکہ دوسری صورت میں تین طلاقیں ہوں گی۔ امام زفر کی دلیل اس بارے میں مختلف ہے۔

وہ یہ فرماتے ہیں: پہلی صورت میں کوئی طلاق نہیں ہوگی' جبکہ دوسری صورت میں ایک طلاق ہوگی۔

مصنف فرماتے ہیں: یہ دلیل قیاس کے مطابق ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے: اصول یہ ہے: غایت مُغیا میں داخل نہیں ہوتی ہے' جیسے کوئی شخص یہ کہے: میں نے اس دیوار سے اس دیوار تک کی جگہ تمہیں فروخت کر دی' تو اس میں غایت اور مغیا داخل نہیں ہوں گی۔ بالکل اسی طرح پہلی صورت میں جب مرد نے یہ کہا "تمہیں ایک سے دو تک طلاق ہے" یا "یہ کہا: ایک اور دو کے درمیان جو ہے' تمہیں اتنی طلاق ہے"۔ تو اس صورت میں ایک غایت ہے' اور دو مغیا ہے' اور کیونکہ ان دونوں کے درمیان دوسرا کوئی عدد نہیں ہے اس لئے یہ جملہ لغو قرار دیا جائے گا اور کوئی بھی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اس صورت میں جب مرد نے یہ کہا ہو "تمہیں ایک سے لے کر تین طلاق ہے" یا یہ کہا ہو: ایک اور تین کے درمیان جو ہے تمہیں اتنی طلاق ہے' تو اس صورت میں ایک اور تین کے درمیان دو کا عدد پایا جاتا ہے' جو عدد ہونے میں ایک ہی عدد ہے' اس لئے دوسری صورت میں ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔ صاحبین نے اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: غایت اور مغیا دونوں کلام کی مراد میں شامل ہوتے ہیں ان حضرات نے اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: اگر کوئی شخص یہ کہے "تم میرے مال میں سے ایک سے لے کر سو تک درہم لے سکتے ہو" تو اس صورت میں ایک اور ایک سو' دونوں حکم میں شامل ہوں گے' لہٰذا یہ اس بات کی دلیل ہے: کلام کی مراد میں غایت اور مغیا دونوں شامل ہوتے ہیں۔ یہی دلیل ہے: پہلی صورت میں ایک اور دو' دونوں کلام میں شامل ہوں گے' لہٰذا دو طلاقیں واقع ہو جائیں گی' جبکہ دوسری صورت میں ایک اور تین دونوں شامل ہوں گے' اس لئے تین طلاقیں ہو جائیں گی۔

امام صاحب کے موقف کی دلیل یہ ہے: اصول یہ ہے: عدد کے ہمراہ غایت اور مغیا کو بیان کرنے کی صورت میں اگر درمیان میں کوئی عدد نہ ہو' تو بڑے عدد کے مقابلے میں چھوٹا عدد مراد ہوتا ہے' اس لئے پہلی صورت میں جب ایک اور دو کے درمیان کوئی اور عدد نہیں ہے' تو بڑے عدد یعنی دو کے مقابلے میں چھوٹا عدد' یعنی ایک مراد ہوگا' اور ایک طلاق ہونے کا حکم جاری کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر غایت اور مغیا کے درمیان کوئی اور عدد بھی ہو' تو اس صورت میں چھوٹا عدد مراد لینے کی بجائے' وہ عدد مراد لیا جائے گا جو چھوٹے سے بڑا ہو۔ مذکورہ بالا مسئلے میں جب ایک اور تین کے درمیان تیسرا عدد' یعنی دو' موجود ہے' تو اس صورت میں چھوٹے عدد' یعنی ایک سے بڑا عدد' یعنی دو مراد لیا جائے گا اور اس صورت میں دو طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ مصنف نے اس کی دلیل یہ پیش کی ہے: عربی کا یہ محاورہ ہے: لوگ یہ کہتے ہیں: میری عمر ساٹھ سے لے کر ستر سال تک ہے' تو اس سے مراد ساٹھ کے اور ستر کے درمیان کے عدد ہوں گے۔ صاحبین نے اپنے موقف کی تائید میں یہ بات بیان کی تھی: کلام میں غایت اور مغیا دونوں مراد ہوتے ہیں۔ اس کا جواب دیتے ہوئے مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: یہ مفہوم اس وقت مراد لیا جاتا ہے جب کسی چیز کے جواز یا اباحت کو ثابت کیا جا رہا ہو۔ جیسا کہ ان کی بیان کردہ مثال میں درہم لینے کو مباح قرار دیا گیا ہے' جبکہ طلاق کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔

امام زفر اس بات کے قائل ہیں۔ غایت اور مغیا دونوں حکم میں شامل نہیں ہوتے ہیں۔ اس کے جواب میں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: پہلی غایت کی موجودگی ضروری ہے تا کہ اس پر دوسری کو مرتب کیا جا سکے اور اس کے واقع ہونے کے ہمراہ اس کا

وجود ہو۔ امام زفر نے اپنے مؤقف کی تائید میں جو مثال پیش کی تھی: وہ ایک دیوار سے دوسری دیوار تک جگہ خریدنے کی بارے میں تھی۔ مصنف فرماتے ہیں: اس سودے کا حکم مختلف ہے کہ یہاں سودے سے پہلے بھی غایت اس میں موجود تھی۔ یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر مرد نے ان الفاظ کے ذریعے ایک طلاق دینے کی نیت کی ہو تو دیانت کے اعتبار سے یعنی اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان معاملے کے حوالے سے اس کی بات کی تصدیق کی جائے گی اور یہ تصدیق اس لئے کی جاتی ہے کیونکہ اس شخص کے کلام میں اس مفہوم کا احتمال موجود ہے لیکن قضا کے اعتبار سے اس کی بات کی تصدیق نہیں کی جائے گی کیونکہ یہ مفہوم ظاہر کے خلاف ہے۔

ضرب اور حساب کے الفاظ سے طلاق کا بیان

﴿وَلَوْ قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ وَّاحِدَةً فِيْ ثِنْتَيْنِ وَنَوَى الضَّرْبَ وَالْحِسَابَ اَوْ لَمْ تَكُنْ لَّهُ نِيَّةٌ فَهِيَ وَاحِدَةٌ﴾ وَقَالَ زُفَرُ: تَقَعُ ثِنْتَانِ لِعُرْفِ الْحِسَابِ، وَهُوَ قَوْلُ الْحَسَنِ بْنِ زِيَادٍ. وَلَنَا اَنَّ عَمَلَ الضَّرْبِ اَثَرُهُ فِيْ تَكْثِيْرِ الْاَجْزَاءِ لَا فِيْ زِيَادَةِ الْمَضْرُوْبِ، وَتَكْثِيْرُ اَجْزَاءِ الطَّلْقَةِ لَا يُوْجِبُ تَعَدُّدَهَا ﴿فَاِنْ نَوىٰ وَاحِدَةً وَّثِنْتَيْنِ فَهِيَ ثَلَاثٌ﴾ لِاَنَّهُ يَحْتَمِلُهُ فَاِنَّ حَرْفَ الْوَاوِ لِلْجَمْعِ وَالظَّرْفَ يَجْمَعُ الْمَظْرُوْفَ، وَلَوْ كَانَتْ غَيْرَ مَدْخُوْلٍ بِهَا تَقَعُ وَاحِدَةً كَمَا فِيْ قَوْلِهِ وَاحِدَةً وَّثِنْتَيْنِ، وَاِنْ نَوىٰ وَاحِدَةً مَعَ ثِنْتَيْنِ تَقَعُ الثَّلَاثُ لِاَنَّ كَلِمَةَ "فِيْ" تَاْتِيْ بِمَعْنىٰ "مَعَ" كَمَا فِيْ قَوْلِهِ تَعَالىٰ ﴿فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ﴾ اَيْ مَعَ عِبَادِيْ، وَلَوْ نَوَى الظَّرْفَ تَقَعُ وَاحِدَةً، لِاَنَّ الطَّلَاقَ لَا يَصْلُحُ ظَرْفًا فَيَلْغُوْ ذِكْرُ الثَّانِيْ ﴿وَلَوْ قَالَ اثْنَتَيْنِ فِيْ اثْنَتَيْنِ وَنَوَى الضَّرْبَ وَالْحِسَابَ فَهِيَ ثِنْتَانِ﴾ وَعِنْدَ زُفَرَ ثَلَاثٌ لِاَنَّ قَضِيَّتَهُ اَنْ تَكُوْنَ اَرْبَعًا، لٰكِنْ لَّا مَزِيْدَ لِلطَّلَاقِ عَلَى الثَّلَاثِ. وَعِنْدَنَا الْاِعْتِبَارُ الْمَذْكُوْرُ الْاَوَّلُ عَلىٰ مَا بَيَّنَّاهُ.

ترجمہ

اور جب مرد نے یہ کہا: تمہیں دو میں ایک طلاق ہے اور اس نے ضرب اور حساب کی نیت کی یا اس نے کوئی نیت نہیں کی تو یہ ایک طلاق شمار ہوگی۔ امام زفر فرماتے ہیں: یہ دو طلاقیں ہوں گی کیونکہ عرف کا حساب کیا جائے گا۔ امام حسن بن زیاد بھی اسی بات کے قائل ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے: ضرب کا عمل اجزاء میں کثرت پیدا کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ مضروب (جس چیز کو ضرب دی گئی ہو) میں اضافے کے لئے نہیں ہوتا اور طلاق کے اجزاء میں کثرت پیدا کرنے کے نتیجے میں اس کی تعداد میں اضافہ نہیں ہوتا' تو اگر

مرد نے ایک یا دو کی نیت کی تھی' تو یہ تین ہوں گی' کیونکہ کلام اس بات کا احتمال رکھتا ہے' کیونکہ حرف ''و'' جمع کے لئے استعمال ہوتا ہے اور ضرب' معزوب کے ساتھ جمع ہوتا ہے۔ اگر بیوی غیر مدخول بہا ہو' تو ایک طلاق واقع ہو گی' جیسا کہ مرد اگر یہ کہتا: ڈیڑھ اور دو (تو ایک طلاق واقع ہو گی)

اگر مرد نے دو کے ہمراہ ایک طلاق کی نیت کی تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی' کیونکہ لفظ ''فی'' بعض اوقات ''مع'' (ساتھ کے معنی) میں استعمال ہوتا ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''میرے بندوں میں شامل ہو جاؤ'' یعنی میرے بندوں کے ساتھ۔ اگر مرد نے ضرب کی نیت کی تو ایک طلاق واقع ہو گی' کیونکہ طلاق ضرب بننے کی اہلیت نہیں رکھتی اس لیے دوسری کا ذکر لغو جائے گا۔ اگر مرد نے یہ کہا: ''دو میں دو'' اور پھر اس نے ضرب اور حساب کی نیت کی' تو یہ دو طلاقیں شمار ہوں گی' جبکہ امام زفر کے نزدیک یہ تین شمار ہوں گی' کیونکہ اس کا بنیادی تقاضا تو یہ تھا' چار طلاقیں ہو جاتیں' لیکن چونکہ تین سے زیادہ طلاقیں ہو ہی نہیں سکتی ہیں (اس لیے تین شمار ہوں گی) ہمارے نزدیک اسی چیز کا اعتبار کیا جائے گا' جس کا ذکر پہلے ہوا ہے' جیسا کہ ہم پہلے اس بارے میں بیان کر چکے ہیں۔

حساب وضرب کی طلاق میں فقہی تصریحات

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے: انت طالق فی ثنتین (تمہیں دو میں ایک طلاق ہے) اور اس نے اس لفظ کے ذریعے ضرب اور حساب کی نیت کی ہو' یا اس نے کوئی بھی نیت نہ کی ہو' تو اس صورت میں ایک طلاق واقع ہو گی۔ مصنف نے عربی کا جو جملہ نقل کیا ہے: اس کا ہمارے محاورے میں ترجمہ یہ ہو گا: تمہیں ایک ضرب دو طلاق ہے۔ اس مسئلے میں امام زفر کی دلیل مختلف ہے۔ وہ یہ فرماتے ہیں: یہاں ضرب کا ذکر کرنا معتبر ہو گا اور عورت کو دو طلاقیں ہو جائیں گی۔ امام حسن بن زیاد بھی اسی بات کے قائل ہیں۔ امام زفر نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: حساب میں اس جملے سے مراد دو ہو گا' اس لئے عورت کو دو طلاقیں ہوں گی۔

احناف کی دلیل یہ ہے: ضرب اور حساب کا تعلق ان چیزوں سے ہوتا ہے' جن میں لمبائی' چوڑائی' گہرائی کا مفہوم پایا جاتا ہے' اور چونکہ طلاق کی یہ صورت نہیں ہے' اس لئے ضرب دینے کا عمل تعداد میں اضافے کے حوالے سے اثر انداز نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر شوہر نے ضرب کی نیت کی بھی ہو' تو اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا: ایک طلاق کے اجزاء زیادہ ہو جائیں گے لیکن اجزاء کی یہ کثرت طلاقوں کی تعداد زیادہ ہونے کی شکل میں اثر انداز نہیں ہو سکتی' بالکل اسی طرح جیسے نصف' ایک تہائی' ایک چوتھائی یا چھٹے حصے کو طلاق دینے کی صورت میں' صرف ایک ہی طلاق شمار کی جاتی ہے۔ اسی طرح یہاں بھی ایک ہی طلاق مراد ہو گی۔ یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر مرد نے ان الفاظ کے ذریعے ''ایک اور تین طلاقیں'' دینے کی نیت کی ہو' تو عورت کو تین طلاقیں ہو جائیں گی۔ چونکہ الفاظ اس مفہوم کا احتمال رکھتے ہیں۔

اس کی دلیل یہ ہے: حرف "و" جمع کے لئے استعمال ہوتا ہے اور ظرف اپنے مظروف کے لئے جامع ہوتا ہے۔ جیسے مذکورہ بالا مثال میں ظرف ہے اس لئے جامع ہونے کی علت کے پیش نظر دونوں میں استعمال پایا جائے گا اور لفظ واحدۃ فی ثنتین سے مراد واحدۃ و ثنتین ہوگا اور ان الفاظ کے ذریعے تین طلاقیں ہو جائیں گی۔ لیکن اگر بیوی غیر مدخول بہا ہو تو ان الفاظ کے نتیجے میں ایک طلاق واقع ہوگی جیسے اگر شوہر نے اس غیر مدخول بہا کو واحدۃ و ثنتین کے الفاظ کے ذریعے طلاق دی ہوتی تو لفظ واحدۃ کے ذریعے عورت کو طلاق بائنہ ہو جاتی اور وہ ثنتین کا محل ہی نہیں رہتی تھی۔

اگر مرد نے ان الفاظ کے ذریعے واحدۃ مع ثنتین کی نیت کی ہو تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ اس کی دلیل یہ ہے: حرف "فی" "مع" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ (میرے بندوں میں داخل ہو جاؤ) یہ فرمان فادخلی مع عبادی (میرے بندوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ) کے معنی میں ہے۔ اگر مرد نے ان الفاظ کے ذریعے ظرف کی نیت کی ہو تو ایک طلاق واقع ہوگی اس کی دلیل یہ ہے: طلاق ظرف نہیں بن سکتی تو اس صورت میں دوسرے لفظ کا ذکر لغو قرار دیا جائے گا۔

اگر مرد نے یہ الفاظ استعمال کیے ہوں: اثنتین فی اثنتین (یعنی دو ضرب دو طلاق) اور اس نے ضرب اور حساب کی نیت کی ہو تو دو طلاقیں ہوں گی۔

امام زفر اس بات کے قائل ہیں: اس صورت میں تین طلاقیں ہو جائیں گی۔ اس کی دلیل یہ ہے: اصولی طور پر چار طلاقیں ہونی چاہیے تھیں، لیکن کیونکہ تین سے زیادہ طلاقیں نہیں دی جا سکتی ہیں اس لئے تین طلاقیں ہوں گی۔ احناف یہ دلیل دیتے ہیں: طلاق میں چونکہ لمبائی، چوڑائی اور گہرائی کا مفہوم نہیں پایا جاتا' اس لئے اسے ضرب بھی نہیں دیا جا سکتا' لہذا پہلا لفظ ثنتین معتبر ہوگا اور اس کے مطابق دو طلاقوں کا حکم جاری کر دیا جائے گا' جبکہ دوسرا لفظ فی ثنتین لغو قرار دیا جائے گا۔

طلاق کی نسبت فاصلے کی طرف کرنے کا بیان

﴿وَلَوْ قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ مِنْ هٰنَا اِلَى الشَّامِ فَهِيَ وَاحِدَةٌ يَمْلِكُ الرَّجْعَةَ﴾ وَقَالَ زُفَرُ: هِيَ بَائِنَةٌ لِاَنَّهُ وَصَفَ الطَّلَاقَ بِالطُّوْلِ قُلْنَا: لَا بَلْ وَصَفَهُ بِالْقِصَرِ لِاَنَّهُ مَتٰى وَقَعَ وَقَعَ فِي الْاَمَاكِنِ كُلِّهَا .

ترجمہ

اور اگر مرد نے یہ کہا: تمہیں "یہاں" سے لے کر "شام" تک طلاق ہے' تو یہ ایک طلاق ہوگی' جس میں مرد رجوع کرنے کا حق رکھے گا۔ امام زفر فرماتے ہیں: یہ طلاق بائنہ ہوگی' کیونکہ مرد نے طلاق کو طوالت کے ساتھ موصوف کیا ہے' ہم یہ کہیں گے: بلکہ اس

نے طلاق کو "قصر" کے ساتھ موصوف کیا ہے۔ جب یہ واقع ہوگی تو کسی بھی جگہ واقع ہو سکتی ہے۔

طلاق کو ملک میں داخلے کے ساتھ معلق کرنے کا بیان

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب خاوند اپنی بیوی سے کہے: جب ہم ملک واپس جائیں تو تجھے طلاق:؛ تو آپ دونوں کا اپنے ملک واپس آتے ہی طلاق ہو جائیگی؛ کیونکہ یہ خالصتا تعلیق یعنی طلاق معلق کرنا تھی اس میں کسی کو نہ تو کسی کام پر ابھارا گیا ہے اور نہ ہی تصدیق یا تکذیب ہے اور نہ ہی روکا گیا ہے، بلکہ یہ انسان کے اس قول کی طرح ہی ہے۔

جب پہلا ماہ آئے یا پھر رمضان شروع ہو یا بادشاہ آئے تو اس کی بیوی کو طلاق، چنانچہ آپ کے خاوند نے اپنی کلام سے آپ کو یا پھر اپنے آپ کو ملک میں واپس آنے سے روکنا مراد نہیں لیا، اور اسی طرح اس میں ملک سے باہر رہنے پر ترغیب دلانا مقصود نہ تھا، بلکہ یہ تو خالص تعلیق تھی۔

اور اگر فرض کریں کہ خاوند یہ کہتا ہے ": میرا مقصد یہ تھا کہ واپس جانے کے بعد میں اس کو طلاق دے دونگا، تو اس کی یہ بات قابل قبول نہیں کیونکہ اس یہ قول "تجھے طلاق "صریح طلاق کے الفاظ میں شامل ہوتا ہے، اس لیے اس کی مراد اور نیت اور طلاق کے وعدہ والی بات قبول نہیں کی جائیگی۔

اور رہی وہ تعلیق جس سے اس کا مقصد منع کرنا ہو مثلا یہ کہنا: اگر گھر سے نکلی تو تمہیں طلاق، اور خاوند اس سے بیوی کو باہر جانے سے منع کرنا چاہتا ہو، یا پھر وہ تعلیق جس سے کسی کام کی ترغیب دلائی گئی ہو، مثلا: اگر تم گھر واپس نہ آئی تو تمہیں طلاق، تو اس میں فقہاء کرام کا اختلاف پایا جاتا ہے۔

جمہور فقہاء کرام کے ہاں جب معلق کردہ کام واقع ہو جائے تو طلاق ہو جائیگی، اور فقہاء کی ایک جماعت کے ہاں طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ اس نے اس سے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ اس کی مراد روکنا یا کام کی ترغیب دلانا مقصود تھی۔

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے قاضی ابو یعلی سے طلاق کی قسم اٹھانے والے اور خالص معلق کرنے والے کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے کہا ہے۔

یہ اس کی وہ تعلیق ہے جو اس نے کسی شرط پر معلق کی تھی جس سے اس کا مقصد کسی فعل پر ابھارنا یا کسی کام سے روکنا مقصود تھا، اس کے بالکل اس قول کی طرح: اگر تم گھر میں داخل ہوئی تو تمہیں طلاق، اور اگر داخل نہ ہوئی تو تمہیں طلاق، یا پھر اس کی خبر کی تصدیق کرنے پر معلق کرنا مثلا: زید آیا نہ آیا تو تمہیں طلاق۔ رہا اس کے علاوہ کسی اور پر طلاق کو معلق کرنا مثلا یہ قول: اگر سورج طلوع ہوا تو تمہیں طلاق، یا حاجی آئے تو تمہیں طلاق، اگر بادشاہ نہ آیا تو تمہیں طلاق، تو یہ ایک خالصتا شرط ہے نہ کہ حلف اور قسم (المغنی (7 / . (333)

طلاق کی نسبت جگہ کی طرف کرنے کا بیان

﴿وَلَوْ قَالَ: أَنْتِ طَالِقٌ بِمَكَّةَ أَوْ فِي مَكَّةَ فَهِيَ طَالِقٌ فِي الْحَالِ فِي كُلِّ الْبِلَادِ، وَكَذٰلِكَ

لَوْ قَالَ : اَنْتِ طَالِقٌ فِی الدَّارِ﴾ لِاَنَّ الطَّلَاقَ لَا يَتَخَصَّصُ بِمَكَانٍ دُوْنَ مَكَانٍ، وَاِنْ عَنٰى بِهٖ اِذَا اَتَيْتِ مَكَّةَ يُصَدَّقُ دِيَانَةً لَا قَضَاءً لِاَنَّهٗ نَوَى الْاِضْمَارَ وَهُوَ خِلَافُ الظَّاهِرِ، وَكَذَا اِذَا قَالَ :اَنْتِ طَالِقٌ وَاَنْتِ مَرِيْضَةٌ، وَاِنْ نَوٰى اِنْ مَرِضْتِ لَمْ يُدَيَّنْ فِی الْقَضَاءِ ﴿وَلَوْ قَالَ :اَنْتِ طَالِقٌ اِذَا دَخَلْتِ مَكَّةَ لَمْ تَطْلُقْ حَتّٰى تَدْخُلَ مَكَّةَ﴾ لِاَنَّهٗ عَلَّقَهٗ بِالدُّخُوْلِ .

ترجمہ

اور اگر مرد نے یہ کہا: تمہیں ''مکہ'' میں طلاق ہے' تو اس عورت کو اسی وقت طلاق ہو جائے گی' خواہ وہ کسی بھی جگہ پر ہو۔ اسی طرح اگر مرد نے یہ کہا: تمہیں گھر میں طلاق ہے (تو بھی وہ عورت جہاں بھی ہو اسے طلاق ہو جائے گی) اس کی دلیل یہ ہے: طلاق کو ایک جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ کے ساتھ مختص نہیں کیا جاسکتا۔ اگر مرد نے اس سے مراد یہ لیا ہو: جب تم مکہ آؤ گی (تو تمہیں طلاق ہو گی) تو دیانت کے اعتبار سے اس کی بات کی تصدیق کی جائے گی' لیکن قضاء (قاضی کے فیصلے) کے اعتبار سے تصدیق نہیں کی جائے گی' کیونکہ اس نے پوشیدہ مفہوم کا ارادہ کیا ہے اور یہ بات ظاہر کے خلاف ہے۔ اگر مرد نے یہ کہا: جب تم ''مکہ'' میں داخل ہو' تو تمہیں طلاق ہو گی' تو عورت کو اس وقت تک طلاق نہیں ہو گی' جب تک وہ مکہ میں داخل نہ ہو جائے' کیونکہ مرد نے طلاق کو داخل ہونے کے ساتھ معلق کیا ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کہا تجھے مکہ میں طلاق ہے یا گھر میں یا سایہ میں یا دھوپ میں تو فوراً پڑ جائے گی، یہ نہیں کہ مکہ کو جائے جب پڑے ہاں اگر یہ کہے میرا مطلب یہ تھا کہ جب مکہ کو جائے تو طلاق ہے تو دیانۃً یہ قول معتبر ہے قضاءً نہیں اور اگر کہا تجھے قیامت کے دن طلاق ہے تو کچھ نہیں بلکہ یہ کلام لغو ہے اور اگر کہا قیامت سے پہلے تو ابھی پڑ جائے گی۔ (درمختار، باب صریح، ج ۴، ص ۴۶۷)

حکم دیانت وقضاء کا فقہی مفہوم

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ لکھتے ہیں کہ حکم دو طرح ہوتا ہے ایک دیانۃً اور دوسرا قضاءً۔ دیانۃً حکم کا معنیٰ یہ ہے کہ بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان معاملہ ہے یہاں کسی دوسرے کا کوئی دخل نہیں، بندہ جانیا دراس کا خدا جانے اور مسئولہ صورت میں بیوی کی طرف طلاق کی اضافت کا قصد نہ کیا ہو تو قطعاً طلاق نہ ہوئی، کیونکہ طلاق کا وقوع بغیر واقع کرنے (ایقاع) کے نہیں ہوتا اور ایقاع اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک طلاق کا تعلق بیوی سے نہ کیا جائے اور یہ اضافت کے بغیر ممکن نہیں اس لئے اضافت ضروری ہے خواہ نیت میں ہو، تو طلاق جب اضافت لفظی یا قلبی سے خالی ہو تو طلاق کا تعلق پیدا نہ ہوگا کیونکہ تعلق بغیر متعلق نہیں ہوسکتا، اس لئے ایقاع نہ ہوگا، تو وقوع بھی نہ ہوگا، اتنی بات واضح ہے جس میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا، اسلئے کہ اگر زبان پر لفظ طلاق نسبتِ لفظی یا ارادی

کے بغیر ہی طلاق دینے کا موجب قرار پائے تو لازم آئے گا کہ جو شخص بھی کسی صورت میں اپنی زبان سے لفظ طلاق استعمال کرے اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے خواہ حکایت کرتے ہوئے ہی استعمال کرے، نیز دینی طلباء کتاب الطلاق میں اس قسم کے صدہا الفاظ پڑھنے، تکرار اور بحث کرنے میں بار بار زبان پر لاتے ہیں تو لازم کہ آئیگا کہ ان سب کی بیویوں کو تین طلاق پڑ جائیں۔ جبکہ یہ خالص جھوٹ ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۱۲، کتاب طلاق، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں کہ حکم قضاء میں قاضی اور عورت کا کردار ہوگا، تو اس کی تحقیق یہ ہے کہ قضاء بھی طلاق کو واقع کرنے کے حکم کے لئے اضافت کا تحقق ضروری ہے، جیسا کہ مذہب کی کتب میں بے شمار مرتبہ مذکور ہے، اور اس فقیر نے ردالمحتار کی تعلیقات میں بحث کرتے ہوئے پہلے لفظی اضافت کی تحقیق پیش کی کہ وہ کن کن صورتوں میں ہوسکتی ہے پھر یہ تحقیق کی کہ اگر لفظ ہر طرح اضافت سے خالی ہوں تو وہاں دیکھا جائے گا کہ یہاں کوئی ایسا قرینہ موجود ہے جس سے اضافت کا ارادہ راجح طور پر معلوم ہوتا ہو تو قضاء ظاہر قرینہ کی بناء پر طلاق کا حکم کردیا جائے گا، باطنی امور اللہ تعالیٰ کے سپرد ہیں ارادے کا انکار کرتا ہو تو اس کی بات مان لی جائے گی اور اس کی بیوی مطلقہ نہ ہوگی، کیونکہ وہ اپنے بارے میں خبر دینے میں امین متصور ہوگا جبکہ وہ بات بھی ایسی ہی کہتا ہے جس کا کلام میں احتمال موجود ہے۔ ہندیہ میں متعدد فتووں میں کہا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا اگر تو میری بیوی، تین طلاق (یائے نسبت کو محذوف کیا) تو طلاق نہ ہوگی جب یہ بتائے کہ میں نے طلاق کی نیت نہیں کی، کیونکہ یائے اضافت کو حذف کردینے کی دلیل سے بیوی کی طرف اضافت کا ذکر نہ ہوا، (عالم گیری، ج ۱، ص ۳۸۲، نورانی کتب خانہ پشاور)

طلاق گھر سے معلق کرنے کا بیان

وَلَوْ قَالَ :اَنْتِ طَالِقٌ فِیْ دُخُوْلِ الدَّارِ یَتَعَلَّقُ بِالْفِعْلِ لِمُقَارَبَةٍ بَیْنَ الشَّرْطِ وَالظَّرْفِ فَحُمِلَ عَلَیْهِ عِنْدَ تَعَذُّرِ الظَّرْفِیَّةِ .

ترجمہ

اور اگر مرد نے یہ کہا: تمہارے گھر میں داخل ہونے پر طلاق ہے تو یہ چیز ایک ایسے فعل کے ساتھ معلق ہوئی ہے جس میں شرط اور ظرف دونوں کا مفہوم پایا جاتا ہے، تو جب ظرف کا مفہوم مراد لینا ناممکن ہو تو اسے شرط پر محمول کیا جائے گا۔

خروج سے گھر سے تعلیق کی فقہی دلیل کا بیان

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر شوہر نے یہ کہا ہو: تمہارے گھر داخل ہونے پر طلاق ہے تو یہ طلاق فعل کے ساتھ متعلق ہوگی۔ اس کی دلیل یہ ہے: فعل شرط اور ظرف دونوں کے ساتھ ملا ہوا ہے، تو جب ظرفیت کا مفہوم

مراد لینا ناممکن ہوگا' تو اسے شرط پر محمول کیا جائے گا' لہٰذا جب عورت گھر میں داخل ہوگی' تو تب اُسے طلاق ہوگی۔

جمہور فقہاء کرام کے ہاں جب معلق کردہ کام واقع ہو جائے تو طلاق ہو جائیگی، اور فقہاء کی ایک جماعت کے ہاں طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ اس نے اس سے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ اس کی مراد روکنا یا کام کی ترغیب دلانا مقصود تھی۔

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے قاضی ابو یعلی سے طلاق کی قسم اٹھانے والے اور خالص معلق کرنے والے کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے کہا ہے: یہ اس کی وہ تعلیق ہے جو اس نے کسی شرط پر معلق کی تھی جس سے اس کا مقصد کسی فعل پر ابھارنا یا کسی کام سے روکنا مقصود تھا، اس کے بالکل اس قول کی طرح :اگر تم گھر میں داخل ہوئی تو تمہیں طلاق، اور اگر داخل نہ ہوئی تو تمہیں طلاق، یا پھر اس کی خبر کی تصدیق کرنے پر معلق کرنا مثلا :زید آیا نہ آیا تو تمہیں طلاق۔

رہا اس کے علاوہ کسی اور پر طلاق کو معلق کرنا مثلا یہ قول :اگر سورج طلوع ہوا تو تمہیں طلاق، یا حاجی آئے تو تمہیں طلاق، اگر بادشاہ نہ آیا تو تمہیں طلاق، تو یہ ایک خالصتا شرط ہے نہ کہ حلف اور قسم۔(المغنی(7 / . (333)

شرط طلاق پر نکاح کرنے کی فقہی تصریح

امام فقیہ النفس کے ہیں کہ ایک شخص نے ایک عورت کو کہا میں تجھ سے اس شرط پر نکاح کرتا ہوں کہ "تو طلاق والی ہے، یا اس شرط پر کہ طلاق کا اختیار تیرے ہاتھ میں ہے"۔اس کے متعلق امام محمد علیہ الرحمہ رحمہ اللہ تعالٰی نے جامع میں ذکر فرمایا کہ یہ نکاح صحیح ہے اور طلاق کی شرط باطل ہے اور بیوی کو طلاق کا اختیار بھی نہ ہوگا۔اس پر فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اگر خاوند نے ابتداء کرتے ہوئے کہا"میں تجھ سے اس شرط پر نکاح کرتا ہوں کہ تجھے طلاق ہے "تو پھر مذکور حکم یعنی نکاح صحیح اور طلاق باطل ہے،اور اگر عورت ابتداء کرتے ہوئے کہے میں نے اپنے آپ کو تجھ سے نکاح دیا اس شرط پر کہ مجھے طلاق ہو تو خاوند نے جواب میں کہا میں نے قبول کیا، تو نکاح صحیح ہو کر طلاق ہو جائے گی کیونکہ خاوند کی طرف سے ابتداء کرنے میں طلاق اور تفویض، نکاح سے قبل ہوئی تو طلاق کی شرط صحیح نہ ہوئی، لیکن عورت کی طرف سے ابتداء ہوئی تو پھر طلاق کی تفویض نکاح کے بعد ہوئی کیونکہ جب زوج نے عورت کی کلام کے بعد جواب میں" میں نے قبول کیا " کہا، تو چونکہ جواب میں سوال کا اعادہ معتبر ہوتا ہے تو گویا خاوند نے یوں کہا کہ "میں نے نکاح قبول کیا اس شرط پر کہ تجھے طلاق ہے یا طلاق کا معاملہ تیرے اختیار میں ہو"تو یوں نکاح پہلے ہوگیا اور تفویض طلاق بعد ہوئی۔ (فتاوٰی قاضی خاں، ج۱ص،۱۵۲ لکھنو)

فَصْلٌ فِیْ اِضَافَةِ الطَّلَاقِ اِلَی الزَّمَانِ

یہ فصل طلاق کو زمانے کی طرف منسوب کرنے کے بیان میں ہے

فصل طلاق اضافت کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ اضافت طلاق کی فصل کے بعد طلاق کی اضافت زمانے کی طرف ہوا اس فصل کو بیان کیا ہے کیونکہ اس فصل کی مطابقت ماقبل فصل سے واضح ہے۔ کیونکہ اس میں طلاق کی اضافت کا فقہی بیان ذکر کیا جارہا ہے اور اس میں بھی بالکل اسی طرح اضافتی طلاق کا بیان ہورہا ہے۔ البتہ اس کو مؤخر کرنے کا سبب یہ ہے کہ یہاں اضافت کا تعلق زمانے کے ساتھ ہے اور یہی عموم میں تخصیص ہے اور تخصیص ہمیشہ عموم کے بعد ہوا کرتی ہے۔ لہذا مصنف کے اس فصل کی تخصیص کے پیش نظر اس کو سابقہ فصل سے مؤخر کر کے ذکر کیا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، بتصرف، ج ۵، ص ۲۲۲، بیروت)

طلاق کی نسبت اگلے دن کی طرف کرنا

﴿وَلَوْ قَالَ : اَنْتِ طَالِقٌ غَدًا وَّقَعَ عَلَيْهَا الطَّلَاقُ بِطُلُوْعِ الْفَجْرِ﴾ لِاَنَّهٗ وَصَفَهَا بِالطَّلَاقِ فِیْ جَمِيْعِ الْغَدِ وَذٰلِكَ بِوُقُوْعِهٖ فِیْ اَوَّلِ جُزْءٍ مِّنْهُ .وَلَوْ نَوٰى بِهٖ اٰخِرَ النَّهَارِ صُدِّقَ دِيَانَةً لَّا قَضَاءً لِاَنَّهٗ نَوَى التَّخْصِيْصَ فِی الْعُمُوْمِ، وَهُوَ يَحْتَمِلُهٗ لٰكِنَّهٗ مُخَالِفٌ لِلظَّاهِرِ ﴿وَلَوْ قَالَ : اَنْتِ طَالِقٌ الْيَوْمَ غَدًا اَوْ غَدًا الْيَوْمَ يُؤْخَذُ بِاَوَّلِ الْوَقْتَيْنِ الَّذِیْ تَفَوَّهَ بِهٖ﴾ فَيَقَعُ فِی الْاَوَّلِ فِی الْيَوْمِ وَفِی الثَّانِیْ فِی الْغَدِ، لِاَنَّهٗ لَمَّا قَالَ : اَلْيَوْمَ كَانَ تَنْجِيْزًا وَّالْمُنَجَّزُ لَا يَحْتَمِلُ الْاِضَافَةَ، وَاِذَا قَالَ : غَدًا كَانَ اِضَافَةً وَّالْمُضَافُ لَا يَتَنَجَّزُ لِمَا فِيْهِ مِنْ اِبْطَالِ الْاِضَافَةِ فَلَغَا اللَّفْظُ الثَّانِیْ فِی الْفَصْلَيْنِ .

ترجمہ

اور اگر مرد نے یہ کہا: تمہیں کل طلاق ہو تو اگلے دن صبح صادق کے ساتھ اس عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی اس کی دلیل یہ ہے: مرد نے اگلے پورے دن کے ساتھ اسے معلق کیا ہے تو یہ اگلے دن کے پہلے جزء کے واقع ہونے کے ساتھ ہی واقع ہو جائے گی اور اگر مرد نے دن کے آخری حصے کی نیت کی ہو تو دیانت کے اعتبار سے اس کی بات کی تصدیق کی جائے گی لیکن قضاء کے اعتبار سے نہیں کی جائے گی کیونکہ اس نے عموم میں تخصیص کی نیت کی ہے اور وہ عموم اس کا احتمال رکھتا ہے لیکن یہ مفہوم ظاہر کے خلاف ہے۔

اگر مرد نے یہ کہا: اَنْتِ طَالِقٌ الْیَوْمَ غَدًا اَوْ غَدًا الْیَوْمَ تو دونوں میں سے وہ پہلا وقت مراد لیا جائے گا' جس کو مرد نے کلام میں پہلے ادا کیا' تو پہلی صورت میں پہلے دن طلاق واقع ہو جائے گی' اور دوسری صورت میں اگلے دن واقع ہوگی۔ اس کی دلیل یہ ہے: جب مرد نے ''آج'' کہا تو یہ بات فوری واقع ہو جائے گی' اور جو چیز فوراً ہو' وہ اضافت کا احتمال نہیں رکھتی' اور اگر مرد نے ''کل'' کہا: تو یہ اضافت ہوگی اور جو چیز مضاف ہو' وہ فوراً نہیں ہو سکتی' کیونکہ اس صورت میں اضافت باطل ہو جائے گی' اس لیے دونوں صورتوں میں دوسرا لفظ لغو شمار ہوگا۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ طلاق میں اضافت ضرور ہونی چاہیے بغیر اضافت طلاق واقع نہ ہوگی خواہ حاضر کے صیغہ سے بیان کرے مثلاً تجھے طلاق ہے یا اشارہ کے ساتھ مثلاً اسے یا اُسے یا نام لے کر کہے کہ فلانی کو طلاق ہے یا اُس کے جسم و بدن یا روح کی طرف نسبت کرے یا اُس کے کسی ایسے عضو کی طرف نسبت کرے جو کل کے قائم مقام تصور کیا جاتا ہو مثلاً گردن یا سر یا شرمگاہ یا جزو شائع کی طرف نسبت کرے مثلاً نصف تہائی چوتھائی وغیرہ یہاں تک کہ اگر کہا تیرے ہزار حصوں میں سے ایک حصہ کو طلاق ہے تو طلاق ہو جائیگی۔ (درمختار)

نصوص میں عموم کی تخصیص کے ذرائع

1 کتاب وسنت کی کسی نص کے ذریعے تخصیص کرنا۔ اس کی درج ذیل صورتیں ہیں۔ یا تو کوئی آیت ہی کسی دوسری آیت کے عموم کی تخصیص کر دیتی ہے، جیسا کہ اللہ رب العالمین کا فرمان ہے۔

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ (البقرة 228:)

طلاق یافتہ عورتیں اپنے نفسوں کے ساتھ تین حیض تک انتظار کریں (یعنی عدت گزاریں)۔ ان طلاق یافتہ عورتوں میں سے حمل والیوں کی تخصیص اس آیت کے ذریعے کی گئی ہے۔

وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (الطلاق 4:) اور حمل والیوں کی عدت کی مدت ان کے وضع حمل تک ہے۔

اسی طرح ان طلاق یافتہ عورتوں میں سے ان عورتوں کی بھی تخصیص کی گئی ہے جن کو چھونے سے پہلے ہی طلاق تھما دی گئی۔ یہ تخصیص اللہ رب العزت کے اس فرمان کے ذریعے کی گئی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا (الأحزاب 49:)

اے مومنو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر ہاتھ لگانے سے پہلے (ہی) طلاق دے دو تو ان پر تمہارا کوئی حق عدت کا

نہیں ہے جسے تم شمار کرو۔

2۔یا پھر حدیث کے ذریعے آیت کے عموم کی تخصیص کی جاتی ہے۔مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ (المائدۃ:3) تم پر مردار حرام کر دیا گیا ہے۔

اس مردار میں سے مچھلی اور مکڑی (ٹڈی دَل) کی تخصیص نبی کریم ﷺ کی اس حدیث کے ذریعے کی گئی ہے :احلت لنا میتتان ودمان اما المیتتان :فالجراد والحوت ہمارے لیے دو طرح کے مردار اور دو طرح کے خون حلال کیے گئے ہیں۔ جو مردار ہیں وہ تو ٹڈی اور مچھلی ہیں۔

اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ فرمان گرامی :وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ (البقرۃ:222) وہ آپ ﷺ سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں۔آپ ﷺ فرما دیجئے کہ وہ ایک تکلیف اور اذیت ہے تو تم حالت حیض میں عورتوں سے الگ رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں، ان کے قریب نہ جاؤ۔

اس کی تخصیص اس روایت سے کی گئی ہے جو عائشہ وام سلمہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی کسی بیوی کو ازار باندھنے کا حکم دیتے تھے، تو اس طرح اس سے حیض کی حالت میں جسم سے جسم ملاتے تھے۔

3یا پھر حدیث کے عموم کی تخصیص کوئی آیت کرتی ہے۔مثال کے طور پر آپ ﷺ کا فرمان گرامی ہے :ما أبین من حی فھو میت زندہ میں سے جو چیز بھی جدا کر لی جائے تو وہ مردار ہے۔

نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ذریعے تخصیص کی گئی ہے :وَمِنْ أَصْوَافِهَا وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا أَثَاثًا وَمَتَاعًا إِلَى حِينٍ (النحل:80) اور ان کی اون اور روؤں اور بالوں سے بھی اس نے بہت سے سامان اور ایک وقت مقررہ تک کے لیے فائدہ کی چیزیں بنائیں۔

اسی طرح نبی کریم کا فرمان ہے :إذا التقی المسلمان بسیفیھما فالقاتل والمقتول فی النار جب دو مسلمان اسلحہ لے کر ایک دوسرے کے آمنے سامنے آ جائیں تو قاتل اور مقتول دونوں آگ میں جائیں گے۔

نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ذریعے تخصیص کی گئی ہے :فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ (الحجرات:9) تو تم باغی گروہ سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ رب العالمین کے حکم کی طرف لوٹ آئیں۔

4۔یا پھر ایک حدیث دوسری حدیث کے عموم کی تخصیص کرتی ہے۔مثال کے طور پر نبی ﷺ کا فرمان گرامی ہے :فیما سقت السماء العشر جس کھیتی کو بارش سیراب کرے، اس میں عشر ہے۔

مذکورہ بالا فرمان کی اس فرمان کے ذریعے تخصیص کی گئی ہے :لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة پانچ وسق سے کم کھیتی کی پیداوار میں زکاۃ نہیں ہے۔

2 اجماع کے ذریعے تخصیص کرنا۔ مثال کے طور پر اللہ رب العالمین کا فرمان ہے۔
يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ (النساء 11:)
اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے۔ ایک مرد کیلئے دو عورتوں کے برابر ہے۔
تو یہاں پر اجماع کے ذریعے غلام کے بیٹے کی تخصیص کی گئی ہے۔ اسی طرح دھوکے والی بیع سے روکنے والی احادیث کے عموم سے اجماع کے ذریعے مضاربت کے جواز کی تخصیص کی گئی ہے۔

3 قیاس کے ذریعے تخصیص کرنا۔ مثال کے طور پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان گرامی ہے۔
الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (النور 2:)
زانی مرد وعورت میں سے ہر ایک کو سو (۱۰۰) سو (۱۰۰) کوڑے مارو۔
تو زانیہ عورت کے عموم سے لونڈی کی تخصیص نص کے ذریعے کی گئی ہے اور وہ نص اللہ تبارک وتعالیٰ کا درج ذیل فرمان ہے: فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ (النساء 25:) تو اگر یہ کنیزیں زنا کا ارتکاب کرلیں تو ان پر آزاد عورتوں کی سزا میں سے نصف سزا ہے۔
رہا غلام کو زانی کے عموم سے نکالنا تو ایسا غلام کو لونڈی پر قیاس کر کے کیا گیا ہے کیونکہ ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

4 حس کے ذریعے تخصیص کرنا۔ اس کی مثالوں میں سے ایک رب ذوالجلال والاکرام کا یہ فرمان ہے يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ (القصص 57:) اس (مکہ) کی طرف تمام چیزوں کے پھل کھچے چلے آتے ہیں۔
اسی طرح ملکہ سبا کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی اسی قاعدے کی مثال ہے :وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ (النمل 23:) اسے ہر چیز دی گئی ہے۔
تو بلاشبہ مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ نہ تو مکہ (اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کریں) میں ہر طرح کے مختلف انواع واقسام کے پھل لائے جاتے ہیں اور نہ ہی بلقیس کو ہر چیز دی گئی تھی۔

5 عقل کے ذریعے تخصیص کرنا۔ اس کی مثالوں میں سے ایک اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مبارک ہے۔ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الزمر 62:) اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔
تو بلاشبہ عقل اس بات کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ رب ذوالجلال والاکرام کی ذات اپنی صفات کے ساتھ غیر مخلوق ہے اگرچہ کُل کا لفظ اسے بھی شامل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے :كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (القصص 88:) تیرے رب کی ذات کے علاوہ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔

مفرد پر عام کا حکم لگانے سے اس عام کا عموم ختم نہیں ہوگا

جب کسی ایسے عام کو ذکر کیا جائے جس پر کوئی حکم لگایا گیا ہو، پھر یہ حکم اس عام کے بعض افراد پر لگا دیا جائے تو اس طرح اس عام کا حکم گر نہیں جائے گا۔ اس میں ابوثور نے اختلاف کیا ہے۔ اس حکم لگانے میں برابر ہے کہ عام کے افراد اکٹھے ذکر کیے گئے ہوں جیسے :تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ (القدر4:) روح (جبریل امین) اور فرشتے نازل ہوتے ہیں یا پھر علیحدہ علیحدہ۔ جیسا کہ یہ حدیث ہے :أيما إهاب دبغ فقد طهر جو کھال بھی رنگ لی جائے وہ پاک ہو جاتی ہے۔

اس کا ثبوت مسلم کی اس حدیث کیساتھ کہ نبی ﷺ ایک مردہ بکری کے پاس سے گزرے تو فرمایا :هلا أخذتم إهابها فانتفعتم به تم نے اس کی کھال کیوں نہ پکڑلی کہ اس کے ذریعے تم فائدہ اٹھالیتے۔

اسی طرح یہ حدیث :من وجد متاعه عند رجل قد أفلس فهو أحق به من الغرماء جو شخص اپنے مال کو ایک دیوالیہ آدمی کے پاس پالے تو باقی قرض خواہوں کی نسبت وہی اس کا زیادہ حق دار ہے۔

اس حدیث کے ساتھ :إذا ابتاع الرجل سلعة ثم أفلس وهي عنده فهو أحق بها من الغرماء جو آدمی کوئی سودا خریدے پھر دیوالیہ (مفلس) ہو جائے اور وہ مال اس کے پاس ویسے ہی پڑا ہو تو مال کا مالک باقی قرض خواہوں کی نسبت اس مال کا زیادہ حق دار ہے۔

اسی طرح جابر رضی اللہ عنہ کے قول کی طرح بات کہ :قضى رسول الله صلى الله عليه وسلم بالشفعة في كل شيء نبی کریم ﷺ نے ہر چیز میں شفعہ کا فیصلہ دیا ہے۔

اس حدیث کے ساتھ :فإذا وقعت الحدود وصرفت الطرق فلا شفعة جب حدیں واقع ہو جائیں اور راستے الگ الگ ہو جائیں تو پھر کوئی شفعہ نہیں ہے۔

عام کے بعض افراد پر عام کا حکم لگانے کا فائدہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس طرح اس فرد کے عام سے نکل جانے کے احتمال کی نفی کر دی جاتی ہے۔

ان الفاظ کا بیان جو عام کے درجے پر ہوتے ہیں یا عام کے قائمقام ہوتے ہیں۔

عموم کے قائمقام کے بارے میں اصولیوں کے ہاں ایک مسجع عبارت مشہور ہے جو امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے۔ عبارت یہ ہے :ترك الاستفصال في حكاية الحال مع قيام الاحتمال ينزل منزلة العموم في المقال ويحسن به الاستدلال

حال کی حکایت میں احتمال ہونےکے باوجود تفصیل طلب کرنے کو ترک کر دینا بات میں عموم کے قائمقام ہے اور اس سے استدلال کرنا درست ہے۔

اس قاعدے کی مثالوں میں سے ایک مثال نبی ﷺ کی غیلان ثقفی کو کہی گئی یہ بات ہے جب وہ مسلمان ہوئے تھے اور اس

وقت ان کے پاس دس بیویاں تھیں : امسک منھن اربعا وفارق سائرھن ان میں سے چار کو رکھ لے اور باقیوں کو جدا کر دے۔

آپ ﷺ نے غیلان ثقفی سے یہ نہیں پوچھا کہ اس نے ان عورتوں سے اکٹھی ہی شادی کی تھی یا ترتیب سے۔ تو یہ بات دونوں حالتوں میں فرق کے نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

عموم کی تخصیص کا نیت سے ہو جانے کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر شوہر نے یہ الفاظ استعمال کئے "تمہیں کل طلاق ہے" تو اگلے دن صبح صادق ہونے کے ساتھ ہی طلاق ہو جائے گی۔ مصنف نے اس کی دلیل یہ بیان کی ہے: مرد نے اپنے کلام میں اگلے پورے دن میں بیوی کو طلاق کے ساتھ موصوف کیا ہے اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب اگلے دن کے سب سے پہلے جزء میں اس عورت کو طلاق ہو اور وہ سب سے پہلا جزء صبح صادق ہے۔

اسی مسئلے کی ایک ذیلی شق یہ ہے: اگر مرد نے ان الفاظ کے ذریعے دن کے آخری حصے کی نیت کی ہو تو دیانت کے اعتبار سے اس کے بات کی تصدیق کی جائے گی' لیکن قضا کے اعتبار سے تصدیق نہیں کی جائے گی۔ مصنف نے اس کی دلیل یہ بیان کی ہے: جب وہ مرد اگلے دن میں اس کے آخری حصے کی نیت کرتا ہے تو گویا اس نے عموم میں تخصیص کی نیت کی ہے' اور عموم تخصیص کا احتمال رکھتا ہے' اس لئے دیانت کے اعتبار سے اس کی تصدیق کی جائے گی' لیکن کیونکہ یہ نیت ظاہر کے خلاف ہے اس لئے قضا میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ یہاں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے۔ اگر شوہر نے یہ الفاظ استعمال کئے: تمہیں [illegible] کل [illegible] ہے' یا یہ کہا: تمہیں کل آج طلاق ہے' تو جس لفظ کی ادائیگی شوہر نے پہلے کی ہوگی' اس میں طلاق واقع ہو جائے گی۔ اس لئے پہلی صورت میں عورت کو آج ہی طلاق ہو جائے گی' جبکہ دوسری صورت میں عورت کو کل طلاق ہوگی۔ مصنف نے اس کی دلیل یہ بیان کی ہے: جب شوہر نے لفظ آج استعمال کیا تو اس نے طلاق کو فوراً واقع کر دیا اور جو چیز فوراً واقع ہو جائے اس میں اضافت کا احتمال نہیں ہوتا ہے' لہٰذا "آج کل" میں لفظ آج کا مفہوم معتبر ہوگا اور لفظ کل لغو قرار دیا جائے گا۔ لیکن اگر شوہر نے لفظ "کل" پہلے استعمال کیا تو طلاق کی نسبت کل کی طرف ہوگی' اور جس چیز کی طرف نسبت کی گئی یعنی کل' وہ فی الحال موجود نہیں ہے' اور فی الحال ہو بھی نہیں سکتی' کیونکہ اس کے نتیجے میں اضافت کو باطل قرار دینا لازم آئے گا' اس لئے یہاں لفظ آج کا استعمال لغو قرار دیا جائے گا۔

اگلے دن کی طرف نسبت کرتے ہوئے لفظ "فی" استعمال کرنے کا بیان

﴿وَلَوْ قَالَ : اَنْتِ طَالِقٌ فِیْ غَدٍ وَقَالَ نَوَیْتُ اٰخِرَ النَّهَارِ دِیْنَ فِی الْقَضَاءِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ، وَقَالَا : لَا یَدِیْنُ فِی الْقَضَاءِ خَاصَّةً﴾ لِاَنَّهٗ وَصَفَهَا بِالطَّلَاقِ "فِیْ" جَمِیْعِ الْغَدِ فَصَارَ بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهٖ غَدًا عَلٰی مَا بَیَّنَّاهُ وَلِهٰذَا یَقَعُ فِیْ اَوَّلِ جُزْءٍ مِّنْهُ عِنْدَ عَدَمِ النِّیَّةِ، وَهٰذَا لِاَنَّ

حَذْفُ فِيْ وَاِثْبَاتُهُ سَوَاءٌ لِاَنَّهُ ظَرْفٌ فِي الْحَالَيْنِ. وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّهُ نَوٰى حَقِيْقَةَ كَلَامِهِ لِاَنَّ كَلِمَةَ فِيْ لِلظَّرْفِ وَالظَّرْفِيَّةُ لَا تَقْتَضِي الْاِسْتِيْعَابَ وَتَعَيَّنَ الْجُزْءُ الْاَوَّلُ ضَرُوْرَةَ عَدَمِ الْمُزَاحِمِ، فَاِذَا عَيَّنَ اٰخِرَ النَّهَارِ كَانَ التَّعْيِيْنُ الْقَصْدِيُّ اَوْلٰى بِالْاِعْتِبَارِ مِنَ الضَّرُوْرِيِّ، بِخِلَافِ قَوْلِهِ غَدًا لِاَنَّهُ يَقْتَضِي الْاِسْتِيْعَابَ حَيْثُ وَصَفَهَا بِهٰذِهِ الصِّفَةِ مُضَافًا اِلٰى جَمِيْعِ الْغَدِ. نَظِيْرُهُ اِذَا قَالَ: وَاللّٰهِ لَاَصُوْمَنَّ عُمْرِيْ، وَنَظِيْرُ الْاَوَّلِ: وَاللّٰهِ لَاَصُوْمَنَّ فِيْ عُمْرِيْ، وَعَلٰى هٰذَيْنِ الدَّهْرَ وَفِي الدَّهْرِ.

ترجمہ

اور اگر مرد نے یہ کہا: اَنْتِ طَالِقٌ فِيْ غَدٍ (تمہیں کل میں طلاق ہو جائے) اور پھر اس نے یہ کہا: میں نے دن کے آخری حصے کی نیت کی تھی' تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک قضاء میں اس کی بات معتبر مانی جائے گی۔ صاحبین یہ فرماتے ہیں: قضاء میں بطور خاص یہ بات معتبر نہیں ہوگی' کیونکہ مرد نے عورت کو اگلے پورے دن میں طلاق کے ساتھ موصوف کیا ہے' تو یہ مرد کے اس قول کی طرح ہو جائے گا: تمہیں کل طلاق ہوگی' جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ یہی دلیل ہے: جب مرد کی نیت نہ ہو' تو دن کے ابتدائی حصے میں ہی طلاق واقع ہو جائے گی۔ اس کی دلیل یہ ہے: لفظ ''فی'' کو حذف کرنا یا برقرار رکھنا برابر ہے' کیونکہ یہ دونوں صورتوں میں ظرف ہی بنے گا۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے: مرد نے لفظ کی حقیقت مراد لی ہے' کیونکہ لفظ ''فی'' ظرف کے لئے ہوتا ہے اور ظرفیت استیعاب کا تقاضا نہیں کرتی' تو جب کوئی مزاحمت نہ ہو' تو لازمی طور پر ابتدائی جزء متعین ہو جائے گا' لیکن جب اس نے دن کے آخری حصے کو متعین کر دیا تو بدیہی قیاس کے مقابلے میں یہ تعین زیادہ قابل اعتبار ہوگا' جبکہ اس کا یہ کہنا: کل ہوگی اس کے برخلاف ہے' کیونکہ وہ استیعاب کا تقاضا کرتا ہے' کیونکہ مرد نے عورت کو اس صفت کے ساتھ موصوف کیا ہے اور اس کی نسبت اگلے پورے دن کی طرف کی ہے۔

اس کی دلیل مرد کا یہ جملہ ہوگا: اللہ کی قسم! میں عمر بھر روزے رکھتا رہوں گا' اور اسی کے پیش نظر اس کا یہ قول ہوگا: ہمیشہ اور ہر زمانے میں (روزے رکھتا رہوں گا)۔

شرح

علامہ شمس الدین تمرتاشی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کہا کہ تجھے کل طلاق ہے تو دوسرے دن صبح چمکتے ہی طلاق ہو جائے گی۔ یونہی اگر کہا شعبان میں طلاق ہے تو جس دن رجب کا مہینہ ختم ہوگا' اُس دن آفتاب ڈوبتے ہی طلاق ہوگی۔ اگر کہا تجھے میری پیدائش سے یا تیری پیدائش سے پہلے طلاق یا کہا میں نے اپنے بچپن میں یا جب سوتا تھا یا جب مجنون تھا تجھے طلاق دیدی تھی اور اس کا مجنون ہونا معلوم ہو تو طلاق نہ ہوگی بلکہ یہ کلام لغو ہے۔ کہا کہ تجھے میرے مرنے سے دو مہینے پہلے طلاق ہے اور

دو مہینے گزرنے نہ پائے کہ مر گیا تو طلاق واقع نہ ہوئی اور اس کے بعد مرا تو ہوگئی اور اُسی وقت سے مُطلقہ قرار پائے گی جب اُس نے یہ کہا تھا۔

اگر کہا میرے نکاح سے پہلے تجھے طلاق یا کہا کل گزشتہ میں حالانکہ اُس سے نکاح آج کیا ہے تو دونوں صورتوں میں کلام لغو ہے اور اگر دوسری صورت میں کل یا کل سے پہلے نکاح کر چکا ہے تو اس وقت طلاق ہوگئی۔ یونہی اگر کہا تجھے دو مہینے سے طلاق ہے اور واقع میں نہیں دی تھی تو اس وقت پڑ یگی بشرطیکہ نکاح کو دو مہینے سے کم نہ ہوئے ہوں ورنہ کچھ نہیں اور اگر جھوٹی خبر کی نیت سے کہا تو عنداللہ نہ ہوگی مگر قضاءً ہوگی۔ (تنویر الابصار، باب صریح، ج ۴، ص ۴۷۲)

فی کے حذف وعدم حذف دونوں صورتوں میں ظرف کا معنی

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص یہ الفاظ استعمال کرے' تمہیں کل میں طلاق ہے' اور وہ یہ کہے: میں نے اگلے دن میں' دن کے آخری حصے کی نیت کی تھی' تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک قضا میں اس کی بات کی تصدیق کی جائے گی۔ جبکہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما یہ فرماتے ہیں: قضا میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: مرد نے اگلے پورے دن میں عورت کو طلاق کے ساتھ موصوف کیا ہے' تو اس کا وہی حکم ہوگا' جو لفظ ''کل'' استعمال کرنے کا تھا' یعنی وہاں بھی دیانت کے اعتبار سے اس کی بات کی تصدیق کی گئی تھی' لیکن قضا میں تصدیق نہیں کی گئی تھی۔ یہی دلیل ہے: اگر مرد نے نیت نہ کی ہوئی ہوتی' تو دن کے ابتدائی حصے میں ہی' یعنی صبح صادق کے فوراً بعد' طلاق واقع ہو جاتی۔ اس کی دلیل یہ ہے: اس نوعیت کے کلام میں حرف ''فی'' کو حذف کرنا یا اسے برقرار کرنا' دونوں صورتیں برابر ہیں' کیونکہ دونوں حالتوں میں یہ ظرف بنے گا۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے: اس شخص نے جو نیت کی ہے' وہ مفہوم اس شخص کے کلام میں حقیقت کے اعتبار سے پایا جاتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے: حرف ''فی'' ظرفیت کے لئے آتا ہے' اور ظرف ہونا استیعاب کا تقاضا نہیں کرتا۔ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کا یہ کہنا: عدم نسبت کی صورت میں دن کے ابتدائی حصے میں طلاق ہو جاتی' اس کا جواب یہ ہے: اگلے دن کے ابتدائی حصے کو اس ضرورت کے پیش نظر متعین کیا گیا تھا' کیونکہ اس کے مد مقابل کوئی چیز نہیں تھی تو مرد نے دن کے آخری حصے کو متعین کر دیا' تو اب ارادے کے تحت کیا جانے والا تعین' ضروری تعین یعنی جو کسی ارادے کے بغیر ہو' سے اولیٰ شمار ہوگا۔ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما نے یہ کہا تھا: شوہر کے ان الفاظ کا وہی حکم ہوگا جو حرف ''فی'' کے بغیر لفظ ''غدا'' استعمال کرنے کا تھا۔ امام صاحب فرماتے ہیں: لفظ ''غدا'' کا حکم اس سے مختلف ہے' کیونکہ یہ استیعاب کا تقاضا کرتا ہے' کیونکہ جب مرد نے عورت کو اس صفت کے ساتھ متصف کیا تو اس کی نسبت اگلے پورے دن کے ساتھ ہوگی۔

لفظ ''فی'' کے ہمراہ جملہ استعمال کرنے اور ''فی'' کے بغیر جملہ بولنے کے حکم میں فرق ہوتا ہے۔ اس کی نظیر یہ مسئلہ

ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے: واللہ لاصومن عمری (اللہ تعالیٰ کی قسم! میں عمر بھر روزے رکھتا ہوں گا) تو یہاں جملہ "فی" کے بغیر ہے اس لیے یہ استیعاب کا تقاضا کرے گا اور ایسے شخص کو عمر بھر روزے رکھنا ہوں گے۔ اس کے برعکس اگر کوئی شخص یہ جملہ کہے: واللہ لاصومن فی عمری (اللہ کی قسم! میں اپنی زندگی میں روزے رکھتا رہوں گا)

یہاں جملہ "فی" کے ہمراہ ہے اس لیے یہ استیعاب کا تقاضا نہیں کرے گا اور یہ شخص چند دن روزے رکھنے سے اس قسم سے بری ہو جائے گا۔ یہی حکم اس صورت میں ہوگا: جب اس شخص نے لفظ "الدہر" کو "فی" کے ہمراہ یا اس کے بغیر استعمال کیا ہو یعنی اگر اس نے یہ کہا: واللہ لاصومن الدھر (اللہ کی قسم! میں ہمیشہ روزے رکھوں گا)۔ تو یہ استیعاب کا تقاضا کرے گا اور اسے ہمیشہ روزے رکھنا ہوں گے۔ لیکن اگر اس نے یہ کہا ہو: واللہ لاصومن فی الدھر (اللہ کی قسم! میں آئندہ زمانے میں روزے رکھوں گا) تو اب یہ جملہ استیعاب کا تقاضا نہیں کرے گا اور چند دن روزے رکھنے سے وہ اپنی قسم سے بری ہو جائے گا۔

طلاق کی نسبت گزشتہ کل کی طرف کرنے کا بیان

﴿وَلَوْ قَالَ :اَنْتِ طَالِقٌ اَمْسِ وَقَدْ تَزَوَّجَهَا الْيَوْمَ لَمْ يَقَعْ شَيْءٌ﴾ لِاَنَّهُ اَسْنَدَهُ اِلٰى حَالَةٍ مَعْهُودَةٍ مُنَافِيَةٍ لِمَالِكِيَّةِ الطَّلَاقِ فَيَلْغُو، كَمَا اِذَا قَالَ :اَنْتِ طَالِقٌ قَبْلَ اَنْ اُخْلَقَ، وَلِاَنَّهُ يُمْكِنُ تَصْحِيحُهُ اِخْبَارًا عَنْ عَدَمِ النِّكَاحِ اَوْ عَنْ كَوْنِهَا مُطَلَّقَةً بِتَطْلِيقِ غَيْرِهِ مِنَ الْاَزْوَاجِ ﴿وَلَوْ تَزَوَّجَهَا اَوَّلَ مِنْ اَمْسِ وَقَعَ السَّاعَةَ﴾ لِاَنَّهُ مَا اَسْنَدَهُ اِلٰى حَالَةٍ مُنَافِيَةٍ وَلَا يُمْكِنُ تَصْحِيحُهُ اِخْبَارًا اَيْضًا فَكَانَ اِنْشَاءً، وَالْاِنْشَاءُ فِي الْمَاضِيْ اِنْشَاءٌ فِي الْحَالِ فَيَقَعُ السَّاعَةَ

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے یہ کہا: تمہیں گزشتہ کل طلاق ہو گئی حالانکہ شادی اس نے اس عورت کے ساتھ آج کی ہو تو کوئی بھی چیز واقع نہیں ہوگی کیونکہ اس نے طلاق کی نسبت ایسی حالت کی طرف کی ہے جو طلاق کی ملکیت کے منافی ہے لہٰذا یہ بات لغو جائے گی۔ یہ اسی طرح ہے: جیسے مرد نے یہ کہا ہو: میری پیدائش سے پہلے تمہیں طلاق ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے: یہ بات ممکن ہے اس کلام کو نکاح نہ ہونے کی اطلاع کے طور پر صحیح قرار دیا جائے یا اس چیز کی اطلاع قرار دیا جائے کہ وہ عورت (پہلے) شوہر سے طلاق یافتہ ہے۔ اگر مرد نے گزشتہ شام کے ابتدائی حصے میں اس عورت کے ساتھ شادی کی تھی تو طلاق فوراً واقع ہو جائے گی کیونکہ مرد نے طلاق کی نسبت ایسی حالت کی طرف نہیں کی جو ملکیت کے منافی ہو اور اس بات کو اطلاع کے طور پر درست قرار دینا بھی ممکن

نہیں ہے تو یہ انشاء شمار ہوگا اور ماضی میں انشاء زمانہ حال میں انشاء کی مانند ہوتا ہے اس لیے وہ طلاق اسی وقت واقع ہو جائے گی۔

شرح

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ اگر کسی شخص نے کہا میرے نکاح سے پہلے تجھے طلاق یا کہا کل گزشتہ میں حالانکہ اس سے نکاح آج کیا ہے تو دونوں صورتوں میں کلام لغو ہے اور اگر دوسری صورت میں کل یا کل سے پہلے نکاح کر چکا ہے تو اس وقت طلاق ہوگئی۔ یونہی اگر کہا تجھے دو مہینے سے طلاق ہے اور واقع میں نہیں دی تھی تو اس وقت پڑ یگی بشرطیکہ نکاح کو دو مہینے سے کم نہ ہوئے ہوں ورنہ کچھ نہیں اور اگر جھوٹی خبر کی نیت سے کہا تو عنداللہ نہ ہوگی مگر قضاءً ہوگی۔

(فتح القدیر، ج ۴، ص ۲۷۲، بیروت)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہا گر کسی شخص نے کہا تجھے میری پیدائش سے یا تیری پیدائش سے پہلے طلاق یا کہا میں نے اپنے بچپن میں یا جب سوتا تھا یا جب مجنون تھا تجھے طلاق دیدی تھی اور اس کا مجنون ہونا معلوم ہو تو طلاق نہ ہوگی بلکہ یہ کلام لغو ہے۔ (درمختار، کتاب طلاق)

عدم ملکیت کے سبب حکم کے معدوم ہونے کا فقہی بیان

یہاں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: اگر شوہر اپنی بیوی سے یہ کہے: تمہیں گزشتہ کل طلاق ہے جبکہ شادی اس نے آج کی ہو تو کچھ بھی واقع نہیں ہوگا' اس کی دلیل یہ ہے: اس شخص نے طلاق کی نسبت جس وقت کی طرف کی ہے' اس وقت میں اس شخص کی ملکیت موجود نہیں ہے' لہٰذا اس کا یہ کلام لغو قرار دیا جائے گا۔

اور اس کے اس کلام کا وہی حکم ہوگا جو اس بات کا ہوگا' جو اگر وہ یہ کہہ دیتا میری پیدائش سے پہلے تمہیں طلاق ہے۔ یہاں مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے: ان الفاظ کے استعمال کے نتیجے عورت کو طلاق نہیں ہوگی' لیکن یہ ہو سکتا ہے: آپ اس کے کلام کو درست قرار دیں اور یہ اس وقت ہوگا' جب آپ شوہر کے کلام میں تاویل کریں اور وہ تاویل یہ ہوگی: جب اس نے یہ کہا: گزشتہ کل میں طلاق ہے' تو گویا وہ یہ کہنا چاہ رہا ہے: گزشتہ کل میں اس عورت کا اس کے ساتھ نکاح نہیں ہوا تھا' یا وہ یہ بتانا چاہ رہا ہے: وہ عورت پہلے شوہر سے گزشتہ کل طلاق یافتہ تھی۔

لیکن اگر شوہر گزشتہ کل سے پہلے عورت کے ساتھ شادی کر چکا تھا' اور پھر اس نے کہا: گزشتہ کل طلاق ہے' تو اس صورت میں عورت کو کل طلاق ہو جائے گی۔ اس کی دلیل یہ ہے: یہاں نکاح کی ملکیت پہلے پائی جا رہی ہے' لہٰذا طلاق کی ملکیت بھی موجود ہوگی۔ کلام کو گزشتہ کل کی طرف کرنا منسوب ہوگا اور کیونکہ یہاں اس سے طلاق دینا مراد لیا جا سکتا ہے' اس لئے اسے اطلاع کے طور پر تاویل کرنا بھی درست ہے۔ یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے انشاء ماضی کے بارے میں ہے' جبکہ اس بات کے لئے حال میں انشاء پایا جاتا ہے۔ مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: زمانہ ماضی کا انشاء بھی زمانہ حال کا انشاء ہی شمار کیا جاتا ہے' لہٰذا طلاق ہو جائے گی۔

طلاق کی نسبت شادی سے پہلے کے وقت کی طرف کرنا

﴿وَلَوْ قَالَ :اَنْتِ طَالِقٌ قَبْلَ اَنْ اَتَزَوَّجَكِ لَمْ يَقَعْ شَيْءٌ﴾ لِاَنَّهُ اَسْنَدَهُ اِلٰى حَالَةٍ مُنَافِيَةٍ فَصَارَ كَمَا اِذَا قَالَ :طَلَّقْتُكِ وَاَنَا صَبِيٌّ اَوْ نَائِمٌ، اَوْ يُصَحَّحُ اِخْبَارًا عَلٰى مَا ذَكَرْنَا .

ترجمہ

اور اگر مرد نے یہ کہا: میرے تمہارے ساتھ شادی کرنے سے پہلے ہی تمہیں طلاق ہے' تو کوئی چیز واقع نہیں ہوگی' کیونکہ اس نے طلاق کی نسبت ایسی حالت کی طرف کی ہے' جو ملکیت کے منافی ہے' تو یہ اسی طرح ہوگا' جیسے مرد نے یہ کہا ہو: میں نے تمہیں اس وقت طلاق دی جب میں بچہ تھا' یا جب میں سویا ہوا تھا' یا پھر یہ اطلاع کے طور پر درست ہوگا' جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

شرح

حکم بیان کرتے ہیں یحیی بن حمزہ نے مجھ سے بیان کیا میں یہ بات یقین سے کرسکتا ہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ نے اہل یمن کو خط کے ذریعے یہ حکم بھیجا تھا کہ قرآن کو صرف باوضو ہاتھ لگا سکتا ہے اور شادی سے پہلے طلاق نہیں دی جا سکتی اور (غلام یا کنیز) کو خریدنے سے پہلے آزاد نہیں کیا جا سکتا۔ امام ابومحمد دارمی سے اس حدیث کے راوی سلیمان بن ابوداؤد جنہوں نے زہری سے یہ روایت نقل کی ہے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو امام ابومحمد دارمی نے کہا میرا خیال ہے کہ یہ صاحب حضرت عمر بن عبدالعزیز کے سیکرٹری تھے۔ (سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 124)

نکاح سے قبل طلاق میں مذاہب فقہاء

حضرت علی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہوتی مالک ہونے سے پہلے غلام کو آزاد نہیں کیا جا سکتا اور پے در پے کے روزے یعنی رات کو افطار کئے بغیر مسلسل وپیہم روزے رکھے چلے جانا) جائز نہیں ہے (یہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے تھا اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے جائز تھا) بالغ ہونے کے بعد کوئی یتیم نہیں رہتا یعنی جس کے ماں باپ نہ ہوں اور وہ بالغ ہو جائے تو اسے یتیم نہیں کہیں گے) دودھ پینے کی مدت کے بعد دودھ پینا رضاعت میں شامل نہیں (یعنی دودھ پینے کی مدت دو سال یا ڈھائی سال ہے اور دودھ پینے کے سبب جو حرمت نکاح ہوتی ہے وہ اس مدت کے بعد دودھ پینے سے ثابت نہیں ہوتی) اور دن بھر چپ رہنا جائز نہیں ہے (یا یہ کہ اس کا کوئی ثواب نہیں ہے) شرح السنۃ۔

اس روایت میں چند اصولی باتوں کو ذکر کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص نکاح سے پہلے ہی طلاق دے تو وہ طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ طلاق دراصل نکاح کا جزء ہے کہ اگر نکاح کا وجود پایا جائے گا تو اس پر طلاق کا اثر بھی مرتب ہوگا اور جب

سرے سے نکاح ہی نہیں ہوگا تو طلاق کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہوگی۔

اسی طرح فرمایا گیا کہ غلام جب تک اپنی ملکیت میں نہ آ جائے اس کو آزاد کرنے کے کوئی معنی نہیں ہوں گے، اگر کوئی شخص کسی ایسے غلام کو آزاد کردے جس کا وہ ابھی تک مالک نہیں بنا ہے تو وہ غلام آزاد نہیں ہوگا اس اعتبار سے یہ حدیث حضرت امام شافعی اور امام احمد کے مسلک کی دلیل ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نکاح سے پہلے طلاق کی اضافت سبب ملک کی طرف کرے تو درست ہے مثلاً زید کسی اجنبی عورت سے یوں کہے کہ اگر میں تم سے نکاح کروں تو تم پر طلاق ہے یا یہ کہے کہ میں جس عورت سے بھی) نکاح کروں اس پر طلاق ہے تو اس صورت میں اگر زید اس عورت سے نکاح کرے گا تو نکاح کے وقت اس پر طلاق پڑ جائیگی۔

اسی طرح اگر کوئی شخص آزادی کی اضافت ملک کی طرف کرے مثلاً یوں کہے کہ اگر میں اس غلام کا مالک بنوں تو یہ آزاد ہے یا یہ کہے کہ میں جس غلام کا مالک بنوں وہ آزاد ہے تو اس صورت میں وہ غلام اس شخص کی ملکیت میں آتے ہی آزاد ہو جائیگا۔

لہذا یہ حدیث حنفیہ کے نزدیک نفی تنجیز پر محمول ہے یعنی اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس طلاق کا کبھی بھی کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا بلکہ اسکا مطلب صرف یہ ہے کہ جس لمحہ اس نے طلاق دی ہے اس لمحہ طلاق نہیں پڑے گی یقینا اس طرح اس حدیث سے طلاق کی تعلیق کی نفی نہیں ہوتی۔

ایک بات یہ فرمائی گئی ہے کہ دن بھر چپ رہنا ناجائز یا لاحاصل ہے اس ممانعت کی دلیل یہ ہے کہ پچھلی امتوں میں چپ رہنا عبادت کے زمرہ میں آتا تھا۔ اور دن بھر چپ رہنا تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی کہ ہماری امت میں یہ درست نہیں ہے کہ اس کی دلیل سے کچھ ثواب حاصل نہیں ہوتا ہاں اپنی زبان کو لایعنی کلام اور بری باتوں میں مشغولیت کے بجائے یقیناً یہ زیادہ بہتر ہے کہ اپنی زبان کو ہر وقت خاموش رکھا جائے۔

طلاق کی نسبت، طلاق نہ دینے کی طرف کرنے کا بیان

﴿وَلَوْ قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ مَا لَمْ اُطَلِّقْكِ اَوْ مَتَى لَمْ اُطَلِّقْكِ اَوْ مَتَى مَا لَمْ اُطَلِّقْكِ وَسَكَتَ طُلِّقَتْ﴾ لِاَنَّهُ اَضَافَ الطَّلَاقَ اِلَى زَمَانٍ خَالٍ عَنِ التَّطْلِيْقِ وَقَدْ وُجِدَ حَيْثُ سَكَتَ، وَهٰذَا لِاَنَّ كَلِمَةَ مَتَى وَمَتَى مَا صَرِيْحٌ فِي الْوَقْتِ لِاَنَّهُمَا مِنْ ظُرُوْفِ الزَّمَانِ، وَكَذَا كَلِمَةُ "مَا" قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿مَا دُمْتُ حَيًّا﴾ اَيْ وَقْتَ الْحَيَاةِ.

ترجمہ

اور اگر مرد نے یہ الفاظ استعمال کیے: میں جب تمہیں طلاق نہ دوں یا میں جب تک تمہیں طلاق نہ دوں، تمہیں طلاق ہے تو جیسے ہی مرد خاموش ہوگا عورت کو طلاق ہو جائے گی کیونکہ مرد نے طلاق کی نسبت ایک ایسے زمانے کی طرف کی ہے جو طلاق دینے

سے خالی ہو اور یہ زمانہ اسی وقت پایا گیا جب وہ مرد خاموش ہوا اس کی دلیل یہ ہے: لفظ ''متیٰ اور متیٰ ما'' وقت کے حوالے سے صریح ہوتے ہیں کیونکہ یہ دونوں ظرف زمان ہیں۔ لفظ ''ما'' کا بھی یہی حکم ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''جب تک میں زندہ رہا'' یعنی زندگی کا وقت ہے۔

لفظ ما سے عمومی صفت کے فائدے کا بیان

جب ما کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو اس سے مقصود اُس کی صفت کے بارے میں استفسار یا اظہار خیال ہوتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا اردو زبان میں جب ہم کسی شخص کے متعلق پوچھتے ہیں کہ یہ صاحب کون ہیں تو مقصد اس شخص کی ذات سے تعارف حاصل کرنا ہوتا ہے مگر جب ہم کسی شخص کے متعلق پوچھتے ہیں کہ یہ صاحب کیا ہیں؟ تو اس سے یہ معلوم کرنا ہوتا ہے کہ مثلاً وہ فوج کا آدمی ہے تو فوج میں اس کا منصب کیا ہے؟ اور کسی درس گاہ سے تعلق رکھتا ہے تو اس میں ریڈر ہے؟ لکچرر ہے؟ پروفیسر ہے؟ کس علم یا فن کا استاد ہے؟ کیا ڈگریاں رکھتا ہے؟ وغیرہ پس اگر اس آیت میں یہ کہا جاتا کہ لَآ اَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَنْ اَعْبُدُ تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ تم اس ہستی کی عبادت کرنے والے نہیں ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں اور اس کے جواب میں مشرکین اور کفار یہ کہہ سکتے تھے کہ اللہ کی ہستی کو تو ہم مانتے ہیں اور اس کی عبادت بھی ہم کرتے ہیں۔ لیکن جب یہ کہا گیا کہ لَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جن صفات کے معبود کی عبادت میں کرتا ہوں اُن صفات کے معبود کی عبادت کرنے والے تم نہیں ہو۔

قرآن عرب کی رائج زبان کے مطابق نازل ہوا ہے عربی زبان میں لفظ من اکثر ذو العقول (وہ افراد جو عقل رکھتے ہیں) کے لئے اور لفظ ما غیر ذو العقول (حیوانات، جمادات اور اشجار) کے لئے استعمال ہوتا ہے تم جس آیت کے سلسلہ میں اعتراض کر رہے ہو اس میں لفظ ما استعمال ہوا ہے جس سے مراد عقلاء نہیں بلکہ وہ معبود ہیں جو عقل نہیں رکھتے جیسے بت جنھیں مٹی، لکڑی اور پتھر سے بنایا جاتا ہے، اس طرح آیت کے معنی یہ ہوں گے۔ غیر خدا کی عبادت کرنے والے لوگ جنھیں تم نے اپنے ہاتھوں سے مختلف قسم کے معبود بنا رکھا ہے وہ سب کے سب جہنمی ہوں گے۔

جب تک کی تعلیق سے طلاق کا حکم

لیکن اگر شوہر بیوی سے یہ کہتا ہے: میں جب تک تمہیں طلاق نہ دوں تمہیں طلاق ہے (اور وہ اس کے لئے عربی کے دو مختلف جملے ادا کرتا ہے جس کا ذکر متن میں کیا ہے) تو جیسے ہی وہ یہ کہہ کر خاموش ہوگا۔ عورت کو طلاق ہو جائے گی۔ دلیل یہ ہے: شوہر نے طلاق کی نسبت ایک ایسے زمانے کی طرف کی ہے' جو طلاق دینے سے خالی ہو اور وہ وقت اس وقت پایا گیا جب شوہر خاموش ہوا تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے: عربی زبان کے محاورے میں لفظ متیٰ اور متیٰ ما دونوں وقت بیان کرنے کے لئے صریح کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ لہٰذا ظرف زمان قرار دیئے جائیں گے۔ جبکہ لفظ ''ما'' وقت کے لئے استعمال ہوتا ہے' جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''جب تک میں زندہ رہا'' یعنی زندگی کا وقت۔

طلاق نہ دینے سے طلاق کے حکم کا بیان

﴿وَلَوْ قَالَ :اَنْتِ طَالِقٌ اِنْ لَّمْ اُطَلِّقْكِ لَمْ تَطْلُقْ حَتّٰى يَمُوتَ﴾ لِاَنَّ الْعَدَمَ لَا يَتَحَقَّقُ اِلَّا بِالْيَاْسِ عَنِ الْحَيَاةِ وَهُوَ الشَّرْطُ كَمَا فِيْ قَوْلِهِ اِنْ لَّمْ اٰتِ الْبَصْرَةَ، وَمَوْتُهَا بِمَنْزِلَةِ مَوْتِهِ هُوَ الصَّحِيْحُ .

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے یہ کہا: اگر میں تمہیں طلاق نہ دوں، تو تمہیں طلاق ہے، تو جب تک آدمی مرنہیں جاتا، عورت کو طلاق نہیں ہوگی اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ عدم اسی وقت متحقق ہوسکتا ہے جب زندگی سے مایوس ہوا جا چکا ہو اور یہ بات شرط ہے، جیسا کہ مرد کا یہ کہنا ''اگر میں بصرہ نہ آؤں''۔ اور عورت کا مرنا بھی مرد کے مرنے کی مانند ہوگا صحیح قول یہی ہے۔

شرح

اور کسی بندے نے یہ کہا کہ جب کبھی تجھے طلاق نہ دوں تو طلاق ہے یا جب تجھے طلاق نہ دوں تو طلاق ہے تو چپ ہوتے ہی طلاق پڑ جائے گی۔ اور یہ کہا کہ اگر تجھے طلاق نہ دوں تو طلاق ہے تو مرنے سے کچھ پہلے طلاق ہوگی۔

اور جب کسی شخص نے یہ کہا کہ اگر آج تجھے تین طلاقیں نہ دوں تو تجھے تین طلاقیں تو دیگا جب بھی ہونگی اور نہ دیگا جب بھی اور بچنے کی یہ صورت ہے کہ عورت کو ہزار روپے کے بدلے میں طلاق دیدے اور عورت کو چاہیے کہ قبول نہ کرے اب اگر دن گزر گیا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ (فتاویٰ خانیہ، از فقہاء احناف)

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔ اگر شوہر نے یہ الفاظ استعمال کئے ہوں، اگر میں تمہیں طلاق نہ دوں، تو تمہیں طلاق ہے، تو عورت کو اس وقت تک طلاق نہیں ہوگی، جب تک شوہر کا انتقال نہیں ہو جاتا، کیونکہ یہ صورتحال صرف اسی صورت میں پائی جاتی ہے جب شوہر زندگی سے مایوس ہو چکا ہو اور یہ لفظ شرط کے طور پر ہیں، جیسا کہ آدمی یہ کہے۔ ''اگر میں بصرہ نہ گیا تو تمہیں طلاق ہے''۔ تو شوہر کے بصرہ جانے سے ناامید اسی وقت ہوا جا سکتا جب اس کا انتقال ہو جائے کیونکہ اس سے پہلے اس بات کا امکان پایا جاتا ہے کہ وہ شخص بصرہ چلا جائے اور عورت کو طلاق ہو جائے۔ اگر شوہر نے یہ الفاظ استعمال کیے: اگر میں نے تمہیں طلاق نہ دی تو تمہیں طلاق ہے، اس کی ایک صورت مصنف نے بیان کی: جب شوہر کا انتقال ہو جائے گا تو اس وقت عورت کو طلاق ہو جائے گی۔ دوسری صورت یہ ہے: اگر عورت کی وفات ہو جائے اور شوہر زندہ ہو، تو کیا طلاق واقع ہو جائے گی؟

طلاق دیتے ہوئے لفظ ''اِذا'' استعمال کرنا

﴿وَلَوْ قَالَ :اَنْتِ طَالِقٌ اِذَا لَمْ اُطَلِّقْكِ، اَوْ اِذَا مَا لَمْ اُطَلِّقْكِ لَمْ تَطْلُقْ حَتّٰى يَمُوتَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ، وَقَالَا :تَطْلُقُ حِيْنَ سَكَتَ﴾ لِاَنَّ كَلِمَةَ اِذَا لِلْوَقْتِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ وَقَالَ قَائِلُهُمْ :وَاِذَا تَكُوْنُ كَرِيْهَةٌ اُدْعٰى لَهَا وَاِذَا يُحَاسُ الْحَيْسُ يُدْعٰى جُنْدُبٌ(۱)فَصَارَ بِمَنْزِلَةِ مَتٰى وَمَتٰى مَا، وَلِهٰذَا لَوْ قَالَ لِامْرَاَتِهٖ :اَنْتِ طَالِقٌ اِذَا شِئْتِ لَا يَخْرُجُ الْاَمْرُ مِنْ يَدِهَا بِالْقِيَامِ عَنِ الْمَجْلِسِ كَمَا فِيْ قَوْلِهٖ مَتٰى شِئْتِ .وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّ كَلِمَةَ اِذَا تُسْتَعْمَلُ فِي الشَّرْطِ اَيْضًا، قَالَ قَائِلُهُمْ :وَاسْتَغْنِ مَا اَغْنَاكَ رَبُّكَ بِالْغِنٰى

وَاِذَا تُصِبْكَ خَصَاصَةٌ فَتَجَمَّلْ (۱)

فَاِنْ اُرِيْدَ بِهِ الشَّرْطُ لَمْ تَطْلُقْ فِي الْحَالِ .وَاِنْ اُرِيْدَ بِهِ الْوَقْتُ تَطْلُقُ فَلَا تَطْلُقُ بِالشَّكِّ وَالْاِحْتِمَالِ، بِخِلَافِ مَسْاَلَةِ الْمَشِيْئَةِ لِاَنَّهٗ عَلٰى اعْتِبَارِ اَنَّهٗ لِلْوَقْتِ لَا يَخْرُجُ الْاَمْرُ مِنْ يَدِهَا، وَعَلٰى اعْتِبَارِ اَنَّهٗ لِلشَّرْطِ يَخْرُجُ وَالْاَمْرُ صَارَ فِيْ يَدِهَا فَلَا يَخْرُجُ بِالشَّكِّ وَالْاِحْتِمَالِ، وَهٰذَا الْخِلَافُ فِيْمَا اِذَا لَمْ تَكُنْ لَهٗ نِيَّةٌ اَلْبَتَّةَ، اَمَّا اِذَا نَوَى الْوَقْتَ يَقَعُ فِي الْحَالِ وَلَوْ نَوَى الشَّرْطَ يَقَعُ فِيْ آخِرِ الْعُمُرِ لِاَنَّ اللَّفْظَ يَحْتَمِلُهُمَا.

(۳) القائل هو ابن أحمر أو حري بن ضمرة اه فتح القدير ۳/۶۶

ترجمہ

اور جب اگر مرد نے یہ کہا: اگر میں تمہیں طلاق نہ دوں یا جب تک میں تمہیں طلاق نہ دوں تو تم طلاق والی ہو تو جب تک مرد مر نہیں جاتا عورت کو طلاق نہیں ہوگی یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔صاحبین یہ فرماتے ہیں: جیسے ہی مرد خاموش ہوگا عورت کو طلاق ہو جائے گی کیونکہ لفظ ''اذا'' وقت کے لئے ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ''جب سورج بے نور ہو جائے گا''۔اور کسی شاعر کا شعر ہے: ''جب کبھی مشکل صورت حال درپیش ہوتی ہے تو اس کے لئے مجھے بلایا جاتا ہے اور جب کبھی ''حیس'' (مخصوص قسم کا حلوہ) تیار ہوتا ہے تو جندب کو بلا لیا جاتا ہے''۔تو یہ لفظ ''متیٰ'' اور ''متی ما'' کی طرح ہو جائے گا۔یہی دلیل ہے: اگر مرد نے اپنی بیوی سے کہا: جب تم چاہو تو تمہیں طلاق ہے تو اس مجلس سے اٹھنے کی دلیل سے عورت کا اختیار ختم نہیں ہوگا جیسا کہ مرد اگر یہ کہتا: ''جب تم چاہو'' (تو اختیار ختم نہیں ہوتا)۔امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے: یہ لفظ ''(اذا)'' شرط کے معنی میں بھی استعمال ہوتا

ہے۔اصل اختلاف علم لغت اور علم نحو کے ماہرین کے درمیان ہے۔کسی شاعر نے کہا ہے:

''جب تک تمہارا پروردگار خوشحالی کے ہمراہ تمہیں خوشحال رکھے تم خوشحال رہو اور جب تمہیں تنگی لاحق ہو تو صبر کرو''۔اگر اس سے مراد ''شرط'' ہو تو عورت کو فوراً طلاق نہیں ہوگی اور اگر اس سے مراد وقت ہو تو عورت کو طلاق ہو جائے گی' تو کیونکہ شک اور احتمال کی دلیل سے طلاق نہیں ہوتی ہے' جبکہ لفظ ''مشیت'' استعمال کرنے کا حکم اس سے مختلف ہے' کیونکہ اگر اس میں وقت کے مفہوم کا اعتبار کیا جائے' تو عورت کا اختیار ختم نہیں ہوگا اور اگر شرط کا اعتبار کیا جائے' تو اختیار ختم ہو جائے گا' تو کیونکہ یہ اختیار عورت کے پاس جا چکا ہے' اس لیے شک اور احتمال کی دلیل سے ختم نہیں ہوگا۔یہ اختلاف اس صورت میں ہے: جب مرد نے کوئی نیت نہ کی ہو' لیکن اگر اس نے وقت کی نیت کی ہو' تو طلاق فوراً واقع ہو جائے گی' اور اگر اس نے شرط کی نیت کی ہو' تو عمر کے آخری حصے میں واقع ہوگی' کیونکہ یہ لفظ ان دونوں مفاہیم کا احتمال رکھتا ہے۔

(۱) القائل هو عبدالقيس بن خفاف و قيل لحارثة بن بدر وهو من شواهد المغني برقم (۱۳۹)

الفاظ شرط سے تعلیق طلاق کا فقہی حکم

کسی عورت سے کہا اگر تجھ سے نکاح کروں یا جب، یا جس وقت تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق ہے تو نکاح ہوتے ہی طلاق ہو جائے گی۔ یونہی اگر خاص عورت کو معین نہ کیا بلکہ کہا اگر یا جب یا جس وقت میں نکاح کروں تو اُسے طلاق ہے تو نکاح کرتے ہی طلاق ہو جائیگی مگر اسکے بعد دوسری عورت سے نکاح کریگا تو اُسے طلاق نہ ہوگی۔ ہاں اگر کہا جب کبھی میں کسی عورت سے نکاح کروں اُسے طلاق ہے' تو جب کبھی نکاح کریگا طلاق ہو جائیگی۔ان صورتوں میں اگر چاہے کہ نکاح ہو جائے اور طلاق نہ پڑے تو اسکی صورت یہ ہے کہ فضولی (یعنی جسے اس نے نکاح کا وکیل نہ کیا ہو) بغیر اس کے حکم کے اُس عورت یا کسی عورت سے نکاح کر دے اور جب اسے خبر پہنچے تو زبان سے نکاح کو نافذ نہ کرے بلکہ کوئی ایسا فعل کر دے جس سے اجازت ہو جائے مثلاً مہر کا کچھ حصہ یا کل اُس کے پاس بھیج دے یا اُس کے ساتھ جماع کرے یا شہوت کے ساتھ ہاتھ لگائے یا بوسہ لے یا لوگ مبارکباد دیں تو خاموش رہے انکار نہ کرے تو اس صورت میں نکاح ہو جائے گا اور طلاق نہ پڑیگی اور اگر کوئی خود نہیں کر دیتا اسے کہنے کی ضرورت پڑے تو کسی کو حکم نہ دے بلکہ تذکرہ کرے کہ کاش کوئی میرا نکاح کر دے یا کاش تو میرا نکاح کر دے یا کیا اچھا ہوتا کہ میرا نکاح ہو جاتا اب اگر کوئی نکاح کر دیگا تو نکاح فضولی ہوگا اور اس کے بعد وہی طریقہ برتے جو اوپر مذکور ہوا۔(بحر، ردالمحتار، خیریہ)

طلاق دیتے ہوئے لفظ ''ما'' استعمال کرنا

﴿وَلَوْ قَالَ :اَنْتِ طَالِقٌ مَا لَمْ اُطَلِّقْكِ اَنْتِ طَالِقٌ فَهِيَ طَالِقٌ بِهٰذِهِ التَّطْلِيْقَةِ﴾ مَعْنَاهُ قَالَ ذٰلِكَ مَوْصُوْلًا بِهِ، وَالْقِيَاسُ اَنْ يَّقَعَ الْمُضَافُ فَيَقَعَانِ اِنْ كَانَتْ مَدْخُوْلًا بِهَا، وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لِاَنَّهُ وُجِدَ زَمَانٌ لَّمْ يُطَلِّقْهَا فِيْهِ وَاِنْ قَلَّ وَهُوَ زَمَانُ قَوْلِهِ اَنْتِ طَالِقٌ قَبْلَ

أَنْ يَخْرُجَ مِنْهَا. وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّ زَمَانَ الْبِرِّ مُسْتَثْنًى عَنِ الْيَمِينِ بِدَلَالَةِ الْحَالِ لِأَنَّ الْبِرَّ هُوَ الْمَقْصُودُ، وَلَا يُمْكِنُهُ تَحْقِيقُ الْبِرِّ إِلَّا أَنْ يَجْعَلَ هٰذَا الْقَدْرَ مُسْتَثْنًى، أَصْلُهُ مَنْ حَلَفَ لَا يَسْكُنُ هٰذِهِ الدَّارَ فَاشْتَغَلَ بِالنُّقْلَةِ مِنْ سَاعَتِهِ وَأَخَوَاتُهُ عَلَى مَا يَأْتِيكَ فِي الْأَيْمَانِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالَى.

ترجمہ

اور اگر مرد نے یہ کہا: انت طالق ما لم اطلقك انت طالق (تمہیں طلاق ہے جب تک میں تمہیں طلاق نہ دوں تمہیں طلاق ہے) تو وہ عورت اس (دوسری) طلاق کے ذریعے طلاق یافتہ ہو جائے گی۔

اس کا مفہوم یہ ہے: جب مرد نے جملے کے ساتھ ہی یہ الفاظ استعمال کیے ہوں۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے: منسوب کردہ طلاق بھی واقع ہو جائے اور یہ دونوں طلاقیں ہو جائیں اگر وہ عورت مدخول بہا ہے جیسا کہ امام زفر اسی بات کے قائل ہیں اس کی دلیل یہ ہے: ایسا زمانہ پایا گیا ہے جس میں مرد نے عورت کو طلاق نہیں دی اگر چہ وہ بہت تھوڑا سا زمانہ ہے اور یہ زمانہ مرد کے اس جملے کا زمانہ ہے۔ (تمہیں طلاق ہے) اس سے پہلے کہ مرد اسے پورا کر کے فارغ ہوتا۔ استحسان کی صورت یہ ہے: قسم پوری کرنے کا وقت قسم سے مستثنیٰ ہوتا ہے حال کی دلالت کی دلیل سے کیونکہ اصل مقصد قسم کو پورا کرنا ہے تو کچھ مقدار کا استثناء کیے بغیر قسم پورا کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی بنیاد یہ مسئلہ ہے: جب مرد نے یہ قسم اٹھائی: وہ اس گھر میں نہیں رہے گا اور وہ پھر اسی لمحے میں سامان وغیرہ منتقل کرنے میں مشغول ہو گیا یا اس جیسے دیگر مسائل ہیں جن کا بیان قسموں سے متعلق باب میں آئے گا اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔

شرح

اور جب کسی شخص نے یہ کہا کہ جب بھی تجھے طلاق نہ دوں تو طلاق ہے یا جب تجھے طلاق نہ دوں تو طلاق ہے تو چپ ہوتے ہی طلاق پڑ جائے گی۔ اور یہ کہا کہ اگر تجھے طلاق نہ دوں تو طلاق ہے تو مرنے سے کچھ پہلے طلاق ہوگی۔

طلاق نہ دینے کی نسبت میں استحسان کی دلیل کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر شوہر یہ الفاظ استعمال کرے: انت طالق مالم اطلقك انت طالق۔

تو بعد والے الفاظ کے ذریعے عورت کو طلاق ہو جائے گی یہ اس وقت ہوگا جب بعد والے الفاظ شوہر نے پہلے والے الفاظ کے ساتھ ملا دیے ہوں۔

قیاس کا تقاضا یہ ہے: جس چیز کی طرف نسبت کی گئی ہے وہ بھی واقع ہو جائے تو دو طلاقیں واقع ہو جائیں گی لیکن یہ حکم اس صورت میں ہوگا جب وہ عورت مدخول بہا ہو اس کی دلیل یہ ہے: ایسا زمانہ پایا جائے گا جس میں شوہر نے عورت کو طلاق نہیں دی تو طلاق ہو جانی چاہیے۔ اگر چہ وہ زمانہ بہت ہی چھوٹا سا ہے اور یہ وہ زمانہ ہے جس میں شوہر نے یہ الفاظ استعمال کیے تھے کہ تمہیں

طلاق ہو یعنی ان الفاظ کو پورا کرنے سے پہلے کا جو زمانہ ہے لیکن یہ حکم قیاس کے پیش نظر ہے۔

استحسان کی دلیل مصنف نے یہ بیان کی ہے: آدمی اپنی قسم کو پورا کرنے کے لئے جو عمل کرتا ہے۔ وہ والا زمانہ استحسان کے پیش نظر قسم سے مستثنیٰ ہوتا ہے یعنی اگر کسی شخص نے یہ قسم اٹھائی: میں اس گھر میں نہیں رہوں گا اور پھر وہ وہاں سے منتقل ہونے کی تیاری کرے تو یہ زمانہ اس کا مستثنیٰ قرار دیا جائے گا۔ اس لئے مذکورہ صورت میں بھی شوہر کو انت طالق کہنے کے لئے وقت ملنا چاہئے تاکہ وہ اپنی بات کو پورا کر سکے اور وہ وقت اسے مل جائے لہٰذا اس وقت کے درمیان والی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ مصنف نے یہاں اس بات کی وضاحت کی ہے: اصل میں یہ مسئلہ قسم اٹھانے سے تعلق رکھتا ہے اور اس کی وضاحت متعلقہ باب میں کی گئی ہے۔

شادی کے دن کے ساتھ طلاق کو مشروط کرنا

﴿وَمَنْ قَالَ لِامْرَاَةٍ: يَوْمَ اَتَزَوَّجُكِ فَاَنْتِ طَالِقٌ فَتَزَوَّجَهَا لَيْلًا طَلُقَتْ﴾ لِاَنَّ الْيَوْمَ يُذْكَرُ وَيُرَادُ بِهِ بَيَاضُ النَّهَارِ فَيُحْمَلُ عَلَيْهِ وَاِذَا قُرِنَ بِفِعْلٍ يَمْتَدُّ كَالصَّوْمِ وَالْاَمْرِ بِالْيَدِ لِاَنَّهُ يُرَادُ بِهِ الْمِعْيَارُ، وَهٰذَا اَلْيَقُ بِهِ، وَيُذْكَرُ وَيُرَادُ بِهِ مُطْلَقُ الْوَقْتِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿وَمَنْ يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ﴾ وَالْمُرَادُ بِهِ مُطْلَقُ الْوَقْتِ فَيُحْمَلُ عَلَيْهِ اِذَا قُرِنَ بِفِعْلٍ لَا يَمْتَدُّ وَالطَّلَاقُ مِنْ هٰذَا الْقَبِيلِ فَيَنْتَظِمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ .وَلَوْ قَالَ :عَنَيْتُ بِهِ بَيَاضَ النَّهَارِ خَاصَّةً دِينَ فِي الْقَضَاءِ لِاَنَّهُ نَوٰى حَقِيقَةَ كَلَامِهِ وَاللَّيْلُ لَا يَتَنَاوَلُ اِلَّا السَّوَادَ وَالنَّهَارُ يَتَنَاوَلُ الْبَيَاضَ خَاصَّةً وَهٰذَا هُوَ اللُّغَةُ .

ترجمہ

اور جس شخص نے کسی عورت سے یہ کہا: جس دن میں تمہارے ساتھ شادی کروں گا تو تمہیں طلاق ہے' پھر اس نے اسی رات اس عورت کے ساتھ شادی کر لی تو عورت کو طلاق ہو جائے گی' کیونکہ بعض اوقات لفظ ''یوم'' ذکر کیا جاتا ہے اور اس سے مراد دن کی سفیدی ہوتی ہے اور لفظ یوم کو اسی مفہوم پر محمول کیا جاتا ہے' اگر اس کا تعلق کسی ایسے فعل کے ساتھ ہو جو پھیلا ہوا ہو' جیسے روزہ رکھنا ہے یا کسی کے سپرد معاملہ کرنا ہے' کیونکہ عام طور پر اس سے مراد معیار ہوتا ہے اور یہ اس کے زیادہ لائق بھی ہے۔ بعض اوقات اس لفظ کو ذکر کیا جاتا ہے اور اس سے مراد ''مطلق وقت'' ہوتا ہے جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور جو شخص اس دن پیٹھ پھیر کر جائے گا''۔ اس سے مراد ''مطلق وقت'' ہے' تو اسے اس پر محمول کیا جائے گا جب یہ کسی ایسے فعل کے ساتھ متصل ہو جو پھیلا ہوا نہ ہو۔ کیونکہ طلاق بھی اسی قسم سے تعلق رکھتی ہے اس لیے یہ لفظ رات اور دن دونوں کو شامل ہوگا۔ اگر مرد یہ کہے: میں نے اس لفظ کے ذریعے دن کی سفیدی ہی مراد لی تھی' تو قضاء میں اس کی بات کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ اس نے اپنے کلام کی حقیقت مراد لی ہے اور رات صرف سیاہی کو شامل ہوتی ہے اور دن صرف سفیدی کو شامل ہوتا ہے' تو یہ بات لغت کے اعتبار سے ہے۔

نکاح سے قبل وقوع طلاق میں فقہی مذاہب اربعہ

حضرت عمر بن شعیب اپنے والد اور دو ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابن آدم جس چیز پر ملکیت نہیں رکھتا اس میں اس کی نذر صحیح نہیں اس طرح ایسے غلام یا باندی کو آزاد کرنا بھی صحیح نہیں جس کا وہ مالک نہیں اور طلاق نہیں اس میں جس کا وہ مالک نہیں ہوتا۔

اس باب میں حضرت علی، معاذ، جابر، ابن عباس، عائشہ سے بھی روایت ہے حدیث عبداللہ بن عمرو حسن صحیح ہے اس باب میں یہ اصح حدیث ہے اکثر علماء صحابہ کا یہ قول ہے علی بن ابی طالب، ابن عباس، جابر، سعید بن مسیب حسن، سعید بن جبیر، علی بن حسین، شریح، اور جابر بن زید سے بھی یہی منقول ہے کئی فقہاء تابعین اور شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

حضرت ابن مسعود سے منقول ہے کہ اگر عورت یا قبیلے کا تعین کر کے کہے (یعنی فلاں قبیلہ کی عورت سے نکاح کروں تو طلاق ہے) تو طلاق واقع ہو جاتی ہے یعنی جیسے ہی وہ نکاح کرے گا طلاق ہو جائے گی۔

ابراہیم نخعی شعبی، اور دیگر اہل علم سے مروی ہے کہ کوئی وقت مقرر کرے گا تو طلاق ہو جائے گی سفیان، اور مالک بن انس کا یہی قول ہے کہ جب کسی کہ جب کسی خاص عورت کا نام لے کر یا کوئی وقت مقرر کر کے کہے اگر میں فلاں شہر کی عورت سے نکاح کروں تو اسے طلاق ہے ان صورتوں میں نکاح کرتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی ابن مبارک اس مسئلے میں شدت اختیار کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ایسا کرنے سے وہ عورت حرام بھی نہیں ہوتی۔

واقعہ یہ ہے کہ ابن مبارک سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص نکاح نہ کرنے پر طلاق کی قسم کھالے یعنی کہتے کہ اگر میں نے نکاح کیا تو میری بیوی کو طلاق ہے پھر اسے نکاح کا خیال آیا تو کیا اس کے لیے ان فقہاء کے قول پر عمل جائز ہے جو اس کی اجازت دیتے ہیں ابن مبارک نے فرمایا اگر وہ اس مسئلے میں مبتلا ہونے سے پہلے ان کے قول کو صحیح سمجھتا تھا تو اب بھی اس پر عمل کر سکتا ہے لیکن اگر پہلے اجازت نہ دینے والے فقہاء کے قول کو ترجیح دیتا تھا تو اب بھی اجازت دینے والے فقہاء کے قول پر عمل جائز نہیں۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ اگر اس نے نکاح کر لیا تو میں اس کو بیوی چھوڑنے کا حکم نہیں دیتا۔ اسحاق فرماتے ہیں کہ میں کسی متعین قبیلے، شہر، یا عورت کے متعلق حضرت ابن مسعود کی حدیث کی بناء پر اجازت دیتا ہوں اور اگر وہ نکاح کر لے تو میں نہیں کہتا کہ عورت اس پر حرام ہے غیر منسوبہ عورت کے بارے میں بھی اسحاق نے وسعت دی ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1191)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا طلاق نہیں ہے مگر جس کا تو مالک ہے اور آزاد کرنا نہیں ہے مگر جس کا تو مالک ہے اور بیع نہیں ہے مگر جس کا تو مالک ہے ابن الصباح نے یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ نذر کا پورا کرنا نہیں ہے مگر جس کا تو مالک ہے۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 427)

طلاق کو نکاح کے ساتھ معلق کرنے کا فقہی بیان

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ کسی عورت سے کہا(۱) اگر تجھ سے نکاح کروں یا(۲) جب، یا(۳) جس وقت تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق ہے تو نکاح ہوتے ہی طلاق ہو جائے گی۔ یونہی اگر خاص عورت کو معین نہ کیا بلکہ کہا اگر یا جب یا جس وقت میں نکاح کروں تو اُسے طلاق ہے تو نکاح کرتے ہی طلاق ہو جائیگی مگر اسکے بعد دوسری عورت سے نکاح کریگا تو اُسے طلاق نہ ہوگی۔ ہاں اگر کہا(۴) جب کبھی میں کسی عورت سے نکاح کروں اُسے طلاق ہے تو جب کبھی نکاح کریگا طلاق ہو جائیگی۔ ان صورتوں میں اگر چاہے کہ نکاح ہو جائے اور طلاق نہ پڑے تو اسکی صورت یہ ہے کہ فضولی (یعنی جسے اس نے نکاح کا وکیل نہ کیا ہو) بغیر اس کے حکم کے اُس عورت یا کسی عورت سے نکاح کردے اور جب اسے خبر پہنچے تو زبان سے نکاح کو نافذ نہ کرے بلکہ کوئی ایسا فعل کرے جس سے اجازت ہو جائے مثلاً مہر کا کچھ حصہ یا کل اُس کے پاس بھیج دے یا اُس کے ساتھ جماع کرے یا شہوت کے ساتھ ہاتھ لگائے یا بوسہ لے یا لوگ مبارکباد دیں تو خاموش رہے انکار نہ کرے تو اس صورت میں نکاح ہو جائے گا اور طلاق نہ پڑیگی اور اگر کوئی خود نہیں کردیتا اسے کہنے کی ضرورت پڑے تو کسی کو حکم نہ دے بلکہ تذکرہ کرے کہ کاش کوئی میرا نکاح کردے یا کاش تو میرا نکاح کردے یا کیا اچھا ہوتا کہ میرا نکاح ہو جاتا اب اگر کوئی نکاح کردیگا تو نکاح فضولی ہوگا اور اس کے بعد وہی طریقہ برتے جو اوپر مذکور ہوا۔ (ردمحتار، باب تعلیق، ج۵، ۵۸۳)

فصل

﴿ یہ فصل عورت کی طرف سے طلاق کے بیان میں ہے ﴾

فصل طلاق زدلیل کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہ مسائل منثورہ ہیں یا شتیٰ ہیں یا متفرقہ ہیں۔ علامہ کاکی نے کہا ہے کہ ابواب میں داخل نہیں ہوتے۔ علامہ اکمل نے کہا ہے مصنفین کی یہ عادت ہے کہ وہ ایسے مسائل کو کتابوں کے آخر میں ذکر کرتے ہیں۔ کیونکہ شاذ ونادر ہونے کی دلیل سے یہ مسائل ابواب میں داخل نہیں ہوتے۔ جبکہ ان کے فوائد کثیر ہوتے ہیں۔ اوران مسائل کو منثور ہ، متفرقہ یا شتیٰ کہا جاتا ہے۔ (البنایہ شرح الہدایہ، ۵، ص، ۴۲۸، حقانیہ ملتان)

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ طلاق کی اضافت مردوں کی طرف ہے اس فصل سے فارغ ہوئے تو اب انہوں نے طلاق کی اضافت عورتوں کی طرف جب کی جائے اس فصل کو شروع کیا ہے کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ لہٰذا ان مسائل کو ایک مختلف نوع میں مسائل شتیٰ کی طرح بیان کیا ہے۔ تاکہ ان کی اہمیت واضح ہو جائے۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۵، ص ۲۴۱، بیروت)

ان کو مسائل کو الگ ذکر کرنے کی دلیل یہ بھی ہے کہ تنوع میں مختلف مسائل ہمیشہ الگ ذکر کیے جاتے ہیں کیونکہ ان کا استدلال اوران کے دلائل خواہ وہ ان کے حق میں ہوں یا ان کی تردید میں ہوں ان کے حکم کے اختلاف کی دلیل سے ان کو الگ ذکر کرنا ضروری ہوتا ہے۔

عورت کی طرف سے طلاق ہونے کا حکم

﴿وَمَنْ قَالَ لِامْرَاَتِهِ :اَنَا مِنْكِ طَالِقٌ فَلَيْسَ بِشَيْءٍ وَاِنْ نَوٰى طَلَاقًا، وَلَوْ قَالَ :اَنَا مِنْكِ بَائِنٌ اَوْ اَنَا عَلَيْكِ حَرَامٌ يَنْوِي الطَّلَاقَ فَهِيَ طَالِقٌ .وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :يَقَعُ الطَّلَاقُ فِي الْوَجْهِ الْاَوَّلِ اَيْضًا اِذَا نَوٰى﴾ لِاَنَّ مِلْكَ النِّكَاحِ مُشْتَرَكٌ بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ حَتّٰى مَلَكَتْ هِيَ الْمُطَالَبَةَ بِالْوَطْيِ كَمَا يَمْلِكُ هُوَ الْمُطَالَبَةَ بِالتَّمْكِينِ، وَكَذَا الْحِلُّ مُشْتَرَكٌ بَيْنَهُمَا وَالطَّلَاقُ وُضِعَ لِاِزَالَتِهِمَا فَيَصِحُّ مُضَافًا اِلَيْهِ كَمَا صَحَّ مُضَافًا كَمَا فِي الْاِبَانَةِ وَالتَّحْرِيمِ

وَلَنَا اَنَّ الطَّلَاقَ لِاِزَالَةِ الْقَيْدِ وَهُوَ فِيهَا دُوْنَ الزَّوْجِ، اَلَاتَرٰى اَنَّهَا هِيَ الْمَمْنُوْعَةُ عَنْ

التَّزَوُّجِ وَالْخُرُوْجِ وَلَوْ كَانَ لِإِزَالَةِ الْمِلْكِ فَهُوَ عَلَيْهَا لِأَنَّهَا مَمْلُوْكَةٌ وَّالزَّوْجَ مَالِكٌ وَّلِهٰذَا سُمِّيَتْ مَنْكُوْحَةً بِخِلَافِ الْإِبَانَةِ لِأَنَّهَا لِإِزَالَةِ الْوَصْلَةِ وَهِيَ مُشْتَرَكَةٌ بَيْنَهُمَا بِخِلَافِ التَّحْرِيْمِ لِأَنَّهُ لِإِزَالَةِ الْحِلِّ وَهُوَ مُشْتَرَكٌ بَيْنَهُمَا فَصَحَّتْ إِضَافَتُهُمَا إِلَيْهِمَا وَلَا تَصِحُّ إِضَافَةُ الطَّلَاقِ إِلَّا إِلَيْهَا .

ترجمہ

" اور جب مرد اپنی بیوی سے یہ کہے: مجھے تمہاری طرف سے طلاق ہے' تو کچھ بھی نہیں ہوگا اگر چہ اس نے طلاق کی نیت کی ہو۔ اگر مرد یہ کہے: میں تم سے بائنہ ہوں' یا تم پر حرام ہوں اور اس کے ذریعے اس نے طلاق کی نیت کی ہو' تو عورت کو طلاق ہو جائے گی۔ امام شافعی فرماتے ہیں: پہلی صورت میں بھی طلاق واقع ہو جائے گی' جب مرد نے اس کی نیت کی ہو' اس کی دلیل یہ ہے: نکاح کی ملکیت میاں بیوی کے درمیان مشترک ہے۔ یہاں تک کہ عورت صحبت کرنے کا مطالبہ کر سکتی ہے' جیسا کہ مرد اس بات کا مالک ہے کہ وہ عورت سے یہ مطالبہ کرے کہ وہ اپنا آپ مرد کے سپرد کر دے۔

• اسی طرح حلت بھی ان دونوں کے درمیان مشترک ہے' جبکہ طلاق کو ان دونوں کو زائل کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہے اس لیے مرد کی طرف اس کی نسبت درست ہوگی' جس طرح عورت کی طرف اس کی نسبت درست ہوتی ہے' جس طرح لفظ ابانہ اور تحریم میں (یہی حکم ہے)۔ ہماری دلیل یہ ہے: طلاق کا مطلب قید کو زائل کرنا ہے اور یہ مفہوم عورت میں پایا جاتا ہے' مرد میں نہیں۔ کیا آپ نے غور نہیں کیا۔ عورت کے لئے یہ بات ممنوع ہے: وہ کسی دوسرے مرد کے ساتھ بھی شادی کر لے (یا مرد کی اجازت کے بغیر) گھر سے باہر نکلے۔ اگر طلاق کو ملکیت کے ازالے کے لئے فرض کر بھی لیا جائے' تو بھی یہ عورت پر واقع ہوگی' کیونکہ عورت مملوکہ ہے اور شوہر مالک ہے' یہی دلیل ہے: عورت کو منکوحہ کا نام دیا گیا ہے۔ لیکن لفظ "ابانہ" کا حکم اس سے مختلف ہے' کیونکہ یہ ملی ہوئی چیز کو زائل کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے' اور یہ کیفیت میاں بیوی کے درمیان مشترک ہے۔ اسی طرح لفظ تحریم کا حکم مختلف ہے' کیونکہ یہ حلت کو زائل کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے اور یہ مفہوم بھی مشترک ہے اس لیے ان دونوں الفاظ کی نسبت دونوں میاں بیوی کی طرف کرنا درست ہوگا' لیکن طلاق ہونے کی نسبت صرف عورت کی طرف کرنا درست ہوگا۔

طلاق کی اضافت عورت کی طرف ہونے میں عدم وقوع طلاق میں مذاہب اربعہ

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف کے پہلے کہ جب کسی شخص نے کہا مجھے تمہاری طرف سے طلاق ہے اس صورت میں عورت کو طلاق نہیں ہوگی خواہ شوہر نے طلاق دینے کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ یہ احناف اور امام احمد کا مذہب ہے جبکہ امام شافعی اور امام مالک علیہ الرحمہ علیہما الرحمہ کے نزدیک اس صورت میں بھی طلاق واقع ہو جائے گی ان کی دلیل یہ ہے کہ طلاق ملکیت نکاح یا حق وطی کو زائل کرنے کا نام ہے۔ اور ملکیت نکاح اور اسی کے سبب سے حق جماع یہ دونوں کے درمیان مشترک ہے لہذا

اشتراک زوجین کے درمیان عقد ہے اور وہ اس طرح زائل ہو جائے گا۔

جبکہ احناف اور امام احمد علیہم الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ اس طرح حق طلاق کی اضافت علیٰ غیر محلہ کرنا ہے۔ اور جب کسی چیز کی اضافت اس کے محل کی طرف نہ کی جائے تو وہ واقع نہیں ہوتی لہٰذا طلاق واقع نہ ہوگی۔ (فتح القدیر، ج ۸، ص ۹۶، بیروت)

اس کی شرط یہ ہے کہ ملکیت یا ملکیت کی طرف اضافت پائی جائے، ملکیت مثلاً منکوحہ بیوی کو کہے اگر تو گئی تو تجھے طلاق، ملکیت کی طرف اضافت مثلاً کہے کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں کسی اجنبی عورت کو یوں کہ اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق، تو محض اجنبی عورت کو اس کا یہ کہنا اگر تو نے زید کو دیکھا تو تجھے طلاق، لغو ہوگا، لہٰذا اگر اس کے بعد وہ اس عورت سے نکاح کر لے اور وہ عورت زید کی زیارت کو چلی جائے تو بھی طلاق نہ ہوگی، کیونکہ یہاں نہ ملکیت ہے اور نہ ہی ملکیت کی طرف طلاق کی اضافت ہے،

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص بیوی سے کہے: مجھے تمہاری طرف سے طلاق ہے اس صورت میں عورت کو طلاق نہیں ہوگی خواہ شوہر نے طلاق دینے کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ لیکن اگر شوہر نے یہ الفاظ استعمال کیے ہو کہ میں تمہاری طرف سے بائنہ ہوں یا میں تم پر حرام ہوں اور اس نے طلاق کی نیت کی ہو تو ان دونوں الفاظ کے نتیجے میں طلاق واقع ہو جائے گی۔ اس بارے میں امام شافعی کی دلیل مختلف ہے۔ وہ یہ فرماتے ہیں: پہلی صورت میں اگر شوہر نے طلاق کی نیت کی ہو تو طلاق واقع ہو جائے گی یعنی اگر شوہر نے انا منک طالق کہتے ہوئے طلاق کی نیت کی ہو تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ امام شافعی نے اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: نکاح کی ملکیت کا حلال ہونا میاں بیوی کے درمیاں مشترک ہے لہٰذا جس طرح بیوی صحبت کرنے کا مطالبہ کرنے کی حقدار ہے اور اس طرح مرد بیوی سے یہ مطالبہ کر سکتا ہے کہ وہ اس کو صحبت کرنے کا موقع دے۔ اسی طرح وہ دونوں ایک دوسرے کے مخصوص اعضاء سے تمتع کر سکتے ہیں تو یہ دونوں برابر کے حصے دار سمجھے جائیں گے اور طلاق کے نتیجے میں چونکہ یہ چیزیں ختم ہو جاتی ہیں اور یہ تمتع کرنا ممکن نہیں رہتا اس لئے بیوی کی طرف سے طلاق دینا بھی درست ہوگا۔

جس طرح میں تم سے بائنہ ہوں یا میں تم پر حرام ہوں کہنے کے نتیجے میں طلاق کی نیت کی موجودگی میں طلاق ہو جائے گی۔ اسی طرح ان الفاظ کے نتیجے میں مجھے تمہاری طرف سے طلاق ہے میں بھی طلاق واقع ہو جائے گی جبکہ شوہر کی نیت طلاق دینے کی ہو۔ احناف اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں: طلاق ملکیت ظاہر کرنے کے لئے نہیں ہوتی بلکہ نکاح کی قید کو ختم کرنے کے لئے ہوتی ہے اور یہ قید صرف عورت میں موجود ہے۔ اس کا شوہر کے ساتھ واسطہ نہیں ہے۔ کیا آپ نے اس بات پر غور نہیں کیا شوہر ایک سے زیادہ دو یا چار یا تین کے ساتھ شادی کر سکتا ہے لیکن عورت جب تک اس شوہر کے نکاح میں ہے تب تک کسی اور سے شادی نہیں کر سکتی۔ لہٰذا اس قید کا تعلق عورت کے ساتھ ہوگا اور کیونکہ طلاق اس قید کو ختم کرنے کا نام ہے اس لئے یہ صرف عورت کو دی جا سکتی ہے اور مرد کی طرف سے ہی دی جا سکتی ہے۔ عورت کی طرف سے مرد کو نہیں دی جا سکتی۔

یہاں مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے: اگر ہم مان لیں امام شافعی کا یہ موقف درست ہے کہ طلاق اس ملکیت کو زائل

ر کا پابند ہے' تو اس صورت میں بھی طلاق کی نسبت صرف عورت کی طرف کی جاسکتی ہے' کیونکہ وہ اس بارے میں مملوکہ ہوتی ہے اور شوہر مالک ہوتا ہے۔ یہی دلیل ہے' عورت کو منکوحہ کہا جاتا ہے' اور شوہر کو ناکح قرار دیا جاتا ہے' لہٰذا طلاق عورت ہی کو دی جا سکتی ہے' مرد کو نہیں دی جاسکتی۔ امام شافعی نے اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی تھی: جب شوہر نے یہ الفاظ استعمال کیے ہوں: میں تمہاری طرف سے بائنہ ہوں یا میں تم پر حرام ہوں' تو جس طرح ان الفاظ کے ذریعے طلاق ہو جاتی ہے۔ اسی طرح تمہاری طرف سے مجھے طلاق ہو جانی چاہئے' اس قیاس کی تردید کرتے ہوئے مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: لفظ ابانت کا مطلب علیحدگی اختیار کرنا ہے یعنی تعلق کو ختم کرنا ہے' اور تعلق کے حوالے سے میاں بیوی کی حیثیت مختلف ہے۔ یہی دلیل ہے ابانت کی نسبت دونوں کی طرف کی جاتی ہے۔ اسی طرح حرمت کی نسبت بھی دونوں طرف کی جاسکتی ہے۔ طلاق قید کو ختم کرنے کا نام ہے' اور یہ قید عورت کے لئے ہوتی ہے شوہر کے لئے نہیں ہوتی۔

طلاق دینے یا نہ دینے کے الفاظ استعمال کرنے کا بیان

﴿وَلَوْ قَالَ :اَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً اَوْ لَا فَلَيْسَ بِشَیْءٍ﴾ . قَالَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ :هٰكَذَا ذَكَرَ فِی الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ مِنْ غَيْرِ خِلَافٍ، وَهٰذَا قَوْلُ اَبِیْ حَنِيْفَةَ وَاَبِیْ يُوْسُفَ آخِرًا .وَعَلٰى قَوْلِ مُحَمَّدٍ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ يُوْسُفَ اَوَّلًا تَطْلُقُ وَاحِدَةً رَجْعِيَّةً، ذَكَرَ قَوْلَ مُحَمَّدٍ فِیْ كِتَابِ الطَّلَاقِ فِيْمَا اِذَا قَالَ لِامْرَاَتِهٖ :اَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً اَوْ لَا شَیْءَ، وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْمَسْاَلَتَيْنِ .وَلَوْ كَانَ الْمَذْكُوْرُ هٰهُنَا قَوْلَ الْكُلِّ فَعَنْ مُحَمَّدٍ رِوَايَتَانِ، لَهٗ اَنَّهٗ اَدْخَلَ الشَّكَّ فِی الْوَاحِدَةِ لِدُخُوْلِ كَلِمَةِ "اَوْ "بَيْنَهَا وَبَيْنَ النَّفْیِ فَيَسْقُطُ اعْتِبَارُ الْوَاحِدَةِ وَيَبْقٰى قَوْلُهٗ اَنْتِ طَالِقٌ، بِخِلَافِ قَوْلِهٖ اَنْتِ طَالِقٌ اَوْ لَا لِاَنَّهٗ اَدْخَلَ الشَّكَّ فِیْ اَصْلِ الْاِيْقَاعِ فَلَا يَقَعُ .

وَلَهُمَا اَنَّ الْوَصْفَ مَتٰى قُرِنَ بِالْعَدَدِ كَانَ الْوُقُوْعُ بِذِكْرِ الْعَدَدِ؛ اَلَا تَرٰى اَنَّهٗ لَوْ قَالَ لِغَيْرِ الْمَدْخُوْلِ بِهَا :اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا تَطْلُقُ ثَلَاثًا، وَلَوْ كَانَ الْوُقُوْعُ بِالْوَصْفِ لَلَغَا ذِكْرُ الثَّلَاثِ، وَهٰذَا لِاَنَّ الْوَاقِعَ فِی الْحَقِيْقَةِ اِنَّمَا هُوَ الْمَنْعُوْتُ الْمَحْذُوْفُ مَعْنَاهُ اَنْتِ طَالِقٌ تَطْلِيْقَةً وَاحِدَةً عَلٰى مَا مَرَّ، وَاِذَا كَانَ الْوَاقِعُ مَا كَانَ الْعَدَدُ نَعْتًا لَهٗ كَانَ الشَّكُّ دَاخِلًا فِیْ اَصْلِ الْاِيْقَاعِ فَلَا يَقَعُ شَیْءٌ .

ترجمہ

اور اگر مرد نے یہ کہا: تمہیں ایک طلاق ہے یا نہیں ہے تو کچھ واقع نہیں ہوگا۔ مصنف فرماتے ہیں: ''الجامع الصغیر'' میں اسی طرح ذکر کیا گیا ہے اور اس میں کسی اختلاف کا ذکر نہیں ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے اور امام ابویوسف کا دوسرا قول یہی ہے۔ امام محمد علیہ الرحمہ کے قول کے مطابق' جو امام ابویوسف کا پہلا قول ہے' اس صورت میں ایک رجعی طلاق واقع ہو جائے گی۔ امام محمد علیہ الرحمہ کا قول ''کتاب الطلاق'' میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے' جب مرد بیوی سے یہ کہے: تمہیں ایک طلاق ہے یا کچھ نہیں ہے' تو دونوں مسئلوں کے درمیان کچھ فرق نہیں ہوگا۔ اگر یہاں تمام حضرات کا قول مذکور ہو' تو امام محمد علیہ الرحمہ سے اس بارے میں دو روایات ہوں گی۔ ان کی دلیل یہ ہے: شوہر نے لفظ ''واحدہ'' میں شک داخل کر دیا ہے' کیونکہ لفظ ''او'' ایک اور نفی کے درمیان آ گیا ہے اس لیے ''واحدۃ'' کا اعتبار ساقط ہوگا' اور اس کا صرف یہ قول باقی رہ جائے گا۔ ''تمہیں طلاق ہے''۔ اس کے برخلاف شوہر کا یہ کہنا ''تمہیں طلاق ہے یا نہیں'' تو یہاں پر طلاق کے اصل واقع کرنے میں ہی شک داخل کر دیا ہے' لہٰذا یہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔ شیخین کی دلیل یہ ہے: جب کسی صفت کو عدد کے ساتھ ملا دیا جائے' تو واقع ہونا عدد کے ذکر کے اعتبار سے ہوتا ہے' کیا آپ نے غور نہیں کیا۔ اگر مرد اپنی غیر مدخول بہا بیوی سے یہ کہے: تمہیں تین طلاقیں ہیں' تو اس عورت کو تین طلاقیں ہو جائیں گی۔ اگر یہ طلاق کا واقع ہونا' صرف صفت کے اعتبار سے ہوتا' تو تین کا ذکر لغو ہونا چاہیے تھا۔ حکم کی دلیل یہ ہے: حقیقت میں واقع ہونے والی چیز وہ موصوف ہے' جو محذوف ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا: اَنْتِ طَالِقٌ تَطْلِیْقَةً وَاحِدَةً جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ اگر واقع ہونے والی چیز وہ عدد ہوتا' جو اس کی صفت ہے' تو شک اصل طلاق دینے میں داخل ہو جائے گا' اور کوئی بھی چیز واقع نہیں ہوگی۔

اثبات کے بعد نفی سے انتفائے حکم میں مذاہب اربعہ

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اور اگر مرد نے یہ کہا: تمہیں ایک طلاق ہے یا نہیں ہے' تو کچھ واقع نہیں ہوگا۔ مصنف فرماتے ہیں: ''الجامع الصغیر'' میں اسی طرح ذکر کیا گیا ہے اور اس میں کسی اختلاف کا ذکر نہیں ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے اور امام ابویوسف کا دوسرا قول یہی ہے۔ امام محمد علیہ الرحمہ کے قول کے مطابق' جو امام ابویوسف کا پہلا قول ہے' اس صورت میں ایک رجعی طلاق واقع ہو جائے گی۔ امام محمد علیہ الرحمہ کا قول ''کتاب الطلاق'' میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے' جب مرد بیوی سے یہ کہے: تمہیں ایک طلاق ہے یا کچھ نہیں ہے' اور فقہاء احناف کے مطابق اور اسی طرح ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جب اس نے اثبات کے بعد نفی کر دی تو طلاق واقع نہ ہوگی اور اسی پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔ (فتح القدیر بتصرف، ج ۸، ص ۹۸، بیروت)

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ان دونوں مسائل میں کوئی فرق نہیں ہے کہ جب کسی شخص نے کہا تجھے ایک طلاق ہے یا نہیں اور دوسرا مسئلہ جب کسی کو طلاق میں شک ہو جائے دونوں کا ایک ہی حکم ہے یعنی کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۵، ص ۲۴۴، بیروت)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اس میں شک ہے کہ طلاق دی ہے یا نہیں تو کچھ نہیں اور اگر اس میں شک ہے کہ ایک دی ہے یا زیادہ تو قضاءً ایک ہے دیانۃً زیادہ۔ اور اگر کسی طرف غالب گمان ہے تو اُسی کا اعتبار ہے اور اگر اس کے خیال میں زیادہ ہے مگر اُس مجلس میں جو لوگ تھے وہ کہتے ہیں کہ ایک دی تھی اگر یہ لوگ عادل ہوں اور اس بات میں اُنھیں سچا جانتا ہو تو اعتبار کر لے۔
(ردمحتار، کتاب طلاق)

امام محمد علیہ الرحمہ نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: جب شوہر نے انت طالق واحدۃ کہا اور اس کے بعد اَوْلاَ کہہ دیا تو لفظ ''او'' کے ذریعے عطف کیا گیا ہے اس لئے یہاں لفظ واحدۃ کا اعتبار ختم ہو جائے گا' اور لفظ انت طالق اپنی جگہ برقرار رہے گا اور اس لفظ کے ذریعے چونکہ ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔ لہٰذا اس صورت میں ایک رجعی طلاق واقع ہو جائے گی۔ لیکن اگر شوہر نے یہ الفاظ استعمال کئے ہوں انت طالق اولا تو اس صورت میں طلاق کے واقع کرنے میں شوہر نے شک پیدا کر دیا ہے' اور اصول یہ ہے: شک کی بنیاد پر طلاق نہیں ہوتی لہٰذا ان الفاظ کے نتیجے میں طلاق نہیں ہوگی۔ شیخین نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: جب وصف کو عدد کے ہمراہ ذکر کیا جائے' تو اس بارے میں اصول یہ ہے: طلاق کا واقع ہونا عدد کے اعتبار سے ہوگا وصف کے اعتبار سے نہیں ہوگا۔

اس کی مثال یہ ہے: کسی شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا تھا انت طالق واحدۃ اوثلاثا تو اس میں طلاق کے واقع ہونے کا اعتبار لفظ واحدۃ یا ثلاثا کے ذریعے ہوگا۔ اس کا تعلق وصف یعنی لفظ طالق کے ساتھ نہیں ہوگا۔ اور اس بات کی اگلی دلیل یہ ہے: اگر کسی شخص نے اپنی غیر مدخول بہا بیوی کو انت طالق ثلاثا کہا تو یہاں لفظ طالق کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ لفظ ثلاثا کا اعتبار ہوگا اور اس غیر مدخول بہا بیوی کو تین طلاقیں ہو جائیں گی۔ اس مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: واقع ہونے والی چیز وہ موصوف ہے جو عبارت شدہ لفظ واحدۃ کی صفت ہے' اور عبارت میں محذوف ہے اصل عبارت یہ ہوگی: انت طالق تطلیقۃ واحدۃ لہٰذا جب واقع ہونے والی چیز عدد کا موصوف ہے' تو شک کا تعلق بھی عدد کے ساتھ ہوگا تو جب عدد کے ساتھ اس کا تعلق ہوگا تو طلاق واقع ہونے میں بھی شک ہو جائے گا' اور شک کی بنیاد پر چونکہ طلاق واقع نہیں ہوتی ہے' لہٰذا مذکورہ بالا صورت میں طلاق ہوگی ہی نہیں۔

طلاق کی نسبت اپنی یا بیوی کی موت کی طرف کرنا

﴿وَلَوْ قَالَ :اَنْتِ طَالِقٌ مَعَ مَوْتِیْ اَوْ مَعَ مَوْتِكِ فَلَيْسَ بِشَیْءٍ﴾ لِاَنَّهُ اَضَافَ الطَّلَاقَ اِلٰی حَالَةٍ مُنَافِيَةٍ لَهُ لِاَنَّ مَوْتَهُ يُنَافِی الْاَهْلِيَّةَ وَمَوْتَهَا يُنَافِی الْمَحَلِّيَّةَ وَلَا بُدَّ مِنْهُمَا .

ترجمہ

اور اگر مرد نے یہ کہا: تمہیں میری موت کے ساتھ طلاق ہے' یا تمہیں تمہاری موت کے ساتھ طلاق ہے' تو کچھ بھی نہیں ہوگا'

کیونکہ مرد نے طلاق کی نسبت ایسی حالت کی طرف کی ہے جو اس کے منافی ہے کیونکہ مرد کی موت اس کی اہلیت کے منافی ہوگی اور عورت کی موت طلاق کا محل ہونے کے منافی ہوگی اس لیے (طلاق ہونے کے لئے) دونوں کا زندہ ہونا ضروری ہے۔

شرح

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر شوہر نے یہ الفاظ استعمال انت طالق مع موتی او مع موتک کہ میری موت کے ساتھ یا تمہاری موت کے ساتھ تمہیں طلاق ہے تو کوئی بھی چیز واقع نہیں ہوگی چونکہ اس شخص نے طلاق کی نیت ایک ایسی حالت کی طرف کی ہے جو طلاق کے منافی ہے یعنی اس میں طلاق ہو ہی نہیں سکتی۔ اردو زبان میں اگرچہ لفظ مع کا ترجمہ ساتھ کیا جاتا ہے لیکن عربی کے محاورے کے پیش نظر اس کا ترجمہ فوراً بعد کرنا زیادہ مناسب ہوگا اور یہ فوراً بعد کی حالت وہ ہے جو طلاق کے منافی ہوگی۔ مصنف نے اس کی دلیل یہ پیش کی ہے: جب شوہر کا انتقال ہو جائے تو اس صورت میں شوہر طلاق دینے کا اہل نہیں رہتا۔ عورت کا انتقال ہو جائے تو اس صورت میں عورت طلاق ہونے کا محل نہیں رہتی ہے۔ اسی لئے طلاق کے لئے ان دونوں کا زندہ ہونا ضروری ہے لہٰذا مذکورہ بالا مسئلے میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔

جب شوہر یا بیوی دوسرے فریق کے مالک بن جائیں

﴿وَاِذَا مَلَكَ الرَّجُلُ امْرَاَتَهُ اَوْ شِقْصًا مِنْهَا اَوْ مَلَكَتِ الْمَرْاَةُ زَوْجَهَا اَوْ شِقْصًا مِنْهُ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ﴾ لِلْمُنَافَاةِ بَيْنَ الْمِلْكَيْنِ. اَمَّا مِلْكُهَا اِيَّاهُ فَلِلِاجْتِمَاعِ بَيْنَ الْمَالِكِيَّةِ وَالْمَمْلُوكِيَّةِ، وَاَمَّا مِلْكُهُ اِيَّاهَا فَلِاَنَّ مِلْكَ النِّكَاحِ ضَرُورِيٌّ وَلَا ضَرُورَةَ مَعَ قِيَامِ مِلْكِ الْيَمِينِ فَيَنْتَفِي النِّكَاحُ ﴿وَلَوِ اشْتَرَاهَا ثُمَّ طَلَّقَهَا لَمْ يَقَعْ شَيْءٌ﴾ لِاَنَّ الطَّلَاقَ يَسْتَدْعِي قِيَامَ النِّكَاحِ، وَلَا بَقَاءَ لَهُ مَعَ الْمُنَافِي لَا مِنْ وَجْهٍ وَلَا مِنْ كُلِّ وَجْهٍ، وَكَذَا اِذَا مَلَكَتْهُ اَوْ شِقْصًا مِنْهُ لَا يَقَعُ الطَّلَاقُ لِمَا قُلْنَا مِنَ الْمُنَافَاةِ. وَعَنْ مُحَمَّدٍ اَنَّهُ يَقَعُ لِاَنَّ الْعِدَّةَ وَاجِبَةٌ. بِخِلَافِ الْفَصْلِ الْاَوَّلِ لِاَنَّهُ لَا عِدَّةَ هُنَاكَ حَتّٰى حَلَّ وَطْؤُهَا لَهُ.

ترجمہ

اور اگر مرد اپنی بیوی کا مالک بن جائے یا بیوی کے (جسم کے) کچھ حصے کا مالک بن جائے یا بیوی شوہر کی مالک بن جائے یا شوہر کے (جسم کے) کچھ حصے کی مالک بن جائے تو وہ دونوں علیحدہ ہو جائیں گے کیونکہ ملک یمین اور ملک نکاح دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ عورت کے مالک بننے کی صورت میں یہ نقص پیدا ہوگا وہ اپنے شوہر کی مالک بھی بن جائے گی اور مملوک بھی رہے گی۔ جہاں تک مرد کے مالک ہونے کا تعلق ہے تو وہ اس لیے ممکن نہیں ہے کہ نکاح سے متعلق ملکیت تو ضرورت کے پیش نظر تھی

لیکن جب اسے ملک یمین حاصل ہوگئی تو اب نکاح کی ضرورت باقی نہیں رہے گی اس لیے وہ بھی ختم ہو جائے گا۔ (ایسی صورت میں) اگر مرد عورت کو خریدنے کے بعد اسے طلاق دیدے تو کچھ بھی واقع نہیں ہوگا کیونکہ طلاق کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ پہلے سے نکاح موجود ہو اور اس صورت میں نکاح نہ تو ضمنی طور پر موجود ہے اور نہ ہی کامل طور پر موجود ہے۔ اسی طرح اگر عورت مکمل طور پر مرد کی مالک بن جائے یا مرد کے کچھ حصے کی مالک بن جائے تو بھی طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ ایک دوسرے کی ضد موجود ہے جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ امام محمد علیہ الرحمہ نے یہ بات بیان کی ہے: ایسی صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ عورت پر عدت کی ادائیگی واجب ہے۔ (اور اس دوران طلاق ہو سکتی ہے) لیکن پہلی صورت اس سے مختلف ہے کیونکہ وہاں عدت کی ادائیگی واجب نہیں ہے بلکہ اس وقت مباشرت کرنا جائز ہو جاتا ہے۔

اختیار طلاق میں اقوال اسلاف

حماد بن زید نقل کرتے ہیں کہ میں نے ایوب سے پوچھا کہ آپ حسن کے علاوہ کسی اور شخص کو جانتے ہیں جس نے کہا کہ بیوی سے یہ کہنے سے کہ تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے تین طلاق واقع ہو جاتی ہیں فرمایا میں حسن کے سوا کسی کو نہیں جانتا پھر فرمایا اے اللہ بخشش فرما مجھے یہ حدیث قتادہ سے پہنچی انہوں نے ابوہریرہ سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے نقل کی کہ آپ نے فرمایا تین طلاقیں ہوگئیں ایوب کہتے ہیں کہ میں نے کثیر سے ملاقات کر کے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اس سے لاعلمی کا اظہار کیا پھر میں حضرت قتادہ کے پاس آیا اور انہیں اس بات کی خبر دی انہوں نے فرمایا کہ کثیر بھول گئے ہیں یہ حدیث ہم صرف سلیمان بن حرب کی حماد بن زید سے روایت سے جانتے ہیں میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا ہم نے بھی سلیمان بن حرب، حماد بن زید سے یہی حدیث نقل کرتے ہیں۔ لیکن یہ حضرت ابوہریرہ پر موقوف ہے یعنی حضرت ابوہریرہ کا قول ہے۔ علی بن نصر حافظ اور صاحب حدیث ہیں۔

اہل علم کا اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ اگر کوئی اپنی بیوی کو اختیار دیتے ہوئے یہ کہے کہ تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے تو کتنی طلاقیں ہوتی ہیں بعض علماء صحابہ جن میں حضرت عمر، اور عبداللہ بن مسعود بھی شامل ہیں کہتے ہیں کہ اس سے ایک ہی طلاق واقع ہوگی اور یہ تابعین اور ان کے بعد کے علماء میں سے کئی حضرات کا قول ہے عثمان بن عفان، اور زید بن ثابت کہتے ہیں کہ فیصلہ وہی ہوگا جو عورت کرے گی۔ ابن عمر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اختیار دے اور وہ خود کو تین طلاق دے تو اس صورت میں اگر خاوند کا دعوی ہو کہ اس نے صرف ایک ہی طلاق کا اختیار دیا تھا تو اس سے قسم لی جائے گی اور اسی کے قول کا اعتبار ہوگا۔ امام احمد کا بھی یہی قول ہے امام اسحاق حضرت ابن عمر کے قول پر عمل کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1186)

بیوی کو طلاق کے اختیار دینے میں فقہی مذاہب

مسروق حضرت عائشہ سے اس کی مثل روایت کرتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے بیوی کو اختیار دینے کے مسئلہ میں اہل علم کا اختلاف ہے حضرت عمر اور عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق کا اختیار دے اور وہ خود کو طلاق دیدے تو

ایک طلاق بائنہ ہوگی ان سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ ایک طلاق رجعی بھی دے سکتی ہے لیکن اگر وہ اپنے شوہر کو اختیار کرے تو کچھ بھی نہیں حضرت علی سے منقول ہے کہ اگر وہ خود کو اختیار کرے گی تو ایک طلاق بائن اور اگر وہ اپنے شوہر کے ساتھ رہنا اختیار کرے گی تو ایک طلاق رجعی ہوگی حضرت زید بن ثابت کہتے ہیں کہ اگر اس نے اپنے شوہر کو اختیار کیا تو ایک اور اگر خود کو اختیار کیا تو تین طلاق واقع ہو جائیں گی۔ اکثر فقہاء علماء، صحابہ اور تابعین نے اس باب میں حضرت عمر اور عبداللہ بن مسعود کا قول اختیار کیا ہے سفیان ثوری، اور اہل کوفہ کا بھی یہ قول ہے امام احمد بن حنبل حضرت علی کے قول پر عمل کرتے ہیں۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1188)

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: میاں بیوی میں سے کوئی ایک دوسرے فریق کے کسی جزء کا مالک بن جائے' تو اسی وقت ان کے درمیان علیحدگی ہو جائے گی' کیونکہ دو قسم کی ملکیت ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتی ہیں۔

اس کی صورت یہ ہوگی: کسی شخص نے کسی کنیز کے ساتھ شادی کی اور پھر اس کنیز کو خرید لیا یا کسی عورت نے کسی غلام کے ساتھ شادی کی اور پھر اسے خرید لیا۔ اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: جہاں تک عورت کے مرد کے مالک ہونے کا تعلق ہے' تو اس کے نتیجے میں یہ صورتحال سامنے آئے گی کہ وہ عورت ایک اعتبار سے مالک ہوگی' اور دوسرے اعتبار سے یعنی نکاح کے حوالے سے اس مرد کی مملوکہ ہوگی' تو یہ دونوں صورتیں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتی ہیں۔ یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: کوئی شخص اپنی بیوی کو' جو پہلے کسی کی کنیز تھی اسے خرید لیتا ہے' پھر اسے طلاق دیدیتا ہے' تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اس کی دلیل یہ ہے: طلاق تو اس وقت ہو سکتی ہے جب نکاح برقرار ہو جبکہ یہاں تو ان کا نکاح برقرار ہی نہیں رہا۔ اسی طرح عورت اگر اپنے شوہر کی مالک بن جاتی ہے یا شوہر کے کسی حصے کی مالک بن جاتی ہے' اور پھر شوہر اسے طلاق دیدیتا ہے' تو یہاں بھی طلاق واقع نہیں ہوگی' کیونکہ اس صورت میں ان کا نکاح باقی نہیں رہا تو طلاق کیسے باقی رہ سکتی ہے۔

امام محمد علیہ الرحمہ سے ایک روایت یہ منقول ہے: ایسی صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی' کیونکہ جب ان دونوں کا نکاح ختم ہوا تھا تو عدت واجب تھی اور عدت کے وقت طلاق دی جا سکتی ہے' لیکن یہ صرف اس صورت میں ہو سکتا کہ جب کوئی عورت اپنے شوہر کی' جو کسی دوسرے شخص کا غلام تھا مالک بنی ہو' لیکن اگر مرد اپنی بیوی کا مالک بنا ہو' یعنی وہ عورت کسی کی کنیز ہو اور مرد نے اسے خرید لیا تو اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی' اور شوہر کو یہ حق حاصل ہوگا: وہ اس عورت کے ساتھ صحبت کرے۔

مشروط طلاقیں ذکر کرنے کا بیان

اور طلاق اور طلاق، یا مشروط تین طلاقیں ذکر کرے مگر طلاقوں کو بغیر عطف شرط سے پہلے ذکر کر دیا ہو مثلاً یوں کہے تجھے طلاق طلاق طلاق اگر تو فلاں کام کرے، تو ان تینوں صورتوں میں متفرق شدہ طلاقوں میں سے ایک ہی طلاق ہوگی جو بائنہ ہو جائے گی اور باقی دو لغو ہو جائیں گی، کیونکہ ان میں سے پہلی صورت میں جب اس نے ''تجھے ایک طلاق'' کہا تو بیوی بغیر عدت نکاح سے خارج ہو جائے گی تو وہ اس کے بعد طلاق کا محل ہی نہ رہی تو باقی دو کے وقوع کے وقت بیوی طلاق کا محل نہ تھی لہذا وہ دونوں طلاقیں بیکار

(لغو) ہوگئیں، اور دوسری صورت میں چونکہ شرط مقدم ہے اس لئے شرط کے وجود پر پہلی طلاق کے بعد باقی دو طلاقوں کا محل نہ رہی کیونکہ وہ پہلی طلاق کے ساتھ ہی بائنہ ہوگئی لہذا باقی دونوں لغو ہوگئیں، شرط کے پائے جانے پر، گویا یوں کہا تجھے طلاق وطلاق وطلاق، تو یہ پہلی صورت کی طرح ہوگئی، اور تیسری صورت میں اس لئے کہ تعلیق کا تعلق صرف آخری طلاق سے ہوا کیونکہ طلاقوں کے بعد اس نے شرط ذکر کی جس نے تیسری طلاق کے وقوع سے روک دیا، اور پہلی دونوں عطف نہ ہونے کی دلیل سے تیسری کے ساتھ مربوط نہ ہوسکیں، لہذا وہ دونوں ذکر کرتے ہی غیر مشروط واقع ہوگئیں تو جب پہلی واقع ہوئی تو وہ بائنہ ہوگئی تو اس کے بعد وہ دوسری غیر مشروط اور تیسری معلق اور مشروط کا محل نہ رہی لہذا دوسری اور تیسری لغو ہوگئیں، جب یہ مذکورہ مسائل معلوم ہوگئے

جب شوہر طلاق کو آقا کے آزاد کرنے کی طرف منسوب کرے

﴿وَلَوْ قَالَ لَهَا وَهِيَ اَمَةٌ لِغَيْرِهِ : اَنْتِ طَالِقٌ ثِنْتَيْنِ مَعَ عِتْقِ مَوْلَاكِ اِيَّاكِ فَاَعْتَقَهَا مَوْلَاهَا مَلَكَ الزَّوْجُ الرَّجْعَةَ﴾ لِاَنَّهُ عَلَّقَ التَّطْلِيْقَ بِالْاِعْتَاقِ اَوِ الْعِتْقِ لِاَنَّ اللَّفْظَ يَنْتَظِمُهُمَا وَالشَّرْطُ مَا يَكُوْنُ مَعْدُوْمًا عَلٰى خَطَرِ الْوُجُوْدِ وَلِلْحُكْمِ تَعَلُّقٌ بِهِ وَالْمَذْكُوْرُ بِهٰذِهِ الصِّفَةِ وَالْمُعَلَّقُ بِهِ التَّطْلِيْقُ لِاَنَّ فِي التَّعْلِيْقَاتِ يَصِيْرُ التَّصَرُّفُ تَطْلِيْقًا عِنْدَ الشَّرْطِ عِنْدَنَا، وَاِذَا كَانَ التَّطْلِيْقُ مُعَلَّقًا بِالْاِعْتَاقِ اَوِ الْعِتْقِ يُوْجَدُ بَعْدَهُ ثُمَّ الطَّلَاقُ يُوْجَدُ بَعْدَ التَّطْلِيْقِ فَيَكُوْنُ الطَّلَاقُ مُتَاَخِّرًا عَنِ الْعِتْقِ فَيُصَادِفُهَا وَهِيَ حُرَّةٌ فَلَا تَحْرُمُ حُرْمَةً غَلِيْظَةً بِالثِّنْتَيْنِ. بَقِيَ شَيْءٌ وَهُوَ اَنَّ كَلِمَةَ مَعَ لِلْقِرَانِ. قُلْنَا : قَدْ تُذْكَرُ لِلتَّاَخُّرِ كَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالٰى ﴿فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ فَتُحْمَلُ عَلَيْهِ بِدَلِيْلِ مَا ذَكَرْنَا مِنْ مَعْنَى الشَّرْطِ .

ترجمہ

اور جب عورت کسی دوسرے شخص کی کنیز ہو اور اس کا شوہر اس سے یہ کہے: جب تمہارا مالک تمہیں آزاد کردے تو اس کے ساتھ ہی تمہیں دو طلاقیں ہوں گی اور پھر اس عورت کا مالک اس کو آزاد کردے تو عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی لیکن خاوند کو رجوع کا اختیار ہوگا، کیونکہ شوہر نے طلاق کو آزاد کیے جانے کے عمل یا آزاد ہونے کے عمل کے ساتھ معلق کیا ہے لہذا لفظ "عتق" دونوں کو شامل ہوگا اور جو شرط مقرر کی گئی ہے وہ فی الوقت موجود نہیں ہے تاہم مستقبل میں اس کے موجود ہونے کی توقع کی جاسکتی ہے اور حکم کا تعلق شرط کے ساتھ ہے اسی طرح آزاد کرنے یا آزاد ہونے کو بھی ایسی صفت کے ساتھ موقوف کیا گیا ہے کہ جب مرد نے انت طالق کہا تو عتق اور اعتاق موجود نہیں تھے تاہم مستقبل میں ان کے موجود ہونے کی توقع کی جاسکتی ہے اور حکم یعنی طلاق

کے واقع ہونے کا تعلق بھی اسی چیز کے ساتھ ہے۔ معلق صورت میں طلاق دینے کا تصرف ہمارے نزدیک اسی وقت پایا جائے گا' جب شرط موجود ہوگی' تو یہاں پر طلاق دینے کا تعلق' کیونکہ آزاد کرنے اور آزاد ہونے کے ساتھ ہے' اس لیے پہلے آزاد ہونے یا آزاد کرنے کا عمل موجود ہوگا اور پھر اس کے بعد طلاق واقع کی جا . . پھر طلاق واقع ہوئی۔

اس لیے طلاق آزاد ہونے کے بعد ہوگی' اور عورت پر اس وقت واقع ہوگی جب وہ آزاد ہو جائے گی' اور ایسی صورت میں دو طلاقوں کے ذریعے وہ بائنہ نہیں ہوگی۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ لفظ ''مع'' معیت کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے' تو اس کا جواب یہ ہے: یہ بعض اوقات موخر ہونے کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ''بے شک تنگی کے بعد آسانی ہے' بے شک تنگی کے بعد آسانی ہے''۔ تو شرط ہونے کی دلیل سے یہاں پر ''مع'' سے مراد بعد کا مفہوم ہوگا۔

شرح

علامہ شمس الدین تمرتاشی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس کی عورت کسی کی باندی ہے اس نے اس سے کہا کل کا دن آئے تو تجھ کو دو طلاقیں اور مولیٰ نے کہا کل کا دن آئے تو تُو آزاد ہے تو دو طلاقیں ہو جائیں گی اور شوہر رجعت نہیں کرسکتا مگر اس کی عدت تین حیض ہے اور شوہر مریض تھا تو یہ وارث نہ ہوگی۔ (تنویر الابصار، کتاب طلاق)

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے: جبکہ وہ بیوی کسی دوسرے شخص کی کنیز ہو' جیسے ہی تمہارے آقا نے تمہیں آزاد کیا تمہیں دو طلاقیں ہو جائیں اور پھر اس کنیز کا آقا اسے آزاد کر دے' تو اس کنیز کے شوہر کو رجوع کرنے کا حق ہوگا۔

اس مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے مصنف نے یہ بات بیان کی ہے۔ اس حکم کی دلیل یہ ہے: شوہر نے طلاق دینے کے فعل کو آزاد کرنے یا آزاد ہونے کے ساتھ معلق کیا ہے۔ یہاں مصنف نے دو چیزوں کا ذکر کیا ہے آزاد کرنا' آزاد ہونا۔ اس کے بعد مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے: شوہر نے جو لفظ استعمال کیا ہے وہ عتق اور اعتاق دونوں کے مفہوم پر مشتمل ہے اس کے بعد مصنف نے اس اصول کی وضاحت کی ہے: شرط اس چیز کو کہتے ہیں جو زمانہ موجود میں پائی نہیں جاتی ہے' لیکن آگے آنے والے وقت میں اس کی موجودگی کا امکان ہوتا ہے' جبکہ حکم کا تعلق شرط سے ہوتا ہے۔

اس کے بعد مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے: جو چیز مذکور ہے یعنی ''عتق'' اس کی یہی صفت ہے یعنی وہ زمانہ موجود میں پایا نہیں جا رہا ہے' لیکن آگے آنے والے زمانے میں اس کے پائے جانے کا امکان ہے' جبکہ حکم کا تعلق بھی اسی سے ہے۔ پھر مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے: اس کے یعنی آزاد ہونے کے ساتھ جس چیز کو معلق کیا گیا وہ ''تطلیق'' یعنی طلاق دینے کا فعل ہے۔

اس کے بعد مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے: ہم نے عتق کے ساتھ جس چیز کو' معلق کیا ہے وہ تطلیق ہے:

(یعنی طلاق دینا) اس لئے قرار دیا ہے کیونکہ جب تعلیق ہو یعنی کسی چیز کو دوسری چیز کے ساتھ مشروط کیا گیا ہو تو ایسی صورت میں تصرف یعنی کہنے والے شخص کا الفاظ کے ذریعے ان دو چیزوں کو ایک دوسرے کے ساتھ مشروط کرنا' شرط کی موجودگی کے وقت تعلیق بن جائے گا۔

مصنف کی یہ عبارت کچھ پیچیدہ ہے۔ دراصل وہ اس بات کی وضاحت کرنا چاہ رہے ہیں: جب مذکورہ بالا تعلیق یعنی مشروط صورت میں شرط پائی جائے گی' تو حکم کے طور پر طلاق دینے کا فعل سامنے آئے گا' کیونکہ انسان کا اختیار طلاق دینا ہے۔ طلاق کا ہو جانا اس کا تعلق شرعی حکم کے ساتھ ہے۔ اس سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے: شوہر نے طلاق دینے کو معلق قرار دیا ہے لہٰذا جس چیز پر معلق کیا گیا ہے یعنی عتق وہ طلاق نہیں' ہوگا بلکہ طلاق دینا ہوگا۔

اس کے بعد مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے: جب آپ نے طلاق دینے کے عمل کو آزاد ہونے کے ساتھ معلق کیا ہے' تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا: طلاق دینے کا یہ عمل آزاد ہونے کے بعد پایا جائے گا۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا: طلاق' طلاق دینے کے عمل کے بعد پائی جائے گی۔ جس سے یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ طلاق آزاد ہونے کے بعد ہوئی ہے' لہٰذا اس عورت کو ایسی حالت میں طلاق ملی جب وہ آزاد تھی اور آزاد عورت کو تین طلاقیں دی جاتی ہیں' لہٰذا شوہر کی دی ہوئی مذکورہ بالا دو طلاقوں کے ذریعے حرمت غلیظہ ثابت نہیں ہوگی' اور شوہر کو رجوع کرنے کا اختیار باقی رہے گا۔

یہاں یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے: شوہر نے اپنی عبارت میں لفظ ''مع'' استعمال کیا ہے' اور یہ لفظ قران (ساتھ ہونے) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے' لہٰذا ہونا یہ چاہئے کہ آزاد ہونے کے عمل کے ساتھ ہی کنیز کو دو طلاقیں ہوتیں اور وہ شوہر کے لئے مغلظہ طور پر حرام ہو جاتی' کیونکہ کنیز کو دو طلاقیں ہی دی جا سکتی ہیں۔ اس کے جواب میں احناف یہ کہتے ہیں: لفظ ''مع'' بعض اوقات متاخر ہونے' یعنی بعد میں ہونے کے' معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے' اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

''بے شک ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے''۔ اس کا مطلب یہی ہے: ہر تنگی کے بعد آسانی ہے۔ لہٰذا مذکورہ بالا مسئلے میں شوہر کے استعمال کردہ لفظ ''مع'' کا مطلب یہی ہوگا اور اس کی دلیل یہی ہے' جو ہم نے ذکر کی ہے: یہ شرط کے معنی میں ہے اور شرط کی موجودگی میں یہ طلاق دینا ہوگا۔

جب شوہر طلاق اور آقا آزادی کو ایک ہی وقت کی طرف منسوب کریں

﴿وَلَوْ قَالَ: اِذَا جَاءَ غَدٌ فَاَنْتِ طَالِقٌ ثِنْتَيْنِ وَقَالَ الْمَوْلٰى: اِذَا جَاءَ غَدٌ فَاَنْتِ حُرَّةٌ فَجَاءَ الْغَدُ لَمْ تَحِلَّ لَهُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ وَعِدَّتُهَا ثَلَاثُ حِيَضٍ، وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ. وَقَالَ مُحَمَّدٌ: زَوْجُهَا يَمْلِكُ الرَّجْعَةَ﴾ عَلَيْهَا، لِاَنَّ الزَّوْجَ قَرَنَ الْاِيْقَاعَ

بِاِعْتَاقِ الْمَوْلٰی حَیْثُ عَلَّقَهٗ بِالشَّرْطِ الَّذِیْ عَلَّقَ بِهِ الْمَوْلٰی الْعِتْقَ، وَاِنَّمَا یَنْعَقِدُ الْمُعَلَّقُ سَبَبًا عِنْدَ الشَّرْطِ وَالْعِتْقُ یُقَارِنُ الْاِعْتَاقَ لِاَنَّهٗ عِلَّتُهٗ اَصْلُهُ الْاِسْتِطَاعَةُ مَعَ الْفِعْلِ فَیَکُوْنَ التَّطْلِیْقُ مُقَارِنًا لِلْعِتْقِ ضَرُوْرَةً فَتَطْلُقُ بَعْدَ الْعِتْقِ فَصَارَ کَالْمَسْأَلَةِ الْاُوْلٰی وَلِهٰذَا تُقَدَّرُ عِدَّتُهَا بِثَلَاثِ حِیَضٍ.

وَلَهُمَا اَنَّهٗ عَلَّقَ الطَّلَاقَ بِمَا عَلَّقَ بِهِ الْمَوْلَی الْعِتْقَ ثُمَّ الْعِتْقُ یُصَادِفُهَا وَهِیَ اَمَةٌ فَکَذَا الطَّلَاقُ وَالطَّلْقَتَانِ تُحَرِّمَانِ الْاَمَةَ حُرْمَةً غَلِیْظَةً، بِخِلَافِ الْمَسْأَلَةِ الْاُوْلٰی لِاَنَّهٗ عَلَّقَ التَّطْلِیْقَ بِاِعْتَاقِ الْمَوْلٰی فَیَقَعُ الطَّلَاقُ بَعْدَ الْعِتْقِ عَلٰی مَا قَرَّرْنَاهُ، وَبِخِلَافِ الْعِدَّةِ لِاَنَّهٗ یُؤْخَذُ فِیْهَا بِالْاِحْتِیَاطِ، وَکَذَا الْحُرْمَةُ الْغَلِیْظَةُ یُؤْخَذُ فِیْهَا بِالْاِحْتِیَاطِ، وَلَا وَجْهَ اِلٰی مَا قَالَ لِاَنَّ الْعِتْقَ لَوْ کَانَ یُقَارِنُ الْاِعْتَاقَ لِاَنَّهٗ عِلَّتُهٗ فَالطَّلَاقُ یُقَارِنُ التَّطْلِیْقَ لِاَنَّهٗ عِلَّتُهٗ فَیَقْتَرِنَانِ.

ترجمہ

اور اگر شوہر نے بیوی سے یہ کہا: جب کل آئے گی تو تمہیں دو طلاقیں ہوں گی' اور اس کے مالک نے اسے یہ کہہ دیا: جب کل آئے گی تو تم آزاد ہو گی' تو اگلے دن (اس عورت کو دو طلاقیں ہو جائیں گی) اور جب تک وہ دوسرے مرد سے نکاح کر کے (طلاق یافتہ یا بیوہ نہیں ہو جاتی) پہلے مرد کے لئے حلال نہیں ہو گی۔ اس کی عدت تین حیض ہو گی' یہ حکم شیخین کے نزدیک ہے۔

امام محمد علیہ الرحمہ نے یہ بات بیان کی ہے: ایسی صورت میں خاوند کو رجوع کرنے کا اختیار ہو گا' کیونکہ شوہر نے طلاق کے وقوع کو آقا کے آزاد کرنے کے ساتھ جمع کر دیا ہے اور شوہر نے بھی اس چیز کے ساتھ حکم کو معلق کیا ہے جس کے ساتھ آقا نے آزادی کو معلق کیا تھا' اس لیے جس چیز کو معلق کیا گیا ہے' یعنی طلاق دینا وہ شرط کے پائے جانے پر سبب بن جائے گا' اور آزاد ہونا' آزاد کرنے کے ساتھ ہو گا' کیونکہ آزاد کرنا علت ہے اور آزاد ہونا طے شدہ ہے۔ اس کی اصل یہ ہے: استطاعت فعل کے ساتھ ہوتی ہے' اس لیے طلاق دینا لازمی طور پر آزاد ہونے کے ساتھ ہو گا' تو یہ آزاد ہونے کے بعد طلاق ہو گی' تو اس کی مثال پہلے مسئلے کی مانند ہو جائے گی۔ یہی دلیل ہے: اس کی عدت تین حیض مقرر کی گئی ہے۔ شیخین کی دلیل یہ ہے: شوہر نے طلاق کو اسی شرط کے ساتھ معلق کیا ہے' جس کے ساتھ آقا نے آزادی کو معلق کیا تھا لہٰذا آزادی عورت کو اس حالت میں ملے گی' جب وہ کنیز تھی تو اسی طرح طلاق بھی

ہوئی تھی جیسا کہ ہم پہلے یہ بات بیان کر چکے ہیں۔اور یہ علم عدت میں مختلف اس لیے ہے کیونکہ احتیاط کے پیش نظر اس کی عدت تین حیض قرار دی گئی ہے اسی طرح حرمت کو بھی (احتیاط کے پیش نظر) حرمت مغلظہ قرار دیا گیا ہے۔امام محمد علیہ الرحمہ نے جو بات بیان کی ہے اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ اگر آزاد ہونا آزاد کرنے کے ساتھ ہوگا کیونکہ وہ علت ہے تو اسی طرح طلاق ہونا طلاق دینے کے ساتھ ہوگا کیونکہ طلاق دینا طلاق کی علت ہے اس لیے وہ دونوں مل جائیں گے۔

وُجود شرط سے پہلے طلاق دینے سے ابطال تعلیق

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ طلاق کسی شرط پر معلق کی تھی اور شرط پائی جانے سے پہلے تین طلاقیں دیدیں تو تعلیق باطل ہوگئی یعنی وہ عورت پھر اس کے نکاح میں آئے اور اب شرط پائی جائے تو طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر تعلیق کے بعد تین سے کم طلاقیں دیں تو تعلیق باطل نہ ہوئی لہٰذا اب اگر عورت اس کے نکاح میں آئے اور شرط پائی جائے تو جتنی طلاقیں معلق کی تھیں سب واقع ہو جائیں گی یہ اُس صورت میں ہے کہ دوسرے شوہر کے بعد اس کے نکاح میں آئی۔اور اگر دو ایک طلاق دیدی پھر بغیر دوسرے کے نکاح کے خود نکاح کرلیا تو اب تین میں جو باقی ہے واقع ہوگی اگر چہ بائن طلاق دی ہو یا رجعی کی عدت ختم ہوگئی ہو کہ بعد عدت رجعی میں بھی عورت نکاح سے نکل جاتی ہے خلاصہ یہ ہے کہ ملک نکاح جانے سے تعلیق باطل نہیں ہوتی۔

(درمختار، کتاب طلاق)

ایک مرتبہ شرط پائی جانے سے تعلیق ختم ہو جاتی ہے یعنی دوبارہ شرط پائی جانے سے طلاق نہ ہوگی مثلاً عورت سے کہا اگر تو فلاں کے گھر میں گئی یا تو نے فلاں سے بات کی تو تجھ کو طلاق ہے عورت اُس کے گھر گئی تو طلاق ہوگئی دوبارہ پھر گئی تو اب واقع نہ ہوگی کہ اب تعلیق کا حکم باقی نہیں مگر جب کبھی یا جب جب یا ہر بار کے لفظ سے تعلیق کی ہے تو ایک دوبار پر تعلیق ختم نہ ہوگی بلکہ تین بار میں تین طلاقیں واقع ہونگی کہ یہ کُلَّمَا کا ترجمہ ہے اور یہ لفظ عموم افعال کے واسطے آتا ہے مثلاً عورت سے کہا جب کبھی تو فلاں کے گھر جائے یا فلاں سے بات کرے تو تجھ کو طلاق ہے تو اگر اُس کے گھر تین بار گئی تین طلاقیں ہوگئیں اب تعلیق کا حکم ختم ہوگیا یعنی اگر وہ عورت بعد حلالہ پھر اُس کے نکاح میں آئی اب پھر اُس کے گھر گئی تو طلاق واقع نہ ہوگی ہاں اگر یوں کہا ہے کہ جب کبھی میں اُس سے نکاح کروں تو اُسے طلاق ہے تو تین پر بس نہیں بلکہ سو بار بھی نکاح کرے تو ہر بار طلاق واقع ہوگی۔

اور اسی طرح اگر اس نے یہ کہا کہ جس جس شخص سے تو کلام کرے تجھ کو طلاق ہے یا ہر اُس عورت سے کہ میں نکاح کروں اُسے طلاق ہے یا جس جس وقت تو یہ کام کرے تجھ پر طلاق ہے کہ یہ الفاظ بھی عموم کے واسطے ہیں، لہٰذا ایک بار میں تعلیق ختم نہ ہوگی۔

طلاق کو آنے والے دن سے معلق کرنے سے وقوع طلاق

اس کی عورت کسی کی باندی ہے اس نے اُس سے کہا کل کا دن آئے تو تجھ کو دو طلاقیں اور مولیٰ نے کہا کل کا دن آئے تو تُو آزاد ہے تو دو طلاقیں ہو جائیں گی اور شوہر رجعت نہیں کر سکتا مگر اس کی عدّت تین حیض ہے اور شوہر مریض تھا تو یہ وارث نہ

ہوگی۔(تنویر الابصار، باب تعلیق)

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر شوہر یہ کہے: جب کل کا دن آئے گا تو تمہیں دو طلاقیں ہیں اور آقا یہ کہے: جب کل کا دن آئے گا تو تم آزاد ہو۔ تو جب اگلا دن آئے گا تو کنیز کو دو طلاقیں ہو جائیں گی اور ان دو طلاقوں کے نتیجے میں حرمت مغلظہ ثابت ہو جائے گی اور وہ عورت اپنے شوہر کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک وہ دوسرے شوہر کے ساتھ شادی کر کے طلاق یافتہ یا بیوہ نہیں ہو جاتی۔ یہاں مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے: وہ عورت تین حیض تک عدت گزارے گی' کیونکہ وہ آزاد ہو چکی ہے' اور آزاد عورت کی عدت تین حیض ہوتی ہے۔ مصنف نے یہ وضاحت کی ہے یہ حکم امام ابوحنیفہ اور امام یوسف کے نزدیک ہے۔ امام محمد علیہ الرحمہ اس بات کے قائل ہیں: اس صورت میں شوہر کو رجوع کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ امام محمد علیہ الرحمہ نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: شوہر نے طلاق واقع کرنے کو آقا کے آزاد کرنے کے ساتھ ملا دیا ہے یعنی اس نے طلاق دینے کو ایسی شرط کے ساتھ معلق کیا ہے جس شرط پر آقا نے کنیز کو آزاد کرنے کو معلق کیا تھا اور وہ شرط آنے والے دن کی آمد ہے جو سبب کے طور پر منعقد ہوگا۔

دوسری طرف آزاد ہونا' آزاد کرنے کے ساتھ ہے یعنی عتق' اعتاق کے ساتھ ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے: اعتاق یعنی آزاد کرنے کا عمل' عتق یعنی آزاد ہونے کی علت ہے۔

اور اصول یہ ہے: علت اس چیز کو کہتے ہیں: آدمی کا کسی کام کی استطاعت یعنی قانونی حق کی موجودگی میں کسی فعل کو سرانجام دینا یعنی انسان سے اس فعل کا صدور اسی وقت ہو جب وہ اس کی قدرت بھی رکھتا ہو اور یہ قدرت اس فعل کی علت کی حیثیت رکھتی ہے' لہٰذا نتیجہ یہ نکلنا چاہئے کہ علت فعل سے الگ نہیں ہوتی بلکہ اس کے ساتھ پائی جاتی ہے۔

مصنف نے اس کے بعد اس بات کی وضاحت کی ہے: طلاق دینا اور آزاد کرنا ان دونوں کے لئے ایک ہی چیز شرط ہے' اس لئے طلاق دینے کا فعل آزاد کرنے کے فعل کے ساتھ ہوگا اور کیونکہ طلاق ہو جانا' طلاق دینے کا حکم ہے اسی لئے یہ طلاق دینے کے بعد واقع ہوگی۔ لہٰذا نتیجہ یہ نکلا: آزاد کرنے اور طلاق دینے کا فعل ایک ساتھ ہے' لیکن طلاق ہونے کی صورت بعد میں پائی گئی ہے' لہٰذا یہ مسئلہ بھی سابقہ مسئلے کی مانند ہو جائے گا' اور اس کے بارے میں ہم یہی حکم دیں گے: عورت کو طلاق اس وقت ہوئی جب وہ آزاد ہو چکی تھی اور آزاد عورت کو کیونکہ تین طلاقیں دی جا سکتی ہیں اس لئے دو طلاقیں دینے کے بعد شوہر کو اس سے رجوع کرنے کا حق رہے گا' یہی دلیل ہے: اس عورت کی عدت بھی تین حیض قرار دی گئی ہے' جو آزاد عورت کی عدت ہوتی ہے۔

شیخین رحمہما اللہ نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: شوہر نے طلاق کو اس چیز کے ساتھ معلق کیا جس کے ساتھ آقا نے آزادی کو معلق کیا تھا تو آزادی اس عورت کو اس وقت ملی جب وہ کنیز تھی تو لازمی طور پر طلاق بھی اسی وقت ملنی

چاہیے جب وہ کنیز تھی اور کنیز کو چونکہ دو طلاقیں دی جاسکتی ہیں۔ لہٰذا ان دو طلاقوں کے نتیجے میں اس کنیز کے لئے حرمت غلیظہ ثابت ہو جائے گا۔

امام محمد علیہ الرحمہ نے اس مسئلے کو سابقہ مسئلے پر قیاس کیا تھا۔ مصنف فرماتے ہیں: پہلے والے مسئلے کی صورت مختلف ہے: کیونکہ وہاں شوہر نے طلاق دینے کو آقا کے آزاد کرنے سے معلق کیا تھا تو طلاق آزاد ہو جانے کے بعد واقع ہوئی۔ جیسا کہ ہم پہلے اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں۔ امام محمد علیہ الرحمہ نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل بھی پیش کی تھی: اس عورت کی عدت تین حیض ہے۔ مصنف فرماتے ہیں: عدت کا حکم مختلف ہے' کیونکہ اس میں احتیاط کے پیش نظر یہ حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح احتیاط کے پیش نظر حرمت غلیظہ کا حکم بھی دیا گیا ہے۔

اس کے بعد مصنف نے امام محمد علیہ الرحمہ کی دلیل پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ بات بیان کی ہے۔ اگر آزاد ہونے کو آزاد کرنے کے عمل کے ساتھ قرار دیا جائے۔ یہ بنیاد بنا کر کہ آزاد کرنا' آزاد ہونے کی علت ہے' تو پھر دوسری طرف طلاق ہونے کو بھی طلاق دینے کے ساتھ قرار دیا جائے گا' کیونکہ طلاق دینا طلاق ہونے کی علت ہے' تو اس صورت میں بھی آزاد ہونا اور طلاق ہونا ایک ساتھ پائے جارہے ہوں گے لہٰذا یہ حکم دینا درست نہیں ہوگا' عورت کو طلاق آزاد ہونے کی حالت میں وصول ہوئی۔

فَصْلٌ فِیْ تَشْبِیْہِ الطَّلَاقِ وَوَصْفِہٖ

یہ فصل طلاق کو کسی چیز سے تشبیہ دینے اور اس کے وصف کے بیان میں ہے

طلاق تشبیہ طلاق کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے اصل کو ذکر کرنے کے بعد اس کی فرع کو ذکر کیا ہے کیونکہ طلاق اصل ہے اور اس طلاق کو کسی وصف کے خاص کرنا یہ اس کی فرع ہے۔ اور اصول یہی ہے کہ اصل ہمیشہ مقدم ہوا کرتی ہے جبکہ فرع مؤخر ہوتی ہے۔

اصل کو ہمیشہ مقدم اور فرع کو اس کی نیابت کے پیش نظر مؤخر ذکر کرتے ہیں۔ اور یہ اصول بھی عام ہے نائب اسی وقت معتبر ہوتا ہے جب اصل نہ ہو کیونکہ اگر اصل ہو تو حکم اصل کی طرف رہتا ہے کسی بھی چیز کا حکم اصل سے فرع کی طرف تبھی جاتا ہے جب اصل معدوم ہو کر فرع کی طرف کا راستہ چھوڑ جائے یعنی علت کے اشتراک کے پیش نظر حکم ایک جیسا ہو۔

(عنایہ شرح الہدایہ، بتصرف، ج ۵، ص ۲۵۵، بیروت)

تشبیہ کی اصطلاح کا لغوی و فقہی مفہوم

علم بیان کی رو سے جب کسی ایک چیز کو مشترک خصوصیت کی بنا پر دوسرے کی مانند قرار دے دیا جائے تو اسے تشبیہ کہتے ہیں۔ بنیادی طور پر تشبیہ کے معنی ہیں "مثال دینا"۔ کسی شخص یا چیز کو اس کی کسی خاص خوبی یا صفت کی بنا پر کسی ایسے شخص یا چیز کی طرح قرار دینا، جس کی وہ خوبی سب کے ہاں معروف اور مانی ہوئی ہو۔۔۔ تشبیہ کہلاتا ہے۔

مثلاً "" بچہ تو چاند کی مانند حسین ہے "تو یہ تشبیہ کہلائے گی کیونکہ چاند کا حسن مسلمہ ہے۔ اگر چہ یہ مفہوم بچے کو چاند سے تشبیہ دیئے بغیر بھی ادا کیا جا سکتا تھا کہ بچہ تو حسین ہے لیکن تشبیہ کی بدولت اس کلام میں فصاحت و بلاغت پیدا ہو گئی ہے۔

اسی طرح "عبداللہ شیر کی طرح بہادر ہے۔ یہ بھی تشبیہ کی ایک مثال ہے کیونکہ شیر کی بہادری مسلمہ ہے اور مقصد عبداللہ کی بہادری کو واضح کرنا ہے جو عبداللہ اور شیر دونوں میں پائی جاتی ہے۔

ارکان تشبیہ یہ ہیں۔ تشبیہ کے مندرجہ ذیل پانچ ارکان ہیں

ا۔ مشبّہ: جس چیز کو دوسری چیز کے مانند قرار دیا جائے وہ مشبّہ کہلاتی ہے۔ جیسا کہ اوپر کی مثالوں میں بچہ اور عبداللہ مشبہ ہیں۔

ب۔ مشبّہ بہ: وہ چیز جس کے ساتھ کسی دوسری چیز کو تشبیہ دی جائے یا مشبہ کو جس چیز سے تشبیہ دی جائے، وہ مشبہ بہ کہلاتی

ہے۔مثلا "چاند اور شیر مشبہ بہ ہیں ان دونوں یعنی مشبہ اور مشبہ بہ کو طرفین تشبیہ بھی کہتے ہیں۔

اس کے علاوہ باقی ارکان تشبیہ یہ ہیں۔

ج ۔حرف تشبیہ :وہ لفظ جو ایک چیز کو دوسری چیز جیسا ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے حرف تشبیہ کہلاتا ہے۔مثلا "اوپر کے جملوں میں مانند اور طرح حروف تشبیہ ہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی کئی حروف تشبیہ ہیں جیسا کہ مثل،ہو بہو،صورت،گویا،جوں،سا،سی،سے،جیسا،جیسے،جیسی،بعینہ،مثال، یا،کہ،انہیں ادات تشبیہ بھی کہتے ہیں۔

د ۔دلیلِ شبہ :دلیل شبہ سے مراد وہ خوبی ہے جس کی بنا پر مشبہ کو مشبہ بہ سے تشبیہ دی جارہی ہے۔مثلا "چاند کی مانند حسین میں دلیل شبہ "حُسن "ہے۔اسی طرح شیر کی طرح بہادر میں دلیل شبہ "بہادری "ہے۔

ہ ۔غرضِ تشبیہ :وہ مقصد یا غرض جس کے لیے تشبیہ دی جائے،غرض تشبیہ کہلاتا ہے۔اس کا تشبیہ میں ذکر نہیں ہوتا۔صرف قرائن سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ تشبیہ کس غرض یا مقصد سے دی گئی ہے۔مثلا "بچے کے حسن کو واضح کرنا غرض تشبیہ ہے۔اسی طرح عبداللہ کی بہادری کو واضح کرنا بھی غرضِ تشبیہ ہے۔

طلاق کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے انگلیوں سے اشارہ کرنے کا بیان

﴿وَمَنْ قَالَ لِامْرَاَتِهٖ :اَنْتِ طَالِقٌ هٰكَذَا يُشِيرُ بِالْاِبْهَامِ وَالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى فَهِيَ ثَلَاثٌ﴾ لِاَنَّ الْاِشَارَةَ بِالْاَصَابِعِ تُفِيدُ الْعِلْمَ بِالْعَدَدِ فِي مَجْرَى الْعَادَةِ اِذَا اقْتَرَنَتْ بِالْعَدَدِ الْمُبْهَمِ، قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ﴿الشَّهْرُ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا(١)﴾ الْحَدِيْثَ، وَاِنْ اَشَارَ بِوَاحِدَةٍ فَهِيَ وَاحِدَةٌ، وَاِنْ اَشَارَ بِثِنْتَيْنِ فَهِيَ ثِنْتَانِ لِمَا قُلْنَا، وَالْاِشَارَةُ تَقَعُ بِالْمَنْشُوْرَةِ مِنْهَا، وَقِيْلَ :اِذَا اَشَارَ بِظُهُوْرِهَا فَبِالْمَضْمُوْمَةِ مِنْهَا، وَاِذَا كَانَ تَقَعُ الْاِشَارَةُ بِالْمَنْشُوْرَةِ مِنْهَا فَلَوْ نَوَى الْاِشَارَةَ بِالْمَضْمُوْمَتَيْنِ يُصَدَّقُ دِيَانَةً لَا قَضَاءً، وَكَذَا اِذَا نَوَى الْاِشَارَةَ بِالْكَفِّ حَتّٰى يَقَعَ فِي الْاُوْلٰى ثِنْتَانِ دِيَانَةً، وَفِي الثَّانِيَةِ وَاحِدَةٌ لِاَنَّهٗ يَحْتَمِلُهٗ لٰكِنَّهٗ خِلَافُ الظَّاهِرِ، وَلَوْ لَمْ يَقُلْ هٰكَذَا تَقَعُ وَاحِدَةٌ لِاَنَّهٗ لَمْ يَقْتَرِنْ بِالْعَدَدِ الْمُبْهَمِ فَبَقِيَ الْاِعْتِبَارُ بِقَوْلِهٖ :اَنْتِ طَالِقٌ

---

(١) روى الحديث عن ابن عمر و عائشة و سعد بن أبي وقاص، فأما حديث ابن عمر فأخرجه البخاري في "صحيحه" برقم (١٩١٣) و مسلم في "صحيحه" برقم (١٠٨٥) و حديث سعد بن أبي وقاص أخرجه مسلم (١٠٨١) و حديث عائشة أخرجه الحاكم في "المستدرك" و قال: صحيح على شرط البخاري،انظر "نصب الراية" ٣/٢٢٩۔

ترجمہ

اور جو شخص اپنی بیوی سے یہ کہے: تمہیں اس طرح طلاق ہے' اور پھر وہ اپنے انگوٹھے' شہادت والی انگلی' درمیانی انگلی سے اشارہ کرے تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی' کیونکہ عرف کے مطابق انگلیوں کے اشارے کے ذریعے عدد کا پتہ چل جاتا ہے' جبکہ اشارہ مبہم عدد کے ہمراہ ہو' جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے'' مہینہ اتنا اور اتنا ہوتا ہے'' اگر آدمی نے ایک انگلی کے ذریعے اشارہ کیا ہو' تو ایک طلاق واقع ہوگی اور اگر دو سے اشارہ کیا ہو' تو دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ اشارہ کھلی انگلیوں کے ذریعے ہوتا ہے۔ بعض حضرات نے یہ بات بیان کی ہے: اگر انگلیوں کی بیرونی طرف سے اشارہ کیا جا رہا ہو' تو انہیں جڑا ہوا ہونا چاہئے۔ اشارہ کھلی انگلیوں کے ذریعے ہوتا ہے' لیکن اگر کوئی انگلیوں کو ملا کر اشارہ کرتا ہے اور نیت بھی یہی ہے' تو دیانت کے اعتبار سے اس کی تصدیق کی جائے گی' لیکن قضاء کے اعتبار سے تصدیق نہیں کی جائے گی۔ ہتھیلی کے ذریعے اشارہ کرنے کا بھی حکم یہ ہے: پہلی صورت میں دیانت کے اعتبار سے وہ دو شمار ہوں گی' اور دوسری صورت میں وہ ایک شمار ہوگی' کیونکہ اس کا احتمال پایا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ ظاہر کے خلاف ہے۔ لیکن اگر مرد نے لفظ'' ھکذا (اس طرح)'' نہ کہا تو ایک طلاق واقع ہوگی' کیونکہ یہاں اشارہ مبہم عدد کے ساتھ نہیں ہے اس لیے اس کے جملے کے بقیہ حصے یعنی'' تمہیں طلاق ہے'' کا اعتبار ہوگا۔

اشارے کے فہم طلاق سے وقوع طلاق کا حکم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک پڑوسی تھا جو کہ فارس کا باشندہ تھا جو کہ بہت عمدہ قسم کا شوربہ بنایا کرتا تھا وہ شخص ایک مرتبہ خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تھیں تو اس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ تشریف لے آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی جانب اشارہ فرمایا یعنی کیا میں ان کو بھی لے کر آؤں۔ اس شخص نے ہاتھ سے اشارہ نہیں کیا دو مرتبہ یا تین مرتبہ یعنی اگر اشارہ سے طلاق دینا سمجھ میں آ رہا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ (سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1375)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اگر کسی شخص نے سر یا گردن پر ہاتھ رکھ کر کہا تیرے اس سر یا اس گردن کو طلاق تو واقع نہ ہوگی اور اگر ہاتھ نہ رکھا اور یوں کہا اس سر کو طلاق اور عورت کے سر کی طرف اشارہ کیا تو واقع ہو جائے گی۔ اور جب ہاتھ یا انگلی یا ناخن یا پاؤں یا بال یا ناک یا پنڈلی یا ران یا پیٹھ یا پیٹ یا زبان یا کان یا مونھ یا ٹھوڑی یا دانت یا سینہ یا پستان کو کہا کہ اسے طلاق تو واقع نہ ہوگی۔

جزو طلاق بھی پوری طلاق ہے اگرچہ ایک طلاق کا ہزارواں حصہ ہو مثلاً کہا تجھے آدھی یا چوتھائی طلاق ہے تو پوری ایک طلاق پڑے گی کہ طلاق کے حصے نہیں ہو سکتے۔ اگر چند اجزا ذکر کیے جن کا مجموعہ ایک سے زیادہ نہ ہو تو ایک ہوگی اور ایک سے زیادہ

ہوتو دوسری بھی پڑ جائے گی مثلاً کہا ایک طلاق کا نصف اور اس کی تہائی اور چوتھائی کہ نصف اور تہائی اور چوتھائی کا مجموعہ ایک سے زیادہ ہے لہذا دو واقع ہوئیں اور اگر اجزا کا مجموعہ دو سے زیادہ ہے تو تین ہوں گی۔ یونہی ڈیڑھ میں دو اور ڈھائی میں تین اور اگر دو طلاق کے تین نصف کہے تو تین ہونگی اور ایک طلاق کے تین نصف میں دو اور اگر کہا ایک سے دو تک تو ایک، اور ایک سے تین تک تو دو۔ (درمختار، کتاب طلاق)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اور جب کسی شخص نے انگلیوں سے اشارہ کر کے کہا تجھے اتنی طلاقیں تو ایک دو تین جتنی انگلیوں سے اشارہ کیا اتنی طلاقیں ہوئیں یعنی جتنی انگلیاں اشارہ کے وقت کھلی ہوں انکا اعتبار ہے بند کا اعتبار نہیں اور اگر وہ کہتا ہے میری مراد بند انگلیاں یا ہتھیلی تھی تو یہ قول دیانۃً معتبر ہوگا، قضاءً معتبر نہیں۔ اور اگر تین انگلیوں سے اشارہ کر کے کہا تجھے اسکی مثل طلاق اور نیت تین کی ہو تو تین ورنہ ایک بائن اور اگر اشارہ کر کے کہا تجھے اتنی اور نیت طلاق ہے اور لفظ طلاق نہ بولا جب بھی طلاق ہو جائیگی۔ (ردمحتار، کتاب طلاق)

طلاق کو شدت یا زیادتی کے ساتھ موصوف کرنے کا بیان

﴿وَإِذَا وَصَفَ الطَّلَاقَ بِضَرْبٍ مِنَ الشِّدَّةِ أَوِ الزِّيَادَةِ كَانَ بَائِنًا مِثْلُ أَنْ يَقُولَ :أَنْتِ طَالِقٌ بَائِنٌ أَوِ الْبَتَّةَ﴾ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :يَقَعُ رَجْعِيًّا إِذَا كَانَ بَعْدَ الدُّخُولِ بِهَا لِأَنَّ الطَّلَاقَ شُرِعَ مُعَقِّبًا لِلرَّجْعَةِ فَكَانَ وَصْفُهُ بِالْبَيْنُونَةِ خِلَافَ الْمَشْرُوعِ فَيَلْغُو كَمَا إِذَا قَالَ :أَنْتِ طَالِقٌ عَلَى أَنْ لَا رَجْعَةَ لِي عَلَيْكِ .وَلَنَا أَنَّهُ وَصَفَهُ بِمَا يَحْتَمِلُهُ لَفْظُهُ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّ الْبَيْنُونَةَ قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا وَبَعْدَ الْعِدَّةِ تَحْصُلُ بِهِ فَيَكُونُ هَذَا الْوَصْفُ لِتَعْيِينِ أَحَدِ الْمُحْتَمَلَيْنِ، وَمَسْأَلَةُ الرَّجْعَةِ مَمْنُوعَةٌ فَتَقَعُ وَاحِدَةٌ بَائِنَةٌ إِذَا لَمْ تَكُنْ لَهُ نِيَّةٌ أَوْ نَوَى الثِّنْتَيْنِ .أَمَّا إِذَا نَوَى الثَّلَاثَ فَثَلَاثٌ لِمَا مَرَّ مِنْ قَبْلُ، وَلَوْ عَنَى بِقَوْلِهِ :أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَبِقَوْلِهِ بَائِنٌ أَوِ الْبَتَّةَ أُخْرَى تَقَعُ تَطْلِيقَتَانِ بَائِنَتَانِ لِأَنَّ هَذَا الْوَصْفَ يَصْلُحُ لِابْتِدَاءِ الْإِيقَاعِ

ترجمہ

اور جب شوہر طلاق کو کسی بھی قسم کے اضافے یا شدت کے ساتھ موصوف کرے تو بائنہ طلاق واقع ہوگی جیسے مرد یہ کہے: تمہیں طلاق بائنہ ہے یا طلاق بتہ ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں: (ایسی صورت میں) طلاق رجعی واقع ہوگی لیکن اس کے لئے یہ بات شرط ہے: یہ طلاق دخول کے بعد ہو کیونکہ طلاق اسی طرح مشروع ہے اس کے بعد رجوع کیا جا سکے اس لیے لفظ "بینونہ" یا اس

کے علاوہ کسی اور لفظ کے ساتھ اسے موصوف کرنا شریعت کے خلاف ہوگا تو یہ صفت لغو قرار دی جائے گی جیسے مرد یہ کہے۔ "تمہیں اس طرح کی طلاق ہے کہ اس میں مجھے تم سے رجوع کرنے کا اختیار نہ رہے"۔ ہماری دلیل یہ ہے: مرد نے طلاق کو ایسی چیز کے ساتھ موصوف کیا ہے جس کا احتمال اس لفظ کے اندر موجود ہے۔ کیا آپ نے غور نہیں کیا؟ دخول کرنے سے پہلے اور عدت کے بعد طلاق ہی کے ذریعے علیحدگی پیدا ہوتی ہے اس لیے یہ صفت دو میں سے ایک احتمال کا تعین کردے گی۔

جو مثال آپ نے بیان کی ہے: اس میں ہم بھی طلاق بائنہ کے قائل ہیں۔ طلاق رجعی کے قائل نہیں۔ لیکن اس وقت جب مرد نے کوئی نیت نہ کی ہو تو ایک بائنہ طلاق واقع ہوگی۔ اگر اس نے دو کی نیت کی ہو تو بھی ایک ہی واقع ہوگی لیکن اگر اس نے تین کی نیت کی ہو تو تین طلاقیں واقع ہوں گی جیسا کہ اس سے پہلے ہم یہ بات بیان کر چکے ہیں۔ اگر مرد نے "تمہیں طلاق ہے" سے ایک طلاق کی نیت کی ہو اور لفظ "بائنہ" یا لفظ "بتہ" کے ذریعے دوسری طلاق کی نیت کی ہو تو دو بائنہ طلاقیں واقع ہو جائیں گی کیونکہ یہ صفت اس قابل ہے کہ مرد اس کے ذریعے ابتداء ہی میں طلاق دے سکے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ طلاق کے ساتھ کوئی صفت ذکر کی جس سے شدت سمجھی جائے تو بائن ہوگی مثلاً، بائن یا، البتہ فحش طلاق، طلاق شیطان، طلاق بدعت، بدتر طلاق، پہاڑ برابر، ہزار کی مثل، ایسی کہ گھر بھر جائے۔ سخت، لمبی، چوڑی، کھر کھری، سب سے بُری، سب سے کڑی، سب سے گندی، سب سے ناپاک، سب سے کڑوی، سب سے بڑی، سب سے چوڑی، ب سے لمبی، سب سے موٹی پھر اگر تین کی نیت کی تو تین ہونگی ورنہ ایک اور اگر عورت باندی ہے تو دو کی نیت صحیح ہے۔ (درمختار، باب صریح، ج ۴، ۴۸۵)

طلاق بتہ میں فقہ شافعی وحنفی کا اختلاف

حضرت رکانہ ابن عبد یزید کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی سہیمہ کو طلاق بت دی اور پھر اس کا ذکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا اور کہا کہ خدا کی قسم میں نے ایک طلاق کی نیت کی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا واقعی خدا کی قسم تم نے ایک طلاق کی نیت کی تھی؟ رکانہ نے کہا کہ ہاں خدا کی قسم میں نے ایک طلاق کی نیت کی تھی چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عورت کو ان کی طرف لوٹا دیا پھر رکانہ نے اس عورت کو دوسری طلاق حضرت عمر کے عہد خلافت میں اور تیسری طلاق حضرت عثمان غنی کے عہد خلافت میں دی اس روایت کو ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ اور دارمی نے نقل کیا ہے لیکن ترمذی ابن ماجہ اور دارمی نے اپنی روایت میں دوسری اور تیسری طلاق کا ذکر نہیں کیا ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 483)

طلاق بت، کا مطلب یہ ہے کہ حضرت رکانہ نے ان الفاظ میں طلاق دی انت طالق البتۃ یعنی تجھ پر طلاق البتہ ہے) لفظ البتۃ بت کا اسم مرہ ہے جسکے معنی ہیں کاٹنا قطع کرنا لہذا طلاق بتہ کا مفہوم یہ ہوا کہ ایسی طلاق جو نکاح کا تعلق بالکل باقی نہیں رہنے دیتی اور عورت کو نکاح سے قطعی طور پر نکال دیتی ہے۔

ان کی عورت کو ان کی طرف لوٹا دیا کا مطلب حضرت امام شافعی کے نزدیک تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکانہ کو رجوع کر لینے کا حکم دیا اور گویا رکانہ نے رجوع کر لینے کے اس حکم کی بناء پر ان الفاظ راجعتها الي نكاحي میں نے اس کو اپنے نکاح میں لوٹا لیا) کے ذریعہ اس عورت کو اپنے نکاح میں واپس کر لیا۔

حضرت امام شافعی نے یہ مطلب اس لئے مراد لئے ہیں کہ ان کے نزدیک طلاق بتہ ایک طلاق رجعی ہے ہاں اگر اس کے ذریعہ دو یا تین طلاقوں کی نیت کی گئی ہو تو پھر نیت کے مطابق ہی دو یا تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں۔ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک چونکہ اس لفظ کے ساتھ طلاق دینے سے ایک طلاق بائن پڑتی ہے خواہ ایک طلاق کی نیت کی ہو یا دو طلاق کی یا اور کچھ بھی نیت نہ کی گئی ہو اسلئے ان کے نزدیک اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو جدید نکاح کے ذریعہ رکانہ کی طرف لوٹا دیا۔

طلاق بتہ میں فقہی مذاہب اربعہ

حضرت عبداللہ بن یزید بن رکانہ اپنے والد اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو بتہ طلاق دی آپ نے پوچھا اس سے آپ کی کیا مراد ہے کتنی طلاقیں مراد ہیں میں نے کہا کہ ایک۔ آپ نے فرمایا اللہ کی قسم میں نے کہا ہاں اللہ کی قسم۔ پس آپ نے فرمایا وہی ہوگی جو تم نے نیت کی۔ اس حدیث کو ہم صرف اسی سند سے جانتے ہیں علماء، صحابہ، اور دوسرے علماء کا لفظ البتہ کے استعمال میں اختلاف ہے کہ اس سے کتنی طلاقیں مراد ہوتی ہیں حضرت عمر سے مروی ہے کہ یہ ایک ہی طلاق ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ اس سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ طلاق دینے والے کی نیت کا اعتبار ہے اگر ایک طلاق کی نیت کی ہو تو ایک اگر تین کی نیت کی ہو تو تین واقع ہوتی ہیں لیکن اگر دو کی نیت کی ہو تو ایک ہی واقع ہوگی۔ سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔

امام مالک علیہ الرحمہ بن انس فرماتے ہیں اگر لفظ البتہ کے ساتھ طلاق دے اور عورت سے صحبت کر چکا تو تین طلاق واقع ہوں گی۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر ایک طلاق کی نیت ہو تو ایک واقع ہوگی اور رجوع کا اختیار ہوگا اگر دو کی نیت کی ہو تو دو اگر تین کی نیت کی ہو تو تین واقع ہوں گی۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1185)

فحش ترین، بُری ترین، شیطان کی یا بدعت طلاق کے الفاظ استعمال کرنا

﴿وَكَذَا إِذَا قَالَ : أَنْتِ طَالِقٌ أَفْحَشَ الطَّلَاقِ﴾ لِأَنَّهُ إِنَّمَا يُوصَفُ بِهَذَا الْوَصْفِ بِاعْتِبَارِ أَثَرِهِ وَهُوَ الْبَيْنُونَةُ فِي الْحَالِ فَصَارَ كَقَوْلِهِ بَائِنٌ، وَكَذَا إِذَا قَالَ أَخْبَثَ الطَّلَاقِ ﴿أَوْ أَسْوَأَهُ لِمَا ذَكَرْنَا، وَكَذَا إِذَا قَالَ طَلَاقَ الشَّيْطَانِ أَوْ طَلَاقَ الْبِدْعَةِ﴾ لِأَنَّ الرَّجْعِيَّ هُوَ

السُّنِّیُّ فَیَکُوْنُ قَوْلُهٗ : الْبِدْعَةَ وَطَلَاقَ الشَّیْطَانِ بَائِنًا . وَعَنْ اَبِیْ یُوْسُفَ فِیْ قَوْلِهٖ : اَنْتِ طَالِقٌ لِلْبِدْعَةِ اَنَّهٗ لَا یَکُوْنُ بَائِنًا اِلَّا بِالنِّیَّةِ لِاَنَّ الْبِدْعَةَ قَدْ تَکُوْنُ مِنْ حَیْثُ الْاِیْقَاعُ فِیْ حَالَةِ حَیْضٍ فَلَا بُدَّ مِنَ النِّیَّةِ .

وَعَنْ مُحَمَّدٍ اَنَّهٗ اِذَا قَالَ : اَنْتِ طَالِقٌ لِلْبِدْعَةِ اَوْ طَلَاقَ الشَّیْطَانِ یَکُوْنُ رَجْعِیًّا لِاَنَّ هٰذَا الْوَصْفَ قَدْ یَتَحَقَّقُ بِالطَّلَاقِ فِیْ حَالَةِ الْحَیْضِ فَلَا تَثْبُتُ الْبَیْنُوْنَةُ بِالشَّکِّ ﴿وَکَذَا اِذَا قَالَ : کَالْجَبَلِ﴾ لِاَنَّ التَّشْبِیْهَ بِهٖ یُوْجِبُ زِیَادَةً لَّا مَحَالَةَ وَذٰلِکَ بِاِثْبَاتِ زِیَادَةِ الْوَصْفِ، وَکَذَا اِذَا قَالَ : مِثْلَ الْجَبَلِ لِمَا قُلْنَا، وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ : یَکُوْنُ رَجْعِیًّا لِاَنَّ الْجَبَلَ شَیْءٌ وَاحِدٌ فَکَانَ تَشْبِیْهًا بِهٖ فِیْ تَوَحُّدِهٖ .

ترجمہ

اور اگر مرد نے یہ کہا: تمہیں سب سے زیادہ فحش طلاق ہے تو ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی' کیونکہ طلاق کو ایسی صفت کے ساتھ اسی وقت متصف کیا جاسکتا ہے جب اس کے اثر کو معتبر قرار دیا جائے اور وہ اثر یہ ہے: علیحدگی فوراً واقع ہوجائے لہٰذا یہ جملہ بھی لفظ بائنہ کے استعمال کی طرح ہوگا۔ جب شوہر لفظ "سب سے خبیث ترین طلاق" استعمال کرے' تو ایسی صورت کا بھی وہی حکم ہوگا جو ہم نے بیان کیا ہے۔ اگر شوہر نے شیطان کی طلاق یا طلاق بدعت کا لفظ استعمال کیا ہو' تو وہ ہمارے نزدیک ایک بائنہ طلاق ہوگی' کیونکہ ایک رجعی طلاق تو سنت ہوتی ہے اس لیے طلاق بدعت یا شیطان کی طلاق کو بائنہ قرار دیا جائے گا۔

امام ابو یوسف نے یہ بات بیان کی ہے: اگر مرد کسی نیت کے بغیر یہ کہتا ہے' تمہیں طلاق بدعت ہے' تو اس سے طلاق بائنہ نہیں ہوگی' کیونکہ بعض اوقات حیض کی حالت میں طلاق رجعی طلاق دینے کے اعتبار سے بدعت ہوتی ہے' اس لیے بائنہ ہونے کے لئے نیت ضروری ہوگی۔ امام محمد علیہ الرحمہ نے یہ بات بیان کی ہے: طلاق بدعت یا شیطان کی طلاق' کا لفظ استعمال کرنے سے طلاق رجعی واقع ہوگی' کیونکہ یہ صفت تو حالت حیض میں طلاق دینے سے بھی پیدا ہوسکتی ہے اس لیے محض شک کی بنیاد پر علیحدگی اور بینونت ثابت نہیں ہوسکے گی۔ اگر شوہر نے یہ کہا: تمہیں پہاڑ کی مانند طلاق ہے' تو اس سے ایک بائنہ طلاق واقع ہوگی' کیونکہ پہاڑ سے تشبیہ دینے کا لازمی تقاضا یہ ہے: طلاق میں اضافہ ہو اور وہ اضافہ صفت میں ہوسکتا ہے۔ اسی طرح اگر شوہر نے "پہاڑ کی مانند" کا لفظ استعمال کیا تو بھی یہی حکم ہوگا' جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے۔ امام ابو یوسف نے یہ بات بیان کی ہے: ایسی صورت میں طلاق رجعی ہوگی' کیونکہ پہاڑ ایک ہی چیز ہے لہٰذا یہ تشبیہ ایک ہونے کے بارے میں ہوگی۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اپنی عورت کو کہا اس کُتی کو طلاق یا انکھیاری ہے اُس کو کہا اس اندھی کو طلاق تو طلاق

واقع ہو جائے گی اور اگر کسی دوسری عورت کو دیکھا اور سمجھا کہ میری عورت ہے اور اپنی عورت کا نام لیکر کہا اے فلانی تجھے طلاق ہے بعد کو معلوم ہوا کہ یہ اس کی عورت نہ تھی تو طلاق ہو گئی مگر جبکہ اُسکی طرف اشارہ کر کے کہا تو نہ ہوگی۔

اگر کسی شخص نے کہا دُنیا کی تمام عورتوں کو طلاق تو اس کی عورت کو طلاق نہ ہوئی اور اگر کہا کہ اس محلہ یا اس گھر کی عورتوں کو تو ہو گئی۔ (درمختار، کتاب طلاق)

طلاق میں فحش الفاظ کے استعمال پر فقہی حکم

یہاں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے: تمہیں سب سے زیادہ فحش طلاق ہے یا تمہیں سب سے زیادہ خبیث طلاق ہے یا تمہیں سب سے زیادہ بری طلاق ہے تو ان تینوں صورتوں میں عورت کو ایک بائنہ طلاق ہوگی۔ لیکن اس کے لئے یہ بات شرط ہے: شوہر نے کوئی نیت نہ کی ہو یا اس نے ایک طلاق دینے کی نیت کی ہو یا دو کی نیت کی ہو۔ لیکن اگر شوہر نے اس کے ذریعے تین طلاقوں کی نیت کی ہو تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

مصنف نے اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: عام طور پر ان الفاظ کو استعمال کرنے کا بنیادی مقصد یہی ہوتا ہے کہ جب ان الفاظ کے اثر کو مفہوم پر اثر انداز کیا جا سکے اور طلاق کے حوالے سے ان مذکورہ بالا الفاظ کا مفہوم یہی ہو سکتا ہے کہ فوری طور پر علیحدگی واقع ہو جائے اس لیے یہ الفاظ لفظ بائنہ اور لفظ بتہ کی طرح ہوں گے جس طرح بائنہ اور بتہ کی صفت کے ذریعے طلاق بائنہ ہو جاتی ہے اسی طرح ان الفاظ کو صفت کے طور پر نقل کیا جائے تو اس کے نتیجے میں بھی بائنہ طلاق ہو جائے گی۔

اسی کی ایک ذیلی شق مصنف نے یہاں یہ بیان کی ہے: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے: تمہیں اس طرح کی طلاق ہے جیسے شیطان کی طلاق ہوتی ہے یا تمہیں بدعت والی طلاق ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان دونوں الفاظ کے نتیجے میں بائنہ طلاق واقع ہوگی۔ بدعت والی طلاق کی دلیل تو واضح ہے کہ رجعی طلاق دینا سنت ہے تو بدعت، سنت کی ضد ہے لہٰذا رجعی کی ضد بائنہ ہے تو اس کے ذریعے بائنہ طلاق مراد ہوگی اور جہاں تک شیطان کی طلاق کا تعلق ہے تو وہ بھی رجعی قرار نہیں دی جا سکتی اسے بائنہ ہی قرار دیا جائے گا۔

ایک روایت کے مطابق امام ابویوسف اس بات کے قائل ہیں: اگر شوہر نے ان الفاظ کے ذریعے "تمہیں بدعت کے مطابق طلاق ہے" بائنہ طلاق دینے کی نیت کی ہو تو اس عورت کو بائنہ طلاق ہوگی۔ امام ابویوسف نے اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: اگر شوہر بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دیتا ہے تو یہ چیز بدعت ہے یعنی سنت کے خلاف ہے تو یہ بھی امکان ہو سکتا ہے کہ شوہر نے طلاق بدعت سے مراد یہ لیا ہو کہ وہ حیض کی حالت میں طلاق دینا چاہتا ہے اس لیے اس احتمال کو ختم کرنے کے لئے یہ بات ضروری ہوگی۔ شوہر نے بائنہ طلاق دینے کی نیت کی ہو۔

امام محمد علیہ الرحمہ اس بات کے قائل ہیں: اگر کوئی شخص یہ الفاظ استعمال کرے بدعت کے مطابق طلاق ہے یا تمہیں شیطان کی طلاق ہے تو اس کے نتیجے میں رجعی طلاق واقع ہوتی ہے۔

امام محمد علیہ الرحمہ نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: اگر آدمی حیض کی حالت میں طلاق دیدے' تو اس طلاق کو بھی طلاق بدعت کہا جا سکتا ہے' اس لیے اب ان الفاظ کے ذریعے طلاق کے مفہوم میں شک کا احتمال پایا جا رہا ہے' تو جب شک کا احتمال پایا جا رہا ہو' تو اس صورت میں طلاق بائنہ واقع نہیں ہوتی ہے' لیکن شوہر کیونکہ یہ الفاظ استعمال کر چکا ہے: تمہیں طلاق ہے' تو اس کے نتیجے میں ان الفاظ کی دلیل سے رجعی طلاق کا حکم دیا جائے گا۔ یہاں مصنف نے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے: اگر کوئی شخص طلاق کو پہاڑ کے ساتھ تشبیہ دے' تو پہاڑ کے ساتھ دی ہوئی یہ تشبیہ اضافے کو لازم کرتی ہے' اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب طلاق کی صفت کو زیادہ کر دیا جائے۔

اسی طرح اگر شوہر نے یہ الفاظ استعمال کیے ہوں: پہاڑ کی مثل طلاق ہے' تو اس کا بھی وہی حکم ہوگا' جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ امام ابو یوسف یہ بات بیان کرتے ہیں: ایسی صورت میں رجعی طلاق واقع ہوگی۔ امام ابو یوسف نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: پہاڑ ایک ہی چیز کا نام ہے' لہٰذا اس کے ذریعے تشبیہ دینے میں ایک کا مفہوم پایا جا رہا ہوگا تو اس لیے یہاں رجعی طلاق شمار کی جائے گی۔

شدید ترین' ایک ہزار جتنی' بھرے گھر جتنی طلاق کے الفاظ استعمال کرنا

﴿وَلَوْ قَالَ لَهَا: اَنْتِ طَالِقٌ اَشَدَّ الطَّلَاقِ اَوْ كَاَلْفٍ اَوْ مِلْءَ الْبَيْتِ فَهِيَ وَاحِدَةٌ بَائِنَةٌ اِلَّا اَنْ يَّنْوِيَ ثَلَاثًا﴾ اَمَّا الْاَوَّلُ فَلِاَنَّهُ وَصَفَهُ بِالشِّدَّةِ وَهُوَ الْبَائِنُ لِاَنَّهُ لَا يَحْتَمِلُ الْاِنْتِقَاضَ وَالْاِرْتِفَاضَ، اَمَّا الرَّجْعِيُّ فَيَحْتَمِلُهُ، وَاِنَّمَا تَصِحُّ نِيَّةُ الثَّلَاثِ لِذِكْرِهِ الْمَصْدَرَ، وَاَمَّا الثَّانِي فَلِاَنَّهُ قَدْ يُرَادُ بِهٰذَا التَّشْبِيهِ فِي الْقُوَّةِ تَارَةً وَفِي الْعَدَدِ اُخْرٰى، يُقَالُ هُوَ كَاَلْفِ رَجُلٍ وَيُرَادُ بِهِ الْقُوَّةُ فَتَصِحُّ نِيَّةُ الْاَمْرَيْنِ، وَعِنْدَ فِقْدَانِهَا يَثْبُتُ اَقَلُّهُمَا.

وَعَنْ مُحَمَّدٍ اَنَّهُ يَقَعُ الثَّلَاثُ عِنْدَ عَدَمِ النِّيَّةِ لِاَنَّهُ عَدَدٌ فَيُرَادُ بِهِ التَّشْبِيهُ فِي الْعَدَدِ ظَاهِرًا فَصَارَ كَمَا اِذَا قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ كَعَدَدِ اَلْفٍ، وَاَمَّا الثَّالِثُ فَلِاَنَّ الشَّيْءَ قَدْ يَمْلَاُ الْبَيْتَ لِعِظَمِهِ فِي نَفْسِهِ وَقَدْ يَمْلَؤُهُ لِكَثْرَتِهِ، فَاَيَّ ذٰلِكَ نَوٰى صَحَّتْ نِيَّتُهُ، وَعِنْدَ انْعِدَامِ النِّيَّةِ يَثْبُتُ الْاَقَلُّ.

ترجمہ

اور اگر شوہر نے یہ کہا: تمہیں شدید ترین طلاق ہے' یا ایک ہزار جتنی طلاق ہے' یا بھرے گھر جتنی طلاق ہے' تو اس سے ایک

طلاق بائنہ واقع ہوگی البتہ اگر اس نے تین کی نیت کی ہو تو حکم مختلف ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے: پہلی صورت میں اس نے طلاق کو شدت کے ساتھ موصوف کیا ہے اور وہ شدت بائنہ ہو سکتی ہے کیونکہ طلاق بائنہ میں متروک ہونے اور ساقط ہونے کا احتمال نہیں ہوتا' جبکہ طلاق رجعی میں یہ احتمال پایا جاتا ہے۔ یہاں تین کی نیت کو درست اس لیے قرار دیا گیا ہے' کیونکہ اس میں مصدر کا ذکر کیا ہے۔ جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے' تو اس میں یہ کہا جا سکتا ہے: عدد کا ذکر کرنے سے بعض اوقات تشبیہ میں شدت مراد ہوتی ہے اور بعض اوقات عدد میں اضافہ مراد ہوتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے: فلاں شخص ہزار مردوں کے برابر ہے' تو اس سے مراد قوت میں اضافہ ہوتا ہے' اس لیے دونوں چیزوں کی نیت درست ہو سکتی ہے' اور جب نیت نہ ہو' تو دونوں میں سے کمتر چیز مراد لی جائے گی۔ امام محمد علیہ الرحمہ یہ بات بیان کرتے ہیں: جب نیت نہ ہو' تو بھی تین ہی واقع ہوں گی' کیونکہ لفظ ہزار عدد ہے اس لیے اس میں عدد کے حوالے سے تشبیہ مراد ہوگی۔ گویا کہ شوہر نے یہ کہا: تمہیں ہزار کے عدد جتنی طلاقیں ہیں۔ جہاں تک تیسری صورت کا تعلق ہے: تو بعض اوقات کوئی چیز اپنے حجم کے زیادہ ہونے کی دلیل سے گھر کو بھر دیتی ہے اور بعض اوقات اپنی تعداد زیادہ ہونے کی دلیل سے گھر کو بھرتی ہے۔ اس لیے شوہر نے جس چیز کی بھی نیت کی ہوگی' وہ درست شمار ہوگی' اور اگر اس نے کوئی نیت نہ کی ہو' تو دونوں میں سے کمتر حیثیت کو مراد لیا جائے گا۔

بیوی کو ایک سو طلاق دینے کا بیان

ایک شخص نے ابن عباس سے کہا کہ میں نے اپنی عورت کو سو طلاق دیں ابن عباس نے جواب دیا کہ وہ تین طلاق میں تجھ سے بائن ہوگئی اور ستانوے طلاق سے تو نے اللہ کی آیتوں سے ٹھٹھا کیا۔

ایک شخص عبداللہ بن مسعود کے پاس آیا اور کہا میں نے اپنی عورت کو دو سو طلاقیں دیں ابن مسعود نے کہا لوگوں نے تجھ سے کیا کہا وہ بولا مجھ سے یہ کہا کہ تیری عورت تجھ سے بائن ہوگئی ابن مسعود نے کہا سچ ہے جو شخص اللہ کے حکم کے موافق طلاق دے گا تو اللہ نے اس کی صورت بیان کر دی اور جو گڑبڑ کرے گا اس کی بلا اس کے سر لگا دیں گے گڑبڑ مت کرو تاکہ ہم کو مصیبت نہ اٹھانا پڑے وہ لوگ سچ کہتے ہیں تیری عورت تجھ سے جدا ہوگئی۔ (موطا امام مالک علیہ الرحمہ: جلد اول: حدیث نمبر 1031)

اور جب کسی شخص نے کہا تجھے ہزاروں طلاق یا چند بار طلاق تو تین واقع ہونگی اور اگر کہا تجھے طلاق نہ کم نہ زیادہ تو ظاہر الروایۃ میں تین ہونگی اور امام ابو جعفر ہندوانی و امام قاضی خاں اس کو ترجیح دیتے ہیں کہ دو واقع ہوں اور اگر کہا کمتر طلاق تو ایک رجعی ہوگی۔ اگر کہا تجھے طلاق ہے پوری طلاق تو ایک ہوگی اور کہا کہ کُل طلاقیں تو تین ہیں۔ (درمختار)

مصدر اسم جنس میں تین کے احتمال کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر شوہر نے یہ الفاظ استعمال کئے ہوں: تمہیں سب سے زیادہ شدید طلاق ہے یا یہ الفاظ استعمال کیے ہوں' تمہیں ایک ہزار کی طرح طلاق ہے' یا یہ الفاظ استعمال کئے ہوں' تمہیں ایسی طلاق ہے جو گھر کو بھر دے' تو ان

صورتوں میں اگر شوہر نے کوئی نیت نہ کی ہوئی ہو یا اس نے ایک کی نیت کی ہو یا دو کی نیت کی ہو تو ایک بائنہ طلاق واقع ہو گی۔

اگر شوہر نے تین طلاقیں دینے کی نیت کی ہو تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ مصنف نے اس کی دلیل یہ بیان کی ہے شوہر نے یہاں مصدر کا ذکر کیا ہے اور مصدر اسم جنس ہوتا ہے جس میں کسی بھی اضافی صفت کے بغیر تین کا احتمال موجود ہوتا ہے لہٰذا جب شدت والے الفاظ اس کے ساتھ شامل ہو جائیں گے اور مصدر ذکر کیا جائے گا تو اس کے ذریعے بدرجہ اولیٰ تین طلاقیں مراد لینا ممکن ہو گا۔ یہی دلیل ہے: ہم یہ کہتے ہیں: اگر شوہر نے صرف مصدر ذکر کیا ہو اور تین طلاقوں کی نیت کی ہوئی ہو تو تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ یہاں مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے: پہلی صورت میں بائنہ طلاق واقع کیوں ہوتی ہے یعنی جب شوہر نے یہ الفاظ استعمال کیے ہوں: تمہیں سب سے زیادہ شدید طلاق ہے۔

مصنف فرماتے ہیں: شوہر نے لفظ شدت کو طلاق کے ساتھ متصف کیا ہے اور یہ شدت اسی وقت متحقق ہو سکتی ہے جب بائنہ طلاق واقع ہو کیونکہ بائنہ طلاق کے نتیجے میں یہ چیز مؤکد اور مضبوط ہو جائے گی کیونکہ بائنہ میں فسخ کا احتمال باقی نہیں ہوتا اور شوہر کا رجوع کرنے کا حق ختم ہو جاتا ہے۔

جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے یعنی تمہیں ایک ہزار کی مانند طلاق ہے تو اس کی دلیل سے طلاق بائنہ اس دلیل سے ہوتی ہے کہ کبھی تو اس نوعیت کی تشبیہ قوت کے لئے دی جاتی ہے جیسے فلاں شخص ایک ہزار آدمیوں کی مانند ہے اور کبھی یہ تشبیہ تعداد میں کثرت کے اعتبار سے دی جاتی ہے یعنی فلاں شخص ایک ہزار کی تعداد کے برابر ہے۔ بہر حال جب اس تشبیہ میں تعداد اور قوت دونوں کو مراد لیا جائے تو دونوں کی نیت کرنا درست ہو گا یعنی اگر شوہر نے ایک کی نیت کی ہوئی ہو گی تو اسے قوت والی تشبیہ پر محمول کیا جائے گا اور اگر تین کی نیت کی ہوئی ہو گی تو اسے تعداد والی تشبیہ پر محمول کیا جائے گا اور اگر نیت موجود نہ ہو تو اس کے سب سے کم ترین فرد یعنی ایک بائنہ طلاق پر محمول کیا جائے گا۔

امام محمد علیہ الرحمہ سے یہ روایت منقول ہے: اس صورت میں تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی کیونکہ لفظ "الف" عدد ہے اس لیے اس کے ذریعے عدد کے اعتبار سے تشبیہ مراد لینا زیادہ مناسب ہو گا تو یہ اسی طرح ہو جائے گا۔ جیسے شوہر نے یہ الفاظ استعمال کئے ہوں تمہیں ایک ہزار کی تعداد میں طلاقیں ہیں تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ یہاں مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے: جہاں تک تیسرے جملے کا تعلق ہے یعنی تمہیں اتنی طلاق ہے: جو گھر کو بھر دے اس کے نتیجے میں بائنہ طلاق اس دلیل سے ہو گی: گھر کو وہی چیز بھر سکتی ہے جو بذات خود بڑی ہو اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی چیز اپنی کثرت کی دلیل سے گھر کو بھر دیتی ہے اس لیے طلاق کا بڑے ہو کر گھر کو بھرنا اس کے نتیجے میں طلاق بائنہ ہو گی اور اگر اس سے مراد یہ لیا جائے: کثرت کی دلیل سے گھر کو بھر دیا ہے تو اس صورت میں تین طلاقیں ہو جائیں گی اور یہ دونوں احتمالات درست ہوں گے لیکن اگر شوہر نے کوئی نیت نہ کی ہو تو اس کے نتیجے میں ایک بائنہ طلاق واقع ہو جائے گی۔

آئمہ کے نزدیک بنیادی اصول کا اختلاف اور اس کا نتیجہ

ثُمَّ الْاَصْلُ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ اَنَّهٗ مَتٰی شَبَّهَ الطَّلَاقَ بِشَیْءٍ یَقَعُ بَائِنًا :اَیَّ شَیْءٍ کَانَ الْمُشَبَّهُ بِهٖ ذَکَرَ الْعِظَمَ اَوْ لَمْ یَذْکُرْ لِمَا مَرَّ اَنَّ التَّشْبِیْهَ یَقْتَضِیْ زِیَادَةَ وَصْفٍ .وَعِنْدَ اَبِیْ یُوْسُفَ اِنْ ذَکَرَ الْعِظَمَ یَکُوْنُ بَائِنًا وَاِلَّا فَلَا اَیَّ شَیْءٍ کَانَ الْمُشَبَّهُ بِهٖ لِاَنَّ التَّشْبِیْهَ قَدْ یَکُوْنُ فِی التَّوْحِیْدِ عَلَی التَّجْرِیْدِ .اَمَّا ذِکْرُ الْعِظَمِ فَلِلزِّیَادَةِ لَا مَحَالَةَ .وَعِنْدَ زُفَرَ اِنْ کَانَ الْمُشَبَّهُ بِهٖ مِمَّا یُوْصَفُ بِالْعِظَمِ عِنْدَ النَّاسِ یَقَعُ بَائِنًا وَاِلَّا فَهُوَ رَجْعِیٌّ .وَقِیْلَ مُحَمَّدٌ مَعَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ، وَقِیْلَ مَعَ اَبِیْ یُوْسُفَ .وَبَیَانُهٗ فِیْ قَوْلِهٖ مِثْلُ رَاْسِ الْاِبْرَةِ مِثْلُ عِظَمِ رَاْسِ الْاِبْرَةِ وَمِثْلُ الْجَبَلِ مِثْلُ عِظَمِ الْجَبَلِ

ترجمہ

اور اس نوعیت کی تشبیہات کے بارے میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک بنیادی قاعدہ یہ ہے: جب طلاق کو کسی چیز کے ساتھ تشبیہ دی جائے' تو اس کے نتیجے میں طلاق بائنہ واقع ہو جاتی ہے۔ خواہ جس چیز کے ساتھ تشبیہ دی جارہی ہے' اس کی عظمت کا ذکر کیا جائے یا ذکر نہ کیا جائے۔ یہ بات ہم نے پہلے بیان کی ہے: تشبیہ صفت میں اضافے کا تقاضا کرتی ہے۔ امام ابو یوسف نے یہ بات بیان کی ہے: عظمت اور بڑائی کا ذکر کرنے کے نتیجے میں طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے ورنہ طلاق بائنہ واقع نہیں ہوتی' خواہ جس چیز کے ساتھ تشبیہ دی جارہی ہے' وہ کسی بھی نوعیت کی ہو' کیونکہ بعض اوقات تشبیہ سے مراد مجرد ہونا بھی ہوتا ہے' لیکن عظمت کا تذکرہ کرنا لازمی طور پر صفت میں اضافے کے لئے ہوتا ہے۔ امام زفر نے یہ بات بیان کی ہے: جس چیز کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ اگر عام عرف میں اسے بڑا قرار دیا جا سکتا ہے' تو طلاق بائنہ واقع ہوگی' ورنہ طلاق رجعی واقع ہوگی۔ امام محمد علیہ الرحمہ کے بارے میں بعض فقہاء نے یہ بات بیان کی ہے: ان کا موقف امام ابوحنیفہ کے موقف کے مطابق ہے اور بعض فقہاء نے یہ بات بیان کی ہے: ان کا موقف امام ابو یوسف کی دلیل کے ساتھ ہے۔ اس مسئلے کا بیان' مرد کے ان الفاظ میں ہوگا۔ ''سوئی کی نوک کی مانند' سوئی کی نوک جتنی بڑی' پہاڑ کی مانند' بڑے پہاڑ کی مانند''۔

شرح

اور جب کسی شخص نے طلاق کے ساتھ کوئی صفت ذکر کی جس سے شدت سمجھی جائے تو بائن ہوگی مثلاً بائن یا البتہ فحش طلاق ،طلاق شیطان، طلاق بدعت، بدتر طلاق، پہاڑ برابر ہزار کی مثل ایسی کہ گھر بھر جائے۔ سخت، لمبی، چوڑی، کھر کھری، سب سے بُری، سب سے کڑی، سب سے گندی، سب سے ناپاک، سب سے کڑوی، سب سے بڑی، سب سے چوڑی، سب سے لمبی، سب سے موٹی پھر اگر تین کی نیت کی تو تین ہونگی ورنہ ایک اور اگر عورت باندی ہے تو دو کی نیت صحیح ہے۔) (درمختار)

اگر کہا، تجھے ایسی طلاق جس سے تو اپنے نفس کی مالک ہو جائے یا کہا، تجھے ایسی طلاق جس میں میرے لیے رجعت نہیں تو بائن ہوگی اور اگر کہا، تجھے طلاق ہے اور میرے لیے رجعت نہیں تو رجعی ہوگی۔ یونہی اگر کہا تجھے طلاق ہے کوئی قاضی یا حاکم یا عالم تجھے واپس نہ کرے، جب بھی رجعی ہوگی۔ (درمختار، رد)

اور اگر کہا تجھے طلاق ہے اِس شرط پر کہ اُس کے بعد رجعت نہیں یا یوں کہا، تجھ پر وہ طلاق ہے جس کے بعد رجعت نہیں یا کہا تجھ پر وہ طلاق ہے جس کے بعد رجعت نہ ہوگی تو ان سب صورتوں میں رجعی ہو جانا چاہیے۔ (فتاویٰ رضویہ) اور اگر کہا تجھ پر وہ طلاق ہے جس کے بعد رجعت نہیں ہوتی تو بائن ہونا چاہیے۔

مشابہ طلاق میں فقہاء احناف کا اختلاف

یہاں مصنف نے طلاق کو کسی چیز کے ساتھ تشبیہ دینے کے بارے میں اصول یہ بیان کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اصول یہ ہے: جب طلاق کو کسی بھی چیز کے ساتھ تشبیہ دی جائے تو بائنہ طلاق واقع ہوگی جس چیز کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے خواہ وہ کوئی بھی چیز ہو خواہ شوہر نے اس کی عظمت کا ذکر کیا ہو یا نہ کیا ہو اس کی دلیل یہی ہے: تشبیہ صفت میں اضافے کا تقاضا کرتی ہے اور اس کے نتیجے میں بائنہ طلاق کا حکم جاری کر دیا جاتا ہے۔

امام ابو یوسف اس بات کے قائل ہیں: اگر شوہر نے کسی چیز کی عظمت کا ذکر کیا ہو پھر بائنہ طلاق ہوگی ورنہ نہیں ہوگی خواہ مشبہ بہ کوئی بھی چیز ہو۔

امام ابو یوسف نے اپنے قول کی دلیل یہ بیان کی ہے: بعض اوقات تشبیہ ایک ہونے کے اعتبار سے دی جاتی ہے اور یہ اس وقت ہوگا جب اس کی عظمت اور بڑائی کا ذکر نہ کیا گیا ہو لیکن اگر عظمت اور بڑائی کا ذکر کر دیا گیا ہو تو یہ صفت میں اضافے کے لئے شمار ہو جائے گی۔

امام زفر اس بات کے قائل ہیں: جس چیز کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اگر تو وہ کوئی ایسی چیز ہے کہ لوگوں کے نزدیک اسے عظمت، بڑائی اور زیادتی سے موصوف کیا جا سکتا ہے تو اس کے نتیجے میں بائنہ طلاق واقع ہوگی ورنہ رجعی طلاق واقع ہوگی۔

امام محمد علیہ الرحمہ کے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول کے مطابق ان کی دلیل امام ابوحنیفہ کی دلیل کے مطابق ہے اور ایک قول کے مطابق ان کی دلیل امام ابو یوسف کی دلیل کے مطابق ہے۔ یہاں مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے: ان فقہاء کے درمیان اصول میں اختلاف کا ثمرہ اس مثال میں ظاہر ہوگا: جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا ہو: تمہیں سوئی کے سرے کی مانند طلاق ہے یا یہ الفاظ استعمال کیے ہوں: تمہیں سوئی کے سرے جتنی بڑی طلاق ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک چونکہ یہاں تشبیہ موجود ہے لہٰذا دونوں صورتوں میں بائنہ طلاق ہونی چاہیے۔

امام زفر اس بات کے قائل ہیں: سوئی کے سرے کو لوگوں کے رواج میں بڑا نہیں سمجھا جاتا' اس لیے دونوں صورتوں میں رجعی طلاق واقع ہونی چاہیے۔

امام ابو یوسف اس بات کے قائل ہیں: پہلی صورت میں رجعی طلاق ہوگی' کیونکہ وہاں پر لفظ بڑا مذکور نہیں ہے' جبکہ دوسرے جملے میں لفظ بڑا مذکور ہے' لہٰذا اس کے ذریعے بائنہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ اسی طرح تمہیں پہاڑ کی مانند طلاق ہے' یا تمہیں بڑے پہاڑ کی مانند طلاق ہے' کا حکم ہے یعنی امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان دونوں صورتوں میں طلاق بائنہ واقع ہوگی' کیونکہ تشبیہ دی گئی ہے' اور تشبیہ کی موجودگی میں بائنہ طلاق ہو جاتی ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک پہلی صورت میں رجعی طلاق ہوگی' کیونکہ اس میں لفظ بڑا استعمال نہیں ہوا اور دوسری صورت میں بائنہ طلاق ہوگی' کیونکہ اس میں لفظ بڑا استعمال ہوا ہے۔ جبکہ امام زفر کے نزدیک دونوں صورتوں میں بائنہ طلاق ہو جائے گی اس کی دلیل یہ ہے: لوگوں کے عرف میں پہاڑ کو بڑی چیز سمجھا جاتا ہے۔

شدید' چوڑی' لمبی طلاق کے الفاظ استعمال کرنے کا بیان

﴿وَلَوْ قَالَ :اَنْتِ طَالِقٌ تَطْلِيقَةً شَدِيدَةً اَوْ عَرِيضَةً اَوْ طَوِيلَةً فَهِيَ وَاحِدَةٌ بَائِنَةٌ﴾ لِاَنَّ مَا لَا يُمْكِنُ تَدَارُكُهُ يَشْتَدُّ عَلَيْهِ وَهُوَ الْبَائِنُ، وَمَا يَصْعُبُ تَدَارُكُهُ يُقَالُ :لِهٰذَا الْاَمْرِ طُولٌ وَعَرْضٌ .وَعَنْ اَبِيْ يُوسُفَ اَنَّهُ يَقَعُ بِهَا رَجْعِيَّةً لِاَنَّ هٰذَا الْوَصْفَ لَا يَلِيقُ بِهِ فَيَلْغُو، وَلَوْ نَوَى الثَّلَاثَ فِيْ هٰذِهِ الْفُصُولِ صَحَّتْ نِيَّتُهُ لِتَنَوُّعِ الْبَيْنُونَةِ عَلٰى مَا مَرَّ وَالْوَاقِعُ بِهَا بَائِنٌ .

ترجمہ

اور اگر شوہر نے یہ کہا: تمہیں شدید' چوڑی یا لمبی طلاق ہے' تو اس کے نتیجے میں ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی' کیونکہ جس چیز کا تدارک ممکن نہ ہو مرد کو وہ چیز شدید معلوم ہوتی ہے' اور وہ چیز طلاق بائنہ ہے۔ اسی طرح جو کام آدمی کے لئے سخت یا مشکل ہوتا ہے اس کے لئے یہ کہا جاتا ہے "یہ بڑا لمبا چوڑا کام ہے"۔ امام ابو یوسف نے یہ بات بیان کی ہے: ان الفاظ کے نتیجے میں طلاق رجعی واقع ہوگی' کیونکہ طلاق اس نوعیت کے اوصاف کے ذریعے متصف نہیں ہو سکتی اس لیے اس صفت کا بیان لغو قرار دیا جائے گا۔ اگر اس صورت میں' مرد نے تین کی نیت کی ہو' تو یہ نیت درست شمار ہوگی' کیونکہ بینونت کی مختلف قسمیں ہیں' جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے' اور ان کے ذریعے طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی۔

شرح

یہاں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: اگر شوہر نے طلاق کی صفت کے طور پر لفظ "شدید" لفظ "چوڑا" یا لفظ "لمبا" استعمال کیا یعنی تمہیں لمبی طلاق ہے یا چوڑی طلاق ہے یا شدید طلاق ہے' تو اس کے نتیجے میں بائنہ طلاق ہو جائے گی۔

مصنف نے اس کی دلیل یہ بیان کی ہے: جس طلاق کا تدارک شوہر کے لئے ممکن نہ ہو وہ شوہر کے لئے شدید ہوتی ہے اور یہ بائنہ طلاق ہی ہو سکتی ہے کیونکہ شوہر اس میں رجوع نہیں کر سکتا۔

اصول یہ ہے: جس چیز کا تدارک مشکل ہو اس کے لئے یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے' یہ معاملہ لمبا چوڑا ہے۔ امام ابویوسف سے یہ بات منقول ہے: ان الفاظ کے ذریعے رجعی طلاق واقع ہوتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے: یہ صفت طلاق کے لائق نہیں ہے لہٰذا اس کا تذکرہ لغو قرار دیا جائے گا اور لفظ انت طالق کے ذریعے رجعی طلاق واقع ہو جائے گی۔ اگر ان صورتوں میں شوہر نے تین طلاقیں دینے کی نیت کی ہوئی ہو تو اس صورت میں اس کی نیت درست ہوگی' کیونکہ علیحدگی کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں جیسا کہ یہ بات پہلے بیان کی جا چکی ہے اور اس کے ذریعے بائنہ طلاق واقع ہو جائے گی۔

فصل فی الطلاق قبل الدخول

﴿یہ فصل جماع سے پہلے طلاق دینے کے بیان میں ہے﴾

غیر مدخولہ کی طلاق والی فصل کی فقہی مطابقت

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب دخول سے پہلے طلاق دینے کا حکم عارضے کے مرتبے میں ہے یعنی یہ حکم بھی اصل کے ساتھ جس طرح کوئی عارضہ لاحق ہوتا ہے اسی طرح ہے اور جس طرح عرض مؤخر ہوتا ہے اسی طرح اس فصل کو بھی مصنف نے علیہ الرحمہ ذکر کیا ہے کیونکہ عوارض ہمیشہ مؤخر ہوتے ہیں۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۵، ص ۲۶۶، بیروت)

غیر مدخولہ کے تصرف مہر میں اولیاء کے حق پر فقہی مذاہب اربعہ

اس صورت میں جو یہاں بیان ہو رہی ہے آدھے مہر پر علماء کا اجماع ہے، لیکن تین کے نزدیک پورا مہر اس وقت واجب ہو جاتا ہے جبکہ خلوت ہو گئی یعنی میاں بیوی تنہائی کی حالت میں کسی مکان میں جمع ہو گئے، گو ہم بستری نہ ہوئی ہو۔ امام شافعی کا بھی پہلا قول یہی ہے اور خلفائے راشدین کا فیصلہ بھی یہی ہے، لیکن امام شافعی کی روایت سے حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اس صورت میں بھی صرف نصف مہر مقررہ ہی دینا پڑے گا،

امام شافعی فرماتے ہیں میں بھی یہی کہتا ہوں اور ظاہر الفاظ کتاب اللہ کے بھی یہی کہتے ہیں۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس روایت کے ایک راوی لیث بن ابی سلیم اگرچہ سند پکڑے جانے کے قابل نہیں لیکن ابن ابی طلحہ سے ابن عباس کی یہ روایت مروی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا فرمان یہی ہے، پھر فرماتا ہے کہ اگر عورتیں خود ایسی حالت میں اپنا آدھا مہر بھی خاوند کو معاف کر دیں تو یہ اور بات ہے اس صورت میں خاوند کو سب معاف ہو جائے گا۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ثیبہ عورت اگر اپنا حق چھوڑ دے تو اسے اختیار ہے۔ بہت سے مفسرین تابعین کا یہی قول ہے،

محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ اس سے مراد عورتوں کا معاف کرنا نہیں بلکہ مردوں کا معاف کرنا ہے۔ یعنی مرد اپنا آدھا حصہ چھوڑ دے اور پورا مہر دے دے لیکن یہ قول شاذ ہے کوئی اور اس قول کا قائل نہیں، پھر فرماتا ہے کہ وہ معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ ایک حدیث میں ہے اس سے مراد خاوند ہے۔

حضرت علی سے سوال ہوا کہ اس سے مراد کیا عورت کے اولیاء ہیں، فرمایا نہیں بلکہ اس سے مراد خاوند ہے۔ اور بھی بہت سے مفسرین سے یہی مروی ہے۔ امام شافعی کا جدید قول بھی یہی ہے۔

امام ابوحنیفہ وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے، اس لئے کہ حقیقتاً نکاح کو باقی رکھنا توڑ دینا وغیرہ یہ سب خاوند کے ہی اختیار میں ہے

اور جس طرح ولی کو اس کی طرف سے جس کا ولی ہے، اس کے مال کا دے دینا جائز نہیں اسی طرح اس کے مہر کے معاف کر دینے کا بھی اختیار نہیں۔ دوسرا قول اس بارے میں یہ ہے کہ اس سے مراد عورت کے باپ بھائی اور وہ لوگ ہیں جن کی اجازت بغیر عورت نکاح نہیں کر سکتی۔

ابن عباس، علقمہ، حسن، عطاء، طاؤس، زہری، ربیعہ، زید بن اسلم، ابراہیم نخعی، عکرمہ، محمد بن سیرین سے بھی یہی مروی ہے کہ ان دونوں بزرگوں کا بھی ایک قول یہی ہے۔

امام مالک علیہ الرحمہ کا اور امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ ولی نے ہی اس حق کا حقدار اسے کیا تھا تو اس میں تصرف کرنے کا بھی اسے اختیار ہے، گو اور مال میں ہیر پھیر کرنے کا اختیار نہ ہو، عکرمہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے معاف کر دینے کی رخصت عورت کو دی اور اگر وہ بخیلی اور تنگ دلی کرے تو اس کا ولی بھی معاف کر سکتا ہے۔ گو وہ عورت سمجھدار ہو،

حضرت شریح بھی یہی فرماتے ہیں لیکن جب شعبی نے انکار کیا تو آپ نے اس سے رجوع کر لیا اور فرمانے لگے کہ اس سے مراد خاوند ہی ہے بلکہ وہ اس بات پر مباہلہ کو تیار رہتے تھے۔

غیر مدخول بہا بیوی کو طلاق دینے کی مختلف صورتوں کا بیان

﴿وَاِذَا طَلَّقَ رَجُلٌ امْرَاَتَهُ ثَلَاثًا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا وَقَعْنَ عَلَيْهَا﴾ لِاَنَّ الْوَاقِعَ مَصْدَرٌ مَحْذُوْفٌ لِاَنَّ مَعْنَاهُ طَلَاقًا ثَلَاثًا عَلٰى مَا بَيَّنَّاهُ، فَلَمْ يَكُنْ قَوْلُهُ اَنْتِ طَالِقٌ اِيْقَاعًا عَلٰى حِدَةٍ فَيَقَعْنَ جُمْلَةً: ﴿فَاِنْ فَرَّقَ الطَّلَاقَ بَانَتْ بِالْاُوْلٰى وَلَمْ تَقَعِ الثَّانِيَةُ وَالثَّالِثَةُ﴾ وَذٰلِكَ مِثْلُ اَنْ يَقُوْلَ: اَنْتِ طَالِقٌ طَالِقٌ طَالِقٌ لِاَنَّ كُلَّ وَاحِدَةٍ اِيْقَاعٌ عَلٰى حِدَةٍ اِذَا لَمْ يَذْكُرْ فِيْ آخِرِ كَلَامِهِ مَا يُغَيِّرُ صَدْرَهُ حَتّٰى يَتَوَقَّفَ عَلَيْهِ فَتَقَعُ الْاُوْلٰى فِي الْحَالِ فَتُصَادِفُهَا الثَّانِيَةُ وَهِيَ مُبَانَةٌ ﴿وَكَذَا اِذَا قَالَ لَهَا: اَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَوَاحِدَةً وَقَعَتْ وَاحِدَةٌ﴾ لِمَا ذَكَرْنَا اَنَّهَا بَانَتْ بِالْاُوْلٰى ﴿وَلَوْ قَالَ لَهَا: اَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً فَمَاتَتْ قَبْلَ قَوْلِهِ وَاحِدَةً كَانَ بَاطِلًا﴾ لِاَنَّهُ قَرَنَ الْوَصْفَ بِالْعَدَدِ فَكَانَ الْوَاقِعُ هُوَ الْعَدَدَ، فَاِذَا مَاتَتْ قَبْلَ ذِكْرِ الْعَدَدِ فَاتَ الْمَحَلُّ قَبْلَ الْاِيْقَاعِ فَبَطَلَ ﴿وَكَذَا لَوْ قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ ثِنْتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا﴾ لِمَا بَيَّنَّا وَهٰذِهِ تُجَانِسُ مَا قَبْلَهَا مِنْ حَيْثُ الْمَعْنٰى۔

ترجمہ

اور اگر شوہر نے غیر مدخول بہا بیوی کو تین طلاقیں دیں تو وہ تینوں واقع ہو جائیں گی' کیونکہ طلاق محذوف کی دلیل سے واقع

ہوئی ہے اور اس کا مطلب "طلاقاً ثلاثاً" ہوگا' جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ اس لیے صرف انت طالق کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی' بلکہ تینوں اکٹھی واقع ہو جائیں گی۔ اگر غیر مدخول بہا بیوی کو تین طلاقیں الگ' الگ دی جائیں تو وہ پہلی ہی طلاق کے ذریعے بائنہ ہو جائے گی' اور دوسری اور تیسری طلاق واقع نہیں ہوں گی' جیسے شوہر نے یہ کہا: تمہیں طلاق ہے' طلاق ہے' طلاق ہے' کیونکہ ہر لفظ الگ طور پر واقع ہوا ہے' لیکن اس کے لئے یہ بات شرط ہے' کلام میں کوئی ایسی چیز ذکر نہ کی جائے' جو صدر کلام میں تغیر پیدا کر دیتی ہے' یعنی یہ ہو کہ کلام کا پہلا حصہ آخری حصے پر موتوف ہو جائے۔

اس لیے پہلی طلاق اسی وقت واقع ہو جائے گی' دوسری طلاق اس وقت پہنچے گی' جب وہ پہلے ہی بائنہ ہو چکی ہے۔ (اس لیے وہ لغو جائے گی) اسی طرح اگر شوہر اپنی غیر مدخول بہا بیوی سے یہ کہے: تمہیں ایک اور ایک طلاق ہے' تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی' جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں' وہ عورت پہلی طلاق کے ذریعے بائنہ ہو جائے گی۔ اگر شوہر نے یہ کہا: تمہیں ایک طلاق ہے اور وہ عورت لفظ ایک کی ادائیگی سے پہلے انتقال کر گئی تو طلاق باطل ہو جائے گی' اس کی دلیل یہ ہے: مرد نے طلاق کی صفت کے طور پر عدد کو ذکر کیا ہے' لہٰذا واقع ہونے والی چیز عدد ہوگا' لیکن جب عدد کا ذکر کرنے سے پہلے عورت کا انتقال ہو گیا' تو طلاق ہونے سے پہلے ہی طلاق کا محل ختم ہو گیا' اس لیے وہ طلاق باطل شمار ہوگی۔ اسی طرح اگر شوہر نے یہ کہا: تمہیں دو طلاقیں ہیں' یا تین طلاقیں ہیں' تو بھی یہی حکم ہوگا' جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے' کیونکہ یہ صورت بھی معنوی اعتبار سے سابقہ صورت کی مشابہ ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اور جب کسی شخص نے غیر مدخولہ کو کہا تجھے تین طلاقیں تو تین ہونگی اور اگر کہا تجھے طلاق تجھے طلاق تجھے طلاق یا کہا تجھے طلاق طلاق طلاق یا کہا تجھے طلاق ہے ایک اور ایک اور ایک تو ان صورتوں میں ایک بائن واقع ہوگی باقی لغو و بیکار ہیں یعنی چند لفظوں سے واقع کرنے میں صرف پہلے لفظ سے واقع ہوگی اور باقی کے لیے محل نہ رہے گی اور موطؤہ میں بہر حال تین واقع ہونگی۔ اور کسی شخص نے کہا تجھے تین طلاقیں الگ الگ تو ایک ہوگی۔ یونہی اگر کہا تجھے دو طلاقیں اُس طلاق کے ساتھ جو میں تجھے دوں پھر ایک طلاق دی تو ایک ہی ہوگی۔ (درمختار، کتاب طلاق)

جب طلاق کے ساتھ کوئی عدد یا وصف مذکور ہو تو اُس عدد یا وصف کے ذکر کرنے کے بعد واقع ہوگی صرف طلاق سے واقع نہ ہوگی مثلاً لفظ طلاق کہا اور عدد یا وصف کے بولنے سے پہلے عورت مر گئی تو طلاق نہ ہوئی اور اگر عدد یا وصف بولنے سے پہلے شوہر مر گیا یا کسی نے اُس کا مونھ بند کر دیا تو ایک واقع ہوگی کہ جب شوہر مر گیا تو ذکر نہ پایا گیا صرف ارادہ پایا گیا اور صرف ارادہ ناکافی ہے اور منہ بند کر دینے کی صورت میں اگر ہاتھ ہٹاتے ہی اُسنے فوراً عدد یا وصف کو ذکر کر دیا تو اسکے موافق ہوگی ورنہ وہی ایک ہے۔

غیر مدخولہ کے طلاق سے بائنہ ہونے پر اتفاق

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں " : اہل علم اس پر متفق ہیں کہ جس عورت سے دخول نہ کیا گیا ہو اسے ایک طلاق دینے سے ہی طلاق بائن ہو جاتی ہے، اور طلاق دینے والے کو اس سے رجوع کا حق حاصل نہیں؛ اس لیے کہ رجوع تو عدت میں کیا جا سکتا ہے

اور دخول سے قبل کوئی عدت نہیں ہے۔

اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے۔ اے ایمان والو جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو اور پھر انہیں دخول سے قبل طلاق دے دو تو تمہارے لیے ان پر کوئی عدت نہیں جسے وہ عدت شمار کریں۔ (الاحزاب،۴۹)(المغنی(7 / .(397)

نکاح ثانی کے ساتھ آنے والی زوجیت کیلئے حق طلاق میں مذاہب اربعہ

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں ":اس کا اجمالی بیان یہ ہے کہ جب اس کی بیوی بائن ہو جائے، اور پھر اس نے اسی عورت سے شادی کر لی تو اس کی تین حالتیں ہیں:

پہلی حالت: وہ اسے تین طلاقیں دے دے، اور وہ عورت کسی دوسرے شخص سے شادی کرے اور وہ اسے چھوڑ دے پھر پہلا خاوند اس سے شادی کر لے تو بالاجماع یہ عورت تین طلاق میں واپس آئیگی یعنی اسے تین طلاق دینے کا حق ہوگا، ابن منذر کا قول بھی ہے۔

دوسری حالت: اسے تین کی بجائے ایک یا دو طلاق دی ہوں، اور خاوند اپنی بیوی سے رجوع کر لے یا پھر دوسرے خاوند سے قبل وہ دوبارہ نکاح کر لے تو جتنی طلاق باقی ہونگی اس میں ہی وہ عورت واپس آئیگی، ہمارے علم کے مطابق اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

تیسری حالت: اسے تین سے کم یعنی ایک یا دو طلاق ہوئی ہوں، اور عورت کی عدت ختم ہو جائے، پھر اس نے کسی دوسرے شخص سے نکاح کر لیا ہو، اور پھر بعد میں وہ عورت پہلے خاوند سے شادی کر لے تو امام احمد رحمہ اللہ سے اس مسئلہ میں دو روایات ہیں۔

پہلی روایت: وہ باقی ماندہ طلاق کے ساتھ ہی واپس ہوگی، اکابر صحابہ کرام عمر اور علی اور ابی بن کعب اور معاذ اور عمران بن حصین اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہم کا یہی قول ہے۔

اور زید اور عبد اللہ بن عمرو بن عاص سے بھی مروی ہے اور سعید بن مسیب اور عبیدہ اور حسن، مالک، ثوری، ابن ابی لیلی، شافعی، اسحاق، ابو عبیدہ، ابو ثور، محمد بن حسن، ابن منذر کا یہی قول ہے۔

اور امام احمد سے دوسری روایت یہ ہے کہ: وہ تین طلاق پر ہی واپس آئیگی یعنی اسے پھر تین طلاق کا حق حاصل ہوگا ابن عمر، ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہم اور عطاء، نخعی، شریح ابو حنیفہ اور ابو یوسف رحمہم اللہ کا قول یہی ہے۔(المغنی(7 / .(389)

غیر مدخولہ کیلئے طلاق ثلاثہ کے وقوع کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص اپنی غیر مدخول بہا بیوی کو ایک ہی لفظ کے ذریعے تین طلاقیں دیدے تو تینوں واقع ہو جائیں گی۔ اس کی دلیل یہ ہے: شوہر نے طلاق کو عدد کے ہمراہ یعنی تین کے عدد کے ہمراہ ذکر کیا ہے اور یہ بات ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں: جب وصف کو عدد کے ساتھ ذکر کیا جائے تو طلاق واقع ہونے کا مدار صفت کی بجائے عدد پر ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص تین علیحدہ کلمات کے ذریعے بیوی کو تین طلاقیں دیتا ہے یعنی اس بیوی کو جو غیر مدخول بہا ہے یعنی وہ یہ کہتا ہے انت طالق طالق طالق تو اس صورت میں ہر ایک طلاق الگ سے واقع ہوگی لیکن اس کے لئے یہ بات شرط ہے شوہر نے اپنے کلام کے آخر میں کوئی ایسی چیز ذکر نہ کی ہو جو ابتدائے کلام کے حکم کو تبدیل کر دے اور ابتدائے کلام یعنی طلاق کا ہونا اس پر موقوف ہو۔

اگر شوہر نے ایسی کوئی بات ذکر نہ کی ہو تو پہلی طلاق فوراً واقع ہو جائے گی لیکن بقیہ دو طلاقیں عورت کو اس وقت ملیں گی جب وہ ان طلاقوں کا محل ہی نہیں رہی جو غیر مدخول بہا ہے اور غیر مدخول بہا عورت ایک طلاق کے بعد بائنہ ہو جاتی ہے اور کیونکہ طلاق ہونے کے ساتھ اس کی عدت ختم ہو جاتی ہے لہٰذا وہ دوسری اور تیسری طلاق کا محل نہیں رہتی ہے۔ یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر شوہر نے یہ الفاظ استعمال کئے ہوں انت طالق واحدۃ وواحدۃ تو اس صورت میں بھی بیوی کو ایک ہی طلاق ہوگی اور وہ اسی ایک طلاق کے نتیجے میں بائنہ ہو جائے گی اور دوسری کا محل نہیں رہے گی۔

اس کے بعد مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: اگر کسی شوہر نے بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے انت طالق واحدۃ کہا لیکن لفظ واحدۃ استعمال کرنے سے پہلے بیوی کا انتقال ہو گیا تو شوہر کا یہ طلاق دینا باطل ہوگا اور کوئی بھی طلاق واقع نہیں ہوگی اس کی دلیل یہ ہے شوہر نے یہاں لفظ طلاق کو عدد یعنی لفظ واحدۃ کے ساتھ متصف کیا تھا اور یہ اصول ہم پہلے بیان کر چکے ہیں: جب طلاق کو عدد کے ساتھ ملا کر بیان کیا جائے تو اس صورت میں طلاق کے واقع ہونے کا مدار اس عدد پر ہوتا ہے۔ اس لیے اس عدد کے نتیجے میں طلاق واقع ہو سکتی ہے لیکن یہاں اس مسئلے میں چونکہ عدد کا ذکر کرنے سے پہلے عورت کا انتقال ہو چکا تھا تو اس کا مطلب یہ ہوگا: اب طلاق واقع ہونے سے پہلے عورت کا انتقال ہو چکا ہے اور انتقال کی دلیل سے وہ عورت اب طلاق کا محل نہیں رہی ہے اس لیے یہ طلاق واقع نہیں ہوگی اور کیونکہ یہ طلاق واقع نہیں ہوگی تو اس کا مطلب یہ ہے: غیر مدخول بہا عورت کے طلاق ہونے کے ساتھ ہی اس کی عدت بھی ختم ہو جاتی ہے تو یہ عورت مطلقہ نہیں ہوگی اس لیے اس شخص کی بیوی شمار ہوگی۔

اس کے بعد مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے: شوہر نے لفظ طلاق کے ہمراہ صفت کے طور پر ایک کا عدد ذکر کیا ہو یا دو کا کیا ہو یا تین کا کیا ہو ہر صورت میں اگر بیوی کا انتقال عدد کا ذکر کرنے سے پہلے ہو گیا تو اس کو طلاق واقع نہیں ہوگی یعنی عورت بدستور اس شخص کی بیوی شمار ہوگی۔

طلاق دیتے ہوئے "قبل" اور "بعد" کے الفاظ استعمال کرنا

﴿وَلَوْ قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً قَبْلَ وَاحِدَةٍ اَوْ بَعْدَهَا وَاحِدَةٌ وَقَعَتْ وَاحِدَةٌ﴾ وَالْاَصْلُ اَنَّهُ مَتٰى ذَكَرَ شَيْئَيْنِ وَاَدْخَلَ بَيْنَهُمَا حَرْفَ الظَّرْفِ اِنْ قَرَنَهَا بِهَاءِ الْكِنَايَةِ كَانَ صِفَةً لِلْمَذْكُورِ آخِرًا كَقَوْلِهِ: جَاءَنِىْ زَيْدٌ قَبْلَهُ عَمْرٌو، وَاِنْ لَمْ يَقْرِنْهَا بِهَاءِ الْكِنَايَةِ كَانَ صِفَةً

لِلْمَذْكُورِ أَوَّلًا كَقَوْلِهِ :جَاءَنِيْ زَيْدٌ قَبْلَ عَمْرٍو، وَإِيقَاعُ الطَّلَاقِ فِي الْمَاضِيْ إِيقَاعٌ فِي الْحَالِ لِأَنَّ الْإِسْنَادَ لَيْسَ فِيْ وُسْعِهِ فَالْقَبْلِيَّةُ فِيْ قَوْلِهِ :أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً قَبْلَ وَاحِدَةٍ صِفَةٌ لِلْأُولَى فَتَبِينُ بِالْأُولَى فَلَا تَقَعُ الثَّانِيَةُ، وَالْبَعْدِيَّةُ فِيْ قَوْلِهِ بَعْدَهَا وَاحِدَةٌ صِفَةٌ لِلْأَخِيرَةِ فَحَصَلَتِ الْإِبَانَةُ بِالْأُولَى

ترجمہ

اور اگر شوہر نے اپنی غیر مدخول بہا بیوی سے یہ کہا: تمہیں ایک سے پہلے ایک طلاق ہے' یا ایک کے بعد ایک طلاق ہے' تو بھی ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ اصول یہ ہے: جب دو ایسی چیزوں کا ذکر کیا جائے جن کے درمیان ظرف کا کلمہ موجود ہو اور اس کے بعد اسم ضمیر ہو' تو وہ ظرف کا کلمہ اس کی صفت بن جائے گا' جسے آخر میں ذکر کیا گیا ہے جیسے یہ جملہ ہے: جَاءَنِيْ زَيْدٌ قَبْلَهُ عَمْرٌو (یعنی میرے پاس زید آیا اور اس سے پہلے عمرو (آ چکا تھا)۔ اگر ظرف کے کلمے کے ہمراہ اسم ضمیر کا تذکرہ نہ ہو' تو ظرف کا کلمہ پہلے ذکر ہونے والے کی صفت بنتا ہے' جیسے یہ جملہ ہے: جَاءَنِيْ زَيْدٌ قَبْلَ عَمْرٍو ۔ (یعنی زید عمرو سے پہلے میرے پاس آیا۔) طلاق کا ماضی میں واقع ہونا اس کے حال میں واقع ہونے کے مترادف ہے' کیونکہ ماضی کی طرف منسوب کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہے' تو جب قبل واحدہ کی صورت میں لفظ قبل پہلے کی صفت بنے گا اس لیے دوسری طلاق واقع ہی نہیں ہوگی اور بعد واحدہ کی صورت میں لفظ ''بعد'' دوسرے کی صفت بنے گا' اور علیحدگی پہلی طلاق کے ساتھ ہو چکی ہے (تو دوسری طلاق لغو جائے گی)

شرح

غیر مدخولہ کو کہا تجھے تین طلاقیں تو تین ہونگی اور اگر کہا تجھے طلاق تجھے طلاق تجھے طلاق یا کہا تجھے طلاق طلاق طلاق یا کہا تجھے طلاق ہے ایک اور ایک اور ایک تو ان صورتوں میں ایک بائن واقع ہوگی باقی لغو و بیکار ہیں یعنی چند لفظوں سے واقع کرنے میں صرف پہلے لفظ سے واقع ہوگی اور باقی کے لیے محل نہ رہے گی اور موطوءہ میں بہر حال تین واقع ہونگی۔

کہا تجھے تین طلاقیں الگ الگ تو ایک ہوگی۔ یونہی اگر کہا تجھے دو طلاقیں اُس طلاق کے ساتھ جو میں تجھے دوں پھر ایک طلاق دی تو ایک ہی ہوگی۔ (در مختار)

قاعدہ فقہیہ

جب دو ایسی چیزوں کا ذکر کیا جائے جن کے درمیان ظرف کا کلمہ موجود ہو اور اس کے بعد اسم ضمیر ہو' تو وہ ظرف کا کلمہ اس کی صفت بن جائے گا' جسے آخر میں ذکر کیا گیا ہے جیسے یہ جملہ ہے: جَاءَنِيْ زَيْدٌ قَبْلَهُ عَمْرٌو (یعنی میرے پاس [illegible] سے پہلے عمرو (آ چکا تھا)۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر شوہر بیوی کو مخاطب کرتے [illegible] یہ الفاظ استعمال کرے انت طالق

واحدۃ قبل واحدۃ (تمہیں ایک سے پہلے ایک طلاق ہے)۔

یا یہ الفاظ استعمال کرے انت طالق واحدۃ بعدھا واحدۃ (تمہیں ایک طلاق ہے جس کے بعد ایک طلاق ہو) تو اس صورت میں عورت کو ایک طلاق ہوگی' یعنی ان دونوں صورتوں میں عورت کو ایک طلاق ہوگی۔

اس کے بعد مصنف نے ایک اصول کا ذکر کیا ہے: شوہر طلاق دیتے ہوئے اگر دو چیزوں کا ذکر کرے اور ان دونوں کے درمیان ایسا حرف لے آئے' جو ظرف ہوتا ہے' قبل' بعد وغیرہ اگر حرف ظرف کے ہمراہ اس نے اسم ضمیر بھی استعمال کیا ہو' تو وہ ضمیر اس کی صفت بنے گی' جس کا ذکر بعد میں ہوا ہے اس کی مثال یہ ہے۔جاء نی زید قبلہ عمرو (میرے پاس زید آیا اور اس سے پہلے عمرو آیا)۔لیکن اگر شوہر نے اس حرف ظرف کے ہمراہ اسم ضمیر نقل نہ کیا ہو' تو وہ اس لفظ کی صفت بنے گا' جس کا ذکر پہلے ہوا ہے' جیسے یہ جملہ ہے۔جاء نی زید قبل عمرو (میرے پاس زید' عمرو سے پہلے آیا)۔

پہلی مثال میں کیونکہ لفظ قبل کے بعد ضمیر ذکر کی گئی تھی اس لیے فعل کا تعلق اس لفظ کے ساتھ ہوا جس کا ذکر بعد میں ہوا ہے' اور وہ لفظ عمرو تھا جبکہ دوسری مثال میں لفظ قبل جو حرف ظرف ہے اس کے ہمراہ ضمیر نقل نہیں کی گئی اس لیے فعل کا تعلق عبارت میں موجود پہلے لفظ یعنی زید کے ساتھ ہے۔اس کے بعد مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے: زمانہ ماضی میں اگر آدمی طلاق کی نسبت کرے' تو وہ زمانہ حال میں دی گئی طلاق شمار ہوتی ہے اس کی دلیل یہ ہے: زمانہ ماضی میں طلاق دینا آدمی کے بس کی بات نہیں ہے وہ زمانہ موجود میں طلاق دے سکتا ہے۔

شوہر نے جو یہ الفاظ استعمال کیے تھے انت طالق "واحدۃ قبل واحدۃ" کیونکہ یہاں پر لفظ قبل کے ہمراہ کوئی ضمیر نہیں ہے' لہٰذا اس قبل کا تعلق پہلے لفظ کے ساتھ ہوگا' وہ ہے: انت طالق واحدۃ تمہیں ایک طلاق ہے' اور اس پہلے لفظ کے ساتھ وہ عورت بائنہ ہو جائے گی' کیونکہ وہ غیر مدخول بہا ہے' اور غیر مدخول بہا عورت ایک طلاق کے ساتھ بائنہ ہو جاتی ہے' اور اس کی عدت اسی وقت ختم ہو جاتی ہے' تو جب وہ ایک طلاق ہو جانے کے بعد بائنہ ہوگئی تو لفظ قبل کے بعد آنے والا لفظ واحدۃ واقع نہیں ہوگا اور لغو قرار دیا جائے گا۔جبکہ دوسری مثال میں یعنی شوہر کے ان الفاظ میں انت طالق واحدۃ بعدھا واحدۃ اس میں لفظ بعد کے ساتھ ضمیر "ھا" استعمال ہوئی ہے' لہٰذا یہ لفظ بعد میں ذکر ہونے والے لفظ کی صفت ہونا چاہیے اس لیے پہلی طلاق کے ذریعے وہ عورت بائنہ ہو چکی ہوگی' اور دوسری طلاق کا وہ محل ہی نہیں رہے گی۔

<u>لفظ "قبل" کے ہمراہ اسم ضمیر استعمال کرنے کا حکم</u>

﴿وَلَوْ قَالَ :اَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً قَبْلَهَا وَاحِدَةٌ تَقَعُ ثِنْتَانِ﴾ لِاَنَّ الْقَبْلِيَّةَ صِفَةٌ لِلثَّانِيَةِ لِاتِّصَالِهَا بِحَرْفِ الْكِنَايَةِ فَاقْتَضٰى اِيْقَاعَهَا فِى الْمَاضِىْ وَاِيقَاعَ الْاُولٰى فِى الْحَالِ،

غَيْرَ اَنَّ الْاِيقَاعَ فِي الْمَاضِيْ اِيْقَاعٌ فِي الْحَالِ اَيْضًا فَيَقْتَرِنَانِ فَيَقَعَانِ، وَكَذَا اِذَا قَالَ :اَنْتِ طَالِقٌ وَّاحِدَةً بَعْدَ وَاحِدَةٍ لِاَنَّ الْبَعْدِيَّةَ صِفَةٌ لِلْاُولٰى فَاقْتَضٰى اِيْقَاعَ الْوَاحِدَةِ فِي الْحَالِ وَاِيقَاعَ الْاُخْرٰى قَبْلَ هٰذِهٖ فَتَقْتَرِنَانِ ﴿وَلَوْ قَالَ :اَنْتِ طَالِقٌ وَّاحِدَةً مَعَ وَاحِدَةٍ اَوْ مَعَهَا وَاحِدَةٌ تَقَعُ ثِنْتَانِ﴾ لِاَنَّ كَلِمَةَ مَعَ لِلْقِرَانِ .

وَعَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ فِيْ قَوْلِهٖ :مَعَهَا وَاحِدَةٌ اَنَّهٗ تَقَعُ وَاحِدَةٌ لِاَنَّ الْكِنَايَةَ تَقْتَضِيْ سَبْقَ الْمُكَنّٰى عَنْهُ لَا مَحَالَةَ، وَفِي الْمَدْخُوْلِ بِهَا تَقَعُ ثِنْتَانِ فِي الْوُجُوْهِ كُلِّهَا لِقِيَامِ الْمَحَلِّيَّةِ بَعْدَ وُقُوْعِ الْاُوْلٰى

ترجمہ

اور جب شوہر نے یہ کہا: اَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً قَبْلَهَا وَاحِدَةٌ (تمہیں ایک ایسی طلاق ہے جس سے پہلے بھی ایک طلاق ہو) تو دو طلاقیں واقع ہو جائیں گی اس کی دلیل یہ ہے: لفظ قبل دوسری طلاق کی صفت بن رہا ہے اس کی دلیل یہ ہے: ظرف کا کلمہ اسم ضمیر کے ساتھ متصل ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے: دوسری طلاق زمانہ ماضی میں واقع ہو چکی ہو اور پہلی اسی وقت واقع ہو تو کیونکہ طلاق کا ماضی میں واقع ہونا اس کے زمانہ حال میں واقع ہونے کے مترادف ہے اس لیے یہ دونوں اکٹھی ہو جائیں گی اور دونوں ہی واقع ہو جائیں گی۔ اسی طرح اگر مرد نے یہ کہا: تمہیں ایک طلاق ہے جس کے بعد ایک طلاق ہے تو دو واقع ہو جائیں گی۔ اس کی دلیل یہ ہے: بعدیت پہلی کی صفت ہے جو اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ایک طلاق زمانہ حال میں واقع ہو اور دوسری اس سے پہلے واقع ہو چکی ہو۔ تو یہ دونوں ایک ساتھ واقع ہو جائیں گی۔ اگر شوہر نے یہ کہا: (تمہیں ایک طلاق کے ہمراہ ایک طلاق ہے) تو دو طلاقیں واقع ہو جائیں گی کیونکہ لفظ ''مع'' کے ذریعے دونوں کا ایک دوسرے سے ملنا ظاہر ہو رہا ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک لفظ ''مع'' استعمال کرنے کے نتیجے میں ایک ہی طلاق واقع ہوگی کیونکہ کنایہ کے لئے پہلے مکنی عنہ ہونا چاہیے۔ مذکورہ بالا تمام صورتوں میں اگر بیوی مدخول بہا ہو تو اس پر دو طلاقیں واقع ہوں گی چونکہ پہلی طلاق کے واقع ہونے کے بعد دوسری کا محل باقی رہتا ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھے ایسی ایک طلاق کہ اس سے پہلے ایک طلاق یا اس نے کہا کہ تجھے ایک ایسی طلاق جس کے بعد بھی ایک طلاق تو دونوں صورتوں میں دو طلاقیں ہو جائیں گیں۔

(درمختار، ج ۴، ص ۵۰۲، بیروت)

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر شوہر نے یہ الفاظ استعمال کیے ہوں۔ انت طالق واحدۃ قبل واحدۃ (تمہیں طلاق ہے اس سے پہلے ایک طلاق ہو)۔ تو اس صورت میں دو طلاقیں واقع ہو جائیں گی اس کی دلیل یہ ہے: عبارت میں موجود لفظ قبل کے بعد ضمیر استعمال ہوئی ہے' اور اس صورت میں اس لفظ قبل کا تعلق عبارت میں ذکر ہونے والے دوسرے لفظ کے ساتھ ہوگا اس لیے یہ اس بات کا تقاضا کرے گا' دوسری طلاق زمانہ ماضی میں واقع ہو چکی ہو اور پہلے والی طلاق زمانہ موجود میں ہو' لیکن پہلے ہم اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں: ماضی میں طلاق دینا آدمی کے لئے ممکن نہیں ہے' لہٰذا ماضی کی طلاق زمانہ حال کی طلاق قرار دی جائے گی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا' دونوں طلاقیں ایک ساتھ ہو جائیں گی اور دونوں واقع ہو جائیں گی۔

اسی طرح اگر شوہر نے یہ الفاظ استعمال کیے۔ ''انت طالق واحدۃ بعد واحدۃ'' (تمہیں ایک طلاق ہے جس کے بعد ایک طلاق ہو) تو اس صورت میں بھی دو طلاقیں واقع ہوں گی اس کی دلیل یہ ہے: یہاں پر عبارت میں لفظ بعد کے بعد کوئی ضمیر نقل نہیں ہوئی ہے' لہٰذا یہ پہلے والے لفظ کی صفت بنے گا تو یہ اس بات کا تقاضا کرے گا' ایک طلاق زمانہ حال میں واقع ہوئی ہو اور دوسری اس سے پہلے واقع ہو چکی ہو لہٰذا یہاں بھی دونوں طلاقیں ایک ساتھ واقع ہو جائیں گی۔

یہاں مصنف نے یہ بات نقل کی ہے: اگر شوہر نے یہ الفاظ استعمال کیے ہوں۔ انت طالق واحدۃ مع واحدۃ (تمہیں ایک طلاق ہے اس کے ہمراہ ایک طلاق ہو)۔ یا یہ الفاظ استعمال کئے ہوں انت طالق واحدۃ معھا واحدۃ (تمہیں ایک طلاق ہے جس کے ہمراہ ایک طلاق ہو)۔

تو دو طلاقیں واقع ہو جائیں گی اس کی دلیل یہ ہے: لفظ مع ساتھ ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ امام ابو یوسف سے یہ روایت منقول ہے: اگر شوہر نے یہ الفاظ استعمال کئے ہوں معھا واحدۃ تو اس صورت میں ایک طلاق واقع ہوگی اس کی دلیل یہ ہے: لفظ ''مع'' میں ضمیر موجود ہے' اور ضمیر اس چیز کے بارے میں ہوتی ہے جس کا ذکر اشارے کے طور پر کیا جا رہا ہو اور یہ اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ جس کا ذکر اشارے کے طور پر کیا جا رہا ہے وہ پہلے سے موجود ہے۔ اس لیے جب ''مع واحدۃ'' کہا تو انت طالق واحدۃ کے ذریعے ایک طلاق ہو جائے گی اور کیونکہ عورت ایک طلاق کے نتیجے میں بائنہ ہو جاتی ہے' اس لیے کہ وہ غیر مدخول بہا ہے تو دوسری طلاق کا وہ محل ہی نہیں رہے گی اس لیے یہاں ایک طلاق واقع ہونی چاہیے۔

مصنف نے یہاں اس بات کی وضاحت کی ہے: اگر بیوی مدخول بہا ہو' تو ان تمام صورتوں میں دو طلاقیں واقع ہوں گی اس کی دلیل یہ ہے: مدخول بہا بیوی پہلی طلاق ہو جانے کے بعد دوسری طلاق کا محل رہتی ہے' اس لیے دوسری طلاق بھی واقع ہو جائے گی۔

جب تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے ایک طلاق ہوئی.

﴿وَلَوْ قَالَ لَهَا :إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ وَّاحِدَةً وَوَاحِدَةً فَدَخَلَتْ وَقَعَتْ عَلَيْهَا وَاحِدَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا :تَقَعُ ثِنْتَانِ، وَلَوْ قَالَ لَهَا :أَنْتِ طَالِقٌ وَّاحِدَةً وَوَاحِدَةً إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَدَخَلَتْ طَلُقَتْ ثِنْتَيْنِ﴾ بِالِاتِّفَاقِ .لَهُمَا أَنَّ حَرْفَ الْوَاوِ لِلْجَمْعِ الْمُطْلَقِ فَتَعَلَّقْنَ جُمْلَةً كَمَا إِذَا نَصَّ عَلَى الثَّلَاثِ أَوْ أَخَّرَ الشَّرْطَ .وَلَهُ أَنَّ الْجَمْعَ الْمُطْلَقَ يَحْتَمِلُ الْقِرَانَ وَالتَّرْتِيبَ، فَعَلَى اعْتِبَارِ الْأَوَّلِ تَقَعُ ثِنْتَانِ، وَعَلَى اعْتِبَارِ الثَّانِي لَا تَقَعُ إِلَّا وَاحِدَةٌ كَمَا إِذَا نَجَّزَ بِهَذِهِ اللَّفْظَةِ فَلَا يَقَعُ الزَّائِدُ عَلَى الْوَاحِدَةِ بِالشَّكِّ، بِخِلَافِ مَا إِذَا أَخَّرَ الشَّرْطَ لِأَنَّهُ مُغَيِّرٌ صَدْرَ الْكَلَامِ فَيَتَوَقَّفُ الْأَوَّلُ عَلَيْهِ فَيَقَعْنَ جُمْلَةً وَلَا مُغَيِّرَ فِيمَا إِذَا قَدَّمَ الشَّرْطَ فَلَمْ يَتَوَقَّفْ .وَلَوْ عَطَفَ بِحَرْفِ الْفَاءِ فَهُوَ عَلَى هَذَا الْخِلَافِ فِيمَا ذَكَرَ الْكَرْخِيُّ، وَذَكَرَ الْفَقِيهُ أَبُو اللَّيْثِ أَنَّهُ يَقَعُ وَاحِدَةً بِالِاتِّفَاقِ لِأَنَّ الْفَاءَ لِلتَّعْقِيبِ وَهُوَ الْأَصَحُّ .

ترجمہ

اور اگر شوہر نے ''غیر مدخول بہا'' بیوی سے یہ کہا: إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ وَّاحِدَةً وَوَاحِدَةً ' اگر تم گھر میں داخل ہوئی' تو تمہیں ایک اور ایک طلاق ہے اور پھر وہ عورت گھر میں داخل ہوگئی' تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایک طلاق واقع ہوگی' جبکہ صاحبین کے نزدیک دو طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ اگر شوہر نے بیوی سے یہ کہا: أَنْتِ طَالِقٌ وَّاحِدَةً وَوَاحِدَةً إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ (تمہیں ایک اور ایک طلاق ہے' اگر تم گھر میں داخل ہوئی) اور پھر وہ عورت گھر میں داخل ہوگئی' تو تمام حضرات کے نزدیک دو طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ پہلی صورت میں صاحبین کی دلیل یہ ہے: لفظ ''و'' مطلق طور پر جمع کے لئے استعمال ہوتا ہے اس لیے دونوں ایک ساتھ واقع ہو جائیں گی' جیسا کہ مرد نے دو طلاقوں کا لفظ استعمال کیا ہو' یا شرط کو موخر کر دیا ہو۔ امام ابوحنیفہ نے یہ بات بیان کی ہے: مطلق جمع میں ایک دوسرے کے ساتھ ملنے کا بھی احتمال ہوتا ہے اور ترتیب کا بھی احتمال ہوتا ہے' تو اگر پہلا معنی مراد لیا جائے' تو دو واقع ہوں گی' اور اگر دوسرا معنی مراد لیا جائے' یعنی ترتیب کا لحاظ کیا جائے' تو ایک ہی واقع ہوگی' جیسے اگر مرد نے شرط کا ذکر ہی نہ کیا ہوتا اور صرف یہ کہا ہوتا: تمہیں ایک اور ایک طلاق ہے' تو آپ کے نزدیک بھی شک کی بنیاد پر ایک سے زیادہ طلاق نہ ہوتی۔ تاہم جب شرط کو موخر کر دیا جائے' تو حکم اس سے مختلف ہوگا' کیونکہ شرط کو موخر کرنے کے نتیجے میں کلام کے آغاز میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے' اور کلام کا آغاز شرط پر موقوف ہو جاتا ہے' اس لیے دونوں طلاقیں ایک ساتھ واقع ہو جائیں گی' لیکن جب شرط کا ذکر پہلے کیا گیا

ہوتو کلام کے آغاز میں تغیر پیدا نہیں ہوتا اور موقوف ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر حرف ''ف'' کے ذریعے عطف کیا جائے تو امام کرخی کے مطابق تینوں حضرات کے درمیان اسی طرح اختلاف ہوگا' لیکن فقیہہ ابواللیث کے بیان کے مطابق' تمام فقہاء کا اتفاق ہے ایک ہی طلاق واقع ہوگی' کیونکہ ''ف'' ''تعقیب'' کے لئے استعمال ہوتا ہے اور یہی دلیل زیادہ درست ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھے ایک طلاق ہے اور ایک اگر گھر میں گئی تو گھر میں جانے پر دو ہونگی اور اگر یوں کہا کہ اگر تو گھر میں گئی تو تجھے ایک طلاق ہے اور ایک تو ایک ہوگی اور موطؤہ میں بہر حال دو ہونگی۔ (درمختار، ج ۴، ص ۵۰۹، بیروت)

وجود شرط وقوع طلاق کو مستلزم ہے

اسی شرط پر طلاق دینے کا بیان یہ تو ضابطہ ہے کہ اگر کسی چیز کو کسی شرط پر معلق کردے تو شرط پائے جانے پر اس شئی (مشروط) کا وجود ہوجائے گا جیسے اگر سورج نکل جائے تو روشنی ہوگی اب جیسے سورج نکلے گا تو روشنی خود بخود ہوجائے گی۔ حوالہا اسی طرح طلاق کے باب میں بھی کوئی شخص طلاق کو کسی شرط پر معلق کردے تو اس شرط کے پائے جاتے ہی طلاق واقع ہوجائے گی جیسے کسی نے اجنبی عورت سے کہا، اگر تجھ سے میرا نکاح ہوا تو تجھے طلاق ہے، چند دنوں بعد دونوں میں نکاح ہوا تو نکاح ہوتے ہی طلاق فوراً واقع ہوجائے گی۔

عن عبد الله بن عمر أنه كان يقول :إذا قال الرجل :إذا نكحت فلانة فهي طالق فهي طالق فهي كذلك إذا نكحها وإذا كان طلقها واحدة أو اثنتين أو ثلاثا فهو كما قال

(مؤطا محمد،باب الرجل يقول إذا نكحت فلانة فهي طالق،حديث نمبر(۵۶۳)

جب طلاق کے ساتھ کوئی عدد یا وصف مذکور ہو تو اُس عدد یا وصف کے ذکر کرنے کے بعد واقع ہوگی صرف طلاق سے واقع نہ ہوگی مثلاً لفظ طلاق کہا اور عدد یا وصف کے بولنے سے پہلے عورت مرگئی تو طلاق نہ ہوئی اور اگر عدد یا وصف بولنے سے پہلے شوہر مرگیا یا کسی نے اُس کا منہ بند کردیا تو ایک واقع ہوگی کہ جب شوہر مرگیا تو ذکر نہ پایا گیا صرف ارادہ پایا گیا اور صرف ارادہ ناکافی ہے اور مونھ بند کردینے کی صورت میں اگر ہاتھ ہٹاتے ہی اُسنے فوراً عدد یا وصف کو ذکر کردیا تو اسکے موافق ہوگی ورنہ وہی ایک۔

صفتی طلاق معلق میں عطف کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر شوہر نے طلاق کو معلق کیا ہو اور طلاق کے الفاظ کے ساتھ اس کی صفت بھی ذکر کی ہو اور وہ صفت عدد کے ہمراہ ذکر کی ہو اور پھر دو اعداد کے درمیان حرف عطف ''و'' استعمال کیا ہو' تو اس بارے میں کیا حکم ہوگا۔ اس کی مثال مصنف نے یہ دی ہے' جیسے شوہر نے بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے یہ الفاظ استعمال کیے۔

ان دخلت الدار فانت طالق واحدۃ وواحدۃ (اگر تم گھر میں داخل ہوئی تو تمہیں طلاق ہے ایک اور ایک)۔

پھر وہ عورت گھر میں داخل ہو جائے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس عورت کو ایک طلاق ہو گی جبکہ صاحبین رحمہما اللہ اس بات کے قائل ہیں: اس عورت کو دو طلاقیں ہوں گی۔ یہاں مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے: اگر شوہر نے یہ الفاظ استعمال کیے ہوں: انت طالق واحدۃ وواحدۃ ان دخلت الدار۔

یعنی اس نے طلاق کے ہونے کا ذکر پہلے کیا ہو اور شرط کا ذکر بعد میں کیا ہو تو اس بات پر تمام فقہاء کے درمیان اتفاق پایا جاتا ہے کہ اس صورت میں عورت کو دو طلاقیں ہو جائیں گی۔

یعنی دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے: طلاق کو جس چیز کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے اگر اس کا ذکر پہلے کیا گیا ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایک طلاق ہو گی اور اگر اس کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک دو طلاقیں ہوں گی۔

صاحبین رحمہما اللہ نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل نقل کی ہے: شوہر نے لفظ واحدۃ اور دوسرے لفظ واحدۃ کے درمیان حرف ''و'' ذکر کیا ہے اور یہ جمع کا مفہوم پیدا کرنے کے لئے آتا ہے اور یہ مطلق طور پر اس مفہوم میں استعمال ہوتا ہے لہٰذا پہلے لفظ واحدۃ اور دوسرے لفظ واحدۃ کے ذریعے ایک ایک طلاقیں ایک ساتھ واقع ہوں گی یعنی دو طلاقیں ایک ساتھ واقع ہو جائیں گی یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے شوہر نے یہ الفاظ استعمال کیے ہوں تمہیں دو طلاقیں ہیں۔

یہاں یہ بات یاد رہے: مصنف اس عورت کا ذکر کر رہے ہیں جس کے ساتھ مرد نے صحبت نہ کی ہو اس کی دلیل یہ ہے: ایسی عورت کو اگر ایک طلاق دی جائے تو وہ اس ایک طلاق کے ذریعے بائنہ ہو جاتی ہے اور ایسی عورت پر کوئی عدت نہیں ہوتی لہٰذا ایک طلاق واقع ہونے کے ساتھ ہی وہ دوسری طلاق کا محل نہیں رہتی ہے۔

لیکن اگر ایسی عورت کو بیک وقت ایک ہی لفظ کے ذریعے دو یا تین طلاقیں دیدی جائیں تو وہ دونوں یا تینوں واقع ہو جاتی ہیں۔ امام ابوحنیفہ نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ بات نقل کی ہے: اگرچہ لفظ ''و'' مطلق طور پر جمع کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن اس میں دو احتمالات موجود ہوتے ہیں یا تو یہ متصل ہونے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہو یا یہ ترتیب کے لئے استعمال کیا گیا ہو اگر اسے متصل ہونے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہو تو پھر دونوں طلاقیں ایک ساتھ واقع ہوں گی لیکن اگر یہ ترتیب کا مفہوم ادا کرنے کے لئے استعمال کیا جائے تو اس صورت میں پہلی طلاق واقع ہونے کے ساتھ ہی عورت دوسری طلاق کا محل نہیں رہے گی لہٰذا ایک طلاق واقع ہو گی۔

امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں: جب شوہر نے شرط کا ذکر موخر کر دیا ہو تو اب اس شرط نے ابتدائے کلام کو تبدیل کر دیا ہے اور ابتدائے کلام اس شرط پر موقوف ہو گا لہٰذا جب یہ شرط پائی جائے گی تو ابتدائے کلام ایک ساتھ پایا جائے گا۔

لیکن جب شوہر نے شرط کا ذکر پہلے کیا تھا تو اس صورت میں اس شرط کو تبدیل کرنے والی کوئی چیز نہیں تھی تو لہٰذا

ابتدائے کلام شرط پر موقوف نہیں تھا۔ یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر شوہر نے اپنے الفاظ میں حرف عطف کے لئے ''و'' کی بجائے حرف ''ف'' استعمال کیا ہو تو اس بارے میں کیا حکم ہوگا۔

امام کرخی کے بیان کے مطابق اس بارے میں آئمہ کے درمیان یہی اختلاف پایا جاتا ہے یعنی امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگر شرط کا ذکر پہلے کیا گیا ہو تو ایک طلاق ہوگی اور اگر بعد میں کیا گیا ہو تو دو طلاقیں ہو جائیں گی جبکہ صاحبین علیہما الرحمہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں دو طلاقیں واقع ہوں گی۔

طلاق کنایہ کا فقہی مفہوم

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ کنایہ طلاق وہ الفاظ ہیں جن سے طلاق مراد ہونا ظاہر نہ ہو طلاق کے علاوہ اور معنوں میں بھی اُن کا استعمال ہوتا ہو۔ کنایہ سے طلاق واقع ہونے میں یہ شرط ہے کہ نیت طلاق ہو یا حالت بتاتی ہو کہ طلاق مراد ہے یعنی پیشتر طلاق کا ذکر تھا یا غصہ میں کہا۔ کنایہ کے الفاظ تین طرح کے ہیں۔ بعض میں سوال رد کرنے کا احتمال ہے، بعض میں گالی کا احتمال ہے اور بعض میں نہ یہ ہے نہ وہ، بلکہ جواب کے لیے متعین ہیں۔ اگر رد کا احتمال ہے تو مطلقاً ہر حال میں نیت کی حاجت ہے بغیر نیت طلاق نہیں اور جن میں گالی کا احتمال ہے اُن سے طلاق ہونا خوشی اور غضب میں نیت پر موقوف ہے اور طلاق کا ذکر تھا تو نیت کی ضرورت نہیں اور تیسری صورت یعنی جو فقط جواب ہو تو خوشی میں نیت ضروری ہے اور غضب و مذاکرہ کے وقت بغیر نیت بھی طلاق واقع ہے۔ (درمختار، کتاب طلاق)

اسمائے کنایہ کی تعریف:

وہ اسماء جو کسی چیز پر اشارۃً دلالت کریں۔ ان کو اسمائے کنایہ کہا جاتا ہے۔ اسمائے کنایہ کی دو قسمیں ہیں

(۱)۔ عدد مبہم کیلئے استعمال ہونے والے (۲)۔ مبہم بات کیلئے استعمال ہونے والے

()۔ عدد مبہم کیلئے استعمال ہونے والے اسمائے کنایات

وہ اسمائے کنایہ جو عدد مبہم سے کنایہ کرنے کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔ وہ تین ہیں۔

(۱)۔ کَمْ۔ (۲) کَذَا۔ (۳) کَأَیِّنْ

لفظ کنایہ، کم کا بیان

اس کی دو قسمیں ہیں۔ استفہامیہ۔ خبریہ

کم استفہامیہ کی تعریف

وہ کم جس کے ذریعے کسی عدد کے بارے میں سوال کیا جائے۔ جیسے کَمْ رَجُلاً عِنْدَكَ؟ (تیرے پاس کتنے آدمی ہیں؟

کم خبریہ کی تعریف

وہ کم جس کے ذریعے کسی عدد کے بارے میں خبر دی جائے جیسے کَمْ کُتُبٍ دَرَسْتُ (میں نے بہت سی کتابیں پڑھیں)

فائدہ: کم کے بعد آنیوالا اسم تمیز کہلاتا ہے۔ کم استفہامیہ اور کم خبریہ کی تمیز کے اعراب

کم استفہامیہ کی تمیز کے اعراب:

کم استفہامیہ کی تمیز مفرد اور منصوب ہوتی ہے۔ جیسے کَمْ رَجُلاً ضَرَبْتَ؟ (تو نے کتنے آدمیوں کو مارا؟

فائدہ: کم استفہامیہ کی تمیز کو کسی قرینے کے پائے جانے کی صورت میں حذف کرنا بھی جائز ہے۔ جیسے کَمْ مَالُكَ؟ اصل میں کَمْ دِرْهَمًا مَالُكَ؟ تھا یعنی (تیرا مال کتنے درھم ہے؟) یہاں پر قرینہ یہ ہے کہ کم استفہامیہ کے بعد اس کی تمیز منصوب آتی ہے جو کہ یہاں نہیں ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ اس کی تمیز محذوف ہے۔

کم خبریہ کی تمیز کے اعراب:

اس کی تمیز نکرہ اور مجرور ہوتی ہے، کبھی تو مضاف الیہ ہونے کی دلیل سے مجرور ہوگی اور کبھی حرف جر مِنْ کی دلیل سے۔ جیسے کَمْ کِتَابٍ رَأَيْتُ (میں نے بہت سی کتابیں دیکھیں) اور کَمْ مِنْ کِتَابٍ رَأَيْتُ (میں نے بہت سی کتابیں دیکھیں)

فائدہ: کم خبریہ کی تمیز مفرد اور جمع دونوں طرح آسکتی ہے۔ جیسے کَمْ عِلْمٍ تَعَلَّمْتُ، کَمْ عُلُوْمٍ تَعَلَّمْتُ۔

کم استفہامیہ اور کم خبریہ کی پہچان کا طریقہ

کم استفہامیہ کی پہچان کا طریقہ:۔ اس کی تمیز منصوب ہوگی۔۔ اس کے ذریعے سوال کیا گیا ہوگا۔۔ اس کے بعد اکثر مخاطب کا صیغہ یا مخاطب کی ضمیر آتی ہے۔

کم خبریہ کی پہچان کا طریقہ: اس کی تمیز مجرور ہوگی۔۔ اس کے ذریعے کوئی خبر دی گئی ہوگی۔۔ اس کے بعد اکثر متکلم کا صیغہ یا متکلم کی ضمیر آتی ہے۔

لفظ کنایہ کذا کا بیان

یہ عدد کثیر اور قلیل دونوں سے کنایہ کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے زُرْتُ کَذَا عَالِمًا (میں نے اتنے عالموں کی زیارت کی)۔ کذا کی تمیز کے اعراب یہ ہے کہ کذا کی تمیز ہمیشہ مفرد منصوب ہوتی ہے۔

فائدہ: کَذَا اکیلا بھی استعمال ہوتا ہے اور کبھی تکرار کیساتھ بھی۔ جیسے ضَرَبْتُ کَذَا وَکَذَا رَجُلاً (میں نے اتنے اتنے مردوں کو مارا)۔ فائدہ:۔ کَذَا کا ابتدائے کلام میں آنا ضروری نہیں۔

لفظ کنایہ کاین کا بیان

اس کے ذریعے عدد کثیر کے بارے میں خبر دی جاتی ہے۔

کَاَیِّنْ کی تمیز کے اعراب: اس کی تمیز مفرد اور حرف جار مِنْ کے ساتھ مجرور ہوتی ہے۔جیسے کَاَیِّنْ مِن دَابَّةٍ لا تَحْمِلُ رِزْقَهَا (اور کتنے ہی ایسے جاندار ہیں جو اپنے رزق کو جمع نہیں کرتے) ۔

فائدہ: کَمْ اور کَاَیِّنْ کا ابتدائے کلام میں آنا ضروری ہے۔()۔کسی مبہم بات کے لئے استعمال ہونے والے اسمائے کنایہ وہ اسماء جو کسی مبہم بات سے کنایہ کرنے کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔وہ دو ہیں () کَیْتَ () ذَیْتَ ۔کَیْتَ وذَیْتَ کی تمیز کے اعراب: کَیْتَ وَذَیْتَ کی تمیز ہمیشہ منصوب اور مفرد ہوتی ہے۔

کَیْتَ وذَیْتَ کا استعمال: یہ دونوں واؤ عطف اور تکرار کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔جیسے قُلْتُ کَیْتَ وَذَیْتَ حَدِیْثًا ۔ (میں نے فلاں فلاں بات کی) ۔ قُلْتُ کَیْتَ وَ کَیْتَ حَدِیْثًا (میں نے فلاں فلاں بات کی) ۔ قُلْتُ ذَیْتَ وَ ذَیْتَ حَدِیْثًا (میں نے فلاں فلاں بات کی)

ترکیب: کَمْ کِتَابًا عِنْدَكَ

کَمْ ممیز کِتَابًا تمیز، ممیز تمییز ملکر مبتدا ۔عِنْدَ مضاف كَ ضمیر مضاف الیه ۔ مضاف مضاف الیه سے ملکر ثَابِتٌ کا متعلق ثَابِتٌ اسم فاعل اپنے هُوَ ضمیر فاعل اور متعلق سے ملکر خبر ۔ مبتدا خبر ملکر جمله اسمیه انشائیه ۔

ترکیب: سَمِعْتُ کَذَا وَکَذَا حَدِیْثًا

سَمِعْتُ فعل تُ ضمیر اسکا فاعل کَذَا اسم کنایه معطوف علیه واؤ عاطفه کَذَا اسم کنایه معطوف ، معطوف معطوف علیه ملکر ممیز ،حَدِیْثًا تمییز ،ممیز تمییز ملکر مفعول به ،فعل اپنے فاعل اور مفعول به سے ملکر جمله فعلیه خبریه ۔فائدہ: کَیْتَ اور ذَیْتَ کی ترکیبیں بھی کَذَا کی طرح ہیں۔

علم بیان کے مطابق کنایہ کا مفہوم

کنایہ : علم بیان کی رو سے یہ وہ کلمہ ہے، جس کے معنی مبہم اور پوشیدہ ہوں اور ان کا سمجھنا کسی قرینے کا محتاج ہو، وہ اپنے حقیقی معنوں کی بجائے مجازی معنوں میں اس طرح استعمال ہوا ہو کہ اس کے حقیقی معنی بھی مراد لیے جاسکتے ہوں۔یعنی بولنے والا ایک لفظ بول کر اس کے مجازی معنوں کی طرف اشارہ کردے گا، لیکن اس کے حقیقی معنی مراد لینا بھی غلط نہ ہوگا۔

مثلا" "بال سفید ہوگئے لیکن عادتیں نہ بدلیں"۔

یہاں مجازی معنوں میں بال سفید ہونے سے مراد بڑھاپا ہے لیکن حقیقی معنوں میں بال سفید ہونا بھی درست ہے۔بلاغت کی بحث میں تشبیہ ابتدائی صورت ہے اور استعارہ اس کی بلیغ تر صورت ہے۔اس کے بعد استعارہ اور مجاز مرسل میں بھی فرق ہے۔

استعارہ اور مجاز مرسل میں لفظ اپنے مجازی معنوں میں استعمال ہوتا ہے لیکن استعارہ میں لفظ کی حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق ہوتا ہے جب کہ مجاز مرسل میں لفظ کے حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق نہیں ہوتا۔ اسی طرح مجاز مرسل اور کنایہ میں بھی فرق ہے، کنایہ میں مفظ کے حقیقی و مجازی معنیٰ دونوں مراد لیے جاسکتے ہیں جب کہ مجاز مرسل میں حقیقی معنیٰ مرادنہیں لیے جاسکتے بلکہ مجازی معنیٰ ہی مراد لیے جائیں گے۔

طلاق کنایہ کی صورتوں کا بیان

﴿وَأَمَّا الضَّرْبُ الثَّانِيْ وَهُوَ الْكِنَايَاتُ لَا يَقَعُ بِهَا الطَّلَاقُ إِلَّا بِالنِّيَّةِ أَوْ بِدَلَالَةِ الْحَالِ﴾ لِأَنَّهَا غَيْرُ مَوْضُوعَةٍ لِلطَّلَاقِ بَلْ تَحْتَمِلُهُ وَغَيْرَهُ فَلَا بُدَّ مِنَ التَّعْيِينِ أَوْ دَلَالَتِهِ .قَالَ ﴿وَهِيَ عَلٰى ضَرْبَيْنِ :مِنْهَا ثَلَاثَةُ أَلْفَاظٍ يَقَعُ بِهَا الطَّلَاقُ الرَّجْعِيُّ وَلَا يَقَعُ بِهَا إِلَّا وَاحِدَةٌ، وَهِيَ قَوْلُهُ :اِعْتَدِّي وَاسْتَبْرِئِي رَحِمَكِ وَأَنْتِ وَاحِدَةٌ﴾ أَمَّا الْأُولٰى فَلِأَنَّهَا تَحْتَمِلُ الِاعْتِدَادَ عَنِ النِّكَاحِ وَتَحْتَمِلُ اعْتِدَادَ نِعَمِ اللّٰهِ تَعَالٰى، فَإِنْ نَوَى الْأَوَّلَ تَعَيَّنَ بِنِيَّتِهِ فَيَقْتَضِيْ طَلَاقًا سَابِقًا وَالطَّلَاقُ يُعْقِبُ الرَّجْعَةَ .

وَأَمَّا الثَّانِيَةُ فَلِأَنَّهَا تُسْتَعْمَلُ بِمَعْنَى الِاعْتِدَادِ لِأَنَّهُ تَصْرِيْحٌ بِمَا هُوَ الْمَقْصُوْدُ مِنْهُ فَكَانَ بِمَنْزِلَتِهِ وَتَحْتَمِلُ الِاسْتِبْرَاءَ لِيُطَلِّقَهَا، وَأَمَّا الثَّالِثَةُ فَلِأَنَّهَا تَحْتَمِلُ أَنْ تَكُوْنَ نَعْتًا لِمَصْدَرٍ مَحْذُوفٍ مَعْنَاهُ تَطْلِيقَةٌ وَاحِدَةٌ، فَإِذَا نَوَاهُ جُعِلَ كَأَنَّهُ قَالَهُ، وَالطَّلَاقُ يُعْقِبُ الرَّجْعَةَ، وَيَحْتَمِلُ غَيْرَهُ وَهُوَ أَنْ تَكُوْنَ وَاحِدَةً عِنْدَهُ أَوْ عِنْدَ قَوْمِهِ، وَلَمَّا احْتَمَلَتْ هٰذِهِ الْأَلْفَاظُ الطَّلَاقَ وَغَيْرَهُ تَحْتَاجُ فِيهِ إِلَى النِّيَّةِ وَلَا تَقَعُ إِلَّا وَاحِدَةٌ لِأَنَّ قَوْلَهُ :أَنْتِ طَالِقٌ فِيْهَا مُقْتَضًى أَوْ مُضْمَرٌ، وَلَوْ كَانَ مُظْهَرًا لَا تَقَعُ بِهَا إِلَّا وَاحِدَةٌ، فَإِذَا كَانَ مُضْمَرًا أَوْلٰى، وَفِيْ قَوْلِهِ وَاحِدَةٌ وَإِنْ صَارَ الْمَصْدَرُ مَذْكُورًا لٰكِنَّ التَّنْصِيصَ عَلَى الْوَاحِدَةِ يُنَافِيْ نِيَّةَ الثَّلَاثِ، وَلَا مُعْتَبَرَ بِإِعْرَابِ الْوَاحِدَةِ عِنْدَ عَامَّةِ الْمَشَايِخِ هُوَ الصَّحِيْحُ لِأَنَّ الْعَوَامَّ لَا يُمَيِّزُوْنَ بَيْنَ وُجُوْهِ الْإِعْرَابِ .

ترجمہ

اور جہاں تک دوسری قسم کا تعلق ہے تو وہ کنایات ہیں اور ان کے ذریعے طلاق اسی وقت واقع ہوتی ہے۔ جب نیت موجود ہو' یا قرائن سے یہ بات ثابت ہو'اس کی دلیل یہ ہے: یہ الفاظ طلاق کے لئے وضع نہیں کیے گئے ہیں' بلکہ یہ طلاق کا بھی احتمال رکھتے ہیں

اور دوسرے مفہوم کا بھی احتمال رکھتے ہیں، تو اس لیے یہ متعین کرنا ضروری ہوگا یا دلالت حال ضروری ہوگی۔ فرماتے ہیں: کنایات کی دو قسمیں ہیں: ان میں سے تین الفاظ ایسے ہیں، جن کے ذریعے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے، اور وہ بھی صرف ایک واقع ہوتی ہے۔ وہ الفاظ یہ ہیں: (تم عدت گزارو)، (تم استبراء رحم کرو)، (تم ایک ہو) جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے: تو اس کی دلیل یہ ہے: لفظ اعتدی کا مطلب، نکاح کا شمار بھی ہوسکتا ہے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار بھی ہوسکتا ہے اس لیے اگر پہلے معنی کی نیت کی جائے، تو نیت کی دلیل سے یہ مفہوم متعین ہوجائے گا، تاہم ان الفاظ کے ذریعے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ طلاق پہلے ہوچکی ہے اس لیے طلاق کے بعد رجوع کی گنجائش ہوگی۔ جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے تو استبراء کے الفاظ بھی اعتداد کے مفہوم میں استعمال ہوتے ہیں، کیونکہ عدت کے ذریعے جو چیز مقصود ہوتی ہے اس کلام میں اس کی تصریح موجود ہے اس لیے یہ الفاظ بھی اعتدی کی مانند ہوں گے، اور یہاں یہ احتمال ہوسکتا ہے، ان الفاظ کے ذریعے مطلق طور پر استبراء مقصود ہوتا کہ آدمی اسے طلاق دے سکے۔ جہاں تک تیسری صورت کا تعلق ہے، تو اس میں بھی اس بات کا احتمال موجود ہے: لفظ واحدة محذوف مصدر کی صفت ہو اور انت واحدة کا مطلب یہ ہوگا، انت تطلیقة واحدة ہے، لہٰذا جب مرد طلاق کی نیت کرلے گا تو گویا کہ اس نے انت تطلیقة واحدة کہہ دیا اور ایسی طلاق کے بعد رجوع کی گنجائش ہوتی ہے۔ اس میں دوسرا احتمال یہ پایا جاتا ہے: وہ اپنے شوہر کے نزدیک یا اپنی قوم میں ایک (یعنی یکتا اور بے مثال) ہے۔

کیونکہ ان تینوں قسم کے الفاظ میں طلاق دینے اور نہ دینے دونوں کا احتمال پایا جاتا ہے، اس لیے طلاق واقع ہونے کے لئے نیت کی موجودگی ضروری ہوگی اور اس نیت کے نتیجے میں ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ کیونکہ پہلی دونوں صورتوں میں لفظ انت طالق ظاہر کے اعتبار سے موجود ہے اور تیسری صورت میں مضمر طور پر موجود ہے، کیونکہ اگر شوہر انت طالق لفظ کہہ دے، تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی، تو اگر یہ پوشیدہ ہو، تو پھر بدرجہ اولیٰ ایک ہی ہونی چاہئے۔ مرد کا لفظ واحدة اگرچہ مصدر ہے اور ذکر کیا گیا ہے، لیکن یہ ایک ہونے کے بارے میں تنصیص ہے اور یہ تین کی نیت کے منافی ہوگا۔ اس بارے میں لفظ واحدة پر پڑھے جانے والے اعراب کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ عام مشائخ اسی بات کے قائل ہیں اور یہی بات درست بھی ہے، کیونکہ عوام اعراب کی مختلف صورتوں کے درمیان تمیز نہیں کرسکتے۔

شرح

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ اور طلاق کے غیر صریح الفاظ تو اس سے طلاق کی نیت کے بغیر طلاق واقع نہیں ہوتی، یا پھر حال کی دلالت کے بغیر طلاق نہیں ہوتی۔ (المغنی ابن قدامہ (7 / 306)

کنایہ کے بعض الفاظ کا فقہی بیان

امام احمد رضا بریلوی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ () جا () نکل () چل () روانہ ہو () اوٹھ () کھڑی ہو () پردہ کر () دوپٹہ اوڑھ () نقاب ڈال (•) ہٹ سرک () جگہ چھوڑ () گھر خالی کر () دُور ہو () چل دُور () اے خالی () اے بَری () اے جُدا () تو جُدا ہے () تو مجھ سے جُدا ہے (•) میں نے تجھے بے قید کیا () میں نے تجھ سے مفارقت 3)) کی ()

رستہ ناپ() اپنی راہ لے() کالا منہ کر() چال دکھا() چلتی بن() چلتی نظر آ() دفع ہو() دال نے عین ہو(•) رفو چکر ہو() پنجرا خالی کر() ہٹ کے سڑ() اپنی صورت گما() بستر اُٹھا() اپنا سوجھتا دیکھ() اپنی گٹھری باندھ() اپنی نجاست الگ پھیلا() تشریف لیجائیے() تشریف کا ٹوکرا لیجائیے(•) جہاں سینگ سمائے جا() اپنا مانگ کھا() بہت ہو چکی اب مہربانی فرمایئے() اے بے علاقہ() منہ چھپا() جہنم میں جا() چولھے میں جا() بھاڑ میں پڑ() میرے پاس سے چل() اپنی مُراد پر فتح مند ہو(•) میں نے نکاح فسخ کیا() تو مجھ پر مثل مُردار() یا سوئریا() شراب کے ہے۔(نہ مثل بنگ۔یا افیون یا مال فلاں یا زدیل فلاں کے) () تو مثل میری ماں یا بہن یا بیٹی کے ہے(اور یوں کہا کہ تو ماں بہن بیٹی ہے تو گناہ کے سوا کچھ نہیں) () تو خلاص ہے() تیری گلو خلاصی ہوئی() تو خالص ہوئی() حلال خدایا() حلال مسلمانان یا(•) ہر حلال مجھ پر حرام() تو میرے ساتھ حرام میں ہے() میں نے تجھے تیرے ہاتھ بیچا اگر چہ کسی عوض کا ذکر نہ آئے اگر چہ عورت نے یہ نہ کہا کہ میں نے

خریدا() میں تجھ سے باز آیا() میں تجھ سے درگزرا() تو میرے کام کی نہیں() میرے مطلب کی نہیں۔میرے مصرف کی نہیں() مجھے تجھ پر کوئی راہ نہیں() کچھ قابو نہیں(•) مِلک نہیں() میں نے تیری راہ خالی کر دی() تو میری مِلک 1)) سے نکل گئی() میں نے تجھ سے خلع کیا() اپنے میکے بیٹھ() تیری باگ ڈھیلی کی() تیری رسّی چھوڑ دی() تیری لگام اُتار لی() اپنے رفیقوں سے جامل() مجھے تجھ پر کچھ اختیار نہیں(•) میں تجھ سے لا دعویٰ ہوتا ہوں() میرا تجھ پر کچھ دعویٰ نہیں() خاوند تلاش کر() میں تجھ سے جدا ہوں یا ہوا(فقط میں جدا ہوں یا ہوا کافی نہیں اگر چہ بہ نیت طلاق کہا) () میں نے تجھے جدا کر دیا() میں نے تجھ سے جدائی کی() تو خود مختار ہے() تو آزاد ہے() مجھ میں تجھ میں نکاح نہیں() مجھ میں تجھ میں نکاح باقی نہ رہا(•) میں نے تجھے تیرے گھر والوں یا() باپ یا() ماں یا() خاوندوں کو دیا یا() خود تجھ کو دیا(اور تیرے بھائی یا ماموں یا چچا یا کسی اجنبی کو دینا کہا تو کچھ نہیں) () مجھ میں تجھ میں کچھ معاملہ نہ رہا یا نہیں() میں تیرے نکاح سے بیزار ہوں() بَری ہوں() مجھ سے دُور ہو() مجھے صورت نہ دکھا(••) کنارے ہو() تو نے مجھ سے نجات پائی() الگ ہو() میں نے تیرا پاؤں کھولدیا() میں نے تجھے آزاد کیا() آزاد ہو جا() تیری بندکٹی() تو بے قید ہے() میں تجھ سے بَری ہوں() اپنا نکاح کر() جس سے چاہے نکاح کر لے() میں تجھ سے بیزار ہوا() میرے لیے تجھ پر نکاح نہیں() میں نے تیرا نکاح فسخ کیا() چاروں راہیں تجھ پر کھولدیں(اور اگر یوں کہا کہ چاروں راہیں تجھ پر کُھلی ہیں تو کچھ نہیں جب تک یہ نہ کہے کہ() جو راستہ چاہے اختیار کر) () میں تجھ سے دست بردار ہوا() میں نے تجھے تیرے گھر والوں یا باپ یا ماں کو واپس دیا() تو میری عصمت سے نکل گئی() میں نے تیری مِلک سے شرعی طور پر اپنا نام اُتار دیا(•) تو قیامت تک یا عمر بھر میرے لائق نہیں() تو مجھ سے ایسی دور ہے جیسے مکہ معظمہ مدینہ طیبہ سے یا دتی لکھنؤ سے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۱۲، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

بقیہ کنایات میں نیت کا بیان

قَالَ ﴿وَبَقِيَّةُ الْكِنَايَاتِ إِذَا نَوَى بِهَا الطَّلَاقَ كَانَتْ وَاحِدَةً بَائِنَةً، وَإِنْ نَوَى ثَلَاثًا كَانَتْ

ثَلَاثًا، وَاِنْ نَوَى ثِنْتَيْنِ كَانَتْ وَاحِدَةً، وَهٰذَا مِثْلُ قَوْلِهِ :اَنْتِ بَائِنٌ وَبَتَّةٌ وَبَتْلَةٌ وَحَرَامٌ وَحَبْلُكِ عَلٰى غَارِبِكِ وَالْحَقِي بِاَهْلِكِ وَخَلِيَّةٌ وَبَرِيَّةٌ وَوَهَبْتُكِ لِاَهْلِكِ وَسَرَّحْتُكِ وَفَارَقْتُكِ وَاَمْرُكِ بِيَدِكِ وَاخْتَارِي وَاَنْتِ حُرَّةٌ وَتَقَنَّعِي وَتَخَمَّرِي وَاسْتَتِرِي وَاغْرُبِي وَاخْرُجِي وَاذْهَبِي وَقُومِي وَابْتَغِي الْاَزْوَاجَ﴾ لِاَنَّهَا تَحْتَمِلُ الطَّلَاقَ وَغَيْرَهُ فَلَا بُدَّ مِنَ النِّيَّةِ .

قَالَ ﴿اِلَّا اَنْ يَكُونَ فِي حَالِ مُذَاكَرَةِ الطَّلَاقِ﴾ فَيَقَعُ بِهَا الطَّلَاقُ فِي الْقَضَاءِ، وَلَا يَقَعُ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللّٰهِ تَعَالٰى اِلَّا اَنْ يَنْوِيَهُ .قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ﴿سَوّٰى بَيْنَ هٰذِهِ الْاَلْفَاظِ وَقَالَ :وَلَا يُصَدَّقُ فِي الْقَضَاءِ اِذَا كَانَ فِي حَالِ مُذَاكَرَةِ الطَّلَاقِ﴾ قَالُوا ﴿وَهٰذَا فِيمَا لَا يَصْلُحُ رَدًّا﴾ وَالْجُمْلَةُ فِي ذٰلِكَ اَنَّ الْاَحْوَالَ ثَلَاثَةٌ :حَالَةٌ مُطْلَقَةٌ وَهِيَ حَالَةُ الرِّضَا، وَحَالَةُ مُذَاكَرَةِ الطَّلَاقِ، وَحَالَةُ الْغَضَبِ .

ترجمہ

اور قسم کے کنایات وہ ہیں' جب ان کے ذریعے طلاق کی نیت کی جائے' تو ایک بائنہ طلاق ہو جائے گی' اور اگر تین کی نیت کی جائے' تو تین طلاقیں ہو جائیں گی' اور اگر دو کی نیت کی ہو' تو ایک بائنہ طلاق ہو گی' ان میں یہ الفاظ شامل ہیں۔ تم بائنہ ہو' تم بتہ ہو' بتلہ' حرام' تمہاری رسی تمہاری گردن پر ہے۔ تم اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ' خالی ہونا' بری ہونا' میں نے تمہیں تمہارے گھر والوں کی نذر کیا۔ میں نے تمہیں آرام دیا' میں نے تم سے علیحدگی اختیار کی' تمہارا معاملہ تمہارے سپرد ہے' تم اختیار کر لو' تم آزاد ہو' تم دوپٹہ اوڑھ لو' تم چادر اوڑھ لو' تم استبراء کر لو' تم دور ہو جاؤ' تم نکل جاؤ' تم چلی جاؤ' تم کھڑی ہو جاؤ' تم میاں تلاش کر لو۔ ان تمام الفاظ میں طلاق دینے اور طلاق نہ دینے دونوں کا احتمال پایا جاتا ہے اس لیے نیت کی موجودگی ضروری ہو گی۔ البتہ طلاق کا مذاکرہ چل رہا ہو اور مرد ان الفاظ میں سے کوئی ایک لفظ استعمال کر لے تو قضاء کے اعتبار سے طلاق ہو جائے گی' لیکن دیانت کے اعتبار سے اسی وقت واقع ہو گی جب ایسی صورت حال میں مرد نے طلاق کی نیت کی ہو۔

مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: امام قدوری نے ان تمام الفاظ کو یکساں حیثیت کا حامل تسلیم کیا ہے حالانکہ یہ چیز ان الفاظ میں ہو سکتی ہے جن میں رد کیے جانے کا احتمال نہ ہو۔ مختصر یہ کہ حالتیں تین طرح کی ہیں: مطلق حالت' یہ رضامندی کی حالت ہوتی ہے' طلاق کے مذاکرے کی حالت اور غصے کی حالت۔

شرح

صاف لفظوں میں طلاق نہ دے بلکہ گول مول الفاظ کہے جیسے میں نے تجھ کو دور کر دیا' یا تو گھر چلی جا وغیرہ اس طرح کے

جس میں صرف کے علاوہ یہ معنی بھی نکلتے ہیں کہ میں تجھے قریب نہیں رکھوں گا دور چلی جا یا تو ایک ہفتہ کے لیے یا دو دن کے لیے اپنے میکے چلی جا وغیرہ اس کو طلاق کنایہ کہتے ہیں۔

اگر کوئی صاف لفظوں میں صرف ایک طلاق یا دو طلاق دے تو طلاق رجعی ہوا کرتی ہے۔اور اگر دخول سے پہلے یا گول مول لفظوں میں طلاق دے تو طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔اسی طرح نکاح کے بعد رخصتی یا خلوت صحیحہ (یعنی میاں بیوی میں ایسی تنہائی کہ جس میں وہ چاہیں تو صحبت کرنے سے کوئی مانع نہ ہو) سے قبل طلاق ہو جائے تو طلاق بائن واقع ہوگی اور فوراً وہ نکاح سے نکل جائے گی عدت بھی اس عورت پر نہ ہوگی۔

الفاظ کنایہ سے وقوع طلاق میں نیت کا اعتبار

یہاں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: دیگر جتنے بھی الفاظ کنایہ ہیں: ان میں اگر نیت موجود ہو تو بائنہ طلاق واقع ہوتی ہے اور ان کے بارے میں حکم یہ ہے: اگر شوہر نے ایک یا دو طلاقیں دینے کی نیت کی ہو تو ایک طلاق واقع ہوگی لیکن اگر شوہر نے تین طلاقیں دینے کی نیت کی ہو تو تینوں واقع ہو جائیں گی۔

وہ الفاظ جن کے ذریعے بائنہ طلاق واقع ہو جاتی ہے اور کنایہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں ان کا ذکر مصنف نے عبارت میں کیا ہے جس کا ترجمہ دیکھا جا سکتا ہے۔

یہاں بھی مصنف نے وضاحت کی ہے: ان الفاظ کے ذریعے کیونکہ طلاق کا مفہوم بھی مراد لیا جا سکتا ہے اور غیر طلاق کا مفہوم بھی مراد لیا جا سکتا ہے اس لیے طلاق واقع ہونے کے لئے نیت کی موجودگی شرط ہوگی۔

یہاں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: کنایہ کے طور پر طلاق کے لئے استعمال ہونے والے الفاظ کے ذریعے طلاق اس وقت ثابت ہوتی ہے جب شوہر کی نیت ہو یا کلام کے دوران صورتحال ایسی ہو جس سے یہ ظاہر ہو جائے کہ یہاں اس لفظ کے ذریعے طلاق کا مفہوم مراد لیا گیا ہے اور جب حالت ایسی ہو تو قضاء میں اس لفظ کے مطابق طلاق کا فیصلہ کر دیا جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان معاملے کے اعتبار سے طلاق کا حکم صرف اسی وقت دیا جا سکتا ہے جب مرد کی نیت موجود ہو۔

یہاں مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے: جب میاں بیوی کے درمیان اس طرح کی صورتحال ہو کہ جہاں لفظ بول کر طلاق کا معنی لیا جا سکتا ہو تو کنایہ کے طور پر استعمال ہونے والے ان تمام الفاظ کا حکم یکساں ہوگا یعنی ان سے یکساں طور پر طلاق کا مفہوم مراد لیا جا سکتا ہے لیکن یہ حکم ان الفاظ کے لئے ہونا چاہیے جو رد کیے جانے کے قابل نہیں ہوتے۔

کنایات کی تین بنیادی اقسام کی وضاحت کا بیان

وَالْكِنَايَاتُ ثَلَاثَةُ اَقْسَامٍ :مَا يَصْلُحُ جَوَابًا وَرَدًّا، وَمَا يَصْلُحُ جَوَابًا لَا رَدًّا، وَمَا يَصْلُحُ

جَوَابًا وَسَبًّا وَشَتِيمَةً . فَفِيْ حَالَةِ الرِّضَا لَا يَكُوْنُ شَيْءٌ مِنْهَا طَلَاقًا اِلَّا بِالنِّيَّةِ، فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ فِيْ اِنْكَارِ النِّيَّةِ لِمَا قُلْنَا، وَفِيْ حَالَةِ مُذَاكَرَةِ الطَّلَاقِ لَا يُصَدَّقُ فِيْمَا يَصْلُحُ جَوَابًا، وَلَا يَصْلُحُ رَدًّا فِي الْقَضَاءِ مِثْلُ قَوْلِهِ خَلِيَّةٌ بَرِيَّةٌ بَائِنٌ بَتَّةٌ حَرَامٌ اعْتَدِّي اَمْرُكِ بِيَدِكِ اخْتَارِي ؛ لِاَنَّ الظَّاهِرَ اَنَّ مُرَادَهُ الطَّلَاقُ عِنْدَ سُؤَالِ الطَّلَاقِ، وَيُصَدَّقُ فِيْمَا يَصْلُحُ جَوَابًا وَرَدًّا مِثْلُ قَوْلِهِ : اِذْهَبِيْ اُخْرُجِي قُوْمِي تَقَنَّعِيْ تَخَمَّرِي وَمَا يَجْرِي هٰذَا الْمَجْرٰى لِاَنَّهُ يَحْتَمِلُ الرَّدَّ وَهُوَ الْاَدْنٰى فَحُمِلَ عَلَيْهِ .

وَفِيْ حَالَةِ الْغَضَبِ يُصَدَّقُ فِيْ جَمِيْعِ ذٰلِكَ لِاحْتِمَالِ الرَّدِّ وَالسَّبِّ، اِلَّا فِيْمَا يَصْلُحُ لِلطَّلَاقِ وَلَا يَصْلُحُ لِلرَّدِّ وَالشَّتْمِ كَقَوْلِهِ : اعْتَدِّي وَاخْتَارِي وَاَمْرُكِ بِيَدِكِ فَاِنَّهُ لَا يُصَدَّقُ فِيْهَا لِاَنَّ الْغَضَبَ يَدُلُّ عَلٰى اِرَادَةِ الطَّلَاقِ . وَعَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ فِيْ قَوْلِهِ : لَا مِلْكَ لِي عَلَيْكِ وَلَا سَبِيلَ لِي عَلَيْكِ وَخَلَّيْتُ سَبِيلَكِ وَفَارَقْتُكِ، اَنَّهُ يُصَدَّقُ فِيْ حَالَةِ الْغَضَبِ لِمَا فِيْهَا مِنْ احْتِمَالِ مَعْنَى السَّبِّ . ثُمَّ وُقُوْعُ الْبَائِنِ بِمَا سِوَى الثَّلَاثَةِ الْاُوَلِ مَذْهَبُنَا . وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : يَقَعُ بِهَا رَجْعِيًّا لِاَنَّ الْوَاقِعَ بِهَا طَلَاقٌ، لِاَنَّهَا كِنَايَاتٌ عَنْ الطَّلَاقِ وَلِهٰذَا تُشْتَرَطُ النِّيَّةُ وَيُنْتَقَصُ بِهِ الْعَدَدُ، وَالطَّلَاقُ مُعْقِبٌ لِلرَّجْعَةِ كَالصَّرِيْحِ .

وَلَنَا اَنَّ تَصَرُّفَ الْاِبَانَةِ صَدَرَ مِنْ اَهْلِهِ مُضَافًا اِلَى مَحِلِّهِ عَنْ وِلَايَةٍ شَرْعِيَّةٍ، وَلَا خَفَاءَ فِي الْاَهْلِيَّةِ وَالْمَحَلِّيَّةِ، وَالدَّلَالَةُ عَلَى الْوِلَايَةِ اَنَّ الْحَاجَةَ مَاسَّةٌ اِلَى اِثْبَاتِهَا كَيْ لَا يَنْسَدَّ عَلَيْهِ بَابُ التَّدَارُكِ وَلَا يَقَعُ فِيْ عُهْدَتِهَا بِالْمُرَاجَعَةِ مِنْ غَيْرِ قَصْدٍ، وَلَيْسَتْ كِنَايَاتٍ عَلَى التَّحْقِيقِ لِاَنَّهَا عَوَامِلُ فِيْ حَقَائِقِهَا، وَالشَّرْطُ تَعْيِيْنُ اَحَدِ نَوْعَيِ الْبَيْنُوْنَةِ دُوْنَ الطَّلَاقِ، وَانْتِقَاصُ الْعَدَدِ لِثُبُوْتِ الطَّلَاقِ بِنَاءً عَلٰى زَوَالِ الْوُصْلَةِ، وَاِنَّمَا تَصِحُّ نِيَّةُ الثَّلَاثِ فِيْهَا لِتَنَوُّعِ الْبَيْنُوْنَةِ اِلَى غَلِيظَةٍ وَخَفِيفَةٍ، وَعِنْدَ انْعِدَامِ النِّيَّةِ يَثْبُتُ الْاَدْنٰى، وَلَا تَصِحُّ نِيَّةُ الْاِثْنَتَيْنِ عِنْدَنَا خِلَافًا لِزُفَرَ لِاَنَّهُ عَدَدٌ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ مِنْ قَبْلُ .

ترجمہ

اور کنایات کی بھی تین قسمیں ہیں: جو جواب اور ردّ دونوں کی صلاحیت رکھتے ہوں، جو جواب بن سکتے ہوں لیکن ردّ نہ بن سکتے

ہوں اور جو جواب بھی بن سکتے ہوں اور رد بھی بن سکتے ہوں۔ رضامندی کی حالت میں ان میں سے کسی بھی لفظ کے ذریعے طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر مرد نیت کا انکار کر دیتا ہے تو اس کی بات درست تسلیم کی جائے گی اس کی دلیل ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

طلاق کے مذاکرے کی حالت میں مرد کی اس چیز کے بارے میں تصدیق نہیں کی جائے گی جو چیز جواب بن سکتی ہو اور ردنہ بن سکتی ہو اور یہ حکم قضاء کے اعتبار سے ہوگا جیسے یہ الفاظ ہیں:

خَلِيَّةٌ بَرِيَّةٌ بَائِنٌ بَتَّةٌ حَرَامٌ اعْتَدِّي أَمْرُكِ بِيَدِكِ اخْتَارِي .

اس کی دلیل یہ ہے: بظاہر تو ان سے مراد طلاق ہی ہے جب طلاق کا مطالبہ کیا گیا ہو۔ جو چیز جواب اور رد دونوں کی صلاحیت رکھتی ہو اس کے بارے میں مرد کی تصدیق کی جائے گی جیسے اس کے یہ الفاظ ہیں (تم چلی جاؤ تم نکل جاؤ تم اٹھ کھڑی ہو تم دوپٹہ اوڑھ لو تم چادر لے لو) یا اس نوعیت کے دیگر الفاظ کیونکہ یہ رد کا بھی احتمال رکھتے ہیں اور کیونکہ یہ کمتر حیثیت رکھتا ہے اس لیے ان الفاظ کو اسی مفہوم پر محمول کیا جائے گا۔ جہاں تک غضب کی حالت کا تعلق ہے تو اس میں ان تمام الفاظ کے بارے میں مرد کی بات کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ یہاں رد کرنے اور گالی دینے دونوں کا احتمال موجود ہے۔ البتہ وہ الفاظ جن میں صرف طلاق کا مفہوم پایا جاتا ہے رد اور جواب کا مفہوم نہیں پایا جاتا جیسے (تم گنتی کرلو تم اختیار کرلو تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے وغیرہ) تو غصے کی حالت طلاق کے ارادے پر ہی دلالت کرتی ہے۔

امام ابو یوسف نے یہ بات بیان کی ہے: یہ الفاظ: تم پر میری کوئی ملکیت نہیں ہے میں نے تمہارا راستہ خالی کر دیا ہے میں نے تم سے علیحدگی اختیار کی وغیرہ میں غضب کی حالت میں مرد کی بات تسلیم کی جائے گی کیونکہ یہ الفاظ طلاق کا احتمال رکھتے ہیں۔ پہلے تین کے علاوہ میں بائن طلاق کا واقع ہونا احناف کے نزدیک طے شدہ ہے۔ امام شافعی نے یہ بات بیان کی ہے: ایسی صورت میں طلاق رجعی واقع ہوگی کیونکہ ان الفاظ میں طلاق کا کنایہ موجود ہے اس لیے نیت کرنا شرط ہوگا اور اس سے عدد کو کم بھی کیا جاسکتا ہے اور ایسی طلاق کے ذریعے اسی طرح رجوع کیا جاسکتا ہے جیسے صریح الفاظ استعمال کرنے کے نتیجے میں رجوع کیا جاسکتا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں: علیحدگی کے بارے میں تصرف اس شخص کی طرف سے واقع ہوا ہے جو اس کا اہل ہے اور علیحدگی کی نسبت بھی اسی شخص کی طرف ہوئی ہے جو اس کا محل ہے اور شریعت نے مرد کو طلاق بائنہ دینے کا اختیار بھی دیا ہے اس لیے مذکورہ بالا صورتوں میں اہلیت محلیت اور ولایت میں کوئی پوشیدگی نہیں ہے اور ولایت کو ثابت کرنے کی ضرورت بھی ہے۔ طلاق کے کنایات حقیقی نہیں ہوتے کیونکہ یہ اپنے حقیقی معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ نیت کو اس لیے شرط قرار دیا گیا ہے تاکہ اس علیحدگی کی دو قسموں میں سے کسی ایک کا تعین ہو سکے۔ اس کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ طلاق کے لئے نیت شرط ہوتی ہے۔ عدد میں کمی اس لیے ہوتی ہے کہ تعلق کو توڑ دینے کے نتیجے میں طلاق کا ثبوت ہوتا ہے۔ تین کی نیت اس لیے درست ہے کیونکہ بینونت کی دو قسمیں ہیں۔ خفیفہ اور غلیظہ اور جب کوئی نیت نہ ہو تو اس صورت میں بینونت خفیفہ ہی ثابت ہوگی۔ ہمارے نزدیک دو کی نیت کرنا درست نہیں ہے البتہ امام زفر کی دلیل مختلف ہے کیونکہ دو ایک عدد ہے اس پر گفتگو پہلے کی جاچکی ہے۔

خلیہ بریہ کے مشابہات سے طلاق کا بیان

حضرت عمر بن خطاب کے پاس خط لکھا ہوا آیا کہ ایک شخص نے اپنی عورت سے کہا حبلك على غاربك حضرت عمر خطاب نے لکھا اس شخص سے کہہ دینا کہ حج کے موسم میں مکہ میں مجھ سے ملے حضرت عمر کعبہ کا طواف کر رہے تھے ایک شخص ملا اور سلام کیا پوچھا تم کون ہے آپ نے فرمایا میں وہی شخص ہوں جس نے تم نے حکم کیا تھا مکہ میں ملنے کا حضرت عمر نے کہا قسم ہے تجھ کو اس گھر کے رب کی حبلك على غاربك سے تیری کیا مراد تھی وہ بولا اے امیر المومنین اگر تم مجھ کو کسی اور جگہ کی قسم دیتے تو میں سچ نہ کہتا اب سچ کہتا ہوں کہ میری نیت چھوڑ دینے کی تھی حضرت عمر نے فرمایا جیسے تو نے نیت کی ویسا ہی ہوا۔

(موطا امام مالک علیہ الرحمہ: جلد اول: حدیث نمبر 1034)

قاسم بن محمد سے روایت ہے کہ ایک شخص کے نکاح میں ایک لونڈی تھی اس نے لونڈی کے مالکوں سے کہہ دیا تم جانو تمہارا کام جانے لوگوں نے اس کو ایک طلاق سمجھا۔ ابن شہاب کہتے تھے اگر مرد عورت سے کہے میں تجھ سے بری ہوا اور تو مجھ سے بری ہوئی تو تین طلاقیں پڑیں گی مثل بتہ کے کہا مالک نے اگر کوئی شخص اپنی عورت کو کہے تو خلیہ ہے یا بریہ ہے یا بائنہ ہے تو اگر اس عورت سے صحبت کر چکا ہے تین طلاق پڑیں گی اور اگر صحبت نہیں کی تو اس کی نیت کے موافق پڑے گی اگر اس نے کہا میں نے ایک کی نیت کی تھی تو حلف لے کر اس کو سچا سمجھیں گے مگر وہ عورت ایک ہی طلاق میں بائن ہو جائے گی اب رجعت نہیں کر سکتا البتہ نکاح نئے سرے سے کر سکتا ہے کیونکہ جس عورت سے صحبت نہ کی ہو وہ ایک ہی طلاق میں بائن ہو جاتی ہے جس سے صحبت کر چکا اور وہ تین طلاق میں بائن ہوتی ہے۔ کہا مالک نے یہ روایت مجھے بہت پسند ہے۔ (موطا امام مالک علیہ الرحمہ: جلد اول: حدیث نمبر 1037)

عدم نیت کی صورت میں کنایہ سے طلاق نہ ہونے کا فقہی بیان

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ کنایہ پہلے ہو تو اس سے کوئی طلاق نہ ہوگی جبکہ نیتِ طلاق نہ ہو، کیونکہ ایسی صورت میں نیت اور دلالت دونوں نہ پائے گئے، اور دلالت اگرچہ ہے مگر بعد میں ہے جو کہ قرینہ نہیں بن سکتی اقول (میں کہتا ہوں) خیریہ میں جو مذکور ہے وُہ محیط سے منقول کے کچھ خلاف ہے جبکہ ظاہر وہی ہے جو محیط میں ہے، خانیہ کی عبارت یوں ہے کہ کنایہ وُہ جو طلاق کا احتمال رکھے اور صراحۃً طلاق مذکور نہ ہوا۔ جبکہ اس کا معنٰی یہ ہے کہ طلاق میں نص نہ ہو، یہ کیونکر نہ ہو جبکہ انہوں نے خانیہ میں فرمایا کہ اگر خاوند بیوی کو کہے "تو طلاق والی ہے پس تُو عدت پوری کر" اور پھر کہے کہ میں نے فاعتدی (پس تُو عدت پوری کر) سے عدت مراد لی ہے، تو اس کی نیت صحیح ہوگی اور اگر کہے کہ میں نے اس سے دوسری طلاق مراد لی ہے یا کہے کہ میں نے کوئی نیت نہیں کی، تو یہ دوسری طلاق شمار ہوگی، اور یونہی اگر "و" عطف کے ساتھ یا بغیر عطف واعتدی اور اعتدی کہے تو بھی یہی حکم ہے، تو یہاں اس بیان میں انہوں نے "اعتدی" کے کنایہ سے نیت کے ساتھ دوسری طلاق باوجودیکہ اس سے پہلے صریح طلاق مذکور ہے، واقع ہونا تسلیم کیا ہے، تو بلاشک کنایہ میں نیت کی ضرورت نہ ہوگی جہاں صریح طلاق پہلے مذکور ہوتا کہ وُہ مذاکرہ طلاق بن

سکے،اس کے برخلاف جوہم بیان کر رہے ہیں اس میں کنایہ پہلے اور صریح بعد میں ہے لہٰذا وہ "تو جدا ہو تجھے طلاق ہے " کی طرح ہے۔(ردمحتار، ج۲،ص۴۶۴، بیروت)

دلالت ونیت کا عدم سبب عدم وقوع طلاق ہے

اس کی وضاحت مصنف نے یہ کی ہے: حالت تین طرح کی ہوسکتی ہے۔1-وہ حالت جو مطلق ہو یعنی جس میں رضامندی کا مفہوم پایا جاتا ہو۔2-وہ حالت جس میں طلاق کا مذاکرہ اور گفتگو اور بات چیت چلی رہی ہو۔3-غضب یعنی غصے کی حالت اور اس دوران بھی طلاق کے مفہوم کو ترجیح حاصل ہونی چاہیے۔

اسی طرح طلاق کے لئے کنایہ کے طور پر استعمال ہونے والے الفاظ کی بھی تین قسمیں ہوں گی۔وہ الفاظ جو جواب دینے اور رد کرنے دونوں کی صلاحیت رکھتے ہوں۔وہ الفاظ جو صرف جواب دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔وہ الفاظ جو جواب بھی بن سکتے ہوں اور انہیں گالی گلوچ کے طور پر بھی استعمال کیا جاسکتا ہو۔

تو اصول یہ ہے: رضامندی کی حالت میں ان میں سے کسی بھی لفظ کے ذریعے نیت کے بغیر طلاق کا مفہوم مراد نہیں لیا جاسکتا اور نیت کے انکار کے بارے میں شوہر کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔

لیکن اگر مذاکرہ طلاق چل رہا ہو تو اس بارے میں شوہر کے بیان کی قضاء میں تصدیق نہیں کی جائے گی اور یہ حکم ان الفاظ کے بارے میں ہے جو جواب بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں لیکن مسترد کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے جیسے لفظ خلیہ بریہ بائنہ بتہ حرام اعتدی امرک بیدک اختاری وغیرہ ہیں کیونکہ ان کے بارے میں ظاہری مفہوم یہی ہے: مذاکرہ طلاق کے وقت ان الفاظ کے ذریعے طلاق ہی مراد لی جاتی ہے۔البتہ جو الفاظ جواب بننے اور مسترد کرنے دونوں کا احتمال رکھتے ہوں ان میں شوہر کی بات کی تصدیق کی جائے گی کہ اس کی نیت کیا تھی جیسے یہ الفاظ ہیں: (تم چلی جاؤ تم نکل جاؤ تم اٹھ جاؤ تم منہ ڈھانپ لو تم چادر اوڑھ لو وغیرہ یا وہ الفاظ جو ان کے آس پاس کا مفہوم رکھتے ہوں کیونکہ یہ الفاظ مسترد کرنے کا احتمال بھی رکھتے ہیں اور کیونکہ مسترد کرنے کا مفہوم کمتر حیثیت رکھتا ہے لہٰذا ان الفاظ کو اسی مفہوم پر محمول کیا جائے گا۔

لیکن اگر غضب کی حالت میں یہ الفاظ استعمال کیے گئے ہوں تو ان تمام الفاظ میں شوہر کے بیان کی تصدیق کی جائے گی اس کی دلیل یہ ہے: یہ الفاظ مسترد کیے جانے اور گالی گلوچ دونوں کا احتمال رکھتے ہیں تاہم وہ الفاظ اس میں شامل نہیں ہوں گے جنہیں طلاق کے طور پر تو استعمال کیا جاسکتا ہے لیکن گالی گلوچ کے طور پر استعمال نہیں کیا جاسکتا اس بارے میں شوہر کے بیان کی تصدیق نہیں کی جاسکتی۔اس کی دلیل مصنف نے یہ بیان کی ہے: شوہر کا غضب کے عالم میں ہونا ہی اس بات کی دلیل ہوگا وہ ان الفاظ کے ذریعے طلاق دینے کا ارادہ کر رہا ہے۔یہاں مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے: امام ابو یوسف سے یہ روایت منقول ہے: اگر شوہر نے یہ الفاظ استعمال کیے ہوں۔میری تمہارے اوپر کوئی ملکیت نہیں ہے یا

میرا تمہارے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے یا میں نے تمہارا راستہ چھوڑ دیا ہے یا میں نے تم سے علیحدگی اختیار کر لی ہے تو اگر چہ شوہر نے یہ الفاظ غضب کے عالم میں استعمال کیے ہوں پھر بھی اگر وہ یہ کہہ دے: میں نے ان کے ذریعے طلاق کی نیت نہیں کی تو اس بارے میں مرد کے بیان کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ یہ الفاظ برا بھلا کہنے کا مفہوم بھی رکھتے ہیں۔

یہاں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: پہلے والے تین الفاظ کے علاوہ یعنی ان کے بارے میں مصنف نے یہ وضاحت کی تھی: ان کے ذریعے رجعی طلاق واقع ہوتی ہے اور صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور وہ یہ الفاظ تھے: تم گنتی کر لو تم اپنے رحم کا استبراء کر لو تم ایک ہو۔ اس کے علاوہ تمام الفاظ کنایہ کے ذریعے بائنہ طلاق واقع ہو جاتی ہے اس بات کے قائل احناف ہیں۔ امام شافعی یہ فرماتے ہیں: ان الفاظ کے ذریعے رجعی طلاق واقع ہوتی ہے۔ امام شافعی نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: یہ الفاظ طلاق کے لئے کنایہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں اور ان میں بھی نیت شرط ہوتی ہے تو جس طرح صریح الفاظ میں طلاق دینے کے نتیجے میں طلاق ہو جاتی ہے لیکن رجوع کرنے کی گنجائش باقی ہوتی ہے اسی طرح یہاں بھی حکم یہ ہونا چاہئے: ان الفاظ کے نتیجے میں طلاق واقع ہو جائے لیکن شوہر کو رجوع کرنے کا حق حاصل ہونا چاہئے۔

احناف اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں یہاں ابانت یعنی علیحدہ کرنے کا تصرف اس کے اہل یعنی شوہر کی طرف سے صادر ہوا ہے اور اس کے محل یعنی بیوی کی طرف گیا ہے اور شوہر کو اس تصرف کرنے کا شرعی طور پر حق بھی حاصل ہے تو اس وقوع کو درست تسلیم کیا جائے گا۔

یہاں مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے: شوہر طلاق دینے کا اہل ہوتا ہے اور بیوی طلاق ہونے کا محل ہوتی ہے یہ بات واضح ہے اس میں کوئی پوشیدگی اور کوئی خفا نہیں ہے لیکن جہاں تک شرعی ولایت یعنی تصرف کرنے کے حق کا تعلق ہے تو شوہر کو اس نوعیت کا تصرف دینے کی ضرورت ثابت ہے کیونکہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے بیوی کی بداخلاقی سے تنگ آ کر شوہر کوئی ایسا اقدام کرنا چاہتا ہے جس کے نتیجے میں نہ تو بیوی مکمل طور پر اس کے لئے حرام ہو اور نہ ہی اس کے لئے آسانی کے ساتھ رجوع کرنے کی گنجائش ہو تو ایسی صورت میں صرف بائنہ طلاق کے ذریعے یہ فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے اس کی دلیل یہ ہے: اگر رجعی طلاق دی جائے تو رجوع کرنے کا قصد کیے بغیر بھی اگر شوہر عدت کے دوران بیوی کا بوسہ لے تو اس کے ذریعے رجوع کرنا ثابت ہو جاتا ہے اس کے برعکس دوسری طرف اگر وہ بائنہ طلاق دیدیتا ہے تو جب تک وہ عورت کسی دوسرے کے ساتھ شادی کر کے اس سے طلاق نہیں لیتی یا بیوہ نہیں ہوتی اس وقت تک اس مرد کے لئے اس کے ساتھ شادی کرنا جائز نہیں ہوتا اس لیے ایسے تمام الفاظ کنایہ کے ذریعے ہمارے نزدیک بائنہ طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

یہاں مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے: امام شافعی نے ان الفاظ کو کنایات سے تعبیر کیا ہے۔ مصنف فرماتے ہیں: یہ الفاظ اپنی حقیقت کے اعتبار سے کنایہ نہیں ہیں' بلکہ یہ الفاظ اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہوتے ہیں اور جو الفاظ اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہوتے ہوں انہیں کنایہ قرار نہیں دیا جاتا۔

امام شافعی نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی تھی: کنایہ کے طور پر طلاق کے لئے استعمال ہونے والے الفاظ میں طلاق کی نیت کرنا شرط ہوتا ہے۔ مصنف نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے یہ بات بیان کی ہے: یہاں نیت کی موجودگی طلاق واقع ہونے کے لئے نہیں ہے' بلکہ اس کو شرط اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ بائنہ ہونے کی دو قسمیں ہیں: خفیفہ اور غلیظہ' ان دونوں کے درمیان فرق کرنے کے لئے اس شرط کو مشروط کیا گیا ہے۔

امام شافعی نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی تھی: صریح الفاظ کے ذریعے بھی طلاق کے عدد میں کمی ہو جاتی ہے' تو ہونا یہ چاہئے کہ کنایہ کے الفاظ کے ذریعے بھی طلاق کے عدد میں صرف کمی ہو اور رجوع کرنے کی گنجائش ہو۔ مصنف یہ فرماتے ہیں: عدد میں کمی اور طلاق کے بائنہ ہونے کے درمیان کوئی منافات نہیں ہے' بلکہ جس طرح رجعی طلاق کے نتیجے میں طلاق میں کمی ہوتی ہے اسی طرح بائنہ طلاق کے نتیجے میں بھی طلاق کی تعداد میں کمی ہو جاتی ہے۔

یہاں مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے: طلاق کے لئے کنایہ کے طور پر استعمال ہونے والے ان الفاظ کے ذریعے تین طلاق کی نیت کرنا اس لیے درست ہے' کیونکہ ان کے نتیجے میں بائنہ طلاق واقع ہوتی ہے' اور بائنہ طلاق کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ بائنہ طلاق جس کے نتیجے میں حرمت غلیظہ ثابت ہوتی ہے' اور ایک وہ بائنہ طلاق جس کے نتیجے میں حرمت خفیفہ ثابت ہوتی ہے۔ اگر شوہر نے کوئی نیت نہ کی ہوئی ہو' تو اس کے نتیجے میں کمتر چیز یعنی حرمت خفیفہ ثابت ہوگی' لیکن اگر وہ اپنی نیت کے ذریعے کسی ایک مفہوم کو متعین کر دیتا ہے' تو اسی کے مطابق حکم جاری کر دیا جائے گا۔

لفظ اِعْتَدِّی کو تکرار کے ساتھ استعمال کرنے میں طلاق کا بیان

﴿وَاِنْ قَالَ لَهَا: اِعْتَدِّی اِعْتَدِّی اِعْتَدِّی وَقَالَ: نَوَيْتُ بِالْاُولٰى طَلَاقًا وَّبِالْبَاقِي حَيْضًا دِيْنَ فِي الْقَضَاءِ﴾ لِاَنَّهُ نَوٰى حَقِيقَةَ كَلَامِهِ، وَلِاَنَّهُ يَأْمُرُ امْرَاَتَهُ فِي الْعَادَةِ بِالِاعْتِدَادِ بَعْدَ الطَّلَاقِ فَكَانَ الظَّاهِرُ شَاهِدًا لَهُ ﴿وَاِنْ قَالَ: لَمْ اَنْوِ بِالْبَاقِي شَيْئًا فَهِيَ ثَلَاثٌ﴾ لِاَنَّهُ لَمَّا نَوٰى بِالْاُولٰى الطَّلَاقَ صَارَ الْحَالُ حَالَ مُذَاكَرَةِ الطَّلَاقِ فَتَعَيَّنَ الْبَاقِيَانِ لِلطَّلَاقِ بِهٰذِهِ الدَّلَالَةِ فَلَا يُصَدَّقُ فِي نَفْيِ النِّيَّةِ، بِخِلَافِ مَا اِذَا قَالَ: لَمْ اَنْوِ بِالْكُلِّ الطَّلَاقَ حَيْثُ لَا يَقَعُ شَيْءٌ لِاَنَّهُ لَا ظَاهِرَ يُكَذِّبُهُ، وَبِخِلَافِ مَا اِذَا

قَالَ: نَوَيْتُ بِالثَّالِثَةِ الطَّلَاقَ دُوْنَ الْأُوْلَيَيْنِ حَيْثُ لَا يَقَعُ إِلَّا وَاحِدَةٌ لِأَنَّ الْحَالَ عِنْدَ الْأُوْلَيَيْنِ لَمْ تَكُنْ حَالَ مُذَاكَرَةِ الطَّلَاقِ، وَفِي كُلِّ مَوْضِعٍ يُصَدَّقُ الزَّوْجُ عَلٰى نَفْيِ النِّيَّةِ إِنَّمَا يُصَدَّقُ مَعَ الْيَمِيْنِ لِأَنَّهُ أَمِيْنٌ فِي الْإِخْبَارِ عَمَّا فِي ضَمِيْرِهِ وَالْقَوْلُ قَوْلُ الْأَمِيْنِ مَعَ الْيَمِيْنِ .

ترجمہ

اور اگر شوہر نے بیوی سے یہ کہا: تم عدت گزارو (یا تم گنتی کرو) یہ لفظ تین دفعہ استعمال کیا اور پھر یہ کہا: پہلے لفظ سے مراد میری طلاق تھی اور باقی دو الفاظ کے ذریعے میری مراد حیض تھی تو عدالت میں اس کی بات کو تسلیم کیا جائے گا' کیونکہ اس نے کلام کی حقیقت کی نیت کی ہے'اس کی دلیل یہ ہے: انسان طلاق دینے کے بعد اپنی بیوی کو عدت شمار کرنے کا حکم دیتا ہے اس لیے ظاہر بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ اگر شوہر نے یہ کہا: باقی دو الفاظ کے ذریعے میں نے کوئی نیت نہیں کی تھی' تو یہ تین طلاقیں شمار ہوں گی' کیونکہ جب اس نے پہلے لفظ کے ذریعے طلاق کی نیت کی تھی' تو یہ طلاق کے مذاکرے کی حالت ہو جائے گی' اور باقی دو الفاظ بھی اسی مفہوم پر دلالت کرتے ہیں: اس کے لئے طلاق متعین ہو جائے' لہٰذا نیت کی نفی میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی تاہم اگر شوہر یہ کہہ دے: میں نے کسی بھی لفظ کے ذریعے طلاق کی نیت نہیں کی تھی' تو کچھ بھی واقع نہیں ہوگا' کیونکہ ظاہری صورت حال بھی اس بات کی تکذیب نہیں کر رہی ہے۔ اگر شوہر نے یہ کہا: میں نے پہلے دو الفاظ کے ذریعے طلاق کی نیت نہیں کی تھی لیکن تیسرے لفظ کے ذریعے طلاق کی نیت کی تھی' تو ایک طلاق واقع ہوگی' چونکہ پہلے دو الفاظ کے استعمال کے وقت طلاق کے مذاکرے کی حالت نہیں تھی۔ مذکورہ بالا تمام صورتوں میں نیت کی نفی کے بارے میں مرد سے قسم لی جائے گی' اور اس کی تصدیق کر دی جائے گی' کیونکہ وہ اپنے ذہن میں موجود بات کے بارے میں اطلاع دینے کے حوالے سے امین ہے اور ہمیشہ امین شخص کی بات کو تسلیم کیا جاتا ہے' تاہم (احتیاط کے پیش نظر) اس سے قسم لی جاتی ہے۔

شرح

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر شوہر نے بیوی سے یہ کہا ہو "تم گنتی کرو' تم گنتی کرو' تم گنتی کرو"۔ اب یہ الفاظ کنایہ کے طور پر طلاق کے لئے استعمال ہوتے ہیں' لیکن شوہر یہ کہتا ہے: میں نے پہلے لفظ کے ذریعے طلاق کی نیت کی تھی اور باقی الفاظ کے ذریعے یہ نیت کی تھی: اب تم حیض کے دنوں کی گنتی کرو' یعنی اپنی عدت کی گنتی کرو۔ مصنف یہ فرماتے ہیں: اس صورت میں قضاء کے اعتبار سے اس کی بات کی تصدیق کی جائے گی' اس کی دلیل یہ ہے: اس نے اپنے کلام کے ذریعے اس کا حقیقی مفہوم مراد لیا ہے۔ اس کی دوسری دلیل یہ ہے: عام رواج بھی یہی ہے: طلاق دینے کے بعد وہ اپنی بیوی کو یہی ہدایت کرے گا: وہ اپنی عدت کے دنوں کی گنتی شروع کر دے' لہٰذا ظاہری صورتحال بھی اس کی تصدیق کر رہی ہے' تو

جب کلام میں اس بات کا احتمال بھی موجود ہو اور کلام اپنے حقیقی معنی پر محمول بھی کیا جا سکتا ہو اور ظاہر حال بھی اس کی تصدیق
کر رہا ہو تو لازمی طور پر قضاء میں اس شخص کی بات کی تصدیق کی جائے گی۔
لیکن اگر شوہر یہ کہے: میں نے بقیہ دو الفاظ کے ذریعے کوئی نیت نہیں کی تھی' تو اس صورت میں تینوں الفاظ کے ذریعے
تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ مصنف نے اس بات کی دلیل کے طور پر یہ بات نقل کی ہے: جب شوہر نے پہلے لفظ کے
ذریعے طلاق کی نیت کی تھی اور بقیہ دو الفاظ کے بارے میں وہ یہ کہہ رہا ہے: میں نے اس بارے میں کوئی نیت نہیں کی' تو پہلے
لفظ کے ذریعے طلاق کی نیت کرنے کے نتیجے میں یہ صورتحال مذاکرہ طلاق کی حیثیت اختیار کر جائے گی' لہٰذا صورتحال کی
دلالت اس بات پر ہوگی: باقی رہنے والے دو الفاظ کے ذریعے بھی طلاق کا مفہوم ہی مراد لیا گیا ہوگا۔
یہاں اس حوالے سے شوہر کی نیت کی عدم موجودگی کے دعویٰ کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔
ہے: اگر شوہر نے یہ کہا ہو: میں نے ان دو الفاظ میں سے کسی کے ذریعے بھی کوئی نیت نہیں کی تھی' تو اس کا حکم کیا ہوگا؟ اس پر یہ اعتراض کیا جا سکتا
مصنف یہ فرماتے ہیں: اگر وہ شخص یہ کہے: میں نے ان الفاظ میں سے کسی کے ذریعے کوئی بھی نیت نہیں کی تھی' تو کوئی بھی
طلاق واقع نہیں ہوگی اس کی دلیل یہ ہے: شوہر کی بات جھٹلانے کے لئے کوئی ظاہری شہادت موجود نہیں ہے۔
لیکن اگر شوہر نے یہ کہا ہو: میں نے تیسرے لفظ کے ذریعے طلاق کی نیت کی تھی' پہلے دو الفاظ کے ذریعے کوئی نیت
نہیں کی تھی' تو اس بارے میں بھی حکم مختلف ہوگا' اس کی دلیل یہ ہے: پہلے دو لفظ اپنے لغوی معنی میں استعمال ہو جائیں گے
اور تیسرے لفظ کے ذریعے چونکہ اس نے طلاق کی نیت کی تھی اس لیے وہ کنایہ کے طور پر ثابت ہوگی' اور ایک طلاق واقع ہو
جائے گی۔ اس کی دلیل یہ ہے: پہلے دو الفاظ کے استعمال کے وقت صورتحال ایسی نہیں تھی جسے مذاکرہ طلاق سے تعبیر کیا جا
سکے۔ یہاں مصنف نے یہ اصول بیان کیا ہے: نیت کی نفی کے بارے میں شوہر کی بات کی تصدیق کی جائے گی' تو اس سے
قسم بھی لی جائے گی۔ اس کی دلیل یہ ہے: اس کے من میں جو تھا اس کی اطلاع دینے کے حوالے سے وہ شخص امین ہے' اور
ایسی صورتحال میں امین شخص کا قول معتبر ہوتا ہے البتہ اس سے قسم لے لی جاتی ہے۔

وقوع طلاق میں نیت کے اعتبار کا فقہی مفہوم

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ نے درج ذیل صورتیں بیان کی ہیں۔ اگر اس نے تمام کی نیت کی تو تین طلاقیں واقع ہو
جائیں گیں اور اگر اس نے تمام حیض کی نیت کی ایک طلاق واقع ہوگی۔ اور اگر اس نے کوئی نیت نہ کی تو کچھ واقع نہ ہوگا۔
(۱) نَوَى بِالْأُولَى طَلَاقًا لَا غَيْرُ وَقَعَ ثَلَاثٌ نَوَى بِالثَّانِيَةِ طَلَاقًا لَا غَيْرُ وَقَعَتْ وَاحِدَةٌ

.(۲)نَوَی بِالْأُولَی حَیْضًا لَا غَیْرُ وَقَعَتْ ثَلَاثٌ .(۳)نَوَی بِالثَّانِیَةِ حَیْضًا لَا غَیْرُ وَقَعَتْ ثِنْتَانِ .(۴)نَوَی بِالثَّالِثَةِ حَیْضًا لَا غَیْرُ وَقَعَتْ وَاحِدَةٌ .(۵)نَوَی بِالْأُولَی طَلَاقًا وَبِالثَّانِیَةِ حَیْضًا لَا غَیْرُ وَقَعَتْ ثِنْتَانِ .(۶)نَوَی بِالْأُولَی طَلَاقًا وَبِالثَّالِثَةِ حَیْضًا لَا غَیْرُ وَقَعَتْ ثِنْتَانِ .(۷)نَوَی بِالثَّانِیَةِ طَلَاقًا وَبِالثَّالِثَةِ حَیْضًا لَا غَیْرُ وَقَعَتْ وَاحِدَةٌ .(۸)نَوَی بِالْأُولَیَیْنِ طَلَاقًا لَا غَیْرُ وَقَعَتْ ثَلَاثٌ .(۹)نَوَی بِالْأُخْرَیَیْنِ طَلَاقًا لَا غَیْرُ وَقَعَتْ ثِنْتَانِ .(۱۰)نَوَی بِالْأُولَیَیْنِ حَیْضًا لَا غَیْرُ وَقَعَتْ ثِنْتَانِ .(۱۱)نَوَی بِالْأُخْرَیَیْنِ حَیْضًا لَا غَیْرُ وَقَعَتْ وَاحِدَةٌ .(۱۲)نَوَی بِالْأُولَی وَالثَّالِثَةِ طَلَاقًا لَا غَیْرُ وَقَعَتْ ثَلَاثٌ .(۱۳)نَوَی بِالْأُولَی وَالثَّالِثَةِ حَیْضًا لَا غَیْرُ وَقَعَتْ ثِنْتَانِ .(۱۴)نَوَی بِالْأُولَی وَالثَّانِیَةِ طَلَاقًا وَبِالثَّالِثَةِ حَیْضًا وَقَعَتْ ثِنْتَانِ .(۱۵)نَوَی بِالْأُولَی وَالثَّالِثَةِ طَلَاقًا وَبِالثَّانِیَةِ حَیْضًا وَقَعَتْ ثِنْتَانِ .(۱۶)نَوَی بِالثَّانِیَةِ وَالثَّالِثَةِ طَلَاقًا وَبِالْأُولَی حَیْضًا وَقَعَتْ ثَلَاثٌ .(۱۷)نَوَی بِالْأُولَی وَالثَّانِیَةِ حَیْضًا وَبِالثَّالِثَةِ طَلَاقًا وَقَعَتْ ثِنْتَانِ .(۱۸)نَوَی بِالْأُولَی وَالثَّالِثَةِ حَیْضًا وَبِالثَّانِیَةِ طَلَاقًا وَقَعَتْ ثِنْتَانِ .(۱۹)نَوَی بِالثَّانِیَةِ وَالثَّالِثَةِ حَیْضًا وَبِالْأُولَی طَلَاقًا وَقَعَتْ وَاحِدَةٌ .

وَبِنَاءُ هٰذِهِ الْوُجُوهِ عَلَی الْاِقْتِضَاءِ وَعَلَی حَالِ مُذَاکَرَةِ الطَّلَاقِ وَعَلَی أَنَّ النِّیَّةَ تُبْطِلُ مُذَاکَرَةَ الطَّلَاقِ فَاعْتَبِرْ ذٰلِکَ، وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ .(عنایہ شرح الهدایہ ،ج۵،ص۲۴۸،بیروت)

بَابُ تَفْوِيْضِ الطَّلَاقِ

﴿یہ باب حق طلاق کو سپرد کرنے کے بیان میں ہے﴾

باب تفویض طلاق کی فقہی مطابقت کا بیان

مصنف علیہ الرحمہ نے طلاق صریح اور کنایہ کو بیان کرنے کے بعد اب طلاق کے حق کو بیوی کو سپرد کرنے کے حکم سے متعلق احکام شرعیہ کو بیان کیا ہے۔اس سے پہلے طلاق کا بیان مطلق تھا جس میں صرف شوہر کیلئے حق طلاق اور استعمال طلاق کا حق متعین تھا اور عام اصول کے موافق تھا اسی کو مطلق کہا جاتا ہے اور اب کے اس کے حکم طلاق یا حق طلاق کو مقید کیا جا رہا ہے کہ جب اس کو مفوض کر دیا جائے۔تو یہ حکم مقید ہوا اور مقید ہمیشہ مطلق کے بعد آتا ہے۔یعنی کسی حکم شرعی میں اطلاق ہوتا ہے اور اس کے بعد اس میں کسی دوسری شرعی دلیل یا اسی جیسی نص کے ساتھ اس حکم کو مقید کر دیا جاتا ہے لیکن اس کا مقام مطلق کے بعد آتا ہے لہذا مصنف علیہ الرحمہ نے اس اصول کی رعایت کے پیش نظر اس باب کو مؤخر کیا ہے۔

حق طلاق کا اختیار دینے کا حکم شرعی

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۔(الاحزاب، ۲۸)

اے غیب بتانے والے (نبی ﷺ) اپنی بیبیوں سے فرما دے اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں مال دوں اور اچھی طرح چھوڑ دوں۔

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہونے کے لئے اجازت مانگی تو صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازہ پر بیٹھے ہوئے پایا ان میں سے کسی کو اجازت نہ دی گئی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اجازت دی گئی تو وہ داخل ہو گئے پھر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اجازت مانگی تو انہیں بھی اجازت دے دی گئی تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیٹھے ہوئے پایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارد گرد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج غمگین اور خاموش بیٹھی تھیں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں ضرور کسی بات کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہنساؤں گا تو انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خارجہ کی بیٹی کو دیکھتے جو کہ ان کی بیوی ہیں اس نے مجھ سے نفقہ مانگا تو میں اس کا گلا دبانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنس پڑے فرمایا یہ میرے ارد گرد ہیں جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو یہ مجھ سے نفقہ مانگتی ہیں پس ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گلا دبانے کے لئے کھڑے ہو گئے اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہا حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گلا دبانے کے لئے اٹھے اور یہ دونوں ان سے کہہ رہے تھے کہ تم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسا سوال

کرتی ہو جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس نہیں انہوں نے کہا اللہ کی قسم ! ہم کبھی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی ایسی چیز نہیں مانگیں گی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس نہ ہو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے ایک ماہ یا انتیس دن علیحدہ رہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَھَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْکُنَّ وَاُسَرِّحْکُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا 28وَاِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَۃَ فَاِنَّ اللّٰہَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْکُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا)33 ۔ الاحزاب 28 :)

پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شروع فرمایا اور فرمایا اے عائشہ میں ارادہ رکھتا ہوں کہ تیرے سامنے ایک معاملہ پیش کروں یہاں تک کہا اپنے والدین سے مشورہ کر لے انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول وہ کیا معاملہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سامنے یہ آیت تلاوت فرمائی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ کیا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاملہ میں اپنے والدین سے مشورہ کروں بلکہ میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ اور آخرت کے گھر کو پسند کرتی ہوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گزارش کرتی ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی دوسری ازواج سے اس کا ذکر نہ فرمائیں جو میں نے کہا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو ان میں سے مجھ سے پوچھے گی تو میں اسے خبر دے دوں گا کیونکہ اللہ نے مجھے مشکلات میں ڈالنے والا اور سختی کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ اللہ نے مجھے معلم اور آسانی کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

(صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 1197)

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم کی ازواجِ مطہرات نے آپ سے دنیوی سامان طلب کیے اور نفقہ میں زیادتی کی درخواست کی یہاں تو کمالِ زہد تھا سامانِ دنیا اور اس کا جمع کرنا گوارا ہی نہ تھا، اس لئے یہ خاطرِ اقدس پر گراں ہوا اور یہ آیت نازل ہوئی اور ازواجِ مطہرات کو تخییر دی گئی، اس وقت حضور کی نو بیبیاں تھیں، پانچ قریشیہ (۱) حضرت عائشہ بنتِ ابی بکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) (۲) حفصہ بنتِ فاروق (۳) اُمِّ حبیبہ بنتِ ابی سفیان (۴) اُمِّ سلمٰی بنتِ امیہ (۵) سودہ بنتِ زمعہ اور چار غیر قریشیہ (۱) زینب بنتِ جحش اسدیہ (۲) میمونہ بنتِ حارث ہلالیہ (۳) صفیہ بنتِ حُیَی بن اخطب خیبریہ (۴) جویریہ بنتِ حارث مصطلقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنھنّ۔

سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم نے سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ آیت سنا کر اختیار دیا اور فرمایا کہ جلدی نہ کرو اپنے والدین سے مشورہ کر کے جو دلیل ہو اس پر عمل کرو، انھوں نے عرض کیا حضور کے معاملہ میں مشورہ کیا، میں اللہ کو اور اس کے رسول ﷺ کو اور دارِ آخرت کو چاہتی ہوں اور باقی ازواج نے بھی یہی جواب دیا۔

جس عورت کو اختیار دیا جائے وہ اگر اپنے زوج کو اختیار کرے تو طلاق واقع نہیں ہوتی اور اگر اپنے نفس کو اختیار کرے تو

ہمارے نزدیک طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔

جس عورت کے ساتھ بعد نکاح دخول یا خلوت صحیحہ ہوئی اس کو طلاق دی جائے تو کچھ سامان دینا مستحب ہے اور وہ سامان تین کپڑوں کا جوڑا ہوتا ہے، یہاں مال سے وہی مراد ہے۔ جس عورت کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اس کو قبلِ دخول طلاق دی تو یہ جوڑا دینا واجب ہے۔ بغیر کسی ضرر کے۔(خزائن العرفان، احزاب، ۲۸)

سورہ 1 کی ابتدا 'اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ' کے الفاظ سے ہوئی ہے۔ اس کے بعد یہاں بھی اور قرآن کے بعض دوسرے مقامات پر بھی طلاق کے احکام جہاں بیان ہوئے ہیں، اس فعل کی نسبت مرد ہی کی طرف کی گئی ہے۔ پھر بقرہ کی آیت 229 میں قرآن نے شوہر کا مال واپس کر کے طلاق لینے کے لیے 'مَا افْتَدَتْ بِهٖ' (جو عورت فدیے میں دے) کے الفاظ استعمال کیے ہیں یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ طلاق کا اختیار شریعت نے مرد کو دیا ہے۔ اِس کی دلیل بھی بالکل واضح ہے۔ عورت کی حفاظت اور کفالت کی ذمہ داری ہمیشہ سے مرد پر ہے اور اس کی اہلیت بھی قدرت نے اُسے ہی دی ہے۔ قرآن نے اِسی بنا پر اُسے قوام قرار دیا اور بقرہ ہی کی آیت 228 میں بصراحت فرمایا ہے کہ 'لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ' (شوہروں کو اُن پر ایک درجہ فضیلت حاصل ہے)۔ چنانچہ ذمہ داری کی نوعیت اور حفظ مراتب، دونوں کا تقاضا ہے کہ طلاق کا اختیار بھی شوہر ہی کو دیا جائے۔ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ خاندان کا ادارہ انسان کی ناگزیر ضرورت ہے۔ ذمہ داریوں کے فرق اور وصل و فصل کے یکساں اختیارات کے ساتھ جس طرح دنیا کا کوئی دوسرا ادارہ قائم نہیں رہ سکتا، اِسی طرح خاندان کا ادارہ بھی نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ عورت نے اپنی اور اپنے بچوں کی حفاظت و کفالت کے عوض اگر اپنے آپ کو کسی مرد کے سپرد کر دینے کا معاہدہ کر لیا ہے تو اُسے ختم کر دینے کا اختیار بھی اُس سے معاملہ کیے بغیر عورت کو نہیں دیا جا سکتا۔ یہی انصاف ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسری صورت اگر اختیار کی جائے گی تو یہ بے انصافی ہوگی اور اس کا نتیجہ بھی لامحالہ یہی نکلے گا کہ خاندان کا ادارہ بالآخر ختم ہو کر رہ جائے گا۔

اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ عورت اگر علیحدگی چاہے تو وہ طلاق دے گی نہیں، بلکہ شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے گی۔ عام حالات میں توقع یہی ہے کہ ہر شریف النفس آدمی نباہ کی کوئی صورت نہ پا کر یہ مطالبہ مان لے گا، لیکن اگر ایسا نہ ہو تو عورت عدالت سے رجوع کر سکتی ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچ جائے تو عدالتوں کے لیے اس معاملے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ یہ ہے کہ اتنی بات اگر محقق ہو جاتی ہے کہ عورت اپنے شوہر سے بے زار ہے اور اُس کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی تو شوہر کو حکم دیا جائے کہ اُس نے مہر کے علاوہ کوئی مال یا جائداد اگر بیوی کو دی ہوئی ہے اور وہ اُسے واپس لینا چاہتا ہے تو واپس لے کر اُسے طلاق دے دے۔

سیدنا ابن عباس کی روایت ہے کہ ثابت بن قیس کی بیوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ، میں اس کے دین و اخلاق پر کوئی حرف نہیں رکھتی، مگر مجھے اسلام میں کفر کا اندیشہ ہے۔25 نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شکایت سنی تو فرمایا: اس کا باغ واپس کرتی ہو؟ اُس نے مان لیا تو آپ نے ثابت کو حکم دیا کہ باغ لے لو اور اسے ایک طلاق دے کر الگ کر دو۔(صحیح بخاری، ۵۲۷۳)

یہ فصل حق طلاق بیوی کو سپرد کرنے کے بیان میں ہے

اختیار طلاق فصل کی فقہی مطابقت کا بیان

تفویض طلاق کے باب میں مصنف علیہ الرحمہ نے اس فصل کو پہلے ذکر کیا ہے جس میں طلاق کا حق بیوی کو سپرد کر دیا جائے اور دلیل مناسبت ومطابقت یہ ہے کہ طلاق کا اکثر حق تفویض ز دلیل سے متعلق ہوتا ہے۔ ویسے عمومی طور پر طلاق کا تعلق جس قدر بیوی سے ہوتا ہے اس قدر ز دلیل کے اولیاء یا شوہر کے اعزاء اقرباء ودوست واحباب یا دیگر کسی قسم کے وکلاء سے نہیں ہوتا ہے اس لئے مصنف علیہ الرحمہ اس فصل میں حق طلاق کو بیوی کے سپرد کرنے سے متعلق مسائل کو بیان کیا ہے۔

جب شوہر نے بیوی کو طلاق کا اختیار دیدیا

﴿وَإِذَا قَالَ لِامْرَأَتِهِ :اخْتَارِي يَنْوِي بِذَلِكَ الطَّلَاقَ أَوْ قَالَ لَهَا :طَلِّقِي نَفْسَك فَلَهَا أَنْ تُطَلِّقَ نَفْسَهَا مَا دَامَتْ فِي مَجْلِسِهَا ذَلِكَ، فَإِنْ قَامَتْ مِنْهُ أَوْ أَخَذَتْ فِي عَمَلٍ آخَرَ خَرَجَ الْأَمْرُ مِنْ يَدِهَا﴾ لِأَنَّ الْمُخَيَّرَةَ لَهَا الْمَجْلِسُ بِإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ، (۱) وَلِأَنَّهُ تَمْلِيكُ الْفِعْلِ مِنْهَا، وَالتَّمْلِيكَاتُ تَقْتَضِي جَوَابًا فِي الْمَجْلِسِ كَمَا فِي الْبَيْعِ، لِأَنَّ سَاعَاتِ الْمَجْلِسِ اُعْتُبِرَتْ سَاعَةً وَاحِدَةً، إلَّا أَنَّ الْمَجْلِسَ تَارَةً يَتَبَدَّلُ بِالذَّهَابِ عَنْهُ وَتَارَةً بِالِاشْتِغَالِ بِعَمَلٍ آخَرَ، إذْ مَجْلِسُ الْأَكْلِ غَيْرُ مَجْلِسِ الْمُنَاظَرَةِ وَمَجْلِسُ الْقِتَالِ غَيْرُهُمَا.

وَيَبْطُلُ خِيَارُهَا بِمُجَرَّدِ الْقِيَامِ لِأَنَّهُ دَلِيلُ الْإِعْرَاضِ، بِخِلَافِ الصَّرْفِ وَالسَّلَمِ لِأَنَّ الْمُفْسِدَ هُنَاكَ الِافْتِرَاقُ مِنْ غَيْرِ قَبْضٍ، ثُمَّ لَا بُدَّ مِنْ النِّيَّةِ فِي قَوْلِهِ :اخْتَارِي لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ تَخْيِيرَهَا فِي نَفْسِهَا وَيَحْتَمِلُ تَخْيِيرَهَا فِي تَصَرُّفٍ آخَرَ غَيْرِهِ ﴿فَإِنْ اخْتَارَتْ

(۱) قال الامام الزيلعي في "دنصب الراية" ۳/۲۲۹۔۲۳۰ قلت: فيه عن ابن مسعود و جابر و عمر و عثمان و عبدالله بن عمرو بن العاص۔ فحديث ابن مسعود أخرجه عبدالرزاق في "مصنفه" بلفظ: اذا ملكها أمرها فتفرقا قبل أن تقضي بشيء، فلا أمرلها و من طريق الطبراني في "معجمه" قال البيهقي: فيه انقطاع بين مجاهد و ابن مسعود، و حديث جابر أخرجه عبدالرزاق أيضاً، و حديث عمر و عثمان أخرجه۔ ابن أبي شيبة و عبدالرزاق في "مصنفيهما" و حديث عبدالله بن عمرو بن العاص: رواه ابن أبي شيبة أيضاً۔

نَفْسَهَا فِیْ قَوْلِهِ اخْتَارِیْ كَانَتْ وَاحِدَةً بَائِنَةً﴾ . وَالْقِيَاسُ اَنْ لَا يَقَعَ بِهٰذَا شَیْءٌ، وَاِنْ نَوَى الزَّوْجُ الطَّلَاقَ لِاَنَّهُ لَا يَمْلِكُ الْاِيْقَاعَ بِهٰذَا اللَّفْظِ فَلَا يَمْلِكُ التَّفْوِيْضَ اِلٰى غَيْرِهِ اِلَّا اَنَّا اسْتَحْسَنَّاهُ لِاِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، وَلِاَنَّهُ بِسَبِيْلٍ مِنْ اَنْ يَّسْتَدِيْمَ نِكَاحَهَا اَوْ يُفَارِقَهَا فَيَمْلِكُ اِقَامَتَهَا مَقَامَ نَفْسِهِ فِیْ حَقِّ هٰذَا الْحُكْمِ، ثُمَّ الْوَاقِعُ بِهَا بَائِنٌ لِاَنَّ اخْتِيَارَهَا نَفْسَهَا بِثُبُوْتِ اخْتِصَاصِهَا بِهَا وَذٰلِكَ فِی الْبَائِنِ ﴿وَلَا يَكُوْنُ ثَلَاثًا وَاِنْ نَوَى الزَّوْجُ ذٰلِكَ﴾ لِاَنَّ الْاِخْتِيَارَ لَا يَتَنَوَّعُ، بِخِلَافِ الْاِبَانَةِ لِاَنَّ الْبَيْنُوْنَةَ قَدْ تَتَنَوَّعُ .

ترجمہ

جب شوہر بیوی سے یہ کہے: ''تمہیں اختیار ہے (کہ طلاق لے لو)'' اور اس نے طلاق کی نیت بھی کی ہو یا پھر مرد نے یہ کہا ''تم اپنے آپ کو طلاق دے دو'' تو عورت کو یہ حق حاصل ہوگا' جب تک وہ اس مجلس میں موجود ہے اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے' لیکن اگر وہ اس مجلس سے اٹھ کر چلی جائے یا اسی مجلس میں کسی دوسرے کام میں مشغول ہو جائے' تو اس کا یہ اختیار ختم ہو جائے گا' کیونکہ صحابہ کرام کا اس بات پر اجماع ہے: اس نوعیت کا اختیار اس مخصوص مجلس تک محدود رہتا ہے۔ اس صورت میں کیونکہ عورت کو مالک بنا دیا جاتا ہے' اور اس مالک بنانے کے جواب کا' بنیادی تقاضا اسی مجلس کے ساتھ متعلق ہوتا ہے' جیسا کہ خرید و فروخت کا یہی حکم ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے: مجلس کی مختلف گھڑیاں ایک ہی گھڑی شمار ہوتی ہیں البتہ ایسا ہوتا ہے کہ بعض دفعہ اٹھ کر چلے جانے کے نتیجے میں مجلس تبدیل شمار ہوتی ہے اور بعض اوقات کسی دوسرے کام میں مشغول ہونے کی دلیل سے مجلس تبدیل شمار ہوتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے: کھانے پینے کی محفل مناظرے کی محفل سے مختلف ہوتی ہے اور لڑنے جھگڑنے والی محفل کا رنگ اور ہوتا ہے۔ عورت کو ملنے والا یہ اختیار' محض اس کے کھڑے ہو جانے سے باطل ہو جائے گا' کیونکہ محفل سے اٹھ کھڑے ہونا انحراف کی علامت ہوتا ہے' بیع صرف اور بیع سلم کا حکم اس سے مختلف ہے' کیونکہ ان میں' قبضے میں لیے بغیر اٹھ کر چلے جانا فاسد کرتا ہے۔ ''تمہیں اختیار ہے'' جیسے الفاظ میں طلاق کی نیت بھی ضروری ہے' کیونکہ صرف لفظ اختیار استعمال کیا جائے' تو اس سے طلاق بھی مراد ہو سکتی ہے اور کسی دوسرے معاملے کا اختیار بھی مراد ہو سکتا ہے۔ اگر مرد کے ان الفاظ ''تمہیں اختیار ہے'' کے جواب میں عورت نے یہ کہہ دیا۔ میں نے اختیار کر لیا' تو ایک بائنہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ قیاس کا تقاضا تو یہ تھا: ان الفاظ کے ذریعے کچھ بھی واقع نہ ہو۔ اگرچہ شوہر نے طلاق کی نیت کی ہوئی ہو' کیونکہ اس نوعیت کے الفاظ کے ذریعے تو خاوند خود بیوی کو طلاق نہیں دے سکتا تو ان کے ذریعے کسی دوسرے کو طلاق کا مالک کیسے بنا سکتا ہے؟ لیکن ہم قیاس کو ترک کر کے استحسان کو اختیار کریں گے۔ نیز صحابہ کرام کا اس بات پر اجماع بھی ہے۔ ایک دلیل یہ بھی ہے: مرد کو اس بات کا حق حاصل ہے: وہ عورت کو نکاح میں برقرار رکھے یا اسے چھوڑ دے' تو لہٰذا وہ اس عورت کو اس حکم میں نکاح کو باقی رکھنے یا ترک کرنے کے اختیار کی مالک بھی بنا سکتا ہے۔ اس کے ذریعے بائنہ طلاق واقع ہوگی'

کیونکہ عورت کا اپنی ذات کو اختیار کرنے کا مطلب یہ ہوگا' وہ اپنی ذات کو اس طرح پیش کرنا چاہتی ہے کہ اس کا اختیار اپنی ذات کے ساتھ مخصوص رہے اور یہ بات صرف بائنہ طلاق کی صورت میں ممکن ہوسکتی ہے۔ اس صورت میں اگر شوہر نے تین طلاقوں کی نیت بھی کی ہوئی ہو تو تین طلاقیں واقع نہیں ہوں گی۔ اس کی دلیل یہ ہے: اختیار میں تنوع نہیں ہوتا۔ البتہ ابانت کا حکم اس سے مختلف ہے' کیونکہ وہ مختلف قسم کی ہوتی ہے۔

سپرد اختیار کی طلاق میں فقہی مذاہب اربعہ

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اختیار دیدیا تھا کہ اگر تم دنیا اور دنیا کی زینت و آسائش کی طلبگار ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دے کر چھوڑ دوں اور اگر تم خدا، خدا کے رسول اور دار آخرت کی طلبگار ہو تو پھر جان لو کہ تمہارے لئے خدا کے ہاں بے شمار اجر عظیم ثواب ہے) چنانچہ ہم نے دنیا اور دنیا کی زینت و آسائش کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کرلیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اختیار کو ہمارے لئے طلاق کی اقسام میں کوئی قسم جیسے ایک ایک طلاق یا دو طلاق یا رجعی یا بائن) کچھ بھی اختیار نہیں کیا (بخاری ومشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 477 مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی سے یوں کہے کہ اپنے نفس کو اختیار کرلو یا مجھے اختیار کرلو اور پھر بیوی خاوند کو اختیار کرلے تو اس سے کسی طرح کی طلاق واقع نہیں ہوتی چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور امام شافعی کا یہی مسلک ہے۔ لیکن اگر بیوی اپنے نفس کو اختیار کرلے تو اس صورت میں حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد کے نزدیک طلاق رجعی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک طلاق بائن اور حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں۔

منقول ہے کہ صحابہ میں سے امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ ولیہ اس بات کے قائل تھے کہ بیوی کو شوہر کے محض اختیار دے دینے ہی سے طلاق رجعی واقع ہو جاتی ہے خواہ وہ اپنے شوہر ہی کو کیوں نہ اختیار کرلے۔

اور حضرت زید ابن ثابت اس بات کے قائل تھے کہ طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے چنانچہ حضرت عائشہ نے ان دونوں ہی کے اقوال کی تردید میں یہ حدیث بیان کر کے گویا یہ واضح کردیا کہ شوہر کے محض اختیار دینے سے کوئی بھی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

غیر شوہر کے وقوع طلاق میں طرق ثلاثہ کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں، کہ جب خاوند کی اجازت سے دوسرا کوئی شخص طلاق واقع کرے تو اس کے لئے تین طریقے ہیں: (۱) تفویض، (۲) توکیل، اور (۳) خط یا قاصد۔ بیوی کو طلاق کا حق تفویض کرنے کیلئے تین الفاظ ہیں، بیوی کو طلاق کا اختیار، یا معاملہ طلاق سپرد کرنا، یا اس کی مرضی پر رضامندی ظاہر کرنا، لہذا بیوی کو کہا "اختیار کرلے "یا" تیرا معاملہ تیرے سپرد" تو تفویض طلاق ہوگی۔ یا اس کو کہا" تو اپنے آپ کو طلاق دے "تو ان صورتوں میں بیوی کو جس مجلس میں اس تفویض کا علم ہوا اس مجلس عام میں خواہ بالمشافہ یا بطور اطلاع اپنے اختیار کو استعمال کرسکتی ہے، اگر خاوند نے یہ اختیار کسی وقت کے ساتھ مخصوص نہ کیا ہوتو

یہ مجلس ایک پورا دن یا اس سے بھی زیادہ ہو سکتی ہے اور اختیار کو کسی وقت سے مخصوص کیا ہوا اور وہ وقت بیوی کے علم سے قبل ختم ہو گیا تب بھی بیوی کو مجلسِ علم میں اختیار باقی ہوگا بشرطیکہ اس مجلس علم میں کوئی تبدیلی اُٹھنے یا اُٹھنے کے مترادف کوئی کام یا بات کرنے سے نہ آئی ہو کیونکہ ایسی بات یا کام حقیقۃً یا حکماً مجلس کی تبدیلی قرار پائے گا، مثلاً کسی ایسے کام میں وہاں ہی مصروف ہو جائے جس سے یہ سمجھا جائے کہ اس نے اختیار کو چھوڑ دیا اور ختم کر دیا ہے (درمختار، ج۱، ص۲۲۶، مطبوعہ دہلی)

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: جب کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے: تم اپنی ذات کو اختیار کر لو اور وہ ان الفاظ کے ذریعے طلاق دینے کی نیت کرے یا وہ شخص اپنی بیوی سے یہ کہے: ''تم اپنے آپ کو طلاق دے دو'' تو اس صورت میں عورت کو اس بات کا اختیار ہوگا' جب تک وہ اس مجلس میں موجود ہے وہ اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے۔

لیکن اگر وہ اس مجلس سے اٹھ جاتی ہے یا اس مجلس کے دوران کسی دوسرے کام میں مشغول ہو جاتی ہے' تو اس صورت میں اس کا یہ اختیار ختم ہو جائے گا۔ مصنف نے اس کی دلیل یہ بیان کی ہے: جس عورت کو اپنے آپ کو طلاق دینے کا اختیار دیا گیا ہو' اس کا یہ اختیار صرف اسی محفل کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے' جس میں اسے یہ اختیار دیا گیا تھا اور اس بات پر تمام صحابہ کرام y کا اتفاق ہے۔

اس حکم کی دوسری دلیل مصنف نے یہ بیان کی ہے: اس صورت میں عورت کو مالک بنایا گیا ہے' اور جب اس نوعیت کی صورتحال ہو' جب کسی دوسرے شخص کو مالک بنایا گیا ہو' تو وہ اسی محفل میں جواب کی متقاضی ہوتی جیسا کہ خرید و فروخت میں ہوتا ہے' ایک ہی محفل میں اگر ایجاب و قبول ہو جائے' تو ٹھیک ہے' ورنہ محفل تبدیل ہونے کے ساتھ حکم تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے: ایک محفل مختلف ساعات یعنی کئی گھڑیوں پر مشتمل ہوتی ہے' اور وہ طویل بھی ہو سکتی ہے' تو مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے: محفل کی وہ مختلف گھڑیاں ایک گھڑی شمار ہوں گی۔

مرد یا عورت کے کلام میں لفظ ''نفس'' (ذات) کا ذکر ہونا ضروری ہے

قَالَ ﴿وَلَا بُدَّ مِنْ ذِكْرِ النَّفْسِ فِي كَلَامِهِ اَوْ فِي كَلَامِهَا، حَتّٰى لَوْ قَالَ لَهَا: اخْتَارِي فَقَالَتْ قَدْ: اخْتَرْتُ فَهُوَ بَاطِلٌ﴾ لِاَنَّهُ عُرِفَ بِالْاِجْمَاعِ وَهُوَ فِي الْمُفَسَّرَةِ مِنْ اَحَدِ الْجَانِبَيْنِ، وَلِاَنَّ الْمُبْهَمَ لَا يَصْلُحُ تَفْسِيرًا لِلْمُبْهَمِ الْاٰخَرِ وَلَا تَعْيِينَ مَعَ الْاِبْهَامِ ﴿وَلَوْ قَالَ لَهَا: اخْتَارِي نَفْسَكِ فَقَالَتْ: اخْتَرْتُ تَقَعُ وَاحِدَةٌ بَائِنَةٌ﴾ لِاَنَّ كَلَامَهُ مُفَسَّرٌ، وَكَلَامُهَا خَرَجَ جَوَابًا لَهُ فَيَتَضَمَّنُ اِعَادَتَهُ ﴿وَكَذَا لَوْ قَالَ اخْتَارِي اخْتِيَارَةً فَقَالَتْ: اخْتَرْتُ﴾ لِاَنَّ الْهَاءَ فِي الْاِخْتِيَارَةِ تُنْبِءُ عَنِ الْاِتِّحَادِ وَالْاِنْفِرَادِ، وَاخْتِيَارُهَا نَفْسَهَا هُوَ الَّذِي يَتَّحِدُ مَرَّةً وَيَتَعَدَّدُ اُخْرٰى فَصَارَ مُفَسَّرًا مِنْ جَانِبِهِ.

ترجمہ

فرمایا: اور شوہر یا بیوی کے کلام میں لفظ نفس (ذات) کا موجود ہونا ضروری ہے اگر شوہر نے صرف یہ کہا: "تم اختیار کرلو" اور بیوی نے یہ کہا "میں نے اختیار کرلیا" تو یہ کہنا باطل شمار ہوگا کیونکہ یہ بات اجماع سے ثابت ہے اور اجماع میں بھی یہ بات شامل ہے کہ فریقین میں سے ایک کی طرف سے لفظ "نفس" (ذات) استعمال ہونا چاہئے۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے: ایک مبہم لفظ کسی دوسرے مبہم لفظ کی وضاحت نہیں کرسکتا اور جب تک ابہام موجود ہو اس وقت تک تعین ممکن نہیں ہوتا۔ اگر شوہر نے بیوی سے یہ کہا: "تمہیں اپنی ذات کے بارے میں اختیار ہے" اور بیوی نے جواب میں یہ کہہ دیا "میں نے اختیار کیا" تو ایک بائنہ طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ مرد کا کلام مفسر ہے جبکہ عورت کا کلام مرد کے کلام کے جواب میں صادر ہوا ہے اس لیے مرد کے کلام کا مفہوم اس میں پایا جائے گا۔ اسی طرح اگر شوہر نے یہ کہا: تم اختیار کرلو اور عورت نے جواب میں یہ کہہ دیا: میں نے اختیار کیا تو لفظ اختیارۃ میں "ۃ" اتحاد اور انفراد کی اطلاع دیتی ہے۔ عورت اپنی ذات کو بعض اوقات ایک مرتبہ اختیار کرتی ہے اور بعض اوقات متعدد مرتبہ اختیار کرتی ہے اس لیے یہ کلام مرد کی طرف سے مفسر شمار ہوگا۔

اپنی ذات پر اختیار ہونے کا بیان

حضرت ابن عباس سے مروی ہے بریرہ کا خاوند مغیث غلام تھا اور میں اسوقت بھی وہ لمحے یاد رکھتا ہوں جب وہ بہہ رہے تھے۔ تب نبی ﷺ نے فرمایا اے عباس! تم تعجب نہیں کرتے کہ مغیث بریرہ سے کس قدر محبت رکھتا ہے اور بریرہ کو مغیث سے کتنی نفرت ہے؟ آخر آپ نے بریرہ سے فرمایا کاش تو لوٹ جا مغیث کے پاس وہ تیرے بچہ کا باپ ہے۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا آپ مجھے حکم دے رہے ہیں (لوٹنے کا)؟ آپ نے فرمایا نہیں! بلکہ صرف سفارش کرتا ہوں۔

(سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر ۲۳۲)

لفظ نفس اختیار کرنے سے وقوع طلاق کا فقہی بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی مرد نے اپنی عورت سے کہا تو اپنے نفس کو اختیار کر عورت نے کہا میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا یا کہا میں نے اختیار کیا یا اختیار کرتی ہوں تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور تین کی نیت صحیح نہیں۔

شوہر نے دوبار کہا اختیار کر اختیار کر یا کہا اپنی ماں کو اختیار کر تو اب لفظ نفس ذکر کرنے کی حاجت نہیں یہ اُس کے قائم مقام ہوگیا۔ یونہی عورت کا کہنا کہ میں نے اپنے باپ یا ماں یا اہل یا ازواج کو اختیار کیا لفظ نفس کے قائم مقام ہے اور اگر عورت نے کہا میں نے اپنی قوم یا کنبہ والوں یا رشتہ داروں کو اختیار کیا تو یہ اسکے قائم مقام نہیں اور اگر عورت کے ماں باپ نہ ہوں تو یہ کہنا بھی کہ میں نے اپنے بھائی کو اختیار کیا کافی ہے اور ماں باپ نہ ہونے کی صورت میں اُس نے ماں باپ کو اختیار کیا جب بھی طلاق ہوجائے گی۔

عورت سے کہا تین کو اختیار کر عورت نے کہا میں نے اختیار کیا تو تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔ (درمختار، ج ۴، ص ۵۴۸، بیروت)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اور جب عورت نے جواب میں کہا میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا نہیں بلکہ اپنے شوہر کو تو واقع ہو جائے گی اور یوں کہا کہ میں نے اپنے شوہر کو اختیار کیا نہیں بلکہ اپنے نفس کو تو واقع نہ ہوگی اور اگر کہا میں نے اپنے نفس یا شوہر کو اختیار کیا تو واقع نہ ہوگی اور اگر کہا اپنے نفس اور شوہر کو تو واقع ہوگی اور اگر کہا شوہر اور نفس کو تو نہیں۔ (فتح القدیر، ۳، ص ۳۱۴، بیروت)

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے عورت سے کہا تجھے اختیار ہے یا تیرا معاملہ تیرے ہاتھ ہے اور اس سے مقصود طلاق کا اختیار دینا ہے تو عورت اُس مجلس میں اپنے کو طلاق دے سکتی ہے اگرچہ وہ مجلس کتنی ہی طویل ہو اور مجلس بدلنے کے بعد کچھ نہیں کرسکتی اور اگر عورت وہاں موجود نہ تھی یا موجود تھی مگر سُنا نہیں اور اُسے اختیار انھیں لفظوں سے دیا تو جس مجلس میں اُسے اسکا علم ہوا اُس کا اختیار ہے۔ ہاں اگر شوہر نے کوئی وقت مقرر کر دیا تھا مثلاً آج اُسے اختیار ہے اور وقت گزرنے کے بعد اُسے علم ہوا تو اب کچھ نہیں کرسکتی اور اگر ان لفظوں سے شوہر نے طلاق کی نیت ہی نہ کی تو کچھ نہیں کہ یہ کنایہ ہیں اور کنایہ میں بے نیت طلاق نہیں ہاں اگر غضب کی حالت میں کہا یا اُس وقت طلاق کی بات چیت تھی تو اب نیت نہیں دیکھی جائے گی۔ اور اگر عورت نے ابھی کچھ نہ کہا تھا کہ شوہر نے اپنے کلام کو واپس لیا تو مجلس کے اندر واپس نہ ہوگا یعنی بعد واپسی شوہر بھی عورت اپنے کو طلاق دے سکتی ہے اور شوہر اُسے منع بھی نہیں کرسکتا۔ اور اگر شوہر نے یہ لفظ کہے کہ تو اپنے کو طلاق دیدے یا تجھے اپنی طلاق کا اختیار ہے جب بھی یہی سب احکام ہیں مگر اس صورت میں عورت نے طلاق دیدی تو رجعی پڑے گی ہاں اس صورت میں عورت نے تین طلاقیں دیں اور مرد نے تین کی نیت بھی کرلی ہے تو تین ہوں گی اور مرد کہتا ہے میں نے ایک کی نیت کی تھی تو ایک بھی واقع نہ ہوگی اور اگر شوہر نے تین کی نیت کی یا یہ کہا کہ تو اپنے کو تین طلاقیں دے لے اور عورت نے ایک دی تو ایک پڑے گی اور اگر کہا تو اگر چاہے تو اپنے کو تین طلاقیں دے عورت نے ایک دی یا کہا تو اگر چاہے تو اپنے کو ایک طلاق دے عورت نے تین دیں تو دونوں صورتوں میں کچھ نہیں مگر پہلی صورت میں اگر عورت نے کہا میں نے اپنے کو طلاق دی ایک اور ایک اور ایک تو تین پڑیں گی۔ (جوہرہ نیرہ، کتاب طلاق)

اختیار سے وقوع طلاق کا بیان

﴿وَلَوْ قَالَ : اخْتَارِي فَقَالَتْ : قَدْ اخْتَرْتُ نَفْسِي يَقَعُ الطَّلَاقُ إذَا نَوَى الزَّوْجُ﴾ لِأَنَّ كَلَامَهَا مُفَسَّرٌ، وَمَا نَوَاهُ الزَّوْجُ مِنْ مُحْتَمَلَاتِ كَلَامِهِ ﴿وَلَوْ قَالَ : اخْتَارِي فَقَالَتْ : أَنَا أَخْتَارُ نَفْسِي فَهِيَ طَالِقٌ﴾ وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا تَطْلُقَ لِأَنَّ هَذَا مُجَرَّدُ وَعْدٍ أَوْ يَحْتَمِلُهُ، فَصَارَ كَمَا إذَا قَالَ لَهَا : طَلِّقِي نَفْسَك فَقَالَتْ : أَنَا أُطَلِّقُ نَفْسِي . وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ حَدِيثُ ﴿عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا فَإِنَّهَا قَالَتْ لَا بَلْ أَخْتَارُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ اعْتَبَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَوَابًا مِنْهَا، وَلِأَنَّ هَذِهِ الصِّيغَةَ حَقِيقَةٌ فِي الْحَالِ وَتَجُوزُ فِي الِاسْتِقْبَالِ كَمَا فِي كَلِمَةِ الشَّهَادَةِ، وَأَدَاءِ الشَّاهِدِ الشَّهَادَةَ، بِخِلَافِ قَوْلِهَا : أُطَلِّقُ نَفْسِي لِأَنَّهُ

تَعَذَّرَ حَمْلُهُ عَلَى الْحَالِ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِحِكَايَةٍ عَنْ حَالَةٍ قَائِمَةٍ، وَلَا كَذٰلِكَ قَوْلُهَا: أَنَا أَخْتَارُ نَفْسِي لِأَنَّهُ حِكَايَةٌ عَنْ حَالَةٍ قَائِمَةٍ وَهُوَ اخْتِيَارُهَا نَفْسَهَا،

ترجمہ

اور جب شوہر نے یہ کہا: "تمہیں اختیار ہے" اور بیوی نے جواب میں یہ کہہ دیا "میں اپنی ذات کو اختیار کرتی ہوں" تو اگر شوہر نے طلاق کی نیت کی ہو' تو اس کے نتیجے میں طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی' کیونکہ یہاں عورت کا کلام مفسر ہے اور مرد نے جس بات کی نیت کی ہے اس کے کلام میں اس مفہوم کا احتمال پایا جاتا ہے۔ اگر شوہر نے یہ کہا' تم اختیار کرو اور عورت نے جواب میں یہ کہا: میں اپنی ذات کو اختیار کرتی ہوں' تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے: طلاق واقع نہیں ہونی چاہئے کیونکہ (عبارت میں استعمال ہونے والا لفظ) مستقبل کا مفہوم رکھنے کی دلیل سے محض وعدہ بن جاتا ہے اور (دوسری طرف زمانہ حال) کا بھی احتمال رکھتا ہے' تو یہ اسی طرح ہو جائے گا' جیسے مرد نے یہ کہا ہو "تم اپنی ذات کو طلاق دے دو" اور اس کے جواب میں عورت نے یہ کہہ دیا ہو: میں اپنی ذات کو طلاق دے دوں گی (تو اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی)۔ لیکن اس جگہ پر استحسان کی دلیل سیدہ عائشہ W کے یہ الفاظ ہیں (جن کا تذکرہ احادیث میں ہے) "نہیں! بلکہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو اختیار کروں گی"۔ (اس میں بھی فعل مضارع کا صیغہ ہے) لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جواب کو قابل اعتبار تسلیم کیا تھا۔ اس کی دوسری دلیل یہ ہے: لفظ اختار شہادت (گواہی) کا کلمہ ہے اور دوسری گواہیوں کی طرح یہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے زمانہ حال کا مفہوم ادا کرتا ہے اور مجازی طور پر زمانہ مستقبل کا مفہوم ادا کرتا ہے۔ لیکن جہاں تک لفظ اطلق نفسی (میں اپنی ذات کو طلاق دیتی ہوں) کا تعلق ہے' تو اسے زمانہ حال پر محمول نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ کسی موجودہ حالت کا بیان نہیں ہے۔ لیکن یہ صورت اس سے مختلف ہے: جب عورت نے یہ کہا ہو: میں اپنی ذات کو اختیار کرتی ہوں' کیونکہ یہ حالت کا بیان ہوسکتا ہے اور وہ اس کا اپنی ذات کو اختیار کرنا ہے۔

شرح

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن خطاب سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنی ازواج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے علیحدہ ہو گئے اس وقت میں مسجد میں داخل ہوا تو لوگوں کو کنکریاں الٹ پلٹ کرتے ہوئے دیکھا وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے یہ انہیں پردے کا حکم دیے جانے سے پہلے کا واقعہ ہے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں نے کہا میں آج کے حالات ضرور معلوم کروں گا پس میں سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گیا اور کہا اے ابوبکر کی بیٹی تمہارا یہ حال کیا ہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف دینے لگی ہو انہوں نے کہا ابن خطاب مجھے تجھ سے اور تجھ کو مجھ سے کیا کام تم پر اپنی گٹھڑی کا خیال رکھنا لازم ہے حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پھر میں حفصہ بنت عمر کے پاس گیا اور میں نے اسے کہا اے حفصہ! تمہارا یہ حال کیا ہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذاء دینے لگی ہو اور اللہ کی قسم تو جانتی ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم تجھ سے محبت نہیں کرتے اور اگر میں نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تجھے طلاق دے چکے ہوتے پس وہ روئیں اور خوب روئیں تو میں نے ان سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہاں ہیں تو اس نے کہا وہ اپنے گودام اور بالا خانے اوپر والے کمرے میں ہیں، میں حاضر ہوا تو دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام رباح اس بالا خانے کے دروازے پر اپنے پاؤں ایک کھدی ہوئی لکڑی پر لٹکائے جو کہ کھجور دکھائی دے رہی تھے بیٹھا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس لکڑی پر سے چڑھتے اور اترتے تھے میں نے آواز دی اے رباح میرے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہونے کے لئے اجازت لو رباح نے کمرے کی طرف دیکھا پھر میری طرف دیکھا لیکن کوئی بات نہیں کی پھر میں نے کہا حاضر ہونے کی اجازت لو تو رباح نے بالا خانے کی طرف دیکھا پھر میری طرف دیکھا لیکن کوئی بات نہیں کی پھر میں نے با آواز بلند کہا اے رباح! میرے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہونے کی اجازت لو پس میں نے اندازہ لگایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گمان کیا کہ میں حفصہ کی دلیل سے حاضر ہوا ہوں حالانکہ اللہ کی قسم اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اس کی گردن مار دینے کا حکم دیتے تو میں اس کی گردن مار دیتا اور میں نے اپنی آواز کو بلند کیا تو اس نے اشارہ کیا کہ میں چڑھ آؤں پس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے میں بیٹھ گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چادر اپنے اوپر لے لی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اس کے علاوہ کوئی کپڑا نہ تھا اور چٹائی کے نشانات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو (کمر) پر لگے ہوئے تھے پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خزانہ کو بغور دیکھا تو اس میں چند مٹھی جو تھے جو کہ ایک صاع کی مقدار میں ہوں گے اور اس کے برابر سلم کے پتے ایک کونہ میں پڑے ہوئے تھے اور ایک کچا چمڑا جس کی دباغت اچھی طرح نہ ہوئی تھی لٹکا ہوا تھا پس میری آنکھیں بھر آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے ابن خطاب! تجھے کس چیز نے رلا دیا؟ میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! مجھے کیا ہو گیا کہ میں نہ روؤں حالانکہ یہ چٹائی کے نشانات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو پر ہیں اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خزانہ ہے میں نہیں دیکھتا اس میں کچھ مگر وہی جو سامنے ہے اور وہ قیصر و کسریٰ ہیں جو پھلوں اور نہروں میں زندگی گزارتے ہیں حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول اور اس کے برگزیدہ بندے ہیں اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خزانہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے ابن خطاب کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ ہمارے لئے آخرت ہے اور ان کے لئے دنیا؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں اور میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب حاضر ہوا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ انور پر غصہ دیکھا میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عورتوں کی طرف سے کیا مشکل پیش آئی اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں طلاق دے چکے ہیں تو اللہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہے نصرت و مدد اس کے فرشتے جبرائیل اور میکائیل ہیں اور ابو بکر اور مومنین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہیں اور اکثر جب میں گفتگو کرتا اور اللہ کی تعریف کرتا کسی گفتگو کے ساتھ تو اس امید کے ساتھ کہ اللہ اس کی تصدیق کرے گا جو بات میں کرتا ہوں اور آیت تخییر نازل ہوئی

(وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ)66 . التحریم 3 : 4.)

قریب ہے کہ نبی اگر تم کو طلاق دے دیں تو اس کا پروردیگار اس کو تم سے بہتر بیویاں عطا کر دے اور تم دونوں نے ان پر زور دیا تو اللہ ہی اس کا مددگار اور جبرائیل اور نیک مومنین اور فرشتے اس کے بعد پشت پناہی کرنے والے ہیں اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت ابوبکر اور حفصہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام بیویوں پر زور دیا تھا میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں طلاق دے دی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میں مسجد میں داخل ہوا اور لوگ کنکریاں الٹ پلٹ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے کیا میں اتر کر انہیں خبر نہ دوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں طلاق نہیں دی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں اگر تو چاہے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو میں مشغول رہا یہاں تک کہ غصہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ سے دور ہو گیا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دانت مبارک کھولے اور مسکرا دیئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دانتوں کی ہنسی سب لوگوں سے خوبصورت تھی پھر اللہ کے نبی ﷺ اترے اور میں بھی اترا اس کھجور کی لکڑی کو پکڑتا ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح اترے گویا زمین پر چل رہے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لکڑی کو ہاتھ تک نہ لگایا میں نے کہا اے اللہ کے رسول آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتیس دن سے اس کمرہ میں تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مہینہ کبھی انتیس دن کا بھی ہوتا ہے مسجد کے دروازہ پر کھڑے ہو کر میں نے پکارا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج کو طلاق نہیں دی اور یہ آیت نازل ہوئی

(وَاِذَا جَاۗءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۭوَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ)4 . النساء 83 :)

جب انکے پاس کوئی خبر چین یا خوف کی آتی ہے تو اسے مشہور کر دیتے ہیں اور اگر وہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اپنے اہل امر کی طرف لوٹاتے تو لوگ جان لیتے ان لوگوں کو جو ان میں سے استنباط کرنے والے ہیں تو میں نے اس سے اس حقیقت کو جان لیا پھر اللہ عزوجل نے آیت تخییر نازل کی۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 1198)

مصنف فرماتے ہیں: قیاس کا تقاضا یہ تھا: یہاں طلاق نہیں ہونی چاہئے اس کی دلیل یہ ہے: یہ صرف ایک وعدہ ہے یا یہ اس کا احتمال رکھتا ہے تو یہ اسی طرح ہوگا جیسے مرد نے عورت سے یہ کہا ہو: تم اپنے آپ کو طلاق دے دو اور وہ جواب میں یہ کہہ دے: میں اپنی ذات کو طلاق دے دوں گی۔

مصنف یہ بیان کرتے ہیں: یہاں یہ حکم اس قیاس کے خلاف ہے اور اس کی دلیل استحسان ہے اور استحسان کی دلیل وہ روایت ہے جسے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے جس کے مطابق سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہ الفاظ ہیں۔

''انہوں نے عرض کی: نہیں! بلکہ میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کروں گی''۔ اگرچہ یہاں پر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فعل مضارع کا صیغہ استعمال کیا ہے جو زمانہ حال اور مستقبل پر دلالت کرتا ہے لیکن کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ان کے اس کلام کا اعتبار کیا تھا اور اس کو اس کا جواب تسلیم کیا تھا لہٰذا یہاں پر فعل مستقبل کا مفہوم رکھنے والا لفظ بھی زمانہ حال کے مفہوم میں شمار ہوگا۔

مصنف نے اس کی دوسری دلیل یہ بیان کی ہے: یہ صیغہ یعنی جو صیغہ فعل مضارع کا ہے وہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے زمانہ حال کے لئے ہوتا ہے البتہ اس میں مستقبل کے معنی مراد لینا بھی جائز ہوتا ہے جیسا کہ کلمہ شہادت ہے یا گواہی کے طور پر استعمال کیے جانے والے الفاظ ہیں: اگر ان میں مضارع کا صیغہ بھی استعمال کیا جائے یعنی ''اشہد'' میں گواہی دیتا ہوں یا گواہی دوں گا تو یہ اگرچہ واحد متکلم سے مضارع کا صیغہ ہے۔ یہ زمانہ حال کے مفہوم میں استعمال ہوگا۔

یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے: اگر عورت نے یہ کہا ہو: میں اپنی ذات کو طلاق دے دوں گی تو اس کے نتیجے میں طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ یہاں مستقبل کے اور وعدے کی بات آ رہی ہے تو مصنف نے یہ بات جواب کے طور پر بیان کی ہے: ''میں اپنے آپ کو طلاق دے دوں گی'' کا حکم اس سے مختلف ہے کیونکہ اسے حال پر محمول کرنا دشوار ہے اس کی دلیل یہ ہے: یہ کسی ثابت شدہ واقع کی حکایت کے طور پر بیان نہیں کیا گیا ہے۔

لیکن جو مسئلہ پہلے ذکر کیا گیا یعنی عورت یہ کہے: میں اپنی ذات کو اختیار کرلوں گی وہاں ایسا نہیں ہوگا کیونکہ وہاں زمانہ حال کی صورتحال اس بات کی وضاحت کر رہی ہے کہ وہ عورت اپنے آپ کو اختیار زمانہ حال میں کر رہی ہے۔

جب شوہر تین مرتبہ لفظ ''اختاری'' استعمال کرے

وَلَوْ قَالَ لَهَا :اخْتَارِي اخْتَارِي اخْتَارِي فَقَالَتْ :قَدْ اخْتَرْتُ الْأُولَى أَوْ الْوُسْطَى أَوْ الْأَخِيرَةَ طَلُقَتْ ثَلَاثًا فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ، وَلَا يُحْتَاجُ إلَى نِيَّةِ الزَّوْجِ ﴿وَقَالَا :تَطْلُقُ وَاحِدَةً﴾ وَإِنَّمَا لَا يُحْتَاجُ إلَى نِيَّةِ الزَّوْجِ لِدَلَالَةِ التَّكْرَارِ عَلَيْهِ إذْ الِاخْتِيَارُ فِي حَقِّ الطَّلَاقِ هُوَ الَّذِي يَتَكَرَّرُ لَهُمَا إنْ ذَكَرَ الْأُولَى، وَمَا يَجْرِي مَجْرَاهُ إنْ كَانَ لَا يُفِيدُ مِنْ حَيْثُ التَّرْتِيبُ يُفِيدُ مِنْ حَيْثُ الْإِفْرَادُ فَيُعْتَبَرُ فِيمَا يُفِيدُ.

وَلَهُ أَنَّ هٰذَا وَصْفٌ لَغْوٌ لِأَنَّ الْمُجْتَمِعَ فِي الْمِلْكِ لَا تَرْتِيبَ فِيهِ كَالْمُجْتَمِعِ فِي الْمَكَانِ، وَالْكَلَامُ لِلتَّرْتِيبِ وَالْإِفْرَادُ مِنْ ضَرُورَاتِهِ، فَإِذَا لَغَا فِي حَقِّ الْأَصْلِ لَغَا فِي حَقِّ الْبِنَاءِ ﴿وَلَوْ قَالَتْ اخْتَرْتُ اخْتِيَارَةً فَهِيَ ثَلَاثٌ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا﴾ لِأَنَّهَا لِلْمَرَّةِ فَصَارَ كَمَا إِذَا صَرَّحَتْ بِهَا وَلِأَنَّ الْاخْتِيَارَةَ لِلتَّأْكِيدِ وَبِدُونِ التَّأْكِيدِ تَقَعُ الثَّلَاثُ فَمَعَ التَّأْكِيدِ أَوْلَى ﴿وَلَوْ قَالَتْ قَدْ طَلَّقْتُ نَفْسِي أَوْ اخْتَرْتُ نَفْسِي بِتَطْلِيقَةٍ فَهِيَ وَاحِدَةٌ يَمْلِكُ الرَّجْعَةَ﴾ لِأَنَّ هٰذَا اللَّفْظَ يُوجِبُ الْانْطِلَاقَ بَعْدَ انْقِضَاءِ الْعِدَّةِ فَكَأَنَّهَا اخْتَارَتْ نَفْسَهَا بَعْدَ الْعِدَّةِ ﴿وَإِنْ قَالَ لَهَا أَمْرُكِ بِيَدِكِ فِي تَطْلِيقَةٍ أَوْ اخْتَارِي تَطْلِيقَةً فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا فَهِيَ وَاحِدَةٌ يَمْلِكُ الرَّجْعَةَ﴾ لِأَنَّهُ جَعَلَ لَهَا الْاخْتِيَارَ لٰكِنْ بِتَطْلِيقَةٍ وَهِيَ مُعْقِبَةٌ لِلرَّجْعَةِ بِالنَّصِّ.

ترجمہ

اور جب شوہر نے بیوی سے یہ کہا: ''تمہیں اختیار ہے'تمہیں اختیار ہے'تمہیں اختیار ہے'' اور بیوی نے جواب میں یہ کہا: میں نے پہلا' دوسرا اور تیسرا اختیار قبول کرلیا' تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی' اور اس بارے میں شوہر کی نیت کی ضرورت نہیں ہوگی۔ البتہ صاحبین کے نزدیک اس کے ذریعے صرف ایک طلاق واقع ہوگی اور اس میں بھی شوہر کا نیت کرنا ضروری نہیں ہے' کیونکہ شوہر کے الفاظ میں تکرار طلاق کے مفہوم پر دلالت کررہا ہے اور اختیار کے بارے میں الفاظ کا تکرار صرف طلاق کے حق کے بارے میں ہی ہوسکتا ہے۔ صاحبین اس بات کے قائل ہیں: پہلی طلاق اور اس کے بعد دوسری طلاقوں کا تذکرہ کرنا ترتیب کا فائدہ نہیں دیتا۔ اس کے ذریعے مفرد معنی کا فائدہ حاصل ہوتا ہے' لہٰذا لفظ جو فائدہ دے رہا ہے وہی قابل اعتبار استعمال ہوگا۔ امام اعظم نے یہ بات بیان کی ہے: یہ وصف لغو شمار ہوگا اس کی دلیل یہ ہے: جو بھی چیز ملکیت میں اکٹھی ہوکر آئے اس میں ترتیب نہیں پائی جاتی جیسے اگر چار آدمی ایک ہی مکان میں اکٹھے بیٹھے ہوئے ہوں تو ان میں ترتیب ضروری نہیں ہوگی۔ البتہ کلام میں ترتیب کا لحاظ ہوتا ہے اور مفرد ہونا اس کے لئے ضروری ہے' لہٰذا جب کلام اپنی اصل کے اعتبار سے لغو ہوجائے گا' تو اس امر کے حق میں بھی لغو ہوجائے گا جو اس کلام پر مبنی ہے۔ مذکورہ صورت میں اگر بیوی جواب میں یہ کہے: میں نے اختیار کیا تو سب کے نزدیک تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی' کیونکہ لفظ اختیارا ایک مرتبہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے' تو گویا بیوی نے جواب میں یہ کہا: میں نے تینوں کو ایک ہی مرتبہ میں اختیار کرلیا ہے۔ نیز لفظ اختیارہ تاکید کے لئے بھی ہے' اور جب تاکید کے بغیر تین واقع ہورہی ہیں' تو تاکید کے ساتھ تو بدرجہ اولیٰ تین واقع ہونی چاہئے۔ اگر بیوی جواب میں یہ کہہ دے: میں نے اپنے آپ کو ایک طلاق دی' یا میں نے ایک طلاق کو اختیار کیا' تو ایک رجعی طلاق واقع ہوگی' اور ایسی صورت میں مرد رجوع کرنے کا حق رکھے گا' چونکہ لفظ کا تقاضا یہ ہے: طلاق عدت کے گزر جانے کے بعد واقع ہو' تو گویا اس عورت نے اپنی ذات کو عدت کے بعد اختیار کیا ہے۔ اگر شوہر نے

بیوی سے یہ کہا: ایک طلاق کے بارے میں تمہیں اختیار ہے' یا تم ایک طلاق کو اختیار کر سکتی ہو' اور پھر عورت نے اپنی ذات کو اختیار کر لیا تو یہ ایک طلاق واقع ہوگی جس میں شوہر کو رجوع کا اختیار ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے: مرد نے عورت کو اختیار دیا ہے' لیکن صرف ایک طلاق کے بارے میں اور نص سے یہ بات ثابت ہے اس کے نتیجے میں رجوع کی گنجائش ہوتی ہے۔

عورت کو اختیار طلاق دینے سے متعلق احادیث و آثار

(۱) امام مالک علیہ الرحمہ علیہ الرحمہ بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک شخص عبداللہ بن عمر کے پاس آیا اور بولا میں نے اپنی عورت کو طلاق کا اختیار دیا تھا اس نے اپنے آپ کو تین طلاق دے لی اب کیا کہتے ہو ابن عمر نے کہا کہ طلاق پڑ گئی وہ شخص بولا ایسا تو مت کرو ابن عمر نے کہا میں نے کیا کیا تو نے اپنے آپ کیا۔ (موطا امام مالک علیہ الرحمہ: جلد اول: حدیث نمبر 1038)

(۲) قاسم بن محمد سے روایت ہے کہ ایک شخص ثقفی نے اپنی عورت کو طلاق کا اختیار دیا اس نے اپنے تئیں ایک طلاق دی یہ چپ ہو رہا پھر اس نے دوسری طلاق دی اس نے کہا تیرے منہ میں پتھر اس نے تیسری طلاق دی اس نے کہا تیرے منہ میں پتھر پھر دونوں لڑتے ہوئے مروان کے پاس آئے مروان نے اس بات کی قسم لی کہ میں نے ایک طلاق کا اختیار دیا تھا اس کے بعد وہ عورت اس کے حوالے کر دی۔ کہا مالک نے عبدالرحمٰن کہتے تھے کہ قاسم بن محمد اس فیصلہ کو پسند کرتے تھے اور مجھے بھی بہت پسند ہے۔ (موطا امام مالک علیہ الرحمہ: جلد اول: حدیث نمبر 1041)

(۳) حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن کا پیام بھیجا قریبہ بنت ابی امیہ کے پاس ان کے لوگوں نے ان کا عبدالرحمٰن کے ساتھ نکاح کر دیا اس کے بعد لڑائی ہوئی ان لوگوں نے کہا یہ نکاح حضرت عائشہ نے کروایا ہے حضرت عائشہ نے عبدالرحمٰن سے کہا عبدالرحمٰن نے اختیار دے دیا قریبہ نے اپنے خاوند کو اختیار کیا اس کو طلاق نہ سمجھا۔ (موطا امام مالک علیہ الرحمہ: جلد اول: حدیث نمبر 1042)

لفظ اختیار کی مختلف صورتوں میں وقوع طلاق کا فقہی بیان

علامہ شمس الدین تمرتاشی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اور جب شوہر نے تین بار کہا تجھے اپنے نفس کا اختیار ہے عورت نے کہا میں نے اختیار کیا یا کہا پہلے کو اختیار کیا یا بیچ والے کو یا پچھلے کو یا ایک کو بہر حال تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ اور اگر اس کے جواب میں کہا کہ میں نے اپنے نفس کو طلاق دی یا میں نے اپنے نفس کو ایک طلاق کے ساتھ اختیار کیا یا میں نے پہلی طلاق اختیار کی تو ایک بائن واقع ہوگی۔

اور اگر شوہر نے تین مرتبہ کہا مگر عورت نے پہلی ہی بار کے جواب میں کہہ دیا میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا تو بعد والے الفاظ باطل ہوگئے۔ یونہی اگر عورت نے کہا میں نے ایک کو باطل کر دیا تو سب باطل ہوگئے۔ (تنویر الابصار، ۵، ص ۵۵۰، بیروت)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

جب شوہر نے کہا تجھے اپنے نفس کا اختیار ہے کہ تو طلاق دیدے عورت نے طلاق دی تو بائن واقع ہوئی۔ عورت سے کہا تین طلاقوں میں سے جو تو چاہے تجھے اختیار ہے تو ایک یا دو کا اختیار ہے تین کا نہیں۔ عورت کو اختیار دیا اُس نے جواب میں کہا میں تجھے نہیں اختیار کرتی یا تجھے نہیں چاہتی یا مجھے تیری حاجت نہیں تو یہ سب کچھ نہیں اور اگر کہا میں نے یہ اختیار کیا کہ تیری عورت نہ ہوں تو بائن ہوگئی۔ کسی سے کہا تو میری عورت کو اختیار دیدے تو جب تک یہ شخص اُسے اختیار نہ دے گا عورت کو اختیار حاصل نہیں اور اگر اُس شخص سے کہا تو عورت کو اختیار کی خبر دے تو عورت کو اختیار حاصل ہوگیا اگرچہ خبر نہ کرے۔ (درمختار، ج ۴، ص ۵۵۲، بیروت)

فصل فی الامر بالید

﴿یہ فصل طلاق کا معاملہ تیرے ہاتھ میں کہنے کے بیان میں ہے﴾

طلاق کا معاملہ تیرے ہاتھ میں فصل کی فقہی مطابقت

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے اختیار والی فصل سے اس فصل کو مؤخر ذکر کیا ہے کیونکہ اس کی تائید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سے ہے۔ اور جب کوئی شخص کسی معاملہ کو اپنی بیوی کے سپرد کردے تو یہ اسی طرح ہو جاتا ہے جس طرح اختیار کے دیگر مسائل کا حکم شرعی ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۵ ص ۳۰۰، بیروت)

تیرے ہاتھ میں امر سے طلاق کی تحقیق

حضرت حماد بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ایوب سے دریافت کیا کہ کیا تم اس شخص سے واقف ہو جو کہ جملہ امرک بیدک بولنے سے تین طلاق کے واقع ہونے کا قائل ہو علاوہ حضرت حسن کے وہ فرماتے ہیں اس جملہ کے کہنے سے تین طلاق واقع ہو جاتی ہیں۔ حضرت ایوب نے جواب دیا کہ میں نے کسی شخص کو اس طریقہ سے کہتے ہوئے نہیں سنا۔ وہ کہہ رہے ہیں اس جملہ کے کہنے سے تین طلاق (یعنی طلاق مغلظہ) واقع ہو جاتی ہے۔ یہ بات سن کر خدا ان کی مغفرت فرمادے اگر ان سے غلطی ہوگئی ہو لیکن وہ حدیث شریف جو کہ مجھ سے حضرت قتادہ نے نقل کی۔ حضرت کثیر کی روایت ہے اور کثیر نے حضرت ابوسلمہ سے اور حضرت ابوسلمہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس طریقہ سے بیان کیا کہ وہ تین طلاقیں ہوتی ہیں۔ راوی کہتا تھا۔ راوی کہتا ہے کہ پھر میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور میں نے ان سے یہ حالت نقل کی۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے نقل کیا کہ وہ بھول گیا۔ حضرت عبدالرحمٰن جو کہ اس کتاب کے مصنف ہیں وہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے۔ (سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1348)

اَمْرُكِ بِيَدِكِ الفاظ استعمال کرنے کا حکم

﴿وَإِنْ قَالَ لَهَا: أَمْرُكِ بِيَدِكِ يَنْوِي ثَلَاثًا فَقَالَتْ: قَدْ اخْتَرْت نَفْسِي بِوَاحِدَةٍ فَهِيَ ثَلَاثٌ﴾ لِأَنَّ الِاخْتِيَارَ يَصْلُحُ جَوَابًا لِلْأَمْرِ بِالْيَدِ لِكَوْنِهِ تَمْلِيكًا كَالتَّخْيِيرِ، وَالْوَاحِدَةُ صِفَةٌ لِلِاخْتِيَارَةِ، فَصَارَ كَأَنَّهَا قَالَتْ: اخْتَرْت نَفْسِي بِمَرَّةٍ وَاحِدَةٍ وَبِذَلِكَ يَقَعُ الثَّلَاثُ

﴿وَلَوْ قَالَتْ: قَدْ طَلَّقْت نَفْسِي بِوَاحِدَةٍ أَوْ اخْتَرْت نَفْسِي بِتَطْلِيقَةٍ فَهِيَ وَاحِدَةٌ بَائِنَةٌ﴾ لِأَنَّ الْوَاحِدَةَ نَعْتٌ لِمَصْدَرٍ مَحْذُوفٍ وَهُوَ فِي الْأُولَى الِاخْتِيَارَةُ، وَفِي الثَّانِيَةِ التَّطْلِيقَةُ

اِلَّا اَنَّهَا تَكُوْنُ بَائِنَةً لِاَنَّ التَّفْوِيْضَ فِي الْبَائِنِ ضَرُوْرَةُ مِلْكِهَا اَمْرَهَا، وَكَلَامُهَا خَرَجَ جَوَابًا لَهُ فَتَصِيْرُ الصِّفَةُ الْمَذْكُوْرَةُ فِي التَّفْوِيْضِ مَذْكُوْرَةً فِي الْاِيْقَاعِ وَاِنَّمَا تَصِحُّ نِيَّةُ الثَّلَاثِ فِيْ قَوْلِهِ :اَمْرُكِ بِيَدِكِ لِاَنَّهُ يَحْتَمِلُ الْعُمُوْمَ وَالْخُصُوْصَ وَنِيَّةُ الثَّلَاثِ نِيَّةُ التَّعْمِيْمِ، بِخِلَافِ قَوْلِهِ :اخْتَارِيْ لِاَنَّهُ لَا يَحْتَمِلُ الْعُمُوْمَ وَقَدْ حَقَّقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ .

ترجمہ

اور اگر شوہر نے تین طلاقوں کی نیت رکھتے ہوئے بیوی سے کہا "تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے" اور بیوی نے جواب میں یہ کہہ دیا: میں اپنے لیے ایک (طلاق) اختیار کرتی ہوں' تو تین طلاقیں ہی واقع ہوں گی۔ لفظ اختیار بھی "الامر بالید" کا جواب ہوسکتا ہے' کیونکہ اختیار دینے کی طرح لفظ "الامر بالید" کے ذریعے بھی عورت کو مالک بنایا جاسکتا ہے' تو لفظ واحدۃ اختیار کی صفت ہوگی گویا بیوی نے جواب میں یہ کہہ دیا: میں نے اپنی ذات کو ایک ہی مرتبہ اختیار کرلیا اور ان الفاظ کے ذریعے تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔ اگر مذکورہ کلام کے جواب میں بیوی یہ کہے: (میں نے اپنے آپ کو ایک طلاق دی' یا میں نے اپنے لیے ایک طلاق کو اختیار کیا) تو اس کے نتیجے میں ایک بائنہ طلاق واقع ہوگی' کیونکہ لفظ واحدۃ محذوف مصدر کی صفت ہے اور وہ پہلی صورت میں اختیار شمار ہوگا اور دوسری صورت میں طلاق ہوگا اور طلاق بھی بائنہ شمار ہوگی' کیونکہ بائنہ طلاق میں تفویض کرنا ضرورت کے پیش نظر ہے' جبکہ شوہر نے خود اسے اس معاملے کا مالک بنایا ہے' اور عورت کا قول' جواب کے طور پر اس سے صادر ہوا ہے' لہٰذا تفویض میں جو صفت مذکور ہوگی طلاق کے واقع ہونے میں بھی وہی پائی جائے گی۔ اس کے علاوہ لفظ امرک بیدک میں تین طلاقوں کی نیت اس لیے بھی درست ہے' کیونکہ لفظ الامر بالید میں عموم اور خصوص دونوں کا احتمال پایا جاتا ہے اور تین کی نیت کرنا عموم کا مفہوم رکھتا ہے۔ لیکن اگر مرد نے یہ لفظ استعمال کیے "اختاری" تو ان میں عموم کا احتمال نہیں پایا جاتا ہم اس سے پہلے اس کی تحقیق کرچکے ہیں۔

سپرد اختیار سے طلاق ثلاثہ کے وقوع میں فقہی مذاہب

امام ترمذی علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت حماد بن زید نقل کرتے ہیں کہ میں نے ایوب سے پوچھا کہ آپ حسن کے علاوہ کسی اور شخص کو جانتے ہیں جس نے کہا کہ بیوی سے یہ کہنے سے کہ تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے تین طلاق واقع ہوجاتی ہیں فرمایا میں حسن کے سوا کسی کو نہیں جانتا پھر فرمایا اے اللہ بخشش فرما مجھے یہ حدیث قتادہ سے پہنچی انہوں نے ابوہریرہ سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے نقل کی کہ آپ نے فرمایا تین طلاقیں ہوگئیں ایوب کہتے ہیں کہ میں نے کثیر سے ملاقات کرکے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اس سے لاعلمی کا اظہار کیا پھر میں حضرت قتادہ کے پاس آیا اور انہیں اس بات کی خبر دی انہوں نے فرمایا کہ کثیر بھول گئے ہیں یہ حدیث ہم صرف سلیمان بن حرب کی حماد بن زید سے روایت سے جانتے ہیں میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا ہم سے بھی سلیمان بن حرب، حماد بن زید سے یہی حدیث نقل

اپنے آپ کو آزاد کرلیا ہے یہ اس چیز کی خبر دے رہا ہے جس کی انشاء کا ابھی تک وہ مالک نہیں بنا تو فی الحال غلام کا کوئی قول نہیں ہے، کیونکہ اب مجلس بدلنے کی دلیل سے اختیار اس کے ہاتھ سے نکل چکا ہے، اور یونہی آکر کہا کہ "میں نے کل تجھے مال کے عوض آزادی کا اختیار دیا تھا جسے تو نے قبول نہ کیا"، تو غلام نے کہا "میں نے قبول کرلیا تھا" تو مالک کی بات معتبر ہوگی۔ اور یہی تمام صورتیں طلاق اور بیوی کے ہاتھ میں اختیار دینے کے متعلق ہیں۔ (جامع الفصولین، ج ۱، ص ۳۰۲، مکتبہ اسلامی بنوری ٹاؤن کراچی)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی مرد نے عورت سے کہا تیرا امر تیرے ہاتھ ہے تو اس میں بھی وہی شرائط واحکام ہیں جو اختیار کے ہیں کہ نیت طلاق سے کہا ہو اور نفس کا ذکر ہو اور جس مجلس میں کہا یا جس مجلس میں علم ہوا اُسی میں عورت نے طلاق دی ہو تو واقع ہو جائے گی اور شوہر رجوع نہیں کرسکتا صرف ایک بات میں فرق ہے وہاں تین کی نیت صحیح نہیں اور اس میں اگر تین طلاق کی نیت کی تو تین واقع ہونگی اگر چہ عورت نے اپنے کو ایک طلاق دی یا کہا میں نے اپنے نفس کو قبول کیا یا اپنے امر کو اختیار کیا یا تو مجھ پر حرام ہے یا مجھ سے جدا ہے یا میں تجھ سے جُدا ہوں یا مجھے طلاق ہے۔ اور اگر مرد نے دو کی نیت کی یا ایک کی یا نیت میں کوئی عدد نہ ہو تو ایک ہوگی۔

اور اگر اس کی زدیل نابالغہ ہے اُس سے یہ کہا کہ تیرا امر تیرے ہاتھ ہے اُس نے اپنے کو طلاق دیدی ہوگئی اور اگر عورت کے باپ سے کہا کہ اُس کا امر تیرے ہاتھ ہے اس نے کہا میں نے قبول کیا یا کوئی اور لفظ طلاق کا کہا طلاق ہوگئی۔

(ردمحتار، ج ۴، ص ۵۵۵، بیروت)

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں کہ جب شوہر نے کہا تیرا امر تیرے ہاتھ ہے اس کے جواب میں عورت نے کہا میرا امر میرے ہاتھ ہے تو یہ جواب نہ ہوا یعنی طلاق نہ ہوئی بلکہ جواب میں وہ لفظ ہونا چاہیے جس کی نسبت عورت کی طرف اگر زوج کرتا تو طلاق ہوتی مثلاً کہے میں نے اپنے نفس کو حرام کیا، بائن کیا، طلاق دی، وغیرہا۔ یونہی اگر جواب میں کہا میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا یا کہا قبول کیا یا عورت کے باپ نے قبول کیا جب بھی طلاق ہوگئی۔ یونہی اگر جواب میں کہا تو مجھ پر حرام ہے یا میں تجھ پر حرام ہوئی یا تو مجھ سے جدا ہے یا میں تجھ سے جدا ہوں یا کہا میں حرام ہوں یا میں جدا ہوں تو ان سب صورتوں میں طلاق ہے اور اگر کہا تو حرام ہے اور یہ نہ کہا کہ مجھ پر یا تو جدا ہے اور یہ نہ کہا کہ مجھ سے تو باطل ہے طلاق نہ ہوئی۔

اس کے جواب میں اگر چہ رجعی کا لفظ ہو طلاق بائن پڑے گی ہاں اگر شوہر نے کہا تیرا امر تیرے ہاتھ ہے طلاق دینے میں تو رجعی ہوگی یا شوہر نے کہا تین طلاق کا امر تیرے ہاتھ ہے اور عورت نے ایک یا دو دی تو رجعی ہے۔ اور جب اس نے کہا تیرا امر تیری ہتھیلی میں ہے یا دہنے ہاتھ میں یا بائیں ہاتھ میں یا تیرا امر تیرے ہاتھ میں کر دیا یا تیرے ہاتھ کو سپرد کر دیا یا تیرے منہ میں ہے یا زبان میں، جب بھی وہی حکم ہے۔ (عالمگیری، کتاب طلاق)

آج اور پرسوں کا اختیار دینے کا بیان

﴿وَلَوْ قَالَ لَهَا: اَمْرُكِ بِيَدِكِ الْيَوْمَ وَبَعْدَ غَدٍ لَمْ يَدْخُلْ فِيْهِ اللَّيْلُ وَاِنْ رَدَّتِ الْاَمْرَ فِيْ يَوْمِهَا بَطَلَ اَمْرُ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَكَانَ الْاَمْرُ بِيَدِهَا بَعْدَ غَدٍ﴾ لِاَنَّهُ صَرَّحَ بِذِكْرِ وَقْتَيْنِ بَيْنَهُمَا وَقْتٌ مِنْ جِنْسِهِمَا لَمْ يَتَنَاوَلْهُ الْاَمْرُ اِذْ ذِكْرُ الْيَوْمِ بِعِبَارَةِ الْفَرْدِ لَا يَتَنَاوَلُ اللَّيْلَ فَكَانَا اَمْرَيْنِ فَبِرَدِّ اَحَدِهِمَا لَا يَرْتَدُّ الْاٰخَرُ. وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللّٰهُ: هُمَا اَمْرٌ وَاحِدٌ بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهٖ: اَنْتِ طَالِقٌ الْيَوْمَ وَبَعْدَ غَدٍ. قُلْنَا: الطَّلَاقُ لَا يَحْتَمِلُ التَّاْقِيْتَ، وَالْاَمْرُ بِالْيَدِ يَحْتَمِلُهُ، فَيُوَقَّتُ الْاَمْرُ بِالْاَوَّلِ وَجَعَلَ الثَّانِيَ اَمْرًا مُبْتَدَاً

ترجمہ

اگر شوہر نے بیوی سے کہا: اَمْرُكِ بِيَدِكِ الْيَوْمَ وَبَعْدَ غَدٍ (تمہیں آج اور کل کے بعد اختیار ہے) تو اس حکم میں رات شامل نہیں ہوگی۔ اگر بیوی نے دن کا اختیار مسترد کر دیا' تو اس دن کا اختیار ختم ہو جائے گا' البتہ پرسوں کا اختیار عورت کے پاس رہے گا' کیونکہ شوہر نے دو ایسے اوقات کی صراحت کی ہے جن کے درمیان ان ہی کی جنس کا وقت موجود ہے جس میں الامر بالید (کی صورت) شامل نہیں ہے۔ جب لفظ "یوم" کو انفرادی طور پر ذکر کیا جائے' تو اس میں رات شامل نہیں ہوتی ہے' کیونکہ الامر الیوم اور الامر بعد الغد دونوں الگ الگ معاملے ہیں۔ لہٰذا ایک کے مسترد کرنے سے دوسرا مسترد شمار نہیں ہوگا۔ امام زفر نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: تفویض کی یہ دونوں صورتیں حقیقت کے اعتبار سے ایک ہی "الامر بالید" ہیں۔ یہ اسی طرح ہے: جیسے کوئی شخص صریح طلاق میں یہ کہے: "تم کو آج طلاق ہے اور پرسوں طلاق ہے" تو اس صورت میں آپ بھی یہ تسلیم کریں گے: اسی دن طلاق واقع ہوگی دو الگ' الگ اوقات میں واقع نہیں ہوگی۔ ہم جواب میں یہ کہتے ہیں: طلاق میں وقت مقرر کرنے کا احتمال نہیں ہوتا' لیکن الامر بالید میں یہ احتمال پایا جاتا ہے کہ آج کا اختیار الگ ہو' اور پرسوں کا اختیار الگ ہو' لہٰذا دوسرے وقت میں نئے سرے سے الامر بالید کا مفہوم پایا جائے گا۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اور جب شوہر نے کہا تیرا امر تیرے ہاتھ ہے، آج اور پرسوں تو دونوں راتیں درمیان کی داخل نہیں اور یہ دونوں تفویض جدا جدا ہیں، لہٰذا اگر آج رد کر دیا تو پرسوں عورت کو اختیار رہے گا اور رات میں طلاق دے گی تو واقع نہ ہوگی اور ایک دن میں ایک ہی بار طلاق دے سکتی ہے اور اگر کہا آج اور کل تو رات داخل ہے اور آج رد کر دیگی تو کل کے لیے بھی اختیار نہ رہا کہ یہ ایک تفویض ہے اور اگر یوں کہا آج تیرا امر تیرے ہاتھ ہے اور کل تیرا امر تیرے ہاتھ ہے تو رات داخل نہیں اور جدا جدا دونوں تفویض ہیں اور اگر کہا تیرا امر تیرے ہاتھ ہے آج اور کل اور پرسوں تو ایک تفویض ہے اور راتیں داخل ہیں

اور جہاں دونوں تفویض ہیں، اگر آج اُس نے طلاق دے لی پھر کل آنے سے پہلے اُسی سے نکاح کرلیا تو کل پھر اُسے طلاق دینے کا اختیار حاصل ہے۔(درمختار، ج۴،ص۵۵۷،بیروت)

اور جب اس نے اس طرح کہا کہ تجھے اس سال یا اس مہینے یا آج دن میں اختیار ہے تو جب تک وقت باقی ہے اختیار ہے اگرچہ مجلس بدل گئی ہو۔اور اگر ایک دن کہا تو چوبیس گھنٹے اور ایک ماہ کہا تو تیس دن تک اختیار ہے اور چاند جس وقت دکھائی دیا اُس وقت ایک مہینے کا اختیار دیا تو تیس دن ضرور نہیں بلکہ دوسرے ہلال تک ہے۔(درمختار ج۴،ص۵۵۸،بیروت)

آج اور کل کے اختیار میں رات بھی شامل ہوگی

﴿وَلَوْ قَالَ اَمْرُكِ بِيَدِكِ الْيَوْمَ وَغَدًا يَدْخُلُ اللَّيْلُ فِيْ ذٰلِكَ، فَاِنْ رَدَّتْ الْاَمْرَ فِيْ يَوْمِهَا لَا يَبْقَى الْاَمْرُ فِيْ يَدِهَا فِيْ غَدٍ﴾ لِاَنَّ هٰذَا اَمْرٌ وَاحِدٌ لِاَنَّهُ لَمْ يَتَخَلَّلْ بَيْنَ الْوَقْتَيْنِ الْمَذْكُوْرَيْنِ وَقْتٌ مِنْ جِنْسِهِمَا لَمْ يَتَنَاوَلْهُ الْكَلَامُ وَقَدْ يَهْجُمُ اللَّيْلُ وَمَجْلِسُ الْمَشُوْرَةِ لَا يَنْقَطِعُ فَصَارَ كَمَا اِذَا قَالَ :اَمْرُكِ بِيَدِكِ فِيْ يَوْمَيْنِ .وَعَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَنَّهَا اِذَا رَدَّتْ الْاَمْرَ فِي الْيَوْمِ لَهَا اَنْ تَخْتَارَ نَفْسَهَا غَدًا لِاَنَّهَا لَا تَمْلِكُ رَدَّ الْاَمْرِ كَمَا لَا تَمْلِكُ رَدَّ الْاِيْقَاعِ .وَجْهُ الظَّاهِرِ اَنَّهَا اِذَا اخْتَارَتْ نَفْسَهَا الْيَوْمَ لَا يَبْقَى لَهَا الْخِيَارُ فِي الْغَدِ، فَكَذَا اِذَا اخْتَارَتْ زَوْجَهَا بِرَدِّ الْاَمْرِ لِاَنَّ الْمُخَيَّرَ بَيْنَ الشَّيْئَيْنِ لَا يَمْلِكُ اِلَّا اخْتِيَارَ اَحَدِهِمَا .وَعَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَنَّهُ اِذَا قَالَ :اَمْرُكِ بِيَدِكِ الْيَوْمَ وَاَمْرُكِ بِيَدِكِ غَدًا اَنَّهُمَا اَمْرَانِ لِمَا اَنَّهُ ذَكَرَ لِكُلِّ وَقْتٍ خَبَرًا بِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ

ترجمہ

اور جب شوہر نے یہ کہا ''تمہیں آج اختیار ہے اور کل اختیار ہوگا'' تو اس میں رات بھی شامل ہوگی۔ عورت نے اس دن کا اختیار مسترد کر دیا تو دوسرے دن بھی اس کے پاس اختیار باقی نہیں رہے گا' کیونکہ یہ اختیار ایک ہی معاملہ ہے اور دونوں مذکور اوقات کے درمیان ایسا کوئی وقت نہیں ہے' جو ان کی جنس سے تعلق نہ رکھتا ہو اور ان کے درمیان خلل انداز ہو رہا ہو' یعنی جس میں الامر بالید کا حکم شامل نہ ہو۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے: مذاکرے کی محفل ابھی ختم نہیں ہوئی ہوتی اور رات درمیان میں آ جاتی ہے تو یہ اس طرح ہو جائے گا گویا شوہر نے یہ کہا ہوگا: تمہیں دو دن اختیار ہے۔ امام ابوحنیفہ سے ایک روایت یہ بھی منقول ہے' اگر

بیوی نے آج کے دن کا اختیار مسترد کر دیا تو اسے اگلے دن بھی اپنی ذات کے بارے میں اختیار ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے: عورت الامر بالید کو مسترد کرنے کی مالک نہیں ہوتی' بالکل اسی طرح جیسے وہ طلاق کو واقع ہونے سے نہیں روک سکتی۔ ظاہر الروایت کی دلیل یہ ہے: بیوی نے جب آج کے دن اپنی ذات کو اختیار کر لیا تو اسے کل کے دن میں اختیار باقی نہیں رہے گا۔ اسی طرح اگر اس نے آج الامر بالید کو مسترد کر کے شوہر کو اختیار کر لیا (تو کل بھی اسے شوہر کو مسترد کرنے کا اختیار نہیں ہوگا)۔ اس کی دلیل یہ ہے: جس شخص کو دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا جائے' اسے دو میں سے ایک کو اختیار کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ امام ابو یوسف نے یہ بات بیان کی ہے: اگر شوہر نے یہ کہا ہو ''تجھے آج اختیار ہے اور تجھے کل بھی اختیار ہوگا'' تو یہ دو اختیار شمار ہوں گے' کیونکہ شوہر نے ہر ایک وقت کی خبر کو علیحدہ طور پر ذکر کیا ہے' لیکن پہلی صورت میں مسئلہ اس سے مختلف ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب شوہر نے کہا تیرا امر تیرے ہاتھ ہے، آج اور پرسوں تو دونوں راتیں درمیان کی داخل نہیں اور یہ دونوں تفویض جدا جدا ہیں، لہٰذا اگر آج رد کر دیا تو پرسوں عورت کو اختیار رہے گا اور رات میں طلاق دیگی تو واقع نہ ہوگی اور ایک دن میں ایک ہی بار طلاق دے سکتی ہے اور اگر کہا آج اور کل تو رات داخل ہے اور آج رد کر دیگی تو کل کے لیے بھی اختیار نہ رہا کہ یہ ایک تفویض ہے اور اگر یوں کہا آج تیرا امر تیرے ہاتھ ہے اور کل تیرا امر تیرے ہاتھ ہے تو رات داخل نہیں اور جدا جدا دونوں تفویض ہیں اور اگر کہا تیرا امر تیرے ہاتھ ہے آج اور کل اور پرسوں تو ایک تفویض ہے اور راتیں داخل ہیں اور جہاں دو نوں تفویض ہیں، اگر آج اُس نے طلاق دے لی پھر کل آنے سے پہلے اُسی سے نکاح کر لیا تو کل پھر اُسے طلاق دینے کا اختیار حاصل ہے۔ (درمختار، کتاب طلاق)

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر شوہر نے یہ الفاظ استعمال کیے ہوں: امر بیدك الیوم وغدا! (تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے آج اور کل)۔ تو اس صورت میں آج اور کل کے درمیان آنے والی رات اختیار میں شامل ہو گی۔ اس کی دلیل یہ ہے: آج اور کل مل کر دونوں ایک ہی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ یہی دلیل ہے: اگر عورت اس اختیار کو آج مسترد کر دیتی ہے' تو کل کے بارے میں بھی اس کا اختیار خود بخود ختم ہو جائے گا۔

اس کی دلیل یہ ہے: یہاں شوہر نے لفظ یوم اور لفظ غد کو حرف عطف ''و'' کے ذریعے ایک دوسرے کے ساتھ متصل کر دیا ہے اس لئے ان کے درمیان ایسا کوئی وقت نہیں ہوگا جو ان کے درمیان حد فاصل قائم کر سکے اور اس میں عورت کو اختیار حاصل نہ ہو لہٰذا یہ دونوں یعنی آج اور کل ایک ہی حکم کی حیثیت کے حامل ہوں گے اور آج کے دن میں اس کو مسترد کرنے سے کل کے دن میں بھی مسترد کرنا لازم آجائے گا۔

اس اختیار میں رات کے داخل ہونے کی دلیل یہ ہے: آج اور کل کے درمیان اور کوئی حد فاصل نہیں ہے' یہ دونوں

ایک دوسرے سے ملحق ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اوران کے درمیان ان کی جنس کا ایسا کوئی وقت نہیں ہے جس کو یہ کلام مشتمل نہ ہو، یہی دلیل ہے: بعض اوقات محفل میں مشاورت کے دوران رات آجاتی ہے اور مشاورت کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا' تو شوہر کے ان الفاظ کی وہی حیثیت ہو جائے گی جیسے اگر اس نے یہ الفاظ استعمال کیے ہوتے: ''تمہارا معاملہ دو دن تک تمہارے ہاتھ میں ہے''۔

امام ابوحنیفہ سے یہ روایت منقول ہے: ایسی صورت میں عورت اگر آج کے دن میں اس معاملے کو مسترد کر دیتی ہے تو اس سے اگلے دن یعنی کل اپنی ذات کو اختیار کرنے کا اختیار ہوگا۔

اس کی دلیل یہ ہے: وہ عورت اس امر یعنی دیے گئے اختیار کو رد کرنے کی مالک نہیں ہوگی۔ ظاہر الروایت کی دلیل یہ ہے: اگر اس صورت میں عورت آج کے دن میں اگر اپنی ذات کو اختیار کر لیتی ہے' تو اس کو طلاق ہو جائے گی اور کل کے لئے اس کا اختیار باقی نہیں رہے گا' تو جس طرح آج کے دن میں اپنی ذات کو اختیار کرنے کے نتیجے میں کل کے لئے اس کا اختیار باقی نہیں رہا اسی طرح اگر آج کے دن میں اپنی ذات کے لئے اختیار استعمال نہیں کرتی تو یہ اختیار اگلے دن بھی اس کے لئے باقی نہیں ہونا چاہیے۔ مصنف نے اس کی دلیل یہ بیان کی ہے: جب کسی شخص کو دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا جائے' تو وہ ان دو میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا مالک ہوتا ہے۔

امام ابویوسف سے یہ روایت منقول ہے: جب شوہر نے یہ الفاظ استعمال کیے ہوں' آج کے دن تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے' اور کل تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہوگا۔ تو اس صورت میں یہ دو امر بن جائیں گے اس کی دلیل یہ ہے' شوہر نے ان میں سے ہر ایک کو الگ سے خبر کے طور پر بیان کیا ہے' جبکہ پہلی صورت کا حکم اس سے مختلف ہے' کیونکہ وہاں پر الفاظ کی ترتیب میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔

کہا تجھے اس سال یا اس مہینے یا آج دن میں اختیار ہے تو جب تک وقت باقی ہے اختیار ہے اگر چہ مجلس بدل گئی ہو۔ اور اگر ایک دن کہا تو چوبیس گھنٹے اور ایک ماہ کہا تو تیس دن تک اختیار ہے اور چاند جس وقت دکھائی دیا اُس وقت ایک مہینے کا اختیار دیا تو تیس دن ضرور نہیں بلکہ دوسرے ہلال تک ہے۔ (عالمگیری، درمختار)

کسی شخص کی دن کے وقت آمد کے ساتھ امر بالید کو مشروط کرنا

﴿وَإِنْ قَالَ :أَمْرُكِ بِيَدِكِ يَوْمَ يَقْدَمُ فُلَانٌ فَقَدِمَ فُلَانٌ فَلَمْ تَعْلَمْ بِقُدُومِهِ حَتَّى جَنَّ اللَّيْلُ فَلَا خِيَارَ لَهَا﴾ لِأَنَّ الْأَمْرَ بِالْيَدِ مِمَّا يَمْتَدُّ فَيُحْمَلُ الْيَوْمَ الْمَقْرُونَ بِهِ عَلَى بَيَاضِ النَّهَارِ وَقَدْ حَقَّقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ فَيَتَوَقَّتُ بِهِ ثُمَّ يَنْقَضِي بِانْقِضَاءِ وَقْتِهِ

ترجمہ

اور جب شوہر نے یہ کہا ہو "جس دن فلاں شخص آئے گا تمہیں اپنی ذات کے بارے میں اختیار ہوگا" پھر وہ شخص آ گیا مگر اس کی آمد کے بارے میں پتہ نہیں چل سکا یہاں تک کہ رات کی تاریکی چھا گئی تو عورت کے پاس اختیار نہیں رہے گا' کیونکہ الامر بالید کا حکم ایسا ہے جس میں توسیع ممکن ہے اس لیے جو یوم اس توسیع والے وقت کے ساتھ متصل ہوگا اس سے مراد دن کی سفیدی ہوگی اس کی تحقیق ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں' لہٰذا وہ اختیار دن کے ساتھ مخصوص ہوگا اور دن گزرنے کے ساتھ اختیار بھی ختم ہو جائے گا۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر خاوند نے یہ کہا کہ تیرا امر تیرے ہاتھ ہے جس دن فلاں آئے تو صرف دن کے لیے ہے اگر رات میں آیا تو طلاق نہیں دے سکتی اور اگر وہ دن میں آیا مگر عورت کو اُس کے آنے کا علم نہ ہوا یہاں تک کہ آفتاب ڈوب گیا تو اب اختیار نہ رہا۔ اگر کوئی وقت معین نہ کیا تو مجلس بدلنے سے اختیار جاتا رہے گا جیسا اوپر مذکور ہوا اور اگر وقت معین کر دیا ہو مثلاً آج یا کل یا اس مہینے یا اس سال میں تو اس پورے وقت میں اختیار حاصل ہے۔

(عالمگیری، کتاب طلاق، ج ۱، ص ۳۹۲، بیروت)

عورت کے اختیار طلاق کے باقی رہنے کا بیان

﴿وَإِذَا جَعَلَ أَمْرَهَا بِيَدِهَا أَوْ خَيَّرَهَا فَمَكَثَتْ يَوْمًا لَمْ تَقُمْ فَالْأَمْرُ فِي يَدِهَا مَا لَمْ تَأْخُذْ فِي عَمَلٍ آخَرَ﴾ لِأَنَّ هَذَا تَمْلِيكُ التَّطْلِيقِ مِنْهَا ﴿لِأَنَّ الْمَالِكَ مَنْ يَتَصَرَّفُ بِرَأْيِ نَفْسِهِ وَهِيَ بِهَذِهِ الصِّفَةِ وَالتَّمْلِيكُ يَقْتَصِرُ عَلَى الْمَجْلِسِ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ﴾

ثُمَّ إنْ كَانَتْ تَسْمَعُ يُعْتَبَرُ مَجْلِسُهَا ذَلِكَ، وَإِنْ كَانَتْ لَا تَسْمَعُ فَمَجْلِسُ عِلْمِهَا وَبُلُوغِ الْخَبَرِ إلَيْهَا لِأَنَّ هَذَا تَمْلِيكٌ فِيهِ مَعْنَى التَّعْلِيقِ فَيَتَوَقَّفُ عَلَى مَا وَرَاءَ الْمَجْلِسِ، وَلَا يُعْتَبَرُ مَجْلِسُهُ لِأَنَّ التَّعْلِيقَ لَازِمٌ فِي حَقِّهِ، بِخِلَافِ الْبَيْعِ لِأَنَّهُ تَمْلِيكٌ مَحْضٌ لَا يَشُوبُهُ التَّعْلِيقُ، وَإِذَا اُعْتُبِرَ مَجْلِسُهَا فَالْمَجْلِسُ تَارَةً يَتَبَدَّلُ بِالتَّحَوُّلِ وَمَرَّةً بِالْأَخْذِ فِي عَمَلٍ آخَرَ عَلَى مَا بَيَّنَّا فِي الْخِيَارِ، وَيَخْرُجُ الْأَمْرُ مِنْ يَدِهَا بِمُجَرَّدِ الْقِيَامِ لِأَنَّهُ دَلِيلُ الْإِعْرَاضِ، إذْ الْقِيَامُ يُفَرِّقُ الرَّأْيَ، بِخِلَافِ مَا إذَا مَكَثَتْ يَوْمًا لَمْ تَقُمْ وَلَمْ تَأْخُذْ فِي عَمَلٍ آخَرَ لِأَنَّ الْمَجْلِسَ قَدْ يَطُولُ وَقَدْ يَقْصُرُ فَيَبْقَى إلَى

اَنْ یُوجَدَ مَا یَقْطَعُهُ اَوْ مَا یَدُلُّ عَلَی الْاِعْرَاضِ .وَقَوْلُهُ مَکَثَتْ یَوْمًا لَیْسَ لِلتَّقْدِیرِ بِهٖ .وَقَوْلُهُ مَا لَمْ تَاْخُذْ فِیْ عَمَلٍ اٰخَرَ یُرَادُ بِهٖ عَمَلٌ یُعْرَفُ اَنَّهٗ قَطْعٌ لِمَا کَانَ فِیْهِ لَا مُطْلَقَ الْعَمَلِ

ترجمہ

اور جب شوہر نے بیوی کو الامر بالید کا موقع دیا اور اسے اختیار دیا اور پھر وہ عورت اس دن اسی جگہ پر رہی' کھڑی نہ ہوئی' تو اسے اختیار حاصل رہے گا' اس وقت تک جب تک وہ کسی دوسرے کام میں مشغول نہیں ہو جاتی' کیونکہ اس اختیار دینے کے نتیجے میں عورت اپنی ذات کو طلاق دینے کی مالک بن چکی ہے' اور مالک وہی شخص ہوتا ہے' جو اپنی دلیل کے مطابق جس طرح چاہے تصرف کر سکے اور عورت اس صفت کے ساتھ موصوف ہے' لیکن مالک بنانے کا یہ حق اس محفل تک محدود ہے' جس کی پوری تحقیق ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اگر بیوی شوہر کے اس کلام کو سن رہی ہو' تو اس عورت کی وہی مجلس معتبر شمار ہوگی' جس مجلس میں اس نے اس بات کو سنا ہے' لیکن اگر خود اس نے اس بات کو نہیں سنا' تو اس کی اس محفل کا اعتبار کیا جائے گا' جس میں اسے اس بات کا علم ہوا' یا اس کی اطلاع پہنچی۔ اس کی دلیل یہ ہے: اس مالک بنانے میں تعلیق (معلق کرنے) کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اس لیے یہ مجلس کے بعد تک مؤخر شمار ہوگی۔

اس بارے میں شوہر کی مجلس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا' اس کی دلیل یہ ہے: الامر بالید کو معلق کرنا شوہر کیلئے لازم ہے۔ جبکہ خرید و فروخت کا حکم اس سے مختلف ہے' کیونکہ خرید و فروخت میں مالک بنانا' محض مالک بنانا ہوتا ہے' اس میں تعلیق کا کوئی شائبہ نہیں پایا جاتا۔ جب عورت کی مجلس قابل اعتبار شمار ہوگی' تو بعض اوقات مجلس جگہ بدلنے کی دلیل سے تبدیل شمار ہوتی ہے' اور بعض اوقات ایک کام کو چھوڑ کر دوسرا کام کرنے کے نتیجے میں بھی تبدیل شمار ہوتی ہے' جیسا کہ اختیار کی بحث میں ہم اس بارے میں گفتگو کر چکے ہیں۔ اگر عورت وہاں سے کھڑی ہو جائے' تو اس کا اختیار ختم ہو جائے گا' کیونکہ اس کا کھڑے ہونا اعراض کرنے کی دلیل ہے اسی طرح کھڑے ہونا دلیل میں بھی تبدیلی پیدا کر دیتا ہے اس کے برخلاف اگر وہ وہاں اسی طرح بیٹھی رہے نہ تو وہ وہاں سے اٹھے اور نہ ہی کسی دوسرے کام میں مشغول ہو (تو حکم مختلف ہوگا) کیونکہ مجلس بعض اوقات لمبی ہو جاتی ہے' اور کبھی مختصر ہوتی ہے اس لیے یہ مجلس باقی شمار ہوگی' جب تک کوئی ایسا عمل نہیں پایا جاتا جو مجلس کو ختم کر دے' یا عورت کے اعراض کرنے پر دلالت کرے۔ "الجامع الصغیر" میں امام محمد علیہ الرحمہ کے الفاظ "مکثت یوما" سے مراد وقت کا اندازہ نہیں ہے اور ان کے قول مالم تاخذ فی عمل آخر سے مراد وہ عمل ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ عورت اس سے لاتعلقی ظاہر کر رہی ہے۔ جس میں عورت مصروف تھی (یعنی غور و فکر) اس سے مراد مطلق کام نہیں ہے۔

تبدیلی مجلس کے فقہی احکام کا بیان

اور اگر وہ عورت بیٹھی تھی کھڑی ہوگئی یا ایک کام کر رہی تھی اُسے چھوڑ کر دوسرا کام کرنے لگی مثلاً کھانا منگوایا یا سوگئی یا غسل کرنے لگی یا مہندی لگانے لگی یا کسی سے خرید وفروخت کی بات کی یا کھڑی تھی جانور پر سوار ہوگئی یا سوار تھی اتر گئی یا ایک سواری سے اتر کر دوسری پر سوار ہوئی یا سوار تھی مگر جانور کھڑا تھا چلنے لگا تو ان سب صورتوں میں مجلس بدل گئی اور اب طلاق کا اختیار نہ رہا اور اگر کھڑی تھی بیٹھ گئی یا کھڑی تھی اور مکان میں ٹہلنے لگی یا بیٹھی ہوئی تھی تکیہ لگا لیا یا تکیہ لگائے ہوئے تھی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی یا اپنے باپ وغیرہ کسی کو مشورہ کے لیے بلایا یا گواہوں کو بلانے گئی کہ اُن کے سامنے طلاق دے بشرطیکہ وہاں کوئی ایسا نہیں جو بلا دے یا سواری پر جا رہی تھی اُسے روک دیا یا پانی پیا یا کھانا وہاں موجود تھا کچھ تھوڑا سا کھا لیا، ان سب صورتوں میں مجلس نہیں بدلی۔ (عالمگیری، درمختار وغیرہما)

اور اسی طرح کشتی گھر کے حکم میں ہے کہ کشتی کے چلنے سے مجلس نہ بدلے گی اور جانور پر سوار ہے اور جانور چل رہا ہے تو مجلس بدل رہی ہے، ہاں اگر شوہر کے سکوت کرتے ہی فوراً اُسی قدم میں جواب دیا تو طلاق ہوگئی اور اگر محمل 1)) میں دونوں سوار ہیں جسے کوئی کھینچے لیے جاتا ہے تو مجلس نہیں بدلی کہ یہ کشتی کے حکم میں ہے۔ (2) (درمختار) گاڑی پالکی3)) کا بھی یہی حکم ہے۔ بیٹھی ہوئی تھی لیٹ گئی اگر تکیہ وغیرہ لگا کر اُس طرح لیٹی جیسے سونے کے لیے لیٹتے ہیں تو اختیار جاتا رہا۔)

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اور اگر وہ عورت دوزانو بیٹھی تھی چارزانو بیٹھ گئی یا عکس کیا یا بیٹھی سوگئی تو مجلس نہیں بدلی۔ شوہر نے اُسے مجبور کر کے کھڑا کیا یا جماع کیا تو اختیار نہ رہا۔ شوہر کے اختیار دینے کے بعد عورت نے نماز شروع کر دی اختیار جاتا رہا نماز فرض ہو یا واجب یا نفل۔ اور اگر عورت نماز پڑھ رہی تھی اُسی حالت میں اختیار دیا تو اگر وہ نماز فرض یا واجب یا سنتِ مؤکدہ ہے تو پوری کر کے جواب دے اختیار باطل نہ ہوگا اور اگر نفل نماز ہے تو دو رکعت پڑھ کر جواب دے اور اگر تیسری رکعت کے لیے کھڑی ہوئی تو اختیار جاتا رہا اگرچہ سلام نہ پھیرا ہو۔ اور اگر سُبْحٰنَ اللّٰهِ کہا یا کچھ تھوڑا سا قرآن پڑھا تو باطل نہ ہوا اور زیادہ پڑھا تو باطل ہوگیا۔ (جوہرہ نیرہ، کتاب طلاق)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اور اگر عورت نے جواب میں کہا تو اپنی زبان سے کیوں طلاق نہیں دیتا تو اس کہنے سے اختیار باطل نہ ہوگا اور اگر یہ کہا اگر تو مجھے طلاق دیتا ہے تو اتنا مجھے دیدے تو اختیار باطل ہوگیا۔ اگر بیک وقت اس کی اور شفعہ کی خبر پہنچی اور عورت دونوں کو اختیار کرنا چاہتی ہے تو یہ کہنا چاہیے کہ میں نے دونوں کو اختیار کیا ورنہ جس ایک کا اختیار ... دوسرا جاتا رہے گا۔ (درمختار، کتاب طلاق)

حالت کی تبدیلی کی کس صورت میں اختیار باقی رہے گا

﴿وَلَوْ كَانَتْ قَائِمَةً فَجَلَسَتْ فَهِيَ عَلَى خِيَارِهَا﴾ لِأَنَّهُ دَلِيلُ الْإِقْبَالِ فَإِنَّ الْقُعُودَ أَجْمَعُ لِلرَّأْيِ ﴿وَكَذَا إِذَا كَانَتْ قَاعِدَةً فَاتَّكَأَتْ أَوْ مُتَّكِئَةً فَقَعَدَتْ﴾ لِأَنَّ هَذَا انْتِقَالٌ مِنْ جِلْسَةٍ إِلَى جِلْسَةٍ فَلَا يَكُونُ إِعْرَاضًا، كَمَا إِذَا كَانَتْ مُحْتَبِيَةً فَتَرَبَّعَتْ

قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: هٰذَا رِوَايَةُ الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ، وَذَكَرَ فِيْ غَيْرِهٖ اَنَّهَا اِذَا كَانَتْ قَاعِدَةً فَاتَّكَأَتْ لَا خِيَارَ لَهَا لِاَنَّ الْاِتِّكَاءَ اِظْهَارُ التَّهَاوُنِ بِالْاَمْرِ فَكَانَ اِعْرَاضًا، وَالْاَوَّلُ هُوَ الْاَصَحُّ وَلَوْ كَانَتْ قَاعِدَةً فَاضْطَجَعَتْ فَفِيْهِ رِوَايَتَانِ عَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ

ترجمہ

اور جب عورت کھڑی ہوئی تھی اور پھر وہ (اس بات کو سن کر) بیٹھ گئی تو اس کا اختیار باقی رہے گا' کیونکہ یہ متدلیل ہونے کی علامت ہوتا ہے' کیونکہ بیٹھ جانا دلیل کو زیادہ جامع اور درست کر دیتا ہے۔ اسی طرح اگر وہ بیٹھی ہوئی تھی اور اس نے ٹیک لگائی ہوئی تھی اور تکیے سے ذراہٹ کے بیٹھ گئی (تو بھی اختیار باقی رہے گا) کیونکہ اس صورت میں نشست کے ایک مخصوص طریقے کو چھوڑ کر دوسرے طریقے کو اختیار کرنا ہے اور یہ بات اعراض شمار نہیں ہوگی' اسی طرح جیسے اگر وہ دوزانوں بیٹھی ہوئی تھی اور پھر چارزانوں بیٹھ جائے۔ مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: ''الجامع الصغیر'' کی روایت یہ ہے: لیکن دوسری کتابوں میں یہ بات مذکور ہے اگر عورت بیٹھی ہوئی تھی اس نے تکیہ لگا لیا تو اب اس کو اختیار باقی نہیں رہے گا' کیونکہ تکیہ لگانا اس سے لاتعلقی ظاہر کرنے کے مترادف ہے۔ لہٰذا یہ اس کے اعراض کرنے کی دلیل شمار ہوگی' لیکن پہلی دلیل زیادہ درست ہے۔ اگر عورت بیٹھی ہوئی تھی اور پھر لیٹ گئی تو اس بارے میں امام ابو یوسف سے دو طرح کی روایات منقول ہیں۔

شرح

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: جب عورت کو اس اختیار کو ملنے کی اطلاع ملی اور وہ اس وقت کھڑی ہوئی تھی اور پھر بیٹھ گئی تو اس کا اختیار برقرار رہے گا اس کی دلیل یہ ہے: اس کا بیٹھنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس کی طرف متدلیل ہوئی ہے' اور بیٹھنے کی صورت میں آدمی زیادہ بہتر طریقے سے غور وفکر کر سکتا ہے۔ یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: جب عورت کو اس بات کی اطلاع ملی اس وقت اگر وہ بیٹھی ہوئی تھی اور پھر اس نے ٹیک لگا لی یا ٹیک لگائی ہوئی تھی اور پھر بیٹھ گئی تو اس کا اختیار ختم نہیں ہوگا' کیونکہ بیٹھنے کی حالت میں تبدیلی کرنا اعراض کرنے کی دلیل نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر وہ گھٹنا کھڑا کر کے بیٹھی ہوئی تھی اور پھر چار زانوں ہو کر بیٹھ گئی' تو بھی اس کا اختیار ختم نہیں ہوگا' کیونکہ یہ اعراض کی دلیل نہیں ہے۔ مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے: یہ روایت الجامع الصغیر کی ہے۔

لیکن الجامع الصغیر کے علاوہ دیگر کتابوں میں یہ بات ذکر کی گئی ہے: اگر وہ عورت بیٹھی ہوئی تھی اور پھر اس نے ٹیک لگا لی تو اب اسے اختیار حاصل نہیں رہے گا' کیونکہ ٹیک لگانا اس بات کی دلیل ہے: اس نے اس معاملہ کا نوٹس نہیں لیا ہے' اور جب اس نے اس معاملے کا نوٹس نہیں لیا تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی: گویا اس نے اعراض کر لیا ہے۔ مصنف فرماتے ہیں: پہلی روایت درست ہے

یعنی ایسی صورتحال میں عورت کا اختیار اس کے پاس باقی رہے گا۔ جب عورت کو اس بات کی اطلاع ملی اس وقت وہ بیٹھی ہوئی تھی اور پھر وہ لیٹ گئی تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ اس بارے میں امام ابو یوسف سے دو روایات منقول ہیں: ایک کے مطابق یہ اختیار ختم ہو جائے گا' اور دوسری کے مطابق اختیار باقی رہے گا۔

والد کو مشورہ کے لیے بلانے یا گواہوں کو بلانے پر اختیار باقی رہے گا

﴿وَلَوْ قَالَتْ اُدْعُ اَبِیْ اَسْتَشِرْهُ اَوْ شُهُوْدًا اُشْهِدْهُمْ فَهِيَ عَلٰى خِيَارِهَا﴾ لِاَنَّ الْاِسْتِشَارَةَ لِتَحَرِّی الصَّوَابِ، وَالْاِشْهَادَ لِلتَّحَرُّزِ عَنِ الْاِنْكَارِ فَلَا يَكُوْنُ دَلِيْلَ الْاِعْرَاضِ ﴿وَاِنْ كَانَتْ تَسِيْرُ عَلٰى دَابَّةٍ اَوْ فِیْ مَحْمَلٍ فَوَقَفَتْ فَهِيَ عَلٰى خِيَارِهَا، وَاِنْ سَارَتْ بَطَلَ خِيَارُهَا﴾ لِاَنَّ سَيْرَ الدَّابَّةِ وَوُقُوْفَهَا مُضَافٌ اِلَيْهَا ﴿وَالسَّفِيْنَةُ بِمَنْزِلَةِ الْبَيْتِ﴾ لِاَنَّ سَيْرَهَا غَيْرُ مُضَافٍ اِلٰى رَاكِبِهَا، اَلَا تَرٰى اَنَّهٗ لَا يَقْدِرُ عَلٰى اِيْقَافِهَا وَرَاكِبُ الدَّابَّةِ يَقْدِرُ.

ترجمہ

اور جب عورت نے یہ کہہ دیا: پہلے میرے والد کو بلا کر لاؤ تا کہ میں ان سے مشورہ کر لوں' یا یہ کہہ دیا: گواہوں کو بلا کر لاؤ تا کہ میں انہیں اس بارے میں گواہ بنالوں' تو اس کا اختیار باقی رہے گا' کیونکہ مشورہ کرنے کا مطلب یہ ہے: آدمی درست بات معلوم کرنے کی کوشش کرے اور گواہی قائم کرنے کا مقصد یہ ہے' آدمی انکار سے بچ سکے اس لیے یہ عمل اعراض کی دلیل شمار نہیں ہوگا۔ اگر عورت جانور پر سوار تھی اور وہ ٹھہر گئی تو بھی اختیار باقی رہے گا' لیکن اگر وہ روانہ ہوگئی تو اختیار ختم ہو جائے گا' کیونکہ جانور کا چلنا یا اس کا رکنا اس کی نسبت عورت کی طرف کی جائے گی۔ کشتی کا حکم بھی گھر کی طرح ہے' کیونکہ کشتی کا چلنا بیٹھے ہوئے شخص کی طرف منسوب نہیں ہوتا' کیونکہ کشتی پر بیٹھا ہوا شخص اسے روکنے پر قادر نہیں ہوتا لیکن جانور پر بیٹھا ہوا شخص اسے روکنے پر قادر ہوتا ہے۔

شرح

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: جب عورت کو اس اختیار کا پتہ چلا اور اس نے یہ کہا: میں اپنے والد کو بلاتی ہوں تا کہ میں ان سے مشورہ کر سکوں' یا میں گواہوں کو بلاتی ہوں' تا کہ اس بات پر انہیں گواہ بنا سکوں' تو اس کا اختیار باقی رہے گا۔ اس کی دلیل یہ ہے: اس کا مشورہ کرنا اس بات کی دلیل ہے: وہ صحیح نتیجے تک پہنچنا چاہتی ہے' اور غلط صورت حال اختیار کرنے سے بچنا چاہتی ہے لہٰذا اس کا یہ عمل اعراض کی دلیل نہیں ہوگا۔ یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: عورت کو جب اس بات کی اطلاع ملی اس وقت وہ کسی سواری پر جا رہی تھی یا کجاوے میں بیٹھ کر جا رہی تھی اور پھر وہ سن کر ٹھہر گئی' تو اس کا اختیار باقی رہے گا لیکن اگر وہ چلتی رہی تو اس کا

اختیار باطل ہو جائے گا۔ مصنف نے اس کی دلیل یہ بیان کی ہے: جانور کا چلنا یا اس کا ٹھہرنا اس کی نسبت عورت کی طرف کی جائے گی، کیونکہ اسے روکنا عورت کے اختیار میں تھا اگر وہ اسے روک لیتی تو یہ اس بات کی دلیل تھی: وہ اس بات پر سوچ بچار کرنا چاہتی ہے لیکن اگر اس نے اسے چلنے دیا تو یہ اس بات کی دلیل ہے: اس نے اس بات کا نوٹس نہیں لیا اور اس بات کا نوٹس نہ لینا اس بات کی دلیل ہوگا اس نے اعراض کیا ہے۔ مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: اگر عورت کسی کشتی میں سوار تھی اور اس دوران اسے اس بات کی اطلاع ملی تو کشتی کا حکم گھر کی طرح ہے یعنی اگر وہ عورت کھڑی ہوئی تھی اور بیٹھ گئی تو اس کا اختیار باطل نہیں ہوگا لیکن اگر بیٹھی ہوئی تھی اور کھڑی ہوگئی تو اختیار ختم ہو جائے گا۔ اسی نوعیت کے دیگر تمام احکام ہیں جن کا ذکر سابقہ سطور میں کیا جا چکا ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے: اگرچہ کشتی بھی جانور کی طرح حرکت کر رہی ہوتی ہے لیکن جانور کو روکنا عورت کے اختیار میں تھا جب کہ یہاں کشتی کو روکنا عورت کے اختیار میں نہیں ہے اور نہ ہی کشتی کے چلنے کی نسبت اس پر سوار ہونے والے شخص کی طرف کی جاتی ہے۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا: عورت کے لئے یہ بات ممکن نہیں ہے کہ وہ کشتی کو روک سکے جبکہ جانور پر سوار شخص اسے روکنے پر قادر ہوتا ہے۔

ملکیت کی طرف اضافت کے معدوم ہونے پر بطلان اختیار

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ نکاح سے پہلے تفویض طلاق کی مثلاً عورت سے کہا اگر میں دوسری عورت سے نکاح کروں تو تجھے اپنے نفس کو طلاق دینے کا اختیار ہے تو یہ تفویض نہ ہوئی کہ اضافت ملک کی طرف نہیں۔ یونہی اگر ایجاب وقبول میں شرط کی اور ایجاب شوہر کی طرف سے ہو مثلاً کہا میں تجھے اس شرط پر نکاح میں لایا عورت نے کہا میں نے قبول کیا جب بھی تفویض نہ ہوئی۔ اور اگر عقد میں شرط کی اور ایجاب عورت یا اُس کے وکیل نے کیا مثلاً میں نے اپنے نفس کو یا اپنی فلاں موکلہ کو اس شرط پر تیرے نکاح میں دیا مرد نے کہا میں نے اس شرط پر قبول کیا تو تفویض طلاق ہوگئی شرط پائی جائے تو عورت کو جس مجلس میں علم ہوا اپنے کو طلاق دینے کا اختیار ہے۔

مرد نے عورت سے کہا تیرا امر تیرے ہاتھ ہے تو اس میں بھی وہی شرائط واحکام ہیں جو اختیار کے ہیں کہ نیت طلاق سے کہا ہو اور نفس کا ذکر ہو اور جس مجلس میں کہا یا جس مجلس میں علم ہوا اُسی میں عورت نے طلاق دی ہو تو واقع ہو جائے گی اور شوہر رجوع نہیں کر سکتا صرف ایک بات میں فرق ہے وہاں تین کی نیت صحیح نہیں اور اس میں اگر تین طلاق کی نیت کی تو تین واقع ہونگی اگرچہ عورت نے اپنے کو ایک طلاق دی یا کہا میں نے اپنے نفس کو قبول کیا یا اپنے امر کو اختیار کیا یا تو مجھ پر حرام ہے یا مجھ سے جدا ہے یا میں تجھ سے جدا ہوں یا مجھے طلاق ہے۔ اور اگر مرد نے دو کی نیت کی یا ایک کی یا نیت میں کوئی عدد نہ ہو تو ایک ہوگی۔ (درمختار، کتاب طلاق)

﴿یہ فصل مشیت طلاق کے بیان میں ہے﴾

فصل مشیت طلاق کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں اس فصل کی دلیل مناسبت واضح ہے۔امر بہ ید سے موخر اس کو ذکر کرنا اس کے استعمال کی قلت کے پیش نظر ہے۔

اس فصل کی فقہی مطابقت اختیار والے باب میں انواع طلاق یعنی طلاق کے الفاظ واستعمال ہونے والے محاورات کی قلت وکثرت کا اعتبار کیا گیا ہے اور فقہاء نے ہمیشہ کم استعمال ہونے والے مسائل کی جزئیات کو موخر ذکر کیا ہے۔

مشیت کا لغوی مفہوم

عربی زبان سے مشتق اسم عرب کے ساتھ ی بطور لاحقۂ نسبت لگانے سے عربی بنا۔اردو میں بطور صفت اور اسم مستعمل ہے اور سب سے پہلے 1603ء کو "شرح تمہیدات ہمدانی" میں مستعمل ملتا ہے۔

اسکی اصل "مَشَى، يمشِي" ہے جس کے معنی ہیں چلنا،اسی سے یہ تماشی بن جاتا ہے، جیسے "تماشی الناس" یعنی لوگ ایک ساتھ مل کر چلے۔اس افراتفری کے دور میں لوگوں کا ایک ساتھ مل کر چلنا واقعی ایک تماشا ہے، لوگ جمع ہوکر دیکھنے لگتے ہیں کہ کیا بات ہے یہ لوگ کیا ہیں، ہڑتالی یا باراتی؟

اردو سے مدراس کی تامل زبان میں بصورت تماش داخل ہوا جس کے معنی ہیں، مذاق،لطیفہ،دل لگی۔مراٹھی زبان میں ایک قسم کا لوک تھیٹر ہوتا ہے جس کو "تماشہ" کہتے ہیں۔

مشَي / مشَى بـ يَمشِي ، امْشِ ، مَشْيًا ، فهو ماشٍ ، والمفعول مَمشِيّ به : مشَى الشَّخصُ - 1سار ، انتقل على قدميه من مكان إلى آخر بإرادته ، ذهب ومضى " مشى مُسْرعًا / متثاقلا ، -يسافر مشيًا ، -(وَلا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ)" مشَى على آثاره :حذا حذوه وحاكاه ، -مشَى في ركابه :تبعه . - 2اهتدى "(وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ) . " مشى الأمرُ :استمرّ "مشتِ الانتخابات بصورة طبيعيَّة . " مشى الشَّخصُ بالنميمة :سَعَى بها ، وشى وأفسد ، نمّ .المعجم :اللغة العربية المعاصر -(ابحث في المعنى)

عورت کو طلاق دینے کیلئے کہنے کا بیان

﴿وَمَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ :طَلِّقِي نَفْسَك وَلَا نِيَّةَ لَهُ أَوْ نَوَى وَاحِدَةً فَقَالَتْ :طَلَّقْت

نَفْسِی فَهِیَ وَاحِدَةٌ رَجْعِیَّةٌ، وَاِنْ طَلَّقَتْ نَفْسَهَا ثَلَاثًا وَقَدْ اَرَادَ الزَّوْجُ ذٰلِكَ وَقَعْنَ عَلَیْهَا﴾ وَهٰذَا لِاَنَّ قَوْلَهُ طَلِّقِی مَعْنَاهُ افْعَلِی فِعْلَ التَّطْلِیْقِ، وَهُوَ اسْمُ جِنْسٍ فَیَقَعُ عَلَی الْاَدْنٰی مَعَ احْتِمَالِ الْکُلِّ کَسَائِرِ اَسْمَاءِ الْاَجْنَاسِ، فَلِهٰذَا تَعْمَلُ فِیْهِ نِیَّةُ الثَّلَاثِ، وَیَنْصَرِفُ اِلَی وَاحِدَةٍ عِنْدَ عَدَمِهَا وَتَکُوْنُ الْوَاحِدَةُ رَجْعِیَّةً لِاَنَّ الْمُفَوَّضَ اِلَیْهَا صَرِیْحُ الطَّلَاقِ، وَلَوْ نَوَی الثِّنْتَیْنِ لَا تَصِحُّ لِاَنَّهُ نِیَّةُ الْعَدَدِ اِلَّا اِذَا کَانَتْ الْمَنْکُوحَةُ اَمَةً لِاَنَّهُ جِنْسٌ فِیْ حَقِّهَا.

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ ''تم اپنے آپ کو طلاق دے دو'' اور مرد نے کسی بھی چیز کی نیت نہ کی ہو'یا اس نے ایک طلاق کی نیت کی ہو'اور عورت جواب میں یہ کہے: ''میں نے اپنے آپ کو طلاق دی'' تو اس کے نتیجے میں ایک رجعی طلاق واقع ہو جائے گی۔ اگر بیوی نے اپنے آپ کو تین طلاقیں دی ہوں اور شوہر نے بھی تین طلاقوں کی نیت کی ہو' تو تینوں واقع ہو جائیں گی۔ اس کی دلیل یہ ہے: مرد کے یہ الفاظ ''تم طلاق دے دو'' کا مطلب یہ ہے ''تم طلاق کا فعل سرانجام دو'' اور طلاق اسم جنس ہے' جس کا اطلاق اس کے کم از کم فرد پر بھی ہوتا ہے' لیکن اس میں کل کا بھی احتمال باقی رہتا ہے' جیسا کہ تمام اسمائے اجناس کا بنیادی اصول یہی ہے۔ اس لیے طلاق میں تین کی نیت کرنا اثر انداز ہوگا اور اگر نیت موجود نہ ہو' تو اس سے ایک طلاق مراد لی جائے گی' اور وہ ایک طلاق بھی رجعی ہوگی' کیونکہ صریح طلاق کو عورت کے سپرد کیا گیا ہے اور صریح طلاق رجعی ہوتی ہے۔ اگر مرد نے دو طلاقوں کی نیت کی ہو' تو یہ درست نہیں ہوگی' کیونکہ دو کی نیت عدد کی نیت ہوتی ہے۔ البتہ اگر اس کی بیوی کنیز ہو (تو درست ہوگی) کیونکہ دو کا عدد کنیز کے حق میں جنس شمار ہوگا۔

جب طلاق کو عورت کی چاہت پر چھوڑ دیا جائے

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ اور جب عورت سے کہا تو اپنے کو طلاق دیدے اور نیت کچھ نہ ہو یا ایک یا دو کی نیت ہو اور عورت آزاد ہو تو عورت کے طلاق دینے سے ایک رجعی واقع ہوگی اور تین کی نیت کی ہو تو تین پڑیں گی اور عورت باندی ہو تو دو کی نیت بھی صحیح ہے۔ اور اگر عورت نے جواب میں کہا کہ میں نے اپنے کو بائن کیا یا جدا کیا یا میں حرام ہوں یا بری ہوں جب بھی ایک رجعی واقع ہوگی۔ اور اگر کہا میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا تو کچھ نہیں اگرچہ شوہر نے جائز کر دیا ہو۔

اور اگر اس نے کسی اور سے کہا کہ تو میری عورت کو رجعی طلاق دے اُس نے بائن دی جب بھی رجعی ہوگی اور اگر وکیل نے طلاق کا لفظ نہ کہا بلکہ کہا میں نے اُسے بائن کر دیا یا جدا کر دیا تو کچھ نہیں۔ اور جب عورت سے کہا اگر تو چاہے تو اپنے کو دس طلاقیں

دے عورت نے تین دیں یا کہا اگر چاہے تو ایک طلاق دے عورت نے آدھی دی تو دونوں صورتوں میں ایک بھی واقع نہیں۔

اور جب شوہر نے کہا تو اپنے کو رجعی طلاق دے عورت نے بائن دی یا شوہر نے کہا بائن طلاق دے عورت نے رجعی دی تو جو شوہر نے کہا وہ واقع ہوگی عورت نے جیسی دی وہ نہیں اور اگر شوہر نے اُس کے ساتھ یہ بھی کہا تھا کہ تو اگر چاہے اور عورت نے اُس کے حکم کے خلاف بائن یا رجعی دی تو کچھ نہیں۔ (درمختار، ج ۴، ص ۵۶۹، بیروت)

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اور اگر اس کی دو عورتیں ہیں اور دونوں مدخولہ ہیں اُس نے دونوں کو مخاطب کر کے کہا تم دونوں اپنے کو یعنی خود کو اور دوسری کو تین طلاقیں دو ہر ایک نے اپنے کو اور سَوت کو آگے پیچھے تین طلاقیں دیں تو پہلی ہی کے طلاق دینے سے دونوں مُطلقہ ہوگئیں اور اگر پہلے سَوت کو طلاق دی پھر اپنے کو تو سَوت کو پڑ گئی اسے نہیں کہ اختیار ساقط) ہو چکا لہٰذا دوسری نے اگر اسے طلاق دی تو یہ بھی مُطلقہ ہو جائے گی ورنہ نہیں۔ اور اگر شوہر نے اس طرح اختیار دینے کے بعد منع کر دیا کہ طلاق نہ دو تو جب تک مجلس باقی ہے ہر ایک اپنے کو طلاق دے سکتی ہے سَوت کو نہیں کہ دوسری کے حق میں وکیل ہے اور منع کر دینے سے وکالت باطل ہوگئی۔ اور اگر اُس لفظ کے ساتھ یہ بھی کہا تھا کہ اگر تم چاہو تو فقط ایک کے طلاق دینے سے طلاق نہ ہوگی جب تک دونوں اُسی مجلس میں اپنے کو اور دوسری کو طلاق نہ دیں طلاق نہ ہوگی اور مجلس کے بعد کچھ نہیں ہوسکتا۔ (عالم گیری، کتاب طلاق)

عورت کا جواب میں خود کو بائنہ قرار دینے کا بیان

﴿وَاِنْ قَالَ لَهَا :طَلِّقِي نَفْسَكِ قَالَتْ :اَبَنْتُ نَفْسِي طَلَقَتْ﴾ وَلَوْ قَالَتْ :قَدْ اخْتَرْتُ نَفْسِي لَمْ تَطْلُقْ لِاَنَّ الْاِبَانَةَ مِنْ اَلْفَاظِ الطَّلَاقِ، اَلَا تَرٰى اَنَّهُ لَوْ قَالَ لِامْرَاَتِهِ :اَبَنْتُكِ يَنْوِي بِهِ الطَّلَاقَ اَوْ قَالَتْ :اَبَنْتُ نَفْسِي فَقَالَ الزَّوْجُ :قَدْ اَجَزْتُ ذٰلِكَ بَانَتْ فَكَانَتْ مُوَافِقَةً لِلتَّفْوِيضِ فِي الْاَصْلِ اِلَّا اَنَّهَا زَادَتْ فِيهِ وَصْفًا وَهُوَ تَعْجِيلُ الْاِبَانَةِ فَيَلْغُو الْوَصْفُ الزَّائِدُ وَيَثْبُتُ الْاَصْلُ، كَمَا اِذَا قَالَتْ :طَلَّقْتُ نَفْسِي تَطْلِيقَةً بَائِنَةً، وَيَنْبَغِي اَنْ تَقَعَ تَطْلِيقَةٌ رَجْعِيَّةٌ .بِخِلَافِ الْاِخْتِيَارِ لِاَنَّهُ لَيْسَ مِنْ اَلْفَاظِ الطَّلَاقِ ؛ اَلَا تَرٰى اَنَّهُ لَوْ قَالَ لِامْرَاَتِهِ اخْتَرْتُكِ اَوْ اخْتَارِي يَنْوِي الطَّلَاقَ لَمْ يَقَعْ، وَلَوْ قَالَتْ اِبْتِدَاءً :اخْتَرْتُ نَفْسِي فَقَالَ الزَّوْجُ :قَدْ اَجَزْتُ لَا يَقَعُ شَيْءٌ اِلَّا اَنَّهُ عُرِفَ طَلَاقًا بِالْاِجْمَاعِ اِذَا حَصَلَ جَوَابًا لِلتَّخْيِيرِ، وَقَوْلُهُ طَلِّقِي نَفْسَكِ لَيْسَ بِتَخْيِيرٍ فَيَلْغُو .وَعَنْ اَبِي حَنِيفَةَ اَنَّهُ لَا يَقَعُ شَيْءٌ بِقَوْلِهَا اَبَنْتُ نَفْسِي لِاَنَّهَا اَتَتْ بِغَيْرِ مَا فَوَّضَ اِلَيْهَا اِذْ الْاِبَانَةُ تُغَايِرُ الطَّلَاقَ .

ترجمہ

اور جب شوہر نے بیوی سے یہ کہا: "تم اپنے آپ کو طلاق دے دو" اور عورت نے جواب میں یہ کہہ دیا "میں نے اپنے آپ کو بائنہ کر لیا" تو بھی ایک ہی طلاق واقع رجعی ہوگی۔ اگر اس کے جواب میں عورت نے یہ کہہ دیا "میں اپنی ذات کو اختیار کرتی ہوں" تو اس کے نتیجے میں طلاق نہیں ہوگی۔ اس کی دلیل یہ ہے: لفظ ابانت کا تعلق طلاق کے الفاظ سے ہے۔ کیا آپ نے غور نہیں کیا: اگر شوہر یہ کہہ دے "میں نے تمہیں بائنہ کر دیا" اور وہ اس لفظ کے ذریعے طلاق کی نیت کرے یا عورت یہ کہے: "میں نے اپنے آپ کو بائنہ کر لیا" اور مرد یہ کہے: میں اس چیز کو برقرار رکھتا ہوں تو عورت پر بائنہ طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ طلاق کی اصل میں بیوی نے شوہر کی تفویض کی موافقت کی ہے البتہ اتنا ہوا ہے کہ عورت نے اس میں ایک صفت کا اضافہ کر دیا ہے یعنی ابانت کو جلدی کر لیا ہے لہٰذا اضافی وصف لغو شمار ہوگا اور رجعی طلاق باقی رہ جائے گی۔ یہ بالکل اسی طرح ہے: جیسے عورت "تم اپنے آپ کو طلاق دو" کے جواب میں یہ کہے: "میں اپنے آپ کو ایک بائنہ طلاق دیتی ہوں" تو مناسب یہی ہوگا رجعی طلاق واقع ہو۔ البتہ یہ صورت اس سے مختلف ہے: جب عورت یہ کہے: "میں نے اپنے آپ کو اختیار کر لیا" اس کی دلیل یہ ہے: لفظ اختیار کا تعلق طلاق کے الفاظ کے ساتھ نہیں ہے۔

کیا آپ نے غور نہیں کیا؟ اگر شوہر یہ کہے: "میں نے تمہیں اختیار کیا" یا یہ کہے: "تم اختیار کر لو" (یا تمہیں اختیار ہے) اور اس کی نیت طلاق ہو تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اگر عورت آغاز میں یہ کہہ دے "میں نے اپنی ذات کو اختیار کیا" اور شوہر یہ کہے: "میں نے اجازت دی" تو کوئی بھی چیز واقع نہیں ہوگی البتہ اس بات پر اجماع ہے یہ بات طلاق شمار ہوگی جب یہ اختیار دینے کے جواب میں واقع ہو اور مرد کا یہ کہنا "تم اپنے آپ کو طلاق دو" یہ اختیار دینا نہیں ہے لہٰذا عورت کا یہ کہنا "میں نے اپنی ذات کو اختیار کیا" لغو شمار ہوگا۔ امام اعظم نے یہ بات بیان کی ہے اس کا یہ کہنا "میں نے اپنی ذات کو بائنہ کر لیا" اس سے کچھ بھی واقع نہیں ہوگا اس کی دلیل یہ ہے: شوہر نے بیوی کے سپرد جو چیز کی تھی عورت نے اس کے بجائے دوسری چیز کو اختیار کر لیا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے: ابانت طلاق کے مغایر ہوتی ہے۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اور جب کسی شخص نے عورت سے کہا اپنے کو تو طلاق دیدے جیسی تو چاہے تو عورت کو اختیار ہے بائن دے یا رجعی ایک دے یا دو یا تین مگر مجلس بدلنے کے بعد اختیار نہ رہے گا۔ اگر کہا تو چاہے تو اپنے کو طلاق دیدے اور تو چاہے تو میری فلاں بی بی کو طلاق دیدے تو پہلے اپنے کو طلاق دے یا اُس کو دونوں مُطلقہ ہو جائیں گی۔ اور اگر عورت سے کہا تو جب چاہے اپنے کو ایک طلاق بائن دیدے پھر کہا تو جب چاہے اپنے کو ایک وہ طلاق دے جس میں رجعت کا میں مالک رہوں عورت نے کچھ دنوں بعد اپنے کو طلاق دی تو رجعی ہوگی اور شوہر کے پچھلے کلام کا جواب سمجھا جائیگا۔

عورت سے کہا تجھ کو طلاق ہے اگر تو ارادہ کرے یا پسند کرے یا خواہش کرے یا محبوب رکھے جواب میں کہا میں نے چاہا یا ارادہ کیا ہوگئی۔ یونہی اگر کہا تجھے موافق آئے جواب میں کہا میں نے چاہا ہوگئی اور جواب میں کہا میں نے محبوب رکھا تو نہ ہوئی۔ عورت سے کہا اگر تو چاہے تو تجھ کو طلاق ہے جواب میں کہا ہاں یا میں نے قبول کیا یا میں راضی ہوئی واقع نہ ہوئی اور اگر کہا تو اگر قبول کرے تو تجھ کو طلاق ہے جواب میں کہا میں نے چاہی تو ہوگئی۔ (عالم گیری، کتاب طلاق)

اختیار طلاق کی صورت عورت کا خود کو بائنہ کرنے کا فقہی بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر شوہر نے بیوی سے یہ کہا: تم اپنے آپ کو طلاق دے دو اور اس کے جواب میں بیوی نے لفظ طلاق استعمال کرنے کے بجائے یہ کہہ دیا: میں اپنے آپ کو بائنہ کرتی ہوں تو عورت کو طلاق ہو جائے گی۔

لیکن اگر بیوی نے جواب میں یہ کہا: میں اپنی ذات کو اختیار کرتی ہوں' تو اس صورت میں طلاق نہیں ہوگی۔ مصنف نے اس کی دلیل یہ بیان کی ہے: لفظ ابانت طلاق کے الفاظ میں سے ہے' جبکہ لفظ اختیار طلاق کے الفاظ میں سے نہیں ہے لفظ ابانت طلاق کے الفاظ میں سے ہے' اس کی دلیل کے طور پر مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: کیا آپ نے یہ بات ملاحظہ نہیں کی؟ اگر مرد نے یہ کہا ہو۔

''میں تمہیں بائنہ کرتا ہوں'' اور اس نے ان الفاظ کے ذریعے طلاق کی نیت کی ہو' تو اس کے نتیجے میں طلاق ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر عورت نے یہ کہا ہو: میں اپنے آپ کو بائنہ کرتی ہوں اور شوہر یہ کہے: میں اس کی اجازت دیتا ہوں' تو وہ عورت بائنہ ہو جائے گی۔ مصنف فرماتے ہیں: لہٰذا مذکورہ بالا مسئلے میں یعنی جب شوہر نے بیوی سے یہ کہا: تم اپنے آپ کو طلاق دو اور بیوی اس کے جواب میں یہ کہہ دے: میں نے اپنے آپ کو بائنہ کیا' یہ اپنی اصل میں یعنی نفس طلاق کے واقع ہونے میں تفویض کی طرح ہو جائے گا۔

البتہ بیوی نے اپنے الفاظ میں لفظ بائنہ استعمال کر کے ایک اضافی صفت کا تذکرہ کر دیا ہے اس لئے بیوی کا کلام اس اعتبار سے تفویض کے مخالف ہوگا' لیکن بیوی کا کلام جس چیز میں تفویض کے موافق ہے' یعنی طلاق کا ہونا اس میں اسے معتبر قرار دیا جائے گا' اور اس کے نتیجے میں ایک رجعی طلاق واقع ہونے کا حکم دیدیا جائے گا' اور جس چیز کے بارے میں بیوی کا کلام شوہر کے کلام کا مخالف ہے یعنی لفظ ابانت کو اضافی طور پر ذکر کرنا اس اضافی صفت کو مسترد کر دیا جائے گا' اور اصل چیز یعنی رجعی طلاق واقع ہونے کا حکم جاری کیا جائے گا۔

یہاں مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے: اگر شوہر نے یہ کہا ہو: تم اپنے آپ کو طلاق دے دو اور اس کے جواب میں عورت یہ کہے: میں اپنی ذات کو اختیار کرتی ہوں' تو اس صورت میں طلاق نہیں ہوگی اس کی دلیل یہ ہے: لفظ اختیار کرنا طلاق کے الفاظ میں سے نہیں ہے' اور نہ ہی شوہر کے کلام کا جواب بننے کا احتمال رکھتا ہے۔

یہی دلیل ہے: اگر شوہر طلاق کی نیت کر کے بیوی سے یہ کہے: تم اپنے آپ کو اختیار کرلو یا بیوی آغاز میں یہ کہے: میں نے اپنے آپ کو اختیار کیا اور شوہر یہ کہے: میں نے اس کو برقرار رکھا' تو اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوتی ہے' اس کی دلیل یہی ہے: لفظ اختیار' طلاق کے الفاظ میں سے نہیں ہے۔

اس پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے' تو پھر آپ نے ان الفاظ کے ذریعے طلاق کے وقوع کو کیوں درست قرار دیا ہے؟ جب شوہر بیوی سے یہ کہتا ہے: ''تم اپنی ذات کو اختیار کرلو''۔ مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: وہاں یہ حکم قیاس کے خلاف ہے' اور یہ حکم اس لئے دیا گیا ہے' کیونکہ یہ حکم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے' اور اصول یہ ہے: جو چیز اور جو حکم خود خلاف قیاس ہو اس پر کسی دوسرے حکم کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

یہاں مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے: امام ابوحنیفہ سے ایک روایت یہ بھی منقول ہے: اگر شوہر نے یہ کہا ہو'' تم اپنے آپ کو طلاق دو'' اور اس کے جواب میں بیوی یہ کہے: ''میں نے اپنے آپ کو بائنہ کرلیا'' تو اس صورت میں کوئی بھی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اس کی دلیل یہ ہے: شوہر نے بیوی کو طلاق تفویض کی تھی اور بیوی نے جواب میں ابانت کا ذکر کیا ہے' اور لفظ ابانت لفظ طلاق کا غیر ہے اس کی دلیل یہ ہے: ابانت لفظ طلاق کے بغیر بھی حاصل ہو سکتی ہے' لہٰذا عورت کا جواب مرد کے بیان کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا لہٰذا اس کا کلام لغو قرار دیا جائے گا' اور کوئی بھی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

طلاق کا اختیار دینے کے بعد شوہر کو رجوع کا حق نہیں ہوگا

﴿وَلَوْ قَالَ لَهَا: طَلِّقِي نَفْسَكِ فَلَيْسَ لَهُ اَنْ يَّرْجِعَ عَنْهُ﴾ لِاَنَّ فِيهِ مَعْنَى الْيَمِينِ لِاَنَّهُ تَعْلِيقُ الطَّلَاقِ بِتَطْلِيقِهَا وَالْيَمِينُ تَصَرُّفٌ لَّازِمٌ، وَلَوْ قَامَتْ عَنْ مَجْلِسِهَا بَطَلَ لِاَنَّهُ تَمْلِيكٌ، بِخِلَافِ مَا اِذَا قَالَ لَهَا: طَلِّقِي ضَرَّتَكِ لِاَنَّهُ تَوْكِيلٌ وَاِنَابَةٌ فَلَا يَقْتَصِرُ عَلَى الْمَجْلِسِ وَيَقْبَلُ الرُّجُوعَ

ترجمہ

اگر شوہر نے بیوی سے یہ کہا: ہو'' تم اپنے آپ کو طلاق دے دو'' تو اس کے بعد مرد کو اپنی بات سے رجوع کرنے کا اختیار باقی نہیں رہے گا' کیونکہ اس میں مشروط کا مفہوم پایا جاتا ہے' کیونکہ یہاں پر طلاق کو معلق کیا گیا ہے عورت کے طلاق دینے کے ساتھ اور مشروط کرنا ایک ایسا تصرف ہے' جو لازم ہے۔ اگر عورت اس محفل سے اٹھ جائے' تو اس کا یہ اختیار باطل ہو جائے گا' اس کی دلیل یہ ہے: یہ تملیک ہے۔ اس کے برخلاف اگر شوہر نے بیوی سے یہ کہا: ''تم اپنی سوکن کو طلاق دے دو'' تو یہ وکیل بنانا ہوگا' لہٰذا نائب بنانا مجلس پر موقوف نہیں ہوتا اس میں رجوع کرنے کا امکان بھی ہوتا ہے۔

اختیار کی صورت میں حکم کا بیوی پر موقوف ہونے کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر شوہر نے بیوی سے یہ کہا ہو ''تم اپنے آپ کو طلاق دے دو'' تو اب شوہر کو اس کلام سے رجوع کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہوگا' بلکہ اب حکم بیوی کے طرزِ عمل پر موقوف ہوگا وہ اپنی ذات کو اختیار کر لیتی ہے یعنی اپنے آپ کو طلاق دیدیتی ہے' تو طلاق ہو جائے گی اور اگر نہیں دیتی تو طلاق نہیں ہوگی۔

مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: اس کی دلیل یہ ہے: یہاں یمین یعنی معلق کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے' اور شوہر جب طلاق کو معلق کر دے' تو اسے رجوع کرنے کا اختیار باقی نہیں رہتا ہے۔

یہاں معلق کرنے کے مفہوم کی دلیل یہ ہے: شوہر نے طلاق کو عورت کے طلاق دینے کے ساتھ معلق کر دیا ہے اور یمین یعنی کسی چیز کو معلق کرنا' ایک ایسا تصرف ہے جو لازم ہو جاتا ہے۔

مصنف نے یہاں یہ بات بیان کی ہے: اگر شوہر نے یہ الفاظ استعمال کیے ہوں ''تم اپنے آپ کو طلاق دے دو'' اور پھر عورت اس محفل سے اٹھ کر چلی جائے' تو اس کا اختیار ختم ہو جاتا ہے' کیونکہ یہاں بھی شوہر نے دراصل عورت کو طلاق دینے کا مالک بنایا تھا جب اس نے اس اختیار کو استعمال نہیں کیا اور اٹھ کر چل دی تو اب اس کا یہ اختیار ختم ہو جائے گا۔

اس کے برعکس اگر شوہر نے اپنی بیوی سے یہ کہا: تم اپنی سوکن یعنی شوہر کی دوسری بیوی کو طلاق دے دو' تو یہاں شوہر نے بیوی کو مالک نہیں بنایا' بلکہ وکیل مقرر کیا ہے' اور نائب مقرر کیا ہے' لہٰذا یہاں پر اس عورت کا سوکن کو طلاق دینا اس محفل کے ساتھ مخصوص نہیں ہوگا اور کیونکہ یہاں شوہر نے بیوی کو وکیل مقرر کیا ہے' اور آدمی کو یہ حق حاصل ہوتا ہے: وہ کسی کو وکیل مقرر کرنے کے بعد، بعد میں اس سے رجوع کر لے۔ تو یہاں شوہر اپنے مؤقف سے رجوع کر سکتا ہے' اور اس عورت کی وکالت کو ختم کر سکتا ہے۔

لفظ متیٰ سے ملنے والا اختیار ماو دلیل مجلس تک ہوتا ہے

﴿وَاِنْ قَالَ لَهَا: طَلِّقِي نَفْسَكِ مَتٰى شِئْتِ فَلَهَا اَنْ تُطَلِّقَ نَفْسَهَا فِي الْمَجْلِسِ وَبَعْدَهُ﴾ لِاَنَّ كَلِمَةَ مَتٰى عَامَّةٌ فِي الْاَوْقَاتِ كُلِّهَا فَصَارَ كَمَا اِذَا قَالَ فِي اَيِّ وَقْتٍ شِئْتِ.

ترجمہ

اگر شوہر نے بیوی سے یہ کہا: ''تم جب چاہو اپنے آپ کو طلاق دے دو'' تو عورت کو اس محفل میں یا اس محفل کے بعد بھی طلاق کا اختیار رہے گا' کیونکہ لفظ ''متیٰ'' کا تعلق تمام اوقات سے ہوتا ہے گویا مرد نے یہ کہا ہوگا ''تم جس وقت بھی چاہو''۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ جب کسی شخص نے عورت سے کہا اگر تو چاہے تو اپنے کو دس طلاقیں دے عورت [illegible] یا کہا اگر چاہے تو ایک طلاق دے عورت نے آدھی دی تو دونوں صورتوں میں ایک بھی واقع نہیں۔ اور جب شوہر نے کہا

تو اپنے کو رجعی طلاق دے عورت نے بائن دی یا شوہر نے کہا بائن طلاق دے عورت نے رجعی دی تو جو شوہر نے کہا وہ واقع ہوگی عورت نے جیسی دی وہ نہیں اور اگر شوہر نے اُس کے ساتھ یہ بھی کہا تھا کہ تو اگر چاہے اور عورت نے اُس کے حکم کے خلاف بائن یا رجعی دی تو کچھ نہیں۔ (درمختار، کتاب طلاق)

متیٰ کے ذریعے استعاب وقت کا بیان

یہاں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: اگر شوہر نے بیوی سے یہ کہا ''جب تم چاہو اپنے آپ کو طلاق دے دو'' یہاں مصنف نے عبارت میں لفظ متیٰ استعمال کیا ہے اور دراصل وہ ان الفاظ کے ذریعے لفظ متیٰ کا حکم بیان کرنا چاہتے ہیں۔

مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: ان الفاظ کے نتیجے میں عورت کو اس محفل میں بھی اور اس محفل کے بعد بھی اپنے آپ کو طلاق دینے کا اختیار رہوگا۔ اس کی دلیل انہوں نے یہ بیان کی ہے: لفظ متیٰ اوقات کے اعتبار سے عام ہے اور یہ تمام اوقات پر مشتمل ہوتا ہے تو یہ اسی طرح ہو جائے گا جیسے شوہر نے یہ کہا ہو: تم جس وقت بھی چاہو اپنے آپ کو طلاق دے دو۔

کسی دوسرے شخص کو طلاق دینے کے لئے وکیل بنانا

﴿وَإِذَا قَالَ لِرَجُلٍ: طَلِّقِ امْرَأَتِيْ فَلَهُ أَنْ يُطَلِّقَهَا فِي الْمَجْلِسِ وَبَعْدَهُ﴾ وَلَهُ أَنْ يَرْجِعَ عَنْهُ لِأَنَّهُ تَوْكِيلٌ وَأَنَّهُ اسْتِعَانَةٌ، فَلَا يَلْزَمُ وَلَا يَقْتَصِرُ عَلَى الْمَجْلِسِ، بِخِلَافِ قَوْلِهِ لِامْرَأَتِهِ: طَلِّقِي نَفْسَكِ لِأَنَّهَا عَامِلَةٌ لِنَفْسِهَا فَكَانَ تَمْلِيكًا لَا تَوْكِيلًا ﴿وَلَوْ قَالَ لِرَجُلٍ: طَلِّقْهَا إِنْ شِئْتَ فَلَهُ أَنْ يُطَلِّقَهَا فِي الْمَجْلِسِ خَاصَّةً﴾ وَلَيْسَ لِلزَّوْجِ أَنْ يَرْجِعَ. وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللّٰهُ: هٰذَا وَالْأَوَّلُ سَوَاءٌ لِأَنَّ التَّصْرِيحَ بِالْمَشِيئَةِ كَعَدَمِهِ لِأَنَّهُ يَتَصَرَّفُ عَنْ مَشِيئَتِهِ فَصَارَ كَالْوَكِيلِ بِالْبَيْعِ إِذَا قِيلَ لَهُ: بِعْهُ إِنْ شِئْتَ. وَلَنَا أَنَّهُ تَمْلِيكٌ لِأَنَّهُ عَلَّقَهُ بِالْمَشِيئَةِ وَالْمَالِكُ هُوَ الَّذِي يَتَصَرَّفُ عَنْ مَشِيئَتِهِ، وَالطَّلَاقُ يَحْتَمِلُ التَّعْلِيقَ بِخِلَافِ الْبَيْعِ لِأَنَّهُ لَا يَحْتَمِلُهُ.

ترجمہ

اور جب ایک مرد کسی دوسرے مرد سے یہ کہے: ''تم میری بیوی کو طلاق دے دو'' تو اس دوسرے مرد کو یہ اختیار ہوگا' وہ چاہے تو اسی محفل میں طلاق دیدے یا اس کے بعد دے۔ اس بارے میں خاوند رجوع بھی کر سکتا ہے' کیونکہ یہ وکیل مقرر کرنے کے مترادف ہے اور مدد حاصل کرنا ہے اس لیے (اسے پورا کرنا) لازم نہیں ہوگا اور نہ ہی (اس کا اختیار) اس محفل تک محدود ہوگا۔ اس کے برخلاف اس شخص کا اپنی بیوی سے یہ کہنا ''تم اپنے آپ کو طلاق دے دو'' اس کا حکم مختلف ہے' کیونکہ اب عورت نے اپنی ذات کے

بارے میں کام کرنا ہے لہٰذا یہ مالک بنانا ہوگا' وکیل مقرر کرنا نہیں ہوگا۔ اگر کسی شخص نے کسی دوسرے شخص سے یہ کہا: تم اس عورت کو طلاق دے دو اگر تم چاہو' تو اس دوسرے شخص کو یہ اختیار حاصل ہوگا' وہ اسی محفل میں طلاق دے سکتا ہے اور اس بارے میں شوہر کو رجوع کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ امام زفر یہ فرماتے ہیں: یہ اور پہلی صورت برابر ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے: لفظ مشیت کے ذریعے صراحت کرنا اس کے نہ ہونے کے مترادف ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے: وہ اپنی مرضی کے ساتھ ہی تصرف کرے گا' تو یہ اسی طرح ہو جائے گا' جس طرح سودے میں کسی کو وکیل مقرر کیا جائے: جب اسے یہ کہا جائے: اگر تم چاہو تو اسے فروخت کر دو۔ ہماری دلیل یہ ہے: یہ مالک مقرر کرنا ہے نیز اس نے اس حکم کو مشیت کے ساتھ معلق کیا ہے اور مالک وہی شخص ہوتا ہے' جو اپنی مشیت کے ساتھ تصرف کر سکے' جبکہ طلاق معلق ہونے کا احتمال رکھتی ہے' جبکہ خرید وفروخت میں ایسا نہیں ہوتا' کیونکہ وہ اس کا احتمال نہیں رکھتی۔

وکالت طلاق کے ذریعے نفاذ طلاق کا بیان

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ کو میرے شوہر نے طلاق کہلوا کر بھیجی پھر میں نے اپنے کپڑے اوڑھ لیے اور میں خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم کو تمہارے شوہر نے کتنی طلاقیں دیں ہیں۔ میں نے عرض کیا تین طلاق دیں ہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارے واسطے نان ونفقہ یعنی عورت کا خرچہ تمہارے شوہر کی جانب نہیں ملے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم اپنے چچازاد بھائی کے گھر یعنی حضرت عبداللہ بن مکتوم کے گھر عدت گزارو کیونکہ وہ ایک نابینا شخص ہیں اور اپنے کپڑے ان کے نزدیک اتار سکتی ہو پھر ارشاد فرمایا جب تمہاری عدت پوری ہو جائے تو اس وقت مجھ کو مطلع کرنا (واضح رہے کہ اس جگہ یہ حدیث مختصر کر کے نقل کی گئی ہے)۔

(سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1356)

نکاح وطلاق میں اختیار وکالت کا فقہی مفہوم

اور جب شوہر نے کسی شخص سے کہا میں نے تجھے اپنے تمام کاموں میں وکیل بنایا۔ وکیل نے اُس کی عورت کو طلاق دے دی واقع نہ ہوئی اور اگر کہا تمام امور میں وکیل کیا جن میں وکیل بنانا جائز ہے تو تمام باتوں میں وکیل بن گیا یعنی اُس کی عورت کو طلاق بھی دے سکتا ہے۔ اور اگر طلاق دینے کے لیے وکیل کیا اور وکیل کے طلاق دینے سے پہلے خود موکل نے عورت کو طلاق بائن یا رجعی دے دی تو جب تک عورت عدت میں ہے وکیل طلاق دے سکتا ہے۔ اور اگر وکیل نے طلاق نہیں دی اور موکل نے خود طلاق دیکر عدت کے اندر اُس عورت سے نکاح کر لیا تو وکیل اب بھی طلاق دے سکتا ہے اور عدت گزرنے کے بعد اگر نکاح کیا تو نہیں۔ اور اگر میاں بی بی میں کوئی معاذ اللہ مرتد ہو گیا جب بھی عدت کے اندر وکیل طلاق دے سکتا ہے ہاں اگر مرتد ہو کر دارالحرب کو چلا گیا اور قاضی نے حکم بھی دیدیا تو اب وکالت باطل ہوگئی۔ یونہی اگر وکیل معاذ اللہ مرتد ہو جائے تو وکالت باطل نہ ہوگی ہاں اگر دارالحرب کو چلا گیا اور قاضی نے حکم بھی دیدیا تو باطل ہے۔ (فتاویٰ خانیہ، کتاب طلاق)

ایک طلاق دینے کے لیے وکیل کیا، وکیل نے دو دیدیں تو واقع نہ ہوئی اور بائن کے لیے وکیل کیا وکیل نے رجعی دی تو بائن ہوگی اور رجعی کے لیے وکیل سے کہا اُس نے بائن دی تو رجعی ہوئی۔ اور اگر ایسے کو وکیل کیا جو غائب ہے اور اُسے ابھی تک وکالت کی خبر نہیں اور موکل کی عورت کو طلاق دیدی تو واقع نہ ہوئی کہ ابھی تک وکیل ہی نہیں۔ اور اگر کسی سے کہا میں تجھے اپنی عورت کو طلاق دینے سے منع نہیں کرتا تو اس کہنے سے وکیل نہ ہوا یا اس کے سامنے اسکی عورت کو کسی نے طلاق دی اور اس نے اُسے منع نہ کیا جب بھی وہ وکیل نہ ہوا۔ البتہ طلاق کے وکیل کو یہ اختیار نہیں کہ دوسرے کو وکیل بنادے۔ کسی کو وکیل بنایا اور وکیل نے منظور نہ کیا تو وکیل نہ ہوا اور اگر چپ رہا پھر طلاق دیدی ہوگئی۔ سمجھ وال بچہ اور غلام کو بھی وکیل بنا سکتا ہے۔ (عالم گیری، کتاب طلاق)

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اور اگر اس نے وکیل سے کہا تو میری عورت کو کل طلاق دیدینا اُس نے آج ہی کہہ دیا تجھ پر کل طلاق ہے تو واقع نہ ہوئی۔ یونہی اگر وکیل سے کہا طلاق دے دے اُس نے طلاق کو کسی شرط پر معلق کیا مثلاً کہا اگر تو گھر میں جائے تو تجھ پر طلاق ہے اور عورت گھر میں گئی طلاق نہ ہوئی۔ یونہی وکیل سے تین طلاق کے لیے کہا وکیل نے ہزار طلاقیں دیدیں یا آدھی کے لیے کہا وکیل نے ایک طلاق دی تو واقع نہ ہوئی۔ (بحرالرائق، ج۳، ص ۵۷۷، بیروت)

شوہر کے دیے ہوئے اختیار اور عورت کے قبول کرنے میں فرق

﴿وَلَوْ قَالَ لَهَا :طَلِّقِي نَفْسَكِ ثَلَاثًا فَطَلَّقَتْ وَاحِدَةً فَهِيَ وَاحِدَةٌ﴾ لِأَنَّهَا مَلَكَتْ إِيقَاعَ الثَّلَاثِ فَتَمْلِكُ إِيقَاعَ الْوَاحِدَةِ ضَرُورَةً ﴿وَلَوْ قَالَ لَهَا :طَلِّقِي نَفْسَكِ وَاحِدَةً فَطَلَّقَتْ نَفْسَهَا ثَلَاثًا لَمْ يَقَعْ شَيْءٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا :تَقَعُ وَاحِدَةٌ﴾ لِأَنَّهَا أَتَتْ بِمَا مَلَكَتْهُ وَزِيَادَةٍ فَصَارَ كَمَا إِذَا طَلَّقَهَا الزَّوْجُ أَلْفًا.

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهَا أَتَتْ بِغَيْرِ مَا فُوِّضَ إِلَيْهَا فَكَانَتْ مُبْتَدِئَةً، وَهَذَا لِأَنَّ الزَّوْجَ مَلَّكَهَا الْوَاحِدَةَ وَالثَّلَاثُ غَيْرُ الْوَاحِدَةِ لِأَنَّ الثَّلَاثَ اسْمٌ لِعَدَدٍ مُرَكَّبٍ مُجْتَمِعٍ وَالْوَاحِدَةُ فَرْدٌ لَا تَرْكِيبَ فِيهِ فَكَانَتْ بَيْنَهُمَا مُغَايَرَةٌ عَلَى سَبِيلِ الْمُضَادَّةِ، بِخِلَافِ الزَّوْجِ لِأَنَّهُ يَتَصَرَّفُ بِحُكْمِ الْمِلْكِ، وَكَذَا هِيَ فِي الْمَسْأَلَةِ الْأُولَى لِأَنَّهَا مَلَكَتْ الثَّلَاثَ، أَمَّا هَاهُنَا لَمْ تَمْلِكْ الثَّلَاثَ وَمَا أَتَتْ بِمَا فُوِّضَ إِلَيْهَا فَلَغَتْ.

ترجمہ

اور جب شوہر نے بیوی سے یہ کہا: تم اپنے آپ کو تین طلاقیں دے دو اور عورت نے خود کو ایک طلاق دی، تو وہ ایک ہی طلاق

واقع ہوگی اس کی دلیل یہ ہے: جب وہ عورت تین طلاقیں دینے کی مالک ہوسکتی ہے تو لازمی طور پر ایک طلاق دینے کی بھی مالک ہوگی۔ اگر شوہر نے بیوی سے یہ کہا: تم اپنے آپ کو ایک طلاق دے دو لیکن عورت نے خود کو تین طلاقیں دیدیں تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک کچھ بھی واقع نہیں ہوگا' جبکہ صاحبین کے نزدیک ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔ اس کی دلیل یہ ہے: عورت نے جو کچھ کیا ہے اس نے کچھ وہ کام کیا ہے جس کی وہ مالک تھی اور کچھ اس نے اضافہ کردیا ہے یہ بالکل اسی طرح ہوگا' جیسے شوہر عورت کو ایک ہزار طلاقیں دے (تو تین ہو جائیں گی' اور باقی لغو قرار دی جائیں گی)۔

امام ابوحنیفہ نے یہ بات بیان کی ہے: عورت نے وہ کام کیا ہے' جو شوہر نے اس کے سپرد نہیں کیا تھا' تو اس کا مطلب یہ ہوگا' وہ نئے سرے سے خود کو تین طلاقیں دے رہی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے: شوہر نے تو اسے صرف ایک طلاق کا مالک بنایا تھا اور تین کا عدد ایک نہیں ہوتا' کیونکہ تین ایک مرکب اور جمع عدد کا نام ہے' جبکہ ایک' مفرد ہے' جس میں ترکیب نہیں پائی جاتی اس لیے ایک اور تین ایک دوسرے کے ایسے متضاد ہوں گے' جن میں مغایرت پائی جاتی ہے' لیکن شوہر کا حکم اس سے مختلف ہے' اس کی دلیل یہ ہے: وہ اپنی ملکیت کے دائرے میں تصرف کرتا ہے۔ اسی طرح پہلے مسئلے میں ہے: کیونکہ وہ تین طلاقوں کی مالکہ تھی لیکن اب وہ تین کی مالک نہیں ہے۔ اس نے جو کچھ کیا ہے' اس کا اسے اختیار ہی نہیں دیا گیا لہٰذا اسے تفویض کرنا لغو قرار دیا جائے گا۔

بیوی کو مختلف الفاظ کے ذریعے طلاق دینے کا اختیار

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے عورت سے کہا تو اگر چاہے تو اپنے کو طلاق دیدے عورت نے جواب میں کہا میں نے چاہا کہ اپنے کو طلاق دیدوں تو کچھ نہیں۔ اگر کہا تو چاہے تو اپنے کو تین طلاقیں دیدے عورت نے کہا مجھے طلاق ہے تو طلاق نہ ہوئی جب تک یہ نہ کہے کہ مجھے تین طلاقیں ہیں۔ اور جب اس نے عورت سے کہا اپنے کو تو طلاق دیدے جیسی تو چاہے تو عورت کو اختیار ہے بائن دے یا رجعی ایک دے یا دو یا تین مگر مجلس بدلنے کے بعد اختیار نہ رہے گا۔

اگر کہا تو چاہے تو اپنے کو طلاق دیدے اور تو چاہے تو میری فلاں بی بی کو طلاق دیدے تو پہلے اپنے کو طلاق دے یا اُس کو دونوں مُطلقہ ہو جائیں گی۔ اور اگر عورت سے کہا تو جب چاہے اپنے کو ایک طلاق بائن دیدے پھر کہا تو جب چاہے اپنے کو ایک وہ طلاق دے جس میں رجعت کا میں مالک رہوں عورت نے کچھ دنوں بعد اپنے کو طلاق دی تو رجعی ہوگی اور شوہر کے پچھلے کلام کا جواب سمجھا جائیگا۔ اور جب اس نے عورت سے کہا تجھ کو طلاق ہے اگر تو ارادہ کرے یا پسند کرے یا خواہش کرے یا محبوب رکھے جواب میں کہا میں نے چاہا یا ارادہ کیا ہوگئی۔ یونہی اگر کہا تجھے موافق آئے جواب میں کہا میں نے چاہا ہوگئی اور جواب میں کہا میں نے محبوب رکھا تو نہ ہوئی عورت سے کہا اگر تو چاہے تو تجھ کو طلاق ہے جواب میں کہا ہاں یا میں نے قبول کیا یا میں راضی ہوئی واقع نہ ہوئی اور اگر کہا تو اگر قبول کرے تو تجھ کو طلاق ہے جواب میں کہا میں نے چاہی تو ہوگئی۔ (عالم گیری، کتاب طلاق)

رجوع کے حق کے ساتھ حق طلاق کا اختیار

﴿وَاِنْ اَمَرَهَا بِطَلَاقٍ يَمْلِكُ الرَّجْعَةَ فَطَلَّقَتْ بَائِنَةً، اَوْ اَمَرَهَا بِالْبَائِنِ فَطَلَّقَتْ رَجْعِيَّةً﴾ ﴿وَقَعَ مَا اَمَرَ بِهِ الزَّوْجُ﴾ فَمَعْنَى الْاَوَّلِ اَنْ يَّقُوْلَ لَهَا الزَّوْجُ :طَلِّقِي نَفْسَكِ وَاحِدَةً اَمْلِكُ الرَّجْعَةَ فَتَقُوْلُ :طَلَّقْتُ نَفْسِي وَاحِدَةً بَائِنَةً فَتَقَعُ رَجْعِيَّةً لِاَنَّهَا اَتَتْ بِالْاَصْلِ وَزِيَادَةِ وَصْفٍ كَمَا ذَكَرْنَا فَيَلْغُو الْوَصْفُ وَيَبْقَى الْاَصْلُ، وَمَعْنَى الثَّانِي اَنْ يَّقُوْلَ لَهَا طَلِّقِي نَفْسَكِ وَاحِدَةً بَائِنَةً فَتَقُوْلُ طَلَّقْتُ نَفْسِي وَاحِدَةً رَجْعِيَّةً فَتَقَعُ بَائِنَةً لِاَنَّ قَوْلَهَا وَاحِدَةً رَجْعِيَّةً لَغْوٌ مِنْهَا لِاَنَّ الزَّوْجَ لَمَّا عَيَّنَ صِفَةَ الْمُفَوَّضِ اِلَيْهَا فَحَاجَتُهَا بَعْدَ ذٰلِكَ اِلَى اِيْقَاعِ الْاَصْلِ دُوْنَ تَعْيِيْنِ الْوَصْفِ فَصَارَ كَاَنَّهَا اقْتَصَرَتْ عَلَى الْاَصْلِ فَيَقَعُ بِالصِّفَةِ الَّتِيْ عَيَّنَهَا الزَّوْجُ بَائِنًا اَوْ رَجْعِيًّا

﴿وَاِنْ قَالَ لَهَا :طَلِّقِي نَفْسَكِ ثَلَاثًا اِنْ شِئْتِ فَطَلَّقَتْ نَفْسَهَا وَاحِدَةً لَمْ يَقَعْ شَيْءٌ﴾ لِاَنَّ مَعْنَاهُ اِنْ شِئْتِ الثَّلَاثَ وَهِيَ بِاِيْقَاعِ الْوَاحِدَةِ مَا شَاءَتِ الثَّلَاثَ فَلَمْ يُوْجَدِ الشَّرْطُ ﴿وَلَوْ قَالَ لَهَا :طَلِّقِي نَفْسَكِ وَاحِدَةً اِنْ شِئْتِ فَطَلَّقَتْ ثَلَاثًا فَكَذٰلِكَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ﴾ لِاَنَّ مَشِيْئَةَ الثَّلَاثِ لَيْسَتْ بِمَشِيْئَةٍ لِلْوَاحِدَةِ كَاِيْقَاعِهَا ﴿وَقَالَا :تَقَعُ وَاحِدَةٌ﴾ لِاَنَّ مَشِيْئَةَ الثَّلَاثِ مَشِيْئَةٌ لِلْوَاحِدَةِ، كَمَا اَنَّ اِيْقَاعَهَا اِيْقَاعٌ لِلْوَاحِدَةِ فَوُجِدَ الشَّرْطُ .

ترجمہ

اور اگر شوہر بیوی کو ایسی طلاق کا اختیار دے' جس سے وہ رجوع کر سکتا ہو' لیکن عورت اپنے آپ کو بائنہ طلاق دیدے یا شوہر نے بائنہ طلاق کا حکم دیا ہو اور عورت خود کو رجعی طلاق دیدے' تو خاوند کے بیان کے مطابق طلاق شمار ہوگی۔ پہلے مسئلے کی صورت یہ ہے: جب شوہر نے کہا ہو: تم اپنے آپ کو ایسی ایک طلاق دو' جس کے نتیجے میں مجھے رجوع کا حق حاصل ہو' اور عورت یہ کہے: میں اپنے آپ کو ایک بائنہ طلاق دیتی ہوں' تو رجعی طلاق واقع ہوگی۔

اس کی دلیل یہ ہے: عورت نے اصل حکم کو پورا کرتے ہوئے ساتھ صفت کا اضافہ کر دیا ہے' جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے' لہٰذا اب وہ وصف لغو شمار ہوگا اور اصل اپنی جگہ پر برقرار رہے گی۔ دوسری صورت یہ ہے: مرد یہ کہے: تم اپنے آپ کو ایک بائنہ طلاق دو اور عورت یہ کہے: میں اپنے آپ کو ایک رجعی طلاق دیتی ہوں تو بائنہ طلاق ہو جائے گی۔ اس کی دلیل یہ ہے: عورت کا یہ کہنا کہ ایک رجعی طلاق' یہ اس کی طرف سے ایک لغو بات ہے' اس کی دلیل یہ ہے: جب شوہر نے تفویض کردہ طلاق کی صفت متعین کر دی ہے' تو عورت کا یہ کام تھا کہ وہ اسی طلاق کو واقع کرے' اپنی طرف سے وہ اس میں صفت کا تعین نہیں کرے گی' تو گویا عورت نے اصل

طلاق پر اکتفاء کیا اس لیے رجعی یا بائن طلاق اس صفت کے ساتھ واقع ہوگی جسے مرد نے متعین کیا تھا۔

اگر شوہر نے بیوی سے یہ کہا: تم اپنے آپ کو تین طلاقیں دے دو اگر تم چاہو اور عورت نے ایک کو اختیار کیا تو کچھ بھی واقع نہیں ہوگا اس کی دلیل یہ ہے: مرد کے کلام کا مفہوم یہ ہے: اگر تم تین چاہو تو دے سکتی ہو لیکن عورت نے ایک طلاق دی جس کے نتیجہ میں یہ بات سامنے آئی کہ اس نے تین کو نہیں چاہا اس لیے یہ شرط گویا پائی ہی نہیں گئی۔

اگر شوہر نے بیوی سے یہ کہا: تم اپنے آپ کو ایک طلاق دے دو اگر تم چاہو لیکن عورت نے خود کو تین طلاقیں دیں تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہی حکم ہوگا' کیونکہ تین کی اجازت دینا' ایک کی اجازت دینا نہیں ہوتا' بالکل اسی طرح جیسے تین طلاقیں دینا ایک طلاق دینا نہیں ہوتا۔ صاحبین اس بات کے قائل ہیں: ایک طلاق واقع ہو جائے گی' اس کی دلیل یہ ہے: جن تین طلاقوں کی مشیت دی گئی ہے ان میں ایک طلاق بھی موجود ہے یہ بالکل اسی طرح ہے: تین طلاقیں لینا ایک طلاق لینا بھی ہوتا ہے لہٰذا شرط پائی جائے گی۔

شرح

علامہ آفندی شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے عورت سے کہا تجھ کو ایک طلاق ہے اگر تو چاہے، تجھ کو دو طلاقیں ہیں اگر تو چاہے، جواب میں کہا میں نے ایک چاہی میں نے دو چاہی اگر دونوں جملے متصل ہوں تو تین طلاقیں ہوگئیں۔ یونہی اگر کہا تجھ کو طلاق ہے اگر تو چاہے ایک اور اگر تو چاہے دو اس نے جواب میں کہا میں نے چاہی تو تین طلاقیں ہوگئیں۔ شوہر نے کہا اگر تو چاہے اور نہ چاہے تو تجھ کو طلاق ہے۔ یا تجھ کو طلاق ہے اگر تو چاہے اور نہ چاہے تو طلاق نہیں ہوسکتی چاہے یا نہ چاہے۔ اور اگر کہا تجھ کو طلاق ہے اگر تو چاہے اور اگر تو نہ چاہے تو بہرحال طلاق ہے چاہے یا نہ چاہے۔ اگر عورت سے کہا تو طلاق کو محبوب رکھتی ہے تو تجھ کو طلاق اور اگر تو اس کو مبغوض رکھتی ہے تو تجھ کو طلاق اگر عورت کہے میں محبوب رکھتی ہوں یا برا جانتی ہوں تو طلاق ہو جائے گی اور اگر کچھ نہ کہے یا کہے میں نہ محبوب رکھتی ہوں نہ برا جانتی تو نہ ہوگی اپنی دو عورتوں سے کہا تم دونوں میں سے جسے طلاق کی زیادہ خواہش ہے اس کو طلاق، دونوں نے اپنی خواہش دوسری سے زیادہ بتائی اگر شوہر دونوں کی تصدیق کرے تو دونوں مطلقہ ہوگئیں ورنہ کوئی نہیں (ردمختار، کتاب طلاق)

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اور جب کسی شخص نے عورت سے کہا اگر تو مجھ سے محبت یا عداوت رکھتی ہے تو تجھ پر طلاق، عورت نے اسی مجلس میں محبت یا عداوت) ظاہر کی طلاق ہوگئی اگرچہ اس کے دل میں جو کچھ ہے اس کے خلاف ظاہر کیا ہو اور اگر شوہر نے کہا اگر دل سے تو مجھ سے محبت رکھتی ہے تو تجھ پر طلاق، عورت نے جواب میں کہا میں تجھے محبوب رکھتی ہوں طلاق ہو جائیگی اگرچہ جھوٹی ہو۔ (عالمگیری، کتاب طلاق)

تین کو تین چاہنے سے وقوع ثلاثہ میں ائمہ احناف کا اختلاف

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر شوہر بیوی کو یہ ہدایت کرے: وہ خود کو ایسی طلاق دے جس میں شوہر کو رجوع کرنے کا اختیار ہو اور عورت جواب میں خود کو بائنہ طلاق دیدے یا شوہر عورت کو بائنہ طلاق دینے کی ہدایت کرے اور عورت خود کو رجعی طلاق دے تو وہ طلاق واقع ہوگی جس کی ہدایت شوہر نے کی تھی۔

مصنف نے اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے یہ بات بیان کی ہے: گویا پہلی صورت میں شوہر نے بیوی سے یہ کہا: تم اپنے آپ کو ایک ایسی طلاق دو جس میں مجھے رجوع کرنے کا حق ہو اور عورت نے گویا اس کے جواب میں یہ کہہ دیا: میں اپنے آپ کو ایک بائنہ طلاق دے رہی ہوں تو اس صورت میں رجعی طلاق واقع ہوگی اس کی دلیل یہ ہے: اس صورت میں عورت نے اصل حکم پر عمل کیا ہے اور اس نے ایک اضافی صفت کا تذکرہ کر دیا ہے جیسا کہ ہم پہلے یہ بات بیان کر چکے ہیں تو اضافی صفت کے ذکر کو لغو قرار دیا جائے گا اور جس اصل حکم کی اس نے پابندی کی ہے اس کے مطابق حکم جاری کر دیا جائے گا لہٰذا صفت لغو قرار دی جائے گی اور اصل اپنی جگہ پر برقرار رہے گی۔

دوسرے جملہ کا مطلب یہ ہے: شوہر نے بیوی سے یہ کہا: تم اپنے آپ کو ایک بائنہ طلاق دو اور بیوی نے اس کے جواب میں یہ کہہ دیا: میں نے اپنے آپ کو ایک رجعی طلاق دی تو اس کے نتیجے میں ایک بائنہ طلاق واقع ہوگی اس کی دلیل یہ ہے عورت کے یہ الفاظ: ایک رجعی طلاق یہ عورت کی طرف لغو شمار ہوں گے اس کی دلیل یہ ہے: شوہر نے عورت کو تفویض کرتے ہوئے جب یہ بات متعین کر دی کہ اس طلاق صفت کیا ہوگی جو میں تمہیں تفویض کر رہا ہوں تو اب طلاق اس صفت کے مطابق واقع ہونی چاہیے جو شوہر نے اسے تفویض کی تھی اب اس کے بعد عورت جو کام کرتی ہے وہ یہ ہے: وہ اس اصل طلاق کو واقع کر دے نہ کہ اس کی صفت کو متعین کرے تو اس کی صورت بالکل اسی طرح ہو جائے گی جیسے عورت نے اصل طلاق پر اکتفا کیا ہو اور وہ اصل طلاق کیونکہ بائنہ تھی لہٰذا بائنہ طلاق واقع ہو جائے گی۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے: اگر تم چاہو تو اپنے آپ کو تین طلاقیں دے دو اور پھر وہ عورت اپنے آپ کو ایک طلاق دے تو کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

مصنف نے اس کی دلیل یہ بیان کی ہے: شوہر کا یہ کہنا "اگر تم چاہو" یہ شرط کے طور پر ہے اور اس کا مفہوم یہ ہوگا اگر تم تین طلاقیں لینا چاہتی ہو تو پھر تین طلاقیں دو ورنہ نہ دو تو جب عورت نے ایک طلاق کو واقع کر دیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ تین طلاقیں نہیں لینا چاہتی ہے لہٰذا یہاں پر تین کی شرط نہیں پائی گئی تو جب شرط نہیں پائی جائے گی تو مشروط یعنی طلاق کا واقع ہونا بھی نہیں پایا جائے گا کیونکہ اصول یہ ہے: جب شرط موجود نہ ہو تو مشروط بھی موجود نہیں رہتا۔

اس کے بعد مصنف نے دوسرا مسئلہ یہ بیان کیا ہے: اگر شوہر نے بیوی سے یہ کہا ہو اگر تم چاہو تو اپنے آپ کو ایک طلاق دے دو اور عورت خود کو تین طلاقیں دیدے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہی حکم ہوگا یعنی عورت کو کوئی طلاق واقع نہیں ہو

گی جبکہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما اس بات کے قائل ہیں: اس صورت میں عورت کو ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔

امام ابوحنیفہ نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: جس طرح تین طلاقیں دینا ایک طلاق دینا نہیں ہے اسی طرح تین طلاقیں چاہنا بھی ایک طلاق چاہنا نہیں ہوگا اور شوہر نے عورت کو ایک کا اختیار دیا تھا لہٰذا عورت نے جب تین کو اختیار کیا تو ایک اور تین ایک دوسرے کا غیر ہیں' لہٰذا دونوں ایک دوسرے کے لئے ثابت نہیں ہو سکتے اس لئے کوئی بھی طلاق واقع نہیں ہوگی' اور عورت کا کلام لغو قرار دیا جائے گا۔

صاحبین رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں: ایک طلاق واقع ہو جائے گی اس کی دلیل یہ ہے: تین کو چاہنا ایک کو چاہنے کے مترادف ہے' کیونکہ جب عورت تین طلاقیں دے گی' تو ان میں سے ایک طلاق تو ہو ہی جائے گی' لہٰذا شرط یہاں پائی گئی ہے' اور وہ شرط ایک طلاق کے حق میں پائی گئی ہے' تو ایک طلاق ہونے کا حکم جاری کر دیا جائے گا۔

بیوی کا اپنی مشیت کو کسی دوسری چیز سے مشروط کرنا

﴿وَلَوْ قَالَ لَهَا: اَنْتِ طَالِقٌ اِنْ شِئْتِ فَقَالَتْ: شِئْتُ اِنْ شِئْتَ فَقَالَ الزَّوْجُ: شِئْتُ يَنْوِى الطَّلَاقَ بَطَلَ الْاَمْرُ﴾ لِاَنَّهُ عَلَّقَ طَلَاقَهَا بِالْمَشِيئَةِ الْمُرْسَلَةِ وَهِيَ اَتَتْ بِالْمُعَلَّقَةِ فَلَمْ يُوجَدِ الشَّرْطُ وَهُوَ اشْتِغَالٌ بِمَا لَا يَعْنِيهَا فَخَرَجَ الْاَمْرُ مِنْ يَدِهَا، وَلَا يَقَعُ الطَّلَاقُ بِقَوْلِهِ شِئْت وَاِنْ نَوَى الطَّلَاقَ لِاَنَّهُ لَيْسَ فِي كَلَامِ الْمَرْاَةِ ذِكْرُ الطَّلَاقِ لِيَصِيرَ الزَّوْجُ شَائِيًا طَلَاقَهَا، وَالنِّيَّةُ لَا تَعْمَلُ فِي غَيْرِ الْمَذْكُورِ حَتّٰى لَوْ قَالَ: شِئْت طَلَاقَك يَقَعُ اِذَا نَوٰى لِاَنَّهُ اِيقَاعٌ مُبْتَدَاً اِذِ الْمَشِيئَةُ تُنْبِءُ عَنِ الْوُجُودِ، بِخِلَافِ قَوْلِهِ اَرَدْت طَلَاقَك لِاَنَّهُ لَا يُنْبِءُ عَنِ الْوُجُودِ. ﴿وَكَذَا اِذَا قَالَتْ شِئْتُ اِنْ شَاءَ اَبِي اَوْ شِئْت اِنْ كَانَ كَذَا لِاَمْرٍ لَمْ يَجِءْ بَعْدُ﴾ لِمَا ذَكَرْنَا اَنَّ الْمَاْتِيَّ بِهِ مَشِيئَةٌ مُعَلَّقَةٌ فَلَا يَقَعُ الطَّلَاقُ وَبَطَلَ الْاَمْرُ ﴿وَاِنْ قَالَتْ: قَدْ شِئْت اِنْ كَانَ كَذَا لِاَمْرٍ قَدْ مَضَى طَلُقَتْ﴾ لِاَنَّ التَّعْلِيقَ بِشَرْطٍ كَائِنٍ تَنْجِيزٌ

﴿وَلَوْ قَالَ لَهَا: اَنْتِ طَالِقٌ اِذَا شِئْتِ اَوْ اِذَا مَا شِئْت اَوْ مَتَى شِئْت اَوْ مَتَى مَا شِئْت فَرَدَّتْ الْاَمْرَ لَمْ يَكُنْ رَدًّا وَلَا يَقْتَصِرُ عَلَى الْمَجْلِسِ﴾ اَمَّا كَلِمَةُ مَتَى وَمَتَى مَا فَلِاَنَّهُمَا لِلْوَقْتِ وَهِيَ عَامَّةٌ فِي الْاَوْقَاتِ كُلِّهَا، كَاَنَّهُ قَالَ فِي اَيِّ وَقْتٍ شِئْت فَلَا يَقْتَصِرُ عَلَى

الْمَجْلِسِ بِالْإِجْمَاعِ، وَلَوْ رَدَّتْ الْأَمْرَ لَمْ يَكُنْ رَدًّا لِأَنَّهُ مَلَّكَهَا الطَّلَاقَ فِي الْوَقْتِ الَّذِي شَاءَتْ فَلَمْ يَكُنْ تَمْلِيكًا قَبْلَ الْمَشِيئَةِ حَتَّى يَرْتَدَّ بِالرَّدِّ، وَلَا تُطَلِّقُ نَفْسَهَا إِلَّا وَاحِدَةً لِأَنَّهَا تَعُمُّ الْأَزْمَانَ دُونَ الْأَفْعَالِ فَتَمْلِكُ التَّطْلِيقَ فِي كُلِّ زَمَانٍ وَلَا تَمْلِكُ تَطْلِيقًا بَعْدَ تَطْلِيقٍ، وَأَمَّا كَلِمَةُ إِذَا وَإِذَا مَا فَهُمَا وَمَتَى سَوَاءٌ عِنْدَهُمَا .وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ وَإِنْ كَانَ يُسْتَعْمَلُ لِلشَّرْطِ كَمَا يُسْتَعْمَلُ لِلْوَقْتِ لَكِنَّ الْأَمْرَ صَارَ بِيَدِهَا فَلَا يَخْرُجُ بِالشَّكِّ وَقَدْ مَرَّ مِنْ قَبْلُ .

ترجمہ

اور اگر شوہر نے بیوی سے یہ کہا: اگر تم چاہو تو تمہیں طلاق ہے اور بیوی نے جواب میں کہا: اگر تم چاہو تو میں نے چاہ لیا اور پھر مرد نے طلاق کی نیت کرتے ہوئے یہ کہا: میں نے یہ چاہا' تو اس کے نتیجے میں عورت کا اختیار باطل ہو جائے گا۔اس کی دلیل یہ ہے: شوہر نے عورت کی طلاق کو عورت کی آزاد دلیل کے ساتھ معلق کیا تھا لیکن عورت نے اپنی دلیل کو مقید کر لیا تو شرط اپنی جگہ پر برقرار نہیں رہی اور عورت غیر متعلقہ باتوں میں مشغول ہو گئی۔لہٰذا مرد کا یہ کہنا: میں نے چاہا' اس کے نتیجے میں طلاق واقع نہیں ہو گی۔ اگر چہ اس نے اس لفظ کے ذریعے طلاق کی نیت کی بھی ہو' اس کی دلیل یہ ہے: بیوی کے اس کلام میں طلاق کا ذکر نہیں ہے کہ مرد کو طلاق کا دینے والا قرار دیا جا سکے۔

(اصول یہ ہے) نیت ایسی کسی بھی چیز میں اثر انداز نہیں ہوتی جس کا ذکر ہی نہ ہو۔البتہ اگر شوہر بیوی کے الفاظ کے جواب میں یہ کہے: میں تمہیں طلاق دینا چاہتا ہوں' تو طلاق واقع ہو جائے گی' لیکن اس کے لئے یہ شرط ہے: اس نے طلاق کی نیت بھی کی ہوئی ہو' کیونکہ اس صورت میں ازسرِ نو طلاق دینا شمار ہو گا اور طلاق کا چاہنا' طلاق ہونے کی اطلاع دے رہا ہے اس کے برخلاف ''میں تمہاری طلاق کا ارادہ کرتا ہوں'' کا حکم مختلف ہے' کیونکہ ارادہ کرنا' اس چیز کے موجود ہونے کی اطلاع نہیں ہوتا۔اسی طرح اگر عورت نے جواب میں یہ کہہ دیا ہو' ''اگر میرے والد کو منظور ہوا تو مجھے بھی منظور ہے'' یا عورت نے جواب میں یہ کہہ دیا ''اگر اس طرح ہو گیا' تو مجھے بھی منظور ہے''۔یعنی اس نے اس کو کسی ایسے عمل کے ساتھ مشروط کر دیا' جو ابھی وقوع پذیر نہیں ہوا' تو یہی حکم ہو گا' جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔

اس نے اپنی مشیت کو معلق کر دیا اس لیے طلاق واقع نہیں ہو گی اور اختیار باطل شمار ہو گا۔اگر عورت نے یہ کہا: اگر ایسا ہو گیا' تو میں نے چاہا' اور وہ ایک ایسا معاملہ ہو جو پہلے ہو چکا ہو' تو عورت کو طلاق ہو جائے گی' کیونکہ کسی موجود چیز کے ساتھ معلق کرنے کا مطلب اس کو فوراً نافذ کرنا ہو گا۔اگر شوہر نے بیوی سے یہ کہا: ''تم جب چاہو (اور اس کے لئے مختلف الفاظ استعمال کیے) تو تمہیں طلاق ہے عورت نے اس تفویض کو مسترد کر دیا تو یہ مسترد نہیں ہو گی اور نہ ہی اس کا حکم محفل کے ساتھ مخصوص ہو گا۔ان میں سے دو

لفظ "متیٰ" اور "متی ما" یہ دونوں وقت کے لئے استعمال ہوتے ہیں اور یہ تمام اوقات کے لئے عام ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا: مرد نے یہ کہا "تم جس وقت بھی چاہو" اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے: یہ اختیار اس محفل تک مخصوص نہیں ہوگا اور اگر عورت نے اس کو اس وقت مسترد کر دیا تو بھی رد نہیں ہوگا اس کی دلیل یہ ہے: مرد نے عورت کو اس کا اختیار ہر اس وقت کے ساتھ دیا ہے جب وہ چاہے لہٰذا اس کے ایسا چاہنے سے پہلے طلاق کی ملکیت بنانا ثابت نہیں ہوگا' اسے رد کرنے کے ساتھ رد کیا جا سکے۔

عورت ایسی صورت میں اپنے آپ کو ایک طلاق دے سکتی ہے' اس کی دلیل یہ ہے: لفظ "متیٰ" زمانے کے اعتبار سے تو عام ہے' لیکن فعل کے اعتبار سے عام نہیں ہے' لہٰذا عورت کو ہر زمانے میں طلاق دینے کا اختیار ہوگا' لیکن ایک طلاق دینے کا اختیار ہوگا دوسری مرتبہ طلاق دینے کا اختیار نہیں ہوگا۔ لفظ "اذا" اور "اذا ما" صاحبین کے نزدیک "متیٰ" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ اس بات کے قائل ہیں: لفظ اذا شرط کے لئے استعمال ہوتا ہے' جیسا کہ یہ وقت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے' لیکن اس صورت میں کیونکہ عورت کے پاس اختیار آ چکا ہے' تو یہ شک کی دلیل سے زائل نہیں ہوگا۔ اس موضوع پر ہم اس سے پہلے بحث کر چکے ہیں۔

عدم مذکور چیز میں اثر نیت کے معدوم پر قاعدہ فقہیہ

(اصول یہ ہے) نیت ایسی کسی بھی چیز میں اثر انداز نہیں ہوتی جس کا ذکر ہی نہ ہو۔ اس کی مثال حسب ذیل جزی ہے۔

اگر شوہر بیوی سے یہ کہے: اگر تم چاہو تو تمہیں طلاق ہے' اور بیوی جواب میں یہ کہے: اگر تم چاہو تو میں بھی چاہ لوں گی' تو شوہر یہ کہہ دے: میں یہ چاہتا ہوں اور اس کی نیت طلاق دینے کی ہو' تو اس صورت میں یہ معاملہ باطل قرار دیا جائے گا' اور کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

اس کی دلیل یہ ہے: شوہر نے بیوی کو اختیار اس کی مطلق مرضی کے ساتھ دیا تھا اور بیوی نے جواب میں معلق مرضی پیش کر دی ہے' لہٰذا یہاں شرط نہیں پائی گئی ہے' تو چونکہ عورت کو جو اختیار دیا گیا تھا اس نے اس پر عمل کرنے کی بجائے اسے غیر متعلقہ چیز کے ساتھ معلق کر دیا' تو گویا وہ دوسرے کام کی طرف مشغول ہو گئی لہٰذا اس کا اختیار بھی ختم ہو جائے گا۔

شوہر کا دوسری مرتبہ یہ کہنا: میں یہ چاہتا ہوں' اگرچہ اس نے اس الفاظ کے ذریعے طلاق کی نیت کی ہو' تو پھر بھی طلاق واقع نہیں ہوگی اس کی دلیل یہ ہے: عورت کے کلام میں طلاق کا ذکر نہیں ہے کہ جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ شوہر بھی اس کو طلاق دینا چاہتا ہے' اور نیت ایسی کسی چیز پہ اثر انداز نہیں ہوتی جس کا ذکر ہی نہ کیا گیا ہو۔

چاہت میں موجود ہونے کا فقہی مفہوم

لیکن اگر شوہر نے عورت کے جواب میں کہا: تمہیں طلاق دینا چاہتا ہوں تو اگر اس نے طلاق دینے کی نیت کی ہو' تو طلاق واقع

ہو جائے گی' کیونکہ یہ نئے سرے سے طلاق دینے کے مترادف ہوگا اس کی دلیل یہ ہے: چاہنے میں' موجود ہونے کا مفہوم پایا جاتا ہے اس کے برعکس اگر شوہر نے یہ کہہ دیا: میں تمہیں طلاق دینے کا ارادہ رکھتا ہوں' تو یہاں موجودگی کا مفہوم نہیں پایا جاتا اس لئے یہاں طلاق واقع نہیں ہوگی۔

مصنف فرماتے ہیں: اگر شوہر نے بیوی سے یہ کہا: اگر تم چاہو تو تمہیں طلاق ہے' اور بیوی جواب میں یہ کہہ دے: اگر میرے والد یہ چاہیں تو میں بھی یہ چاہوں گی' یا اگر فلاں معاملہ ایسا ہو گیا' تو میں بھی یہ چاہوں گی' تو کچھ بھی نہیں ہوگا اس کی دلیل ہم پہلے بیان کر چکے ہیں: عورت کو مطلق مشیت دی گئی تھی جبکہ اس نے جواب میں معلق پیش کر دی ہے لہٰذا طلاق واقع نہیں ہوگی اور یہ معاملہ باطل قرار دیا جائے گا۔ مصنف فرماتے ہیں: اگر بیوی جواب میں یہ کہے: میں طلاق کو چاہوں گی اگر یہ معاملہ ایسے ہو چکا ہو' اور وہ معاملہ پہلے ہو چکا ہو' تو عورت کو طلاق ہو جائے گی اس کی دلیل یہ ہے: یہاں طلاق کو ایک ایسی شرط کے ساتھ معلق کیا گیا ہے جو رونما ہو چکی ہے' اور ایسی کسی چیز پر معلق ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ طلاق کو فوری طور پر واقع کر رہے ہیں' لہٰذا یہاں طلاق فوری طور پر واقع ہو جائے گی۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر شوہر نے لفظ مشیت کے ہمراہ حرف متیٰ' متیٰ ما استعمال کیا ہو' تو اس کا مفہوم کیا ہوگا مصنف یہ فرماتے ہیں: ایسی صورت میں عورت کو دیا گیا اختیار کسی ایک محفل کے ساتھ مخصوص نہیں ہوگا' بلکہ اگر جس محفل میں عورت کو اس اختیار کا پتہ چلا وہ اس محفل میں اس اختیار کو مسترد بھی کر دے' تو بھی اسے بعد میں یہ اختیار حاصل رہے گا۔

مصنف نے اس کی دلیل یہ بیان کی ہے: لفظ متیٰ اور متیٰ ما وقت کے لئے بنائے گئے ہیں اور یہ تمام اوقات کے لئے عام ہوتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے: جب شوہر نے ان الفاظ کے ذریعے عورت کو اختیار دیا تو یہ اختیار تمام اوقات کو متضمن ہوگا اور یہ اسی طرح ہوگا' جیسے شوہر نے یہ کہا ہو: جس وقت بھی تم چاہو اپنے آپ کو طلاق دیدو' تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا' اگر عورت اس محفل میں اختیار کو مسترد کر دیتی ہے' تو بھی اختیار رد نہیں ہوگا' بلکہ بعد میں اس کے لئے باقی رہے گا۔ اس کے بعد مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: ان الفاظ کے ذریعے عورت کو صرف ایک طلاق دینے کا حق ہوگا' اس سے زیادہ کا اختیار نہیں ہوگا اس کی دلیل یہ ہے: متیٰ اور متیٰ ما زمانے اور وقت کے اعتبار سے تو عام ہیں' لیکن ان میں فعل اور عمل کے اعتبار سے عموم کا مفہوم نہیں پایا جاتا تو چونکہ عموم کا مفہوم نہیں پایا جاتا' تو یہاں خصوصی مفہوم مراد لیا جائے گا' اور وہ خصوصی مفہوم طلاق کا ایک فرد ہے یعنی ایک طلاق ہوگی۔

جہاں تک لفظ اذا اور اذا ما کا تعلق ہے' تو صاحبین رحمہما اللہ اس بات کے قائل ہیں: ان کا بھی وہی حکم ہے جو لفظ متیٰ اور متیٰ ما کا ہے۔ جبکہ امام ابوحنیفہ اس بات کے قائل ہیں: اذا اور اذا ما بعض اوقات شرط کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں' لہٰذا شرط کے لئے استعمال ہونے والے لفظ کا حکم یہ ہوتا ہے کہ وہ اسی محفل کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے جس میں مقابل کو کسی چیز کی

اجازت دی گئی ہو۔

تو اگر شوہر نے ان الفاظ کے ذریعے عورت کو اختیار دیا ہو اور عورت نے اس محفل میں جس میں اس کو اس اختیار کا پتہ چلا تھا، اپنی ذات کو اختیار نہیں کیا تو محفل ختم ہونے کے بعد یہ اختیار ختم ہو جائے گا' یا عورت اس محفل سے اٹھ کھڑی ہوئی' تو اس کا اختیار ختم ہو جائے گا' یا وہ اس محفل کے دوران ایسے عمل میں مشغول ہو گئی جو اس کے اعراض پر دلالت کرتا ہو' تو اس کا یہ اختیار ختم ہو جائے گا۔

لیکن یہ سب اس وقت ہوگا جب لفظ اذا یا اذاما کو شرط کے طور پر استعمال کیا گیا ہو' لیکن اگر اس کو وقت کے لئے استعمال کیا گیا ہو' تو اس وقت عورت کا یہ اختیار اس محفل کے ساتھ مخصوص نہیں ہوگا' بلکہ تمام اوقات کو شامل ہوگا۔

مصنف یہ فرماتے ہیں: کیونکہ یہ اختیار اب عورت کے پاس آ چکا ہے' لہٰذا اس شک کی دلیل سے یہ ختم نہیں ہوگا' اس لفظ کو شرط کے لئے استعمال کیا گیا ہے' یا وقت کے لئے استعمال کیا گیا ہے' لہٰذا عورت کو یہ اختیار تمام اوقات میں حاصل ہوگا اور اس بارے میں ہم پہلے بھی بحث کر چکے ہیں۔

اسمائے ظروف کے معانی واستعمال کا بیان

وہ اسماء جو کسی فعل کے واقع ہونے کی جگہ یا زمانے پر دلالت کریں۔ انہیں اسمائے ظروف کہا جاتا ہے۔ جیسے یَوْمٌ، قَبْلُ، بَعْدُ وغیرہ۔ ظروف معرب بھی ہوتے ہیں اور مبنی بھی۔

جن ظروف کا آخر عامل کے تبدیل ہونے کی دلیل سے تبدیل ہو جائے انہیں معرب کہتے ہیں اور جن کا آخر تبدیل نہ ہو انہیں مبنی کہتے ہیں۔ معرب کی مثال:۔ جیسے جَاءَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ (وہ جمعہ کے دن آیا)

ظروف جو مبنی ہوتے ہیں مندرجہ ذیل ہیں:

۔اِذْ ۔اِذَا ۔اَنّٰی ۔مَتٰی ۔مُذْ ۔مُنْذُ ۔لَدٰی ۔لَدُنْ ۔اَیْنَ ۔کَیْفَ ۔اَمْسِ ۔قَطُّ ۔عَوْضُ ۔حَیْثُ ۔

اسمائے جہات ستہ:

اذ : یہ ظرف زمان ہے بمعنی جب اور یہ زمانہ ماضی کیلئے آتا ہے اگر چہ مضارع پر داخل ہو اس کے بعد جملہ اسمیہ بھی آ سکتا ہے اور جملہ فعلیہ بھی۔ اور ہمیشہ جملے کی طرف مضاف ہو کر استعمال ہوتا ہے۔ جیسے ضَرَبْتُہٗ، اِذْ ضَرَبَنِیْ (جب اس نے مجھے مارا تو میں نے اسے مار)

اذا : یہ بھی ظرف زمان ہے بمعنی جب اور یہ زمانہ مستقبل کیلئے استعمال ہوتا ہے اگر چہ ماضی پر داخل ہو اس کے بعد فعل کا ہونا اسوقت ضروری ہے جب یہ شرط کے معنوں میں ہو۔ جیسے اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۔ اِذَا جب مفاجات

کیلئے استعمال ہوتو اس کے مابعد جملہ اسمیہ کا ہونا ضروری ہے۔ جیسے خَرَجْتُ فَاِذَا السَّبُعُ وَاقِفٌ (میں نکلا تو اچانک درندہ کھڑا تھا)۔

اَنّٰی : یہ ظرف مکان کیلئے استعمال ہوتا ہے بمعنی جہاں اور اس کو استفہام کیلئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ ظرف مکاں کی مثال :اَنّٰی تَجْلِسُ اَجْلِسُ (جہاں تو بیٹھے گا میں بھی وہاں بیٹھوں گا) استفہام کی مثال :اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ وَلَدٌ ؟ (میرے ہاں بچہ کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟)

متی : یہ ظرف زمان ہے بمعنی جس وقت خواہ زمانہ ماضی ہو یا مستقبل کبھی استفہام کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ خواہ بڑی شے کے بارے میں سوال کیا جائے یا چھوٹی شے کے متعلق اور کبھی شرط کیلئے آتا ہے۔ جیسے مَتٰی تَقْرَءُ ؟ (تو کب پڑھے گا) مَتٰی تَصُمْ اَصُمْ (جب تو روزہ رکھے گا میں بھی رکھوں گا)

اَیَّان : یہ زمانہ مستقبل کیلئے آتا ہے بمعنی کب۔ اور عظیم امور کے متعلق دریافت کرنے کیلئے آتا ہے۔ جیسے اَیَّانَ الْقِتَالُ (جہاد کب ہوگا)

مذ منذ : یہ دونوں کبھی تو کسی کام کی ابتدائی مدت بتانے کیلئے آتے ہیں۔ جیسے مَارَاَیْتُہ، مُذْ یَوْمِ الْجُمُعَۃِ (میں نے اس کو جمعہ کے دن سے نہیں دیکھا) اور کبھی پوری مدت بتانے کیلئے آتے ہیں۔ اس صورت میں ان کے بعد کسی ایسے عدد کا ہونا ضروری ہے جو پوری مدت پر دلالت کرے۔ جیسے مَارَاَیْتُہ، مُذْ یَوْمَیْنِ (میں نے اسے پورے دو دن سے نہیں دیکھا)

لدیٰ ،لدن : یہ عِنْدَ کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ اَلْکِتَابُ لَدَیَّ / لَدُنْ زَیْدٍ ۔عِنْدَ اور ان میں فرق یہ ہے کہ لَدٰی اور لَدُنْ کا استعمال اس وقت ہوتا ہے جب شے پاس موجود ہو اور عِنْدَ کا استعمال دونوں صورتوں میں ہوتا ہے خواہ اس وقت چیز پاس ہو یا کہیں اور ملکیت میں ہو۔

اَیْنَ : یہ سوال اور شرط کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اَیْنَ زَیْدٌ ؟ (زید کہاں ہے؟) اَیْنَ تَجْلِسْ اَجْلِسْ (جہاں آپ بیٹھیں گے وہاں میں بھی بیٹھوں گا)

کَیْفَ : یہ حالت دریافت کرنے کیلئے آتا ہے۔ جیسے کَیْفَ اَنْتَ؟ (آپ کیسے ہیں؟)

اَمْسِ : اَمْسِ اگر بغیر الف لام ہو تو اس سے مراد گزرا ہوا کل ہوتا ہے اور اگر الف لام کے ساتھ ہو تو اس صورت میں گزرے ہوئے دنوں میں سے کوئی سا بھی مراد لے سکتے ہیں، اس وقت یہ معرب ہوگا اور جب یہ بغیر الف لام کے ہو تو اس وقت یہ لفظاً مبنی بر کسرہ ہوگا اور مفعول فیہ ہونے کی دلیل سے محلاً منصوب ہوگا۔ جیسے جِئْتُ اَمْسِ (میں گزرے ہوئے کل آیا)، جِئْتُ الْاَمْسَ (میں کل آیا)

قــــط : یہ گزرے ہوئے سارے زمانے میں کسی کام کی نفی پر دلالت کرنے کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے ما ضربتہ قط (میں نے اس کو گزشتہ زمانے میں کبھی نہیں مارا)

عـــوض : یہ آنے والے سارے زمانے میں کسی کام کی نفی پر دلالت کرنے کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے لا أضربہ، عوض، میں اس کو کبھی نہیں ماروں گا۔

حیث : یہ ظرف کے لیے استعمال ہوتا ہے اکثر جملہ کی طرف مضاف ہوتا ہے خواہ جملہ اسمیہ ہو یا فعلیہ۔ جیسے اقرء حیث زید یقرء۔ تو اس جگہ سے پڑھ جہاں زید پڑھ رہا ہے۔

اسمائے جہات ستہ : وہ اسماء جو سمتوں پر دلالت کرتے ہیں انہیں اسماء جہات ستہ کہتے ہیں۔ اور یہ چھ ہیں، جیسے قبل (پہلے) بعد (بعد میں) تحت (نیچے) فوق (اوپر) قدام (آگے) خلف (پیچھے)

اگر یہ اسماء مضاف ہوں اور ان کا مضاف الیہ لفظاً محذوف ہو اور معنیً ذہن میں موجود ہو تو اس صورت میں یہ مبنی برضمہ ہوتے ہیں۔ جیسے اما بعد

یہ اسماء اضافت کے بغیر استعمال ہوں تو معرب ہونگے جیسے جئتک قبلاً، اور اگر یہ مضاف ہوں اور مضاف الیہ مذکور ہو تب بھی یہ معرب ہونگے جیسے جاء زید من قبل خالد اور اگر یہ مضاف ہوں اور مضاف الیہ محذوف ہو نیت میں بھی موجود نہ ہو تو اس وقت بھی معرب ہوں گے جیسے۔ زید فوق (زید اوپر ہے)

لفظ "کلما" کے ذریعے دیئے جانے والے اختیار کا حکم

﴿وَلَوْ قَالَ لَهَا: أَنْتِ طَالِقٌ كُلَّمَا شِئْتِ فَلَهَا أَنْ تُطَلِّقَ نَفْسَهَا وَاحِدَةً بَعْدَ وَاحِدَةٍ حَتّٰى تُطَلِّقَ نَفْسَهَا ثَلَاثًا﴾ لِأَنَّ كَلِمَةَ كُلَّمَا تُوجِبُ تَكْرَارَ الْأَفْعَالِ إِلَّا أَنَّ التَّعْلِيقَ يَنْصَرِفُ إِلَى الْمِلْكِ الْقَائِمِ ﴿حَتّٰى لَوْ عَادَتْ إِلَيْهِ بَعْدَ زَوْجٍ آخَرَ فَطَلَّقَتْ نَفْسَهَا لَمْ يَقَعْ شَيْءٌ﴾ لِأَنَّهُ مِلْكٌ مُسْتَحْدَثٌ ﴿وَلَيْسَ لَهَا أَنْ تُطَلِّقَ نَفْسَهَا ثَلَاثًا بِكَلِمَةٍ وَاحِدَةٍ﴾ لِأَنَّهَا تُوجِبُ عُمُومَ الْإِنْفِرَادِ لَا عُمُومَ الِاجْتِمَاعِ فَلَا تَمْلِكُ الْإِيقَاعَ جُمْلَةً ﴿وَلَوْ قَالَ لَهَا: أَنْتِ طَالِقٌ حَيْثُ شِئْتِ أَوْ أَيْنَ شِئْتِ لَمْ تُطَلَّقْ حَتّٰى تَشَاءَ وَإِنْ قَامَتْ مِنْ مَجْلِسِهَا فَلَا مَشِيئَةَ لَهَا﴾ لِأَنَّ كَلِمَةَ حَيْثُ وَأَيْنَ مِنْ أَسْمَاءِ الْمَكَانِ وَالطَّلَاقُ لَا تَعَلُّقَ لَهُ بِالْمَكَانِ فَيَلْغُو وَيَبْقٰى ذِكْرُ مُطْلَقِ الْمَشِيئَةِ فَيَقْتَصِرُ عَلَى الْمَجْلِسِ، بِخِلَافِ الزَّمَانِ لِأَنَّ لَهُ تَعَلُّقًا بِهِ حَتّٰى يَقَعَ فِي زَمَانٍ دُونَ زَمَانٍ فَوَجَبَ اعْتِبَارُهُ عُمُومًا وَخُصُوصًا۔

ترجمہ

اور اگر شوہر نے بیوی سے یہ کہا: "تم جب کبھی بھی چاہو تمہیں طلاق ہے" تو ایسی صورت میں عورت اپنے آپ کو ایک کے بعد دوسری طلاق دے سکتی ہے یہاں تک کہ وہ خود کو تین طلاقیں بھی دے سکتی ہے کیونکہ لفظ "کلما" فعل میں تکرار کا تقاضا کرتا ہے لیکن یہ تعلیق اور اختیار عورت کو اس وقت تک حاصل رہے گا جب تک وہ اس مرد کے نکاح میں رہے لیکن اگر وہ عورت اس مرد سے طلاق لینے کے بعد دوسری شادی کرتی ہے پھر اس سے طلاق لے کر دوبارہ پہلے مرد کے نکاح میں آ جاتی ہے تو اب وہ اپنے آپ کو طلاق دینے کی مالک نہیں ہوگی کیونکہ یہ نئے سرے سے ملکیت ہے۔ اسی طرح اس کو یہ اختیار بھی نہیں ہوگا: وہ ایک ہی مرتبہ اپنے آپ کو تین طلاقیں دیدے کیونکہ "کلما" ایک طلاق کا تقاضا کرتا ہے اکٹھی طلاقوں کا تقاضا نہیں کرتا لہٰذا جب ایسی صورتحال ہوگی تو عورت ایک ہی جملے کے ذریعے اور ایک ساتھ طلاق واقع کرنے کی مالک نہیں ہوگی۔ لیکن اگر مرد نے عورت سے یہ کہا ہو جیسے تم چاہو اور جہاں تم چاہو تمہیں طلاق ہے تو عورت کو اس وقت تک طلاق نہیں ہوگی جب تک وہ چاہے گی نہیں۔ اگر وہ عورت اس محفل سے اٹھ کھڑی ہوتی ہے تو اب اس کی مشیت ختم ہو جائے گی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ لفظ حیث اور این اسمائے مکان ہیں جبکہ طلاق کا کسی مخصوص مکان (جگہ) کے ساتھ تعلق نہیں ہوتا۔ اس لئے اس کا ذکر لغو جائے گا اور مطلق مشیت کا حکم باقی رہ جائے گا جو اس مخصوص مجلس پر موقوف ہوگا جبکہ زمانے (کے ساتھ مشیت کو مشروط کرنے) کا حکم مختلف ہے۔ کیونکہ طلاق کا اس کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اور وہ کسی ایک زمانے کی بجائے کسی دوسرے زمانے میں واقع ہو سکتی ہے اس لئے عموم یا خصوص کے اعتبار سے زمانے کا اعتبار کرنا لازم ہوگا۔

وجود شرط کا اعتبار صرف پہلی مرتبہ ہونے میں فقہی بیان

اگر تعلیق میں "کلما" کے ساتھ شرط بیان کرتے ہوئے کہا جب بھی تو گھر میں داخل ہو تجھے طلاق ہے، تو اگر دو مرتبہ گھر میں دخول پایا گیا اور اس پر دو طلاقیں ہونے اور عدت گزرنے کے بعد خاوند سے نکاح کیا تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک تین مرتبہ داخلہ کے ساتھ تین طلاقیں ہو جائیں گی، اور امام محمد علیہ الرحمہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اب صرف ایک مرتبہ گھر میں داخلہ کے ساتھ ایک ہی باقی ماندہ طلاق ہوگی، جیسا کہ اس کو امام زیلعی نے ذکر فرمایا ہے۔

درمختار میں ہے: تنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقا لكن ان وجد في الملك طلقت والالا۔ مطلقاً شرط پائے جانے پر یمین ختم ہو جاتی ہے اگر وہ شرط ملکیت یعنی نکاح کے دوران پائی جائے تو طلاق ہو جائے گی ورنہ نہیں۔

(درمختار، باب تعلیق، ج ا، ص ۳۳۱، مجتبائی دہلی)

ایک مرتبہ شرط پائی جانے سے تعلیق ختم ہو جاتی ہے یعنی دوبارہ شرط پائی جانے سے طلاق نہ ہوگی مثلاً عورت سے کہا اگر تو فلاں کے گھر میں گئی یا تو نے فلاں سے بات کی تو تجھ کو طلاق ہے عورت اُس کے گھر گئی تو طلاق ہوگئی دوبارہ پھر گئی تو اب واقع نہ ہوگی۔

اب تعلیق کا حکم باقی نہیں مگر جب کبھی یا جب جب یا ہر بار کے لفظ سے تعلیق کی ہے تو ایک دو بار پر تعلیق ختم نہ ہوگی بلکہ تین بار میں تین طلاقیں واقع ہونگی کہ یہ کُلّما کا ترجمہ ہے اور یہ لفظ عموم افعال کے واسطے آتا ہے مثلاً عورت سے کہا جب کبھی تو فلاں کے گھر جائے یا فلاں سے بات کرے تو تجھ کو طلاق ہے تو اگر اُس کے گھر تین بار گئی تین طلاقیں ہوگئیں اب تعلیق کا حکم ختم ہوگیا یعنی اگر وہ عورت بعد حلالہ پھر اُس کے نکاح میں آئی اب پھر اُس کے گھر گئی تو طلاق واقع نہ ہوگی ہاں اگر یوں کہا ہے کہ جب کبھی میں اُس سے نکاح کروں تو اُسے طلاق ہے تو تین پر بس نہیں بلکہ سو بار بھی نکاح کرے تو ہر بار طلاق واقع ہوگی۔

☜ علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اور جب کسی شخص نے اپنی عورت سے کہا جب کبھی میں تجھے طلاق دوں تو تجھے طلاق ہے اور عورت کو ایک طلاق دی تو دو واقع ہوئیں ایک طلاق تو خود اب اُس نے دی اور ایک اُس تعلیق کے سبب اور اگر یوں کہا کہ جب کبھی تجھے طلاق ہو تو تجھ کو طلاق ہے اور ایک طلاق دی تو تین ہوئیں ایک تو خود اس نے دی اور ایک تعلیق کے سبب اور دوسری طلاق واقع ہونے سے طلاق ہونا پایا گیا لہٰذا ایک اور پڑیگی کہ یہ لفظ عموم کے لیے ہے مگر بہر صورت تین سے زیادہ نہیں ہوسکتی ہیں۔ (درمختار، کتاب طلاق)

لفظ "کیف" کے ذریعے دیے جانے والے اختیار کا حکم

﴿وَاِنْ قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ كَيْفَ شِئْتِ طَلُقَتْ تَطْلِيْقَةً يَمْلِكُ الرَّجْعَةَ﴾ وَمَعْنَاهُ قَبْلَ الْمَشِيْئَةِ، فَاِنْ قَالَتْ :قَدْ شِئْتُ وَاحِدَةً بَائِنَةً اَوْ ثَلَاثًا وَقَالَ الزَّوْجُ ذٰلِكَ نَوَيْتُ فَهُوَ كَمَا قَالَ، لِاَنَّ عِنْدَ ذٰلِكَ تَثْبُتُ الْمُطَابَقَةُ بَيْنَ مَشِيْئَتِهَا وَاِرَادَتِهِ، اَمَّا اِذَا اَرَادَتْ ثَلَاثًا وَالزَّوْجُ وَاحِدَةً بَائِنَةً اَوْ عَلَى الْقَلْبِ تَقَعُ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ لِاَنَّهُ لَغَا تَصَرُّفُهَا لِعَدَمِ الْمُوَافَقَةِ فَبَقِيَ اِيْقَاعُ الزَّوْجِ وَاِنْ لَمْ تَحْضُرْهُ النِّيَّةُ تُعْتَبَرُ مَشِيْئَتُهَا فِيْمَا قَالُوْا جَرْيًا عَلٰى مُوْجِبِ التَّخْيِيْرِ ﴿قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ﴾ وَقَالَ فِي الْاَصْلِ هٰذَا قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ ﴿وَعِنْدَهُمَا لَا يَقَعُ مَا لَمْ تُوْقِعِ الْمَرْاَةُ فَتَشَاءُ رَجْعِيَّةً اَوْ بَائِنَةً اَوْ ثَلَاثًا﴾ وَعَلٰى هٰذَا الْخِلَافِ الْعَتَاقُ لَهُمَا اَنَّهُ فَوَّضَ التَّطْلِيْقَ اِلَيْهَا عَلٰى اَيِّ صِفَةٍ شَائَتْ فَلَا بُدَّ مِنْ تَعْلِيْقِ اَصْلِ الطَّلَاقِ بِمَشِيْئَتِهَا لِتَكُوْنَ لَهَا الْمَشِيْئَةُ فِيْ جَمِيْعِ الْاَحْوَالِ :اَعْنِيْ قَبْلَ الدُّخُوْلِ وَبَعْدَهُ .وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَنَّ كَلِمَةَ كَيْفَ لِلْاِسْتِيْصَافِ، يُقَالُ كَيْفَ اَصْبَحْتَ وَالتَّفْوِيْضُ فِيْ وَصْفِهِ يَسْتَدْعِيْ وُجُوْدَ اَصْلِهِ وَوُجُوْدَ الطَّلَاقِ بِوُقُوْعِهِ .

ترجمہ

اور جب کسی شوہر نے بیوی سے یہ کہا ہو: جیسے تم چاہو تمہیں طلاق ہے تو عورت کو ایک طلاق ہو جائے گی جس میں شوہر کو رجوع کرنے کا حق ہوگا' اس کا مفہوم یہ ہے: مشیت سے پہلے ایسا ہوگا۔ اگر عورت یہ کہتی ہے: میں نے ایک بائنہ طلاق یا تین طلاقوں کو چاہا اور شوہر یہ کہتا ہے: میں نے اس کی نیت کی تھی تو یہ حکم مرد کے بیان کے مطابق ہوگا اس کی دلیل یہ ہے: اس صورت میں عورت کی مشیت اور مرد کے ارادے کے درمیان مطابقت ثابت ہو جائے گی۔ لیکن اگر عورت نے تین کا ارادہ کیا اور شوہر نے ایک بائنہ کا ارادہ کیا تھا یا معاملہ اس کے برعکس ہو تو اس کے نتیجے میں ایک رجعی طلاق واقع ہوگی۔ چونکہ موافقت نہ ہونے کی دلیل سے عورت کا تصرف لغو ہو جائے گا اور شوہر کا طلاق دینا باقی رہ جائے گا۔ لیکن اگر (شوہر کی) نیت موجود نہ ہو تو عورت کی مشیت کا اعتبار کیا جائے گا اس میں اس حکم کو بنیاد بنایا جائے گا جو اختیار دینے کے نتیجے میں فقہاء نے بیان کیا ہے۔

مصنف فرماتے ہیں: امام محمد علیہ الرحمہ نے کتاب ''المبسوط'' میں اس کو امام اعظم کا قول قرار دیا ہے۔ صاحبین کے نزدیک یہ اس وقت تک واقع نہیں ہوگی جب تک عورت واقع نہ کر لے۔ پس وہ عورت رجعی طلاق چاہے یا بائن طلاق چاہے یا تین طلاق چاہے (اس کے مطابق طلاق واقع ہو جائے گی)۔ غلام آزاد کرنے کا مسئلہ بھی اسی اختلاف پر مبنی ہے۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے: شوہر نے طلاق کو عورت کے سپرد کر دیا ہے' خواہ اس کی کیفیت جو بھی ہو' تو اس کے لئے یہ ضروری ہے: اصل طلاق عورت کی مشیت کے ساتھ متعلق ہونی چاہئے تاکہ ہر حال میں اس کے لئے مشیت ثابت رہے۔ ہر حالت سے مراد یہ ہے: خواہ یہ دخول سے پہلے ہو یا دخول کے بعد ہو' اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہوگا۔ امام اعظم نے یہ بات بیان کی ہے: لفظ ''کیف'' صفت دریافت کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے' یعنی جیسے کہا جاتا ہے ''تم نے کیسے صبح کی'' (یعنی تمہارا کیا حال ہے)۔ اور طلاق کی صفت کو تفویض کرنا اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ اصل طلاق پہلے موجود ہو اور طلاق اسی صورت میں موجود ہو سکتی ہے جب وہ پہلے واقع ہو چکی ہو۔

شرح

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر شوہر یہ کہے: ''جیسے تم چاہو تمہیں طلاق ہے'' تو بیوی کو ایک طلاق ہوگی' اور شوہر کو رجوع کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر شوہر لفظ ''کیف'' استعمال کرے اور اس کے ذریعے بیوی کو طلاق تفویض کرے' تو اس کا کیا حکم ہوگا۔ مصنف فرماتے ہیں: اس صورت میں عورت کو ایک طلاق ہو جائے گی اور شوہر رجوع کرنے کا مالک ہوگا۔ مصنف نے شوہر کے جو الفاظ نقل کئے ہیں اس کا ترجمہ یہ بنتا ہے: تمہیں طلاق ہے' جیسے تم چاہو' اب اگر بیوی یہ کہہ دیتی ہے: میں نے ایک بائنہ طلاق کو چاہا' یا میں نے تین طلاقوں کو چاہا' اور شوہر یہ کہتا ہے: میں نے بھی یہی نیت کی تھی: جس طرح سے بھی تم چاہو' ایسا ہی ہوگا' تو اس صورت میں وہی طلاق معتبر شمار ہوگی' جو شوہر نے بیان کی ہوگی۔

اس کی دلیل یہ ہے: یہاں عورت کے چاہنے اور شوہر کے ارادے کے درمیان مطابقت پائی جا رہی ہے۔ لیکن اگر شوہر

نے ایک بائنہ طلاق دینے کا ارادہ کیا تھا اور بیوی نے تین کا ارادہ کرلیا' یا شوہر نے تین کا ارادہ کیا تھا اور بیوی نے ایک مراد لی تو اس صورت میں ایک رجعی طلاق واقع ہوگی۔

اس کی دلیل یہ ہے: یہاں موافقت نہ ہونے کی دلیل سے' عورت کا تصرف لغو قرار دیدیا جائے گا' تو شوہر کا واقع کرنا باقی رہ جائے گا۔ لیکن اگر شوہر نے یہ الفاظ استعمال کرتے ہوئے کوئی بھی نیت نہیں کی تھی' تو اس صورت میں عورت کی مشیت کا اعتبار کیا جائے گا فقہاء نے یہ بات اس لئے بیان کی ہے: اختیار دینے کا جو نتیجہ ہے اس کو صحیح طور پر جاری کیا جا سکے۔

مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: کتاب الاصل یعنی کتاب المبسوط میں یہ بات مذکور ہے: یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے' اور صاحبین اس بات کے قائل ہیں: ایسی صورت میں کوئی بھی چیز واقع نہیں ہوگی' بلکہ طلاق کا دارومدار عورت کی مرضی پر موقوف ہوگا اگر عورت نہیں چاہے گی' تو طلاق واقع نہیں ہوگی' اور جس طرح عورت چاہے گی طلاق اسی طرح واقع ہوگی' خواہ وہ رجعی طلاق چاہے یا بائنہ چاہے۔

مصنف نے یہ بات بیان کی: آزاد کرنے کا حکم بھی اسی اصول کے پیش نظر ہوتا ہے' اور اس بارے میں بھی یہی اختلاف پایا جاتا ہے یعنی جب آقا نے غلام سے یہ کہا: جیسے تم چاہو اس طرح تم آزاد ہو۔ مصنف نے صاحبین کی دلیل یہ نقل کی ہے: شوہر نے طلاق کو عورت کو تفویض کر دیا ہے' اور اس طرح تفویض کیا ہے: جس طرح سے اور جس صفت کے ساتھ عورت چاہے وہ خود کو طلاق دے سکتی ہے' تو لہٰذا اصل طلاق عورت کی مشیت کے ساتھ معلق ہو جائے گی تاکہ ہر طرح کی صورتحال میں عورت کی مشیت اس کے حق میں ثابت کی جا سکے' یعنی خواہ مرد نے اس کے ساتھ دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

امام ابوحنیفہ یہ دلیل دیتے ہیں: یہاں پر لفظ کیف استیصاف کے لئے ہے یعنی حالت دریافت کرنے کے لئے ہے' جیسے کہا جاتا ہے کیف اصبحت یعنی تمہارا کیا حال ہے' تو جب اس کی صفت کو تفویض کیا گیا تو یہ اس بات کا تقاضا کرے گی کہ اس کی اصل موجود ہو' تو اس کے واقع ہونے کے ساتھ طلاق کا موجود ہونا پایا جائے گا' یعنی مذکورہ بالا مسئلے میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک عورت نہ بھی چاہے' تو اسے ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔

<u>لفظ کم اور ما کے ذریعے اختیار دینے کا حکم</u>

﴿وَإِنْ قَالَ لَهَا: أَنْتِ طَالِقٌ كَمْ شِئْتِ أَوْ مَا شِئْتِ طَلَّقَتْ نَفْسَهَا مَا شَاءَتْ﴾ لِأَنَّهُمَا يُسْتَعْمَلَانِ لِلْعَدَدِ فَقَدْ فَوَّضَ إِلَيْهَا أَيَّ عَدَدٍ شَاءَتْ ﴿فَإِنْ قَامَتْ مِنَ الْمَجْلِسِ بَطَلَ، وَإِنْ رَدَّتِ الْأَمْرَ كَانَ رَدًّا﴾ لِأَنَّ هَذَا أَمْرٌ وَاحِدٌ وَهُوَ خِطَابٌ فِي الْحَالِ فَيَقْتَضِي

الْجَوَابَ فِي الْحَالِ . ﴿وَإِنْ قَالَ لَهَا : طَلِّقِي نَفْسَكِ مِنْ ثَلَاثٍ مَا شِئْتِ فَلَهَا أَنْ تُطَلِّقَ نَفْسَهَا وَاحِدَةً أَوْ ثِنْتَيْنِ وَلَا تُطَلِّقُ ثَلَاثًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَقَالَا : تُطَلِّقُ ثَلَاثًا إِنْ شَاءَتْ﴾ لِأَنَّ كَلِمَةَ مَا مُحْكَمَةٌ فِي التَّعْمِيمِ وَكَلِمَةَ مِنْ قَدْ تُسْتَعْمَلُ لِلتَّمْيِيزِ فَتُحْمَلُ عَلَى تَمْيِيزِ الْجِنْسِ، كَمَا إِذَا قَالَ : كُلْ مِنْ طَعَامِي مَا شِئْتَ أَوْ طَلِّقْ مِنْ نِسَائِي مَنْ شَاءَتْ . وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ كَلِمَةَ مِنْ حَقِيقَةٌ لِلتَّبْعِيضِ وَمَا لِلتَّعْمِيمِ فَعُمِلَ بِهِمَا، وَفِيمَا اسْتَشْهَدَا بِهِ تُرِكَ التَّبْعِيضُ بِدَلَالَةِ إِظْهَارِ السَّمَاحَةِ أَوْ لِعُمُومِ الصِّفَةِ وَهِيَ الْمَشِيئَةُ، حَتَّى لَوْ قَالَ : مَنْ شِئْتَ كَانَ عَلَى هَذَا الْخِلَافِ، وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

ترجمہ

اگر شوہر نے بیوی سے یہ کہا: تم جتنی چاہو تمہیں طلاق ہے' تو عورت اپنے آپ کو جتنی چاہے طلاق دے سکتی ہے' اس کی دلیل یہ ہے: یہ دونوں لفظ عدد کے لئے استعمال ہوتے ہیں اور شوہر نے وہ عدد عورت کے سپرد کردیا ہے۔ یعنی جتنی تعداد میں وہ عورت چاہے۔ اگر عورت اس اختیار کو چھوڑ کر [illegible] سے کھڑی ہوگئی تو تفویض باطل ہوجائے گی اگر اس نے اس اختیار کو مسترد کردیا تو وہ رد ہوجائے گا کیونکہ یہ تفویض امر [illegible] ح ہے اور فوری خطاب ہے اس کا بنیادی تقاضا یہ ہے: اس کا جواب بھی فوری ہونا چاہئے۔ اگر شوہر نے بیوی سے یہ کہا: "تم تین میں سے جتنی چاہے طلاق دے سکتی ہو" تو بیوی کو اپنے آپ کو ایک یا دو طلاقیں دینے کا اختیار ہوگا تیسری طلاق دینے کا اختیار نہیں ہوگا۔ یہ مؤقف امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔ صاحبین نے یہ بات بیان کی ہے: اگر وہ چاہے تو تین طلاقیں بھی دے سکتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے: عام ہونے کے اعتبار سے لفظ "ما" محکم ہے اور لفظ "من" تمییز کے لئے استعمال ہوتا ہے' لہٰذا یہ جنس کی تمییز پر محمول کیا جائے گا' یہ بالکل اسی طرح ہے' جیسے شوہر نے یہ کہا ہو: "تم میرے کھانے میں سے جتنا چاہو کھا سکتی ہو"۔ یا تم میری بیویوں میں سے جسے چاہو طلاق دے سکتی ہو۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے: "من" حقیقت کے اعتبار سے بعض کے لئے استعمال ہوتا ہے اور لفظ "ما" عموم کے لئے استعمال ہوتا ہے' لہٰذا ان دونوں پر عمل کیا جائے گا (آپ نے جو مثالیں پیش کی ہیں) ان میں سے پہلی میں تبعیض کے مفہوم کو اس لیے چھوڑ دیا گیا ہے تاکہ سخاوت کا اظہار ہوسکے اور دوسری مثال میں صفت عام ہے اور یہ مشیت ہے۔ یہاں تک کہ اگر مرد نے یہ کہا: "جسے چاہو" تو یہ اسی اختلاف کی بنیاد پر ہوگا۔

شرح

علامہ ابن عابدین آفندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا جتنی تو چاہے یا جس قدر یا جو تو چاہے تو عورت کو اختیار ہے اس مجلس میں جتنی طلاقیں چاہے دے' اگرچہ شوہر کی کچھ نیت ہو اور بعد مجلس کچھ اختیار نہیں۔ اور اگر کہا تین میں سے جو چاہے یا جس قدر یا جتنی تو ایک اور دو کا اختیار ہے تین کا نہیں اور ان صورتوں میں تین یا دو طلاقیں دینا یا حالت حیض میں طلاق

دینا بدعت نہیں ہے۔ (ردالمحتار، کتاب طلاق)

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر شوہر بیوی سے یہ کہے: جتنی اور جس قدر تم چاہو تمہیں طلاق ہے تو عورت جتنی چاہے اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے خواہ ایک دے یا دو دے یا تین دے۔

اس کی دلیل یہ ہے: یہ دونوں الفاظ عدد کے لئے استعمال ہوتے ہیں تو گویا مرد نے عورت کو یہ چیز تفویض کی ہے: عورت جتنی تعداد میں چاہے خود کو طلاق دے سکتی ہے۔

البتہ اس صورت میں اگر عورت اس محفل سے اٹھ کھڑی ہو تو اس کا یہ اختیار باطل ہو جائے گا اور اگر اس نے اس اختیار کو مسترد کر دیا تو وہ مسترد ہو جائے گا اس کی دلیل یہ ہے: یہ ایک ہی معاملہ ہے اور یہ زمانہ حال میں مخاطب کر کے کہا گیا ہے لہٰذا جواب کا تقاضا بھی زمانہ حال میں ہی کرے گا۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے: تم تین میں سے جتنی چاہو اپنے آپ کو طلاق دے دو تو عورت کو یہ اختیار ہوگا وہ اپنے آپ کو ایک طلاق دے یا دو دے البتہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ خود کو تیسری طلاق نہیں دے سکتی جبکہ صاحبین رحمہما اللہ اس بات کے قائل ہیں: وہ عورت خود کو تیسری طلاق بھی دے سکتی ہے۔

صاحبین رحمہما اللہ کی اس بات کی دلیل یہ ہے: شوہر نے اپنے الفاظ میں لفظ "ما" استعمال کیا ہے اور یہ عموم کے لئے ہوتا ہے تو لہٰذا یہ عموم ایک، دو اور تین تینوں پر مشتمل ہوگا جبکہ لفظ "من" جسے شوہر نے استعمال کیا ہے یہ بعض اوقات تمییز کے لئے ہوتا ہے لہٰذا اس عبارت میں اسے جنس کی تمییز پر محمول کیا جائے گا جیسا کہ اگر کوئی شخص یہ کہے: میرے کھانے میں سے جتنا چاہو کھا لو یا میری بیویوں میں سے جو طلاق حاصل کرنا چاہتی ہے اسے طلاق دے دو تو اس صورت میں حکم یہ ہے: یہاں "من" بیانیہ ہوگا تو جس شخص کو یہ اختیار دیا گیا ہے وہ چاہے تو اس پورے کھانے کو کھا سکتا ہے اسی طرح جس شخص کو طلاق دینے کے لئے وکیل بنایا گیا ہے وہ چاہے تو اس شخص کی ہر بیوی کو طلاق دے سکتا ہے اگر ہر بیوی طلاق حاصل کرنا چاہتی ہو تو مذکورہ بالا عبارت میں لفظ "من" بیان کے لئے مراد ہوگا۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے: شوہر نے اپنے کلام میں دو الفاظ استعمال کئے ہیں "من" جو اپنی حقیقت کے اعتبار سے تبعیض (یعنی بعض کا مفہوم پیدا کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے) جبکہ ما تعمیم یعنی عموم کا مفہوم پیدا کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے تو اصول یہ ہے: جب تک حقیقت پر عمل کرنا ممکن ہو لفظ کے ذریعے حقیقی معنیٰ ہی مراد لئے جاتے ہیں۔ اس لئے مذکورہ بالا مسئلے میں شوہر کے الفاظ میں سے "من" اور "ما" دونوں کے حقیقی معنیٰ پر عمل کرنا ممکن ہے یعنی "ما" لفظ کے عموم کو سامنے رکھتے ہوئے عورت کو دو طلاقوں کا اختیار دیدیا جائے اور "من" کے مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے تین میں سے بعض یعنی دو طلاقوں کا اختیار دیدیا جائے۔

صاحبین رحمہما اللہ نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی تھی: اگر کوئی شخص کسی دوسرے سے یہ کہے: تم میرے کھانے میں سے جتنا چاہو کھا لو تو دوسرا شخص پورا کھانا بھی کھا سکتا ہے۔

مصنف اس کا جواب دیتے ہوئے یہ بات بیان کرتے ہیں: ان مثالوں میں تعیم یعنی عمومی مفہوم کا پایا جانا دوسرے اعتبار سے ہے یعنی جب کوئی شخص کسی کو کھانے کے لئے کہے: تو وہ عام طور پر وسعت اور فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے یہ کہہ سکتا ہے: تم سارا کھانا کھا لو تو یہاں عمومی مفہوم مراد لیا جا سکتا ہے' کیونکہ قرینہ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ عمومی مفہوم کو مراد لیا جا سکتا ہے۔

جبکہ دوسری عبارت میں جب بندے نے یہ کہا: تم میری بیویوں میں سے جو طلاق حاصل کرنا چاہتی ہو' اسے طلاق دے دو' تو یہاں پر عبارت میں استعمال ہونے والا لفظ ''من'' نکرہ موصوف ہے' اور مشیت اس ''من'' کی صفت ہے' جس میں عموم پایا جا رہا ہے تو اصول یہ ہے: جب نکرہ کو صفت عامہ کے ساتھ ذکر کر دیا جائے' تو اس میں عموم کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے' لہٰذا یہاں یہ عموم کا مفہوم دوسرے اعتبار سے ہے۔

یہی دلیل ہے: اگر شوہر نے یہ کہا ہو: تم جسے چاہو طلاق دے دو' تو اس صورت میں فقہاء کا یہی اختلاف سامنے آ جائے گا' یعنی لفظ ''من'' کو تبعیض کے معنی میں مراد لینے پر کم از کم ایک بیوی ایسی ہو گی' جسے وہ شخص طلاق نہیں دے سکے گا' جبکہ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک کیونکہ یہاں پہ من بیانیہ ہے' اس لئے اگر وہ وکیل چاہے تو اس شخص کی تمام بیویوں کو طلاق دے سکے گا۔

بَابُ الْأَيْمَانِ فِي الطَّلَاقِ

یہ باب طلاق کو قسم کے ساتھ مشروط کرنے کے بیان میں ہے

مشروط بہ قسم طلاق کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں ۔ جب مصنف علیہ الرحمہ نے طلاق صریح اور طلاق کنایہ سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اس کے بعد طلاق کے ایسے مسائل ذکر کیے ہیں جو شرط کے ساتھ مرکب ہیں ۔ اور یہ اصول ہے کہ مرکب مفرد سے مؤخر ہوتا ہے ۔ اور طلاق میں قسم سے مراد یہ ہے کہ طلاق کو ایسے حکم کے ساتھ معلق کرنا جس میں شرط کا معنی پایا جائے ۔ اور وہ حقیقت کے اعتبار سے شرط و جزاء ہے لیکن بطور مجاز اس کا نام یمین رکھا گیا ہے کیونکہ اس میں سبب ہونے کا معنی پایا جارہا ہے ۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ۵، ص ۳۴۱، بیروت)

یمین کا لغوی و فقہی مفہوم

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یمین کا معنی قوت ہے ۔ جس طرح شاعر کا قول ہے ۔

إِنَّ الْمَقَادِيرَ بِالْأَوْقَاتِ نَازِلَةٌ وَلَا يَمِينَ عَلَى دَفْعِ الْمَقَادِيرِ أَيْ لَا قُوَّةَ

اور اسی طرح دونوں ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ کو یمین کہتے ہیں کیونکہ وہ دوسرے ہاتھ سے قوت میں زیادہ ہوتا ہے ۔ اور اللہ کی قسم کھانے کو یمین اس لئے کہتے ہیں ۔ کہ اس میں قوت کا افادہ ہوتا ہے اور یہ قوت کا اظہار محلوف علیہ پر کسی فعل کے وجود یا ترک فعل کے طور پر ہوتا ہے ۔ (فتح القدیر، ج ۸، ص ۲۷۳، بیروت)

طلاق کی قسم کھانے کی ممانعت کا بیان

عن انس بن مالك رضى الله تعالىٰ عنه قال :قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :مَاحَلَفَ بِالطَّلَاقِ مُؤمِنٌ ، وَمَااسْتَحْلَفَ بِهِ اِلَّا مُنَافِقٌ .

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : مومن طلاق کی قسم نہ کھاتا ہے اور نہ کھلاتا ہے، ہاں جو منافق صفت انسان ہو وہ ایسا کرتا ہے ۔

(الجامع الصغير للسيوطي، ج ۲، ۲۸۶، المعجم الكبير للطبراني، ۱۸، ۲۶۹)

طلاق تعلیق پر فقہاء امت کے اجماع کا بیان

فقہائے اُمت صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین اور تبع تابعین کا مذہب یہ ہے کہ طلاق کو جب کسی شرط پر معلق کیا جائے تو شرط کے

پائے جانے کی صورت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے، خواہ شرط، حلف کے قبیل سے ہو، کہ ترغیب کا یا منع کا یا تصدیق کا فائدہ دے، یا اس قبیل سے نہ ہو، کہ ان میں سے کسی چیز کا فائدہ نہ دے، ان تمام اکابر کے خلاف ابنِ تیمیہ کا قول ہے کہ جو تعلیق کہ از قبیل حلف ہو اس میں طلاق واقع نہیں ہوتی، بلکہ حلف ٹوٹنے کی صورت میں کفارہ لازم آتا ہے، اور یہ ایسی بات ہے جو ابنِ تیمیہ سے پہلے کسی نے نہیں کہی۔ تعلیق کی ان دونوں قسموں میں روافض بھی صحابہ وتابعین اور تبع تابعین کے مخالف ہیں اور بعض ظاہریہ نے جن میں ابنِ حزم بھی شامل ہیں اس مسئلے میں روافض کی پیروی کی ہے۔ اور ان سب سے پہلے جو اجماع منعقد ہو چکا ہے وہ ان کے خلاف حجت ہے۔ اور جن حضرات نے اس مسئلے پر اجماع نقل کیا ہے وہ یہ ہیں: امام شافعی، ابوعبید، ابوثور، ابنِ جریر، ابنِ منذر، محمد بن نصر مروزی، ابنِ عبدالبر (التمہید اور الاستذکار میں)، فقیہ ابنِ رُشد (المقدمات میں)، اور ابوالولید الباجی (المنتقیٰ) میں۔

حدیث وآثار کی وسعتِ علم میں ان حضرات کا وہ مرتبہ ہے کہ ان میں سے ایک بزرگ اگر چھینکیں تو ان کی چھینک سے شوکانی، محمد بن اسماعیل الامیر اور قنوجی جیسے دسیوں آدمی جھڑیں گے، تنہا محمد بن نصر مروزی کے بارے میں ابنِ حزم کہتے ہیں۔

اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کوئی حدیث ایسی نہیں جو محمد بن نصر کے پاس نہ ہو تو اس شخص کا دعویٰ صحیح ہوگا۔

اور یہ غیر مقلدین اجماع کے نقل کرنے میں امین ہیں، اور صحیح بخاری میں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ طلاقِ معلق واقع ہوجاتی ہے، چنانچہ نافع کہتے ہیں کہ: ایک شخص نے یوں طلاق دی کہ اگر وہ نکلی تو اسے قطعی طلاق، حضرت ابنِ عمر نے فرمایا: اگر نکلی تو اس سے بائنہ ہوجائے گی، نہ نکلی تو کچھ نہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ فتویٰ اسی زیر بحث مسئلے میں ہے، ابنِ عمر کے علم اور فتویٰ میں ان کے محتاط ہونے میں کون شک کرسکتا ہے؟ اور کسی ایک صحابی کا نام بھی نہیں لیا جاسکتا کہ جس نے اس فتویٰ میں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی مخالفت کی ہو، یا اس پر انکار فرمائی ہو۔

طلاق کو نکاح سے مشروط کرنے کا بیان

﴿وَاِذَا اَضَافَ الطَّلَاقَ اِلَى النِّكَاحِ وَقَعَ عَقِيبَ النِّكَاحِ مِثْلُ اَنْ يَّقُوْلَ لِامْرَاَةٍ اِنْ تَزَوَّجْتُكِ فَاَنْتِ طَالِقٌ اَوْ كُلُّ امْرَاَةٍ اَتَزَوَّجُهَا فَهِيَ طَالِقٌ﴾ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: لَا يَقَعُ لِقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴿لَا طَلَاقَ قَبْلَ النِّكَاحِ(۱)﴾ وَلَنَا اَنَّ هٰذَا

---

(۱) أخرجه ابن ماجه في "سننه" برقم (۵۸٤) من حديث المسور بن مخرمة، و ابن ماجه عن علي رضي الله عنه برقم (۲۰٤۹) والحاكم في "المستدرك" ۱/٤۱۹-٤۲۰ من حديث ابن عمر و عائشة و معاذ و جابر و ابن عباس۔ والدارقطني في "سننه" ٤/۱۷ من حديث ثعلبة، و أقواها حديث عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أخرجه أبو داود في "سننه" برقم (۲۱۹۰) و الترمذي في "جامعه" برقم (۱۱۹۸) و ابن ماجه في "سننه" برقم (۲۰٤۷) و صححه الترمذي و نقل عن البخاري أنه أصح شيء في الباب انظر "الدراية" ۲/۷۱-۷۲ و "نصب الراية" ۳/۲۳۰-۲۳۱۔

تَصَرُّفُ يَمِينٍ لِوُجُوْدِ الشَّرْطِ وَالْجَزَاءِ فَلَا يُشْتَرَطُ لِصِحَّتِهٖ قِيَامُ الْمِلْكِ فِي الْحَالِ لِأَنَّ الْوُقُوْعَ عِنْدَ الشَّرْطِ وَالْمِلْكُ مُتَيَقَّنٌ بِهٖ عِنْدَهٗ وَقَبْلَ ذٰلِكَ اَثَرُهُ الْمَنْعُ وَهُوَ قَائِمٌ بِالْمُتَصَرِّفِ، وَالْحَدِيْثُ مَحْمُوْلٌ عَلٰى نَفْيِ التَّنْجِيْزِ، وَالْحَمْلُ مَاْثُوْرٌ عَنِ السَّلَفِ كَالشَّعْبِيِّ وَالزُّهْرِيِّ وَغَيْرِهِمَا (۲)

ترجمہ

اگر مرد طلاق کو (ہونے والے) نکاح کے ساتھ مشروط کر دے تو نکاح کے ہونے کے ساتھ ہی طلاق واقع ہو جائے گی جیسے کوئی شخص کسی خاتون سے یہ کہے: "اگر میں نے تمہارے ساتھ نکاح کیا تو تمہیں طلاق ہے" یا یہ کہہ دے "ہر وہ عورت جس کے ساتھ میں شادی کروں اسے طلاق ہے"۔ امام شافعی فرماتے ہیں: اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے "نکاح سے پہلے طلاق نہیں دی جا سکتی"۔ ہماری دلیل یہ ہے: یہ تصرف یمین (مشروط کرنے) کے اعتبار سے ہے کیونکہ اس میں شرط اور جزا دونوں موجود ہیں لہٰذا اس کی درستگی کے لئے زمانہ حال میں ملکیت ہونا شرط نہیں ہوگا اس کی دلیل یہ ہے: طلاق واقع تو اس وقت ہوگی جب شرط پائی جائے گی اور اس وقت ملکیت یقینی طور پر مرد کو حاصل ہوگی اس سے پہلے اس کا اثر کرنا منع ہے۔ تاہم یہ چیز تصرف کرنے والے شخص کے ساتھ لاحق ہوگی اور حدیث اس بات پر محمول ہوگی کہ اس میں فوری نفاذ کی نفی کی گئی ہے اور یہ مفہوم اسلاف سے منقول ہے جیسے امام شعبی، امام زہری اور دیگر حضرات ہیں۔

طلاق کو نکاح سے قبل معلق کرنے میں فقہی مذاہب اربعہ

حضرت علی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہوتی مالک ہونے سے پہلے غلام کو آزاد نہیں کیا جا سکتا اور پے در پے کے روزے یعنی رات کو افطار کئے بغیر مسلسل وپیہم روزے رکھے چلے جانا) جائز نہیں ہے (یہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے تھا اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے جائز تھا) بالغ ہونے کے بعد کوئی یتیم نہیں رہتا یعنی جس کا باپ نہ ہو اور وہ بالغ ہو جائے تو اسے یتیم نہیں کہیں گے) دودھ پینے کی مدت کے بعد دودھ پینا رضاعت میں شامل نہیں (یعنی دودھ پینے کی مدت دو سال یا ڈھائی سال ہے اور دودھ پینے کے سبب جو حرمت ثابت ہوتی ہے وہ اس مدت کے بعد دودھ پینے سے ثابت نہیں ہوتی) اور دن بھر چپ رہنا جائز نہیں ہے (یا یہ کہ اس کا کوئی ثواب نہیں ہے)۔ (شرح السنہ)

اس روایت میں چند اصولی باتوں کو ذکر کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص نکاح سے پہلے ہی طلاق دے تو وہ طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ طلاق دراصل نکاح کا جزء ہے کہ اگر نکاح کا وجود پایا جائے گا تو اس پر طلاق کا اثر بھی مرتب ہوگا اور جب سرے سے نکاح ہی نہیں ہوگا تو طلاق کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہوگی۔ اسی طرح فرمایا گیا کہ غلام جب تک اپنی ملکیت میں نہ آجائے اس کو آزاد کرنے کے کوئی معنی نہیں ہوں گے، اگر کوئی شخص کسی ایسے غلام کو آزاد کردے جس کا وہ ابھی تک مالک نہیں بنا ہے تو وہ غلام آزاد نہیں ہوگا۔

اس اعتبار سے یہ حدیث حضرت امام شافعی اور امام احمد کے مسلک کی دلیل ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نکاح سے پہلے طلاق کی اضافت سبب ملک کی طرف کرے تو درست ہے مثلا زید کسی اجنبی عورت سے یوں کہے کہ اگر میں تم سے نکاح کروں تو تم پر طلاق ہے یا یہ کہے کہ میں جس عورت سے بھی) نکاح کروں اس پر طلاق ہے تو اس صورت میں اگر زید اس عورت سے نکاح کرے گا تو نکاح کے وقت اس پر طلاق پڑ جائیگی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص آزادی کی اضافت ملک کی طرف کرے مثلا یوں کہے کہ اگر میں اس غلام کا مالک بنوں تو یہ آزاد ہے یا یہ کہے کہ میں جس غلام کا مالک بنوں وہ آزاد ہے تو اس صورت میں وہ غلام اس شخص کی ملکیت میں آتے ہی آزاد ہو جائگا۔

لہذا یہ حدیث حنفیہ کے نزدیک نفی تنجیز پر محمول ہے یعنی اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس طلاق کا کبھی بھ) کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا بلکہ ابکا مطلب صرف یہ ہے کہ جس لمحہ اس نے طلاق دی ہے اس لمحہ طلاق نہیں یقینا اس طرح اس حدیث سے طلاق کی تعلیق کی نفی نہیں ہوتی۔ ایک بات یہ فرمائی گئی ہے کہ دن بھر چپ رہنا ناجائز یالا حاصل ہے اس ممانعت کی دلیل یہ ہے کہ پچھلی امتوں میں چپ رہنا عبادت کے زمرہ میں آتا تھا۔ اور دن بھر چپ رہنا تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی کہ ہماری امت میں یہ درست نہیں ہے کہ اس کی دلیل سے کچھ ثواب حاصل نہیں ہوتا ہاں اپنی زبان کو لایعنی کلام اور بری باتوں میں مشغولیت کے بجائے یقیناً یہ زیادہ بہتر ہے کہ اپنی زبان کو ہر وقت خاموش رکھا جائے۔

حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد حضرت شعیب سے اور حضرت شعیب اپنے دادا حضرت عبداللہ ابن عمرو سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن آدم کی نذر اس چیز میں صحیح نہیں ہوتی جس کا وہ مالک نہیں ہے نیز اس چیز یعنی لونڈی وغلام کو آزاد کرنا بھی صحیح نہیں جس کا وہ مالک نہیں ہے نیز اس چیز عورت کو طلاق دینا بھی درست نہیں جس کا وہ مالک نہیں ہے (ترمذی، ابوداؤد)

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ سلف کی ایک بڑی جماعت نے اس آیت سے استدلال کر کے کہا ہے کہ طلاق اسی وقت واقع ہوتی ہے جب اس سے پہلے نکاح ہو گیا ہو اس آیت میں نکاح کے بعد طلاق کو فرمایا ہے پس معلوم ہوا ہے کہ نکاح سے پہلے نہ طلاق صحیح ہے نہ وہ واقع ہوتی ہے۔

امام شافعی اور امام احمد اور بہت بڑی جماعت سلف وخلف کا یہی مذہب ہے۔ امام مالک علیہ الرحمہ اور امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے

کہ نکاح سے پہلے بھی طلاق درست ہو جاتی ہے۔ مثلاً کسی نے کہا کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اس پر طلاق ہے۔ تو اب جب بھی اس سے نکاح کرے گا طلاق پڑ جائے گی۔ پھر مالک اور ابوحنیفہ میں اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے جو کہے کہ جس عورت سے میں نکاح کروں اس پر طلاق ہے۔

تو امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کہتے ہیں پس وہ جس سے نکاح کرے گا اس پر طلاق پڑ جائے گی اور امام مالک علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ نہیں پڑے گی کیونکہ ابن عباس سے پوچھا گیا کہ اگر کسی شخص نے نکاح سے پہلے یہ کہا ہو کہ میں جس عورت سے نکاح کروں اس پر طلاق ہے تو کیا حکم ہے؟ آپ نے یہ آیت تلاوت کی اور فرمایا اس عورت کو طلاق نہیں ہوگی۔ کیونکہ اللہ عزوجل نے طلاق کو نکاح کے بعد فرمایا ہے۔ پس نکاح سے پہلے کی طلاق کوئی چیز نہیں۔ مسند احمد ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ میں ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ابن آدم جس کا مالک نہ ہو اس میں طلاق نہیں۔ اور حدیث میں ہے جو طلاق نکاح سے پہلے کی ہو وہ کسی شمار میں نہیں۔ (ابن ماجہ)

فقہی مذاہب ثلاثہ کی مستدل احادیث کی اسناد کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ امام عبدالرزاق نے مصنف میں لکھا ہے۔ ''عَنْ سَالِمٍ وَالْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ وَعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ وَالشَّعْبِيِّ وَالنَّخَعِيِّ وَالزُّهْرِيِّ وَالْأَسْوَدِ وَأَبِي بَكْرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ وَأَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَمَكْحُولٍ الشَّامِيِّ فِي رَجُلٍ قَالَ : إنْ تَزَوَّجْت فُلَانَةَ فَهِيَ طَالِقٌ أَوْ يَوْمَ أَتَزَوَّجُهَا فَهِيَ طَالِقٌ أَوْ كُلُّ امْرَأَةٍ أَتَزَوَّجُهَا فَهِيَ طَالِقٌ قَالُوا هُوَ كَمَا قَالَ .وَفِي لَفْظٍ : يَجُوزُ عَلَيْهِ ذَلِكَ .وَقَدْ نُقِلَ مَذْهَبُنَا أَيْضًا عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ وَعَطَاءٍ وَحَمَّادِ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ وَشُرَيْحٍ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ .وَأَمَّا الْحَدِيثَانِ الْأَخِيرَانِ فَلَا شَكَّ فِي ضَعْفِهِمَا .(فتح القدیر، ج۸، ص۲۸۰، بیروت)

وجود شرط وجود جزاء کو مستلزم ہے

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص طلاق کی نسبت نکاح کی طرف کرے یعنی وہ کسی خاتون سے یہ کہے: اگر میں نے تمہارے ساتھ شادی کی تو تمہیں طلاق ہے یا میں جس بھی عورت کے ساتھ کروں اسے طلاق ہے تو نکاح کے فوراً بعد طلاق واقع ہو جائے گی۔ امام شافعی فرماتے ہیں: طلاق واقع نہیں ہوگی۔ امام شافعی نے اپنے مؤقف کی تائید میں نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان پیش کیا ہے: ''نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہوتی''۔ اس کے جواب میں مصنف نے احناف کے مؤقف کی تائید میں یہ بات پیش کی ہے: شوہر نے طلاق کو نکاح کے ساتھ معلق کیا ہے لہٰذا شرط کے پائے جانے کے ساتھ جزاء بھی پائے جائے گی کیونکہ یہ تصرف یمین ہے یعنی تصرف کو شرط کے ساتھ مشروط کرنا ہے لہٰذا اگر شرط کے موجود ہونے کے وقت ملکیت پائی جا رہی ہو تو یہ تصرف درست شمار ہوتا ہے اسی لئے یہاں یہ بات ضروری نہیں ہوگی: جس وقت شوہر نے اس چیز کو شرط قرار دیا تھا اس وقت وہ طلاق کا مالک تھا یا نہیں تھا۔

اس کی دلیل یہ ہے: جس وقت شرط پائی گئی ہے اس وقت یقینی طور پرشوہر کو اس چیز کی ملکیت حاصل تھی کہ وہ عورت کو طلاق دے سکتا تھا۔شرط کے پائے جانے سے پہلے اس کا اثر یہی ہونا چاہیے کہ اگر اس تصرف میں رکاوٹ ہو تو اس صورت میں یہ تصرف کرنے والے محض تک محدود رہے گا۔امام شافعی نے اپنے مؤقف کی تائید میں جو حدیث پیش کی تھی احناف یہ کہتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے: جب تک نکاح موجود نہ ہو طلاق منجز (یعنی فوری زمانہ حال میں طلاق دینا) واقع نہیں ہوسکتی ہے۔حدیث میں اس سے یہی مفہوم مراد ہے یہ مفہوم سلف سے بھی منقول ہے جن میں امام شعبی،امام زہری اور دیگر اہل علم شامل ہیں۔

طلاق کو کسی عمل سے مشروط کرنے کا بیان

﴿وَاِذَا اَضَافَهُ اِلَى شَرْطٍ وَقَعَ عَقِيبَ الشَّرْطِ مِثْلُ اَنْ يَقُوْلَ لِامْرَاَتِهٖ :اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ طَالِقٌ﴾ وَهٰذَا بِالِاتِّفَاقِ لِاَنَّ الْمِلْكَ قَائِمٌ فِى الْحَالِ، وَالظَّاهِرُ بَقَاؤُهُ اِلَى وَقْتِ وُجُوْدِ الشَّرْطِ فَيَصِحُّ يَمِينًا اَوْ اِيْقَاعًا .

ترجمہ

اور جس وقت شوہر نے طلاق کو کسی شرط کے ساتھ معلق کیا ہو تو اس شرط کی موجودگی میں طلاق واقع ہوجائے گی جیسے شوہر نے اپنی بیوی سے یہ کہا ہو: ''اگر تم گھر کے اندر داخل ہوئی تو تمہیں طلاق ہے''۔اس پر تمام آئمہ کا اتفاق ہے کیونکہ ایسی صورت میں نکاح کی ملکیت قائم ہے اور ظاہر یہی ہے: شرط کے موجود ہونے تک یہ ملکیت قائم رہے گی۔لہٰذا یہ قول یمین بننے یا طلاق واقع کرنے کی صلاحیت رکھے گا۔

طلاق معلق کے وقوع میں مذاہب فقہاء

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے طلاق کی قسم کے بارے میں ایک فیصلہ ایسا دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ طلاقِ معلق واقع ہوجاتی ہے۔واقعہ یہ ہوا کہ آپ کی خدمت میں ایک شخص پیش کیا گیا جس نے طلاق کا حلف اُٹھایا تھا،اور اس حلف کو وہ پورا نہیں کرسکا تھا۔لوگوں نے مطالبہ کیا کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کا فیصلہ کیا جائے،آپ مقدمہ کی پوری رُوداد سن کر اس نتیجے پر پہنچے کہ اس بے چارے سے جبراً حلف لیا گیا ہے،چنانچہ آپ نے فرمایا: تم لوگوں نے اس کو پیس ڈالا (یعنی مجبور کر کے حلف لیا)۔ پس اکراہ کی بنا پر آپ نے اس کی بیوی اسے واپس دِلا دی۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اکراہ کی صورت نہ ہوتی تو آپ کی دلیل بھی یہی تھی کہ طلاق واقع ہوگئی۔اور فیصلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسا کون ہے؟ ابنِ حزم نے اس فیصلے کو صحیح صورت سے ہٹانے کے لئے تکلف کیا ہے اور محض خواہشِ نفس کی بنا پر اُسے اس کے ظاہر سے نکالنے کی کوشش کی ہے،جیسا کہ ان کا قول حضرت شریح کے فیصلے کے بارے میں بھی اسی قبیل سے ہے۔

اور سننِ بیہقی میں بہ سندِ صحیح حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ :اگر اس

نے فلاں کام کیا تو اسے طلاق بیوی نے وہ کام کرلیا، حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: یہ ایک طلاق ہوئی، یہ وہی ابن مسعود ہیں جنہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ علم سے بھری ہوئی پٹاری کہتے تھے، صحیح فتویٰ دینے میں ان جیسا کون ہے؟ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کی تعلیق مروی ہے اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے بھی۔ اور آثار اس بارے میں بہت ہیں، اور کتاب اللہ میں حلف توڑنے پر لعنت کی گئی ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے:

ہر ایک قسم خواہ وہ کتنی ہی بڑی ہو، بشرطیکہ طلاق یا عتاق کی قسم نہ ہو، تو اس میں قسم کا کفارہ ہے۔ اس اثر کو ابن عبدالبر نے التمہید اور الاستذکار میں سند کے ساتھ نقل کیا ہے، مگر احمد بن تیمیہ نے اس کو نقل کرتے ہوئے استثناء (یعنی لیس فیھا طلاق ولا عتاق کے الفاظ) کو حذف کردیا اور بقول ابو الحسن السبکی یہ ان کی خیانت فی النقل ہے۔ یہ تھا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا دور، جس میں طلاق معلق کے وقوع کے سوا کوئی فتویٰ منقول نہیں۔

قسم کے پورا نہ ہونے پر وقوع طلاق پر اسلاف امت مسلمہ کے فتاویٰ

اب تابعین کو لیجئے! تابعین میں ائمہ علم معدود اور معروف ہیں، اور ان سب نے قسم کے پورا نہ ہونے کی صورت میں وقوع طلاق کا فتویٰ دیا۔ ابوالحسن السبکی الدرۃ المضیۃ میں جس سے ہم نے اس بحث کا بیشتر حصہ ملخص کیا ہے فرماتے ہیں: جامع عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، سنن سعید بن منصور اور سنن بیہقی جیسی صحیح اور معروف کتابوں سے ہم ائمہ اجتہاد تابعین کے فتاویٰ صحیح اسانید کے ساتھ نقل کرچکے ہیں کہ حلف بالطلاق کے بعد قسم ٹوٹنے کی صورت میں انہوں نے طلاق کے وقوع کا فتویٰ دیا، کفارے کا فیصلہ نہیں دیا۔ ان ائمہ اجتہاد تابعین کے اسمائے گرامی یہ ہیں: سعید بن مسیب، حسن بصری، عطاء، شعبی، شریح، سعید بن جبیر، طاؤس، مجاہد، قتادہ، زہری، ابومخلد، مدینہ کے فقہائے سبعہ، یعنی: عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود، خارجہ بن زید، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، سالم بن عبداللہ، سلیمان بن یسار، اور ان فقہائے سبعہ کا جب کسی مسئلے پر اجماع ہو تو ان کا قول دوسروں پر مقدم ہوتا ہے۔ اور حضرت ابن مسعود کے بلند پایہ شاگردان رشید یعنی: علقمہ بن قیس، اسود، مسروق، عبیدہ السلمانی، ابووائل، شقیق بن سلمہ، طارق بن شہاب، زر بن حبیش، ان کے علاوہ دیگر تابعین، مثلاً: ابن شبرمہ، ابوعمرو الشیبانی، ابو الاحوص، زید بن وہب، حکم بن عتیبہ، عمر بن عبدالعزیز، خلاس بن عمرو، یہ سب وہ حضرات ہیں جن کے فتاویٰ طلاق معلق کے وقوع پر نقل کئے گئے ہیں، اور ان کا اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں۔ بتایئے! ان کے علاوہ علمائے تابعین اور کون ہیں؟ پس یہ ہے صحابہ اور تابعین کا دور، وہ سب کے سب وقوع کے قائل ہیں، ان میں سے ایک بھی اس کا قائل نہیں کہ صرف کفارہ کافی ہے۔

طلاق معلق کے وقوع میں اجماع مذاہب اربعہ

اب ان دونوں زمانوں کے بعد والے حضرات کو لیجئے ان کے مذاہب مشہور و معروف ہیں، اور وہ سب اس قول کی صحت کی شہادت دیتے ہیں، مثلاً: امام ابوحنیفہ، مالک، شافعی، احمد، اسحاق بن راہویہ، ابوعبید، ابوثور، ابن المنذر، ابن جریر، ان میں سے کسی

کا بھی اس مسئلے میں اختلاف نہیں۔ اور ابن تیمیہ کو کسی تابعی کی طرف عدم وقوع کا فتویٰ منسوب کرنے کی قدرت نہ ہوئی، البتہ ابن حزم کی پیروی میں انہوں نے طاؤس کی طرف اس کو منسوب کیا ہے، مگر ابن حزم خود طاؤس سے اس کی روایت کرنے میں غلطی پر ہیں، اور ان کی پیروی کرنے والا ان سے بڑھ کر غلطی پر ہے۔ طاؤس کا فتویٰ مکرہ کے بارے میں ہے، جیسا کہ خود مصنف عبدالرزاق سے ظاہر ہوتا ہے، اور اسی کی طرف ابن حزم اس روایت کو منسوب کرتے ہیں، اور سنن سعید اور مصنف عبدالرزاق وغیرہ میں طاؤس کا یہ فتویٰ بہ سندِ صحیح موجود ہے کہ ایسی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ (مقالہ، شیخ حسن الکوثری)

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر شوہر طلاق کی نسبت کسی شرط کی طرف کرتا ہے' تو اس شرط کے فوراً بعد طلاق واقع ہو جائے گی۔ مصنف نے اس کی مثال دیتے ہوئے یہ بات بیان کی ہے: کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے: اگر تم گھر میں داخل ہوئی' تو تمہیں طلاق ہے تو وہ عورت جیسے ہی گھر میں داخل ہوگی اس عورت کو طلاق ہو جائے گی۔ اس بات پر اتفاق ہے اس کی دلیل یہ ہے: جس وقت شوہر نے بیوی سے یہ کہا: اس وقت عورت اس کی بیوی تھی' شوہر کی ملکیت زمانہ حال میں موجود تھی اور ظاہر بھی یہ ہو رہا تھا کہ شرط کے پائے جانے تک اس کی ملکیت برقرار رہے گی' اس لئے مشروط کرنے کے اعتبار سے اور طلاق واقع کرنے کے اعتبار سے یہ عمل درست ہوگا۔

شرط کی تعریف

هو ما كان وصفا مكملا لمشروطه فيما اقتضاه الحكم في ذلك المشروط او فيما اقتضاه المشروط نفسه .

مشروط کے لئے وہ وصفِ کامل جو اس مشروط کا حکم تقاضا کرے یا جس کا بذاتِ خود مشروط تقاضا کرے۔

مشروط کے حکم کا تقاضا

اس کی شرط خطابِ تکلیف کی طرف لوٹتی ہے۔ مثلاً نماز خطابِ تکلیف مشروط ہے اور اس کی شرط وصفِ کامل وضو ہے:

إذا قمتم إلى الصلاة فاغسلوا وجوهكم وايديكم إلى المرافق وامسحوا برؤوسكم وارجلكم إلى الكعبين .

جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنے منہ کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولو

یہ بذاتِ خود نماز کی شرط نہیں ہے یعنی اس کی کیفیت کی، بلکہ اس کے حکم کے لئے شرط ہے یعنی اس کے وجوب ادائیگی کی۔ اسی طرح نماز میں ستر کا ڈھانپنا اور رمضان میں روزے کی نیت کرنا ہے وغیرہ، یہ سب حکم کی شرائط ہیں۔

بذاتِ خود مشروط کا تقاضا

اس کی شرط خطابِ وضع کی طرف لوٹتی ہے۔ مثلاً زکوٰۃ کا نصاب خطابِ وضع مشروط ہے اور اس کی شرط ایک سال کا گزرنا ہے۔ لہٰذا یہاں شرط براہِ راست حکم خطابِ تکلیف سے منسلک نہیں ہے یعنی اس کی ادائیگی سے، بلکہ زکوٰۃ کے نصاب سے منسلک ہے یعنی یہ زکوٰۃ کے نصاب خطابِ وضع کے لئے شرط ہے۔ اسی طرح چور کا ہاتھ کاٹنے کی شرط محفوظ مقام حرز ہے کیونکہ ہاتھ کاٹنے کا سبب چوری ہے اور اس دلیل سے یہ خطابِ وضع ہے، پھر اس کی شرط محفوظ مقام ہے، لہٰذا یہ سبب کی شرط ہے۔

ما أخذ من عطنه ففيه القطع إذا بلغ ما ےؤخذ من ذلك ثمن المجن

وہ جو کچھ اپنی جگہ سے اٹھایا جائے تو اس صورت میں ہاتھ کاٹا جائے اگر چرائی ہوئی چیز ڈھال کی قیمت تک پہنچ جائے

ماكان في الخزائن ففيه القطع إذا بلغ ثمن المجن

جو کچھ اسٹوروں میں تھا تو اس کے لئے ہاتھ کاٹنا ہے اگر اس چیز کی قیمت ڈھال کی قیمت تک پہنچ جائے۔ خواہ شرط خطابِ تکلیف کی طرف لوٹے یا خطابِ وضع کی طرف، دونوں صورتوں میں، ذاتی طور پر، اس کی دلیل کا نصِ شرعی سے ثابت ہونا لازمی ہے۔ البتہ شرعی عقود جیسے خرید و فروخت، شرکت اور وقف وغیرہ، کی شرائط اس سے مستثناء ہیں، ان میں ہر قسم کی شرائط لگائی جاسکتی ہیں خواہ وہ کسی نص میں وارد ہوئی ہوں یا نہ ہوں، بشرطیکہ یہ کسی شرعی نص کے خلاف نہ ہوں۔

ما بال رجال يشترطون شروطا ليست في كتاب الله، ماكان من شرط ليس في كتاب الله فهو باطل و إن كان مائة شرط، قضاء الله أحق وشرط الله أوثقالبخاری

بعض لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ ایسی شرائط عائد کرتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہیں، ہر وہ شرط جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہے تو وہ باطل ہے خواہ وہ سو ہی کیوں نہ ہوں، اللہ کی شرائط زیادہ حق والی ہیں اور زیادہ مضبوط بھی

یہاں شروطا ليست في كتاب الله سے مراد یہ نہیں ہے کہ شرائط کتاب اللہ میں وارد ہوں، بلکہ اس سے مراد شرع کے مخالف نہ ہونا ہے۔ یہ اس لئے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کی اپنی شرائط لگانے کو مطلقاً قبول فرمایا ہے۔

اشتريها فأعتقيها وليشترطوا ما شاء وا البخاری

اسے خرید کر آزاد کردو اور انھیں وہ شرائط عائد کرنے دو جو وہ چاہتے ہیں یہاں وليشرطوا ما شاء وا اس کی اباحت پر صریح نص ہے کہ انسان جو چاہے شرائط عائد کرسکتا ہے۔

المسلمون عند شروطهم الحاكم

مسلمان اپنی آپس کی شرائط پر پورا اترتے ہیں یعنی اپنی عائد کردہ شرائط جو اضافی طور پر رکھی گئی ہیں۔ البتہ، جیسے پہلے بھی

بتایا گیا ہے، ان شرائط کا شرع کے خلاف ہونا جائز ہے۔ مثال کے طور پر، ایک عقد بیع میں دو مختلف مدات کی شرائط عائد کرنا۔ مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ میں اس شرط پر تمہیں یہ چیز بیچوں گا اگر تم اپنی بیٹی مجھ سے بیاہ دو تو یہ شرط باطل ہوگی اور اس لئے یہ عقد بھی باطل ٹھہرے گا۔

طلاق کو صرف ملکیت کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے

﴿وَلَا تَصِحُّ اِضَافَةُ الطَّلَاقِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ الْحَالِفُ مَالِكًا اَوْ يُضِيْفَهُ اِلٰى مِلْكٍ﴾ لِاَنَّ الْجَزَاءَ لَا بُدَّ اَنْ يَّكُوْنَ ظَاهِرًا لِيَكُوْنَ مُخِيفًا فَيَتَحَقَّقُ مَعْنَى الْيَمِينِ وَهُوَ الْقُوَّةُ وَالظُّهُوْرُ بِاَحَدِ هٰذَيْنِ، وَالْاِضَافَةُ اِلٰى سَبَبِ الْمِلْكِ بِمَنْزِلَةِ الْاِضَافَةِ اِلَيْهِ لِاَنَّهُ ظَاهِرٌ عِنْدَ سَبَبِهٖ ۔

ترجمہ

اور طلاق کو کسی بھی شرط کے ساتھ مشروط کرنا اس وقت تک درست نہیں ہوسکتا جب تک قسم اٹھانے والا شخص طلاق کی ملکیت نہ رکھتا ہو یا وہ اسے اپنی ملکیت کی طرف منسوب نہ کرے۔ اس کی دلیل یہ ہے: یہ بات لازم ہے: شرط کی جزا ظاہر ہوتا کہ مرد عورت کو اس سے ڈرا سکے تو ان دو میں سے ایک سے یمین کا مفہوم متحقق ہو جائے گا' اور وہ قوت اور غلبہ ہے اور اسے ملکیت کے سبب یعنی نکاح کی طرف منسوب کرنا' اسی طرح ہوگا' جیسے نفس ملکیت کی طرف منسوب کیا جائے' کیونکہ سبب ملک (ملکیت) کے وقت ظاہر ہو جاتا ہے۔

صحیح بخاری کی احادیث کی صحت پر طلاق کی قسم کھانا

اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر کہے کہ اگر صحیح بخاری میں ایک روایت بھی ضعیف ہو تو میری بیوی کو طلاق ، یا یہ کہے کہ اللہ کی قسم صحیح بخاری کی تمام تر روایات صحیح ہیں اور یہ سب فرامین رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اگر ایسا نہ ہو تو میری بیوی کو طلاق ، تو اسکی قسم نہیں ٹوٹے گی۔

امام حافظ، شیخ السنہ ابو نصر الجزی الوائلی (حنفی) رحمہ اللہ (متوفی 444ھ) سے منقول ہے۔

"اجمع اھل العلم ـ الفقھا و غیرھم ـ ان رجلا لو حلف بالطلاق ان جمیع مافی کتاب البخاری مما روی عن النبی ﷺ قد صح عنه ورسول الله قاله ، لا شك فیه انه لا یحنث ، والمراته بحالها فی حبالته ("الابانه الکبری ")

"اہل علم فقہاء وغیرہ ہم کا اجماع ہے کہ اگر کوئی آدمی طلاق کی قسم کھائے کہ صحیح بخاری میں نبی ﷺ سے جو کچھ مروی

ہے وہ یقیناً صحیح ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس قسم کی نہیں ٹوٹتی اور اس کی عورت اس کے نکاح میں باقی رہتی ہے۔

اس طرح کہنے سے بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی اگر چہ اس نے اس کی نیت نہ کی ہو، اسی طرح یوں کہنا کہ "حلال چیز مجھ پر حرام ہے " یا یہ کہنا کہ اپنے دائیں ہاتھ میں جو چیز بھی لوں وہ مجھ پر حرام ہے۔ کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر کوئی شخص قسم کے ساتھ لفظ "انشاء اللہ " بھی ادا کرے تو وہ حانث نہیں ہوگا یعنی چونکہ وہ سرے سے قسم ہی نہیں ہوگی اس لئے اس کے خلاف کرنے سے کفارہ بھی واجب نہیں ہوگا

حلف کی صحت ملکیت طلاق پر موقوف ہے

یہاں مصنف نے یہ اصول بیان کیا ہے: طلاق کی نسبت اس وقت درست ہو سکتی ہے جب حلف اٹھانے والا شخص یعنی مشروط قرار دینے والا شخص طلاق دینے کا مالک ہو یا پھر اگر وہ مالک نہیں ہوتا' تو وہ طلاق دینے کو اپنی ملکیت کی طرف منسوب کرے یعنی جب وہ اس کا مالک ہو جائے گا اس وقت ایسا ہوگا اس کے بغیر طلاق کی نسبت کرنا درست نہیں ہوگا۔

اس کی دلیل یہ ہے: شرط کی جو جزاء ہے اس کے پائے جانے کا غالب امکان ہونا چاہیے تا کہ اس شرط کے ذریعے مقابل کو خوف دلایا جا سکے کہ اگر ایسا ہوا تو اس کا تمہیں یہ نتیجہ بھگتنا پڑے گا اور جب جزاء کا امکان غالب ہوگا تو اس صورت میں یمین (معلق کرنے) کا معنیٰ متحقق ہو جائے گا اس کی دلیل یہ ہے: لغت میں یمین قوت اور ظہور کو کہتے ہیں اور یمین کا یہ معنیٰ ان دو میں سے کسی ایک صورت میں متحقق ہوگا' یعنی جب شرط قرار دینے والے شخص کی ملکیت موجود ہو' یا اس شخص نے اس شرط کو اپنی ملکیت کی طرف منسوب کیا ہو۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: ملکیت کے سبب کی طرف نسبت کرنا بھی ملکیت کی طرف نسبت کرنے کے مترادف ہو گا اس کی دلیل یہ ہے: شرط کی جزاء ملکیت کے سبب کے وقت ہی ظاہر ہوگی اس لئے جس وقت جزاء ظاہر ہوگی اس وقت ملکیت حاصل ہو چکی ہوگی۔

اجنبی عورت کو ملا کر مشروط طلاق دینے کا بیان

﴿فَاِنْ قَالَ لِاَجْنَبِيَّةٍ اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ طَالِقٌ ثُمَّ تَزَوَّجَهَا فَدَخَلَتِ الدَّارَ لَمْ تَطْلُقْ﴾ لِاَنَّ الْحَالِفَ لَيْسَ بِمَالِكٍ وَلَا اَضَافَهُ اِلَى الْمِلْكِ اَوْ سَبَبِهٖ وَلَا بُدَّ مِنْ وَاحِدٍ مِنْهُمَا

ترجمہ

اور اگر کسی شخص نے کسی اجنبی عورت سے کہا: اگر تم اس گھر میں داخل ہوئی' تو تمہیں طلاق ہے' پھر اس شخص نے اس خاتون

کے ساتھ شادی کر لی اور وہ خاتون اس گھر میں داخل ہوگئی تو اسے طلاق نہیں ہوگی' کیونکہ یمین والا شخص اس طلاق کا مالک نہیں ہے' اور نہ ہی اس نے اس طلاق کو اپنی ملکیت یا ملکیت کے سبب کی طرف منسوب کیا ہے' کیونکہ ملک ہونا یا ملکیت کے سبب کی طرف منسوب کرنا شرط کے لئے ضروری ہے۔

طلاق کی خبر وحکایت کے محل کا فقہی بیان

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں۔اور اگر خاوند نے اپنی بیوی کے ساتھ اجنبی عورت کو ملا کر کہا تم دونوں میں سے ایک کو طلاق، یا یوں کہا اس کو یا اس کو طلاق ہے،تو اس کی بیوی کو بغیر نیت کئے طلاق نہ ہوگی، کیونکہ اجنبی عورت اگر چہ انشاء طلاق کے محل نہیں لیکن طلاق کی خبر وحکایت کا محل ہے جبکہ خاوند کا کلام حقیقۃ خبر ہے، ہاں اگر یوں کہے میں نے تم دونوں میں سے ایک کو طلاق دی، تو بیوی کو نیت کے بغیر طلاق ہو جائے گی، اس کو مبسوط کے طلاق میں ذکر کیا ہے۔یہ تو ایسا ہوا جیسے اپنی عورت اور ایک اجنبیہ کو ملا کر کہا میں نے تم دونوں میں سے ایک کو طلاق دی خواہی نخواہی اس کی عورت ہی پر طلاق پڑے گی اجنبیہ کی طرف پھیرنے کا اختیار نہ دیا جائے گا کہ اسے طلاق دینا اس کے قابو میں نہ تھا۔(عالم گیری، ج ا،ص ۳۶۳، نورانی کتب خانہ پشاور)

شرط کے مختلف الفاظ اوران کے احکام

﴿وَاَلْفَاظُ الشَّرْطِ اِنْ وَاِذَا وَاِذَا مَا وَكُلُّ وَكُلَّمَا وَمَتٰى وَمَتٰى مَا﴾ لِاَنَّ الشَّرْطَ مُشْتَقٌّ مِنَ الْعَلَامَةِ، وَهٰذِهِ الْاَلْفَاظُ مِمَّا تَلِيهَا اَفْعَالٌ فَتَكُوْنُ عَلَامَاتٍ عَلَى الْحِنْثِ، ثُمَّ كَلِمَةُ اِنْ حَرْفٌ لِلشَّرْطِ لِاَنَّهُ لَيْسَ فِيهَا مَعْنَى الْوَقْتِ وَمَا وَرَاءَهَا مُلْحَقٌ بِهَا، وَكَلِمَةُ كُلٍّ لَيْسَتْ شَرْطًا حَقِيقَةً لِاَنَّ مَا يَلِيهَا اسْمٌ وَالشَّرْطُ مَا يَتَعَلَّقُ بِهِ الْجَزَاءُ وَالْاَجْزِيَةُ تَتَعَلَّقُ بِالْاَفْعَالِ اِلَّا اَنَّهُ اُلْحِقَ بِالشَّرْطِ لِتَعَلُّقِ الْفِعْلِ بِالِاسْمِ الَّذِي يَلِيهَا مِثْلُ قَوْلِكَ كُلُّ عَبْدٍ اشْتَرَيْتُهُ فَهُوَ حُرٌّ.

ترجمہ

اور شرط کے الفاظ یہ ہیں اگر' جب' جب کبھی' جب کبھی بھی' جب بھی اس کی دلیل یہ ہے: لفظ شرط کا ایک مطلب علامت بھی ہے' اور مذکورہ الفاظ ایسے ہیں' جن کے ساتھ جب جزا واقع ہو' تو یہ قسم توڑنے کی علامت بن جاتے ہیں۔ پھر لفظ ''ان'' صرف شرط کے لئے استعمال ہوتا ہے' اس میں وقت کا مفہوم نہیں پایا جاتا جبکہ بقیہ الفاظ اس کے ساتھ ملحق ہیں۔ لفظ ''کل'' حقیقت کے اعتبار سے شرط نہیں ہے' کیونکہ لفظ ''کل'' کے ساتھ جو بھی لفظ متصل ہوتا ہے وہ اسم ہوتا ہے اور شرط وہ ہوتی ہے' جس کے ساتھ جزاء بھی ہو اور جزاء کا تعلق فعل کے ساتھ ہوتا ہے' لیکن لفظ ''کل'' کو شرط کے الفاظ کے ساتھ اس لیے ملایا گیا ہے' کیونکہ فعل کا تعلق اسی اسم کے

سے تمہ ہوتا ہے جو اس کے ساتھ متصل ہو جیسا کہ آپ یہ کہیں: ''ہر وہ غلام جسے میں خرید لوں وہ آزاد ہوگا''۔

شرح

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف نے الفاظ شرط کہا ہے حروف شرط نہیں کہا کیونکہ بعض علماء ان کو اسماء میں شمار کرتے ہیں۔ اور وضع کے اعتبار صرف ایک حرف شرط بیان ہوا ہے اور وہ ''لو'' ہے جو معنی کے اعتبار سے شرط کیلئے بنایا گیا ہے ۔جبکہ یہ تمام الفاظ معنی ولفظ دونوں اعتبار سے شرط کیلئے بنائے گئے ہیں۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۵،ص ۳۴۷، بیروت)

لفظ ''ان'' تراخی کیلئے بھی آتا ہے

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ لفظ "ان "تراخی کیلئے استعمال ہے مگر جہاں فور کا قرینہ پایا جائے تو تراخی مراد نہ ہوگی، اسی فور پر قرینہ کی مثال یہ ہے کہ خاوند نے بیوی کو جماع کیلئے طلب کیا تو بیوی کے انکار پر خاوند نے کہا تو میرے کمرے میں داخل نہ ہوئی تو طلاق ہے۔ تو فوراً داخل نہ ہوئی بلکہ خاوند کی شہوت وخواہش ختم ہونے کے بعد داخل ہوئی تو طلاق ہو جائے گی۔

(درمختار، باب یمین، ج ا،ص ۲۹۹، دہلی)

شیخ شمس الدین تمرتاشی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ عربی شرط کے الفاظ یہ ہیں :ان ،اذا، اذا ما، کل، کلما، متی، متی ما، ان تمام الفاظ کی شرط جب پائی جائے تو قسم ختم ہو جائے گی ماسوائے لفظ " کلما " کیونکہ اس میں شرط تین طلاقوں کے بعد ختم ہوگی۔ مگر اتنا ہوگا کہ عورت پر صرف دو طلاقوں کا مالک رہے گا کہ ایک تو نکاح پیش میں پڑ چکی اب اگر کبھی دو طلاقیں دے گا مغلظہ ہو جائے گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی ذی علم کے سامنے تذکرہ کہے کہ میں نے یوں حلف کرلیا ہے کہ مجھے نکاح فضولی کی حاجت ہے یا کیا اچھا ہوتا کہ کوئی شخص بے میری توکیل کے بطور خود میرا نکاح اس سے کر دے تا ذی علم مذکور خود یا کسی اور اسے کہہ کر عورت کا نکاح اس سے کر دے جب اس شخص کو نکاح کی خبر پہنچے یہ زبان سے کچھ نہ کہے بلکہ کوئی فعل ایسا کرے جس سے اس نکاح موقوف کی اجازت ہو جائے، مثلاً عورت کو مہر بھیج دے یا لوگوں کی مبارکباد قبول کرے کہ اس صورت میں نکاح ہو جائے گا اور طلاق اصلاً واقع نہ ہوگی۔ (تنویر الابصار بتصرف، باب تعلیق)

لفظ ''کل'' کے الحاق شرط کا بیان

اس کے بعد مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے: مذکورہ بالا الفاظ میں سے لفظ ''کل'' اپنی حقیقت کے اعتبار سے شرط کے لئے استعمال نہیں ہوتا' کیونکہ اس کے بعد ہمیشہ اسم استعمال ہوتا ہے' جبکہ شرط کے لئے حرف شرط کے بعد فعل آیا کرتا ہے' اور شرط اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ساتھ جزاء متعلق ہو' اور جزاء کا تعلق فعل کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے: جب یہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے شرط کے لئے استعمال ہوتا نہیں ہے' تو پھر آپ نے اسے یہاں کیوں ذکر کیا ہے۔ مصنف اس کا جواب دیتے ہوئے یہ بات بیان کرتے ہیں: اس کو شرط کے ساتھ اس لئے لاحق کیا گیا ہے' کیونکہ فعل کا اسی اسم کے ساتھ تعلق ہوتا ہے جو اس لفظ

کے بعد آرہا ہوتا ہے۔جیسے آپ یہ کہیں۔"ہر وہ غلام جسے میں خریدوں وہ آزاد ہوگا"۔

ان الفاظ کا حکم اور کلما کی استثنائی صورت

قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ :﴿فَفِيْ هٰذِهِ الْاَلْفَاظِ اِذَا وُجِدَ الشَّرْطُ انْحَلَّتْ وَانْتَهَتْ الْيَمِيْنُ﴾ لِاَنَّهَا غَيْرُ مُقْتَضِيَةٍ لِلْعُمُوْمِ وَالتَّكْرَارِ لُغَةً، فَبِوُجُوْدِ الْفِعْلِ مَرَّةً يَتِمُّ الشَّرْطُ وَلَا بَقَاءَ لِلْيَمِيْنِ بِدُوْنِهِ﴿اِلَّا فِيْ كُلَّمَا فَاِنَّهَا تَقْتَضِيْ تَعْمِيْمَ الْاَفْعَالِ﴾ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ﴾ اَلْاٰيَةَ وَمِنْ ضَرُوْرَةِ التَّعْمِيْمِ التَّكْرَارُ .

ترجمہ

مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب ان الفاظ میں شرط پائی جائے گی' تو قسم تحلیل ہو کر ختم ہو جائے گی اس کی دلیل یہ ہے: یہ عموم اور تکرار کا لغوی اعتبار سے تقاضا نہیں کرتے لہٰذا ایک ہی مرتبہ فعل کے پائے جانے کے نتیجے میں شرط پوری ہو جائے گی' اور اس کے بعد قسم باقی نہیں رہے گی البتہ لفظ "کلما" کا حکم مختلف ہے' کیونکہ وہ افعال میں تعمیم کا تقاضا کرتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے: "جب کبھی ان کے چمڑے سڑ جائیں گے"۔تعمیم کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس میں تکرار پائی جاتی ہو۔

لفظ کلما کی تعمیم سے مصنف کا فقہی استدلال

صاحب ہدایہ نے مسئلہ طلاق میں لفظ کلما کے استعمال سے تعمیم کا حکم اس آیت کے مفہوم سے استدلال کرتے ہوئے فقہی حکم کی دلیل کو بیان کیا ہے۔ہم امام ابن جریر طبری کی تفسیر کے ساتھ اسی آیت مبارکہ کو ذکر کر رہے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا .(النساء، ۵۶)

جنہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا عنقریب ہم ان کو آگ میں داخل کریں گے جب کبھی ان کی کھالیں پک جائیں گی ہم ان کے سوا اور کھالیں انہیں بدل دیں کہ عذاب کا مزہ لیں بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔(کنز الایمان)

اللہ کی آیتوں کے نہ ماننے اور رسولوں سے لوگوں کو برگشتہ کرنے والوں کی سزا اور ان کے بدانجام کا ذکر ہوا انہیں اس آگ میں دھکیلا جائے گا جو انہیں چاروں طرف سے گھیر لے گی اور ان کے روم روم کو سلگا دے اور یہی نہیں بلکہ یہ عذاب دائمی ایسا ہو گا ایک چمڑا جل گیا تو دوسرا بدل دیا جائے گا جو سفید کاغذ کی مثال ہوگا ایک ایک کافر کی سو سو کھالیں ہوں گی ہر ہر کھال پر قسم قسم کے علیحدہ علیحدہ عذاب ہوں گے ایک ایک دن میں ستر ہزار مرتبہ کھال الٹ پلٹ ہوگی۔یعنی کہہ دیا جائے گا کہ جلد لوٹ آئے وہ پھر لوٹ آئے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے جب اس آیت کی تلاوت ہوئی تو آپ پڑھنے والے سے دوبارہ سنانے کی فرمائش کرتے وہ دوبارہ پڑھتا تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں آپ کو اس کی تفسیر سناؤں ایک ایک ساعت میں سو سو بار بدلی جائے گی اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہی سنا ہے۔

(ابن مردویہ وغیرہ)

دوسری روایت میں ہے کہ اس وقت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تھا کہ مجھے اس آیت کی تفسیر یاد ہے میں نے اسے اسلام لانے سے پہلے پڑھا تھا آپ نے فرمایا اچھا بیان کرو اگر وہ وہی ہوئی جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے تو ہم اسے قبول کریں گے ورنہ ہم اسے قابل التفات نہ سمجھیں گے تو آپ نے فرمایا ایک ساعت میں ایک سو بیس مرتبہ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے۔

حضرت ربیع بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں پہلی کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ ان کی کھالیں چالیس ہاتھ یا چھہتر ہاتھ ہوں گی اور ان کے پیٹ اتنے بڑے ہوں گے کہ اگر ان میں پہاڑ رکھا جائے تو سما جائے۔ جب ان کھالوں کو آگ کھالے گی تو اور کھالیں آجائیں گی۔

ایک حدیث میں اس سے بھی زیادہ مسند احمد میں ہے جہنمی جہنم میں اس قدر بڑے بڑے بنا دیئے جائیں گے کہ ان کے کان کی لو سے کندھا سات سو سال کی راہ پر ہوگا اور ان کی کھال کی موٹائی ستر ذراع ہوگی اور کچلی مثل احد پہاڑ کے ہوں گی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد کھال سے لباس ہے لیکن یہ ضعیف ہے اور ظاہر لفظ کے خلاف ہے اس کے مقابلوں میں نیک لوگوں کے انجام کو بیان کیا جاتا ہے کہ وہ جنت عدن میں ہوں گے جس کے چپے چپے پر نہریں جاری ہوں گی جہاں چاہیں انہیں لے جائیں اپنے محلات میں باغات میں راستوں میں غرض جہاں ان کے جی چاہیں وہیں وہ پاک نہریں بہنے لگیں گی، پھر سب سے اعلیٰ لطف یہ ہے کہ یہ تمام نعمتیں ابدی اور ہمیشہ رہنے والی ہوں گی نہ ختم ہوں گی پھر ان کے لئے وہاں حیض ونفاس سے گندگی اور پلیدی سے، میل کچیل اور بو باس سے، رذیل صفتوں اور بیہودہ اخلاق سے پاک بیویاں ہوں گی اور گھنے لمبے چوڑے سائے ہوں گے جو بہت فرحت بخش بہت ہی سرور انگیز راحت افزا دل خوش کن ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے تلے ایک سو سال تک بھی ایک سوار چلا جائے تو اس کا سایہ ختم نہ ہو یہ شجرہ خلد ہے۔ (تفسیر ابن جریر، طبری، نساء، ۵۶)

دوسری شادی کی صورت میں سابقہ شرط معتبر نہیں ہوگی

قَالَ ﴿فَإِنْ تَزَوَّجَهَا بَعْدَ زَوْجٍ آخَرَ وَتَكَرَّرَ الشَّرْطُ لَمْ يَقَعْ شَيْءٌ﴾ لِأَنَّ بِاسْتِيفَاءِ الطَّلْقَاتِ الثَّلَاثِ الْمَمْلُوكَاتِ فِي هَذَا النِّكَاحِ لَمْ يَبْقَ الْجَزَاءُ وَبَقَاءُ الْيَمِينِ بِهِ وَبِالشَّرْطِ. وَفِيهِ خِلَافُ زُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى وَسَنُقَرِّرُهُ مِنْ بَعْدُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى

﴿وَلَوْ دَخَلَتْ عَلٰى نَفْسِ التَّزَوُّجِ بِاَنْ قَالَ : كُلَّمَا تَزَوَّجْتُ امْرَاَةً فَهِيَ طَالِقٌ يَحْنَثُ بِكُلِّ مَرَّةٍ وَاِنْ كَانَ بَعْدَ زَوْجٍ اٰخَرَ﴾ لِاَنَّ انْعِقَادَهَا بِاعْتِبَارِ مَا يَمْلِكُ عَلَيْهَا مِنَ الطَّلَاقِ بِالتَّزَوُّجِ وَذٰلِكَ غَيْرُ مَحْصُورٍ .

ترجمہ

فرمایا اور اگر مرد اس عورت کے ساتھ شادی کر لے یعنی اس کی دوسری شادی ہونے کے بعد (طلاق ہونے کے بعد) شادی کرے تو شرط دوبارہ پائی جائے تو اس کے لئے اس صورت میں کچھ بھی واقع نہیں ہوگا اس کی دلیل یہ ہے: مرد پہلے نکاح میں جن تین طلاقوں کا مالک تھا وہ انہیں مکمل طور پر استعمال کر چکا ہے لہٰذا اب جزاء کی کوئی صورت باقی نہیں رہے گی اور قسم کی بقاء تو جزاء پر تھی یا شرط پر تھی۔ اس بارے میں امام زفر کی دلیل مختلف ہے اسے ہم انشاء اللہ بعد میں ذکر کریں گے۔ اگر لفظ ''کلما'' نفس ''تزوج'' (شادی) پر داخل ہو یعنی کوئی شخص یہ کہہ دے ''جب کبھی میں جس خاتون سے شادی کروں تو اسے طلاق ہے'' تو وہ شخص ہر بار نکاح کرنے پر حانث ہوگا خواہ یہ نکاح عورت کی دوسری شادی کرنے کے بعد طلاق لینے کے بعد (اس شخص کے ساتھ شادی کرنے پر ہی کیوں نہ ہو) اس کی دلیل یہ ہے: اس کا انعقاد اس طلاق کے حق کی دلیل ہے جس کا مالک وہ نکاح کرنے کی دلیل سے بنتا ہے اور اس کا کوئی بھی شمار نہیں ہو سکتا۔

شرح

امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں کتاب الایمان کے مسائل متفرقہ میں فرمایا ہے اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے جس عورت سے بھی تیری اجازت کے بغیر نکاح کروں تو اسے طلاق ہے، پھر اس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائنہ دی یا تین طلاقیں دے دیں پھر اس نے اس دوران پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر دوسری عورت سے نکاح کیا تو دوسری کو طلاق ہو جائے گی کیونکہ اس نے حلف میں دوسری عورت سے ناکح کو پہلی بیوی کے نکاح کے باقی رہنے سے مقید نہیں کیا، اس سے مقید تب ہوتا جب پہلی بیوی اپنے نکاح کے وقت اذن یا منع کا اختیار حاصل کرتی۔ (فتح القدیر، ج ۸، ص ۳۰۰، بیروت)

لفظ کلما کے ذریعے محدود تکرار کا بیان

یہاں مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے: لفظ ''کلما'' کے ذریعے تکرار ثابت ہوتی ہے لیکن یہ تکرار مطلق نہیں ہے بلکہ محدود اور متعین ہے یعنی لفظ ''کلما'' استعمال کرتے وقت شوہر کی ملکیت میں جتنی طلاقیں ہوں گی تکرار کا تعلق صرف ان طلاقوں کے ساتھ ہوگا اس کی مثال دیتے ہوئے مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے۔

''اگر مرد عورت کو طلاق دیدیتا ہے عورت کو طلاق ہو جاتی ہے پھر اس کے بعد وہ دوسری شادی کر لیتی ہے پھر اس سے بھی طلاق ہو جاتی ہے یا بیوہ ہو جاتی ہے پھر وہ پہلے طلاق دینے والے مرد کے ساتھ دوبارہ شادی کر لیتی ہے اور شرط دوبارہ

پائی جاتی ہے تو کوئی چیز واقع نہیں ہوگی''۔

اس کی دلیل مصنف نے یہی بیان کی ہے: پہلے نکاح میں شوہر جن تین طلاقوں کا مالک تھا جب وہ تینوں جزاء کے طور پر ثابت ہوگئی تو اگلے نکاح کے اندر جو تین طلاقیں ہیں وہ اس جزاء کا حصہ نہیں ہوں گی تو یمین اس وقت تک باقی رہ سکتی ہے جب شرط کے ساتھ جزاء بھی موجود ہو تو یہاں کیونکہ جزاء موجود نہیں ہے لہٰذا طلاق واقع نہیں ہوگی تاہم اس بارے میں امام زفر کی دلیل مختلف ہے۔

یہاں مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے: اگر یہ لفظ یعنی ''کلما'' شادی کرنے کے فعل پر داخل ہو یعنی آدمی یہ کہے: ''جب بھی میں کسی عورت کے ساتھ شادی کروں تو اسے طلاق ہو جائے'' تو وہ شخص جب بھی شادی کرے گا وہ حانث ہو جائے گا خواہ اس کی ایک بیوی دوسرے شوہر سے طلاق لینے کے بعد دوبارہ اس کے ساتھ نکاح کر لے تو بھی اس کے ساتھ نکاح کرنے کے ساتھ ہی نکاح ختم ہو جائے گا۔ مصنف نے اس کی دلیل یہ بیان کی ہے: وہ شخص شادی کرنے کے نتیجے میں جس بھی طلاق کا مالک ہوگا اس جملے کے انعقاد میں اس طلاق کا اعتبار کیا جائے گا اور اس کی کوئی حد نہیں ہے یعنی وہ جب بھی شادی کرے گا تو یہ طلاق واقع ہو جائے گی۔

مشروط کرنے کے بعد ملکیت کے زائل ہونے کا حکم

قَالَ ﴿وَزَوَالُ الْمِلْكِ بَعْدَ الْيَمِينِ لَا يُبْطِلُهَا﴾ لِاَنَّهُ لَمْ يُوجَدْ الشَّرْطُ فَبَقِيَ وَالْجَزَاءُ بَاقٍ لِبَقَاءِ مَحَلِّهِ فَبَقِيَ الْيَمِينُ ﴿ثُمَّ اِنْ وُجِدَ الشَّرْطُ فِيْ مِلْكِهِ انْحَلَّتْ الْيَمِينُ وَوَقَعَ الطَّلَاقُ﴾ لِاَنَّهُ وُجِدَ الشَّرْطُ وَالْمَحَلُّ قَابِلٌ لِلْجَزَاءِ فَيَنْزِلُ الْجَزَاءُ وَلَا تَبْقَى الْيَمِينُ لِمَا قُلْنَا ﴿وَاِنْ وُجِدَ فِيْ غَيْرِ الْمِلْكِ انْحَلَّتْ الْيَمِينُ﴾ لِوُجُوْدِ الشَّرْطِ ﴿وَلَمْ يَقَعْ شَيْءٌ﴾ لِانْعِدَامِ الْمَحَلِّيَّةِ .

﴿وَاِنْ اخْتَلَفَا فِيْ وُجُوْدِ الشَّرْطِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الزَّوْجِ اِلَّا اَنْ تُقِيمَ الْمَرْاَةُ الْبَيِّنَةَ﴾ لِاَنَّهُ مُتَمَسِّكٌ بِالْاَصْلِ وَهُوَ عَدَمُ الشَّرْطِ، وَلِاَنَّهُ يُنْكِرُ وُقُوْعَ الطَّلَاقِ وَزَوَالَ الْمِلْكِ وَالْمَرْاَةُ تَدَّعِيهِ ﴿فَاِنْ كَانَ الشَّرْطُ لَا يُعْلَمُ اِلَّا مِنْ جِهَتِهَا فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا فِيْ حَقِّ نَفْسِهَا مِثْلُ اَنْ يَقُوْلَ: اِنْ حِضْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ وَفُلَانَةُ فَقَالَتْ: قَدْ حِضْتُ طَلُقَتْ هِيَ وَلَمْ تَطْلُقْ فُلَانَةُ﴾ وَوَقَعَ الطَّلَاقُ اسْتِحْسَانًا، وَالْقِيَاسُ اَنْ لَا يَقَعَ لِاَنَّهُ شَرْطٌ فَلَا تُصَدَّقُ كَمَا فِي الدُّخُوْلِ. وَوَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ اَنَّهَا اَمِينَةٌ فِيْ حَقِّ نَفْسِهَا اِذْ لَا يُعْلَمُ ذٰلِكَ اِلَّا مِنْ جِهَتِهَا

فَيُقْبَلُ قَوْلُهَا كَمَا قُبِلَ فِي حَقِّ الْعِدَّةِ وَالْغَشَيَانِ لٰكِنَّهَا شَاهِدَةٌ فِي حَقِّ ضَرَّتِهَا بَلْ هِيَ مُتَّهَمَةٌ فَلَا يُقْبَلُ قَوْلُهَا فِي حَقِّهَا ۔

ترجمہ

فرمایا: اور قسم اٹھانے کے بعد ملکیت کا زائل ہونا قسم کو باطل نہیں کرتا' کیونکہ شرط پوری نہیں ہوسکی لہٰذا قسم باقی رہے گی' اور جزاء کا محل یعنی خاتون کے باقی ہونے کے ساتھ جزاء بھی باقی رہے گی' لہٰذا یمین بھی باقی رہے گی۔ پھر اگر شرط اس کی ملکیت میں پائی جائے گی' تو قسم تحلیل ہوجائے گی' اور طلاق واقع ہوجائے گی' کیونکہ شرط پائی گئی ہے' جبکہ محل یعنی خاتون میں جزاء کی اہلیت موجود ہے' تو قسم نہیں رہے گی' جیسا کہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں۔ لیکن اگر شرط ملکیت کے غیر میں پائی جائے' تو قسم تحلیل ہوجائے گی' کیونکہ شرط پائی گئی ہے مگر طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ عورت اب طلاق کا محل نہیں ہے۔ اگر میاں بیوی کے درمیان شرط کے بارے میں اختلاف ہوجائے' تو مرد کی بات کو تسلیم کیا جائے گا۔ اگر عورت ثبوت پیش کردے (تو اس کی بات معتبر ہوگی) کیونکہ مرد کا تمسک اصل سے ہے اور وہ شرط کا نہ ہونا ہے' اس کی دلیل یہ ہے: شوہر مدعٰی علیہ ہے' جبکہ بیوی مدعیہ ہے۔ اگر شرط کی نوعیت ایسی ہو' جس کا علم صرف عورت کے حوالے سے ہی ہوسکتا ہے' تو اس کے اپنے حق میں اس کی بات قبول کی جائے گی۔ جیسے شوہر نے بیوی سے یہ کہا: ''اگر تمہیں حیض آ گیا تو تم اور فلاں عورت کو طلاق ہے'' اور پھر عورت نے یہ بات بیان کی مجھے حیض آ گیا ہے' تو اس عورت پر طلاق واقع ہوجائے گی' لیکن فلاں عورت پر طلاق نہیں ہوگی۔ اس عورت پر بھی طلاق کا واقع ہونا استحسان کے پیش نظر ہے: ورنہ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے: طلاق واقع نہ ہو' کیونکہ یہ شرط ہے اور اس بارے میں عورت کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ اس طرح گھر میں داخل ہونے کے مسئلے کا حکم ہے۔ استحسان کی دلیل یہ ہے: عورت کو اپنے نفس کے بارے میں علم ہونا اس کے لئے امانت کے مقام میں ہے' کیونکہ اس شرط کا علم محض عورت کی طرف سے ہی ہوسکتا ہے' لہٰذا اسی کا قول معتبر ہوگا' جیسا کہ عدت اور وطی کے بارے میں اس کا قول معتبر ہوتا ہے۔ البتہ اپنی سوکن کے حق میں کیونکہ وہ گواہ ہے' بلکہ اس بارے میں اس پر الزام بھی عائد ہوسکتا ہے' لہٰذا اس سوکن کے حق میں اس عورت کا قول قبول نہیں ہوگا۔

شرح

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب شرط کا محل جاتا رہا تو تعلیق باطل ہوگئی مثلاً کہا اگر فلاں سے بات کرے تو تجھ پر طلاق اب وہ شخص مرگیا تو تعلیق باطل ہوگئی لہٰذا اگر کسی ولی کی کرامت سے جی گیا اب کلام کیا طلاق واقع نہ ہوگی یا کہا اگر تو اس گھر میں گئی تو تجھ پر طلاق اور وہ مکان منہدم ہوکر کھیت یا باغ بن گیا تعلیق جاتی رہی اگرچہ پھر دوبارہ اُس جگہ مکان بنایا گیا ہو۔

یہ کہا اگر تو اس گلاس میں کا پانی پیے گی تو تجھ پر طلاق ہے اور گلاس میں اُس وقت پانی نہ تھا تو تعلیق باطل ہے اور اگر پانی اُس وقت موجود تھا پھر گرا دیا گیا تو تعلیق صحیح ہے۔ زدلیل کنیز ہے اُس سے کہا اگر تو اس گھر میں گئی تو تجھ پر تین طلاقیں

پھر اُس کے مالک نے اُسے آزاد کر دیا اب گھر میں گئی تو دو طلاقیں پڑیں اور شوہر کو رجعت کا حق حاصل ہے کہ بوقت تعلیق تین طلاق کی اُس میں صلاحیت نہ تھی لہٰذا دو ہی کی تعلیق ہوگی اور اب کہ آزاد ہوگئی تین کی صلاحیت اُس میں ہے مگر اُس تعلیق کے سبب دو ہی واقع ہوں گی کہ ایک طلاق کا اختیار شوہر کو اب جدید حاصل ہوا۔ حروف شرط اُردو زبان میں یہ ہیں۔ اگر، جب، جس وقت، ہر وقت، جو، ہر، جس، جب کبھی، ہر بار۔ (درمختار، کتاب طلاق، باب تعلیق)

یمین زوال ملکیت کے بعد بھی باقی رہے گی

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: یمین کے بعد اگر ملکیت زائل بھی ہو جائے تو یمین اپنی جگہ پر برقرار رہتی ہے ملکیت کے زائل ہونے کی دلیل سے یمین زائل نہیں ہوتی۔ مصنف نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے یہ مثال بیان کی ہے: ایک شخص اپنی بیوی سے یہ کہتا ہے: اگر تم گھر میں داخل ہوئی تو تمہیں طلاق ہے اب اس کے بعد شرط نہیں پائی گئی یعنی وہ بیوی گھر میں داخل ہوئی ہی نہیں اور شوہر نے عورت کو کسی اور دلیل سے طلاق بائنہ دیدی اب یہاں شوہر نے بیوی کو طلاق بائنہ دے کر اپنی ملکیت کو زائل کر دیا لیکن یمین یعنی جس چیز کو اس نے مشروط کیا تھا اور وہ عورت کا گھر میں داخل ہونا تھا وہ اپنی جگہ پہ برقرار ہے کیونکہ اس یمین کو شرط پر معلق کیا گیا تھا لہٰذا وہ شرط نہیں پائی گئی تو ابھی یمین اپنی جگہ باقی ہوگی اور اس کی جزاء بھی باقی ہوگی۔

اس کی دلیل یہ ہے: جزاء کا محل ابھی اپنی جگہ پر باقی ہے وہ اس اعتبار سے کہ شوہر نے بیوی کو بائنہ طلاق دی ہے مغلظہ طلاق نہیں دی ہے اس لئے محل کے باقی ہونے کی دلیل سے جزاء باقی ہوگی اور کیونکہ شرط پر جزاء کی بقاء کی دلیل سے یمین بھی باقی رہتی ہے لہٰذا جب تک شرط پر جزاء باقی رہے گی یمین بھی اپنی جگہ پر برقرار رہے گی۔ اس کے بعد مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے: اگر شوہر کی ملکیت میں شرط پائی جائے یعنی جب شوہر نے عورت کو بائنہ طلاق دی تھی اس دوران شرط پائی گئی تو یمین حلال ہو جائے گی یعنی پوری ہو جائے گی اور اس کے نتیجے میں طلاق واقع ہو جائے گی۔

اس کی دلیل یہ ہے: جس وقت شرط پائی گئی ہے اس وقت محل اس کی جزاء کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا یعنی اس عورت کو مزید طلاق دی جاسکتی تھی لہٰذا جزاء نازل ہو جائے گی یعنی اس کا حکم جاری ہو جائے گا اور پھر یمین باقی نہیں رہے گی اس کی دلیل ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ لیکن اگر شرط ملکیت کے علاوہ پائی جاتی ہے یعنی اس عورت کی عدت ختم ہوگئی اور اس نے کہیں اور نکاح کر لیا یا نہیں بھی کیا اس کی عدت ختم ہوگئی تو اس صورت میں یمین پوری ہو جائے گی کیونکہ شرط پائی گئی ہے لیکن کوئی بھی چیز واقع نہیں ہوگی اس کی دلیل یہ ہے: جزاء کا محل باقی نہیں رہا یعنی اب وہ شوہر اس عورت کو طلاق دینے کا مالک نہیں ہے کیونکہ اس کی عورت ختم ہو چکی ہے۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر میاں بیوی کے درمیان شرط کے بارے میں اختلاف ہو جائے تو اس بارے میں شوہر کے قول کو معتبر قرار دیا جائے گا البتہ ایک صورت میں عورت کی بات کو معتبر قرار دیا جاسکتا ہے اور وہ صورت یہ ہے: جب عورت

اپنی بات کی تائید میں ثبوت پیش کردے۔ مصنف نے اس کی دلیل بیان کرتے ہوئے یہ بات بیان کی ہے: شوہر نے اصل کو تھام رکھا ہے' اور اصل یہ ہے: شرط کا وجود نہیں پایا جاتا۔

اس کی دوسری دلیل مصنف نے یہ بیان کی ہے: شوہر طلاق کے واقع ہونے کا انکار کر رہا ہے' اور ملکیت کے زائل ہونے کا انکار کر رہا ہے' جبکہ عورت اس بات کی دعویدار ہے' تو اصول یہ ہے: دعویٰ کرنے والے کو ثبوت پیش کرنا پڑتا ہے' اور جو شخص دعوے کا انکار کرے اس کے لئے قسم اٹھانا کافی ہوتا ہے' تاہم یہاں مصنف نے شوہر کے قسم اٹھانے کا ذکر نہیں کیا' لہٰذا اس کا مطلب یہ ہے: اس سے قسم نہیں لی جائے گی' لیکن عورت کے ذمے ثبوت پیش کرنا لازم ہوگا۔

مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے: اگر وہ شرط ایسی نوعیت کی ہو جس کا علم صرف بیوی سے ہو سکتا ہے' تو اس بارے میں عورت کا قول معتبر ہوگا' جیسے شوہر نے یہ کہا: اگر تمہیں حیض آیا تو تمہیں طلاق ہے' اور فلاں عورت کو بھی طلاق ہے' یعنی اپنی دوسری بیوی کے بارے میں اس نے یہ الفاظ استعمال کیے۔

پھر عورت نے یہ بات بتائی: مجھے حیض آ گیا ہے' تو یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا عورت کے ذریعے ہی پتہ چل سکتا ہے' تو اس کے نتیجے میں وہ عورت طلاق یافتہ ہو جائے گی' لیکن اس شوہر کی دوسری بیوی طلاق یافتہ نہیں ہوگی' یعنی اس صورت میں جب میاں' بیوی کے درمیان اختلاف ہو' کہ شرط پائی گئی ہے یا نہیں پائی گئی ہے؟ مصنف یہ بیان فرماتے ہیں: قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ یہ طلاق واقع نہ ہو' کیونکہ یہ ایک شرط ہے' تو اس بارے میں عورت کی تصدیق نہیں کی جا سکتی لیکن ہم نے استحسان کے پیش نظر طلاق کے واقع ہو جانے کا حکم جاری کیا ہے۔

اس کے بعد مصنف نے اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے یہ بیان کیا ہے: استحسان کی دلیل یہ ہے: اپنی ذات کے حوالے سے وہ عورت امین ہے' کیونکہ اسے حیض آنے کا علم صرف اسی کے ذریعے ہو سکتا ہے' تو اس بارے میں اس کا قول قبول کیا جائے گا بالکل اسی طرح جیسے عدت کا اور صحبت کرنے میں عورت کا قول قبول کیا جائے گا۔

اس کی وضاحت یہ ہے: عدت کا تعلق کیونکہ حیض کے ساتھ ہوتا ہے' تو اس بارے میں عورت یہ بات واضح کر سکتی ہے' اور بتا سکتی ہے: اس کی عدت پوری ہو چکی ہے؟ یا نہیں ہوئی اور جب وہ یہ بتا دے گی' تو پھر اس کی بات کا اعتبار کیا جائے گا' کیونکہ اس بات کا پتہ صرف اس کی ذات سے چل سکتا ہے۔ صحبت کرنے کا حکم یہ ہے: اگر شوہر بیوی سے صحبت کرنے کا مطالبہ کرتا ہے' اور بیوی جواب میں یہ کہہ دیتی ہے: مجھے حیض آیا ہوا ہے' تو اس بارے میں عورت کا قول معتبر ہوگا۔

اس پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے: اگر اس عورت کو طلاق ہو جاتی ہے' تو پھر اس کی سوکن کو طلاق کیوں نہیں ہوتی ہے۔ تو مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے: اپنی سوکن کے حق میں عورت کی حیثیت امین کی بجائے گواہ کی ہے' اور گواہ بھی ایسا جس پر یہ تہمت لگائی جا سکتی ہے: شاید وہ نقصان پہنچانے کے لئے جھوٹی گواہی دے رہا ہے' اس لئے سوکن کے حق میں اس عورت کی بات کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

جب شوہر ثبوت طلاق کی قسم کھائے

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ جب عورت یہ دعویٰ کرے کہ اسکے شوہر نے طلاق دے دی ہے اور طلاق پر ایک معتبر شخص کو گواہ بھی بنائے تو اس کے خاوند کو قسم دی جائے گی۔ اگر وہ قسم کھائے کہ میں نے طلاق نہیں دی تو اس گواہ کی گواہی باطل ہو جائے گی اور اگر وہ (شوہر) قسم نہ کھائے تو اس کا قسم سے انکار کرنا دوسرے گواہ کے مثل ہوگا اور طلاق موثر ہو جائے گی۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 195)

مختلف شرائط سے طلاق کو مشروط کرنے کے احکام

وَكَذٰلِكَ لَوْ قَالَ :إنْ كُنْت تُحِبِّينَ اَنْ يُعَذِّبَك اللّٰهُ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَاَنْتِ طَالِقٌ وَعَبْدِي حُرٌّ فَقَالَتْ اُحِبُّهَا وْ قَالَ :﴿إنْ كُنْت تُحِبِّينِي فَاَنْتِ طَالِقٌ وَهٰذِهِ مَعَك فَقَالَتْ :اُحِبُّك طَلُقَتْ هِيَ وَلَمْ يُعْتَقْ الْعَبْدُ وَلَا تَطْلُقُ صَاحِبَتُهَا﴾ لِمَا قُلْنَا، وَلَا يُتَيَقَّنُ بِكَذِبِهَا لِاَنَّهَا لِشِدَّةِ بُغْضِهَا اِيَّاهُ قَدْ تُحِبُّ التَّخْلِيصَ مِنْهُ بِالْعَذَابِ، وَفِيْ حَقِّهَا اِنْ تَعَلَّقَ الْحُكْمُ بِاِخْبَارِهَا وَاِنْ كَانَتْ كَاذِبَةً، فَفِيْ حَقِّ غَيْرِهَا بَقِيَ الْحُكْمُ عَلَى الْاَصْلِ وَهِيَ الْمَحَبَّةُ﴿وَاِذَا قَالَ لَهَا :اِذَا حِضْت فَاَنْتِ طَالِقٌ فَرَاَتْ الدَّمَ لَمْ يَقَعْ الطَّلَاقُ حَتّٰى يَسْتَمِرَّ بِهَا ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ﴾ لِاَنَّ مَا يَنْقَطِعُ دُوْنَهَا لَا يَكُوْنُ حَيْضًا ﴿فَاِذَا تَمَّتْ ثَلَاثَةُ اَيَّامٍ حَكَمْنَا بِالطَّلَاقِ مِنْ حِينِ حَاضَتْ﴾ لِاَنَّهُ بِالِامْتِدَادِ عُرِفَ اَنَّهُ مِنْ الرَّحِمِ فَكَانَ حَيْضًا مِنْ الِابْتِدَاءِ ﴿وَلَوْ قَالَ لَهَا :اِذَا حِضْت حَيْضَةً فَاَنْتِ طَالِقٌ لَمْ تَطْلُقْ حَتّٰى تَطْهُرَ مِنْ حَيْضَتِهَا﴾ لِاَنَّ الْحَيْضَةَ بِالْهَاءِ هِيَ الْكَامِلَةُ مِنْهَا، وَلِهٰذَا حُمِلَ عَلَيْهِ فِيْ حَدِيثِ الِاسْتِبْرَاءِ (١) وَكَمَالُهَا بِانْتِهَائِهَا وَذٰلِكَ بِالطُّهْرِ ﴿وَاِذَا قَالَ :اَنْتِ طَالِقٌ اِذَا صُمْت يَوْمًا طَلُقَتْ حِينَ تَغِيبَ الشَّمْسُ فِي الْيَوْمِ الَّذِي تَصُومُ﴾ لِاَنَّ الْيَوْمَ اِذَا قُرِنَ بِفِعْلٍ مُمْتَدٍّ يُرَادُ بِهِ بَيَاضُ النَّهَارِ، بِخِلَافِ مَا اِذَا قَالَ اِذَا صُمْت لِاَنَّهُ لَمْ يُقَدِّرْهُ بِمِعْيَارٍ وَقَدْ وُجِدَ الصَّوْمُ بِرُكْنِهِ وَشَرْطِهِ .

ترجمہ

اور اسی طرح اگر مرد نے یہ کہا: اگر تمہیں یہ بات پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں جہنم کی آگ میں عذاب دے تو تمہیں طلاق ہے اور

میرا غلام آزاد ہوگا اور عورت یہ کہہ دے: مجھے یہ بات پسند ہے۔ یا مرد نے یہ کہا: اگر تم مجھ سے محبت کرتی ہو تو تمہیں طلاق ہے اور یہ (میری دوسری بیوی) بھی تمہارے ساتھ ہے اور عورت یہ کہہ دے: میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ تو اس عورت کو طلاق ہو جائے گی' لیکن وہ غلام آزاد نہیں ہوگا اور اس عورت کی سوکن کو طلاق نہیں ہوگی اور اس کے جھوٹ ہونے کا یقین بھی نہیں ہے' کیونکہ ہوسکتا ہے' وہ مرد سے شدید نفرت کرتی ہو اور یہ بات پسند کرتی ہو کہ عذاب کے بدلے میں ہی سہی' اسے مرد سے نجات مل جائے۔ لیکن اس عورت کے حق میں یہ حکم اس کے اطلاع دینے سے متعلق ہوگا۔ اگرچہ وہ جھوٹی ہو' لیکن اس عورت کے علاوہ کے حق میں حکم اپنی اصل پر برقرار رہے گا' اور وہ محبت ہے۔ جب شوہر نے بیوی سے یہ کہا: ''جب تمہیں حیض آ جائے' تو تمہیں طلاق ہے'' اور پھر وہ عورت خون دیکھ لے تو طلاق واقع نہیں ہوگی جب تک مسلسل تین دن تک خون جاری نہ رہے' اس کی دلیل یہ ہے: جو اس سے پہلے منقطع ہو جائے وہ (شرعی طور پر) حیض شمار نہیں ہوگا۔

جب تین دن پورے ہو جائیں تو ہم اس وقت سے طلاق کا حکم دیں گے' جب اس عورت کو حیض آیا تھا کیونکہ یہ مدت گزرنے کے بعد یہ بات پتہ چل گئی کہ یہ (خون) رحم سے نکلا ہے اس لیے یہ آغاز سے ہی حیض شمار ہوگا۔ اگر شوہر نے عورت سے یہ کہا: ''جب تمہیں ایک حیض آ جائے' تو تمہیں طلاق ہے'' تو عورت کو اس وقت تک طلاق نہیں ہوگی جب تک وہ اس حیض سے پاک نہ ہو جائے اس کی دلیل یہ ہے: لفظ ''حیضۃ'' میں موجود ''ۃ'' اس کے مکمل ہونے (کے مفہوم پر دلالت کرتی ہے) لہٰذا استبراء سے متعلق حدیث کو اسی مفہوم پر محمول کیا جائے گا' اور یہ چیز طہر سے حاصل ہوگی۔

جب مرد نے یہ کہا ''جس دن تم نے روزہ رکھا تمہیں طلاق ہے'' تو جس دن عورت نے روزہ رکھا ہو' اس دن سورج غروب ہونے کے ساتھ ہی عورت کو طلاق ہو جائے گی اس کی دلیل یہ ہے: جب لفظ یوم کو ایسے فعل کے ساتھ متصل کیا جائے جو لمبا ہو' تو اس سے مراد دن کی سفیدی ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف جب شوہر نے بیوی سے یہ کہا: ''جب تم نے روزہ رکھا'' (تو اس کا حکم مختلف ہوگا)۔ اس کی دلیل یہ ہے: مرد نے کوئی ایسی چیز مقرر نہیں کی جو معیار ہو اور روزہ اپنے رکن اور شرط کے ہمراہ پایا جا رہا ہے۔

حدیث استبراء سے فقہی استدلال کا بیان

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ مرفوع روایت طور پر نقل کرتے ہیں اوطاس کے قیدیوں کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) روی من حدیث أبی سعید الخدری و حدیث رویفع و حدیث علی رضی اللہ عنہم۔ فحدیث الخدری أخرجہ أبو داود فی "سننہ" برقم (۲۱۵۷) والحاکم "فی المستدرک" ۲/ ۱۹۵ علی شرط مسلم و سکت عنہ الذھبی وأخرجہ أحمد فی "المسند" ۶۲/۳ والدارمی فی "سننہ" ۱۷۰/۲ وأوطاس: موضع علی ثلاث مراحل من مکۃ فیھا و معہ للنبی ﷺ، ولفظہ: "لا توطأ حامل حتی تضع ولا غیر ذات حمل حتی تحیض" قال ذلک فی سبایا أوطاس و حدیث رویفع أخرجہ احمد فی "المسند" ۱۰۸/۴ والترمذی فی "جامعہ" برقم (۱۱۳۱) وأبو داود فی "سننہ" برقم (۲۱۵۸) قال: قال رسول اللہ ﷺ یوم حنین: لا یحل لامریء مومن باللہ والیوم الآخر أن یسقی ماء ہ زرع غیرہ۔ و لا یحل لا مریء یومن باللہ والیوم الآخر أن یقع علی امرأۃ من السبی حتی یستبرئھا ...... الحدیث ۔ والاستبراء: طلب براء ۃ الرحم من الحمل۔ و حدیث علی أخرجہ ابن أبی شیبۃ فی "مصنفہ" کما فی "نصب الرایۃ" ۲۳۴/۳۔

نے یہ حکم دیا تھا کہ حاملہ عورت جب تک بچے کو جنم نہ دے اس کے ساتھ صحبت نہ کی جائے اور جو عورت حاملہ نہ ہو اس کے ساتھ اس وقت تک صحبت نہ کی جائے جب تک اس کو ایک مرتبہ حیض نہ آ جائے۔ (سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 151)

دلالت نظر کا دلالت بداہت کی طرح ہونے کا بیان

یہ تو ضابطہ ہے کہ اگر کسی چیز کو کسی شرط پر معلق کر دے تو شرط پائے جانے پر اس شئی (مشروط) کا وجود ہو جائے گا جیسے اگر سورج نکل جائے تو روشنی ہوگی اب جیسے سورج نکلے گا تو روشنی خود بخود ہو جائے گی۔

اسی طرح طلاق کے باب میں بھی کوئی شخص طلاق کو کسی شرط پر معلق کر دے تو اس شرط کے پائے جاتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی جیسے کسی نے اجنبی عورت سے کہا، اگر تجھ سے میرا نکاح ہوا تو تجھے طلاق ہے، چند دنوں بعد دونوں میں نکاح ہوا تو نکاح ہوتے ہی طلاق فوراً واقع ہو جائے گی۔ ایسے ہی نکاح کے بعد شوہر نے اپنی بیوی سے کہا اگر تو فلاں کام کرے گی تو تجھے طلاق ہے اب اگر اس کی بیوی وہ کام کر لے تو وہ طلاق واقع ہو جائے گی ورنہ نہیں۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر مرد بیوی سے یہ کہتا ہے۔ ''اگر تم اس بات کو پسند کرتی ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں جہنم میں عذاب دے' تو تمہیں طلاق ہے' اور میرا غلام آزاد ہے''۔ اور اس کے جواب میں عورت یہ کہہ دیتی ہے: مجھے یہ بات پسند ہے' تو سوال یہ ہے: کیا اسے طلاق ہو جائے گی؟ ایک مسئلہ یہ ہے: مرد یہ کہتا ہے: اگر تم مجھ سے محبت کرتی ہو' تو تمہیں بھی طلاق ہے' اور تمہارے ساتھ میری دوسری بیوی کو بھی طلاق ہے' تو عورت یہ کہتی ہے: میں تم سے محبت کرتی ہوں تو اس کا حکم کیا ہوگا؟

مصنف فرماتے ہیں: ان دونوں صورتوں میں اس عورت کو طلاق ہو جائے گی' لیکن پہلی صورت میں غلام آزاد نہیں ہوگا اور دوسری صورت میں اس عورت کی سوکن کو طلاق نہیں ہوگی۔

یہاں بھی یہی مسئلہ ہے: عذاب کو پسند کرنا یا نہ کرنا' شوہر سے محبت ہونا یا نہ ہونا' اس بات کا پتہ صرف عورت کے ذریعے چل سکتا ہے' لیکن وہ عورت کیونکہ صرف اپنی ذات کے بارے میں امین ہے' لہٰذا اس کی اپنی ذات کے بارے میں اس کی بات کو قبول کیا جائے گا' اور کیونکہ وہ دوسروں کے حق میں گواہ ہوتی ہے' اور گواہ بھی ایسی جس پر تہمت لگائی جا سکتی ہے' تو اس بارے میں اس کا قول معتبر نہیں ہوگا اس کی دلیل مصنف پہلے بیان کر چکے ہیں۔

یہاں یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے: کوئی بھی مسلمان جہنم میں عذاب کو پسند نہیں کرے گا' تو ہو سکتا ہے: بیوی جھوٹ بول رہی ہو مصنف یہ فرماتے ہیں: یہاں بیوی کا جھوٹ بولنا یقینی نہیں ہے' کیونکہ اس بات کا امکان موجود ہے کہ وہ شوہر کو اتنا زیادہ ناپسند کرتی ہو کہ اگر اسے عذاب کے عوض میں بھی شوہر سے نجات مل سکتی ہو' تو وہ اسے بھی قبول کر لے۔

دوسری دلیل یہ ہے: عورت کا یہ حق ہے' حکم کا تعلق اس کے اطلاع دینے کے ساتھ ہے' اس بارے میں اس کی اطلاع

کو درست تسلیم کیا جائے گا خواہ وہ جھوٹ بول رہی ہو۔ یہی دلیل ہے: اس کی اپنی ذات کے علاوہ دوسرے کے حق میں اس کی اطلاع کو قبول نہیں کیا جاتا اور حکم اپنی اصل پر برقرار رہتا ہے۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر شوہر نے بیوی سے یہ کہا ہو: جب تمہیں حیض آ جائے' تو تمہیں طلاق ہے' اور پھر عورت خون دیکھ لے' تو اسے طلاق اس وقت تک واقع نہیں ہوگی' جب تک خون کی آمد لگاتار تین دن تک جاری نہ رہے۔

اس کی دلیل مصنف نے یہ بیان کی ہے: حیض کی کم از کم شرعی مدت تین دن ہوتی ہے' تین دن سے کم جو خون آتا ہے اسے شرعی طور پر حیض قرار نہیں دیا جاسکتا لہٰذا اگر تین دن سے پہلے خون کی آمد منقطع ہوگئی تو حیض نہیں ہوگا اور عورت کو طلاق نہیں ہوگی۔

لیکن اگر تین دن مکمل ہو جاتے ہیں' تو پھر ہم اس وقت طلاق واقع ہو جانے کا حکم جاری کریں گے جب اس عورت نے پہلی مرتبہ خون دیکھا تھا کیونکہ حیض کا آغاز تو وہیں سے ہوا تھا تین دن گزرنے کے بعد حیض ہونے کا یقین ہوا ہے۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر شوہر بیوی سے یہ کہے: جب تمہیں ایک حیض آئے تو تمہیں طلاق ہے تو عورت کو طلاق اس وقت تک نہیں ہوگی جب تک وہ پورا حیض نہیں گزار لیتی اور حیض گزارنے کے بعد پاک نہیں ہو جاتی۔

اس کی دلیل یہ ہے: عبارت میں لفظ حیضۃ میں "ۃ" سے مراد ایک مکمل حیض ہے۔

یہی دلیل ہے: استبراء سے متعلق حدیث میں اس لفظ کو اسی معنی پر محمول کیا گیا ہے' اور یہ مکمل اس وقت ہوگا جب یہ ختم ہو جائے اور یہ ختم اس وقت ہوتا ہے جب عورت پاک ہو جائے۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر شوہر بیوی سے یہ کہے: جب تم ایک دن روزہ رکھو' تو تمہیں طلاق ہے' تو اس کے نتیجے میں عورت کو طلاق اس وقت ہوگی جب اس دن کا سورج غروب ہوگا' جس دن عورت نے روزہ رکھا تھا۔

اس کی دلیل یہ ہے: جب لفظ دن کو کسی ایسے فعل کے ساتھ ذکر کیا جائے جو پھیلا ہوا ہو' تو اس سے مراد صرف دن کی سفیدی ہوتی ہے۔

لیکن اگر شوہر نے یہ کہا ہو: جب تم روزہ رکھو تو تمہیں طلاق ہے' تو اس کا حکم مختلف ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے: یہاں پر شوہر نے کوئی معیار مقرر نہیں کیا تو لہٰذا جیسے ہی عورت روزہ رکھے گی اسے طلاق ہو جائے گی اور روزہ محض اپنے رکن اور شرط کے ہمراہ پایا جائے گا' یعنی اس کی شرط یہ ہے: عورت نے یہ روزہ رکھنے کی نیت کی ہو اور دوسری شرط یہ ہے: وہ حیض اور نفاس سے پاک ہوگئی ہے' کیونکہ حیض اور نفاس کے عالم میں روزہ نہیں رکھا جاسکتا اور اس کا رکن یہ ہے: وہ کھانے' پینے اور صحبت کرنے سے رک جائے' یہاں سورج غروب ہونے تک کا انتظار کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔

بچے کی پیدائش کے ساتھ طلاق کو مشروط کرنے کا بیان

﴿وَمَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ إِذَا وَلَدْتِ غُلَامًا فَأَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَإِذَا وَلَدْتِ جَارِيَةً فَأَنْتِ طَالِقٌ ثِنْتَيْنِ فَوَلَدَتْ غُلَامًا وَجَارِيَةً وَلَا يَدْرِي أَيُّهُمَا أَوَّلُ لَزِمَهُ فِي الْقَضَاءِ تَطْلِيقَةٌ، وَفِي التَّنَزُّهِ تَطْلِيقَتَانِ وَانْقَضَتْ الْعِدَّةُ بِوَضْعِ الْحَمْلِ﴾ لِأَنَّهَا لَوْ وَلَدَتْ الْغُلَامَ أَوَّلًا وَقَعَتْ وَاحِدَةٌ وَتَنْقَضِي عِدَّتُهَا بِوَضْعِ الْجَارِيَةِ ثُمَّ لَا تَقَعُ أُخْرَى بِهِ لِأَنَّهُ حَالُ انْقِضَاءِ الْعِدَّةِ، وَلَوْ وَلَدَتْ الْجَارِيَةَ أَوَّلًا وَقَعَتْ تَطْلِيقَتَانِ وَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا بِوَضْعِ الْغُلَامِ ثُمَّ لَا يَقَعُ شَيْءٌ آخَرُ بِهِ لِمَا ذَكَرْنَا أَنَّهُ حَالُ انْقِضَاءِ الْعِدَّةِ، فَإِذًا فِي حَالٍ تَقَعُ وَاحِدَةٌ وَفِي حَالٍ تَقَعُ ثِنْتَانِ فَلَا تَقَعُ الثَّانِيَةُ بِالشَّكِّ وَالِاحْتِمَالِ، وَالْأَوْلَى أَنْ يُؤْخَذَ بِالثِّنْتَيْنِ تَنَزُّهًا وَاحْتِيَاطًا، وَالْعِدَّةُ مُنْقَضِيَةٌ بِيَقِينٍ لِمَا بَيَّنَّا۔

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے بیوی سے یہ کہا "اگر تم نے لڑکے کو جنم دیا تو تمہیں ایک طلاق ہے اور اگر لڑکی کو جنم دیا تو تمہیں دو طلاقیں ہیں" پھر وہ عورت ایک لڑکے اور ایک لڑکی کو جنم دے اور یہ پتہ نہ چل سکے کہ دونوں میں سے پہلے کس کی پیدائش ہوئی ہے؟ تو قضاء کے اعتبار سے عورت کو ایک طلاق ہوگی اور احتیاط کے پیش نظر دو طلاقیں ہوں گی (اور دوسرے بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی) عورت کی عدت ختم ہو جائے گی۔ اس کی دلیل یہ ہے: اگر اس نے پہلے لڑکے کو جنم دیا ہو تو ایک طلاق واقع ہو جائے گی اور لڑکی کی پیدائش کے ساتھ ہی اس کی عدت ختم ہو جائے گی اس لیے دوسری طلاق واقع ہی نہیں ہوگی اس کی دلیل یہ ہے: وہ ایک ایسا وقت ہے جب عدت ختم ہو چکی ہے۔ اگر اس نے پہلے لڑکی کو جنم دیا ہو تو دو طلاقیں واقع ہوں گی اور لڑکے کی پیدائش کے ساتھ ہی اس عورت کی عدت ختم ہو جائے گی اس لیے مزید کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں یہ وہ وقت ہے جب عدت ختم ہو چکی ہے۔ جب ایک حالت میں ایک طلاق واقع ہو رہی ہے اور دوسری حالت میں دو طلاقیں واقع ہو رہی ہیں تو محض شک اور احتمال کی دلیل سے دوسری طلاق واقع نہیں ہوگی۔ تاہم زیادہ بہتر یہ ہے: ہم تقویٰ اور احتیاط کو پیش نظر رکھیں (اور دوسری طلاق کو واقع تسلیم کریں) البتہ عدت یقینی طور پر ختم ہو جائے گی اس کی دلیل ہم بیان کر چکے ہیں۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ جو کچھ تیرے شکم میں ہے اگر لڑکا ہے تو تجھ کو ایک طلاق اور لڑکی ہے تو دو، اور لڑکا لڑکی دونوں پیدا ہوئے تو کچھ نہیں۔ یونہی اگر کہا کہ بوری میں جو کچھ ہے اگر گیہوں ہیں تو تجھے

طلاق یا آٹا ہے تو تجھے طلاق، اور بوری میں گیہوں اور آٹا دونوں ہیں تو کچھ نہیں اور یوں کہا کہ اگر تیرے پیٹ میں لڑکا ہے تو ایک طلاق اور لڑکی تو دو اور دونوں ہوئے تو تین طلاقیں ہوئیں۔ (درمختار، کتاب طلاق)

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے عورت سے کہا اگر تیرے بچہ پیدا ہو تو تجھ کو طلاق، اب عورت کہتی ہے میرے بچہ پیدا ہوا اور شوہر تکذیب کرتا ہے اور حمل ظاہر نہ تھا نہ شوہر نے حمل کا اقرار کیا تھا تو صرف جنائی کی شہادت پر حکم طلاق نہ دینگے۔ اور اگر یہ کہا کہ اگر تو بچہ جنے تو طلاق ہے اور مُردہ بچہ پیدا ہوا طلاق ہوگئی اور کچا بچہ جنی اور بعض اعضا بن چکے تھے جب بھی طلاق ہوگئی ورنہ نہیں۔ (جوہرہ نیرہ، کتاب طلاق)

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے عورت سے کہا اگر تو بچہ جنے تو تجھ کو طلاق، پھر کہا اگر تو اُسے لڑکا جنے تو دو طلاقیں، اور لڑکا ہوا تو تین واقع ہوگئیں۔ اور اگر یوں کہا کہ تو اگر بچہ جنے تو تجھ کو دو طلاقیں، پھر کہا وہ بچہ کہ تیرے شکم میں ہے لڑکا ہو تو تجھ کو طلاق، اور لڑکا ہوا تو ایک ہی طلاق ہوگی اور بچہ پیدا ہوتے ہی عدت بھی گزر جائے گی۔ (عالم گیری، کتاب طلاق)

شرط کے ملکیت میں یا ملکیت سے باہر پائے جانے کا حکم

﴿وَاِنْ قَالَ لَهَا اِنْ كَلَّمْتِ اَبَا عَمْرٍو وَاَبَا يُوْسُفَ فَاَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا ثُمَّ طَلَّقَهَا وَاحِدَةً فَبَانَتْ وَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا فَكَلَّمَتْ اَبَا عَمْرٍو ثُمَّ تَزَوَّجَهَا فَكَلَّمَتْ اَبَا يُوْسُفَ فَهِيَ طَالِقٌ ثَلَاثًا مَعَ الْوَاحِدَةِ الْاُوْلٰى﴾ وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللّٰهُ: لَا يَقَعُ، وَهٰذِهِ عَلٰى وُجُوْهٍ: ﴿اَمَّا اِنْ وُجِدَ الشَّرْطَانِ فِي الْمِلْكِ فَيَقَعُ الطَّلَاقُ وَهٰذَا ظَاهِرٌ، اَوْ وُجِدَا فِيْ غَيْرِ الْمِلْكِ فَلَا يَقَعُ، اَوْ وُجِدَ الْاَوَّلُ فِي الْمِلْكِ وَالثَّانِيْ فِيْ غَيْرِ الْمِلْكِ فَلَا يَقَعُ اَيْضًا لِاَنَّ الْجَزَاءَ لَا يَنْزِلُ فِيْ غَيْرِ الْمِلْكِ فَلَا يَقَعُ﴾ اَوْ وُجِدَ الْاَوَّلُ فِيْ غَيْرِ الْمِلْكِ وَالثَّانِيْ فِي الْمِلْكِ وَهِيَ مَسْاَلَةُ الْكِتَابِ الْخِلَافِيَّةُ. لَهٗ اعْتِبَارُ الْاَوَّلِ بِالثَّانِيْ اِذْ هُمَا فِيْ حُكْمِ الطَّلَاقِ كَشَيْءٍ وَاحِدٍ.

وَلَنَا اَنَّ صِحَّةَ الْكَلَامِ بِاَهْلِيَّةِ الْمُتَكَلِّمِ، اِلَّا اَنَّ الْمِلْكَ يُشْتَرَطُ حَالَةَ التَّعْلِيْقِ لِيَصِيْرَ الْجَزَاءُ غَالِبَ الْوُجُوْدِ لِاسْتِصْحَابِ الْحَالِ فَتَصِحُّ الْيَمِيْنُ وَعِنْدَ تَمَامِ الشَّرْطِ لِيَنْزِلَ الْجَزَاءُ لِاَنَّهٗ لَا يَنْزِلُ اِلَّا فِي الْمِلْكِ، وَفِيْمَا بَيْنَ ذٰلِكَ الْحَالُ حَالُ بَقَاءِ الْيَمِيْنِ فَيَسْتَغْنِيْ عَنْ قِيَامِ الْمِلْكِ اِذْ بَقَاؤُهٗ بِمَحَلِّهٖ وَهُوَ الذِّمَّةُ.

ترجمہ

اور اگر شوہر نے بیوی سے یہ کہا: ''اگر تم نے ابو عمرو اور ابو یوسف کے ساتھ بات کی تو تمہیں تین طلاقیں ہیں پھر اس کے بعد

شوہر (کسی اور دلیل سے) عورت کو ایک طلاق دیدے' وہ بائنہ ہو جائے اور اس کی عدت بھی پوری ہو جائے پھر وہ عورت ابوعمرو کے ساتھ کلام کرے' پھر اس کا شوہر اس عورت سے دوبارہ شادی کر لے پھر وہ عورت ابویوسف کے ساتھ بات کر لے' تو اس عورت کو پہلے والی ایک طلاق سمیت تین طلاقیں ہو جائیں گی۔ امام زفر یہ فرماتے ہیں: وہ طلاقیں واقع نہیں ہوں گی۔ اس مسئلے کی چند صورتیں ہیں۔ اگر دونوں شرائط ملکیت (یعنی نکاح کی حالت) میں پائی جائیں' تو طلاق ہو جائے گی' اور یہ بات ظاہر ہے' یا یہ دونوں ملکیت سے باہر پائی جائیں تو واقع نہیں ہوں گی۔ یا ان میں سے پہلی ملکیت میں پائی جائے' اور دوسری ملکیت سے باہر پائی جائے' تو بھی طلاق واقع نہیں ہوگی اس کی دلیل یہ ہے: جزاء ملکیت سے باہر موثر نہیں ہوتی۔ یا ان میں سے پہلی شرط ملکیت سے باہر پائی جائے اور دوسری شرط ملکیت میں پائی جائے' یہ کتاب میں مذکور مسئلہ ہے' جس کے بارے میں اختلاف پایا جاتا امام زفر کی دلیل یہ ہے: وہ پہلی صورت کو دوسری صورت پر قیاس کرتے ہیں' کیونکہ طلاق کے حکم کے حوالے سے یہ دونوں ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں۔

ہماری دلیل یہ ہے: متکلم کی اہلیت کی بنیاد پر کلام درست شمار ہوتا ہے البتہ تعلیق کی صورت میں ملکیت مشروط ہو جاتی ہے تاکہ جزاء کا وجود غالب ہو اس کی دلیل' استصحاب حال ہے' لہٰذا یہ یمین (مشروط کرنا) درست ہوگا اور شرط پوری ہونے کے وقت جزاء ثابت ہو جائے گی' کیونکہ جزاء ملکیت میں ثابت ہوئی ہے اور اس کے درمیان کی حالت ایسی حالت ہے جس میں یمین باقی ہے' لہٰذا وہ ملکیت کے قیام سے بے نیاز ہوگی' کیونکہ اس کی بقاء کا تعلق اس کے محل کے ساتھ ہے اور وہ (محل) ذمہ ہے۔

دونوں شرائط ملکیت کے پائے جانے کی صورتوں کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر شوہر بیوی سے یہ کہتا ہے: اگر تم نے ابوعمرو اور ابویوسف سے بات کی تو تمہیں تین طلاقیں ہیں۔ اس کے بعد شوہر بیوی کو ایک طلاق دیدیتا ہے' اور وہ بائنہ ہو جاتی ہے اس کی عدت بھی پوری ہو جاتی ہے' عدت پوری ہونے کے بعد وہ ابوعمرو سے بات کرتی ہے' پھر اس کے بعد شوہر اس سے دوبارہ شادی کر لیتا ہے' پھر وہ ابویوسف سے بھی بات کر لیتی ہے' تو اب عورت کو تین طلاقیں ہو جائیں گی' شوہر نے جو پہلے ایک طلاق دی تھی اس سمیت' یعنی ان تین طلاقوں میں سے دو ہو جائیں گی اور پہلے والی ایک ہو جائے گی۔

امام زفر یہ فرماتے ہیں: ایسی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اس کے بعد مصنف نے اس مسئلے کی مزید وضاحت کی ہے۔ مصنف فرماتے ہیں یا تو دونوں شرائط شوہر کی ملکیت میں پائی جائیں گی' یعنی ایسے عالم میں پائی جائیں گی جب شوہر کو بیوی کو طلاق دینے کا حق ہو' تو اس صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی اور اس میں کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں ہے۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے: وہ دونوں شرائط ایسی صورت میں پائی جائیں کہ جب شوہر طلاق دینے کا مالک نہیں تھا تو اس کے نتیجے میں طلاق واقع نہیں ہوگی' کیونکہ وہ شخص طلاق دینے کا مالک ہی نہیں ہے۔

تیسری صورت یہ ہو سکتی ہے: پہلی شرط اس وقت پائی گئی تھی جب شوہر طلاق دینے کا مالک تھا اور دوسری شرط اس

وقت پائی گئی جب شوہر طلاق دینے کا مالک نہیں تھا تو اس صورت میں بھی طلاق واقع نہیں ہوگی' کیونکہ شرط مکمل طور پر نہیں پائی گئی۔ چوتھی صورت یہ ہے: پہلی شرط ملکیت کے علاوہ پائی گئی اور دوسری شرط ملکیت میں پائی گئی تو اصل میں کتاب میں اسی مسئلے کے بارے میں اختلاف مذکور ہے۔

امام زفر نے اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: اس مسئلے کو اس صورت پر قیاس کیا جائے گا: جب پہلی شرط شوہر کی ملکیت میں پائی گئی تھی اور دوسری شرط شوہر کی ملکیت کے باہر پائی گئی ہے' تو چونکہ مکمل شرط ملکیت میں پائی نہیں گئی تو یہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اس کے جواب میں احناف یہ کہتے ہیں: کلام کی درستگی کا مدار کلام کرنے والے شخص کی اہلیت پر ہوتا ہے اور مذکورہ بالا مسئلے میں کیونکہ شوہر عاقل اور بالغ ہے اس لئے وہ کلام کے ذریعے تصرف کرنے کا اہل بھی ہے۔ تو اس نے جو تعلیق بیان کی ہے وہ درست ہوگی۔ اس پر یہ سوال کیا جاسکتا ہے: اگر شوہر کا کلام درست ہے اور یمین بننے کے لئے کافی ہے' تو آپ تعلیق کے وقت ملکیت کو شرط کیوں قرار دیتے ہیں؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے: تعلیق کی حالت میں ملکیت کو شرط قرار دینے کی دلیل استصحاب حال ہے جس کی بدولت تعلیق کی جزا کے موجود ہونے کا امکان غالب ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے: جس وقت شرط پوری ہوتی ہے اس وقت ملکیت کی بقا کو شرط کیوں قرار دیا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے: شرط کے پائے جانے کے ساتھ ہی جزا بھی پائی جاتی ہے اور جزا کی موجودگی کے لئے ملکیت کا ہونا ضروری ہے کیونکہ جزا ملکیت کے علاوہ نہیں پائی جاسکتی تو اس کا لازمی یہ نتیجہ نکلے گا کہ شرط کے آغاز میں اور اس کے اختتام پر' دونوں کی درمیانی حالت میں ملکیت موجود ہونی چاہئے۔

خاوند کے مال میں تصرف زوجہ پر فقہی مذاہب اربعہ

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ جمہور کے قول کے مطابق عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مال میں جو چاہے تصرف کرے، لیکن شرط یہ ہے کہ اگر وہ عقل ودانش والی ہو۔ " عقل ودانش والی عورت کو اپنے سارے مال میں تصرف کا حق حاصل ہے، چاہے وہ اسے اللہ کی راہ میں خرچ کردے یا عوض میں دے، امام احمد رحمہ اللہ سے ایک روایت یہی ہے اور امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ اور امام شافعی اور ابن منذر رحمہم اللہ کا مسلک بھی یہی ہے۔ (المغنی (4 / (299)

لیکن اس کا اپنے خاوند کے ساتھ یہ بھی حسن معاشرت میں شامل ہوتا ہے کہ وہ اس کے متعلق اپنے خاوند کو بتا دے، اگر بیوی صلہ رحمی کرنا چاہتی ہے اور خاوند اسے ناپسند کرتا ہے تو پھر بیوی اسے خفیہ طور پر کرلے۔ اور اگر خاوند طلاق کی قسم اٹھائے کہ وہ اپنی بہن کو کچھ نہ دے جیسا کہ سوال میں ذکر ہوا ہے تو یہ مستقبل میں کچھ دینے سے تعلق رکھتا ہے، لیکن اگر قسم سے قبل کچھ دیا گیا ہے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔ طلاق کی قسم اٹھانے کے مسئلہ میں اہل علم کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے:

جمہور اہل علم کے ہاں قسم والی چیز واقع ہونے پر طلاق ہو جائیگی، اس لیے اگر بیوی نے اپنی بہن کو رقم دی تو اسے طلاق

واقع ہو جائے گی۔(المغنی (7 / . (372)

شرط کا بعض حصہ ملکیت میں اور بعض ملکیت سے باہر پائے جانے کا حکم

﴿وَاِنْ قَالَ لَهَا اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا فَطَلَّقَهَا ثِنْتَيْنِ وَتَزَوَّجَتْ زَوْجًا اٰخَرَ وَدَخَلَ بِهَا ثُمَّ عَادَتْ اِلَى الْاَوَّلِ فَدَخَلَتْ الدَّارَ طَلُقَتْ ثَلَاثًا عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَاَبِىْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى. وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ :هِيَ طَالِقٌ مَا بَقِيَ مِنَ الطَّلَاقِ﴾ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ .وَاَصْلُهُ اَنَّ الزَّوْجَ الثَّانِيَ يَهْدِمُ مَا دُوْنَ الثَّلَاثِ عِنْدَهُمَا فَتَعُوْدُ اِلَيْهِ بِالثَّلَاثِ .وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ وَزُفَرَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى لَا يَهْدِمُ مَا دُوْنَ الثَّلَاثِ فَتَعُوْدُ اِلَيْهِ مَا بَقِيَ، وَسَنُبَيِّنُ مِنْ بَعْدُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿وَاِنْ قَالَ لَهَا اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ لَهَا :اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا فَتَزَوَّجَتْ غَيْرَهُ وَدَخَلَ بِهَا ثُمَّ رَجَعَتْ اِلَى الْاَوَّلِ فَدَخَلَتْ الدَّارَ لَمْ يَقَعْ شَيْءٌ﴾ وَقَالَ زُفَرُ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ : يَقَعُ الثَّلَاثُ لِاَنَّ الْجَزَاءَ ثَلَاثٌ مُطْلَقٌ لِاِطْلَاقِ اللَّفْظِ، وَقَدْ بَقِيَ حَتّٰى وُقُوْعِهَا فَتَبْقَى الْيَمِيْنُ .وَلَنَا اَنَّ الْجَزَاءَ طَلَقَاتُ هٰذَا الْمِلْكِ لِاَنَّهَا هِيَ الْمَانِعَةُ لِاَنَّ الظَّاهِرَ عَدَمُ مَا يَحْدُثُ وَالْيَمِيْنُ تُعْقَدُ لِلْمَنْعِ اَوِ الْحَمْلِ، وَاِذَا كَانَ الْجَزَاءُ مَا ذَكَرْنَاهُ وَقَدْ فَاتَ بِتَنْجِيْزِ الثَّلَاثِ الْمُبْطِلِ لِلْمَحَلِّيَّةِ فَلَا تَبْقَى الْيَمِيْنُ، بِخِلَافِ مَا اِذَا اَبَانَهَا لِاَنَّ الْجَزَاءَ بَاقٍ لِبَقَاءِ مَحَلِّهِ

ترجمہ

اور جب شوہر نے بیوی سے یہ کہا: اگر تم گھر میں داخل ہوئی تو تمہیں تین طلاق ہے' پھر اس نے کسی (اور دلیل سے) بیوی کو دو طلاقیں دیدیں پھر اس عورت نے کسی اور شخص کے ساتھ شادی کر لی اس دوسرے شوہر نے اس عورت کے ساتھ صحبت کی (پھر اس عورت کو طلاق ہو گئی یا وہ بیوہ ہو گئی) اور پھر اس کی شادی پہلے شوہر کے ساتھ ہو گئی (اور اس کے بعد) وہ گھر میں داخل ہوئی' تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اسے تین طلاقیں ہو جائیں گی۔امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اسے باقی رہ جانے والی ایک طلاق ہو گی۔امام زفر بھی اس بات کے قائل ہیں۔اصول یہ ہے: شیخین کے نزدیک دوسرا شوہر تین سے کم طلاقوں کو بھی کالعدم کر دیتا ہے۔اس لیے وہ عورت (نئے سرے سے) تین طلاقوں سمیت پہلے والے شوہر کے پاس واپس آئے گی۔امام محمد علیہ الرحمہ اور امام زفر کے نزدیک (دوسرا شوہر) تین سے کم طلاقوں کو کالعدم نہیں کرتا' اس لیے وہ عورت باقی رہ جانے والی طلاقوں سمیت' پہلے شوہر

کے پاس واپس جائے گی۔ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا' تو ہم اسے آگے چل کر واضح طور پر بیان کریں گے۔ اگر شوہر نے بیوی سے یہ کہا: اگر تم گھر میں داخل ہوئی' تو تمہیں تین طلاق ہے۔ پھر اس کے بعد اس نے بیوی سے کہا (کسی اور دلیل سے) تمہیں تین طلاقیں ہیں۔ پھر اس عورت نے دوسرے شخص کے ساتھ شادی کر لی۔ اس شخص نے اس عورت کے ساتھ صحبت کر لی (پھر طلاق دیدی) اور پھر وہ عورت پہلے شوہر کے پاس واپس آ گئی اور پھر گھر میں داخل ہوئی' تو کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ امام زفر فرماتے ہیں: تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ اس کی دلیل یہ ہے: جزاء میں تین مطلق طلاقیں ہوں گی' کیونکہ لفظ مطلق ہے اور کیونکہ ان کے واقع ہونے کا احتمال باقی ہے' اس لئے یمین باقی ہوگی۔ ہماری دلیل یہ ہے: جزاء وہ طلاقیں ہیں جو اس ملکیت (پہلی شادی) سے تعلق رکھتی ہیں اور یہی رکاوٹ ہیں' کیونکہ ظاہر یہ ہے: جو ہوگا وہ معلوم ہے اور یمین روکنے یا آمادہ کرنے کے لئے منعقد ہوتی ہے تو جب جزاء وہ ہو' جس کا ہم نے ذکر کیا ہے اور حالت یہ ہو کہ طلاق کے محل کو باطل کرنے والی تین طلاقوں کی فوری موجودگی کی دلیل سے جزاء فوت ہو گئی تو یمین بھی باقی نہیں رہے گی۔ اس کے برخلاف: جب شوہر بیوی کو بائنہ کر دے (تو حکم مختلف ہوگا) کیونکہ محل کی بقاء کی دلیل سے جزاء باقی رہے گی۔

دو شرائط پر معلق طلاق کا فقہی بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے دو شرطوں پر طلاق معلق کی مثلاً جب زید آئے اور جب عمرو آئے یا جب زید وعمرو آئیں تو تجھ کو طلاق ہے تو طلاق اُس وقت واقع ہوگی کہ پچھلی شرط اس کی مِلک میں پائی جائے اگرچہ پہلی اُس وقت پائی گئی کہ عورت ملک میں نہ تھی مثلاً اُسے طلاق دیدی تھی اور عدت گزر چکی تھی اب زید آیا پھر اُس سے نکاح کیا اب عمرو آیا تو طلاق واقع ہوگئی اور دوسری شرط ملک میں نہ ہو تو پہلی اگرچہ ملک میں پائی گئی طلاق نہ ہوئی۔ (درمختار، کتاب طلاق)

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اور جب خاوند نے کہا کہ اگر تو فلاں کے گھر جائے تو تجھ کو طلاق ہے اور وہ شخص مر گیا اور مکان ترکہ میں چھوڑا اب وہاں جانے سے طلاق نہ ہوگی۔ یونہی اگر بیع یا ہبہ یا کسی اور دلیل سے اُس کی مِلک میں مکان نہ رہا جب بھی طلاق نہ ہوگی۔

عورت سے کہا اگر تو بغیر میری اجازت کے گھر سے نکلی تو تجھ پر طلاق پھر سائل نے دروازہ پر سوال کیا شوہر نے عورت سے کہا اُسے روٹی کا ٹکڑا دے آ اگر سائل دروازہ سے اتنے فاصلہ پر ہے کہ بغیر باہر نکلے نہیں دے سکتی تو باہر نکلنے سے طلاق نہ ہوگی اور اگر بغیر باہر نکلے دے سکتی تھی مگر نکلی تو طلاق ہوگئی اور اگر جس وقت شوہر نے عورت کو بھیجا تھا اُس وقت سائل دروازہ سے قریب تھا اور جب عورت وہاں لے کر پہنچی تو ہٹ گیا تھا کہ عورت کو نکل کر دینا پڑا جب بھی طلاق ہوگئی۔ اور اگر عربی میں اجازت دی اور عورت عربی نہ جانتی ہو تو اجازت نہ ہوئی لہٰذا اگر نکلے گی طلاق ہو جائے گی۔ یونہی سوتی تھی یا موجود نہ تھی یا اُس نے سُنا نہیں تو یہ اجازت ناکافی ہے یہاں تک کہ شوہر نے اگر لوگوں کے سامنے کہا کہ میں نے اُسے نکلنے کی اجازت دی مگر یہ نہ کہا کہ اُس سے کہہ دو یا خبر پہنچا دو اور لوگوں نے بطور خود عورت سے جا کر کہا کہ اُس نے اجازت دیدی اور اُن کے کہنے سے عورت

نکلی طلاق ہوگئی۔ اگر عورت نے میکے جانے کی اجازت مانگی شوہر نے اجازت دی مگر عورت اُس وقت نہ گئی کسی اور وقت گئی تو طلاق ہوگئی۔ اواس بچہ کو اگر گھر سے باہر نکلنے دیا تو تجھ کو طلاق ہے، عورت غافل ہوگئی یا نماز پڑھنے لگی اور بچہ نکل بھاگا تو طلاق نہ ہوگی۔ اگر تو اس گھر کے دروازہ سے نکلی تو تجھ پر طلاق، عورت چھت پر سے پڑوس کے مکان میں گئی طلاق نہ ہوئی۔ (عالم گیری، کتاب طلاق)

معلق طلاق کی مختلف صورتوں کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر شوہر بیوی سے یہ کہتا ہے: اگر تم اس گھر میں داخل ہوئی' تو تمہیں تین طلاق ہے' اور پھر اس کے بعد وہ عورت کو دو طلاقیں دیدیتا ہے' پھر وہ عورت دوسری شادی کر لیتی ہے' پھر وہ دوسرا شوہر اس کے ساتھ صحبت کر لیتا ہے' اور اسے طلاق دیدیتا ہے' پھر وہ پہلے شوہر کے ساتھ دوبارہ شادی کر لیتی ہے اس کے بعد وہ اس گھر میں داخل ہوتی ہے' تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس عورت کو تین طلاقیں ہو جائیں گی امام ابو یوسف بھی اس بات کے قائل ہیں۔ امام محمد علیہ الرحمیہ فرماتے ہیں: ایسی صورت میں عورت کو باقی رہ جانے والی ایک طلاق ہوگی۔ امام زفر بھی اس بات کے قائل ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے: دوسرا شوہر تین میں سے باقی رہ جانے والی طلاقوں کو کالعدم کر دیتا ہے' یا نہیں کرتا؟

امام محمد علیہ الرحمہ اور امام زفر کے نزدیک وہ کالعدم نہیں کرتا ہے' لہٰذا بیوی جب اس کے پاس واپس آ جائے گی' تو بقیہ طلاقوں سمیت جائے گی۔ یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر شوہر بیوی سے یہ کہتا ہے: اگر تم اس گھر میں داخل ہوئی' تو تمہیں تین طلاق ہے' پھر وہ بیوی سے یہ کہہ دیتا ہے: تمہیں تین طلاقیں ہیں اس کے بعد وہ عورت دوسری شادی کر لیتی ہے' دوسرا میاں اس کے ساتھ صحبت کر لیتا ہے' پھر اس سے طلاق لے کر وہ دوبارہ پہلے شوہر کے ساتھ شادی کر لیتی ہے' اور پھر اس گھر میں داخل ہو جاتی ہے' تو کوئی بھی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

امام زفر یہ فرماتے ہیں: تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ امام زفر کی دلیل وہی ہے: شوہر نے شرط یہ رکھی تھی کہ عورت گھر میں داخل ہو اور اس کی جزاء یہ ذکر کی تھی: اسے تین طلاقیں ہو جائیں' اب یہ جزاء مطلق ہے اس میں کوئی قید نہیں ہے کہ یہ پہلی ملکیت میں ہو یا دوسری ملکیت میں ہو' لہٰذا وہ عورت جس وقت بھی شوہر کے نکاح میں ہو' جیسے ہی یہ شرط پائی جائے گی' تو اس کی جزاء یعنی تینوں طلاقیں بھی پائی جائیں گی۔

احناف کی دلیل یہ ہے: جزاء مطلق نہیں ہے' بلکہ یہ اس ملکیت نکاح کے ساتھ مقید ہے جو تعلیق کے وقت موجود تھی اور اس سے مراد اسی ملکیت میں تین طلاقیں دینا ہے اس کی دلیل یہ ہے: جزاء ایک ایسی چیز ہوتی ہے جو شرط کی موجودگی میں رکاوٹ ہوتی ہے یہی دلیل ہے: اس مسئلے میں اسی ملکیت کی طلاقیں' شرط کی موجودگی میں رکاوٹ بن رہی ہیں اور دوسرے نکاح کے نتیجے میں حاصل ہونے والی طلاقوں کا یہاں کوئی عمل دخل نہیں ہے اس کی دلیل یہ ہے: وہ تو ابھی حاصل ہی نہیں ہوا ہے' اور وہ گویا معدوم ہے' لہٰذا اصول یہ ہے: جو چیز معدوم ہے اس پر کوئی حکم عائد نہیں کیا جا سکتا' لہٰذا یہ بات ظاہر ہو جائے گی' جزاء کا تعلق اسی ملکیت کے ساتھ مخصوص ہے' لیکن کیونکہ یہاں اس ملکیت میں شوہر نے شرط کے پائے جانے سے پہلے تین طلاقیں دے کر عورت کو اپنی ملکیت سے

خارج کر دیا ہے لہٰذا اب جزاء کا پایا جانا معدوم ہو جائے گا تو جب جزاء کے پائے جانے کا امکان ختم ہو گیا تو اس کے نتیجے میں یمین بھی ختم ہو جائے گی کیونکہ یمین تو اسی وقت باقی رہ سکتی ہے جب تک شرط اور جزاء کے پائے جانے کا امکان موجود ہو۔

اس پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے: آپ نے سابقہ مسئلے میں اس سے مختلف حکم بیان کیا تھا۔ مصنف فرماتے ہیں: اس مسئلے کی نوعیت اس سے مختلف تھی۔ اس کی دلیل یہ ہے: شوہر نے پہلے یہ کہا: اگر تم گھر میں داخل ہوئی تو تمہیں تین طلاق ہے اس کے بعد شوہر نے ایک دو طلاقیں دینے کے بعد عورت کو بائنہ کر دیا اس کے بعد عورت نے دوسرے شخص سے نکاح کر لیا پھر اس سے بھی طلاق لے کر پہلے شوہر کے پاس واپس آ گئی تو اس صورت میں اس پر تین طلاقیں ہی واقع ہوں گی۔

اس کی دلیل یہ ہے: وہاں شوہر نے ایک یا دو طلاقیں فوراً دی تھیں لیکن ان طلاقوں کی دلیل سے محلیت باطل نہیں ہوئی تھی بلکہ باقی تھی اور اس محل کے باقی ہونے کی دلیل سے وہاں جزاء کی موجودگی کا امکان بھی باقی تھا لیکن یہاں اس مسئلے میں محل باطل ہونے کی دلیل سے جزاء بھی باطل ہو جائے گی اس لئے بیوی کو طلاق نہیں ہوگی۔

طلاق کو صحبت کے عمل کے ساتھ مشروط کرنے کا بیان

﴿وَلَوْ قَالَ لِامْرَاَتِهِ : اِذَا جَامَعْتُكِ فَاَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا فَجَامَعَهَا فَلَمَّا الْتَقَى الْخِتَانَانِ طَلُقَتْ ثَلَاثًا، وَاِنْ لَبِثَ سَاعَةً لَمْ يَجِبْ عَلَيْهِ الْمَهْرُ، وَاِنْ اَخْرَجَهُ ثُمَّ اَدْخَلَهُ وَجَبَ عَلَيْهِ الْمَهْرُ﴾ وَكَذَا اِذَا قَالَ لِاَمَتِهِ : اِذَا جَامَعْتُكِ فَاَنْتِ حُرَّةٌ ﴿وَعَنْ اَبِي يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ اَنَّهُ اَوْجَبَ الْمَهْرَ فِي الْفَصْلِ الْاَوَّلِ اَيْضًا لِوُجُوْدِ الْجِمَاعِ بِالدَّوَامِ عَلَيْهِ اِلَّا اَنَّهُ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ الْحَدُّ لِلِاتِّحَادِ﴾ وَجْهُ الظَّاهِرِ اَنَّ الْجِمَاعَ اِدْخَالُ الْفَرْجِ فِي الْفَرْجِ وَلَا دَوَامَ لِلْاِدْخَالِ، بِخِلَافِ مَا اِذَا اَخْرَجَ ثُمَّ اَوْلَجَ لِاَنَّهُ وُجِدَ الْاِدْخَالُ بَعْدَ الطَّلَاقِ اِلَّا اَنَّ الْحَدَّ لَا يَجِبُ بِشُبْهَةِ الِاتِّحَادِ بِالنَّظَرِ اِلَى الْمَجْلِسِ وَالْمَقْصُوْدِ وَاِذَا لَمْ يَجِبِ الْحَدُّ وَجَبَ الْعُقْرُ اِذِ الْوَطْءُ لَا يَخْلُوْ عَنْ اَحَدِهِمَا، وَلَوْ كَانَ الطَّلَاقُ رَجْعِيًّا يَصِيْرُ مُرَاجِعًا بِاللَّبَاثِ عِنْدَ اَبِي يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ لِوُجُوْدِ الْمَسَاسِ، وَلَوْ نَزَعَ ثُمَّ اَوْلَجَ صَارَ مُرَاجِعًا بِالْاِجْمَاعِ لِوُجُوْدِ الْجِمَاعِ، وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

ترجمہ

اور جب شوہر بیوی سے یہ کہے: جب میں نے تمہارے ساتھ صحبت کی تو تمہیں تین طلاقیں ہیں اور پھر وہ اس عورت کے ساتھ صحبت کر لے تو جیسے ہی دونوں کی شرمگاہیں ملیں گی' عورت کو تین طلاقیں ہو جائیں گی' اگر شوہر نے کچھ دیر یہ عمل کیا تو اس پر مہر لازم نہیں ہوگا۔ لیکن اگر اس نے (عورت کی شرمگاہ سے) اپنے آلے کو باہر نکال کر پھر داخل کیا تو اس پر مہر کی ادائیگی لازم ہوگی۔ اسی طرح اگر اس نے اپنی کنیز سے یہ کہا: جب میں تمہارے ساتھ صحبت کروں تو تم آزاد ہو۔ امام ابو یوسف کے بارے میں یہ منقول ہے: وہ پہلی صورت میں بھی مہر کی ادائیگی کو واجب قرار دیتے ہیں' کیونکہ مداومت کے ساتھ صحبت کرنے کا عمل پایا گیا ہے۔ البتہ عمل کے اتحاد کی دلیل سے شوہر پر حد جاری نہیں ہوگی۔ "ظاہر الروایہ" کی دلیل یہ ہے: لفظ "جماع" کا مطلب ایک شرمگاہ کو دوسری شرمگاہ میں داخل کرنا ہے اور داخل کرنے کے لئے دوام نہیں ہوتا اس کے برخلاف جب وہ (مرد اپنے آلے کو) باہر نکال کر پھر داخل کرے (تو حکم مختلف ہوگا) اس کی دلیل یہ ہے: یہاں داخل کرنا طلاق کے بعد پایا گیا ہے۔ البتہ مجلس اور مقصود کے اتحاد کے شبہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے حد واجب نہیں ہوگی اور جب حد واجب نہیں ہوگی' تو مہر واجب ہوگا' کیونکہ حرام وطی دونوں میں سے کسی ایک پر مشتمل ہوتی ہے۔ اگر طلاق رجعی ہو' تو امام ابو یوسف کے نزدیک صحبت کا عمل برقرار رکھنے کے نتیجے میں' شوہر رجوع کرنے والا شمار ہوگا' جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ کی دلیل مختلف ہے' کیونکہ مساس موجود ہے۔ لیکن اگر اس نے (اپنے آلے کو) باہر نکال کر پھر داخل کیا تو اس بات پر اجماع ہے: وہ رجوع کرنے والا شمار ہوگا اس کی دلیل یہ ہے: صحبت کا عمل پایا گیا ہے۔

شرح

وطی پر تین طلاقیں معلق کی تھیں تو حشفہ داخل ہونے سے طلاق ہو جائے گی، اور واجب ہے کہ فوراً جدا ہو جائے۔ (درمختار)

جماع پر تعلیق کی صورت حرمت جماع کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے: اگر میں نے تمہارے ساتھ صحبت کی تو تمہیں تین طلاق ہے' تو جیسے ہی ان دونوں کی شرمگاہیں ایک دوسرے سے ملیں گی یہ شرط پائی جائے گی' تو بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

اب ان تین طلاقوں کے واقع ہونے کے بعد بھی اگر عورت کے ساتھ وہ مرد صحبت کرتا رہتا ہے' تو ایسا کرنا حرام ہوگا' لیکن اس کے نتیجے میں اس شخص پر مزید کوئی تاوان عائد نہیں ہوگا اور اس پر کوئی حد بھی جاری نہیں کی جائے گی۔

لیکن اگر وہ شخص ایک مرتبہ آلۂ تناسل بیوی کی شرمگاہ سے نکالنے کے بعد' دوبارہ اس میں داخل کرتا ہے' تو اسی صورت میں اس پر حد جاری نہیں ہوگی تاہم اسے عورت کو مہر مثل دینا پڑے گا۔

مصنف نے اسی سے ملتا جلتا ایک مسئلہ یہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص اپنی کنیز سے یہ کہے: جب میں نے تمہارے ساتھ

صحبت کی تو تم آزاد ہو تو اب وہ جیسے ہی اس مرد کی شرمگاہ کنیز کی شرمگاہ سے ملے گی تو وہ عورت آزاد ہو جائے گی کیونکہ وہ آزاد عورت کے ساتھ نکاح کے بغیر صحبت نہیں کر سکتا تو اب اگر وہ صحبت کے عمل کو برقرار رکھتا ہے تو وہ حرام کا مرتکب ہوگا لیکن اس پر حد جاری نہیں ہوگی اور اس پر مہر مثل کی ادائیگی بھی لازم نہیں ہوگی لیکن اگر وہ ایک مرتبہ آلۂ تناسل کو عورت کی شرمگاہ سے نکالنے کے بعد دوبارہ داخل کرتا ہے تو اس صورت میں اس پر حد جاری نہیں ہوگی البتہ مہر مثل کی ادائیگی لازم ہو گی۔

امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ بھی منقول ہے: اگر اس نے آلۂ تناسل کو باہر نکالے بغیر صحبت کا عمل برقرار رکھا تو بھی اس پر مہر مثل کی ادائیگی لازم ہوگی۔ اس پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے: اگر آپ مہر مثل کی ادائیگی لازم کر رہے ہیں تو پھر حد بھی جاری کریں کیونکہ وہ زناء کا مرتکب ہوا ہے کیونکہ اس نے ایک ایسے محل میں یہ عمل کیا ہے جو اس کی ملکیت نہیں ہے۔

مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے: صحبت کا عمل ایک ہے جس کا آغاز جائز تھا اور اسے برقرار رکھنا حرام ہے ابتدائی حصے کے ذریعے تو مہر کی ادائیگی لازم ہوتی ہے اور نہ ہی حد جاری ہوتی ہے جبکہ آخری حصے کے ذریعے قیاس کا تقاضا یہ ہے: مہر کی ادائیگی لازم ہو اور حد بھی جاری ہو لیکن اس صحبت کے عمل کے دوران یہ حد فاصل پیدا کرنا ممکن نہیں ہے کہ کس حصے سے شرعی حد کا آغاز کیا جائے اور کس حصے کو جائز قرار دے کر اسے معاف کر دیا جائے تو کیونکہ یہاں پر حد واجب کرنے میں شبہ پیدا ہو گیا ہے اور اصول یہ ہے: شبہ کی دلیل سے حد ساقط ہو جاتی ہے لہٰذا یہاں یہ حد ساقط ہو جائے گی۔

ظاہر الروایت میں یہ بات بیان کی گئی تھی: اگر شوہر آلۂ تناسل باہر نکالے بغیر صحبت کے عمل کو برقرار رکھتا ہے تو اس صورت میں مہر مثل واجب نہیں ہوتا اس کی دلیل یہ ہے: مہر مثل اس صحبت کے نتیجے میں واجب ہوتا ہے جو طلاق کے بعد واقع ہوا اور صحبت کرنے کا مطلب یہ ہے: ایک شرمگاہ کو دوسری شرمگاہ میں داخل کیا جائے اور داخل کرنا ایک ایسا عمل نہیں ہے جس میں بقاء موجود ہو کہ اسے حکم کے اعتبار سے آغاز قرار دیا جا سکے اس لئے پہلی صورت میں مہر کی ادائیگی لازم نہیں ہو گی۔

لیکن اگر وہ ایک مرتبہ آلۂ تناسل کو باہر نکال کر دوبارہ اس میں داخل کرتا ہے تو اس صورت میں مہر مثل کی ادائیگی کو لازم قرار دیا گیا ہے کیونکہ یہاں پر طلاق کے بعد حقیقی صحبت پائی جا رہی ہے یعنی اس مرد نے ازسر نو عمل شروع کیا ہے لہٰذا مہر مثل کی ادائیگی واجب ہو جائے گی۔ اس کی دلیل یہ ہے: طلاق واقع ہو جانے کے بعد صحبت کرنے کی دلیل سے یہ صحبت حرام اور ناجائز ہوگی اور ناجائز صحبت کا حکم دو میں سے ایک ہوتا ہے یا تو اس کے نتیجے میں حد لازم ہو جاتی ہے لیکن وہ یہاں شبہ کی دلیل سے ساقط ہو چکی ہے دوسری صورت یہ ہے: اس کے نتیجے میں تاوان کی ادائیگی لازم ہو جو مہر مثل کی شکل میں واجب ہوتی ہے۔ اس سے ملتا جلتا مسئلہ یہ ہے: اگر شوہر نے یہ کہا: اگر میں تمہارے ساتھ صحبت کروں تو تمہیں ایک

رجعی طلاق ہے' اور پھر شوہر اس عورت کے ساتھ صحبت کرتا ہے' اور صحبت کے عمل کو برقرار رکھتا ہے' تو کیا اس عمل کو برقرار رکھنے کے نتیجے میں اس کا رجوع کرنا شمار ہو جائے گا' یا نہیں ہوگا؟ امام ابو یوسف اس بات کے قائل ہیں: ایسی صورت میں رجوع ثابت نہیں ہوگا' کیونکہ رجوع ثابت کرنے کے لئے نئے سرے سے صحبت کرنا ضروری ہوگا۔

لیکن اگر شوہر ایک مرتبہ آلہ تناسل باہر نکالنے کے بعد دوبارہ شرمگاہ میں داخل کر دیتا ہے' تو اس بات پر اتفاق ہے: وہ رجوع کرنے والا شمار ہوگا اور تمام فقہاء کے نزدیک رجوع ثابت ہو جائے گا۔

جماع ومقدمات جماع سے رجوع میں مذاہب اربعہ

خاوند کو حق حاصل ہے کہ وہ عدت کے دوران بیوی سے رجوع کرلے، چاہے بیوی راضی ہو یا راضی نہ ہو . رجوع پر دلالت کرنے والے قول سے بھی رجوع ہو جائیگا اس پر علماء کا اتفاق ہے مثلا کہے میں نے تجھ سے رجوع کیا . فعل کے ساتھ بیوی سے رجوع کرنے میں علماء کرام کا اختلاف پایا جاتا ہے مثلا : جماع اور اس کی ابتدائی اشیاء یعنی بیوی سے بوس وکنار کرنا، اس میں علماء کے چار قول ہیں۔

پہلا قول :احناف کہتے ہیں کہ جماع کرنے اور شہوت سے بوس وکنار کرنے سے کے ساتھ رجوع ہو جائیگا چاہے درمیان میں حائل بھی ہو لیکن شہوت کی حرارت ہونی چاہیے، انہوں نے اس سب کو رجوع پر محمول کیا ہے، گویا کہ وہ اپنی وطء اور جماع سے اس سے رجوع کرنے پر راضی ہو گیا ہے .

دوسرا قول :مالکیہ کے ہاں جماع اور اس کے مقدمات سے رجوع ہو جائیگا لیکن شرط یہ ہے کہ خاوند اس میں رجوع کی نیت کرے، اس لیے اگر اس نے رجوع کی نیت سے بیوی کا بوسہ لیا یا اسے شہوت سے چھو لیا یا جماع والی جگہ کو شہوت سے دیکھا یا اس سے وطء اور جماع کیا لیکن اس میں رجوع کی نیت نہ تھی تو ان اشیاء سے رجوع صحیح نہیں ہوگا، بلکہ اس نے حرام کا ارتکاب کیا .

تیسرا قول :شافعی حضرات کہتے ہیں کہ رجوع صرف قول کے ساتھ ہی صحیح ہوگا، مطلقا فعل کے ساتھ رجوع صحیح نہیں، چاہے وطء ہو یا اس کے مقدمات اور چاہے فعل میں اس نے رجوع کی نیت بھی کی ہو یا نیت نہ ہو .

چوتھا قول :حنابلہ کہتے ہیں کہ وطء کے ساتھ رجوع صحیح ہے چاہے خاوند نے بیوی سے رجوع کی نیت کی ہو یا نیت نہ کی ہو، لیکن وطء کے مقدمات سے صحیح مذہب میں رجوع ثابت نہیں ہوگا۔

(تبيين الحقائق (2 / 251) حاشية ابن عابدين (3 / 399) الخرشي على خليل (4 / 81) حاشية البجيرمي (4 / 41) الانصاف (9 / 156) مطالب اولى النهى (5 / 480))

فصل في الاستثناء

﴿یہ فصل استثناء کے بیان میں ہے﴾

فصل استثناء کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے استثناء کی فصل کو تعلیق کے ساتھ لاحق کیا ہے۔ کیونکہ تعلیق قوی ہے جبکہ استثناء ہمیشہ کسی کلام سے بعض حصے کو الگ کرنے کی غرض سے آتا ہے۔ اور تعلیق کل کلام سے روکنے والی ہے جبکہ استثناء بعض مقدم کلام سے منع کرنے والا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۵، ص ۲۷۰، بیروت)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ استثناء لفظ "الا" اور اس کے اخوات کے ذکر سے پایا جاتا ہے۔ اور یہاں استثناء کی تعریف میں متصل اور منقطع دونوں شامل ہیں۔ اور یہاں استثناء سے مراد اصطلاحی یعنی واطی ہے جو حقیقت میں ایک جنس سے بعض افراد کو خارج کرتا ہے۔ (فتح القدیر، ج ۸، ص ۳۴۷، بیروت)

طلاق دینے کے ساتھ انشاء اللہ کہنے کا حکم

﴿وَإِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِامْرَأَتِهِ: أَنْتِ طَالِقٌ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى مُتَّصِلًا لَمْ يَقَعِ الطَّلَاقُ﴾ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴿مَنْ حَلَفَ بِطَلَاقٍ أَوْ عَتَاقٍ وَقَالَ: إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى مُتَّصِلًا بِهِ فَلَا حِنْثَ عَلَيْهِ(۱)﴾ وَلِأَنَّهُ أَتَى بِصُورَةِ الشَّرْطِ فَيَكُونُ تَعْلِيقًا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ وَأَنَّهُ إِعْدَامٌ قَبْلَ الشَّرْطِ وَالشَّرْطُ لَا يُعْلَمُ هَاهُنَا فَيَكُونُ إِعْدَامًا مِنَ الْأَصْلِ وَلِهَذَا يُشْتَرَطُ أَنْ يَكُونَ مُتَّصِلًا بِهِ بِمَنْزِلَةِ سَائِرِ الشُّرُوطِ ﴿وَلَوْ سَكَتَ ثَبَتَ حُكْمُ الْكَلَامِ الْأَوَّلِ﴾ فَيَكُونُ الِاسْتِثْنَاءُ أَوْ ذِكْرُ الشَّرْطِ بَعْدَهُ رُجُوعًا عَنِ الْأَوَّلِ.

ترجمہ

اور جب شوہر نے بیوی سے یہ کہا: انشاء اللہ تمہیں طلاق ہے (اور لفظ) انشاء اللہ متصل طور پر استعمال کیا ہو تو طلاق واقع نہیں ہوگی اس کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: "جو شخص طلاق یا عتاق کی قسم اٹھائے اور اس کے ساتھ انشاء اللہ کہہ دے تو

(۱) لم يجده مخرجوا "الهداية" بهذا اللفظ، وانما أخرجه أبو داود في "سننه" برقم (٣٢٦٢) والترمذي في "جامعه" برقم (١٥٨٦) والنسائي في "المجتبى" برقم (٧٥٥١) وابن ماجه برقم (٢١٠٥) عن ابن عمر رضي الله عنهما مرفوعا "من حلف على يمين فقال: ان شاء الله فلا حنث" وقال الترمذي: حديث حسن، و قد روى عن نافع عن ابن عمر مرفوقاً، وروى عن سالم عن ابن عمر موقوفاً ولا نعلم أحدا رفعه غير أيوب السختياني ...... انظر "نصب الراية" ٣/٢٣٤ و ٢٣٥۔

وہ حانث نہیں ہوگا"۔ اس کی دلیل یہ ہے: اس نے جملے کو شرط کے طور پر ادا کیا ہے۔ تو یہ اس اعتبار سے تعلیق ہوگی کیونکہ یہ شرط سے پہلے معدوم کرتا ہے اور شرط کے بارے میں یہاں علم نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ اصل ہی کو معدوم قرار دینے کے مترادف ہوگا۔ یہی دلیل ہے: یہاں یہ بات شرط رکھی گئی ہے لفظ "انشاء اللہ" جملے سے متصل ہونا چاہئے اور یہ دیگر شرائط کی طرح ہوگا۔ (اگر جملے کے بعد اور انشاء اللہ کہنے سے پہلے) شوہر خاموش ہوگیا تو جملے کے ابتدائی حصے کا حکم ثابت ہوجائے گا اور اس کے بعد استثناء کرنا یا شرط کو ذکر کرنا سابقہ کلام سے رجوع کرنے کے مترادف ہوگا۔

ان شاءاللہ کے ساتھ طلاق کہنے میں مذاہب فقہاء

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں ": اگر کہے "": ان شاءاللہ تمہیں طلاق " تو اسے طلاق ہو جائیگی، امام احمد رحمہ اللہ نے یہی بیان کیا ہے، اور ایک جماعت کی روایت ہے : ان کا کہنا ہے : یہ قسم میں شامل نہیں سعید بن مسیب اور حسن اور مکحول اور قتادہ اور زھری مالک اور لیث اور اوزاعی اور ابو عبید کا بھی یہی کہنا ہے۔

اور امام احمد رحمہ اللہ سے جو یہ مروی ہے جو طلاق واقع نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے یہ طاؤس اور حکم اور ابو حنیفہ اور شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے، کیونکہ اس نے مشیت پر معلق کیا ہے جس کی حدود اور وجود کا علم نہیں، اس لیے یہ طلاق واقع نہیں ہوگی، بالکل اسی طرح اگر وہ زید کی مشیت پر اسے معلق کرے۔ (المغنی (7 / . (357)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ استثنا میں یہ شرط نہیں کہ بالقصد کہا ہو بلکہ بلا قصد زبان سے نکل گیا جب بھی طلاق واقع نہ ہوگی، بلکہ اگر اُس کے معنے بھی نہ جانتا ہو جب بھی واقع نہ ہوگی اور یہ بھی شرط نہیں کہ لفظ طلاق واستثنا دونوں بولے، بلکہ اگر زبان سے طلاق کا لفظ کہا اور فوراً لفظ ان شاءاللہ لکھ دیا یا طلاق لکھی اور زبان سے انشاءاللہ کہہ دیا جب بھی طلاق واقع نہ ہوئی یا دونوں کو لکھا پھر لفظ استثنا مٹا دیا طلاق واقع نہ ہوئی۔ (درمختار، باب تعلیق، ج ۴، ص ۶۱۹، بیروت)

استثنا اگر اصل پر زیادہ ہو تو باطل ہے مثلاً کہا تجھ پر تین طلاقیں مگر چار یا پانچ، تو تین واقع ہوں گی۔ یونہی جز و طلاق کا استثنا بھی باطل ہے مثلاً کہا تجھ پر تین طلاقیں مگر نصف تو تین واقع ہوں گی اور تین میں سے ڈیڑھ کا استثنا کیا تو دو واقع ہوں گی۔ (عالم گیری کتاب طلاق)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا تجھ کو طلاق ہے مگر ایک، تو دو واقع ہوں گی کہ ایک سے ایک کا استثنا تو ہو نہیں سکتا لہٰذا طلاق سے تین طلاقیں مراد ہیں۔ چند استثنا جمع کیے تو اس کی دو صورتیں ہیں، اُن کے درمیان "اور " کا لفظ ہے تو ہر ایک اُسی اول کلام سے استثنا ہے مثلاً تجھ پر دس طلاقیں ہیں مگر پانچ اور مگر تین اور مگر ایک، تو ایک ہوگی اور اگر درمیان میں "اور " کا لفظ نہیں تو ہر ایک اپنے ماقبل سے استثنا ہے، مثلاً تجھ پر دس طلاقیں مگر نو مگر آٹھ مگر سات، تو دو ہوں گی۔ (درمختار، کتاب طلاق)

شرط معلوم نہ ہونے پر جزاء کے معدوم ہونے کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو مخاطب کر کے یہ کہے: تمہیں طلاق ہے اور ساتھ ''انشاء اللہ'' بھی کہہ دے تو اس صورت میں بیوی کو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

اس کی دلیل یہ ہے: حدیث میں یہ بات منقول ہے: نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: جو شخص اپنی بیوی کو طلاق دینے کے بعد یا اپنے غلام یا کنیز کو آزاد کرنے کے بعد انشاء اللہ کہہ دے تو وہ حانث نہیں ہوتا یعنی بیوی کو طلاق نہیں ہوتی اور غلام یا کنیز آزاد نہیں ہوتے ہیں۔

اس کے بعد مصنف نے اس مسئلے کی عقلی دلیل پیش کی ہے: اس جملے کو شوہر نے شرط کے طور پر ذکر کیا ہے' لہٰذا اس کا حکم تعلیق کا ہوگا تو یہاں چونکہ شرط کا پتہ نہیں چل سکتا' اس لئے جب شرط کا پتہ ہی نہیں چل سکتا تو اس کی جزاء بھی معدوم شمار ہوگی' تو یہ اسی طرح ہوگا' جیسے شوہر نے صرف انشاء اللہ کہا ہو' تو انشاء اللہ کہنے سے چونکہ طلاق نہیں ہوتی لہٰذا یہاں بھی طلاق نہیں ہوگی۔ یہاں مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے: یہاں شوہر کا کلام بظاہر تعلیق لگ رہا ہے جس طرح دیگر تعلیقات میں سابقہ جملے کے ساتھ لفظ اور متصل ہونا شرط ہے' اس لئے یہاں بھی انشاء اللہ کے سابقہ جملے کے ساتھ متصل ہونے کی شرط عائد کی گئی ہے۔ یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر شوہر نے ''تمہیں طلاق ہے'' کہنے کے بعد خاموشی اختیار کی اور پھر انشاء اللہ کہا تو بیوی کو طلاق ہو جائے گی' کیونکہ خاموش ہونے کے بعد انشاء اللہ کہنا یا شرط کا ذکر کرنا سابقہ کلام سے رجوع کرنے کے لئے ہوتا ہے' اور ثبوت کی دلیل سے اس مسئلے میں شوہر کو اپنے کلام سے رجوع کرنے کا حق حاصل نہیں رہا اس لئے یہ استثناء باطل شمار ہوگا اور طلاق واقع ہو جائے گی۔

استثناء ذکر کرنے سے پہلے بیوی کے انتقال کر جانے کا بیان

قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ: ﴿وَكَذَا اِذَا مَاتَتْ قَبْلَ قَوْلِهِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى﴾ لِاَنَّ بِالِاسْتِثْنَاءِ خَرَجَ الْكَلَامُ مِنْ اَنْ يَّكُوْنَ اِيجَابًا وَالْمَوْتُ يُنَافِي الْمُوْجِبَ دُوْنَ الْمُبْطِلِ، بِخِلَافِ مَا اِذَا مَاتَ الزَّوْجُ لِاَنَّهُ لَمْ يَتَّصِلْ بِهِ الِاسْتِثْنَاءُ

ترجمہ

صاحب ہدایہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر شوہر کے ''انشاء اللہ'' کہنے سے پہلے بیوی فوت ہو جائے' تو بھی یہی حکم ہوگا' کیونکہ استثناء کی دلیل سے کلام ایجاب بننے کی کیفیت سے خارج ہو گیا' کیونکہ موت موجب کے منافی ہے مبطل کے منافی نہیں ہے۔ لیکن اگر شوہر (انشاء اللہ کہنے سے پہلے) فوت ہو جائے تو حکم مختلف ہوگا' کیونکہ اس (کے کلام) کے ساتھ استثناء متصل نہیں ہے۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب عورت سے کہا تجھ کو طلاق ہے ان شاء اللہ تعالیٰ طلاق واقع نہ ہوئی اگرچہ ان شاء اللہ کہنے سے پہلے مرگئی اور اگر شوہر اتنا لفظ کہہ کر کہ تجھ کو طلاق ہے مرگیا ان شاء اللہ کہنے کی نوبت نہ آئی مگر اُس کا ارادہ اس کے کہنے کا بھی تھا تو طلاق ہوگئی رہا یہ کہ کیونکر معلوم ہوا کہ اُس کا ارادہ ایسا تھا یہ یوں معلوم ہوا کہ پہلے سے اُس نے کہہ دیا تھا کہ میں اپنی عورت کو طلاق دے کر استثنا کروں گا۔ (ردمحتار، کتاب طلاق)

اگر انشاء اللہ کو مقدم کیا یعنی یوں کہا انشاء اللہ تجھ کو طلاق ہے جب بھی طلاق نہ ہوگی اور اگر یوں کہا کہ تجھ کو طلاق ہے انشاء اللہ اگر تو گھر میں گئی تو مکان میں جانے سے طلاق نہ ہوگی۔ اور اگر انشاء اللہ دو جملے طلاق کے درمیان میں ہو مثلاً کہا تجھ کو طلاق ہے انشاء اللہ تجھ کو طلاق ہے تو استثنا پہلے کی طرف رجوع کریگا لہٰذا دوسرے سے طلاق ہو جائے گی۔ یونہی اگر کہا تجھ کو تین طلاقیں ہیں انشاء اللہ تجھ پر طلاق ہے تو ایک واقع ہوگی۔ (بحر، درمختار، خانیہ)

اگر کہا تجھ پر ایک طلاق ہے اگر خدا چاہے اور تجھ پر دو طلاقیں اگر خدا نہ چاہے تو ایک بھی واقع نہ ہوگی اور اگر کہا تجھ پر آج ایک طلاق ہے اگر خدا چاہے اور اگر خدا نہ چاہے تو دو اور آج کا دن گزر گیا اور عورت کو طلاق نہ دی تو دو واقع ہوئیں اور اگر اُس دن ایک طلاق دیدی تو یہی ایک واقع ہوگی۔ (عالمگیری)

یہاں مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے: اگر شوہر نے بیوی سے یہ کہا: "تمہیں طلاق ہے" اور شوہر کے انشاء اللہ کہنے سے پہلے بیوی کا انتقال ہو گیا' تو اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی' کیونکہ "تمہیں طلاق ہے" کہہ کر شوہر نے طلاق کا ایجاب کیا ہے' لیکن استثناء کرنے کی دلیل سے وہ کلام ایجاب کے طور پر باقی نہیں رہے گا' تو ایجاب باطل ہو جائے گا' اور جب وہ باطل ہو جائے گا' تو اس کا حکم بھی باطل ہو جائے گا۔

یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے: موت ایجاب کی منافی ہوتی ہے' یہی دلیل ہے: جب شوہر نے بیوی سے یہ کہا: تمہیں طلاق ہے' اور اس کے بعد بیوی فوت ہو گئی' تو اس کو طلاق واقع نہیں ہوئی' تو جس طرح موت ایجاب کے منافی ہے' اسی طرح اسے استثناء کا بھی منافی ہونا چاہیے۔

مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے: موت اس چیز کے منافی ہو سکتی ہے' جو جملہ کسی لفظ کو واجب کر رہا ہو' یعنی انت طالق' لیکن جو اسے باطل قرار دے رہا ہو' یعنی استثناء اور شرط تو وہ اس کے منافی نہیں'

اس کی دلیل یہ ہے: کسی چیز کو واجب کرنے کے لئے محل کا باقی ہونا ضروری ہوتا ہے' لیکن کسی چیز کو باطل کرنے کے لئے محل کی بقاء ضروری نہیں ہوتی۔ پھر دوسری دلیل یہ ہے: موت بھی باطل کر رہی ہے' اور استثناء بھی باطل کر رہا ہے' تو ایک باطل کرنے والی چیز واجب کرنے والی چیز کے لئے تو باطل کرنے والی ہو سکتی ہے' لیکن دوسری باطل کرنے والی چیز کے لئے'

باطل کرنے والی نہیں ہوسکتی۔

اس کے برخلاف ''اگر تمہیں طلاق ہے'' کہنے کے بعد اور ''انشاءاللہ'' کہنے سے پہلے شوہر کا انتقال ہو جائے' تو اس صورت میں بیوی کو طلاق واقع ہو جائے گی' کیونکہ یہاں صرف ایجاب ہے' باطل کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔

طلاق کے جملے میں حرف استثناء ذکر کرنے کا حکم

﴿وَاِنْ قَالَ :اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا اِلَّا وَاحِدَةً طَلُقَتْ ثِنْتَيْنِ، وَاِنْ قَالَ :اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا اِلَّا ثِنْتَيْنِ طَلُقَتْ وَاحِدَةً﴾ .وَالْاَصْلُ اَنَّ الِاسْتِثْنَاءَ تَكَلُّمٌ بِالْحَاصِلِ بَعْدَ الثُّنْيَا هُوَ الصَّحِيحُ، وَمَعْنَاهُ اَنَّهُ تَكَلَّمَ بِالْمُسْتَثْنٰى مِنْهُ، اِذْ لَا فَرْقَ بَيْنَ قَوْلِ الْقَائِلِ لِفُلَانٍ عَلَيَّ دِرْهَمٌ وَبَيْنَ قَوْلِهِ عَشَرَةٌ اِلَّا تِسْعَةً فَيَصِحُّ اسْتِثْنَاءُ الْبَعْضِ مِنَ الْجُمْلَةِ لِاَنَّهُ يَبْقَى التَّكَلُّمُ بِالْبَعْضِ بَعْدَهُ، وَلَا يَصِحُّ اسْتِثْنَاءُ الْكُلِّ مِنَ الْكُلِّ لِاَنَّهُ لَا يَبْقٰى بَعْدَهُ شَيْءٌ لِيَصِيرَ مُتَكَلِّمًا بِهِ وَصَارِفًا لِلَّفْظِ اِلَيْهِ، وَاِنَّمَا يَصِحُّ الِاسْتِثْنَاءُ اِذَا كَانَ مَوْصُولًا بِهِ كَمَا ذَكَرْنَا مِنْ قَبْلُ، وَاِذَا ثَبَتَ هٰذَا فَفِي الْفَصْلِ الْاَوَّلِ الْمُسْتَثْنٰى مِنْهُ ثِنْتَانِ فَيَقَعَانِ وَفِي الثَّانِي وَاحِدَةٌ، فَتَقَعُ وَاحِدَةٌ وَلَوْ قَالَ :اِلَّا ثَلَاثًا يَقَعُ الثَّلَاثُ لِاَنَّهُ اسْتِثْنَاءُ الْكُلِّ مِنَ الْكُلِّ فَلَمْ يَصِحَّ الِاسْتِثْنَاءُ، وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

ترجمہ

اور جب شوہر نے یہ کہا: تمہیں ایک کے علاوہ تین طلاقیں ہیں' تو عورت کو دو طلاقیں ہوں گی۔ اگر یہ کہا: تمہیں دو کے علاوہ تین طلاقیں ہیں' تو ایک طلاق ہوگی۔ اصول یہ ہے: استثناء کے بعد حاصل ہونے والی چیز کے بارے میں کلام کرنا استثناء ہوتا ہے اور یہی دلیل درست ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے: اس شخص نے مستثنیٰ منہ کے بارے میں کلام کیا ہے' کیونکہ ان دو جملوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ میں نے فلاں کا ایک درہم دینا ہے یا میں نے فلاں کے نو کے سوا دس درہم دینے ہیں' یعنی ایک درہم دینا ہے' لہٰذا کل میں سے بعض کا استثناء کرنا درست ہوگا' کیونکہ اس کے بعد بعض کا تکلم باقی رہے گا۔ کل میں سے کل کا استثناء درست نہیں ہے' کیونکہ استثناء کے بعد کوئی چیز باقی نہیں رہے گی جس کے بارے میں کلام کیا گیا ہو' یا جس کی طرف لفظ کو پھیرا جا سکے۔ استثناء اسی وقت درست ہوتا ہے جب وہ مستثنیٰ منہ کے ساتھ ہو' جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ جب یہ اصول ثابت ہو گیا: تو پہلی صورت میں مستثنیٰ منہ دو ہیں' اس لیے دو طلاقیں واقع ہوں گی' اور دوسری صورت میں ایک ہے' اس لئے ایک طلاق واقع ہوگی۔ اگر مرد نے یہ کہا

ہو، اس لحاظ سے تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی کیونکہ یہاں کل میں سے کل کا استثناء ہے اس لیے استثناء درست ہی نہیں ہوگا' باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

شرح

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے تین طلاقیں دیکر اُن میں سے ایک یا دو کا استثنا کرے تو یہ استثنا صحیح ہے یعنی استثنا کے بعد جو باقی ہے واقع ہوگی مثلاً کہا تجھ کو تین طلاقیں ہیں مگر ایک تو دو ہونگی اور اگر کہا مگر دو تو ایک ہوگی۔ اور کل کا استثنا صحیح نہیں خواہ اُسی لفظ سے ہو مثلاً تجھ پر تین طلاقیں مگر تین یا ایسے لفظ سے ہو جس کے معنی کل کے مساوی ہوں مثلاً کہا تجھ پر تین طلاقیں ہیں مگر ایک اور ایک اور ایک یا مگر دو اور ایک، تو ان صورتوں میں تینوں واقع ہونگی۔ یا اُس کی کئی عورتیں ہیں سب کو مخاطب کر کے کہا تم سب کو طلاق ہے مگر فلانی اور فلانی اور فلانی نام لیکر سب کا استثنا کر دیا تو سب مطلقہ ہو جائیں گی اور اگر باعتبار معنی کے وہ لفظ مساوی نہ ہوا گرچہ اس خاص صورت میں مساوی ہو تو استثنا صحیح ہے مثلاً کہا میری ہر عورت پر طلاق مگر فلانی اور فلانی پر، تو طلاق نہ ہوگی اگرچہ اُسکی یہی دو عورتیں ہوں۔ (درمختار، کتاب طلاق)

کل سے بعض کے استثناء کے درست ہونے کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے' اگر شوہر اپنے بیوی سے یہ کہا: تمہیں تین طلاقیں ہیں' سوائے ایک کے یعنی کل میں سے بعض کا استثناء کر لیا تو استثناء درست ہوگا' لہٰذا ایک کم تین' طلاقیں یعنی دو طلاقیں ہو جائیں گی۔ اسی طرح اگر شوہر نے یہ کہا: تمہیں دو کے علاوہ تین طلاقیں ہیں' تو یہاں بھی مستثنیٰ منہ یعنی تین اور مستثنیٰ یعنی دو کا ذکر درست ہوگا اور یہ استثناء درست ہوگا' لہٰذا دو کم تین طلاقیں ہو جائیں گی' یعنی عورت پر ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔

اس کے برعکس اگر شوہر نے یہ کہا: تمہیں تین کم تین طلاقیں ہیں' تو یہاں کل کا استثناء کر لیا گیا ہے' تو یہ استثناء درست نہیں ہوتا: جب استثناء درست نہیں ہوتا' تو پہلا جملہ یعنی تین طلاقیں ہونے کا حکم جاری ہو جائے گا' اور عورت کو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

بَابُ طَلَاقِ الْمَرِيضِ

﴿یہ باب بیمار شخص کی دی ہوئی طلاق کے بیان میں ہے﴾

باب طلاق مریض کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مصنف علیہ الرحمہ طلاق سنت وبدعت، صریح، کنایہ، اختیار اور تعلیق کی ہر طرح اقسام سے فارغ ہوئے تو اب انہوں نے عوارض کو بیان کیا ہے اور مرض عوارض سماویہ میں سے ہے۔ لہذا اس کا بیان اصل بیان سے مؤخر کیا ہے اور اصل کے بیان سے مراد تندرستی کی حالت میں طلاق کا بیان ہے کیونکہ تندرستی اصل ہے جبکہ مرض عارضہ ہے لہذا عارضہ کو اصل سے مؤخر ذکر کیا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۵، ص ۲۷۹، بیروت)

طلاق مریض سے فقہی مفہوم کا بیان

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مریض سے مراد وہ شخص ہے جس کی نسبت غالب گمان ہو کہ اس مرض سے ہلاک ہو جائے گا کہ مرض نے اُسے اتنا لاغر کر دیا ہے کہ گھر سے باہر کے کام کے لیے نہیں جا سکتا مثلاً نماز کے لیے مسجد کو نہ جا سکتا ہو یا تاجر اپنی دوکان تک نہ جا سکتا ہو اور یہ اکثر کے لحاظ سے ہے، ورنہ اصل حکم یہ ہے کہ اُس مرض میں غالب گمان موت ہو اگرچہ ابتداء جبکہ شدت نہ ہوئی ہو باہر جا سکتا ہو مثلاً ہیضہ وغیرہا امراض مہلکہ میں بعض لوگ گھر سے باہر کے بھی کام کر لیتے ہیں مگر ایسے امراض میں غالب گمان ہلاکت ہے۔ یونہی یہاں مریض کے لیے صاحب فراش ہونا بھی ضروری نہیں اور امراض مزمنہ مثلاً سل۔ فالج اگر روز بروز زیادتی پر ہوں تو یہ بھی مرض الموت ہیں اور اگر ایک حالت پر قائم ہو گئے اور پُرانے ہو گئے یعنی ایک سال کا زمانہ گزر گیا تو اب اُس شخص کے تصرفات تندرست کی مثل نافذ ہونگے۔ (ردمحتار، کتاب طلاق)

مرض میں طلاق علت محرومِ وراثت نہیں ہے

امام عبدالرزاق علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ فرمایا اگر مریض طلاق دے تو عورت جب تک عدت میں ہے شوہر کی وارث ہے اور شوہر اُس کا وارث نہیں۔

(مصنف عبدالرزاق، رقم الحدیث، ۱۲۲۲۸)

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی زدلیل کو مرض میں طلاق بائن دی اور عدت میں اُن کی وفات ہوگئی تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کی زدلیل کو میراث دلائی اور یہ واقعہ مجمع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے ہوا اور کسی نے انکار نہ کیا۔ لہٰذا اس پر اجماع ہو گیا۔ (فتح القدیر، باب طلاق مریض، ج ۴، ص ۳، بیروت)

بیماری کے عالم میں بیوی کو طلاق بائنہ دینے کا حکم

﴿وَإِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فِي مَرَضِ مَوْتِهِ طَلَاقًا بَائِنًا فَمَاتَ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ وَرِثَتْهُ، وَإِنْ مَاتَ بَعْدَ انْقِضَاءِ الْعِدَّةِ فَلَا مِيرَاثَ لَهَا﴾ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا تَرِثُ فِي الْوَجْهَيْنِ لِأَنَّ الزَّوْجِيَّةَ قَدْ بَطَلَتْ بِهَذَا الْعَارِضِ وَهِيَ السَّبَبُ وَلِهَذَا لَا يَرِثُهَا إِذَا مَاتَتْ. وَلَنَا أَنَّ الزَّوْجِيَّةَ سَبَبُ إِرْثِهَا فِي مَرَضِ مَوْتِهِ وَالزَّوْجُ قَصَدَ إِبْطَالَهُ فَيُرَدُّ عَلَيْهِ قَصْدُهُ بِتَأْخِيرِ عَمَلِهِ إِلَى زَمَانِ انْقِضَاءِ الْعِدَّةِ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهَا، وَقَدْ أَمْكَنَ لِأَنَّ النِّكَاحَ فِي الْعِدَّةِ يَبْقَى فِي حَقِّ بَعْضِ الْآثَارِ فَجَازَ أَنْ يَبْقَى فِي حَقِّ إِرْثِهَا عَنْهُ، بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الِانْقِضَاءِ لِأَنَّهُ لَا إِمْكَانَ، وَالزَّوْجِيَّةُ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ لَيْسَتْ بِسَبَبٍ لِإِرْثِهِ عَنْهَا فَتَبْطُلُ فِي حَقِّهِ خُصُوصًا إِذَا رَضِيَ بِهِ. ﴿وَإِنْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا بِأَمْرِهَا أَوْ قَالَ لَهَا اخْتَارِي فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا أَوِ اخْتَلَعَتْ مِنْهُ ثُمَّ مَاتَ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ لَمْ تَرِثْهُ﴾ لِأَنَّهَا رَضِيَتْ بِإِبْطَالِ حَقِّهَا وَالتَّأْخِيرِ لِحَقِّهَا. وَإِنْ قَالَتْ طَلِّقْنِي لِلرَّجْعَةِ فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا وَرِثَتْهُ لِأَنَّ الطَّلَاقَ الرَّجْعِيَّ لَا يُزِيلُ النِّكَاحَ فَلَمْ تَكُنْ بِسُؤَالِهَا رَاضِيَةً بِبُطْلَانِ حَقِّهَا.

ترجمہ

اور جب شوہر اپنی بیوی کو مرض الموت کے دوران طلاق بائن دیدے اور اس عورت کی عدت کے دوران ہی اس شوہر کا انتقال ہو جائے تو عورت شوہر کی میراث میں حصہ دار ہوگی لیکن اگر شوہر کا انتقال اس کی عدت گزرنے کے بعد ہو تو وہ میراث سے محروم رہے گی۔ امام شافعی نے یہ بات بیان کی ہے: دونوں صورتوں میں عورت وراثت کی حقدار نہیں ہوگی کیونکہ طلاق بائنہ کی دلیل سے زوجیت باطل ہوگئی جبکہ میراث کا سبب یہی زوجیت ہو سکتی تھی۔ اسی طرح اگر مذکورہ صورتوں میں عورت کا انتقال ہو جائے تو شوہر اس کی وراثت سے محروم رہے گا۔ ہماری دلیل یہ ہے: مرض الموت کے دوران عورت کی زوجیت وراثت کا سبب بنتی ہے لیکن کیونکہ شوہر نے اس سبب کو ضائع کرنے کا قصد کیا ہے لہٰذا شوہر کے اس قصد کو اسی طرح باطل کیا جا سکتا ہے جب تک عورت کی عدت پوری نہ ہو مرد کے ارادے کو ملتوی قرار دیا جائے تاکہ عورت نقصان سے محفوظ رہے اور اس نوعیت کا التواء ممکن بھی ہے کیونکہ عدت میں نکاح کے بعض آثار باقی ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے: مرد سے عورت کے میراث پانے کے حق کے لئے بھی نکاح کو تسلیم کیا جائے۔ اس کے برخلاف جب عدت گزر جائے گی (تو حکم مختلف ہوگا) کیونکہ اب کوئی امکان باقی نہیں رہا۔ اس حالت میں زوجیت مرد کے عورت کے مال کا وارث ہونے کا سبب نہیں بن سکتی اس لیے مرد کے حق میں وراثت کا حق باطل قرار دیا جائے گا۔

خصوصاً اس وقت جب شوہر نے اپنی مرضی کے ساتھ عورت کو طلاق دی تھی۔ اگر شوہر نے عورت کی فرمائش پر ایسی حالت میں تین طلاقیں دی ہوں یا مرد نے عورت کو اختیار دیا ہو اور عورت نے اس اختیار کو قبول کر لیا ہو یا اس وقت میں عورت نے شوہر سے خلع لے لیا ہو اور پھر اس کے بعد خاوند کا انتقال ہو جائے اور بیوی کی ابھی عدت پوری نہ ہوئی ہو تو ان تمام صورتوں میں وہ شوہر کی وراثت سے محروم رہے گی کیونکہ ان صورتوں میں عورت نے خود اپنی وراثت کو باطل کرنے پر رضامندی ظاہر کی ہے جبکہ پہلے اس صورت میں تاخیر اور التواء عورت کے حق کی دلیل سے تھا۔ اگر بیوی نے رجعی طلاق کا مطالبہ کیا اور شوہر نے اسے تین بائنہ طلاقیں دیدیں تو عورت وارث شمار ہوگی کیونکہ رجعی طلاق کے نتیجے میں نکاح مکمل طور پر زائل نہیں ہوتا اس لیے عورت کے رجعی طلاق کا مطالبہ کرنے پر اس کے اپنے حق کو باطل کرنے پر رضامندی تصور نہیں کی جائے گی۔

مطلقہ عدت میں وراثت پائے گی

جب کسی نے بیماری کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دیا ابھی اس کی عدت مکمل نہ ہونے پائی کہ اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا تو اس کے مال میں سے جتنا حصہ بیوی کا ہوتا ہے وہ اسی عورت کو دیا جائے گا، چاہے ایک طلاق دیا ہو یا زائد، بائن ہو یا رجعی سب کا ایک ہی حکم ہے۔

عَنِ الشَّعْبِيِّ أَنَّ أُمَّ الْبَنِينَ بِنْتَ عُيَيْنَةَ بْنِ حِصْنٍ كَانَتْ تَحْتَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ فَلَمَّا حُصِرَ طَلَّقَهَا وَقَدْ كَانَ أَرْسَلَ إِلَيْهَا لِيَشْتَرِيَ مِنْهَا ثُمُنَهَا فَأَبَتْ فَلَمَّا قُتِلَ أَتَتْ عَلِيًّا فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ: تَرَكَهَا حَتَّى إِذَا أَشْرَفَ عَلَى الْمَوْتِ طَلَّقَهَا، فَوَرَّثَهَا (مصنف ابن ابی شیبۃ من قَالَ: تَرِثُهُ مَا دَامَتْ فِي الْعِدَّةِ مِنْهُ إِذَا طَلَّقَ وَهُوَ مَرِيضٌ، حدیث نمبر ۱۹۳۸۱)

اور اگر عدت ختم ہونے کے بعد اس کا انتقال ہوا ہو یا جس بیماری میں طلاق دیا تھا اس بیماری میں انتقال نہیں ہوا بلکہ اس سے صحت ہونے کے بعد کسی اور بیماری کی دلیل سے انتقال کر گیا تو پھر اس کو حصہ نہیں ملے گا چاہے عدت ختم ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

عَنْ شُرَيْحٍ قَالَ: إِذَا طَلَّقَ ثَلَاثًا فِي مَرَضِهِ وَرِثَتْهُ مَا دَامَتْ فِي الْعِدَّةِ. (مصنف ابن ابی شیبۃ من قَالَ: تَرِثُهُ مَا دَامَتْ فِي الْعِدَّةِ مِنْهُ إِذَا طَلَّقَ وَهُوَ مَرِيضٌ، حدیث نمبر ۱۹۳۸۰)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر مرض الموت میں عورت کو بائن طلاق دی ایک دی ہو یا زیادہ اور اُسی مرض میں عدت کے اندر مر گیا خواہ اُسی مرض سے مرا یا کسی اور سبب سے مثلاً قتل کر ڈالا گیا تو عورت وارث ہے جبکہ باختیار خود اور عورت کی بغیر رضامندی کے طلاق دی ہو بشرطیکہ بوقت طلاق عورت وارث ہونے کی صلاحیت بھی رکھتی ہو اگرچہ شوہر کو اس کا علم نہ ہو مثلاً

عورت کتابیہ تھی یا کنیز اور اس وقت مسلمان یا آزاد ہو چکی تھی۔ اور اگر عدت گزرنے کے بعد مرا یا اُس مرض سے اچھا ہو گیا پھر مر گیا خواہ اُسی مرض میں پھر مبتلا ہو کر مرا یا کسی اور سبب سے یا طلاق دینے پر مجبور کیا گیا یعنی مار ڈالنے یا عضو کاٹنے کی صحیح دھمکی دی گئی ہو یا عورت کی رضا سے طلاق دی تو وارث نہ ہوگی اور اگر قید کی دھمکی دی گئی اور طلاق دیدی تو عورت وارث ہے اور اگر عورت طلاق پر راضی نہ تھی مگر مجبور کی گئی کہ طلاق طلب کرے اور عورت کی طلب پر طلاق دی تو وارث ہوگی۔ (در مختار، کتاب طلاق)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

یہ حکم کہ مرض الموت میں عورت بائن کی گئی اور شوہر عدت کے اندر مر جائے تو بشرائط سابقہ عورت وارث ہوگی طلاق کے ساتھ خاص نہیں بلکہ جو فرقت جانب زوج سے ہو سب کا یہی حکم ہے مثلاً شوہر نے بخیار بلوغ عورت کو بائن کیا یا عورت کی ماں یا لڑکی کا شہوت سے بوسہ لیا یا معاذ اللہ مرتد ہو گیا اور جو فرقت جانب زن لیل سے ہو اُس میں وارث نہ ہوگی مثلاً عورت نے شوہر کے لڑکے کا شہوت کے ساتھ بوسہ لیا یا مرتد ہو گئی یا خلع کرایا۔ یونہی اگر غیر کی جانب سے ہو مثلاً شوہر کے لڑکے نے عورت کا بوسہ لیا اگرچہ عورت کو مجبور کیا ہو ہاں اگر اس کے باپ نے حکم دیا ہو تو وارث ہوگی۔ (ردمحتار، کتاب طلاق، ج ۵، ص ۹، بیروت)

عورت کا خود طلاق لینا سبب معدوم وراثت ہے

ہدایہ کے بعض شارحین نے یہ بات نقل کی ہے: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے ساتھ اس طرح کی صورتحال پیش آئی تھی انہوں نے اپنی مرض وفات کے دوران اپنی ایک اہلیہ کو طلاق دیدی تھی اور پھر اس خاتون کی عدت کے درمیان ہی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا انتقال ہو گیا تو حضرت عثمان غنی نے اس طلاق یافتہ خاتون کو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا وارث قرار دیا تھا۔ یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی عورت شوہر سے یہ کہہ دیتی ہے: تم مجھے تین طلاقیں دے دو اور شوہر اس کے جواب میں اسے تین طلاقیں دیدیتا ہے' یا عورت شوہر سے خلع حاصل کر لیتی ہے اور یہ سب عمل شوہر کی مرض وفات کے دوران ہوتا ہے' پھر بیوی کی عدت پوری ہونے سے پہلے اس کا انتقال ہو جاتا ہے' تو اس صورت میں وہ عورت شوہر کی وارث نہیں ہوگی اس کی دلیل یہ ہے: سابقہ مسئلے میں ہم نے طلاق کے عمل کو بیوی کے حق کی دلیل سے مؤخر کیا تھا' لیکن یہاں بیوی نے خود اپنے حق کو ساقط کر دیا ہے' تو جب وہ اپنے حق کو ساقط کرنے پر راضی ہے تو اس لئے وراثت میں اس کا حق باطل ہو جائے گا' اور اسے وراثت میں حصہ نہیں دیا جائے گا۔ سابقہ مسئلے میں یہ بات بیان کی گئی ہے: بیوی شوہر سے یہ کہتی ہے: تم مجھے تین طلاقیں دے دو۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے: اگر کوئی بیوی شوہر سے اس کے مرض وفات کے دوران یہ کہہ دے: تم مجھے رجعی طلاق دے دو اور اس کے جواب میں شوہر رجعی طلاق کی بجائے بائنہ طلاق دیدے پھر عورت کی عدت کے دوران شوہر کا انتقال ہو جائے؟ تو اس کا حکم کیا ہوگا؟ مصنف فرماتے ہیں: ایسی صورت میں بیوی اس شخص کی وارث بنے گی۔ اس کی دلیل یہی ہے: بیوی نے یہاں رجعی طلاق کا مطالبہ کیا تھا اور رجعی طلاق کے نتیجے میں نکاح مکمل طور پر ختم نہیں ہوتا ہے اس لئے رجعی طلاق کا مطالبہ کرنے کی صورت میں عورت اپنے حق کو ساقط کرنے والی شمار نہیں ہوگی اس لئے جب وہ اپنے حق کو ساقط کرنے پر راضی نہیں ہوگی' تو اسے وراثت سے

بھی محروم نہیں کیا جا سکتا۔

مطلقہ کی وراثت میں مذاہب اربعہ

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ طلاق والی عورت کی تین حالتیں ہیں 1: یا تو اسے رجعی طلاق ہو گی مثلا پہلی یا دوسری طلاق والی عورت۔ اس لیے اگر بیوی کی عدت میں خاوند فوت ہو جائے تو علماء کا اجماع ہے کہ وہ اپنے خاوند کی وارث بنیگی، اس لیے کہ طلاق رجعی والی عورت اس وقت تک بیوی ہے جب تک وہ عدت میں ہے، اور جب اس کی عدت تین ماہ گزر جائے تو وہ وارث نہیں ہو گی، کیونکہ طلاق دینے والے خاوند سے عدت گزرنے کے بعد وہ اجنبی عورت بن گئی ہے۔

2 طلاق بائن ہو، مثلا تیسری طلاق والی عورت :اور طلاق خاوند کی صحت کی حالت میں ہو۔ اگر اس کا خاوند فوت ہو گیا تو علماء کے اجماع کے مطابق وہ وارث نہیں بنے گی، کیونکہ اس کا اپنے طلاق دینے والے خاوند سے تعلق ختم ہو چکا ہے۔

طلاق بائن ہو مثلا تیسری طلاق والی عورت :اور یہ طلاق خاوند کی مرض الموت میں ہو اور خاوند پر تہمت ہو کہ اس نے طلاق اس لیے دی تا کہ وہ اسے وراثت سے محروم کر سکے تو اس حالت میں بیوی کے وارث ہونے میں علماء کرام اختلاف کرتے ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: کہ وہ وارث نہیں بنے گی۔ اور امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: وہ جب تک عدت میں ہے وارث ہو گی۔ اور امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں: جب تک وہ کسی دوسرے شخص سے شادی نہیں کرتی اس وقت تک وارث بنیگی، تا کہ خاوند کے مقصد کے خلاف معاملہ کیا جائے۔ (المغنی (9 / (196 - 194)

بیماری کے دوران بیوی کے لئے قرض کا اقرار یا وصیت کا حکم

﴿وَإِنْ قَالَ لَهَا فِيْ مَرَضِ مَوْتِهِ كُنْتُ طَلَّقْتُكِ ثَلَاثًا فِيْ صِحَّتِيْ وَانْقَضَتْ عِدَّتُكِ فَصَدَّقَتْهُ، ثُمَّ أَقَرَّ لَهَا بِدَيْنٍ أَوْ أَوْصَى لَهَا بِوَصِيَّةٍ فَلَهَا الْأَقَلُّ مِنْ ذٰلِكَ وَمِنَ الْمِيْرَاثِ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ .وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ :يَجُوْزُ إِقْرَارُهُ وَوَصِيَّتُهُ .وَإِنْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا فِيْ مَرَضِهِ بِأَمْرِهَا ثُمَّ أَقَرَّ لَهَا بِدَيْنٍ أَوْ أَوْصَى لَهَا بِوَصِيَّةٍ فَلَهَا الْأَقَلُّ مِنْ ذٰلِكَ وَمِنَ الْمِيْرَاثِ فِيْ قَوْلِهِمْ جَمِيْعًا﴾ إِلَّا عَلٰى قَوْلِ زُفَرَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فَإِنَّ لَهَا جَمِيْعَ مَا أَوْصٰى وَمَا أَقَرَّ بِهِ، لِأَنَّ الْمِيْرَاثَ لَمَّا بَطَلَ بِسُؤَالِهَا زَالَ الْمَانِعُ مِنْ صِحَّةِ الْإِقْرَارِ وَالْوَصِيَّةِ .وَجْهُ قَوْلِهِمَا فِي الْمَسْأَلَةِ الْأُوْلٰى أَنَّهُمَا لَمَّا تَصَادَقَا عَلَى الطَّلَاقِ وَانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ صَارَتْ أَجْنَبِيَّةً عَنْهُ حَتّٰى جَازَ لَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَ أُخْتَهَا فَانْعَدَمَتِ التُّهْمَةُ ، أَلَا تَرٰى أَنَّهُ تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ لَهَا وَيَجُوْزُ وَضْعُ الزَّكَاةِ فِيْهَا، بِخِلَافِ الْمَسْأَلَةِ الثَّانِيَةِ لِأَنَّ الْعِدَّةَ بَاقِيَةٌ

وَهِيَ سَبَبُ التُّهْمَةِ، وَالْحُكْمُ يُدَارُ عَلٰى دَلِيْلِ التُّهْمَةِ وَلِهٰذَا يُدَارُ عَلَى النِّكَاحِ وَالْقَرَابَةِ، وَلَا عِلَّةَ فِي الْمَسْأَلَةِ الْاُوْلٰى وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِي الْمَسْأَلَتَيْنِ اَنَّ التُّهْمَةَ قَائِمَةٌ لِاَنَّ الْمَرْاَةَ قَدْ تَخْتَارُ الطَّلَاقَ لِيَنْفَتِحَ بَابُ الْاِقْرَارِ وَالْوَصِيَّةِ عَلَيْهَا فَيَزِيْدَ حَقُّهَا، وَالزَّوْجَانِ قَدْ يَتَوَاضَعَانِ عَلَى الْاِقْرَارِ بِالْفُرْقَةِ وَانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ لِيَبَرَّهَا الزَّوْجُ بِمَالِهٖ زِيَادَةً عَلٰى مِيْرَاثِهَا وَهٰذِهِ التُّهْمَةُ فِي الزِّيَادَةِ فَرَدَدْنَاهَا، وَلَا تُهْمَةَ فِيْ قَدْرِ الْمِيْرَاثِ فَصَحَّحْنَاهُ، وَلَا مُوَاضَعَةَ عَادَةً فِيْ حَقِّ الزَّكَاةِ وَالتَّزَوُّجِ وَالشَّهَادَةِ، فَلَا تُهْمَةَ فِيْ حَقِّ هٰذِهِ الْاَحْكَامِ

ترجمہ

اور جب شوہر نے مرض الموت کے دوران اپنی بیوی سے یہ کہا: میں نے اپنی صحت کے دنوں میں تمہیں تین طلاقیں دیدی تھیں اور تمہاری عدت گزر چکی ہے' اور پھر عورت نے شوہر کے کلام کی تصدیق بھی کردی۔ اس کے بعد شوہر نے یہ اقرار بھی کیا کہ میرے ذمے عورت کا کچھ قرض بھی تھا' یا پھر شوہر نے اپنے مال میں سے اس کے لئے کچھ وصیت کردی' تو قرض یا وصیت میں سے جو بھی رقم کم ہوگی وہ اس عورت کو مل جائے گی۔ امام اعظم ابوحنیفہ نے یہاں قرض اور وصیت کے ہمراہ میراث کو بھی شامل کیا ہے' تاہم صاحبین کے نزدیک یہ حکم صرف قرض اور وصیت کے بارے میں ہے۔ اگر شوہر نے بیماری کے دوران عورت کی فرمائش پر تین طلاقیں دیں اور پھر اس کے بعد قرض کا اقرار کیا یا وصیت کردی تو اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے: قرض وصیت اور وراثت میں سے جو سب سے کم ہوگا وہ خاتون کو مل جائے گا۔ اس بارے میں امام زفر کی دلیل مختلف ہے۔ انہوں نے یہ بات بیان کی ہے: قرض یا وصیت میں سے وہ شخص جس چیز کا بھی اقرار کرے گا وہ عورت کو مکمل طور پر ملے گا' کیونکہ جب خاتون کے مطالبے کی دلیل سے اس کی وراثت کے حق کو باطل قرار دیا گیا ہے تو اب اقرار اور وصیت کے لئے کوئی بھی چیز رکاوٹ نہیں ہوسکتی۔

پہلی صورت میں صاحبین نے اپنے موقف کی دلیل یہ پیش کی ہے: جب میاں بیوی نے طلاق واقع ہونے اور عدت گزر جانے کو باہمی طور پر تسلیم کرلیا تو اب یہ خاتون شوہر کے لئے ایک اجنبی خاتون کی طرح ہوجائے گی۔ یہاں تک کہ شوہر اس خاتون کی بہن کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے اور یہاں تہمت کا بھی کوئی امکان نہیں ہے۔ کیا آپ نے اس بات پر غور نہیں کیا؟ اب اس عورت کے حق میں اس مرد کی گواہی کو قبول کیا جاسکتا ہے اور وہ مرد اس عورت کو زکوٰۃ دے سکتا ہے اس کے برخلاف دوسری صورت میں ابھی عدت باقی ہے اور یہ بات تہمت کا سبب بن سکتی ہے اور تہمت کے سبب پر کسی بھی حکم کو جاری کیا جاسکتا ہے۔ اسی بناء پر نکاح اور قرابت پر حکم کا مدار ہوتا ہے' جبکہ پہلے مسئلے میں ابھی عدت باقی نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ نے دونوں صورتوں میں یہ بات بیان کی ہے: ان دونوں صورتوں میں تہمت کا امکان موجود ہے' کیونکہ بعض اوقات عورت اپنی کسی غرض کی دلیل سے طلاق کو اختیار کرلیتی ہے'

تاکہ اس کے لئے اقرار یا وصیت کا دروازہ کھل جائے اور اس کے حق میں اضافہ ہو سکے۔ اسی طرح بعض اوقات میاں بیوی خفیہ طور پر یہ طے کر لیتے ہیں کہ وہ طلاق واقع ہونے اور عدت گزر جانے کا اقرار کر لیں (اور اس کے ذریعے ان کو مخصوص فوائد حاصل ہو سکیں) تو یہ تہمت اضافے کے سلسلے میں ہے' لیکن ہم اضافے کو مسترد کر دیں گے' لیکن کیونکہ وراثت میں کوئی تہمت نہیں ہے اس لیے ہم وراثت کی مقدار کو برقرار رکھیں گے لہٰذا قرض' وصیت اور وراثت میں جو بھی کم ہوگا اس کے دینے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ عام طور پر زکوۃ دینے یا بیوی کی بہن کے ساتھ نکاح کرنے یا گواہی کے لئے اس نوعیت کی خفیہ تدابیر نہیں کی جاتی ہیں۔ اس لیے ان تمام صورتوں میں تہمت کا امکان باقی نہیں رہتا۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے عورت سے مرض میں کہا میں نے صحت میں تجھے طلاق دیدی تھی اور تیری عدت بھی پوری ہو چکی عورت نے اس کی تصدیق کی پھر شوہر نے اقرار کیا کہ عورت کا مجھ پر اتنا دَین ہے یا اُس کی فلاں شے مجھ پر ہے یا اُس کے لیے کچھ مال کی وصیت کی تو اُس اقرار و میراث یا وصیت و میراث میں جو کم ہے عورت وہ پائیگی اور اس بارے میں عدت وقت اقرار سے شروع ہوگی یعنی اب سے عدت پوری ہونے تک کے درمیان میں شوہر مرا تو یہی اقل پائے گی اور اگر عدت گزرنے پر مرا تو جو کچھ اقرار کیا یا وصیت کی کل پائے گی۔ اور اگر صحت میں ایسا کہا تھا اور عورت نے تصدیق کر لی یا وہ مرض مرض الموت نہ تھا یعنی وہ بیماری جاتی رہی تو اقرار وغیرہ صحیح ہے اگرچہ عدت میں مر گیا۔ اور اگر عورت نے تکذیب کی اور شوہر اُسی مرض میں وقت اقرار سے عدت میں مر گیا تو اقرار و وصیت صحیح نہیں اور اگر بعد عدت مرا یا اُس مرض سے اچھا ہو گیا تھا اور عدت میں مرا تو عورت وارث نہ ہوگی اور اقرار و وصیت صحیح ہیں۔ اور اگر مرض میں عورت کے کہنے سے طلاق دی پھر اقرار یا وصیت کی جب بھی وہی حکم ہے کہ دونوں میں جو کم ہے وہ پائے گی۔ (ردمحتار، کتاب طلاق، ج ۵، ص ۱۷، بیروت)

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مریض نے اپنی دو عورتوں سے کہا تم دونوں اپنے کو طلاق دے لو ہر ایک نے اپنے کو اور سَوت کو آگے پیچھے طلاق دی تو پہلی ہی کے طلاق دینے سے دونوں مطلقہ ہوگئیں اور اس کے بعد دوسری کا طلاق دینا بیکار ہے اور دوسری وارث ہوگی پہلی نہیں اور اگر پہلی نے صرف سَوت کو طلاق دی اپنے کو نہیں یا ہر ایک نے دوسری کو طلاق دی اپنے کو نہ دی تو دونوں وارث ہونگی۔ اور اگر ہر ایک نے اپنے کو اور سَوت کو معاً طلاق دی تو دونوں مطلقہ ہوگئیں اور وارث نہ ہوں گی اور اگر ایک نے اپنے کو طلاق دی اور دوسری نے بھی اسی کو طلاق دی تو یہی مطلقہ ہوگی۔ اور یہ وارث نہ ہوگی۔ اور اگر ایک نے سَوت کو طلاق دی پھر اس کے بعد دوسری نے خود اپنے ہی کو طلاق دی تو وارث ہوگی۔ یہ سب صورتیں اُس وقت ہیں کہ اُسی مجلس میں ایسا ہوا اور اگر مجلس بدلنے کے بعد ہر ایک نے اپنے کو اور سوت کو معاً طلاق دی یا آگے پیچھے یا ہر ایک نے دوسری کو طلاق دی بہر حال دونوں وارث ہیں اور ہر ایک نے اپنے کو طلاق دی تو طلاق ہی نہ ہوئی خلاصہ یہ ہے کہ جس صورت میں عورت خود اپنے طلاق دینے سے مطلقہ ہوئی ہو تو وارث نہ ہوگی ورنہ ہوگی۔ (عالمگیری، کتاب طلاق)

قریب المرگ ہونے کی بعض دیگر ممکنہ صورتوں کے احکام

قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: ﴿وَمَنْ كَانَ مَحْصُورًا أَوْ فِي صَفِّ الْقِتَالِ فَطَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا لَمْ تَرِثْهُ، وَإِنْ كَانَ قَدْ بَارَزَ رَجُلًا أَوْ قُدِّمَ لِيُقْتَلَ فِي قِصَاصٍ أَوْ رَجْمٍ وَرِثَتْ إِنْ مَاتَ فِي ذٰلِكَ الْوَجْهِ أَوْ قُتِلَ﴾ وَأَصْلُهُ مَا بَيَّنَّا أَنَّ امْرَأَةَ الْفَارِّ تَرِثُ اسْتِحْسَانًا، وَإِنَّمَا يَثْبُتُ حُكْمُ الْفِرَارِ بِتَعَلُّقِ حَقِّهَا بِمَالِهِ، وَإِنَّمَا يَتَعَلَّقُ بِمَرَضٍ يُخَافُ مِنْهُ الْهَلَاكُ غَالِبًا كَمَا إِذَا كَانَ صَاحِبَ الْفِرَاشِ وَهُوَ أَنْ يَكُوْنَ بِحَالٍ لَا يَقُوْمُ بِحَوَائِجِهِ كَمَا يَعْتَادُهُ الْأَصِحَّاءُ، وَقَدْ يَثْبُتُ حُكْمُ الْفِرَارِ بِمَا هُوَ فِي مَعْنَى الْمَرَضِ فِي تَوَجُّهِ الْهَلَاكِ الْغَالِبِ، وَمَا يَكُوْنُ الْغَالِبُ مِنْهُ السَّلَامَةَ لَا يَثْبُتُ بِهِ حُكْمُ الْفِرَارِ، فَالْمَحْصُوْرُ وَالَّذِي فِي صَفِّ الْقِتَالِ الْغَالِبُ مِنْهُ السَّلَامَةُ لِأَنَّ الْحِصْنَ لِدَفْعِ بَأْسِ الْعَدُوِّ وَكَذَا الْمَنَعَةُ فَلَا يَثْبُتُ بِهِ حُكْمُ الْفِرَارِ، وَالَّذِي بَارَزَ أَوْ قُدِّمَ لِيُقْتَلَ الْغَالِبُ مِنْهُ الْهَلَاكُ فَيَتَحَقَّقُ بِهِ الْفِرَارُ وَلِهٰذَا أَخَوَاتٌ تَخْرُجُ عَلٰى هٰذَا الْحَرْفِ، وَقَوْلُهُ إِذَا مَاتَ فِي ذٰلِكَ الْوَجْهِ أَوْ قُتِلَ دَلِيْلٌ عَلٰى أَنَّهُ لَا فَرْقَ بَيْنَ مَا إِذَا مَاتَ بِذٰلِكَ السَّبَبِ أَوْ بِسَبَبٍ آخَرَ كَصَاحِبِ الْفِرَاشِ بِسَبَبِ الْمَرَضِ إِذَا قُتِلَ.

ترجمہ

فرمایا: جو شخص دشمنوں کے محاصرے میں ہو یا جنگ میں مصروف ہو اور اس دوران اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدے تو وہ عورت وراثت سے محروم رہے گی۔ اگر شوہر میدان جنگ میں کسی کے مدمقابل آئے یا قصاص میں قتل کیے جانے کے لئے پیش کیا جائے یا اسے سنگسار کرنے کے لئے لایا جائے (اوران حالتوں میں وہ طلاق دیدے) تو وہ عورت اس کی وارث ہوگی اس وقت جب اس مرد کو مار دیا جائے یا قتل کر دیا جائے۔ اس کی دلیل ہم پہلے بیان کر چکے ہیں: جو شخص بیوی کو وراثت سے محروم کرنے کے لئے طلاق دے تو استحسان کے پیش نظر عورت کو اس کا وارث قرار دیا جائے گا۔ وراثت سے فرار کا حکم اسی وقت ثابت ہو سکتا ہے جب عورت کا حق مرد کے مال میں ثابت ہو رہا ہو اور عورت کا حق مرد کے مال سے اسی وقت متعلق ہو جائے گا جب شوہر ایسے مرض میں مبتلا ہو جائے جس میں غالب امکان اس کے انتقال کا ہو جیسے وہ مستقل صاحب فراش ہو جائے یا وہ ایسی حالت میں ہو جس کے ذریعے وہ اپنی ضروریات پوری نہ کر سکے۔ بعض اوقات اس فرار کا حکم ایسے معاملے سے بھی ثابت ہو جاتا ہے جو غلبے کے اعتبار سے ہلاک ہونے میں مرض الموت کے ہم معنی اور مشابہ ہوتا ہے۔ البتہ جس معاملے میں سلامتی اور بچاؤ کا پہلو غالب ہو اس کے ذریعے فرار کا

حکم ثابت نہیں ہوگا۔ اس لیے جو شخص قلعہ میں محصور ہے' یا جنگ کی صف میں کھڑا ہے' اس کے سلامت رہنے اور بچ نکلنے کا امکان زیادہ ہے' کیونکہ عام طور پر انسان قلعہ میں دشمن کی طرف سے نقصان سے محفوظ رہتا ہے اور لشکر کے بارے میں بھی یہی گمان کیا جا سکتا ہے' لہٰذا ان دونوں صورتوں میں فرار کا حکم ثابت نہیں ہوگا۔ لیکن جو شخص عملی طور پر دشمن کے مقابلے میں کھڑا ہو گیا' یا قصاص یا رجم کے لئے' اسے میدان میں لایا گیا تو ان صورتوں میں ہلاکت کا پہلو نمایاں ہے' لہٰذا ایسی تمام صورتوں میں فرار کا حکم ثابت ہو جائے گا۔ اس مسئلے کی دیگر کئی مثالیں ہیں جن میں مذکورہ اصول کو جاری کیا جا سکتا ہے۔ متن کے یہ الفاظ ''اگر وہ ان صورتوں میں مر جائے یا قتل کر دیا جائے'' یہ اس بات کی دلیل ہے: اس سبب کی دلیل سے مرے ہوئے شخص یا کسی دوسرے سبب سے مرے ہوئے شخص کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوگا۔ جیسا کہ ایسا صاحب فراش شخص جسے قتل کر دیا جائے۔

شرح

جو شخص لڑائی میں دشمن سے لڑ رہا ہو وہ بھی مریض کے حکم میں ہے اگرچہ مریض نہیں کہ غالب خوف ہلاک ہے۔ یونہی جو شخص قصاص میں قتل کے لیے یا پھانسی دینے کے لیے یا سنگسار کرنے کے لیے لایا گیا یا شیر وغیرہ کسی درندہ نے اُسے پچھاڑا یا کشتی میں سوار ہے اور کشتی موج کے طلاطم) میں پڑ گئی یا کشتی ٹوٹ گئی اور یہ اُس کے کسی تختہ پر بہتا ہوا جا رہا ہے تو یہ سب مریض کے حکم میں ہیں جبکہ اُسی سبب سے مر بھی جائیں اور اگر وہ سبب جاتا رہا پھر کسی اور دلیل سے مر گئے تو مریض نہیں اور اگر شیر کے مونھ سے چھوٹ گیا مگر زخم ایسا کاری لگا ہے کہ غالب گمان یہی ہے کہ اُس سے مر جائیگا تو اب بھی مریض ہے۔ (فتح القدیر، کتاب طلاق، ج ۴، ص ۳)

اور جب قتل کے لیے لایا گیا تھا مگر پھر قید خانہ کو واپس کر دیا گیا یا دشمن سے میدان جنگ میں لڑ رہا تھا پھر صف میں واپس گیا تو یہ اُس مریض کے حکم میں ہے کہ اچھا ہو گیا لہٰذا اُس حالت میں طلاق دی تھی اور عدت کے اندر مارا گیا تو عورت وارث نہ ہوگی۔ مریض نے طلاق دی تھی اور خود عورت نے اُسے عدت کے اندر قتل کر ڈالا تو وارث نہ ہوگی کہ قاتل مقتول کا وارث نہیں۔

(عالمگیری، کتاب طلاق)

وہ عوارض جو بیوی کو وراثت سے محروم کر دیتے ہیں

سابقہ مسائل میں مصنف نے یہ بات بیان کی تھی: اگر کوئی شخص مرض وفات میں مبتلا ہو اور اس دوران اپنی بیوی کو طلاق دے' تو اس کا حکم کیا ہوتا ہے؟ اب یہاں انہوں نے اسی سے ملتی جلتی ایک صورت کا ذکر کیا ہے' جو درحقیقت بیماری تو نہیں ہے' لیکن اس میں مرد کے فوت ہو جانے کا امکان زیادہ ہے۔

مصنف نے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے: جو شخص محصور ہو جائے یا جنگ میں صف میں کھڑا ہوا ہو اور اس دوران وہ اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدے' تو اس کی بیوی اس کی وارث نہیں ہوگی۔

یہاں مصنف نے اسی سے ملتا جلتا ایک اور مسئلہ بیان کیا ہے: جب کوئی شخص جنگ کے دوران دشمن کے بالکل مقابلے

میں آ چکا ہو یا اسے قصاص یا رجم کی سزا میں قتل کرنے کے لئے پیش کیا گیا ہو اور اس دوران وہ اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدے تو اب اگر وہ شخص مارا جاتا ہے تو وہ بیوی اس کی وارث بنے گی۔

مصنف نے یہاں یہ بات بیان کی ہے: اس بارے میں بنیادی اصول یہ ہے: جب کوئی شخص اپنی بیوی کو وراثت سے محروم کرنے کی نیت سے اسے طلاق دیتا ہے تو استحسان کے پیش نظر اس کی بیوی اس کی وارث قرار دی جائے گی اگرچہ قیاس کے اعتبار سے اسے وارث قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اس کی دلیل یہ ہے: میاں بیوی میں سے کوئی ایک دوسرے کا وارث اس دلیل سے بنتا ہے کہ دوسرے فریق کے انتقال کی دلیل سے ان کے درمیان نکاح ختم ہوا ہے' جبکہ مذکورہ بالا صورت میں یہ نکاح کسی کے انتقال کی دلیل سے ختم نہیں ہوا' بلکہ یہ تو طلاق کی دلیل سے ختم ہوا ہے' اس لئے قیاس کا تقاضا یہ ہے: یہاں وراثت کا حکم ثابت نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وراثت کے ثبوت کا سبب یہاں موجود نہیں ہے' اور اصول یہ ہے: سبب کے بغیر حکم ثابت نہیں ہو سکتا' لیکن استحسان کے پیش نظر عورت کو اس کا وارث قرار دیا گیا ہے۔

یہاں یہ مسئلہ ہے: شوہر عورت کو وراثت میں حصہ دار بنانے سے فرار اختیار کرنا چاہتا ہے تو اس فرار کا حکم ثابت کیسے ہو گا؟ مصنف نے یہ بات بیان کرتے ہیں: اس فرار کا حکم اس وقت ثابت ہوگا جب اس عورت کا حق اس مرد کے مال کے ساتھ متعلق ہو جائے گا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے: اس عورت کا حق اس مرد کے مال سے متعلق کب ہوگا؟ تو اس کا جواب دیتے ہوئے مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: یہ حق ایسی بیماری کی دلیل سے متعلق ہوتا ہے جس کے نتیجے میں غالب امکان یہی ہو کہ شوہر کا انتقال ہو جائے گا جیسا کہ وہ شخص مستقل طور پر صاحب فراش ہو اور اس کی حالت ایسی ہو کہ وہ اپنی ضروریات بھی پوری نہ کر سکتا ہو' جیسا کہ عام صحت مند افراد پوری کر لیتے ہیں۔

یہاں مصنف نے دوسری دلیل یہ بیان کی ہے: شوہر کے فرار کا حکم ایسی صورت میں بھی سامنے آئے گا جو صورتحال بیماری کا سا مفہوم رکھتی ہو' جس میں غالب امکان شوہر کے انتقال کا ہو۔

لیکن اگر کسی صورت میں غالب امکان شوہر کے سلامت رہنے کا ہو' تو اس صورت میں شوہر کے راہ فرار اختیار کرنے کا حکم ثابت نہیں ہوگا اور ایسی صورت میں بیوی اس کی وارث نہیں بنے گی۔

جو شخص محصور ہوتا ہے یا جو شخص جنگ میں صف میں کھڑا ہوا ہوتا ہے اس کے بارے میں غالب امکان یہی ہوتا ہے کہ وہ سلامت رہے گا یہی دلیل ہے: اگر وہ اس دوران اپنی بیوی کو طلاق دیدیتا ہے' تو ایسی صورت میں احناف کے نزدیک اس کی بیوی اس کی وارث نہیں بنے گی اس کی دلیل یہ ہے: محصور شخص جس قلعے کے اندر پناہ گزین ہے وہ قلعہ دشمن کے حملے کو

روکنے کے لئے رکاوٹ بن جائے گا' یہی حکم الشکر کا ہے کہ اس شخص کے آس پاس موجود افراد دشمن سے بچاؤ کے لئے اس کی رکاوٹ بن جاتے ہیں۔

لیکن جو شخص دست بدست مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں آجائے' یا اسے کسی سزا میں قتل کرنے کے لئے لایا جائے' اس کے بارے میں غالب امکان یہی ہوتا ہے کہ اب وہ مرجائے گا' اس لئے ایسی صورت میں طلاق دینے کے نتیجے میں اس کا راہ فرار اختیار کرنا ثابت ہوگا۔

یہاں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: اسی اصول کے تحت اس مسئلے کی دیگر ذیلی صورتوں کا بھی حکم جاری کیا جائے گا۔

مصنف نے یہ الفاظ استعمال کئے ہیں کہ اگر وہ اس صورت میں مرجاتا ہے' یا قتل ہوجاتا ہے' اس میں اس بات کی دلیل موجود ہے: مرنے کا سبب وہی مخصوص ہو یا اس کے علاوہ کوئی دوسرا سبب ہو' اس بارے میں کوئی فرق نہیں کیا جائے گا' جیسے کوئی شخص بیماری کی دلیل سے مستقل صاحب فراش ہو اور اس دوران اسے قتل کردیا جائے' تو اس کا وہی حکم ہوگا جو صاحب فراش شخص کا ہونا چاہیے۔

تندرستی کے عالم میں مشروط طلاق دینا اور شرط کا بیماری کے عالم میں پایا جانا

﴿وَإِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِامْرَأَتِهِ وَهُوَ صَحِيحٌ إِذَا جَاءَ رَأْسُ الشَّهْرِ أَوْ إِذَا دَخَلْتِ الدَّارَ أَوْ إِذَا صَلَّى فُلَانٌ الظُّهْرَ أَوْ إِذَا دَخَلَ فُلَانٌ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ فَكَانَتْ هٰذِهِ الْأَشْيَاءُ وَالزَّوْجُ مَرِيضٌ لَمْ تَرِثْ، وَإِنْ كَانَ الْقَوْلُ فِي الْمَرَضِ وَرِثَتْ إِلَّا فِي قَوْلِهِ إِذَا دَخَلْتِ الدَّارَ﴾ وَهٰذَا عَلٰى وُجُوهٍ: إِمَّا أَنْ يُعَلِّقَ الطَّلَاقَ بِمَجِيءِ الْوَقْتِ أَوْ بِفِعْلِ الْأَجْنَبِيِّ أَوْ بِفِعْلِ نَفْسِهِ أَوْ بِفِعْلِ الْمَرْأَةِ، وَكُلُّ وَجْهٍ عَلٰى وَجْهَيْنِ: أَمَّا إِنْ كَانَ التَّعْلِيقُ فِي الصِّحَّةِ وَالشَّرْطُ فِي الْمَرَضِ أَوْ كِلَاهُمَا فِي الْمَرَضِ.

أَمَّا الْوَجْهَانِ الْأَوَّلَانِ وَهُوَ مَا إِذَا كَانَ التَّعْلِيقُ بِمَجِيءِ الْوَقْتِ بِأَنْ قَالَ إِذَا جَاءَ رَأْسُ الشَّهْرِ فَأَنْتِ طَالِقٌ أَوْ بِفِعْلِ الْأَجْنَبِيِّ بِأَنْ قَالَ إِذَا دَخَلَ فُلَانٌ الدَّارَ أَوْ صَلَّى فُلَانٌ الظُّهْرَ، فَإِنْ كَانَ التَّعْلِيقُ وَالشَّرْطُ فِي الْمَرَضِ فَلَهَا الْمِيرَاثُ لِأَنَّ الْقَصْدَ إِلَى الْفِرَارِ قَدْ تَحَقَّقَ مِنْهُ بِمُبَاشَرَةِ التَّعْلِيقِ فِي حَالِ تَعَلُّقِ حَقِّهَا بِمَالِهِ، وَإِنْ كَانَ التَّعْلِيقُ فِي الصِّحَّةِ وَالشَّرْطُ فِي الْمَرَضِ لَمْ تَرِثْ.

وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَرِثُ لِاَنَّ الْمُعَلَّقَ بِالشَّرْطِ يَنْزِلُ عِنْدَ وُجُوْدِ الشَّرْطِ كَالْمُنَجَّزِ فَكَانَ اِيْقَاعًا فِي الْمَرَضِ. وَلَنَا اَنَّ التَّعْلِيْقَ السَّابِقَ يَصِيْرُ تَطْلِيْقًا عِنْدَ الشَّرْطِ حُكْمًا لَا قَصْدًا وَلَا ظُلْمَ اِلَّا عَنْ قَصْدٍ فَلَا يُرَدُّ تَصَرُّفُهُ. وَاَمَّا الْوَجْهُ الثَّالِثُ وَهُوَ مَا اِذَا عَلَّقَهُ بِفِعْلِ نَفْسِهِ فَسَوَاءٌ كَانَ التَّعْلِيْقُ فِي الصِّحَّةِ وَالشَّرْطُ فِي الْمَرَضِ اَوْ كَانَا فِي الْمَرَضِ وَالْفِعْلُ مِمَّا لَهُ مِنْهُ بُدٌّ اَوْ لَا بُدَّ لَهُ مِنْهُ يَصِيْرُ فَارًّا لِوُجُوْدِ قَصْدِ الْاِبْطَالِ، اِمَّا بِالتَّعْلِيْقِ اَوْ بِمُبَاشَرَةِ الشَّرْطِ فِي الْمَرَضِ، وَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مِنْ فِعْلِ الشَّرْطِ بُدٌّ فَلَهُ مِنَ التَّعْلِيْقِ اَلْفُ بُدٍّ فَيُرَدُّ تَصَرُّفُهُ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهَا.

وَاَمَّا الْوَجْهُ الرَّابِعُ وَهُوَ مَا اِذَا عَلَّقَهُ بِفِعْلِهَا، فَاِنْ كَانَ التَّعْلِيْقُ وَالشَّرْطُ فِي الْمَرَضِ وَالْفِعْلُ مِمَّا لَهَا مِنْهُ بُدٌّ كَكَلَامِ زَيْدٍ وَنَحْوِهِ لَمْ تَرِثْ لِاَنَّهَا رَاضِيَةٌ بِذٰلِكَ، وَاِنْ كَانَ الْفِعْلُ مِمَّا لَا بُدَّ لَهَا مِنْهُ كَاَكْلِ الطَّعَامِ وَصَلَاةِ الظُّهْرِ وَكَلَامِ الْاَبَوَيْنِ تَرِثُ لِاَنَّهَا مُضْطَرَّةٌ فِي الْمُبَاشَرَةِ لِمَا لَهَا فِي الْاِمْتِنَاعِ مِنْ خَوْفِ الْهَلَاكِ فِي الدُّنْيَا اَوْ فِي الْعُقْبٰى وَلَا رِضًا مَعَ الْاِضْطِرَارِ. وَاَمَّا اِذَا كَانَ التَّعْلِيْقُ فِي الصِّحَّةِ وَالشَّرْطُ فِي الْمَرَضِ، فَاِنْ كَانَ الْفِعْلُ مِمَّا لَهَا مِنْهُ بُدٌّ فَلَا اِشْكَالَ اَنَّهُ لَا مِيْرَاثَ لَهَا، وَاِنْ كَانَ مِمَّا لَا بُدَّ لَهَا مِنْهُ فَكَذٰلِكَ الْجَوَابُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ لِاَنَّهُ لَمْ يُوْجَدْ مِنَ الزَّوْجِ صُنْعٌ بَعْدَمَا تَعَلَّقَ حَقُّهَا بِمَالِهِ. وَعِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَرِثُ لِاَنَّ الزَّوْجَ اَلْجَاهَا اِلَى الْمُبَاشَرَةِ فَيَنْتَقِلُ الْفِعْلُ اِلَيْهِ كَاَنَّهَا آلَةٌ لَهُ كَمَا فِي الْاِكْرَاهِ.

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے صحت کے عالم میں اپنی بیوی سے یہ کہا: "جب مہینے کی ابتداء ہو یا جب تم گھر میں داخل ہو یا جب فلاں شخص ظہر کی نماز ادا کرے یا جب فلاں شخص گھر میں داخل ہو تو تمہیں طلاق ہے"۔ اور یہ تمام امور اس وقت واقع ہوئے جب خاوند شدید بیمار ہو چکا تھا' تو عورت شوہر کی وارث نہیں ہوگی' لیکن اگر مذکورہ باتیں بیماری کے عالم میں کہی گئی ہوں تو عورت وارث ہو جائے گی۔ سوائے ایک صورت کے جب شوہر نے (شدید بیماری کے عالم میں) اس سے یہ کہا ہو: "اگر تم اس گھر میں داخل ہوئی' تو تمہیں طلاق ہے"۔ اس مسئلے کی کئی صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے: طلاق کو کسی آنے والے وقت کے ساتھ معلق کر دیا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے: طلاق کو کسی اجنبی شخص کے کسی فعل کے ساتھ معلق کر دیا جائے۔ تیسری صورت یہ ہے: طلاق کو اپنے

کسی فعل کے ساتھ معلق کیا جائے۔ چوتھی صورت یہ ہے: طلاق کو عورت کے کسی فعل کے ساتھ معلق کیا جائے۔ پھر ان میں سے ہر ایک صورت کی مزید دو ذیلی صورتیں ہوں گی۔ پہلی ذیلی صورت یہ ہے: وہ معلق کرنا صحت کے عالم میں ہو اور شرط بیماری کے عالم میں پائی جائے۔ دوسری ذیلی صورت یہ ہے: وہ معلق کرنا اور شرط کا وجود دونوں بیماری کے عالم میں پائے جائیں۔ آپ پہلی دو صورتوں کو لیں یعنی جب تعلیق کا تعلق وقت سے ہو جیسے شوہر نے یہ کہا ہو: جب مہینے کا آغاز ہو تو تمہیں طلاق ہے۔ یا جب تعلیق کا تعلق کسی اجنبی شخص کے کسی فعل کے ساتھ ہو یعنی جب فلاں شخص ظہر کی نماز ادا کرے گا' جب فلاں شخص گھر میں داخل ہوگا' تو تمہیں طلاق ہے۔

اگر ان دونوں صورتوں میں تعلیق اور شرط بیماری کے عالم میں ہو تو عورت وراثت کی حقدار ہوگی' کیونکہ ایسی حالت میں شوہر کی طرف سے وراثت سے فرار کا پہلو ثابت ہو جاتا ہے' کیونکہ اس نے طلاق کی تعلیق ایسی حالت میں کی ہے جب عورت کا حق شوہر کے مال سے متعلق ہو چکا ہے۔

اگر ان دونوں صورتوں میں تعلیق صحت کے عالم میں ہو اور شرط بیماری کے عالم میں پائی جائے' تو بیوی کو وراثت میں حصہ نہیں ملے گا۔ امام زفر نے یہ بات بیان کی ہے: اسے وراثت میں حصہ ملے گا' کیونکہ جو بھی طلاق شرط سے متعلق ہو شرط کے وجود کے وقت اسی کیفیت میں واقع ہوتی ہے جو بغیر تعلیق کے دی جاتی ہے' تو گویا شوہر نے بیماری کے دوران اس عورت کو طلاق دی۔ ہماری دلیل یہ ہے: سابقہ تعلیق شرط کے وجود کے وقت حکم کے اعتبار سے طلاق بنتی ہے۔ قصد کے اعتبار سے طلاق نہیں بنتی اور قصد کے بغیر ظلم ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے اس کا یہ تصرف مسترد نہیں کیا جائے گا۔ تیسری صورت یہ ہے: مرد نے طلاق کو اپنے کسی ذاتی فعل کے ساتھ معلق کر دیا ہو اور یہ تعلیق صحت کے عالم میں کی ہو' لیکن شرط کا وجود بیماری کے عالم میں ہو' یا پھر یہ دونوں چیزیں بیماری کے عالم میں پیش آئیں تو دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسی طرح اس نے اگر طلاق کے فعل کو کسی ایسے فعل کے ساتھ معلق کیا جو اس کے لئے لازمی ہو' یا اس کے لئے لازمی نہ ہو' تو اس میں کوئی فرق نہیں ہوگا اور شوہر کو فرار اختیار کرنے والا شمار کیا جائے گا' کیونکہ اس کے عمل میں عورت کے حق کو ساقط کرنے کا ارادہ پایا جاتا ہے' خواہ اس نے مرض کے عالم میں اس کو معلق کیا ہو' یا وہ شرط بیماری کے عالم میں پائی جائے۔

اس کی دلیل یہ ہے: جس فعل کو اس نے شرط قرار دیا ہے وہ اس کے لئے ضروری ہے' جبکہ معلق نہ کرنے کے لئے' اس کے پاس ہزار طرح کے امکانات تھے لہٰذا مرد کے تصرف کو مسترد کیا جائے گا تاکہ عورت کو ضرر اور نقصان سے بچایا جاسکے۔ چوتھی صورت یہ ہے: طلاق کو عورت کے کسی فعل کے ساتھ معلق کیا جائے' اگر یہ تعلیق اور اس کی شرط کا وجود دونوں بیماری کے عالم میں پائے جائیں اور پھر عمل بھی ایسا ہو جس سے عورت بچ سکتی ہو مثلاً کسی سے کلام کرنا یا کسی کے گھر جانا تو عورت وارث شمار نہیں ہوگی' کیونکہ اپنا حق حاصل کرنے میں اس کی رضامندی پائی جارہی ہے' لیکن اگر اس کی تعلیق عورت کے کسی ایسے فعل کے ساتھ کی گئی ہو جس سے بچنا ممکن نہ ہو جیسے کھانا کھانا یا نماز ادا کرنا یا ماں باپ سے بات چیت کرنا تو ان افعال کے نتیجے میں (ثابت ہونے والی طلاق کے بعد)

عورت وراثت کی حقدار قرار دی جائے گی، کیونکہ وہ ان افعال کو سرانجام دینے کے لئے مجبور تھی اور ان میں سے بعض افعال سے باز رہنے کے نتیجے میں اس کے لئے دنیا اور آخرت میں ہلاکت کا اندیشہ تھا اس لیے مجبوری کے عالم میں رضامندی کا امکان باقی نہیں رہے گا۔

اگر معلق کرنا صحت کے عالم میں تھا اور شرط بیماری کے عالم میں پائی گئی اور فعل بھی ایسا ہے جس سے خاتون بچ سکتی ہو تو عورت وراثت کی حقدار نہیں ہوگی اور اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لیکن اگر طلاق کو معلق کرنا ایسے فعل کے ساتھ ہو جس سے عورت کے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے تو امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک یہی حکم ہوگا۔ امام زفر نے یہی بات بیان کی ہے اس کی دلیل یہ ہے: جب عورت کا حق مرد کے مال سے متعلق ہو تو مرد کی طرف سے اس کے حق کو ساقط کرنے کے لئے کوئی بھی چیز یہاں موجود نہیں ہوگی۔ امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک ان صورتوں میں عورت کو وارث قرار دیا جائے گا، کیونکہ شوہر نے اسے یہ عمل کرنے پر مجبور کیا ہے، تو یہ فعل مرد کی طرف منتقل گا، کیونکہ اس کام میں عورت مرد کی آلہ کار کی حیثیت رکھتی ہے جیسے زبردستی یا مجبوری کے عالم میں کچھ کروایا جاتا ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے مرض الموت میں عورت کو بائن طلاق دی ایک دی ہو یا زیادہ اور اُسی مرض میں عدّت کے اندر مر گیا خواہ اُسی مرض سے مرا یا کسی اور سبب سے مثلاً قتل کر ڈالا گیا تو عورت وارث ہے جبکہ باختیار خود اور عورت کی بغیر رضامندی کے طلاق دی ہو بشرطیکہ بوقت طلاق عورت وارث ہونے کی صلاحیت بھی رکھتی ہو اگرچہ شوہر کو اس کا علم نہ ہو مثلاً عورت کتابیہ تھی یا کنیز اور اُس وقت مسلمان یا آزاد ہو چکی تھی۔ اور اگر عدّت گزرنے کے بعد مرا یا اُس مرض سے اچھا ہو گیا پھر مر گیا خواہ اُسی مرض میں پھر مبتلا ہو کر مرا یا کسی اور سبب سے یا طلاق دینے پر مجبور کیا گیا یعنی مار ڈالنے یا عضو کاٹنے کی صحیح دھمکی دی گئی ہو یا عورت کی رضا سے طلاق دی تو وارث نہ ہوگی اور اگر قید کی دھمکی دی گئی اور طلاق دیدی تو عورت وارث ہے اور اگر عورت طلاق پر راضی نہ تھی مگر مجبور کی گئی کہ طلاق طلب کرے اور عورت کی طلب پر طلاق دی تو وارث ہوگی۔ (درمختار وغیرہ)

یہ حکم کہ مرض الموت میں عورت بائن کی گئی اور شوہر عدّت کے اندر مر جائے تو بشرائط سابقہ عورت وارث ہوگی طلاق کے ساتھ خاص نہیں بلکہ جو فُرقت جانب زوج سے ہو سب کا یہی حکم ہے مثلاً شوہر نے بخیار بلوغ عورت کو بائن کیا یا عورت کی ماں یا لڑکی کا شہوت سے بوسہ لیا یا معاذ اللہ مرتد ہو گیا اور جو فرقت جانب زدیل سے ہو اُس میں وارث نہ ہوگی مثلاً عورت نے شوہر کے لڑکے کا شہوت کے ساتھ بوسہ لیا یا مرتد ہو گئی یا خلع کرایا۔ یونہی اگر غیر کی جانب سے ہو مثلاً شوہر کے لڑکے نے عورت کا بوسہ لیا اگرچہ عورت کو مجبور کیا ہو ہاں اگر اس کے باپ نے حکم دیا ہو تو وارث ہوگی۔

طلاق معلّق میں زوجہ کیلئے محروم وراثت کے ذرائع

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص تندرستی کے عالم میں بیوی سے یہ کہتا ہے: جب فلاں مہینے کا آغاز

ہوگا یا جب تم گھر میں داخل ہوگی یا جب فلاں شخص ظہر کی نماز پڑھے گا یا جب فلاں شخص گھر میں داخل ہوگا' تو تمہیں طلاق ہو گی' اور شوہر نے اس نوعیت کی جس بات کا بھی ذکر کیا تھا وہ بات اس وقت رونما ہوتی ہے جب شوہر بیمار ہو چکا تھا' تو ایسی صورت میں وہ عورت اس شخص کی وارث نہیں بنے گی۔

آسان لفظوں میں ہم یہ بیان کر سکتے ہیں: سابقہ مسائل میں مصنف نے یہ جو صورتحال ذکر کی تھی' جس میں شوہر فوری طور پر عورت کو طلاق دیدیتا ہے' اور اس کے ذریعے عورت کو وراثت میں حصہ دار بننے سے روکنا چاہتا ہے' یہاں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: اگر کوئی شخص عورت کی طلاق کو کسی اور چیز کے ساتھ معلق کر دیتا ہے' اور وہ معلق صورتحال یعنی طلاق کی شرط اس وقت سامنے آتی ہے جب شوہر بیمار ہو' تو اس صورت میں اس کا حکم کیا ہوگا؟

اس بارے میں اصول یہی ہے: اگر شوہر نے یہ الفاظ صحت کے عالم میں استعمال کیے تھے اور شرط اس کی بیماری کے دوران پائی گئی تو اس صورت میں بیوی اس کی وارث نہیں ہوگی۔ لیکن شوہر نے اگر یہ الفاظ بیماری کے عالم میں استعمال کیے تھے تو اس صورتحال کے پائے جانے کی صورت میں وہ طلاق ہو جائے گی' لیکن اگر عورت کی عدت کے دوران شوہر کا انتقال ہو گیا' تو عورت اس کی وارث بنے گی البتہ صرف ایک صورت ایسی ہے' جس میں عورت شوہر کی وارث نہیں بن سکتی اور یہ وہ صورت ہے: جب شوہر نے طلاق کو بیوی کے کسی فعل کے ساتھ معلق کیا ہو۔

اس کا حکم اختلافی اس دلیل سے ہے: جو فعل بیوی کا ہو طلاق کو اس کے ساتھ معلق کیا جائے' تو بیوی جب اس فعل کو سر انجام دے گی' تو اس کا مطلب یہ ہے: وہ خود اپنے حق کو ساقط کرنے پر راضی ہے' اور طلاق کو اختیار کرنا چاہتی ہے' تو جب وہ خود اپنے حق کو ساقط کرنے پر راضی ہوگی' تو پھر ہم اسے وراثت میں حصہ دار قرار نہیں دیں گے۔

یہاں سے مصنف اس مشروط طلاق کی مختلف صورتیں بیان کر رہے ہیں۔ وہ یہ فرماتے ہیں: اس مسئلے کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔

اس کی پہلی صورت یہ ہے: شوہر نے طلاق کو آنے والے کسی وقت کے ساتھ معلق کیا ہو' یعنی جب فلاں مہینہ شروع ہوگا یا فلاں سال شروع ہوگا' یا فلاں دن آئے گا' یا فلاں تاریخ آئے گی' تو تمہیں طلاق ہے۔

دوسری صورت یہ ہے: شوہر نے طلاق کو کسی غیر متعلق شخص کے ساتھ معلق کیا ہو' یعنی جب وہ فلاں شخص یہ کام کرے گا' تو تمہیں طلاق ہے۔

تیسری صورت یہ ہے: شوہر نے اس طلاق کو اپنے ذاتی کسی فعل کے ساتھ معلق کیا ہو: جب میں ایسا کروں گا تو تمہیں طلاق ہوگی۔

چوتھی صورت یہ ہے: شوہر نے اس طلاق کو بیوی کے کسی عمل کے ساتھ معلق کیا ہو' یعنی جب تم نے ایسا کیا تو تمہیں

طلاق ہو جائے گی۔

مصنف بیان کرتے ہیں: ان چار صورتوں کی دو بنیادی صورتیں ہوں گی۔ ان میں سے ہر ایک صورت میں اس طلاق کو معلق قرار دینے کا عمل صحت کے عالم میں ہوگا اور وہ شرط بیماری کے عالم میں پائی گئی ہوگی۔

یا پھر اس طلاق کو معلق قرار دینے کا عمل بھی بیماری کے عالم میں ہوگا اور وہ شرط بھی بیماری کے عالم میں پائی گئی ہوگی۔

جہاں تک پہلی دو صورتوں کا تعلق ہے: یعنی جب شوہر نے اس تعلیق کو آنے والے کسی وقت کے ساتھ معلق کیا ہو یعنی اس نے یہ کہا ہو: جب فلاں مہینہ شروع ہوگا' تو تمہیں طلاق ہے' یا شوہر نے اس طلاق کو کسی اجنبی شخص کے کسی فعل کے ساتھ معلق کیا ہو یعنی اس نے یہ کہا ہو: جب فلاں شخص گھر میں داخل ہوگا یا جب فلاں شخص ظہر کی نماز ادا کرے گا' تو تمہیں طلاق ہے' اور ان دونوں صورتوں میں تعلیق اور شرط کا پایا جانا دونوں مرد کی بیماری کے عالم میں ہوں' تو ایسی صورت میں عورت کو وراثت حصہ ملے گا۔

اس کی دلیل یہ ہے: شوہر نے یہ تعلیق ایک ایسی حالت میں بیان کی ہے جب عورت کا حق شوہر کے مال کے ساتھ متعلق ہو چکا ہے' اور ایسے وقت میں جب شوہر اس طرح کی مشروط شرط پیش کرتا ہے' تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا' وہ عورت کو وراثت میں حصہ دار بنانے سے راہ فرار اختیار کر رہا ہے۔ لیکن اگر اس نے یہ تعلیق صحت کے عالم میں پیش کی ہو اور یہ شرط عملی طور پر اس کی بیماری کے دوران پائی جائے' تو عورت اس شخص کی وارث نہیں بنے گی جبکہ امام زفر کے نزدیک وہ اس کی وارث بن جائے گی۔

امام زفر اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں: جس چیز کو شرط کے ساتھ معلق کیا گیا ہے وہ اسی وقت پائی جائے گی جب اُس کا وجود پایا جائے گا' تو بالکل اس طرح ہو جائے گا' جیسے فوری طور پر شوہر طلاق دے رہا ہو' تو ایسی صورت میں بیماری کے دوران طلاق دینا لازم آئے گا۔

تو اصول یہی ہے: جب بیماری کے دوران شوہر طلاق دیتا ہے' تو بیوی اس کی وارث بن جاتی ہے۔ احناف کی دلیل یہ ہے: سابقہ تعلیق شرط کی موجودگی میں حکم کے اعتبار سے طلاق بنتی ہے' مرد کے ارادے کے اعتبار سے نہیں بنتی ہے' اور زیادتی صرف اس وقت ہو سکتی ہے جب مرد کا زیادتی کرنے کا ارادہ ہو اس لئے ایسی صورتحال میں اس کے تصرف کو مسترد نہیں کیا جا سکتا اور ہم یہی حکم دیں گے: اس صورتحال میں عورت اس مرد کی وارث نہیں بنے گی۔

جہاں تک تیسری صورتحال کا تعلق ہے: یعنی جب مرد نے طلاق کو اپنے کسی فعل کے ساتھ معلق کیا ہو' تو اس بارے میں دونوں پہلو برابر ہوں گے' خواہ تعلیق صحت کے عالم میں پائی جا رہی ہو اور شرط بیماری کے عالم میں پائی جا رہی ہو' یا وہ دونوں بیماری کے عالم میں پائے جا رہے ہوں' تو اب شوہر کا وہ فعل خواہ ایسا ہو جس کے بغیر گزارہ ہو سکتا ہو' یا کوئی ایسا فعل ہو جس

کے بغیر اس کا گزارہ نہ ہو سکتا ہو اور اسے کرنا اس شخص کے لئے ضروری ہو دونوں صورتحال میں وہ شخص راہ فرار اختیار کرنے والا قرار دیا جائے گا۔

اس کی دلیل یہ ہے: بیوی کے حق کو باطل کرنے کا ارادہ یہاں پایا جا رہا ہے یا تو تعلیق کے اعتبار سے یہاں پایا جا رہا ہے یا بیماری کے دوران اس شرط پر عمل پیرا ہونے کی دلیل سے پایا جا رہا ہے۔ یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر اس نے جس فعل کے ساتھ معلق کیا تھا' وہ کوئی ایسا فعل ہو جسے کئے بغیر چارہ نہ ہو تو بھی شوہر کو معذور قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ طلاق کو معلق کرنے کے اور بھی بہت سے طریقے تھے جن کے ساتھ طلاق کو معلق کیا جا سکتا تھا اس لئے شوہر کی تعلیق کو مسترد کیا جائے گا تا کہ عورت سے ضرر کو پرے کیا جا سکے۔

مصنف فرماتے ہیں: جہاں تک چوتھی صورت کا تعلق ہے' یعنی جب شوہر نے طلاق کو بیوی کے فعل کے ساتھ معلق کیا ہو تو اس بارے میں حکم یہ ہے: اگر تعلیق اور شرط کا وجود دونوں بیماری کے عالم میں پائے گئے ہوں اور جس فعل پر طلاق کو معلق کیا گیا تھا' وہ کوئی ایسا فعل ہو جسے انجام دیئے بغیر عورت کا گزارہ ہو سکتا ہے' تو اس صورت میں جب عورت اس فعل کو سر انجام دے گی' تو اسے طلاق ہو جائے گی اور وہ وراثت میں حقدار نہیں ہوگی' کیونکہ اس فعل کو سر انجام دینا اس عورت کے لئے ضروری نہیں تھا اب اس نے اس فعل کو انجام دے کر خود اپنے حق کو ساقط کرنے پر رضا مندی کا اظہار کر دیا ہے' اس لئے اس کی اپنی رضامندی کی دلیل سے وراثت میں اس کا حق ساقط ہو جائے گا۔

لیکن اگر شوہر نے طلاق کو بیوی کے کسی ایسے فعل کے ساتھ معلق کیا ہو' جسے انجام دینا عورت کے لئے ضروری ہو' تو اگر عورت اس فعل کو سر انجام دیتی ہے' تو اسے طلاق ہو جائے گی' لیکن وہ وراثت میں حصے دار ہوگی بشرطیکہ شوہر کا انتقال اس کی عدت گزرنے سے پہلے ہو جائے' اس کی دلیل یہ ہے: وہ عورت اس فعل کو سر انجام دینے کے لئے مجبور تھی اس لئے ان افعال کو سر انجام دینے کے نتیجے میں وہ اپنے حق کو ساقط کرنے پر راضی شمار نہیں ہوگی' تو جب وہ اپنے حق کو ساقط کرنے پر راضی شمار نہیں ہوگی' تو اسے وراثت میں اس کا حصہ دیا جائے گا۔

لیکن اگر شوہر نے تعلیق تندرستی کے عالم میں کی تھی اور وہ شرط اس کی بیماری کے دوران پائی گئی' تو اگر وہ فعل کوئی ایسا عمل ہو جسے انجام دینا ضروری نہیں تھا جیسے شوہر نے طلاق کو عورت کے گھر داخل ہونے پر معلق کیا ہو' تو یہاں کیونکہ اس گھر میں جائے بغیر اس عورت کا گزارہ ہو سکتا ہے اس لئے وہ عورت جیسے ہی گھر میں داخل ہوگی اسے طلاق ہو جائے گی' تو اس بارے میں کوئی اشکال نہیں ہے کہ عورت کو وراثت میں حصہ نہیں ملے گا۔

لیکن اگر وہ کوئی ایسا عمل ہو کہ جس کے کئے بغیر عورت کا گزارہ نہ ہو سکتا ہو' تو امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک حکم یہی ہے' اور امام زفر بھی اس بات کے قائل ہیں: ایسی صورت میں عورت اس شخص کی وارث نہیں ہوگی اس کی دلیل یہ ہے: شوہر نے

یہ عمل ایسے وقت میں نہیں کیا ہے جب بیوی کا حق شوہر کے مال کے ساتھ معلق ہو چکا تھا اس لئے اس کی طلاق تندرستی کے عالم میں بھی طلاق شمار ہوگی۔

امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف اس بات کے قائل ہیں: ایسی صورت میں عورت اس کی وارث بنے گی۔ ان حضرات نے یہ دلیل پیش کی ہے: جب کوئی ایسا فعل ہو جسے انجام دینا عورت کی مجبوری ہو اور وہ اسے ترک نہ کر سکتی ہو ایسی صورت میں اس فعل کی انجام دہی میں وہ عورت اس شخص کی قائم مقام شمار ہوگی اور وہ فعل اپنی اصل کے اعتبار سے اس شخص کی طرف منسوب ہوگا اھ جس طرح نیابت اور زبردستی میں اصل فعل کی نسبت کام کروانے والے کی طرف کی جاتی ہے اسی طرح اس فعل کی نسبت شوہر کی طرف کی جائے گی۔

بیماری کے عالم میں طلاق دینے کے بعد تندرست ہو جانا

قَالَ ﴿وَاِذَا طَلَّقَهَا ثَلَاثًا وَهُوَ مَرِيْضٌ ثُمَّ صَحَّ ثُمَّ مَاتَ لَمْ تَرِثْ﴾ وَقَالَ زُفَرُ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ :تَرِثُ لِاَنَّهُ قَصَدَ الْفِرَارَ حِيْنَ اَوْقَعَ فِى الْمَرَضِ وَقَدْ مَاتَ وَهِىَ فِى الْعِدَّةِ، وَلٰكِنَّا نَقُوْلُ :الْمَرَضُ اِذَا تَعَقَّبَهُ بُرْءٌ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الصِّحَّةِ لِاَنَّهُ يَنْعَدِمُ بِهِ مَرَضُ الْمَوْتِ فَتَبَيَّنَ اَنَّهُ لَا حَقَّ لَهَا يَتَعَلَّقُ بِمَالِهِ فَلَا يَصِيْرُ الزَّوْجُ فَارًّا وَلَوْ طَلَّقَهَا فَارْتَدَّتْ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اَسْلَمَتْ ثُمَّ مَاتَ الزَّوْجُ مِنْ مَرَضِهِ وَهِىَ فِى الْعِدَّةِ لَمْ تَرِثْ، وَاِنْ لَمْ تَرْتَدَّ بَلْ طَاوَعَتْ ابْنَ زَوْجِهَا فِى الْجِمَاعِ وَرِثَتْ. وَوَجْهُ الْفَرْقِ اَنَّهَا بِالرِّدَّةِ اَبْطَلَتْ اَهْلِيَّةَ الْاِرْثِ اِذِ الْمُرْتَدُّ لَا يَرِثُ اَحَدًا وَلَا بَقَاءَ لَهُ بِدُوْنِ الْاَهْلِيَّةِ، وَبِالْمُطَاوَعَةِ مَا اَبْطَلَتْ الْاَهْلِيَّةَ لِاَنَّ الْمَحْرَمِيَّةَ لَا تُنَافِى الْاِرْثَ وَهُوَ الْبَاقِى، بِخِلَافِ مَا اِذَا طَاوَعَتْ فِى حَالِ قِيَامِ النِّكَاحِ لِاَنَّهَا تُثْبِتُ الْفُرْقَةَ فَتَكُوْنُ رَاضِيَةً بِبُطْلَانِ السَّبَبِ، وَبَعْدَ الطَّلْقَاتِ الثَّلَاثِ لَا تَثْبُتُ الْحُرْمَةُ بِالْمُطَاوَعَةِ لِتَقَدُّمِهَا عَلَيْهَا فَافْتَرَقَا

ترجمہ

فرمایا: اور جب شوہر نے بیماری کے عالم میں تین طلاقیں دی ہوں پھر وہ تندرست ہو جائے اور اس کے بعد پھر اس کا انتقال ہو جائے تو اب عورت اس کی وارث نہیں ہوگی۔ امام زفر نے یہ بات بیان کی ہے: وہ وارث ہوگی کیونکہ شوہر نے بیماری کے عالم میں

طلاقیں دی تھیں اس لیے فرار کا ارادہ ثابت ہوگیا اور عورت عدت ہی میں تھی جب شوہر کا انتقال ہوا۔ ہماری دلیل یہ ہے: بیمار ہونے کے بعد جب شوہر تندرست ہوگیا' تو وہ بیماری نہیں صحت کی حالت شمار ہوگی' کیونکہ اب اس کا مرض الموت ہونا باقی نہ رہا اور یہ بات ظاہر ہوگئی' عورت کا کوئی بھی حق مرد کے مال کے ساتھ متعلق نہیں ہے' اس لیے یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ شوہر نے فرار کی راہ اختیار کی تھی۔ اگر شوہر نے بیوی کو مرض الموت کے دوران طلاق دی اور اس کے بعد خاتون مرتد ہوگئی اس کے بعد اس نے دوبارہ اسلام قبول کرلیا اور شوہر کا اسی بیماری کے دوران انتقال ہوگیا' تو عورت اس کی وارث نہیں بنے گی۔ البتہ اگر خاتون مرتد نہ ہوئی ہو' لیکن اس نے شوہر کے بیٹے کو صحبت کی طرف مائل کرلیا ہو' تو وہ وارث بن جائے گی۔ دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے: خاتون نے مرتد ہو کر وراثت کی اہلیت کو ضائع کردیا کیونکہ مرتد کسی مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا اور جب تک وارث بننے کی اہلیت نہ ہو وراثت باقی نہیں رہ سکتی۔ لیکن شوہر کے بیٹے کے ساتھ صحبت کرنا اس کی اہلیت کو تو ضائع نہیں کرسکتا' کیونکہ محرم ہونا وارث ہونے کے منافی نہیں ہوتا اور ہم نے یہاں صرف وراثت ہی کو باقی رکھا ہے۔

اس کے برخلاف: جب عورت نکاح قائم ہونے کی حالت میں شوہر کے بیٹے کے ساتھ رضامندی کے ساتھ یہ عمل کرتی ہے' تو میاں بیوی کے درمیان علیحدگی ہوجائے گی' اور وہ عورت وراثت سے محروم قرار دی جائے گی' کیونکہ نکاح قائم ہونے کی حالت میں جدائی ثابت ہوگئی ہے' لہٰذا عورت نے اپنا حق اپنی رضامندی کے ساتھ باطل کردیا ہے۔ لیکن شوہر کے تین طلاقیں دینے کے بعد اس کے بیٹے کے ساتھ صحبت کرنا حرمت والی صورت پیدا نہیں کرتا کیونکہ پہلے ہی تین طلاقوں کے نتیجے میں علیحدگی ہوچکی ہے اس لیے دونوں صورتوں میں فرق ظاہر ہوجائے گا۔

شرح

عورت نے طلاق رجعی یا طلاق کا سوال کیا تھا مرد مریض نے طلاق بائن یا تین طلاقیں دیدیں اور عدت میں مرگیا تو عورت وارث ہے۔ یونہی عورت نے بطور خود اپنے کو تین طلاقیں دے لی تھیں اور شوہر مریض نے جائز کردیں تو وارث ہوگی۔ اور اگر شوہر نے عورت کو اختیار دیا تھا عورت نے اپنے نفس کو اختیار کیا یا شوہر نے کہا تھا تو اپنے کو تین طلاقیں دیدے عورت نے دیدیں تو وارث نہ ہوگی۔ (درمختار، عالمگیری)

دو عورتیں مدخولہ ہیں شوہر نے صحت میں کہا تم دونوں میں سے ایک کو تین طلاقیں اور یہ بیان نہ کیا کہ کس کو پھر جب مریض ہوا تو بیان کیا کہ وہ مطلّقہ فلاں عورت ہے تو یہ عورت میراث سے محروم نہ ہوگی اور اگر اس شخص کی ان دو کے علاوہ کوئی اور عورت بھی ہے تو اس کے لیے نصف میراث ہے اور وہ عورت جس کا مطلّقہ ہونا بیان کیا اگر شوہر سے پہلے مرگئی تو شوہر کا بیان صحیح مانا جائیگا اور دوسری جو باقی ہے میراث لے گی لہٰذا اگر کوئی تیسری عورت بھی ہے تو دونوں حق زوجیت میں برابر کی حقدار ہیں۔ اور اگر جس کا مطلّقہ ہونا بیان کیا زندہ ہے اور دوسری شوہر کے پہلے مرگئی تو یہ نصف ہی کی حقدار ہے لہٰذا اگر کوئی اور عورت بھی ہے تو اُسے تین ربع ملیں گے اور اسے ایک ربع اور اگر شوہر کے بیان کرنے اور مرنے سے پہلے اُن میں کی ایک مرگئی تو اب جو باقی ہے وہی مطلّقہ سمجھی جائے گی

اور میراث نہ پائے گی اور اگر ایک کے مرنے کے بعد شوہر یہ کہتا ہے کہ میں نے اُسی کو طلاق دی تھی تو شوہر اُس کا وارث نہ ہوگا مگر جو ... ب ... طلقہ بھی جائے گی اور اگر دونوں آگے پیچھے مریں اب یہ کہتا ہے کہ پہلے جو مری ہے اُسے طلاق دی تھی تو کسی کا وارث نہیں۔اور اگر دو ... یک ساتھ مریں مثلاً اُن پر دیوار ڈھ پڑی یا دونوں ایک ساتھ ڈوب گئیں یا آگے پیچھے مریں مگر یہ نہیں معلوم کہ کون پہلے مری کون پیچھے تو ہر ایک کے مال میں جتنا شوہر کا حصہ ہوتا ہے اُس کا نصف نصف اسے ملے گا اور اس صورت میں کہ ایک ساتھ مریں یا معلوم نہیں کہ پہلے کون مری اس نے ایک کا مطلقہ ہونا معین کیا تو اس کے مال میں سے شوہر کو کچھ نہ ملے گا اور دوسری کے ترکہ میں سے نصف حق پائے گا۔(عالمگیری) •

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص بیماری کے دوران اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدے اور اس کے بعد تندرست ہو جائے اور تندرست ہونے کے بعد اس کا انتقال ہو تو اب وہ طلاق یافتہ عورت اس شخص کی وارث نہیں بنے گی ... اس شخص کا انتقال عورت کی عدت کے دوران ہوا ہو۔

اس بارے میں امام زفر کی دلیل مختلف ہے۔وہ یہ فرماتے ہیں: وہ عورت اس شخص کی وارث بنے گی' کیونکہ جب اس نے بیماری کے دوران عورت کو طلاق دی ہے' تو اس کا مطلب یہ ہے: وہ عورت کو وراثت میں حصہ دار بنانے سے فرار اختیار کرنا چاہتا تھا اور اب کیونکہ اس کا انتقال ہو گیا ہے' اور وہ عورت عدت کی حالت میں ہے' تو یہ حکم ثابت ہو جائے گا۔

احناف یہ کہتے ہیں: جب بیماری کے بعد تندرستی آ جائے' تو وہ بیماری بھی تندرستی کے مرتبے میں داخل ہو جاتی ہے' کیونکہ اس تندرستی کے نتیجے میں مرض الموت کا امکان معدوم ہو گیا ہے' تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اس عورت کا ایسا کوئی حق نہیں ہوگا' جس کا تعلق مرد کے مال کے ساتھ ہو' تو جب عورت کا ایسا کوئی حق نہیں ہوگا' تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا' شوہر کے وراثت میں حصہ دار بنانے سے فرار اختیار کرنے والا شمار نہیں ہوگا۔

مطلقہ کے ارتداد سے محروم وراثت کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص بیماری کے دوران اپنی بیوی کو طلاق دیدے پھر بیوی مرتد ہو جائے لیکن ... عدت پوری ہونے سے پہلے' شوہر کے انتقال سے پہلے' پھر مسلمان ہو جائے اور شوہر کا اسی بیماری کے دوران انتقال ہو جائے جبکہ عورت کی عدت ابھی باقی ہو' تو وہ عورت اس کی وارث نہیں بنے گی۔

اس کے برعکس اگر وہ طلاق کے بعد اس مرد کے بیٹے کے ساتھ صحبت کر لیتی ہے' تو وہ وارث بن جائے گی۔دونوں صورتوں کے درمیان فرق کی دلیل یہ ہے: جب عورت مرتد ہو گئی تو اس نے وراثت میں اپنے حق کو خود ختم کر دیا اس لئے مرتد ہونے کی صورت میں عورت شوہر کی وارث نہیں ہوگی' کیونکہ کوئی بھی مرتد شخص' کسی مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا ہے۔

اس کے برعکس جب عورت اس شخص کے بیٹے کو اپنے ساتھ صحبت کرنے کا موقع دے' تو ایسی صورت میں اس کا مرد کی محرم بن

جانا ثابت ہوتا ہے لیکن اس کی اہلیت باطل نہیں ہوتی ہے اور محرم ہونا وراثت کے منافی نہیں ہے۔

تاہم یہ صورت اس سے مختلف ہوگی: جب میاں بیوی کے درمیان نکاح قائم ہو یعنی شوہر نے عورت کو طلاق نہ دی ہو اور پھر وہ شوہر کے بیٹے کو اپنے ساتھ صحبت کرنے کا موقع دے تو اس صورت میں وہ عورت اس شخص کی وارث نہیں بن سکے گی کیونکہ نکاح قائم ہونے کی حالت میں عورت کا لڑکے کو یہ موقع دینا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ وہ عورت خود علیحدگی کی طلبگار تھی اور اس علیحدگی کو عملی طور پر نافذ کرنے کے اعتبار سے وہی مجرم قرار پائے گی لہٰذا اس دلیل سے اسے وراثت کے بنیادی سبب یعنی نکاح کے باطل کرنے پر راضی قرار دیا جائے گا تو جب وہ خود وراثت کے بنیادی سبب یعنی نکاح کو باطل قرار دے رہی ہے تو اس کے نتیجے میں وہ وارث بھی نہیں بن سکے گی۔

لیکن جب شوہر کے تین طلاقیں دینے کے بعد عورت نے اس کے بیٹے کو اس عمل کا موقع دیا تو وراثت کی حقدار ہوگی کیونکہ اس عمل کے نتیجے میں صرف حرمت ثابت ہوگی علیحدگی ثابت نہیں ہوگی کیونکہ یہاں علیحدگی اس عمل سے پہلے ہی پائی گئی ہے لہٰذا دونوں صورتوں کا حکم ایک دوسرے سے مختلف ہوگا۔

تندرستی کے عالم میں الزام لگانا اور بیماری کے دوران لعان کرنے کا حکم

﴿وَمَنْ قَذَفَ امْرَاَتَهُ وَهُوَ صَحِيْحٌ وَلَاعَنَ فِي الْمَرَضِ وَرِثَتْ .وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا تَرِثُ، وَاِنْ كَانَ الْقَذْفُ فِي الْمَرَضِ وَرِثَتْهُ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيْعًا﴾ وَهٰذَا مُلْحَقٌ بِالتَّعْلِيْقِ بِفِعْلٍ لَا بُدَّ لَهَا مِنْهُ اِذْ هِيَ مُلْجَاةٌ اِلَى الْخُصُومَةِ لِدَفْعِ عَارِ الزِّنَا عَنْ نَفْسِهَا وَقَدْ بَيَّنَّا الْوَجْهَ فِيْهِ ﴿وَاِنْ آلٰى وَهُوَ صَحِيْحٌ ثُمَّ بَانَتْ بِالْاِيْلَاءِ وَهُوَ مَرِيْضٌ لَّمْ تَرِثْ، وَاِنْ كَانَ الْاِيْلَاءُ اَيْضًا فِي الْمَرَضِ وَرِثَتْ﴾ لِاَنَّ الْاِيْلَاءَ فِي مَعْنَى تَعْلِيْقِ الطَّلَاقِ بِمُضِيِّ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ خَالِيَةٍ عَنِ الْوِقَاعِ فَيَكُوْنُ مُلْحَقًا بِالتَّعْلِيْقِ بِمَجِيْءِ الْوَقْتِ وَقَدْ ذَكَرْنَا وَجْهَهُ قَالَ ﴿وَالطَّلَاقُ الَّذِي يَمْلِكُ فِيْهِ الرَّجْعَةَ تَرِثُ بِهٖ فِي جَمِيْعِ الْوُجُوْهِ﴾ لِمَا بَيَّنَّا اَنَّهُ لَا يُزِيْلُ النِّكَاحَ حَتّٰى يُحِلَّ الْوَطْءَ فَكَانَ السَّبَبُ قَائِمًا .قَالَ ﴿وَكُلُّ مَا ذَكَرْنَا اَنَّهَا تَرِثُ اِنَّمَا تَرِثُ اِذَا مَاتَ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ﴾ وَقَدْ بَيَّنَاهُ، وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ .

ترجمہ

اور جس شخص نے تندرستی کے زمانے میں بیوی پر زنا کی تہمت لگائی ہو اور بیماری کے عالم میں اس نے لعان کیا ہو تو ایسی صورت میں بیوی اس کی وارث ہوگی۔ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک وارث نہیں ہوگی۔ اگر اس نے بیماری کے دوران تہمت لگائی تو

تمام فقہاء کے نزدیک وارث ہوگی۔ مسئلے کی یہ صورت ایسی تعلیق کے ساتھ منسوب ہے جس میں عورت کے لئے اس فعل کو کرنا ضروری ہو کیونکہ وہ خاتون اپنی ذات سے زناء کے الزام کو ختم کرنے کے لئے دعویٰ کرنے پر مجبور ہوگی۔ ہم اس کی توضیح پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اگر شوہر نے تندرستی کے عالم میں عورت کے ساتھ ایلاء کیا اور پھر عورت ایلاء کی دلیل سے بائنہ ہوگئی اور شوہر ابھی بیمار ہی تھا تو عورت اس کی وارث نہیں بنے گی۔ اگر ایلاء بیماری کے عالم میں گیا تو عورت اس کی وارث بن جائے گی' کیونکہ ایلاء کا حکم بھی طلاق کو معلق کرنے کی مانند ہے' جبکہ چار ماہ مباشرت کے بغیر گزر چکے ہوں' تو وہ تعلیق آنے والے وقت سے منسوب ہو جائے گی' اور اس کی دلیل بھی ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: جس طلاق میں مرد کو رجوع کرنے کا اختیار ہو' اس کی تمام صورتوں میں عورت وارث شمار ہوگی' جیسا کہ ہم نے پہلے یہ بات ذکر کی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے: رجعی طلاق کے نتیجے میں نکاح زائل نہیں ہوتا اور صحبت کرنا بھی جائز ہوتا ہے تو سبب ابھی موجود ہے۔ جہاں کہیں ہم نے عورت کے وارث ہونے کا ذکر کیا ہے' اس کا مقصد یہ ہے: وہ صرف ایسی صورت میں وارث ہوگی جب اس عورت کی عدت کے دوران ہی' شوہر کا انتقال ہو جائے' جیسا کہ اس باب کے آغاز میں یہ بات بیان کی جا چکی ہے۔

مرض کی حالت میں ایلاء سبب محرومیت وراثت نہیں ہے

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی مریض نے عورت کو طلاق بائن دی تھی اور عورت نے ابن زوج کا بوسہ لیا یا مطاوعت کی یا مرض کی حالت میں لعان کیا یا مرض کی حالت میں ایلا کیا اور اس کی مدت گزر گئی تو عورت وارث ہوگی اور اگر رجعی طلاق میں ابن زوج کا بوسہ عدت میں لیا تو وارث نہ ہوگی کہ اب فرقت جانب زدلیل سے ہے۔ یونہی اگر بلوغ یا عتق یا شوہر کے نامرد ہونے یا عضو تناسل کٹ جانے کی بنا پر عورت کو اختیار دیا گیا اور عورت نے اپنے نفس کو اختیار کیا تو وارث نہ ہوگی کہ فرقت جانب دلیل سے ہے اور اگر صحت میں ایلا کیا تھا اور مرض میں مدت پوری ہوئی تو وارث نہ ہوگی اور اگر عورت مریضہ سے لعان لیا اور عدت کے اندر مرگئی تو شوہر وارث نہیں۔ (درمختار، کتاب طلاق، باب مریض)

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص تندرستی کے عالم میں بیوی پر زناء کا الزام لگائے اور بیماری کے دوران اپنی بیوی کے ساتھ لعان کر کے علیحدگی اختیار کر لے اور پھر اس عورت کی عدت کے دوران اس کا انتقال ہو جائے' تو شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک وہ عورت اس کی وارث ہوگی' لیکن امام محمد علیہ الرحمہ اس بات کے قائل ہیں: وہ عورت اس شخص کی وارث نہیں بنے گی۔ البتہ اگر اس شخص نے بیماری کے عالم پر اس عورت پر زناء کا الزام لگایا ہو اور لعان بھی بیماری کے عالم میں ہوا ہو تو تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے: وہ عورت اس شخص کی وارث بنے گی۔ مصنف نے یہاں یہ بات بیان کی ہے: یہ مسئلہ اسی صورت کے ساتھ لاحق ہوگا جب شوہر نے طلاق کو عورت کے کسی ایسے فعل کے ساتھ معلق کیا ہو' جسے کئے بغیر عورت کا کیا گزارہ نہ ہو سکتا ہو یا جسے کرنا عورت کی مجبوری ہو' کیونکہ اس مسئلے کی طرح یہاں بھی شوہر نے اس پر زناء کا الزام

لگا کرا سے اس بات پر مجبور کیا ہے: وہ قاضی کے سامنے اس شخص کے ساتھ لعان کر کے علیحدگی حاصل کرے تا کہ اپنی ذات پر آنے والے الزام کو ختم کر سکے۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص تندرستی کے عالم میں اپنی بیوی کے ساتھ ایلاء کر لیتا ہے یعنی وہ یہ قسم اٹھاتا ہے کہ وہ چار ماہ تک اپنی بیوی کے ساتھ صحبت نہیں کرے گا اور پھر وہ اپنی قسم پوری کر لیتا ہے یعنی چار ماہ تک اس عورت کے ساتھ صحبت نہیں کرتا اور یہ چاروں مہینے ایسے گزرتے ہیں کہ وہ شخص اس دوران مرض الموت میں مبتلا رہا اور پھر چار ماہ پورے ہونے کے بعد وہ عورت طلاق یافتہ ہوگئی تو وہ عورت اس شخص کی وارث نہیں ہوگی۔

اس کی دلیل یہ ہے: اب جو علیحدگی پیش آئی ہے وہ ایلاء کرنے کی طرف منسوب ہے اور اس وقت وہ مرض الموت میں مبتلا ہے جبکہ علیحدگی کا بنیادی سبب یعنی نکاح کا تعلق چار ماہ پہلے کے وقت سے ہے اور اس بیماری کے دوران شوہر کی طرف سے ایلاء وغیرہ کچھ نہیں پایا گیا جسے طلاق کا سبب قرار دیا جا سکے اس لئے ایسی صورتحال میں ہم یہ نہیں کہہ سکتے: وہ شخص اس عورت کو وراثت میں حصہ دار بنانے سے راہ فرار اختیار کر رہا ہے تو جب شوہر کو راہ فرار اختیار کرنے والا قرار نہیں دیا جا سکتا تو اس کا لازمی نتیجہ یہی نکلے گا وہ عورت کیونکہ طلاق کے نتیجے میں شوہر سے الگ ہو چکی ہے اس لئے وہ اس کی وارث نہیں بن سکے گی۔ یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر ایلاء اور بینونت دونوں بیماری کے عالم میں واقع ہوئے ہوں تو اس کا حکم مختلف ہوگا جبکہ شوہر کا انتقال عورت کی عدت کے دوران ہوا ہو ایسی صورت میں عورت اس شخص کی وارث بنے گی۔ اس کی دلیل یہ ہے: ایلاء کا مطلب یہ ہے: چار ماہ تک بیوی کے ساتھ صحبت نہ کرنے کے ساتھ طلاق کو معلق کیا جائے تو جس طرح کسی بھی وقت کے ساتھ طلاق کو معلق کرنے کے نتیجے میں وہ تعلیق سابقہ تعلیق بن جاتی ہے اسی طرح یہاں بھی بن جائے گی اور کیونکہ عورت کی عدت ابھی باقی ہے اس لئے شوہر کا یہ ارادہ شمار کیا جائے گا وہ عورت کو وراثت میں حصہ دار بنانے سے فرار اختیار کر رہا ہے۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر شوہر نے عورت کو رجعی طلاق دی ہو تو ہر صورت میں وہ عورت اس شخص کی وارث ہوگی کیونکہ رجعی طلاق کے نتیجے میں نکاح مکمل طور پر ختم نہیں ہوتا ہے۔ یہی دلیل ہے: رجعی طلاق کی صورت میں شوہر کے لئے یہ بات جائز ہوتی ہے کہ وہ عورت کے ساتھ صحبت کر سکتا ہے اور یہ صحبت اس کی طرف سے رجوع شمار ہوتی ہے تو سبب کیونکہ یہاں موجود ہے اس لئے وہ عورت اس کی وارث قرار دی جائے گی یہاں سبب سے مراد نکاح کا باقی ہونا ہے جو اس عورت کے وارث بننے کا سبب بن سکتا ہے۔ یہاں مصنف نے اس بات کی وضاحت بھی کی ہے: عورت اس شخص کی وارث اسی صورت میں ہوگی جب اس عورت کی عدت کے دوران اس شخص کا انتقال ہو جاتا ہے اگر عورت کی عدت گزر چکی ہو تو پھر وہ وارث نہیں ہوگی کیونکہ عدت گزرنے کے ساتھ نکاح کے احکام مکمل طور پر ختم ہو جاتے ہیں۔ یہی دلیل ہے: عدت گزرنے کے بعد شوہر کو یہ حق حاصل نہیں رہتا کہ وہ عورت سے رجوع کر سکے۔

بَابُ الرَّجْعَةِ

﴿یہ باب طلاق سے رجوع کرنے کے بیان میں ہے﴾

باب رجعت کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ رجعت طبعی طور پر طلاق سے مؤخر ہے۔ تو مصنف علیہ الرحمہ نے وضعی طور پر بھی رجعت کو طلاق سے مؤخر ذکر کیا ہے تاکہ وضع طبع کے مطابق ہو جائے۔ اور رجعت کو فتح اور کسرہ دونوں طرح پڑھا گیا ہے البتہ فتح زیادہ فصیح ہے، اور نکاح کے دوام کو باقی رکھنے کا نام رجعت ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۵، ص ۳۹۵، بیروت)

رجعت کی لغوی واصطلاحی تعریف وحکم کا بیان

رجعت کے لغوی معنی: لوٹانا اصطلاحی معنی: پہلے سے قائم نکاح (جو طلاق کی دلیل سے ختم ہو رہا ہے) پھر سے برقرار رکھنا ہے۔

طلاق کی تین قسموں میں سے رجعت صرف طلاقِ رجعی ہی میں ہوا کرتی ہے اور طلاق رجعی میں بھی عدت ختم ہونے سے پہلے ہی رجعت کرنے کا حق ہوتا ہے، اس کے بعد رجعت نہیں کرسکتا، رجعت کے لیے عورت کا رضامند ہونا یا اس کے علم میں لاکر رجعت کرنا ضروری نہیں۔

عن قيس بن زيد :أن النبى صلى الله عليه و سلم طلق حفصة بنت عمر فدخل عليها خالاها قدامة و عثمان ابنا مظعون فبكت و قالت :و الله ما طلقنى عن شبع و جاء النبى صلى الله عليه و سلم فقال :قال لى جبريل عليه السلام راجع حفصة فإنها صوامة قوامة و إنها زوجتك فى الجنة .(مستدرك حاكم ،ذكر أم المؤمنين حفصة بنت عمر بن الخطاب ؓ،حديث نمبر،۶۷۵۳)

وَكَذَا لَا مَهْرَ فِي الرَّجْعَةِ وَلَا يُشْتَرَطُ فِيهَا رِضَا الْمَرْأَةِ ؛ لِأَنَّهَا مِنْ شَرَائِطِ ابْتِدَاءِ الْعَقْدِ لَا مِنْ شَرْطِ الْبَقَاءِ ، وَكَذَا إعْلَامُهَا بِالرَّجْعَةِ لَيْسَ بِشَرْطٍ حَتَّى لَوْ لَمْ يُعْلِمْهَا بِالرَّجْعَةِ جَازَتْ ؛ لِأَنَّ الرَّجْعَةَ حَقُّهُ عَلَى الْخُلُوصِ لِكَوْنِهِ تَصَرُّفًا فِي مِلْكِهِ بِالِاسْتِيفَاءِ ، وَالِاسْتِدَامَةِ ، فَلَا يُشْتَرَطُ فِيهِ إعْلَامُ الْغَيْرِ كَالْإِجَازَةِ فِي الْخِيَارِ لَكِنَّهُ مَنْدُوبٌ إلَيْهِ ، وَمُسْتَحَبٌّ(بدائع الصنائع بَيَانُ مَاهِيَّةِ الرَّجْعَةِ، ج۷،ص ۳۴۳)

رجعت کے دوطریقے ہیں۔ (۱) قولی، (۲)فعلی

(۱) رجعت کا پہلا طریقہ یہ ہے کہ زبان سے صاف صاف الفاظ میں کہدے کہ میں نے تم کو اپنے نکاح میں لوٹا لیا اور اس پر دو گواہ بنائے (یہ رجعت کا بہتر طریقہ ہے) یا رجعت کے لیے ایسے الفاظ کا استعمال کرے جو دو معنی رکھتے ہوں (۱) حقیقی معنی (۲) مجازی معنی جس سے رجعت مراد لی جائے جیسے تو میرے نزدیک ویسے ہی ہے جیسے پہلے تھی، البتہ ان الفاظ میں رجعت کی نیت کرنے سے رجعت ہوگی ورنہ نہیں (ان دونوں صورتوں کو رجعتِ قولی کہتے ہیں)۔

وَأَمَّا رُكْنُ الرَّجْعَةِ فَهُوَ قَوْلٌ أَوْ فِعْلٌ يَدُلُّ عَلَى الرَّجْعَةِ :أَمَّا الْقَوْلُ فَنَحْوُ أَنْ يَقُولَ لَهَا : رَاجَعْتُكَ أَوْ رَدَدْتُكَ أَوْ رَجَعْتُكَ أَوْ أَعَدْتُكَ أَوْ رَاجَعْتُ امْرَأَتِي أَوْ رَاجَعْتُهَا أَوْ رَدَدْتُهَا أَوْ أَعَدْتُهَا وَنَحْوُ ذَلِكَ لِأَنَّ الرَّجْعَةَ رَدٌّ وَإِعَادَةٌ إلَى الْحَالَةِ الْأُولَى وَلَوْ قَالَ لَمَّا نَكَحْتُكَ أَوْ تَزَوَّجْتُكَ كَانَ رَجْعَةً فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ(بدائع الصنائع رُكْنُ الرَّجْعَةِ

(۲) رجعت کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ عورت کے ساتھ ایسے افعال کئے جائیں جو صرف بیوی کیساتھ کیے جاتے ہیں: اس کو شہوت سے چھو لے یا بوسہ لیلے یا صحبت کرلیو غیرہ، اس کیلیے گواہ وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ حوالہ

وَأَمَّا رُكْنُ الرَّجْعَةِ فَهُوَ قَوْلٌ أَوْ فِعْلٌ يَدُلُّ عَلَى الرَّجْعَةِ ....وَأَمَّا الْفِعْلُ الدَّالُّ عَلَى الرَّجْعَةِ فَهُوَ أَنْ يُجَامِعَهَا أَوْ يَمَسَّ شَيْئًا مِنْ أَعْضَائِهَا لِشَهْوَةٍ أَوْ يَنْظُرَ إلَى فَرْجِهَا عَنْ شَهْوَةٍ أَوْ يُوجَدَ شَيْءٌ مِنْ ذَلِكَ هَهُنَا عَلَى مَا بَيَّنَّا وَوَجْهُ دَلَالَةِ هَذِهِ الْأَفْعَالِ عَلَى الرَّجْعَةِ مَا ذَكَرْنَا فِيمَا تَقَدَّمَ وَهَذَا عِنْدَنَا (بدائع الصنائع رُكْنُ الرَّجْعَةِ، ج۷، ص ۳۵۳)

رجوع وعدم رجوع کی صورت میں اقسام طلاق

اسی طرح حضرات فقہاء نے قرآن وسنت کی نصوص کو سامنے رکھتے ہوئے وقوع کے اعتبار سے طلاق کی تین قسمیں کی ہیں۔ یعنی عدت گزر جانے کے بعد عورت اور مرد کی حیثیت کیا رہے گی۔ گویا کہ طلاق کی یہ تین قسمیں وقوع طلاق کے بعد اس کے اثرات اور ان کے نتائج کو ظاہر کرتی ہیں۔

(۱) طلاق رجعی

وہ طلاق کہلاتی ہے جس کے بعد عورت کی عدت کے اندر مرد کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ عورت سے رجوع کرلے۔۔ لیکن مرد کو یہ اختیار صرف ایک یا دو طلاقوں تک رہتا ہے۔

طلاق رجعی کا حکم

طلاق رجعی کا حکم یہ ہے کہ طلاق دیتے ہی وہ نکاح سے نہیں نکلے گی بلکہ عدت گزرنے تک وہ نکاح میں رہے گی اس لیے عدت کے اندر شوہر اس کو دیکھ سکتا ہے، چھو سکتا ہے اور صحبت وغیرہ کر سکتا ہے مگر ایسا کرنے سے رجعت ہو جائے گی اور وہ رجعت نہ کرنا چاہے تو ان ساری چیزوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے اور عورت کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ عدت میں اچھا زیب و زینت اور خوب بناؤ سنگھار کرتی رہے کہ ہو سکتا ہے مرد کا دل اس کی طرف مائل ہو جائے اور رجعت کر لے، عدت گزر گئی اور مرد نے رجعت نہیں کی تو وہ نکاح سے نکل جائے گی اور اب وہ اس کے لیے اجنبیہ کا حکم رکھے گی اور عدت کے بعد بغیر نکاح کے مرد اس کو اپنی بیوی نہیں بنا سکتا۔

وَأَمَّا بَيَانُ حُكْمِ الطَّلَاقِ فَحُكْمُ الطَّلَاقِ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الطَّلَاقِ مِنَ الرَّجْعِيِّ، وَالْبَائِنِ، وَيَتَعَلَّقُ بِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَحْكَامٌ بَعْضُهَا أَصْلِيٌّ، وَبَعْضُهَا مِنَ التَّوَابِعِ، أَمَّا الطَّلَاقُ الرَّجْعِيُّ فَالْحُكْمُ الْأَصْلِيُّ لَهُ هُوَ نُقْصَانُ الْعَدَدِ، فَأَمَّا زَوَالُ الْمِلْكِ، وَحِلُّ الْوَطْءِ فَلَيْسَ بِحُكْمٍ أَصْلِيٍّ لَهُ لَازِمٍ حَتَّى لَا يَثْبُتَ لِلْحَالِ، وَإِنَّمَا يَثْبُتُ فِي الثَّانِي بَعْدَ انْقِضَاءِ الْعِدَّةِ، فَإِنْ طَلَّقَهَا وَلَمْ يُرَاجِعْهَا بَلْ تَرَكَهَا حَتَّى انْقَضَتْ عِدَّتُهَا بَانَتْ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَا يَزُولُ أَصْلًا، وَإِنَّمَا يَحْرُمُ وَطْؤُهَا مَعَ قِيَامِ الْمِلْكِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ كَالْوَطْءِ فِي حَالَةِ الْحَيْضِ، وَالنِّفَاسِ وَالدَّلِيلُ عَلَى قِيَامِ الْمِلْكِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ أَنَّهُ يَصِحُّ طَلَاقُهُ، وَظِهَارُهُ، وَإِيلَاؤُهُ، وَيَجْرِي اللِّعَانُ بَيْنَهُمَا، وَيَتَوَارَثَانِ، وَهَذِهِ أَحْكَامُ الْمِلْكِ الْمُطْلَقِ، وَكَذَا يَمْلِكُ مُرَاجَعَتَهَا بِغَيْرِ رِضَاهَا وَلَوْ كَانَ مِلْكُ النِّكَاحِ زَائِلًا مِنْ وَجْهٍ لَكَانَتِ الرَّجْعَةُ إِنْشَاءَ النِّكَاحِ عَلَى الْحُرَّةِ مِنْ غَيْرِ رِضَاهَا مِنْ وَجْهٍ، وَهَذَا لَا يَجُوزُ فَجَازَ أَنْ يَظْهَرَ أَثَرُ هَذَا الطَّلَاقِ بَعْدَ انْقِضَاءِ الْعِدَّةِ، وَهُوَ زَوَالُ الْمِلْكِ، وَحُرْمَةُ الْوَطْءِ، عَلَى أَنَّ لَهُ أَثَرًا نَاجِزًا، وَيُسْتَحَبُّ لَهَا أَنْ تَتَشَوَّفَ، وَتَتَزَيَّنَ؛ لِأَنَّ الزَّوْجِيَّةَ قَائِمَةٌ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ، وَيُسْتَحَبُّ لَهَا ذَلِكَ لَعَلَّ زَوْجَهَا يُرَاجِعُهَا، وَعَلَى هَذَا يُبْنَى حَقُّ الرَّجْعَةِ أَنَّهُ ثَابِتٌ لِلزَّوْجِ بِالْإِجْمَاعِ سَوَاءٌ كَانَ الطَّلَاقُ وَاحِدًا أَوِ اثْنَيْنِ، أَمَّا عِنْدَنَا فَلِقِيَامِ الْمِلْكِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ

(بدائع الصنائع فصل فی بیان حکم الطلاق: ...)

(۲) طلاق بائن یا بائنہ صغریٰ

اگر عورت کو ایک یا دو طلاق رجعی دے کر عدت کے اندر اس سے رجوع نہیں کیا تو عدت گزر جانے کے بعد وہ عورت بائن یعنی جدا ہو جاتی ہے۔ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کے لئے اجنبی کی حیثیت اختیار کر گئے۔۔۔ لیکن اگر عدت گزرنے کے بعد۔۔۔ یا ایک عرصہ گزرنے کے بعد وہ دونوں باہمی رضامندی نکاح کرنا چاہیں تو ان کا دوبارہ سے نکاح نئے ایجاب وقبول اور نئے حق مہر کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ اسی دلیل سے اس طلاق کو بائنہ صغریٰ یعنی چھوٹی جدائی والی بھی کہا جاتا ہے۔

طلاق بائن کا حکم

طلاق بائن کا حکم یہ ہے کہ طلاق دیتے ہی وہ نکاح سے نکل جائے گی اب شوہر کے لیے وہ اجنبیہ کی حیثیت رکھتی ہے اس لیے اس کو دیکھنا غیر ضروری بات کرنا، چھونا اور جماع وغیرہ سب ممنوع ہو گا البتہ اس میں یہ گنجائش ہو گی کہ اگر وہ اس کو پھر سے اپنی بیوی بنانا چاہتا ہو تو از سر نو نکاح کرنا ہو گا، خواہ عدت میں ہو یا عدت کے بعد۔

وَأَمَّا حُكْمُ الطَّلَاقِ الْبَائِنِ فَالْحُكْمُ الْأَصْلِيُّ لِمَا دُونَ الثَّلَاثِ مِنَ الْوَاحِدَةِ الْبَائِنَةِ، وَالثِّنْتَيْنِ الْبَائِنَتَيْنِ هُوَ نُقْصَانُ عَدَدِ الطَّلَاقِ، وَزَوَالُ الْمِلْكِ أَيْضًا حَتَّى لَا يَحِلُّ لَهُ وَطْؤُهَا إِلَّا بِنِكَاحٍ جَدِيدٍ وَلَا يَصِحُّ ظِهَارُهُ، وَإِيلَاؤُهُ وَلَا يَجْرِي اللِّعَانُ بَيْنَهُمَا وَلَا يَجْرِي التَّوَارُثُ وَلَا يُحَرَّمُ حُرْمَةً غَلِيظَةً حَتَّى يَجُوزَ لَهُ نِكَاحُهَا مِنْ غَيْرِ أَنْ تَتَزَوَّجَ بِزَوْجٍ آخَرَ، لِأَنَّ مَا دُونَ الثَّلَاثَةِ وَإِنْ كَانَ بَائِنًا فَإِنَّهُ يُوجِبُ زَوَالَ الْمِلْكِ لَا زَوَالَ حِلِّ الْمَحَلِّيَّةِ (بدائع الصنائع فَصْلٌ فِي حُكْمِ الطَّلَاقِ الْبَائِنِ)

(۳) طلاق مغلظہ

وہ ہے جس میں تین طلاقیں تین طہروں میں متواتر دے دی جائیں۔ یا ایک ہی طہر میں تین طلاقیں دی جائیں۔ یا ایک ہی لفظ میں تین طلاقیں دی جائیں۔۔ ایسی عورت طلاق دینے والے مرد پر فوری طور پر اس وقت تک حرام ہو جاتی ہے جب تک کہ وہ اس طلاق دینے والے شوہر کی عدت گزار کر دوسرے کسی شخص سے نکاح کر کے اس کے ساتھ جماع نہ کر لے۔ اور پھر وہ دوسرا شوہر خود ہی کسی دلیل سے اس کو طلاق دے دے یا وہ فوت ہو جائے۔ تو اس کی طلاق کی یا وفات کی عدت پوری کرنے کے بعد اگر دونوں میاں بیوی چاہیں تو نئے ایجاب وقبول اور نئے حق مہر کے ساتھ دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔۔ چونکہ اس طلاق میں بیوی کی جدائی سابقہ شوہر سے زیادہ ہو جاتی ہے اور عموما خواتین واپس پہلے شوہر سے نکاح نہیں کرتی ہیں اس لئے اس طلاق کو بائنہ کبری بھی کہا جاتا ہے۔

طلاق مغلظہ کا حکم

طلاق مغلظہ کا حکم یہ ہے کہ وہ فوراً اس کے نکاح سے ہمیشہ کے لیے نکل جائے گی اور عدت کے اندر بھی وہ اجنبیہ ہی کی طرح ہوگی اور وہ اس کو پھر سے اپنی زدلیل بنانا چاہتا ہو تو نہیں بنا سکتا البتہ اتنی گنجائش ہوگی کہ اس عورت کی عدت گزرنے کے بعد اس کا نکاح کسی اور مرد سے ہو جائے اور ان دونوں میں صحبت بھی ہو جائے پھر شوہر ثانی کسی دلیل سے اسے طلاق دیدے یا اس کا انتقال ہو جائے اور وہ ان کی عدت گزارے تو اب شوہر اول اسے اپنی زدلیل نکاح کے ذریعہ بنا سکتا ہے لیکن اس عورت کی نیت عقد ثانی کے وقت حلالہ کی ہو تو وہ اور شوہر ثانی دونوں گناہ گار ہونگے۔

وَأَمَّا الطَّلْقَاتُ الثَّلَاثُ فَحُكْمُهَا الْأَصْلِيُّ هُوَ زَوَالُ الْمِلْكِ، وَزَوَالُ حِلِّ الْمَحَلِّيَّةِ أَيْضًا حَتَّى لَا يَجُوزَ لَهُ نِكَاحُهَا قَبْلَ التَّزَوُّجِ بِزَوْجٍ آخَرَ؛ لِقَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ، وَسَوَاءٌ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا مُتَفَرِّقًا أَوْ جُمْلَةً وَاحِدَةً. (بدائع الصنائع فَصْلٌ فِي حُكْمِ الطَّلَاقِ الْبَائِنِ)

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ إِسْمَعِيلُ وَأُرَاهُ قَدْ رَفَعَهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللَّهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ. (ابو داود باب فِي التَّحْلِيلِ)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ. (ابن ماجه بَاب الْمُحَلِّلِ وَالْمُحَلَّلِ لَهُ، حدیث)

مذکورہ احادیث میں حلالہ کرنے والے مرد اور عورت دونوں پر لعنت فرمائی، جس سے معلوم ہوا کہ وہ دونوں گنہگار ہیں۔

حق طلاق مرد کے پاس ہونے کی حکمتوں کا بیان

سوال: یہاں ایک سوال عموماً بعض ناواقف حضرات کی طرف سے اٹھایا جاتا ہے کہ۔جی طلاق تو مرد نے دی اور سزا عورت کی دی جا رہی ہے؟

جواب: اسلام بیان کردہ مذکورہ نظام طلاق اور اسلام کی دیگر معاشرتی تعلیمات کو سامنے رکھ کر اگر اس کا جائزہ لیا جائے ہر انصاف پسند شخص پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اصل میں یہ سزا عورت کو نہیں مرد کو دی گئی ہے۔۔

کیونکہ اللہ تعالی نے اس کو بیوی جیسی نعمت عطا کی تھی اور اس کی حفاظت اور دیکھ بھال کا فریضہ مرد کو سونپا گیا تھا۔اور اگر حالات کے ناموافق ہونے کی دلیل سے اس کو طلاق دینی ہی تھی تو وہ راستہ اختیار کرتا جو کہ طلاق کی پہلی دو قسموں یعنی طلاق رجعی اور طلاق بائن میں اس کو دکھایا گیا ہے۔۔اور اس کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔۔۔لیکن اس نے اللہ کے مقرر کردہ حدود سے تجاوز کیا اور طلاق مغلظہ دے کر اپنی بیوی کو ہمیشہ ہمیشہ اپنے سے جدا کر لیا۔۔اب دونوں ایک دوسرے کے لئے دو اجنبیوں کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔۔

اور آپ تھوڑا سا تصور کریں اس اسلامی معاشرہ کا جس میں نکاح ثانی کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا، جس میں طلاق شدہ اور بیوہ خواتین سے نکاح کوئی برائی نہیں سمجھا جاتا۔۔جس میں بیوہ اور طلاق شدہ عورت کو دوسری، تیسری چوتھی، پانچویں، چھٹی، ساتویں۔الخ شادی کرنے پر طعنے دینا یا اس کو برا سمجھنا معیوب اور گناہ سمجھا جاتا ہے۔اس اسلامی معاشرہ میں کیا وہ عورت جس کو اس کے سابقہ شوہر نے حدود اللہ سے تجاوز کرتے ہوئے طلاق بدعت، یا طلاق مغلظہ دے کر اس کو خود سے جدا کر دیا۔وہ واپس اس سابقہ شوہر کے عقد میں جانا پسند کرے گی۔۔اور اگر چلی بھی جاتی ہے تو یقیناً وہ یہ دیکھ کر جائے گی کہ اب اس کا مرتبہ و مقام شوہر کی نظر میں پہلے سے بہتر ہوگا۔تب ہی تو اس نے دوبارہ عقد کرنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔

باوجود اس کے کہ وہ جانتا ہے کہ وہ کسی دوسرے کی بیوی رہ چکی ہے۔۔۔اور اگر وہ سمجھتی ہو کہ سابقہ شوہر کے پاس دوبارہ جانا اس کے لئے مفید نہیں ہے۔تو اس پر جبر کرنے والا کوئی نہیں ہے۔۔اس کو اسی طرح اپنا نکاح سابقہ شوہر سے کرنے یا نہ کرنے کا حق حاصل ہے جس طرح اس کے کنوارا ہونے کے وقت اس کو حاصل تھا۔۔مگر آج کے دور میں جو ہم عورت کو مجبور پاتے ہیں اس میں قصور اسلام کے نظام طلاق کا نہیں ہمارے اس غیر اسلامی معاشرے کا ہے۔۔اسلام، اس کے قوانین اور احکامات اللہ تعالی کی طرف سے ایک مکمل اور بھرپور پیکیج ہیں۔اس کے تمام لازمات کو ہمارا معاشرہ پورا کرے گا تو پھر اس کے **ثمرات ہمیں میسر** آئیں گے۔۔ایسا نہیں کہ اس پیکیج میں سے جو ہمیں پسند ہے وہ ہم لے لیں اور جو پسند نہیں اس کو یا تو ترک کر دیں۔۔یا اس میں پیوند کاری شروع کر دیں۔اور پھر امید اور توقع یہ رکھیں کہ اللہ کے بیان کردہ تمام ثمرات بھی ہمیں میسر آئیں۔۔یاد رکھیں اللہ تعالی کے بیان کردہ ثمرات تب ہی میسر ہوں گے جب ہم اس پیکیج کو عملی طور پر دل و جان سے اپنائیں گے۔

تین طلاقوں کے بعد عورت کا دوسرے شوہر سے شادی کرنے کے لازمی ہونے کو جس طرح نشانہ بنایا جاتا ہے اس کی دلیل

اسلام کے نظامِ طلاق سے عدم واقفیت، ہمارے اس غیر اسلامی معاشرے کے رسوم ورواج اور ہماری جہالت کی خرابی ہے۔ اس میں اسلامی نظامِ طلاق کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

رجعی طلاق دینے کے بعد شوہر کو عدت کے دوران رجوع کرنے کا حق ہوتا ہے

﴿وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَاَتَهُ تَطْلِيْقَةً رَجْعِيَّةً اَوْ تَطْلِيْقَتَيْنِ فَلَهُ اَنْ يُرَاجِعَهَا فِيْ عِدَّتِهَا رَضِيَتْ بِذٰلِكَ اَوْ لَمْ تَرْضَ﴾ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ﴾ مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ وَلَا بُدَّ مِنْ قِيَامِ الْعِدَّةِ لِاَنَّ الرَّجْعَةَ اسْتِدَامَةُ الْمِلْكِ، اَلَا تَرٰى اَنَّهٗ سَمّٰى اِمْسَاكًا وَهُوَ الْاِبْقَاءُ وَاِنَّمَا يَتَحَقَّقُ الْاِسْتِدَامَةُ فِي الْعِدَّةِ لِاَنَّهٗ لَا مِلْكَ بَعْدَ انْقِضَائِهَا.

ترجمہ

اور جب شوہر نے اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دی ہوں تو وہ عدت کے دوران اس سے رجوع کر سکتا ہے خواہ عورت اس بات راضی ہو یا نہ ہو اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''تم انہیں معروف طریقے سے روک لو'' اور یہ فرمان مطلق طور پر ذکر ہوا ہے اس کے لیے عدت کا قیام ضروری بھی ہے کیونکہ رجعت کا مطلب یہ ہے ملکیت کو برقرار رکھا جائے۔ کیا آپ نے غور نہیں کیا: قرآن میں رجوع کرنے کے لئے لفظ امساک (استعمال ہوا ہے) اور امساک کا معنی باقی رکھنا ہے اور یہ برقرار رکھنا عدت میں ہی ممکن ہوسکتا ہے کیونکہ عدت گزر جانے کے بعد نکاح کی ملکیت باقی نہیں رہے گی۔

رجوع کے حکم کا شرعی ثبوت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اپنی اہلیہ کو طلاق دی اور وہ حالت حیض میں تھیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ مسئلہ دریافت فرمایا۔ یعنی حضرت عبداللہ نے حالت حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے یہ طلاق دینا کیسا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم حضرت عبداللہ سے کہو کہ وہ اپنی بیوی کی جانب رجوع کرلیں۔ پھر وہ ان کو روکے رکھیں۔ یہاں تک کہ وہ حالت حیض سے پاک ہو جائیں۔ پھر جس وقت اس کو دوسرا حیض آ جائے اور وہ اس سے پاک ہو جائیں تو جب اگر عبداللہ کا دل چاہے تو اس کو رکھ لیں یا طلاق دے دیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اس دوسرے حیض کے بعد بھی ان کے پاس نہ جائیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہی عدت ہے اور خدا تعالیٰ نے اسی کے مطابق طلاق دینے کا حکم فرمایا ہے۔ (سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1328)

حضرت زہری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت زہری سے کسی نے یہ دریافت کیا کہ عدت پر طلاق کس طرح سے واقع ہوتی ہے؟ یعنی خداوند قدوس نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے تو اس کے معنی کیا ہوئے اور عدت کے دوران طلاق دینا کس طریقہ سے ہوتا ہے؟ حضرت زہری نے جواب دیا کہ میں نے حضرت سالم بن عبداللہ سے سنا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے

تھے کہ میں نے اپنی بیوی کو دور نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں طلاق دی اور وہ خاتون اس وقت حالت حیض میں تھیں۔ پھر میرے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کا تذکرہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس وقت یہ بات سنی تو ان کو غصہ آ گیا اور وہ فرمانے لگے عبداللہ کو اس واسطے رجوع کرنا مناسب ہے اور ان کو چاہیے کہ وہ طلاق سے رجوع کر لیں اور عورت کو پاک ہونے دینا چاہیے پھر اگر اس کو طلاق دینا بہتر ہو تو عورت کو طلاق دینا چاہیے۔ وہ اس عورت کو پاکی کی حالت میں ہم بستری کرے بغیر طلاق دے دیں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہی معنی ہیں آیت کریمہ میں کے یہی معنی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں میں نے رجوع کیا اور اس طلاق کو حساب میں لگایا یعنی میں نے جو طلاق دی تھی اس کا میں نے حساب لگایا۔ اس لیے کہ وہ طلاق اگرچہ سنت کے خلاف تھی اور حرام تھی لیکن طلاق واقع ہو چکی تھی۔ (سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1329)

تیسرے حیض کے ساتھ ہی سقوط رجوع کے حق میں فقہی مذاہب

اس مسئلہ میں فقہا کے درمیان اختلاف ہے۔ ایک جماعت کے نزدیک جب تک عورت تیسرے حیض سے فارغ ہو کر نہا نہ لے، اس وقت تک طلاق بائن نہ ہوگی اور شوہر کو رجوع کا حق باقی رہے گا۔ حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ، علیؓ، ابن عباسؓ، ابوموسیٰ اشعری، ابن مسعود اور بڑے بڑے صحابہؓ کی یہی دلیل ہے اور فقہائے حنفیہ نے اسی کو قبول کیا ہے۔ بخلاف اس کے دُوسری جماعت کہتی ہے کہ عورت کو تیسری بار حیض آتے ہی شوہر کا حق رجوع ساقط ہو جاتا ہے۔ یہ دلیل حضرات عائشہؓ، ابن عمرؓ، اور زید بن ثابتؓ کی ہے اور فقہائے شافعیہ و مالکیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ مگر واضح رہے کہ یہ حکم صرف اس صُورت سے متعلق ہے، جس میں شوہر نے عورت کو ایک یا دو طلاقیں دی ہوں۔ تین طلاقیں دینے کی صُورت میں شوہر کو حقِ رجوع نہیں ہے۔

حکم رجوع کا خطاب مردوں کیلئے ہے

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو ایک رجعی طلاق دی ہو یا دو رجعی طلاقیں دی ہوں اور پھر وہ اس عورت کی عدت پوری ہونے سے پہلے اس کے ساتھ رجوع کرنا چاہے تو اسے اس بات کا حق حاصل ہوگا' وہ اس عورت کے ساتھ رجوع کر لے خواہ عورت اس رجوع کے لئے رضامند ہو یا رضامند نہ ہو۔ مصنف نے اپنے مؤقف کی تائید میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پیش کیا ہے۔ ''تو تم ان کو مناسب طریقے سے روک لو''

اس حکم کا مخاطب مرد ہیں' اور اس میں عورت کی رضامندی یا عدم رضامندی کی کوئی قید ذکر نہیں کی گئی ہے تاہم اس کے لئے یہ ضروری ہے' یہ عمل یعنی رجوع کرنا صرف عورت کی عدت کے دوران ہو سکتا ہے اس کی دلیل یہ ہے: رجوع کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مرد اپنی ملکیت کو برقرار رکھ رہا ہے۔ کیا آپ نے اس بات پر غور نہیں کیا؟ اس عمل کو امساک (روکنا) کا نام دیا گیا ہے' جس کا مطلب کسی چیز کو باقی رکھنا اور یہ برقرار رکھنا صرف عدت کے دوران پایا جا سکتا ہے' کیونکہ جب عدت ختم ہو جائے گی' تو شوہر کی

ملکیت باقی نہیں رہے گی تو اسے رجوع کرنے کا حق بھی حاصل نہیں ہوگا۔

رجوع کے طریقے کا فقہی بیان

﴿وَالرَّجْعَةُ اَنْ يَقُوْلَ رَاجَعْتُكِ اَوْ رَاجَعْتُ امْرَاَتِي﴾ وَهٰذَا صَرِيْحٌ فِي الرَّجْعَةِ وَلَا خِلَافَ فِيْهِ بَيْنَ الْاَئِمَّةِ .قَالَ ﴿اَوْ يَطَاَهَا اَوْ يُقَبِّلَهَا اَوْ يَلْمِسَهَا بِشَهْوَةٍ اَوْ يَنْظُرَ اِلٰى فَرْجِهَا بِشَهْوَةٍ﴾ وَهٰذَا عِنْدَنَا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ :لَا تَصِحُّ الرَّجْعَةُ اِلَّا بِالْقَوْلِ مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَيْهِ لِاَنَّ الرَّجْعَةَ بِمَنْزِلَةِ ابْتِدَاءِ النِّكَاحِ حَتّٰى يَحْرُمَ وَطْؤُهَا، وَعِنْدَنَا هُوَ اسْتِدَامَةُ النِّكَاحِ عَلٰى مَا بَيَّنَّاهُ وَسَنُقَرِّرُهُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى،

وَالْفِعْلُ قَدْ يَقَعُ دَلَالَةً عَلَى الِاسْتِدَامَةِ كَمَا فِيْ اِسْقَاطِ الْخِيَارِ، وَالدَّلَالَةُ فِعْلٌ يَخْتَصُّ بِالنِّكَاحِ وَهٰذِهِ الْاَفَاعِيلُ تَخْتَصُّ بِهٖ خُصُوْصًا فِي الْحُرَّةِ، بِخِلَافِ النَّظَرِ وَالْمَسِّ بِغَيْرِ شَهْوَةٍ لِاَنَّهٗ قَدْ يَحِلُّ بِدُوْنِ النِّكَاحِ كَمَا فِي الْقَابِلَةِ وَالطَّبِيْبِ وَغَيْرِهِمَا، وَالنَّظَرُ اِلٰى غَيْرِ الْفَرْجِ قَدْ يَقَعُ بَيْنَ الْمُسَاكِنَيْنِ وَالزَّوْجُ يُسَاكِنُهَا فِي الْعِدَّةِ، فَلَوْ كَانَ رَجْعَةً لَطَلَّقَهَا فَتَطُوْلُ الْعِدَّةُ عَلَيْهَا .

ترجمہ

اور رجوع اس طرح ہوسکتا ہے شوہر بیوی سے مخاطب ہوکر یہ کہے: میں نے تم سے رجوع کرلیا' یا یہ کہے: میں نے اپنی بیوی سے رجوع کرلیا۔ رجوع کرنے کے بارے میں یہ الفاظ صریح ہیں اوران کے بارے میں ائمہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔شوہر عورت کے ساتھ صحبت کرے' یا اس کا بوسہ لے' شہوت کے ساتھ اسے چھولے یا اس کی شرمگاہ کی طرف شہوت کے ساتھ دیکھ لے تو ان تمام صورتوں میں ہمارے نزدیک (رجوع شمار ہوگا) امام شافعی نے یہ بات بیان کی ہے: جب وہ شخص بولنے کی قدرت رکھتا ہو' تو الفاظ ادا کیے بغیر رجوع کرنا درست نہیں ہوگا۔اس کی دلیل یہ ہے (امام شافعی کے نزدیک) رجوع کرنا' نئے سرے سے نکاح کرنے کی مانند ہے (یہاں تک کہ عدت کے دوران رجوع کیے بغیر) بیوی کے ساتھ صحبت کرنا حرام ہے۔ ہمارے نزدیک رجوع کا مطلب نکاح کو برقرار رکھنا ہے' جیسا کہ ہم پہلے یہ بات بیان کرچکے ہیں اور آئندہ بھی اس کی وضاحت کریں گے۔مرد کا فعل بھی اس کے نکاح کے قائم رکھنے کے اسی طرح دلیل بن سکتا ہے جیسے اختیار ساقط کرنے کے لئے بن سکتا ہے۔

اور فعل کا رجوع کرنے کی دلیل ہونا ایسے افعال کے ذریعے ثابت ہوگا جو نکاح کے ساتھ مخصوص ہوں اور وہ افعال وہی ہیں جن کا ہم ذکر کرچکے ہیں۔بطور خاص آزاد عورت کے حق میں۔اس کے برخلاف اس طرح سے چھونا اور اس طرح سے دیکھنا جو

شہوت کے بغیر ہو (اس کا حکم مختلف ہے) کیونکہ شہوت کے بغیر دیکھ لینا یا چھو لینا نکاح کے بغیر بھی جائز ہوتا ہے جیسے دایہ اور طبیب وغیرہ کے لئے ایسا کرنا جائز ہے۔ اور شرمگاہ کے علاوہ نگاہ ڈالنے کے بارے میں تو اس بات کا امکان زیادہ ہے کہ ایک ہی جگہ رہنے والے لوگوں کے درمیان پایا جاسکتا ہے۔ عدت کے دوران شوہر بیوی کے ساتھ ہی رہے گا لہٰذا فرج کے علاوہ دیگر اعضاء کی طرف دیکھنے کو اگر رجعت قرار دیا جائے تو (تو یہ عملی طور پر ممکن نہیں) اس لئے پھر اسے طلاق دینا پڑے گی اور اس عورت کی عدت خواہ مخواہ طویل ہوتی چلی جائے گی۔

طریقہ رجوع میں مذاہب اربعہ

رجوع کس طرح ہوتا ہے اور کس طرح نہیں ہوتا؟ اس مسئلے میں فقہاء کے درمیان یہ امر متفق علیہ ہے کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو رجعی طلاق دی ہو وہ عدت ختم ہونے سے پہلے چاہے رجوع کرسکتا ہے، خواہ عورت راضی ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ قرآن مجید (سورہ بقرہ، آیت228) میں فرمایا گیا ہے وَبُعُولَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذٰلِكَ ان کے شوہر اس مدت کے اندر انہیں واپس لے لینے کے پوری طرح حق دار ہیں "اس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عدت گزرنے سے پہلے تک ان کی زوجیت برقرار رہتی ہے اور وہ انہیں قطعی طور پر چھوڑ دینے سے پہلے واپس لے سکتے ہیں۔ بالفاظ دیگر رجوع کوئی تجدید نکاح نہیں ہے کہ اس کے لئے عورت کی رضا ضروری ہو۔ شافعیہ کے نزدیک رجوع صرف قول ہی سے ہوسکتا ہے، عمل سے نہیں ہوسکتا۔ اگر آدمی زبان سے یہ نہ کہے کہ میں نے رجوع کیا تو مباشرت یا اختلاط کا کوئی فعل خواہ رجوع کی نیت ہی سے کیا گیا ہو، رجوع قرار نہیں دیا جائے گا، بلکہ اس صورت میں عورت سے ہر قسم کا استمتاع حرام ہے چاہے وہ بلاشہوت ہی ہو۔ لیکن مطلقہ رجعیہ سے مباشرت کرنے پر حد نہیں ہے، کیونکہ علماء کا اس کے حرام ہونے پر اتفاق نہیں ہے۔ البتہ جو اس کے حرام ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو اسے تعزیز دی جائے گی۔ مزید براں آدمی رجوع بالقول کرے یا نہ کرے (مغنی المحتاج، کتاب طلاق)

مالکیہ کہتے ہیں کہ رجوع قول اور فعل، دونوں سے ہوسکتا ہے۔ اگر رجوع بالقول میں آدمی صریح الفاظ استعمال کرے تو خواہ اس کی نیت رجوع کی ہو یا نہ ہو، رجوع ہوجائے گا، بلکہ اگر وہ مذاق کے طور پر بھی رجوع قرار دیے جائیں گے جبکہ وہ رجوع کی نیت سے کہے گئے ہوں۔ رہا رجوع بالفعل تو کوئی فعل خواہ وہ اختلاط ہو، یا مباشرت، اس وقت تک رجوع قرار نہیں دیا جاسکتا جب تک کہ وہ رجوع کی نیت سے نہ کیا گیا ہو (حاشیہ الدسوقی۔ احکام القرآن لابن العربی)

حنفیہ اور حنابلہ کا مسلک رجوع بالقول کے معاملہ میں وہی جو مالکیہ کا ہے۔ رہا رجوع بالفعل، تو مالکیہ کے برعکس ان دونوں مذاہب کا فتوی یہ ہے کہ شوہر اگر عدت کے اندر مطلقہ رجعیہ سے مباشرت کرلے تو وہ آپ سے آپ رجوع ہے، خواہ وہ مباشرت سے کم کسی درجے کا ہو، اور حنابلہ محض اختلاط کو رجوع نہیں مانتے (ہدایہ، فتح القدیر، عمدۃ القاری، الانصاف)

چھونے سے اثبات رجوع میں فقہی مذاہب ثلاثہ

قول کے ساتھ رجوع اس طرح ہوگا کہ : خاوند کہے : میں نے اپنی بیوی سے رجوع کرلیا، یا اسے لوٹا لیا، یا اسے اپنی عصمت میں واپس لے لیا، یا بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہے : میں نے تجھ سے رجوع کرلیا، یا تجھے لوٹا لیا، یا تجھے واپس کرلیا.
فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ مندرجہ بالا الفاظ کے ساتھ رجوع ثابت ہو جائیگا . اور الفاظ کے قائم مقام کتابت یعنی لکھائی اور اس طرح بولنے سے عاجز شخص کا اشارہ بھی یہی معنی دیگا . رہا فعل کے ساتھ رجوع کرنا تو یہ جماع کے ساتھ ہوگا اور اس میں بھی شرط یہ ہے کہ یہ جماع رجوع کے مقصد سے ہو۔

شیخ عبدالرحمن السعدی رحمہ اللہ کہتے ہیں " : اگر خاوند نے بیوی کو طلاق رجعی دے دی ہو یا تو اس کی عدت ختم ہو چکی ہوگی تو اس صورت میں اس کے لیے نئے نکاح کے ساتھ ہی حلال ہوگی جس میں پوری شروط نکاح موجود ہوں . یا پھر وہ ابھی عدت میں ہی ہو اگر بیوی سے وطء اور جماع کرنے کا مقصد بیوی سے رجوع ہو تو بیوی سے رجوع ہو جائیگا اور یہ وطء بھی مباح ہوگی . لیکن اگر وہ اس سے رجوع کا ارادہ نہیں رکھتا تو ایک مذہب کے مطابق یہ رجوع ہو جائیگا لیکن صحیح یہی ہے کہ اس سے رجوع نہیں ہوگا . اس بنا پر یہ وطی حرام ہوگی ۔ (الارشاد الی معرفۃ الاحکام)

علامہ ابن قدامہ حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اس لیے صرف خاوند کا آپ کو چھونا آپ سے رجوع نہیں کہلائیگا . جمہور علماء کرام جن میں امام مالک علیہ الرحمہ امام شافعی اور امام احمد شامل ہیں کا یہ کہنا ہے کہ : صرف شہوت کے ساتھ چھونے سے رجوع حاصل نہیں ہو جائیگا لیکن امام مالک علیہ الرحمہ رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ اگر شہوت کے ساتھ چھونے سے اس کا مقصد رجوع کرنا ہو تو رجوع کی نیت سے شہوت کے ساتھ چھونا رجوع کہلائیگا، اس لیے جب آپ کا خاوند یہ کہہ رہا ہے کہ اس نے رجوع کی نیت نہیں کی تو پھر اس سے رجوع حاصل نہیں ہوا۔ (المغنی (7/ 404)

فعلی رجوع میں مذاہب اربعہ

فعل کے ساتھ بیوی سے رجوع کرنے میں علماء کرام کا اختلاف پایا جاتا ہے مثلا : جماع اور اس کی ابتدائی اشیاء یعنی بیوی سے بوس و کنار کرنا، اس میں علماء کے چار قول ہیں:

پہلا قول: احناف کہتے ہیں کہ جماع کرنے اور شہوت سے بوس و کنار کرنے سے کے ساتھ رجوع ہو جائیگا چاہے درمیان میں حائل بھی ہو لیکن شہوت کی حرارت ہونی چاہیے، انہوں نے اس سب کو رجوع پر محمول کیا ہے، گویا کہ وہ اپنی وطء اور جماع سے اس سے رجوع کرنے پر راضی ہوگیا ہے.

دوسرا قول: مالکیہ کے ہاں جماع اور اس کے مقدمات سے رجوع ہو جائیگا لیکن شرط یہ ہے کہ خاوند اس میں رجوع کی نیت

کرے، اس لیے اگر اس نے رجوع کی نیت سے بیوی کا بوسہ لیا یا اسے شہوت سے چھولیا یا جماع والی جگہ کو شہوت سے دیکھا یا اس سے وطء اور جماع کیا لیکن اس میں رجوع کی نیت نہ تھی تو ان اشیاء سے رجوع صحیح نہیں ہوگا، بلکہ اس نے حرام کا ارتکاب کیا.

تیسرا قول: شافعی حضرات کہتے ہیں کہ رجوع صرف قول کے ساتھ ہی صحیح ہوگا، مطلقا فعل کے ساتھ رجوع صحیح نہیں، چاہے وطء ہو یا اس کے مقدمات اور چاہے فعل میں اس نے رجوع کی نیت بھی کی ہو یا نیت نہ ہو.

چوتھا قول: حنابلہ کہتے ہیں کہ وطء کے ساتھ رجوع صحیح ہے چاہے خاوند نے بیوی سے رجوع کی نیت کی ہو یا نیت نہ کی ہو، لیکن وطء کے مقدمات سے صحیح مذہب میں رجوع ثابت نہیں ہوگا. (تبیین الحقائق (2 / 251) حاشیۃ ابن عابدین (3 / 399) الخرشی علی خلیل (4 / 81) حاشیۃ البجیرمی (4 / 41) الانصاف (9 / 156) مطالب اولی النهی (5 / 480).

جو فعل سبب حرمت مصاہرت وہی سبب رجعت قاعدہ فقہیہ

علامہ محمد امین آفندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جس فعل سے حرمت مصاہرت ہوتی ہے اُس سے رجعت ہو جائیگی مثلاً وطی کرنا یا شہوت کے ساتھ مونھ یا رخسار یا ٹھوڑی یا پیشانی یا سر کا بوسہ لینا یا بلا حائل بدن کو شہوت کے ساتھ چھونا یا حائل ہو تو بدن کی گرمی محسوس ہو یا فرج داخل کی طرف شہوت کے ساتھ نظر کرنا اور اگر یہ افعال شہوت کے ساتھ نہ ہوں تو رجعت نہ ہوگی اور شہوت کے ساتھ بلا قصد رجعت ہوں جب بھی رجعت ہو جائے گی۔ اور بغیر شہوت بوسہ لینا یا چھونا مکروہ ہے جبکہ رجعت کا ارادہ نہ ہو۔ یونہی اُسے برہنہ دیکھنا بھی مکروہ ہے۔ (ردمحتار، کتاب طلاق، باب رجعت)

رجوع کیلئے گواہی کے استحباب کا بیان

قَالَ ﴿وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يُشْهِدَ عَلَى الرَّجْعَةِ شَاهِدَيْنِ، فَإِنْ لَمْ يُشْهِدْ صَحَّتْ الرَّجْعَةُ﴾ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي أَحَدِ قَوْلَيْهِ لَا تَصِحُّ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ﴾ وَالْأَمْرُ لِلْإِيجَابِ. وَلَنَا إطْلَاقُ النُّصُوصِ عَنْ قَيْدِ الْإِشْهَادِ، وَلِأَنَّهُ اسْتِدَامَةٌ لِلنِّكَاحِ، وَالشَّهَادَةُ لَيْسَتْ شَرْطًا فِيهِ فِي حَالَةِ الْبَقَاءِ كَمَا فِي الْفَيْءِ فِي الْإِيلَاءِ، إلَّا أَنَّهَا تُسْتَحَبُّ لِزِيَادَةِ الِاحْتِيَاطِ كَيْ لَا يَجْرِيَ التَّنَاكُرُ فِيهَا، وَمَا تَلَاهُ مَحْمُولٌ عَلَيْهِ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ قَرَنَهَا بِالْمُفَارَقَةِ وَهُوَ فِيهَا مُسْتَحَبٌّ وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يُعْلِمَهَا كَيْ لَا تَقَعَ فِي الْمَعْصِيَةِ ﴿وَإِذَا انْقَضَتْ الْعِدَّةُ فَقَالَ كُنْت رَاجَعْتهَا فِي الْعِدَّةِ فَصَدَّقَتْهُ فَهِيَ رَجْعَةٌ، وَإِنْ كَذَّبَتْهُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا﴾ لِأَنَّهُ أَخْبَرَ عَمَّا لَا يَمْلِكُ إنْشَاءَهُ فِي الْحَالِ فَكَانَ مُتَّهَمًا إلَّا أَنَّ بِالتَّصْدِيقِ تَرْتَفِعُ التُّهْمَةُ، وَلَا يَمِينَ عَلَيْهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ

رَحِمَهُ اللّٰهُ وَهِيَ مَسْأَلَةُ الِاسْتِحْلَافِ فِي الْأَشْيَاءِ السِّتَّةِ وَقَدْ مَرَّ فِي كِتَابِ النِّكَاحِ

ترجمہ

اور یہ مستحب ہے رجوع کرنے کے لیے دو گواہ قائم کر لئے جائیں اگر گواہ موجود نہ ہوں تو عورت سے رجوع کرنا صحیح شمار ہوگا۔امام شافعی کے ایک قول کے مطابق اور امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک گواہوں کے بغیر رجوع کرنا درست نہیں ہوگا۔اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''اور تم اپنے میں سے دو عادل گواہوں کو گواہ بنالو''۔ہماری دلیل یہ ہے: نص مطلق ہے اور گواہ بنانے کی قید کے بغیر ہے۔اس کی دلیل یہ ہے: رجوع کرنے کا مطلب نکاح کو باقی رکھنا ہے اور باقی رکھنے میں گواہی شرط نہیں ہوتی۔ بالکل اس طرح جیسے ایلاء میں رجوع کرنے میں یہ شرط نہیں ہے۔البتہ احتیاط کے پیش نظر ایسا کرنا مستحب ہے تا کہ اس بارے میں باہمی طور پر کوئی اختلاف نہ رہے۔امام شافعی نے جس آیت کو تلاوت کیا ہے وہ استحباب پر محمول ہوگی۔کیا آپ نے غور نہیں کیا اسے علیحدگی کے ساتھ ملا دیا ہے اور اس میں ایسا کرنا مستحب ہے لہٰذا یہ بات مستحب ہوگی کہ وہ اس بارے میں عورت کو بتادے تا کہ کسی معصیت کا شکار نہ ہو۔جب عدت ختم ہو جائے اور شوہر یہ کہے: میں نے عدت کے دوران ہی عورت سے رجوع کر لیا تھا اور عورت بھی اس بات کی تصدیق کر دے تو یہ بات رجوع شمار ہوگی۔اگر عورت مرد کی اس بات کو جھوٹ قرار دے تو اس کی بات کو تسلیم کیا جائے گا کیونکہ شوہر نے ایک ایسی بات کی خبر دی ہے جس کو وہ فوری طور پر موجود کرنے کا مالک نہیں ہے لہٰذا اس بارے میں متہم شمار ہوگا۔البتہ عورت نے اس کی تصدیق کر دی ہو تو یہ تہمت ختم ہو جائے گی۔امام ابوحنیفہ کے نزدیک عورت کے لیے قسم اٹھانا واجب نہیں ہے اور قسم لینے کا یہ مسئلہ چھ باتوں سے متعلق ہوتا ہے۔جس کا ذکر ہم کتاب نکاح میں کر چکے ہیں۔

رجعت کے مسنون طریقے کا فقہی بیان

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ رجعت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ کسی لفظ سے رجعت کرے اور رجعت پر دو عادل شخصوں کو گواہ کرے اور عورت کو بھی اس کی خبر کر دے کہ عدت کے بعد کسی اور سے نکاح نہ کر لے اور اگر کر لیا تو تفریق کر دی جائے اگرچہ دخول کر چکا ہو کہ یہ نکاح نہ ہوا۔اور اگر قول سے رجعت کی مگر گواہ نہ کیے یا گواہ بھی کیے مگر عورت کو خبر نہ کی تو مکروہ خلافِ سنت ہے مگر رجعت ہو جائے گی۔اور اگر فعل سے رجعت کی مثلاً اُس سے وطی کی یا شہوت کے ساتھ بوسہ لیا یا اُس کی شرمگاہ کی طرف نظر کی تو رجعت ہوگئی مگر مکروہ ہے۔اُسے چاہیے کہ پھر گواہوں کے سامنے رجعت کے الفاظ کہے۔

(جوہرہ نیرہ، کتاب طلاق)

رجعت کی شرعی حیثیت میں فقہی مذاہب اربعہ

اگر رجعت کا ارادہ ہو اور رجعت کرو یعنی لوٹا لو تو اس پر دو عادل مسلمان گواہ رکھ لو، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے پھر اس سے جماع کرتا ہے نہ طلاق پر

گواہ رکھتا ہے نہ رجعت پر تو آپ نے فرمایا اس نے خلاف سنت طلاق دی اور خلاف سنت رجوع کیا طلاق پر بھی گواہ رکھنا چاہئے رجعت پر بھی، اب وہ دوبارہ ایسا نہ کرنا۔ حضرت عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نکاح، رجعت بغیر دو عادل گواہوں کے جائز نہیں جیسے فرمان اللہ ہے ہاں مجبوری ہو تو اور بات ہے، پھر فرماتا ہے گواہ مقرر کرنے اور سچی شہادت دینے کا حکم انہیں ہو رہا ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں اللہ کی شریعت کے پابند اور عذاب آخرت سے ڈرنے والے ہوں۔ حضرت امام شافعی فرماتے ہیں رجعت پر گواہ رکھنا واجب ہے گو آپ سے ایک دوسرا قول بھی مروی ہے اسی طرح نکاح پر گواہ رکھنا بھی آپ واجب کہتے ہیں ایک اور جماعت کا بھی یہی قول ہے، اس مسئلہ کو ماننے والی علماء کرام کی جماعت یہ بھی کہتی ہے کہ رجعت زبانی کہے بغیر ثابت نہیں ہوتی کیونکہ گواہ رکھنا ضروری ہے اور جب تک زبان سے نہ کہے گواہ کیسے مقرر کئے جائیں گے۔ احناف کے نزدیک رجعت کی گواہی مستحب ہے۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَ اَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ذٰلِكُمْ یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۔(الطلاق، ۲)

تو جب وہ اپنی میعاد تک پہنچنے کو ہوں تو انہیں بھلائی کے ساتھ روک لو یا بھلائی کے ساتھ جدا کر دو۔ اور اپنے میں دو ثقہ کو گواہ کرلو اور اللہ کے لئے گواہی قائم کرو۔ اس سے نصیحت فرمائی جاتی ہے اسے جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان رکھتا ہو۔ اور جو اللہ سے ڈرے۔ اللہ اس کے لئے نجات کی راہ نکال دے گا۔ (کنز الایمان)

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

یعنی تمہیں اختیار ہے اگر تم ان کے ساتھ بحسنِ معاشرت و مرافقت رہنا چاہو تو رجعت کرلو اور دل میں پھر دوبارہ طلاق دینے کا ارادہ نہ رکھو اور اگر تمہیں ان کے ساتھ خوبی سے بسر کرسکنے کی امید نہ ہو تو مہر وغیرہ ان کے حق ادا کر کے ان سے جدائی کرلو اور انہیں ضرر نہ پہنچاؤ اس طرح کہ آخرِ عدت میں رجعت کرلو، پھر طلاق دے دو اور اس طرح انہیں ان کی عدت دراز کر کے پریشانی میں ڈالو ایسا نہ کرو اور خواہ رجعت کرو یا فرقت اختیار کرو دونوں صورتوں میں دفعِ تہمت اور رفعِ نزاع کیلئے دو مسلمانوں کو گواہ کرلینا مستحب ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

مقصود اس سے اس کی رضا جوئی ہو اور اقامتِ حق و تعمیلِ حکمِ الٰہی کے سوا اپنی کوئی فاسد غرض ان میں نہ ہو۔ اس سے استدلال کیا جاتا ہے کہ کفار شرائع و احکام کے ساتھ مخاطب نہیں۔ اور طلاق دے تو طلاقِ سنی دے اور معتدہ کو ضرر نہ پہنچائے نہ اسے مسکن سے نکالے اور حسبِ حکمِ الٰہی مسلمانوں کو گواہ کرلے۔

جس سے وہ دنیا و آخرت کے غموں سے خلاص پائے اور ہر تنگی و پریشانی سے محفوظ رہے۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

مروی ہے کہ جو شخص اس آیت کو پڑھے اللہ تعالٰی اس کیلئے شبہات دنیا غمرات موت وشدائد روز قیامت سے خلاص کی راہ نکالے گا اور اس آیت کی نسبت سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ میرے علم میں ایک ایسی آیت ہے جسے لوگ محفوظ کر لیں تو ان کی ہر ضرورت وحاجت کیلئے کافی ہے۔

شانِ نزول : عوف بن مالک کے فرزند کو مشرکین نے قید کر لیا تو عوف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے یہ بھی عرض کیا کہ میرا بیٹا مشرکین نے قید کر لیا ہے اور اس کے ساتھ اپنی محتاجی وناداری کی شکایت کی، سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی کا ڈر رکھو اور صبر کرو اور کثرت سے لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ پڑھتے رہو عوف نے گھر آکر اپنی بی بی سے یہ کہا اور دونوں نے پڑھنا شروع کیا وہ پڑھ ہی رہے تھے کہ بیٹے نے دروازہ کھٹکھٹایا دشمن غافل ہو گیا تھا اس نے موقع پایا قید سے نکل بھاگا اور چلتے ہوئے چار ہزار بکریاں بھی دشمن کی ساتھ لے آیا، عوف نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ یہ بکریاں انکے لئے حلال ہیں؟ حضور نے اجازت دی اور یہ آیت نازل ہوئی۔ (خزائن العرفان)

جب شوہر رجوع کرنے اور بیوی عدت گزر جانے کا دعویٰ کرے

﴿وَاِذَا قَالَ الزَّوْجُ قَدْ رَاجَعْتُكِ فَقَالَتْ مُجِيبَةً لَهُ قَدِ انْقَضَتْ عِدَّتِي لَمْ تَصِحَّ الرَّجْعَةُ عِنْدَ اَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ﴾ وَقَالَا :تَصِحُّ الرَّجْعَةُ لِاَنَّهَا صَادَفَتِ الْعِدَّةَ اِذْ هِيَ بَاقِيَةٌ ظَاهِرًا اِلَى اَنْ تُخْبِرَ وَقَدْ سَبَقَتْهُ الرَّجْعَةُ، وَلِهٰذَا لَوْ قَالَ لَهَا طَلَّقْتُكِ فَقَالَتْ مُجِيبَةً لَهُ قَدِ انْقَضَتْ عِدَّتِي يَقَعُ الطَّلَاقُ وَلِاَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَنَّهَا صَادَفَتْ حَالَةَ الِانْقِضَاءِ لِاَنَّهَا اَمِينَةٌ فِي الْاِخْبَارِ عَنِ الِانْقِضَاءِ فَاِذَا اَخْبَرَتْ دَلَّ ذٰلِكَ عَلٰى سَبْقِ الِانْقِضَاءِ وَاَقْرَبُ اَحْوَالِهِ حَالُ قَوْلِ الزَّوْجِ وَمَسْاَلَةُ الطَّلَاقِ عَلَى الْخِلَافِ، وَلَوْ كَانَتْ عَلَى الِاتِّفَاقِ فَالطَّلَاقُ يَقَعُ بِاِقْرَارِهِ بَعْدَ الِانْقِضَاءِ وَالْمُرَاجَعَةُ لَا تَثْبُتُ بِهِ.

ترجمہ

اور جب شوہر نے بیوی سے یہ کہا: میں نے تم سے رجوع کر لیا اور بیوی نے جواب میں یہ کہا: میری عدت گزر چکی ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک رجوع کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ صاحبین نے یہ بات بیان کی ہے: یہ رجوع کرنا درست ہوگا کیونکہ رجوع کرنے کا عمل عدت کے ساتھ پایا گیا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے: عورت نے یہ بات بعد میں بیان کی ہے میری عدت گزر چکی ہے کیونکہ بظاہر عدت اس وقت تک رہتی ہے جب تک عورت عدت گزرنے کی خبر نہ دے لیکن یہاں خبر دینے سے پہلے ہی رجوع کرنا واقع ہو

گیا ہے۔ اسی بنا پر اگر شوہر نے بیوی سے یہ کہا ہو: میں نے تمہیں دوسری طلاق دیدی ہے اور عورت نے جواب میں یہ کہا: میری عدت گزر چکی ہے' تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ امام ابوحنیفہ نے یہ بات بیان کی ہے: رجوع کرنے کا عمل عدت کے اختتام پر واقع ہوا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے: عورت عدت گزرنے کی خبر دینے کی امین ہے' تو عورت نے جب اپنے شوہر کو خبر دی تو اس سے یہ ثابت ہو گیا: عدت کے گزرنے کی قریبی حالت بھی ہے' جب شوہر نے رجوع کرنے کی بات کی تھی۔ اس طرح طلاق کے مسئلے میں بھی اسی نوعیت کا اختلاف ہے۔ اگر ہم یہ بات تسلیم بھی کر لیں' طلاق کے مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (ہم طلاق اور رجوع کرنے میں فرق ہوگا) کیونکہ طلاق تو عدت گزرنے کے بعد' شوہر کے اقرار سے ثابت ہو جاتی ہے' مگر رجوع کرنا محض اس کے اقرار سے ثابت نہیں ہوگا۔

شرح

علامہ محمد امین آفندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے عورت سے عدت میں کہا میں نے تجھے واپس لیا اُس نے فوراً کہا میری عدت ختم ہو چکی اور طلاق کو اتنا زمانہ ہو چکا ہے کہ اتنے دنوں میں عدت پوری ہو سکتی ہے تو رجعت نہ ہوئی مگر عورت سے قسم لی جائے گی کہ اُس وقت عدت پوری ہو چکی تھی اگر قسم کھانے سے انکار کر یگی تو رجعت ہو جائے گی۔ اور اگر طلاق کو اتنا زمانہ نہیں ہوا کہ عدت پوری ہو سکے تو رجعت ہوگئی البتہ اگر عورت کہتی ہے کہ میرے بچہ پیدا ہوا اور اسے ثابت بھی کر دے تو مدت کا لحاظ نہ کیا جائے گا اور اگر جس وقت شوہر نے رجعت کے الفاظ کہے عورت چپ رہی پھر بعد میں کہا کہ میری عدت پوری ہو چکی تو رجعت ہوگئی۔ (ردمحتار، کتاب طلاق، باب رجعت)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شوہر نے رجعت کر لی مگر عورت کو خبر نہ کی اُس نے عدت پوری کر کے کسی سے نکاح کر لیا اور رجعت ثابت ہو جائے تو تفریق کر دی جائے گی اگر چہ دوسرا دخول بھی کر چکا ہو۔ (درمختار، کتاب طلاق)

رجوع کے بعد اختلاف مرد و زن میں فقہی اختلاف

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کی ہے: اگر شوہر یہ کہے: میں تم سے رجوع کر چکا ہوں اور عورت اس کے جواب میں یہ کہے: میری عدت گزر چکی ہے' تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ رجوع کرنا درست نہیں ہوگا' جبکہ صاحبین رحمہما اللہ اس بات کے قائل ہیں: ایسا کرنا درست ہوگا۔

صاحبین رحمہما اللہ نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: اس عورت کی عدت جاری تھی تو جب تک وہ عدت کے ختم ہونے کی اطلاع نہیں دیتی اس وقت تک وہ ظاہری طور پر باقی شمار ہوگی' لہذا کیونکہ یہاں رجوع کے الفاظ مرد نے پہلے بیان کئے ہیں جبکہ عدت ختم ہونے کی اطلاع عورت نے بعد میں دی ہے' اس لئے رجوع کے الفاظ نے گویا عدت کا زمانہ پا لیا تو رجوع درست شمار ہوگا۔

صاحبین رحمہما اللہ نے اپنے مؤقف کی تائید میں نظیر کے طور پر یہ مسئلہ پیش کیا ہے: اگر شوہر عورت سے یہ کہے: میں نے تمہیں طلاق دیدی ہے اور عورت اس کے جواب میں یہ کہے: میری عدت گزر چکی ہے تو اس صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ عورت نے اس سے پہلے یہ اطلاع نہیں دی تھی اس کی عدت گزر چکی ہے اس لئے رجوع کرنے کے مسئلے کو طلاق دینے کے مسئلے پر قیاس کرتے ہوئے وہی حکم دیا جائے گا جو طلاق میں دیا گیا ہے۔

امام ابوحنیفہ اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں: شوہر کے الفاظ ایسی حالت میں صادر ہوئے ہیں جب عدت ختم ہو چکی تھی اس کی دلیل یہ ہے: عورت عدت ختم ہونے کی اطلاع دینے کے حوالے سے امین ہے تو جب اس نے اس بات کی اطلاع دیدی کہ عدت ختم ہو چکی ہے تو یہ اس بات پر دلالت کرے گا عدت کا ختم ہونا پہلے گزر چکا ہے اور رجوع کرنے کے الفاظ بعد میں پائے گئے ہیں۔

صاحبین رحمہما اللہ نے اپنے مؤقف کی تائید میں طلاق دینے کے مسئلے کا ذکر کیا تھا مصنف فرماتے ہیں: طلاق دینے کا حکم اس سے مختلف ہے یعنی ایسی صورت میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی طلاق واقع نہیں ہوگی لیکن بالفرض اگر اس مسئلے کو اتفاقی تسلیم کر بھی لیا جائے کہ امام صاحب کے نزدیک بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے تو اگر عدت ختم ہونے کے بعد شوہر اس بات کا اقرار کرے تو طلاق تو پھر بھی ثابت ہو جاتی ہے لیکن اگر عدت ختم ہونے کے بعد شوہر رجوع کرنے کا اقرار کرے تو اس کے ذریعے رجوع ثابت نہیں ہوتا اس لئے رجوع کرنے کے مسئلے کو طلاق والے مسئلے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

جب کنیز بیوی رجوع کا انکار کرے

﴿وَاِذْ قَالَ زَوْجُ الْاَمَةِ بَعْدَ انْقِضَاءِ عِدَّتِهَا :قَدْ كُنْتُ رَاجَعْتُهَا وَصَدَّقَهُ الْمَوْلٰى وَكَذَّبَتْهُ الْاَمَةُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا :الْقَوْلُ قَوْلُ الْمَوْلٰى﴾ لِاَنَّ بُضْعَهَا مَمْلُوْكٌ لَّهُ، فَقَدْ اَقَرَّ بِمَا هُوَ خَالِصُ حَقِّهِ لِلزَّوْجِ فَشَابَهُ الْاِقْرَارَ عَلَيْهَا بِالنِّكَاحِ، وَهُوَ يَقُوْلُ حُكْمُ الرَّجْعَةِ يُبْتَنٰى عَلَى الْعِدَّةِ وَالْقَوْلُ فِى الْعِدَّةِ قَوْلُهَا، فَكَذَا فِيْمَا يُبْتَنٰى عَلَيْهَا، وَلَوْ كَانَ عَلَى الْقَلْبِ فَعِنْدَهُمَا الْقَوْلُ قَوْلُ الْمَوْلٰى، وَكَذَا عِنْدَهُ فِى الصَّحِيْحِ لِاَنَّهَا مُنْقَضِيَةُ الْعِدَّةِ فِى الْحَالِ، وَقَدْ ظَهَرَ مِلْكُ الْمُتْعَةِ لِلْمَوْلٰى فَلَا يُقْبَلُ قَوْلُهَا فِىْ اِبْطَالِهِ، بِخِلَافِ الْوَجْهِ الْاَوَّلِ لِاَنَّ الْمَوْلٰى بِالتَّصْدِيْقِ فِى الرَّجْعَةِ مُقِرٌّ بِقِيَامِ الْعِدَّةِ عِنْدَهَا وَلَا يَظْهَرُ مِلْكُهُ مَعَ الْعِدَّةِ ﴿وَاِنْ

قَالَتْ قَدِ انْقَضَتْ عِدَّتِیْ وَقَالَ الزَّوْجُ وَالْمَوْلٰی لَمْ تَنْقَضِ عِدَّتُكِ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا لِاَنَّهَا اَمِیْنَةٌ فِیْ ذٰلِكَ اِذْ هِیَ الْعَالِمَةُ بِهٖ

ترجمہ

اور جب کنیز کا شوہر عدت گزر جانے کے بعد اس سے یہ کہے: میں نے عدت کے دوران تم سے رجوع کر لیا تھا اور کنیز کا آقا بھی اس بات کا اقرار کرے لیکن کنیز اس بات سے انکار کر دے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک کنیز کا قول معتبر ہوگا۔ صاحبین نے یہ بات بیان کی ہے: آقا کی بات مانی جائے گی کیونکہ کنیز کی عدت گزر جانے کے بعد اس کی بضع کا مالک صرف آقا ہوتا ہے لہٰذا آقا نے خالص اپنے حق کے بارے میں کنیز کے شوہر کے قول کا اقرار کر لیا ہے تو یہ اس طرح ہوگا جیسے وہ آقا اس کنیز کے نکاح کا اقرار کرلے۔ امام ابوحنیفہ نے یہ بات بیان کی ہے: رجوع کرنے کے حکم کی بنیاد عدت پر ہے لہٰذا عدت کے بارے میں چونکہ کنیز کا ہی قول معتبر ہوگا تو اس طرح جو بات عدت پر مبنی ہو۔ اس میں کنیز کا قول معتبر ہوگا۔ اگر مذکورہ بالا مسئلے کے برخلاف ہو جائے تو صاحبین کے نزدیک آقا کی بات مانی جائے گی اور صحیح روایت کے مطابق امام ابوحنیفہ بھی اسی بات کے قائل ہیں کیونکہ فوری طور پر تو یہ کنیز اپنی عدت گزار چکی ہے اور آقا کے لئے اس کنیز کی ملک متعہ ظاہر اور ثابت ہے۔ (جبکہ پہلی صورت کا حکم مختلف ہے) کیونکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک پہلی صورت میں آقا کی ملکیت ابھی ظاہر ہی نہیں ہوئی کیونکہ جب آقا نے شوہر کے قول کی تصدیق کر دی تو اس سے یہ بات بھی ثابت ہوگی وہ رجوع کرنے کے وقت میں عدت کی موجودگی کا قائل تھا اور جب تک عدت موجود رہے۔ آقا کی تمتع کرنے کی ملکیت ثابت نہیں ہوگی۔ اگر کنیز یہ کہے: میری عدت گزر چکی ہے اور آقا اور اس کا شوہر یہ کہیں: تمہاری عدت نہیں گزری ہے تو کنیز کی بات کو تسلیم کیا جائے گا کیونکہ وہ اس بارے میں امین ہے اور عدت گزرنے کا صرف اسے ہی پتہ چل سکتا ہے۔

شرح

علامہ ابن عابدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب باندی کے شوہر نے عدت گزرنے کے بعد کہا میں نے عدت میں رجعت کر لی تھی آقا اس کی تصدیق کرتا ہے اور باندی تکذیب اور شوہر کے پاس گواہ نہیں یا باندی کہتی ہے میری عدت گزر چکی تھی اور شوہر و مولیٰ دونوں انکار کرتے ہیں تو ان دونوں صورتوں میں باندی کا قول معتبر ہے اور اگر مولیٰ شوہر کی تکذیب کرتا ہے اور باندی تصدیق تو مولیٰ کا قول معتبر ہے۔ اور اگر دونوں شوہر کی تصدیق کرتے ہیں تو کوئی اختلاف ہی نہیں۔ اور دونوں تکذیب کرتے ہوں تو رجعت نہیں ہوئی۔ (ردمحتار، کتاب طلاق)

آقا کی شہادت باوجود باندی کی شہادت کا اعتبار

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کسی شخص کے نکاح میں کوئی کنیز تھی اور پھر اس شخص نے اس کنیز کو رجعی طلاق

دیدی پھر اس کنیز کی عدت ختم ہو جانے کے بعد شوہر نے یہ دعویٰ کیا: میں اس عورت کے ساتھ رجوع کر چکا ہوں اور پھر کنیز کا آقا بھی اس بات کی تصدیق کر دے لیکن کنیز اس بات کی تصدیق نہ کرے بلکہ جھٹلا دے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایسی صورت میں کنیز کا قول معتبر ہوگا' لہٰذا مرد کا رجوع کرنے کا دعویٰ ثابت نہیں ہوگا اور دونوں کے درمیان علیحدگی برقرار رہے گی۔

اس کے برعکس صاحبین رحمۃ اللہ علیہما اس بات کے قائل ہیں: اس بارے میں کنیز کے آقا کا قول معتبر ہوگا اور شوہر کا رجوع کرنا ثابت ہو جائے گا اس کی دلیل صاحبین رحمۃ اللہ علیہما نے یہ بیان کی ہے: کنیز کی ملک بضع کا مالک اس کا آقا ہے' اور جب آقا نے شوہر کے لئے اس ملکیت کا اقرار کر لیا تو شوہر کے لئے یہ ملکیت ثابت ہو جائے گی اور رجوع کرنا درست قرار دیا جائے گا۔

صاحبین رحمۃ اللہ علیہما نے اپنے اس موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: جس طرح آقا یہ اقرار کرتا ہے کہ اس نے کنیز کا نکاح اس شخص سے کر دیا ہے اور کنیز اس کا انکار کرتی اور شوہر بھی اس کا قائل ہوتا کہ نکاح کر دیا ہے' تو اس بارے میں آقا کا قول معتبر ہوتا' لہٰذا یہاں بھی آقا کا قول معتبر ہونا چاہئے۔

امام ابوحنیفہ اپنے موقف کی تائید میں یہ بات پیش کرتے ہیں: رجوع کرنے کا حکم عدت پر مبنی ہوتا ہے یعنی عدت موجود ہوگی' تو رجوع کیا جا سکتا ہے عدت موجود نہیں ہوگی' تو رجوع نہیں کیا جا سکتا اور عدت کے باقی رہنے یا ختم ہونے کے بارے میں کیونکہ کنیز کا قول معتبر ہوتا ہے اس لئے اس مسئلے میں بھی کنیز کے قول کی بنیاد پر حکم جاری کیا جائے گا۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر صورتحال اس کے بالکل الٹ ہو' یعنی شوہر یہ کہے: میں نے کنیز کی عدت کے دوران اس سے رجوع کر لیا تھا اور کنیز اس کی بات کی تصدیق کر دے لیکن آقا اس بات کو تسلیم نہ کرے' تو اس بارے میں صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک آقا کا قول معتبر ہوگا اور رجوع کرنا ثابت نہیں ہوگا۔

اور مستند روایت کے مطابق امام ابوحنیفہ بھی اس بات کے قائل ہیں: اس صورت حال میں آقا کا قول معتبر ہوگا اس کی دلیل یہ ہے: جب کنیز کی عدت ختم ہو جائے گی' تو وہ آقا دوبارہ اس کی ملک متعہ کا مالک بن جائے گا اس لئے آقا کے حق کو باطل کرنے میں کنیز کا قول قبول نہیں کیا جائے گا' جبکہ پہلی صورت اس کے برعکس تھی کیونکہ وہاں آقا خود اپنا حق اور اپنی ملکیت شوہر کے نام کرنے پر تیار ہو گیا تھا۔

پہلی صورت کا حکم اس دلیل سے مختلف تھا کہ جب آقا نے رجوع کرنے کی تصدیق کی تھی' تو گویا اس نے اس بات کا اقرار کر لیا تھا کہ اس رجوع کے وقت عدت ابھی باقی تھی اور عدت کے ختم ہو جانے یا باقی ہونے میں کنیز کا قول معتبر ہوتا ہے اور جب تک عدت باقی ہے' اس وقت تک آقا کی ملکیت بھی ظاہر نہیں ہو سکتی اس لئے وہاں آقا کا اس چیز کے ساتھ کوئی

واسطہ نہیں ہونا چاہئے۔

اگر کنیز یہ کہے: میری عدت گزر چکی ہے اور اس کا شوہر اور آقا یہ کہیں: تمہاری عدت ابھی نہیں گزری ہے تو اس بارے میں کنیز کا قول معتبر ہوگا' کیونکہ وہ اس بارے میں امین بھی ہے اور اسے اس بات کا بخوبی پتہ ہوگا اس کی عدت پوری ہو چکی ہے یا ابھی پوری نہیں ہوئی ہے۔

حق رجوع کے ختم ہونے والے وقت کا بیان

﴿وَإِذَا انْقَطَعَ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ الثَّالِثَةِ لِعَشَرَةِ أَيَّامٍ انْقَطَعَتِ الرَّجْعَةُ وَإِنْ لَمْ تَغْتَسِلْ، وَإِنِ انْقَطَعَ لِأَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ أَيَّامٍ لَمْ تَنْقَطِعِ الرَّجْعَةُ حَتَّى تَغْتَسِلَ أَوْ يَمْضِيَ عَلَيْهَا وَقْتُ صَلَاةٍ كَامِلٍ﴾ لِأَنَّ الْحَيْضَ لَا مَزِيدَ لَهُ عَلَى الْعَشَرَةِ، فَبِمُجَرَّدِ الِانْقِطَاعِ خَرَجَتْ مِنَ الْحَيْضِ فَانْقَضَتِ الْعِدَّةُ وَانْقَطَعَتِ الرَّجْعَةُ، وَفِيمَا دُونَ الْعَشَرَةِ يُحْتَمَلُ عَوْدُ الدَّمِ فَلَا بُدَّ أَنْ يَعْتَضِدَ الِانْقِطَاعُ بِحَقِيقَةِ الِاغْتِسَالِ أَوْ بِلُزُومِ حُكْمٍ مِنْ أَحْكَامِ الطَّاهِرَاتِ بِمُضِيِّ وَقْتِ الصَّلَاةِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَتْ كِتَابِيَّةً لِأَنَّهُ لَا يُتَوَقَّعُ فِي حَقِّهَا أَمَارَةٌ زَائِدَةٌ فَاكْتَفَى بِالِانْقِطَاعِ، وَتَنْقَطِعُ إِذَا تَيَمَّمَتْ وَصَلَّتْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ، وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: إِذَا تَيَمَّمَتْ انْقَطَعَتْ، وَهَذَا قِيَاسٌ لِأَنَّ التَّيَمُّمَ حَالَ عَدَمِ الْمَاءِ طَهَارَةٌ مُطْلَقَةٌ حَتَّى يَثْبُتُ بِهِ مِنَ الْأَحْكَامِ مَا يَثْبُتُ بِالِاغْتِسَالِ فَكَانَ بِمَنْزِلَتِهِ. وَلَهُمَا أَنَّهُ مُلَوِّثٌ غَيْرُ مُطَهِّرٍ، وَإِنَّمَا اُعْتُبِرَ طَهَارَةً ضَرُورَةَ أَنْ لَا تَتَضَاعَفَ الْوَاجِبَاتُ، وَهَذِهِ الضَّرُورَةُ تَتَحَقَّقُ حَالَ أَدَاءِ الصَّلَاةِ لَا فِيمَا قَبْلَهَا مِنَ الْأَوْقَاتِ، وَالْأَحْكَامُ الثَّابِتَةُ أَيْضًا ضَرُورِيَّةٌ اقْتِضَائِيَّةٌ، ثُمَّ قِيلَ تَنْقَطِعُ بِنَفْسِ الشُّرُوعِ عِنْدَهُمَا، وَقِيلَ بَعْدَ الْفَرَاغِ لِيَتَقَرَّرَ حُكْمُ جَوَازِ الصَّلَاةِ

﴿وَإِذَا اغْتَسَلَتْ وَنَسِيَتْ شَيْئًا مِنْ بَدَنِهَا لَمْ يُصِبْهُ الْمَاءُ، فَإِنْ كَانَ عُضْوًا فَمَا فَوْقَهُ لَمْ تَنْقَطِعِ الرَّجْعَةُ، وَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنْ عُضْوٍ انْقَطَعَتْ﴾ قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ. وَالْقِيَاسُ فِي الْعُضْوِ الْكَامِلِ أَنْ لَا تَبْقَى الرَّجْعَةُ لِأَنَّهَا غَسَلَتِ الْأَكْثَرَ. وَالْقِيَاسُ فِيمَا دُونَ الْعُضْوِ أَنْ تَبْقَى لِأَنَّ حُكْمَ الْجَنَابَةِ وَالْحَيْضِ لَا يَتَجَزَّأُ. وَوَجْهُ

اِلاستِحسَانِ وَهُوَ الْفَرْقُ اَنَّ مَا دُوْنَ الْعُضْوِ يَتَسَارَعُ اِلَيْهِ الْجَفَافُ لِقِلَّتِهٖ فَلَا يَتَيَقَّنُ بِعَدَمِ وُصُوْلِ الْمَاءِ اِلَيْهِ، فَقُلْنَا بِاَنَّهٗ تَنْقَطِعُ الرَّجْعَةُ وَلَا يَحِلُّ لَهَا التَّزَوُّجُ اَخْذًا بِالاحْتِيَاطِ فِيْهِمَا، بِخِلَافِ الْعُضْوِ الْكَامِلِ لِاَنَّهٗ لَا يَتَسَارَعُ اِلَيْهِ الْجَفَافُ وَلَا يُغْفَلُ عَنْهُ عَادَةً فَافْتَرَقَا .وَعَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى :اَنَّ تَرْكَ الْمَضْمَضَةِ وَالِاسْتِنْشَاقِ كَتَرْكِ عُضْوٍ كَامِلٍ .وَعَنْهُ وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ :هُوَ بِمَنْزِلَةِ مَا دُوْنَ الْعُضْوِ لِاَنَّ فِيْ فَرْضِيَّتِهٖ اخْتِلَافًا بِخِلَافِ غَيْرِهٖ مِنَ الْاَعْضَاءِ .

ترجمہ

اور جب (عدت گزارنے والی عورت) کے تیسرے حیض کا خون دس دن کے بعد بند ہو جائے' تو رجوع کرنے کا حق ختم ہو جائے گا۔ اگر چہ عورت نے ابھی غسل نہ کیا ہو۔ اگر حیض کا خون دس دن سے پہلے بند ہو جائے تو جب تک وہ غسل نہ کرے' یا ایک نماز کا وقت پورا نہ گزر جائے' تو اس وقت تک شوہر کو رجوع کرنے کا حق حاصل ہوگا اس کی دلیل یہ ہے: شرعی طور پر دس دن سے زیادہ حیض نہیں ہو سکتا اس لئے خون کے منقطع ہونے کے ساتھ ہی حیض ختم شمار ہو جائے گا' اور عدت پوری ہو جائے گی' اور رجوع کرنے کا حق ختم ہو جائے گا۔

لیکن اگر دس دن سے پہلے ہی حیض کی آمد رک جائے' تو رجوع کا حق باقی رہے گا' کیونکہ ہو سکتا ہے دوبارہ خون جاری ہو جائے اس کے منقطع ہونے کا یقین ہونا ضروری ہوگا اور یہ یقین اسی وقت ثابت ہوگا جب غسل کر لیا جائے یا اس عورت کو پاک عورتوں کے حکم میں شامل کر لیا جائے' جیسے ایک نماز کا وقت گزر جائے۔ اس کے برخلاف جب بیوی اہل کتاب ہو تو اس کے حق میں مزید کسی علامت کی توقع نہیں ہے' لہٰذا اس بارے میں صرف خون کے منقطع ہونے پر اکتفاء کیا جائے گا۔

امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک رجوع کا حق اسی وقت منقطع ہو جائے گا جب عورت تیمم کر کے کوئی بھی (نفل) نماز ادا کرلے اور نماز پڑھنے کی قید استحسان کے طور پر لگائی گئی ہے۔ جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ نے یہ بات بیان کی ہے: عورت کے تیمم کرنے کے ساتھ ہی یہ حق ختم ہو جائے گا' اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے' کیونکہ جب پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو تو تیمم کرنا مطلق طہارت شمار ہوتا ہے' یہاں تک کہ جو احکام غسل کے ذریعے ثابت ہوتے ہیں وہ تمام احکام تیمم کے ذریعے ثابت ہو جاتے ہیں تو تیمم' غسل کی مانند ہوگا۔

شیخین نے یہ بات بیان کی ہے: تیمم درحقیقت انسان کو پاک نہیں کرتا ہے' بلکہ آلودہ کر دیتا ہے اور اس کو صرف ضرورت کے پیش نظر طہارت قرار دیا گیا ہے تاکہ فرائض میں اضافہ نہ ہوتا رہے' اس کی ضرورت نماز کی ادائیگی کے وقت پیش آتی ہے۔ نماز کا وقت شروع ہونے سے پہلے پیش نہیں آتی۔ اس طرح دیگر جن امور کے لئے تیمم کا حکم دیا گیا ہے وہ بھی نماز کے کا اقتضاء ہونے کی

دلیل سے ضرورت کے تحت ثابت ہوتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے: شیخین کے نزدیک نماز شروع کرنے کے ساتھ ہی رجوع کرنے کا حق منقطع ہو جائے گا' اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے' نماز سے فارغ ہونے کے بعد منقطع ہوگا' تاکہ نماز کے جواز کا حکم ثابت ہو سکے۔

(ایسی صورت میں) جب عورت غسل کرلے اور اس دوران جسم کا کوئی ایسا حصہ بھول جائے جس تک پانی نہ پہنچا ہو' تو اگر وہ حصہ پورے ایک عضو کے برابر ہو' یا اس سے زیادہ ہو' تو رجوع کرنے کا حق منقطع نہیں ہوگا' لیکن اگر اس سے کم نہ ہو' تو شوہر کے رجوع کرنے کا حق منقطع ہو جائے گا۔

مصنف فرماتے ہیں: یہ مسئلہ بھی استحسان کے طور پر ہے' ورنہ قیاس کا تقاضا یہ ہے: کامل عضو رہ جانے کی صورت میں شوہر کو رجوع کا حق باقی نہ رہے' کیونکہ وہ عورت اکثر جسم کو دھو چکی ہے۔ اس طرح اگر ایک عضو سے کم حصہ سوکھا رہ گیا تھا' تو بھی قیاس کا تقاضا یہی ہے' رجوع کا حکم باقی رہے' کیونکہ جنابت اور حیض کے حکم کو تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ استحسان کی دلیل یہ ہے: ایک عضو سے کم حصہ خشک رہ جائے گا' تو یہ کہا جائے گا' شاید یہ حصہ اپنے تھوڑے حجم کی دلیل سے پہلے خشک ہو گیا ہو اس لئے پانی نہ پہنچنے کا حکم نہیں دیا جا سکتا ہے' اس لئے ہم نے یہ فیصلہ دیا' اس صورت میں رجوع کرنے کا حق منقطع ہو جائے گا' دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کرنا بھی جائز نہیں ہوگا تاکہ دونوں باتوں میں احتیاط پر عمل کیا جا سکے' لیکن مکمل عضو کا حکم اس سے مختلف ہے' کیونکہ مکمل عضو اس طرح سے جلد خشک نہیں ہوتا اور نہ ہی غسل کے دوران عام طور پر مکمل عضو کے بارے میں غفلت اختیار کی جاتی ہے' لہٰذا دونوں مسائل الگ حیثیت کے حامل ہوں گے۔

امام ابو یوسف نے یہ بات بیان کی ہے: اگر کلی کرنے کا یا ناک میں پانی ڈالنے کا عمل چھوٹ جائے' تو اس کا مطلب یہ ہے: پورا عضو چھوٹ گیا۔ ان سے دوسری روایت یہ ہے: جس کے امام محمد علیہ الرحمہ بھی قائل ہیں: یہ ایک مکمل عضو سے کم شمار ہوں گے۔ اس کی دلیل یہ ہے: کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کی فرضیت میں اختلاف پایا جاتا ہے' جبکہ دیگر اعضاء کا حکم اس سے مختلف ہے۔

شرح

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب دس ۱۰ دن رات سے کم میں منقطع ہوا اور نہ نہائی نہ نماز کا وقت ختم ہوا بلکہ تیمم کرلیا تو رجعت منقطع نہ ہوئی ہاں اگر اس تیمم سے پوری نماز پڑھ لی تو اب رجعت نہیں ہو سکتی اگرچہ وہ نماز نفل ہو اور اگر ابھی نماز پوری نہیں ہوئی ہے، بلکہ شروع کی ہے تو رجعت کر سکتا ہے اور اگر تیمم کر کے قرآن مجید پڑھا یا مصحف شریف چھوا یا مسجد میں گئی تو رجعت ختم نہ ہوئی۔ (فتح القدیر، کتاب طلاق)

غسل کیا اور کوئی جگہ ایک عضو سے کم مثلاً بازو یا کلائی کا کچھ حصہ یا دو ایک انگلی بھول گئی جہاں پانی پہنچنے نہ پہنچنے میں شک ہے تو رجعت ختم ہوگئی مگر دوسرے سے نکاح اُس وقت کر سکتی ہے کہ اُس جگہ کو دھولے یا نماز کا وقت گزر جائے اور اگر یقین ہے کہ وہاں پانی نہیں پہنچا ہے یا قصداً اُس جگہ کو چھوڑ دیا تو رجعت ہو سکتی ہے اور اگر پورا عضو جیسے ہاتھ یا پاؤں بھول گی تو رجعت ہو سکتی ہے،

کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا دونوں ملکر ایک عضو ہیں اور ہر ایک ایک عضو سے کم ہے۔ (ردالمحتار، کتاب طلاق)

حق رجوع کے اختتام میں مذاہب اربعہ

رجعی طلاق دینے والے کے لئے رجوع کا موقع کس وقت تک ہے؟ اس میں بھی فقہاء کے درمیان سے مراد تین حیض ہیں یا تین طہر؟ امام شافعیؒ اور امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک قرء سے مراد حیض ہے اور امام احمد بن حنبل کا معتبر مذہب بھی یہی ہے۔ یہ دلیل چاروں خلفاء راشدین، عبداللہ بن مسعود،عبداللہ بن عباسؓ ابی بن کعب، معاذ بن جبل، ابوالدردا، عبادہ بن صامت اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ امام محمد علیہ الرحمہ نے مؤطا میں شعبی کا قول نقل کیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے 13 صحابیوں سے ملے ہیں، اور ان سب کی دلیل یہی تھی۔ اور یہی بکثرت تابعین نے بھی اختیار کی ہے۔

اس اختلاف کی بنا شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک تیسرے حیض میں داخل ہوتے ہی عورت کی عدت ختم ہو جاتی ہے، اور مرد کا حق رجوع ساقط ہو جاتا ہے۔ اور اگر طلاق حیض کی حالت میں دی گئی ہو، اس حیض کا شمار عدت میں نہ ہوگا، بلکہ چوتھے حیض میں داخل ہونے پر عدت ختم ہوگی۔ (مغنی المحتاج، حاشیہ الدسوقی)

حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر تیسرے حیض میں دس دن گزرنے پر خون بند ہو تو عورت کی عدت ختم نہ ہوگی جب تک عورت غسل نہ کرے، یا ایک نماز کا پورا وقت نہ گزر جائے۔ پانی نہ ہونے کی صورت میں امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جب عورت تیمم کر کے نماز پڑھ لے اس وقت مرد کا حق رجوع ختم ہوگا، اور امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک تیمم کرتے ہی حق رجوع ختم ہو جائے گا (ہدایہ) امام احمد کا معتبر مذہب جس پر [illegible] کا اتفاق ہے، یہ ہے کہ جب تک عورت تیسرے حیض سے فارغ ہو کر غسل نہ کر لے مرد کا حق رجوع باقی رہے گا۔ (الانصاف)

دلیل استحسان کے پیش نظر اکثر کو کل کے قائم مقام کرنے کا بیان

مصنف نے یہاں یہ بات بیان کی ہے: یہ حکم استحسان کے پیش نظر ہے۔ قیاس کا تقاضا تو یہ تھا: اگر ایک مکمل عضو بھی دھونے سے رہ گیا تھا تو بھی رجوع کرنے کا حق باقی نہ رہتا کیونکہ عورت نے اپنے جسم کے اکثر حصے کو دھو لیا تھا اور اصول یہ ہے: اکثر پر کل کا اطلاق کیا جاتا ہے' اور کثیر کے مقابلے میں قلیل معدوم شمار ہوتا ہے اس لئے جب اکثر جسم دھویا گیا تو یہی حکم ہونا چاہئے کہ پورا جسم دھو لیا گیا ہے۔ جبکہ دوسری طرف قیاس کا تقاضا یہ ہے: اگر ایک عضو سے کم حصہ بھی خشک رہ گیا ہے' تو رجوع کا حق باقی ہونا چاہئے کیونکہ جنابت اور حیض کو اجزاء میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا تو ایک عضو سے کم حصہ خشک رہنے کی صورت میں جنابت یا حیض کی ناپاکی باقی رہے گی۔

استحسان کی صورت یہ ہے: عام طور پر ایک عضو سے کم حصہ جلد خشک ہو جاتا ہے اس لئے یہ بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی کہ پانی وہاں تک پہنچا ہی نہیں ہے' یا پہنچنے کے بعد خشک ہو گیا ہے۔ اس لئے ہم نے یہ حکم دیا ہے: اس صورت میں یعنی ایک مکمل عضو سے

کم حصہ خشک رہ گیا تھا، تو رجوع کرنے کا حق ختم ہو جائے گا تاہم عورت کے لئے یہ بات جائز نہیں ہوگی: وہ مکمل غسل کرنے سے پہلے دوسری شادی کر لے جب تک وہ اس خشک حصے کو دھو کر غسل مکمل نہیں کر لیتی یہ حکم احتیاط کے پیش نظر ہے۔

لیکن مکمل عضو خشک رہ جانے کا حکم اس سے مختلف ہے کیونکہ عام طور پر نہ تو وہ مکمل طور پر جلدی خشک ہوتا ہے اور نہ ہی آدمی عام طور پر اسے دھونے سے غافل ہوتا ہے اس لئے ان دونوں کے درمیان فرق ہوگا۔ یہاں ایک سوال سامنے آتا ہے کہ اگر وہ عورت غسل کرنے کے دوران پورا جسم دھو لیتی ہے لیکن کلی نہیں کرتی اور ناک میں پانی نہیں ڈالتی تو اس کا حکم کیا ہوگا؟

مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: ایک روایت کے مطابق امام ابو یوسف اس بات کے قائل ہیں: غسل میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کو ترک کرنا ایک مکمل عضو کو ترک کرنے کے مترادف ہے یعنی اگر مذکورہ بالا عورت غسل کرتے ہوئے کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کو ترک کر دے اور باقی پورے جسم کو دھو لے تو امام ابو یوسف کے نزدیک اس کے شوہر کو رجوع کرنے کا اختیار باقی ہوگا۔ امام ابو یوسف سے دوسری روایت یہ منقول ہے، اور امام محمد علیہ الرحمہ بھی اس بات کے قائل ہیں: غسل میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کو ترک کرنا ایک مکمل عضو سے کم حصے کو ترک کرنے کے مترادف ہے یعنی اس صورت میں غسل مکمل ہو جاتا ہے۔ مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے: ناک میں پانی ڈالنے اور کلی کرنے کی فرضیت میں اختلاف پایا جاتا ہے جبکہ دیگر اعضاء کا حکم اس سے مختلف ہے کیونکہ انہیں دھونے کی فرضیت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

حاملہ عورت سے رجوع کرنے کا بیان

﴿وَمَنْ طَلَّقَ امْرَاَتَهُ وَهِيَ حَامِلٌ اَوْ وَلَدَتْ مِنْهُ وَقَالَ لَمْ اُجَامِعْهَا فَلَهُ الرَّجْعَةُ﴾ لِاَنَّ الْحَبَلَ مَتٰى ظَهَرَ فِيْ مُدَّةٍ يُتَصَوَّرُ اَنْ يَّكُوْنَ مِنْهُ جُعِلَ مِنْهُ لِقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "﴿الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ(۱)﴾ وَذٰلِكَ دَلِيْلُ الْوَطْءِ مِنْهُ وَكَذَا اِذَا ثَبَتَ نَسَبُ الْوَلَدِ مِنْهُ جُعِلَ وَاطِئًا، وَاِذَا ثَبَتَ الْوَطْءُ تَاَكَّدَ الْمِلْكُ وَالطَّلَاقُ فِيْ مِلْكٍ مُتَاَكِّدٍ يُعْقِبُ الرَّجْعَةَ وَيَبْطُلُ زَعْمُهُ بِتَكْذِيْبِ الشَّرْعِ، اَلَا تَرٰى اَنَّهُ يَثْبُتُ بِهٰذَا الْوَطْءِ الْاِحْصَانُ فَلَاَنْ تَثْبُتَ بِهِ الرَّجْعَةُ اَوْلٰى. وَتَاْوِيْلُ مَسْاَلَةِ الْوِلَادَةِ اَنْ تَلِدَ قَبْلَ الطَّلَاقِ، لِاَنَّهَا لَوْ وَلَدَتْ بَعْدَهُ تَنْقَضِي الْعِدَّةُ بِالْوِلَادَةِ فَلَا تُتَصَوَّرُ الرَّجْعَةُ.

قَالَ: ﴿فَاِنْ خَلَا بِهَا وَاَغْلَقَ بَابًا اَوْ اَرْخٰى سِتْرًا وَقَالَ لَمْ اُجَامِعْهَا ثُمَّ طَلَّقَهَا لَمْ يَمْلِكْ

(۱) أخرجه البخاري في "صحيحه" ۳۷۱/۵ برقم (۲۷۴۵) و مسلم في "صحيحه" ۱۰۸۰/۲ برقم (۱۴۵۷) و أبو داود في "سننه" برقم (۲۲۷۳)۔ والنسائي برقم (۳۲۶۰) وابن ماجه في "سننه" برقم (۲۰۰۴) و غيرهم عن عائشة رضي الله عنها۔ وأخرجه الستة عن ابن عمر رضي الله عنهما انظر "نصب الراية" ۲۳۶/۳۔۲۳۷۔

الرَّجْعَةُ﴾ لِاَنَّ تَاَكُّدَ الْمِلْكِ بِالْوَطْءِ وَقَدْ اَقَرَّ بِعَدَمِهٖ فَيُصَدَّقُ فِيْ حَقِّ نَفْسِهٖ وَالرَّجْعَةُ حَقُّهٗ وَلَمْ يَصِرْ مُكَذَّبًا شَرْعًا، بِخِلَافِ الْمَهْرِ لِاَنَّ تَاَكُّدَ الْمَهْرِ الْمُسَمّٰى يَبْتَنِيْ عَلٰى تَسْلِيْمِ الْمُبْدَلِ لَا عَلَى الْقَبْضِ، بِخِلَافِ الْفَصْلِ الْاَوَّلِ .

ترجمہ

جو شخص اپنی بیوی کو طلاق دیدے، اور وہ عورت حمل کی حالت میں ہو اور اس کے ہاں بچے کی پیدائش ہو جائے اور مرد دعویٰ دے: میں نے تو اس عورت کے ساتھ صحبت ہی نہیں کی ہے' تو مرد کو رجوع کا اختیار ہوگا' کیونکہ جب حمل کا ظہور اتنے عرصے میں ہو کہ اسے شوہر سے منسوب کیا جا سکے تو وہ اسی شوہر کا شمار ہوگا۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: "بچہ صاحب فراش کا ہوتا ہے"۔ یہ معاملہ اس مرد کے صحبت کرنے کی دلیل بھی بن جائے گا۔ اسی طرح بچہ کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا' تو وہ مرد وطی کرنے والا شمار ہوگا' لہٰذا جب وطی ثابت ہو جائے' تو ملکیت مستحکم ہو جائے گی۔ ملکیت میں جو بھی طلاق دی جائے گی اس کے بعد رجوع کی گنجائش ہوگی۔ اور شریعت کی تکذیب کی دلیل سے شوہر کا بیان غلط قرار دیا جائے گا۔ کیا یہ بات طے شدہ نہیں ہے: وطی سے "احصان" ثابت ہو جاتا ہے' تو رجوع کرنے کا صحیح ہونا بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگا۔ مذکورہ مسئلے کی صورت یہ ہے: مرد کے طلاق دینے سے پہلے خاتون نے بچے کو جنم دیا ہو' کیونکہ اگر طلاق دینے کے بعد بچے کی پیدائش ہوئی' تو بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی عورت کی عدت ختم ہو جائے گی' اور رجوع کی کوئی گنجائش نہیں رہے گی۔

اگر شوہر نے بیوی کے ساتھ خلوت کی' دروازہ بند کر دیا' یا پردہ لٹکا دیا' اور پھر یہ کہہ دیا: میں نے اس کے ساتھ صحبت نہیں کی اور پھر عورت کو طلاق دیدی تو اسے رجوع کا حق حاصل نہیں ہوگا۔ کیونکہ نکاح کی ملکیت وطی کرنے سے مؤکد ہوتی ہے' لیکن شوہر نے صحبت نہ کرنے کا اقرار کر لیا ہے' تو اس کی ذات کے بارے میں تصدیق کی جائے گی' کیونکہ رجوع کرنے کا حق بنیادی طور پر مرد کو ہی حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے اسے جھٹلایا نہیں جائے گا۔ جبکہ اس عورت کے مہر کا حکم اس سے مختلف ہے' کیونکہ اس کے طے شدہ مہر کا تعلق اس وقت ہوتا ہے جب عورت خود کو مرد کے سپرد کر دے اس میں مرد کا تمتع کرنا شرط نہیں ہے۔ اس کے برخلاف پہلی صورت کا حق مختلف ہے۔

عدت ورجوع سے متعلق اسلاف سے فقہی روایات

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں۔ کہ عورت اپنے خاوند کے انتقال کے بعد چار مہینے دس دن عدت گزاریں خواہ اس سے مجامعت ہوئی یا نہ ہوئی ہو، اس پر اجماع ہے دلیل اس کی ایک تو اس آیت کا عموم دوسرے یہ حدیث جو مسند احمد اور سنن میں ہے جسے امام ترمذی صحیح کہتے ہیں کہ اس سے مجامعت نہیں کی تھی نہ مہر مقرر ہوا تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا، فرمایئے اس کی نسبت کیا فتویٰ ہے جب وہ کئی مرتبہ آئے گئے تو آپ نے فرمایا میں اپنی دلیل سے فتویٰ دیتا ہوں، اگر ٹھیک ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جانو اور اگر خطاء ہو تو میری

اور شیطان کی طرف سے ہے اللہ اور رسول اس سے بری ہیں۔ میرا فتویٰ یہ ہے کہ اس عورت کو پورا مہر ملے گا جو اس کے خاندان کا دستور ہو، اس میں کوئی کمی بیشی نہ ہو اور اس عورت کو پوری عدت گزارنی چاہئے اور اسے ورثہ بھی ملے گا۔ یہ سن کر حضرت معقل بن یسار اٹھ کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے بروع بنت واشق کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فیصلہ کیا تھا۔ حضرت عبداللہ یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ بعض روایات میں ہے کہ اشجع کے بہت سے لوگوں نے یہ روایت بیان کی، ہاں جو عورت اپنے خاوند کی وفات کے وقت حمل سے ہو اس کیلئے یہ عدت نہیں، اس کی عدت وضع حمل ہے۔ گو، انتقال کی ایک ساعت کے بعد ہی ہو جائے۔ قرآن میں ہے آیت (وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ) 65۔ الطلاق 1:) حمل والیوں کی عدت وضع حمل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ وضع حمل اور چار مہینے دس دن میں جو دیر کی عدت ہو وہ حاملہ کی عدت ہے، یہ قول تو بہت اچھا ہے اور دونوں آیتوں میں اس سے تطبیق بھی عمدہ طور پر ہو جاتی ہے لیکن اس کیخلاف بخاری ومسلم کی ایک صاف اور صریح حدیث موجود ہے جس میں ہے کہ حضرت سبیعہ اسلمیہ کے خاوند کا جب انتقال ہوا، اس وقت آپ حمل سے تھیں اور چند راتیں گزار پائی تھیں تو بچہ تولد ہوا، جب نہا دھو چکیں تو لباس وغیرہ اچھا پہن لیا، حضرت ابوالسنابل بن بعلبک نے یہ دیکھ کر فرمایا کیا تم نکاح کرنا چاہتی ہو؟ اللہ کی قسم جب تک چار مہینے دس دن نہ گزر جائیں تم نکاح نہیں کر سکتیں۔ حضرت سبیعہ یہ سن کر خاموش ہو گئیں اور شام کو خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئیں اور مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ جب بچہ ہو گیا اسی وقت تم عدت سے نکل گئیں، اب اگر تم چاہو تو بیشک نکاح کر سکتی ہو۔ یہ بھی مروی ہے کہ جب حضرت عبداللہ کو اس حدیث کا علم ہوا تو آپ نے بھی اپنے قول سے رجوع کر لیا، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عبداللہ کے ساتھی شاگرد بھی اسی حدیث کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اسی طرح لونڈی کی عدت بھی اتنی نہیں، اس کی عدت اس سے آدھی ہے یعنی دو مہینے اور پانچ راتیں،

جمہور کا مذہب یہی ہے جس طرح لونڈی کی حد بہ نسبت آزاد عورت کے آدھی ہے اسی طرح عدت بھی۔ محمد بن سیرین اور بعض علماء ظاہر یہ لونڈی کی اور آزاد عورت کی عدت میں برابری کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل ایک تو اس آیت کا عموم ہے، دوسرے یہ کہ عدت ایک جلی امر ہے جس میں تمام عورتیں یکساں ہیں۔ حضرت سعید ابن مسیب ابوالعالیہ وغیرہ فرماتے ہیں اس عدت میں حکمت یہ ہے کہ اگر عورت کو حمل ہو گا تو اس مدت میں بالکل ظاہر ہو جائے گا۔

حضرت ابن مسعود کی بخاری ومسلم والی مرفوع حدیث میں ہے کہ انسان کی پیدائش کا یہ حال ہے کہ چالیس دن تک تو رحم مادر میں نطفہ کی شکل میں ہوتا ہے، پھر خون بستہ کی شکل چالیس دن تک رہتی ہے پھر چالیس دن تک گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے اور وہ اس میں روح پھونکتا ہے۔ تو یہ ایک سو بیس دن ہوئے جس کے چار مہینے ہوئے، دس دن احتیاطاً اور رکھ دے کیونکہ بعض مہینے انتیس دن کے بھی ہوتے ہیں اور جب روح پھونک دی گئی تو اب بچہ کی حرکت محسوس ہونے لگتی ہے اور حمل بالکل ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس لئے اتنی عدت مقرر کی گئی۔

سعید بن مسیب فرماتے ہیں دس دن اس لئے ہیں کہ روح انہی دس دنوں میں پھونکی جاتی ہے۔ ربیع بن انس بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت امام احمد سے ایک روایت میں یہ بھی مروی ہے تا کہ جس لونڈی سے بچہ ہو جائے اس کی عدت بھی آزاد عورت کے برابر ہے اس لئے کہ وہ فراش بن گئی اور اس لئے بھی کہ مسند احمد میں حدیث ہے۔ حضرت عمرو بن عاص نے فرمایا لوگو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم پر خلط ملط نہ کرو۔ اولاد والی لونڈی کی عدت جبکہ اس کا سردار فوت ہو جائے چار مہینے اور دس دن ہیں۔ یہ حدیث ایک اور طریق سے بھی ابوداؤد میں مروی ہے۔

امام احمد اس حدیث کو منکر بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے ایک راوی قبیصہ نے اپنے استاد عمر سے یہ روایت نہیں سنی۔ حضرت سعید بن مسیب مجاہد، سعید بن جبیر، حسن بن سیرین، ابن عیاض زہری اور عمرو بن عبدالعزیز کا یہی قول ہے۔ یزید بن عبدالملک بن مروان جو امیر المومنین تھے، یہی حکم دیتے تھے۔

اوزاعی، اسحاق بن راہویہ اور احمد بن حنبل بھی ایک روایت میں یہی فرماتے ہیں لیکن طاؤس اور قتادہ اس کی عدت بھی آدھی بتلاتے ہیں یعنی دو ماہ پانچ راتیں۔ ابوحنیفہ ان کے ساتھ حسن بن صالح بن حی فرماتے ہیں میں حیض عدت گزارے، حضرت علی ابن مسعود، عطاء اور ابراہیم نخعی کا قول بھی یہی ہے۔

امام مالک علیہ الرحمہ، امام شافعی اور امام احمد کی مشہور روایت یہ ہے کہ اس کی عدت ایک حیض ہی ہے۔ ابن عمر، شعبی، مکحول، لیث، ابوعبید، ابوثور اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ حضرت لیث فرماتے ہیں کہ اگر حیض کی حالت میں اس کا سید فوت ہوا ہے تو اسی حیض کا ختم ہو جانا اس کی عدت کا ختم ہو جانا ہے۔ امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں اگر حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے عدت گزارے۔ امام شافعی اور جمہور فرماتے ہیں ایک مہینہ اور تین دن مجھے زیادہ پسند ہیں۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ طلاق رجعی کی عدت میں یہ واجب نہیں، اور جب طلاق بائن ہو تو وجوب اور عدم وجوب کے دونوں قول ہیں، فوت شدہ خاوندوں کی زندہ بیویوں پر تو سب پر یہ سوگواری واجب ہے، خواہ وہ نابالغہ ہوں خواہ وہ عورتیں ہوں جو حیض وغیرہ سے اتر چکی ہوں، خواہ آزاد عورتیں ہوں خواہ لونڈیاں ہوں، خواہ مسلمان ہوں خواہ کافرہ ہوں کیونکہ آیت میں عام حکم ہے، ہاں ثوری اور ابوحنیفہ کافرہ عورت کی سوگواری کے قائل نہیں، شہاب اور ابن نافع کا قول بھی یہی ہے ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ جو عورت اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو۔ پس معلوم ہوا کہ یہ حکم تعبدی ہے،

امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ اور ثوری کمسن نابالغہ عورت کیلئے بھی یہی فرماتے ہیں کیونکہ وہ غیر مکلفہ ہے۔ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ اور ان کے اصحاب مسلمان لونڈی کو اس میں ملاتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

حاملہ سے متعلق حق رجوع کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: جب کوئی عورت اپنے شوہر سے حاملہ ہو یا شوہر کے بچے کو جنم دے چکی ہو اور پھر اس کا شوہر اسے طلاق دیدے اور ساتھ یہ بھی کہہ دے: میں نے اس عورت کے ساتھ صحبت نہیں کی تھی تو اس صورت میں شوہر کو رجوع

کرنے کا حق ہوگا۔

مصنف نے اس کی دلیل یہ بیان کی ہے: جب عورت کا حمل ایسی مدت میں ظاہر ہوا جس میں اس عورت کا اپنے شوہر سے حاملہ ہونا ممکن ہو تو حمل کی نسبت اس شخص کی طرف کی جائے گی اس کی دلیل نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان ہے "بچہ فراش والے کا ہوتا ہے"۔ اور یہ چیز یعنی عورت کا حاملہ ہونا اس بات کی دلیل ہوگا' اس مرد نے اس عورت کے ساتھ صحبت کی ہے' تو جب بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا' تو مرد کو وطی کرنے والا قرار دیا جائے گا جب وطی ثابت ہو جائے گی' تو ملک نکاح میں تاکید پیدا ہو جائے گی اور تاکید والی ملک نکاح میں طلاق کے بعد رجوع کی گنجائش ہوتی ہے۔

یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے: پھر شوہر کے اس دعوے کی کیا حیثیت ہوگی: اس نے تو اس عورت کے ساتھ صحبت کی ہی نہیں ہے؟ مصنف نے اس کا یہ جواب دیا ہے؟ اس صورت میں شریعت نے مرد کے دعوے کی تکذیب کر دی ہے' تو اس کا بیان جھوٹ قرار دیا جائے گا۔

مصنف نے اپنے اس مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: جب اس وطی کے ذریعے محصنہ ہونا ثابت ہو جاتا ہے' تو اس کے ذریعے رجوع کرنے کا حق بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگا۔ جہاں تک اس مسئلے کا تعلق ہے: جب عورت نے طلاق سے پہلے بچے کو جنم دیا ہو' تو بچے کی ولادت کے ساتھ ہی اس کی عدت ختم ہو جاتی تھی اور شوہر کے لئے رجوع کا حق باقی نہیں رہنا تھا اس لئے دوسرے مسئلے میں یہ بات شرط ہے کہ شوہر نے عورت کو طلاق بچے کی پیدائش کے بعد دی ہو۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ خلوت کر لیتا ہے' اور کمرے کا دروازہ بند کر لیتا ہے' اور پردہ گرا دیتا ہے' اور پھر بعد میں یہ کہتا ہے: میں نے اس عورت کے ساتھ صحبت نہیں کی۔ اور پھر وہ اس عورت کو طلاق دیدیتا ہے' تو اب اس شخص کو رجوع کرنے کا حق نہیں ہوگا اس کی دلیل یہ ہے: جس عورت کے ساتھ صحبت نہ کی گئی ہو۔ اور اسے طلاق دیدی جائے' تو طلاق ہونے کے بعد وہ بائنہ ہو جائے گی' اور مرد کو رجوع کرنے کا حق حاصل نہیں رہتا۔

مصنف نے اس کی دلیل یہ پیش کی ہے: یہ صحبت کرنے کے نتیجے میں ملکیت موکد ہوتی ہے' تو جب شوہر نے اس بات کا اقرار کیا تو اپنی ذات کے حق میں شوہر کی تصدیق کی جائے گی اس کی دلیل یہ ہے: رجوع کرنا شوہر کا حق ہے۔ جب وہ خود اپنے حق کو ساقط کرنے کو تیار ہے' اور اس کا اقرار کر رہا ہے' تو اس کا یہ اقرار درست شمار ہوگا۔ یہاں پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے: ایسی صورت میں شوہر شرعی طور پر جھوٹا قرار دیا جائے گا۔ اس کی دلیل یہ ہے: خلوت صحیحہ کے نتیجے میں احکام ثابت ہو جاتے ہیں' تو مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے: اسے شرعی طور پر جھوٹا قرار نہیں دیا جائے گا۔

اس پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے: اگر وہ سچا ہے' تو پھر آپ اس پر مہر کی ادائیگی کیوں لازم کر رہے ہیں' تو مصنف یہ فرماتے ہیں: مہر کا حکم مختلف ہے اس کی دلیل یہ ہے: طے شدہ مہر اسی بنیاد پر مؤکد ہو گیا ہے۔ کہ عورت نے اس مہر کا بدلہ یعنی اپنی ذات شوہر کے سپرد کر دی تھی البتہ شوہر نے اس کو قبضے میں نہیں لیا تو یہ مہر کی ادائیگی سپرد کرنے کی دلیل سے لازم ہوتی ہے' اس کا شوہر کے قبضے میں

لینے یا نہ لینے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جبکہ طلاق کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ کیونکہ وہاں نسب ثابت ہونے کا معاملہ تھا۔ اور نسب کے ثبوت کے لئے وطی ضروری ہے۔ لہٰذا اگر وہاں شوہر یہ کہتا ہے: میں نے اس عورت کے ساتھ صحبت نہیں کی تو شرعی طور پر اس کی بات کو جھٹلایا جاتا ہے۔

خلوت کے بعد جماع کے انکار کرنے کا بیان

﴿فَإِنْ رَاجَعَهَا﴾ مَعْنَاهُ بَعْدَمَا خَلَا بِهَا وَقَالَ لَمْ أُجَامِعْهَا ﴿ثُمَّ جَاءَتْ بِوَلَدٍ لِأَقَلَّ مِنْ سَنَتَيْنِ بِيَوْمٍ صَحَّتْ تِلْكَ الرَّجْعَةُ﴾ لِأَنَّهُ يَثْبُتُ النَّسَبُ مِنْهُ إِذْ هِيَ لَمْ تُقِرَّ بِانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ وَالْوَلَدُ يَبْقَى فِي الْبَطْنِ هٰذِهِ الْمُدَّةَ فَأُنْزِلَ وَاطِئًا قَبْلَ الطَّلَاقِ دُوْنَ مَا بَعْدَهُ لِأَنَّ عَلَى اعْتِبَارِ الثَّانِي يَزُوْلُ الْمِلْكُ بِنَفْسِ الطَّلَاقِ لِعَدَمِ الْوَطْءِ قَبْلَهُ فَيَحْرُمُ الْوَطْءُ وَالْمُسْلِمُ لَا يَفْعَلُ الْحَرَامَ

﴿فَإِنْ قَالَ لَهَا إِذَا وَلَدْتِ فَأَنْتِ طَالِقٌ فَوَلَدَتْ ثُمَّ أَتَتْ بِوَلَدٍ آخَرَ فَهِيَ رَجْعَةٌ﴾ مَعْنَاهُ مِنْ بَطْنٍ آخَرَ وَهُوَ أَنْ يَكُوْنَ بَعْدَ سِتَّةِ أَشْهُرٍ وَإِنْ كَانَ أَكْثَرَ مِنْ سَنَتَيْنِ إِذَا لَمْ تُقِرَّ بِانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ لِأَنَّهُ وَقَعَ الطَّلَاقُ عَلَيْهِ بِالْوَلَدِ الْأَوَّلِ وَوَجَبَتِ الْعِدَّةُ فَيَكُوْنُ الْوَلَدُ الثَّانِي مِنْ عُلُوْقٍ حَادِثٍ مِنْهُ فِي الْعِدَّةِ لِأَنَّهَا لَمْ تُقِرَّ بِانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ فَيَصِيْرُ مُرَاجِعًا

ترجمہ

اور جب شوہر نے رجوع کر لیا اور یہ کہا: میں نے صحبت نہیں کی پھر اس کے بعد عورت نے بچے کو جنم دیا اور یہ واقعہ دو برس پورے ہونے سے پہلے پیش آیا تو رجوع کرنا صحیح شمار ہوگا اور اس بچے کا تعلق اس مرد سے ثابت ہو جائے گا۔ شرط یہ ہے: عورت نے عدت گزرنے کا اقرار نہ کیا ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے: بچے کا دو سال پیٹ میں رہنا ممکن ہے لہٰذا شوہر کو طلاق سے پہلے صحبت کرنے والا تسلیم کیا جائے گا' اس کے بعد نہیں۔ کیونکہ دوسری صورت میں طلاق واقع کرنے کے ساتھ ہی ملک نکاح ختم ہو جائے گی' کیونکہ طلاق سے پہلے وطی معدوم ہے' لہٰذا یہ (بعد میں کی جانے والی صحبت) حرام ہو جائے گی' اور مسلمان کسی حرام کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔

اگر شوہر نے یہ کہا: جب تم بچے کو جنم دو' تو تمہیں طلاق ہے' اور پھر عورت نے بچے کو جنم دیدیا (تو طلاق واقع ہو جائے گی) پھر اس عورت کے ہاں دوسرے بچے کی پیدائش ہوئی' تو رجوع کرنا شمار ہوگا۔ خواہ وہ پیدائش چھ ماہ بعد ہو' یا دو سال کے بعد ہو' لیکن اس کے لئے یہ بات شرط ہے' عورت نے عدت کے گزر جانے کا اقرار نہ کیا ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے: پہلے بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی عورت کو طلاق واقع ہو گئی اور عدت واجب ہو گئی' تو دوسرا بچہ اسی عدت کے دوران شوہر کے نئے تعلق کی دلیل سے پیدا ہوا ہوگا'

کیونکہ عورت نے عدت کے گزر جانے کا اقرار نہیں کیا تھا لہٰذا شوہر کو رجوع کرنے والا شمار کیا جائے گا۔

شرح

علامہ علی بن سلطان حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے حاملہ کو طلاق دی اور اُس کی وطی سے منکر ہے اور رجعت کر لی پھر چھ مہینے سے کم میں بچہ پیدا ہو مگر وقت نکاح سے چھ مہینے یا زیادہ میں ولادت ہوئی تو رجعت ہوگئی۔ (شرح وقایہ، کتاب طلاق)

خلوت سے متعلق حق رجوع کا اعتبار

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص کے نکاح کے بعد چھ مہینے یا زیادہ کے بعد بچہ پیدا ہوا پھر اُسے طلاق دی اور وطی سے انکار کرتا ہے تو رجعت کرسکتا ہے کہ جب بچہ پیدا ہوچکا شرعاً وطی ثابت ہے اُس کا انکار بیکار ہے۔ اگر خلوت ہوچکی ہے مگر وطی سے انکار کرتا ہے پھر طلاق دی تو رجعت نہیں کرسکتا اور اگر شوہر وطی کا اقرار کرتا ہے مگر عورت منکر ہے اور خلوت ہوچکی ہے تو رجعت کرسکتا ہے اور خلوت نہیں ہوئی تو نہیں۔ (درمختار، کتاب طلاق)

حق نسب حق رجوع کیلئے سبب بن سکتا ہے

یہاں مصنف نے اس مسئلے کی ذیلی شق یہ ظاہر کی ہے: اگر شوہر اس عورت سے رجوع کرتا ہے یعنی اس سے مراد یہ ہے: اس عورت کے ساتھ خلوت کرنے کے بعد اور یہ کہنے کے بعد کہ میں نے اس کے ساتھ صحبت نہیں کی تھی۔ اور پھر وہ عورت دو سال سے ایک دن کم کے عرصے میں بچے کو جنم دیتی ہے' تو یہ رجوع کرنا درست شمار ہوگا۔ جس کی دلیل یہ ہے: اس بچے کا نسب اُس شخص سے ثابت ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے: عورت نے عدت پوری ہوجانے کا اقرار نہیں کیا ہے۔ جبکہ بچہ اس کے پیٹ میں اس پوری مدت کے دوران رہا ہے' تو شوہر کو طلاق دینے سے پہلے وطی کرنے والا قرار دیا جائے گا۔ طلاق دینے کے بعد قرار نہیں دیا جائے گا۔ اس کی دلیل یہ ہے: دوسری صورت کا اعتبار کرنے کے نتیجے میں طلاق کی دلیل سے ملکیت زائل ہوجاتی ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے وطی موجود ہی نہیں تھی' تو اس صورت میں تو یہ وطی حرام ہوجائے گی' اور مسلمان کے بارے میں توقع نہیں کی جاسکتی ہے: وہ حرام کا ارتکاب کرے لہٰذا شوہر کو طلاق دینے سے پہلے وطی کرنے والا شمار کیا جائے گا۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر شوہر بیوی سے یہ کہتا ہے: جب تم نے بچے کو جنم دیا تو تمہیں طلاق ہے' اور پھر عورت بچے کو جنم دیدیتی ہے' اور پھر اس کے بعد وہ دوسرے بچے کو جنم دیتی ہے' تو یہ عمل شوہر کی طرف سے رجوع کرنا شمار کیا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے: وہ دوسرے بچے کو پہلے سے کم از کم چھ ماہ بعد جنم دیتی ہے' لیکن اگر وہ دوسرا بچہ دو سال کے عرصے کے بعد پیدا ہوتا ہے' تو اس کے لئے بھی یہی شرط ہے کہ عورت نے عدت پوری ہونے کا اقرار نہ کیا ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے: پہلے بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی مرد کی طرف سے طلاق واقع ہوجائے گی اور عدت واجب ہوجائے گی' جبکہ دوسرا بچہ ایسی صحبت کے نتیجے میں پیدا ہوگا جو اس مدت کے دوران ہوئی اس کی دلیل یہ ہے: عورت نے عدت پوری ہونے کا اقرار نہیں کیا۔ اور اس مرد کو رجوع کرنے والا شمار کر

لیا جائے گا۔

اگر شوہر بچے کی پیدائش سے مشروط طلاق دے

﴿وَإِنْ قَالَ كُلَّمَا وَلَدْتِ وَلَدًا فَأَنْتِ طَالِقٌ فَوَلَدَتْ ثَلَاثَةَ أَوْلَادٍ فِي بُطُونٍ مُخْتَلِفَةٍ فَالْوَلَدُ الْأَوَّلُ طَلَاقٌ وَالْوَلَدُ الثَّانِي رَجْعَةٌ وَكَذَا الثَّالِثُ﴾ لِأَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ بِالْأَوَّلِ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَصَارَتْ مُعْتَدَّةً، وَبِالثَّانِي صَارَ مُرَاجِعًا لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ يَجْعَلُ الْعُلُوقَ بِوَطْءٍ حَادِثٍ فِي الْعِدَّةِ وَيَقَعُ الطَّلَاقُ الثَّانِي بِوِلَادَةِ الْوَلَدِ الثَّانِي لِأَنَّ الْيَمِينَ مَعْقُودَةٌ بِكَلِمَةِ كُلَّمَا وَوَجَبَتِ الْعِدَّةُ، وَبِالْوَلَدِ الثَّالِثِ صَارَ مُرَاجِعًا لِمَا ذَكَرْنَا، وَتَقَعُ الطَّلْقَةُ الثَّالِثَةُ بِوِلَادَةِ الثَّالِثِ وَوَجَبَتِ الْعِدَّةُ بِالْأَقْرَاءِ لِأَنَّهَا حَائِلٌ مِنْ ذَوَاتِ الْحَيْضِ حِينَ وَقَعَ الطَّلَاقُ

ترجمہ

اور جب کسی شوہر نے بیوی سے یہ کہا: جب کبھی بھی تم بچے کو جنم دو تو تمہیں طلاق ہے' تو جب عورت کے ہاں تین بچے پیدا ہو جائیں' تو پہلے بچے کی ولادت طلاق شمار ہوگی۔ دوسرے بچے کی ولادت رجوع شمار ہوگی اور ساتھ ہی دوسری طلاق بھی ہو جائے گی اور اسی طرح تیسرے بچے کی ولادت دوسری طلاق سے رجوع شمار ہوگی اور تیسری طلاق واقع ہو جائے گی' کیونکہ جب عورت کے ہاں پہلے بچے کی پیدائش ہوئی تھی تو پہلے بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی ایک طلاق واقع ہوئی تھی اور اس کے بعد عدت شروع ہو گئی تھی۔ دوسرے بچے کی پیدائش کے بعد رجوع ثابت ہو گیا جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ دوسرے بچے کی پیدائش سے دوسری طلاق واقع ہو جائے گی' کیونکہ شوہر نے لفظ ''کلما'' استعمال کیا ہے اور عدت واجب ہو جائے گی پھر تیسرے بچے کی پیدائش سے مرد رجوع کرنے والا شمار ہوگا' لیکن اس کے ساتھ ہی تیسری طلاق واقع ہو جائے گی' اور عدت کا شمار حیض سے کیا جائے گا کیونکہ اس وقت جب عورت پر طلاق واقع ہوئی اس وقت وہ حاملہ تھی اور اسے حیض آیا کرتا تھا۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ کسی شخص نے اپنی عورت سے کہا اگر تو جنے تو تجھ کو طلاق ہے اُس کے بچہ پیدا ہوا طلاق ہوگئی پھر چھ مہینے یا زیادہ میں دوسرا بچہ پیدا ہوا تو رجعت ہوگئی اگرچہ دوسرا بچہ دو برس سے زیادہ میں پیدا ہوا کہ اکثر مدت حمل دو برس ہے اور اس صورت میں عدت حیض سے ہے تو ہو سکتا ہے کہ زیادہ زیادہ دنوں کے بعد حیض آیا اور عدت ختم ہونے سے پہلے شوہر نے وطی کی ہو۔ ہاں اگر عورت عدت گزرنے کا اقرار کر چکی ہو تو مجبوری ہے۔ اور اگر دوسرا بچہ پہلے بچہ سے چھ مہینے سے کم میں پیدا ہوا تو بچہ پیدا ہونے کے بعد رجعت نہیں۔ (درمختار، کتاب طلاق)

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی یہ کہتا ہے: جب کبھی تم بچے کو جنم دو تو تمہیں طلاق ہے' تو پھر وہ عورت تین بچوں

کو جنم دے دی اس کے تین بچے مختلف وطی سے پیدا ہوئے۔ تو ہر بچے کی پیدائش کے بعد ایک طلاق واقع ہوتی چلی جائے گی اور تیسرے بچے کی پیدائش کے ساتھ تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ اس کی دلیل کے لفظ ''کلما'' تکرار کا تقاضا کرتا ہے لہذا تیسرے بچے کی پیدائش پر تیسری طلاق واقع ہوگی اور اس کے بعد عورت اپنی عدت بسر کرے گی۔

رجعی طلاق یافتہ عورت زیب وزینت اختیار کرسکتی ہے

﴿وَالْمُطَلَّقَةُ الرَّجْعِيَّةُ تَتَشَوَّفُ وَتَتَزَيَّنُ﴾ لِاَنَّهَا حَلَالٌ لِلزَّوْجِ اِذِ النِّكَاحُ قَائِمٌ بَيْنَهُمَا، ثُمَّ الرَّجْعَةُ مُسْتَحَبَّةٌ وَالتَّزَيُّنُ حَامِلٌ لَهُ عَلَيْهَا فَيَكُوْنُ مَشْرُوعًا ﴿وَيُسْتَحَبُّ لِزَوْجِهَا اَنْ لَا يَدْخُلَ عَلَيْهَا حَتّٰى يُؤْذِنَهَا اَوْ يُسْمِعَهَا خَفْقَ نَعْلَيْهِ﴾ مَعْنَاهُ اِذَا لَمْ يَكُنْ مِنْ قَصْدِهِ الْمُرَاجَعَةُ لِاَنَّهَا رُبَّمَا تَكُوْنُ مُتَجَرِّدَةً فَيَقَعُ بَصَرُهُ عَلٰى مَوْضِعٍ يَصِيْرُ بِهِ مُرَاجِعًا ثُمَّ يُطَلِّقُهَا فَتَطُوْلُ الْعِدَّةُ عَلَيْهَا ﴿وَلَيْسَ لَهُ اَنْ يُسَافِرَ بِهَا حَتّٰى يُشْهِدَ عَلٰى رَجْعَتِهَا﴾ وَقَالَ زُفَرُ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ: لَهُ ذٰلِكَ لِقِيَامِ النِّكَاحِ، وَلِهٰذَا لَهُ اَنْ يَغْشَاهَا عِنْدَنَا.

وَ قَوْلُهُ تَعَالٰى ﴿وَلَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ﴾ الْاٰيَةَ، وَلِاَنَّ تَرَاخِيَ عَمَلِ الْمُبْطِلِ لِحَاجَتِهِ اِلَى الْمُرَاجَعَةِ، فَاِذَا لَمْ يُرَاجِعْهَا حَتّٰى انْقَضَتِ الْعِدَّةُ ظَهَرَ اَنَّهُ لَا حَاجَةَ لَهُ فَتَبَيَّنَ اَنَّ الْمُبْطِلَ عَمَلَ عَمَلَهُ مِنْ وَقْتِ وُجُوْدِهِ وَلِهٰذَا تُحْتَسَبُ الْاَقْرَاءُ مِنَ الْعِدَّةِ فَلَمْ يَمْلِكِ الزَّوْجُ الْاِخْرَاجَ اِلَّا اَنْ يُشْهِدَ عَلٰى رَجْعَتِهَا فَتَبْطُلُ الْعِدَّةُ وَيَتَقَرَّرُ مِلْكُ الزَّوْجِ .وَقَوْلُهُ حَتّٰى يُشْهِدَ عَلٰى رَجْعَتِهَا مَعْنَاهُ الِاسْتِحْبَابُ عَلٰى مَا قَدَّمْنَاهُ

ترجمہ

اور جب عورت رجعی طلاق کی عدت گزار رہی ہو تو اس کے لئے آرائش و زیبائش کرنا (جائز ہے) کیونکہ وہ ابھی تک اپنے شوہر کے لئے حلال ہے اور دونوں کے درمیان نکاح قائم ہے اس طرح رجوع کرنا بھی مستحب عمل ہے تو عورت کی آرائش وزیبائش مرد کو رجوع کرنے کی طرف مائل کرسکتی ہے لہذا یہ شرعی طور پر جائز ہوگا۔ شوہر کے لئے بھی یہ بات مستحب ہے: وہ ایسی عورت کے پاس اس وقت تک نہ جائے جب تک اس سے اجازت نہ لے یا جب تک اسے اپنے جوتے کی آہٹ نہ سنائے اس کا مطلب یہ ہے: جب اس کا رجوع کرنے کا ارادہ نہ ہو اس کی دلیل یہ ہے: بعض اوقات عورت ایسی حالت میں ہوتی ہے کہ مرد اس کی شرمگاہ کو دیکھ ... [illegible] رجوع کرنے والا شمار ہوگا پھر وہ طلاق دے گا تو اس طرح عدت طویل ہو جائے گی۔

شوہر کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ (رجعی طلاق یافتہ) بیوی کو سفر پر ساتھ لے جائے جب تک وہ اس سے رجوع نہیں کر لیتا اور .

رجوع کا جواز ہے کیونکہ حضرت امام شافعی نے یہ بات بیان کی ہے شوہر اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرنے سے رجوع حاصل ہوگا یعنی
سے رجوع ثابت ہو جاتا ہے اس لئے بہتر ہے کہ وہ یہ حق بھی حاصل ہے وہ اس عورت کے ساتھ صحبت رکھنے کا حق
میں متفق ہیں تو انہیں ان کے گھر سے نہ نکالا جائے ... ہے ... متعلق کرنے کی عادت کا خیال
رکھنے والے کی طلاق ہو گئی ہے لیکن جب صحبت کر لی جائے گی تو یہ پتہ چل جائے گا کہ ... عورت ... ہے
کہ ... طلاق نے اپنا عمل ... حق ... مذہب ... ہے ... میں ... ہے
گھر سے ... لئے خاوند کا اس سے باہر لے جانے کا اختیار نہیں ہوگا ... صحبت ہو گئی ہے وہ اپنے رجوع کرنے پر گواہ قائم
کرے کہ عدت ختم ہو جائے اور ... حیثیت ختم متحقق ہو جائے امام محمد علیہ الرحمہ نے یہ الفاظ "جب تک وہ اس سے رجوع کے
گواہ نہیں بنالیتا" یہ استحباب کا مفہوم واضح کرنے کے لئے ہیں (وجوب کے لئے نہیں ہے) اس کی تفصیل ہم پہلے بیان کر چکے
ہیں۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ طلاق رجعی کی عدت میں عورت بناؤ سنگار کرے جبکہ شوہر موجود ہو اور عورت کو رجعت کی امید ہو اور اگر شوہر موجود نہ ہو یا عورت کو معلوم ہو کہ رجعت نہ کریگا تو تزئین نہ کرے اور طلاق بائن اور وفات کی عدت میں زینت حرام ہے اور مطلقہ رجعیہ کو سفر میں نہ لیجائے بلکہ سفر سے کم مسافت تک بھی نہ لیجائے جب تک رجعت پر گواہ نہ قائم کرلے یہ اس وقت ہے کہ شوہر نے صراحۃً رجعت کی نفی کی ہو ورنہ سفر میں لے جانا ہی رجعت ہے۔ (درمختار، کتاب طلاق)

ایام عدت میں خوشبو و زینت پر فقہی مذاہب اربعہ

حضرت ام سلمہ کہتی ہیں کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری لڑکی کا خاوند مر گیا ہے جس کی وجہ سے وہ عدت میں ہے اور اس کی آنکھیں دکھتی ہیں تو کیا میں اس کی آنکھوں میں سرمہ لگا دوں؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں اس عورت نے یہ دو بار یا تین بار پوچھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر بار یہی جواب دیتے تھے کہ نہیں پھر فرمایا کہ عدت چار مہینے اور دس دن ہے جب کہ ایام جاہلیت میں تم میں کی ایک عورت تھی جو سال بھر کے بعد مینگنیاں پھینکتی تھی (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 524)

یہ حدیث بظاہر امام احمد کی دلیل ہے کہ کیونکہ ان کے نزدیک اس عورت کو سرمہ لگانا جائز نہیں ہے جس کا خاوند مر گیا ہو اور وہ عدت میں بیٹھی ہو خواہ آنکھیں دکھنے کی وجہ سے اس کو سرمہ لگانے کی ضرورت ہو اور خواہ وہ محض زینت یا عادت کی بناء پر لگانا چاہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک مجبوری کی حالت میں مثلاً آنکھ دکھنے کی صورت میں سرمہ لگانا جائز ہے اور حضرت امام شافعی بھی آنکھیں دکھنے کی صورت میں سرمہ لگانے کی اجازت دیتے ہیں مگر اس شرط کے ساتھ کہ رات میں لگائے اور دن میں پونچھ لے۔

اس حدیث کے بارے میں حنفی علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس عورت نے زینت کے لئے سرمہ لگانا چاہا ہوگا مگر بہانہ کیا ہوگا آنکھ دکھنے کا اور چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم ہوگا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرمہ لگانے کی اجازت دینے سے انکار فرمادیا ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کی وضاحت یہ ہے کہ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ جس عورت کا خاوند مرجاتا وہ ایک تنگ وتاریک کوٹھری میں بیٹھی رہتی اور بہت خراب کپڑے جو اکثر و بیشتر ٹاٹ اور نمدے کی صورت میں ہوتا تھا پہنے رہا کرتی تھی زینت کی کوئی چیز استعمال نہیں کرتی تھی خوشبو بھی نہیں لگاتی تھی غرض کہ پورے ایک سال تک اسی حالت میں رہتی پھر جس دن سال ختم ہوتا اس دن اس کے پاس گدھا یا بکری اور یا کوئی بھی جانور و پرندہ لایا جاتا جس سے وہ اپنی شرمگاہ رگڑتی اور اس کے بعد اس کوٹھری سے باہر نکلتی پھر اس کے ہاتھ میں چند مینگنیاں دی جاتیں جن کو وہ پھینکتی اور اس کے ساتھ ہی عدت سے نکل آتی۔ لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی رسم کی طرف اشارہ فرمایا کہ پچھلے زمانہ میں عدت کی مدت بھی بہت زیادہ تھی اور اس میں خرابیاں اور پریشانیاں بھی بہت تھیں جب کہ اسلام میں عدت کی مدت بھی بہت کم ہے یعنی چار مہینہ دس دن زیادہ تھی اور اس میں خرابی اور پریشانی بھی نہیں ہے تو پھر اتنا اضطراب کیوں ہے؟

حضرت ام سلمہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں روایت کرتی ہیں کہ جب میرے پہلے شوہر ابوسلمہ کا انتقال ہوا اور میں عدت میں بیٹھی ہوئی تھی تو ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے اس وقت میں نے اپنے منہ پر ایلوا لگا رکھا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ ام سلمہ یہ کیا ہے یعنی تم نے عدت کے دنوں میں منہ پر یہ کیا لگا رکھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یہ تو ایلوا ہے جس میں کسی قسم کی کوئی خوشبو نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مگر ایلوا چہرے کو جوان بنا دیتا ہے یعنی ایلوا لگانے سے چہرہ چمکدار ہوجاتا ہے اور اسکا رنگ نکھر جاتا ہے لہذا تم اس کو نہ لگاؤ ہاں اگر کسی دلیل سے لگانا ضروری ہی ہوتو) رات میں لگالو اور دن میں صاف کرڈالو کیونکہ رات میں استعمال کرنے سے بناؤ سنگار کا گمان ہوتا ہے) اسی طرح خوشبو دار کنگھی بھی نہ کرو اور نہ مہندی کے ساتھ کنگھی کرو کیونکہ مہندی سرخ رنگ لئے ہوتی ہے اور اس میں خوشبو ہوتی ہے جب کہ یہ سوگ کی حالت میں ممنوع ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! پھر میں کس چیز کے ساتھ کنگھی کروں یعنی اپنے بالوں کو کس چیز سے صاف کروں؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیری کے پتوں کے ساتھ کنگھی کرو اور ان پتوں سے اپنے سر کو غلاف کی طرح ڈھانپ لو یعنی بیری کے پتے اپنے سر پر اتنی مقدار میں ڈالو کہ وہ تمہارے سر کو غلاف کی طرح ڈھانپ لیں۔

(ابوداؤد ونسائی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 527)

خوشبو دار تیل کے بارے میں تو علماء کا اتفاق واجماع ہے کہ عدت والی عورت اس کا استعمال نہ کرے البتہ بغیر خوشبو کے تیل مثلا روغن زیتون و تل کے بارے میں اختلافی اقوال ہیں چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام شافعی تو بغیر خوشبو کا تیل لگانے بھی منع کرتے ہیں البتہ ضرورت و مجبوری کی حالت میں اس کی اجازت دیتے ہیں اور حضرت امام مالک علیہ الرحمہ حضرت امام احمد اور

علماء ظواہر نے عدت والی عورت کے لئے ایسے تیل کے استعمال کو جائز رکھا ہے جس میں خوشبو نہ ہو۔

اور حضرت ام سلمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس عورت کا خاوند مر جائے وہ نہ کسم میں رنگا ہوا کپڑا پہنے نہ گیرہ میں رنگا ہوا کپڑا پہنے نہ زیور پہنے نہ ہاتھ پاؤں اور بالوں پر مہندی لگائے اور نہ سرمہ لگائے (ابوداؤد نسائی

اگر سیاہ اور خاکستری رنگ کے کپڑے پہنے تو کوئی مضائقہ نہیں اسی طرح کسم میں زیادہ دنوں کا رنگا ہوا کپڑا کہ جس سے خوشبو نہ آتی ہو پہننا بھی درست ہے ہدایہ میں لکھا ہے کہ مذکورہ بالا عورت کو کسی عذر مثلاً کھجلی یا جوئیں یا کسی بیماری کی دلیل سے ریشمی کپڑا پہننا بھی جائز ہے۔

حضرت زینب کہتی ہیں کہ میں نے اپنی والدہ حضرت ام سلمہ سے سنا وہ فرماتی ہیں کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری لڑکی کا شوہر فوت ہو گیا ہے اور اس کی آنکھیں دکھتی ہیں کیا ہم اسے سرمہ لگا سکتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو یا تین مرتبہ فرمایا نہیں۔ پھر فرمایا یہ چار ماہ دس دن ہیں اور زمانہ جاہلیت میں تم ایک سال گزار نے پر اونٹ کی مینگیاں پھینکتی تھیں اس باب میں فریعہ بنت مالک بن سنان (جو ابوسعید خدری کی بہن ہیں) اور حفصہ بنت عمر سے بھی روایت ہے حدیث زینب حسن صحیح ہے صحابہ کرام اور دیگر اہل علم کا اس پر عمل ہے کہ جس کا شوہر فوت ہو جائے وہ خوشبو اور زیبائش سے پرہیز کرے۔ سفیان ثوری، مالک، شافعی، احمد، اسحاق کا یہی قول ہے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1209)

رجوع وامساک کے فقہی احکام

عدت والی عورتوں کی عدت جب پوری ہونے کے قریب پہنچ جائے تو ان کے خاوندوں کو چاہئے کہ دو باتوں میں سے ایک کرلیں یا تو انہیں بھلائی اور سلوک کے ساتھ اپنے ہی نکاح میں روک رکھیں یعنی طلاق جو دی تھی اس سے رجوع کر کے باقاعدہ اس کے ساتھ بود و باش رکھیں یا انہیں طلاق دے دیں، لیکن برا بھلا کہے بغیر گالی گلوچ دیئے بغیر سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ بغیر بھلائی اچھائی اور خوبصورتی کے ساتھ۔ (یہ یاد رہے کہ رجعت کا اختیار اس وقت ہے جب ایک طلاق ہوئی ہو یا دو ہوئی ہوں) پھر فرمایا ہے اگر رجعت کا ارادہ ہو اور رجعت کرو یعنی لوٹا لو تو اس پر دو عادل مسلمان گواہ رکھ لو، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے پھر اس سے جماع کرتا ہے نہ طلاق پر گواہ رکھتا ہے نہ رجعت پر تو آپ نے فرمایا اس نے خلاف سنت طلاق دی اور خلاف سنت رجوع کیا طلاق پر بھی گواہ رکھنا چاہئے اور رجعت پر بھی، اب دوبارہ ایسا نہ کرنا۔

حضرت عطار حمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نکاح، رجعت بغیر دو عادل گواہوں کے جائز نہیں جیسے فرمان اللہ ہے ہاں مجبوری ہو تو اور بات ہے، پھر فرماتا ہے گواہ مقرر کرنے اور سچی شہادت دینے کا حکم انہیں ہو رہا ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں

عدت کی شریعت کے پابند اور عذاب آخرت سے ڈرنے والے ہوں۔

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں رجعت پر گواہ رکھنا واجب ہے گو آپ سے ایک دوسرا قول بھی مروی ہے اسی طرح نکاح پر گواہ رکھنا بھی آپ واجب بتاتے ہیں ایک اور جماعت کا بھی یہی قول ہے، اس مسئلہ کو ماننے والی علماء کرام کی جماعت یہ بھی کہتی ہے کہ رجعت زبانی کہے بغیر ثابت نہیں ہوتی کیونکہ گواہ رکھنا ضروری ہے اور جب تک زبان سے نہ کہے گواہ کیسے مقرر کئے جائیں گے پھر فرماتا ہے کہ جو شخص احکام اللہ بجالائے اس کی حرام کردہ چیزوں سے پرہیز کرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے مخلص پیدا کر دیتا ہے ایک ہر جگہ سے اس طرح رزق پہنچاتا ہے کہ اس کے خواب وخیال میں بھی نہ ہو۔

مسند احمد میں ہے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ میرے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا اے ابوذر اگر تمام لوگ صرف اسے ہی لے لیں تو کافی ہے، پھر آپ نے بار بار اس کی تلاوت شروع کی یہاں تک کہ مجھے اونگھ آنے لگی پھر آپ نے فرمایا ابوذر تم کیا کرو گے جب تمہیں مدینہ سے نکال دیا جائے گا؟ جواب دیا کہ میں اور کشادگی اور رحمت کی طرف چلا جاؤں گا یعنی مکہ شریف کو، وہیں کا کبوتر بن کر رہ جاؤں گا، آپ نے فرمایا پھر کیا کرو گے جب تمہیں وہاں سے بھی نکالا جائے؟ میں نے کہا شام کی پاک زمین میں چلا جاؤں گا فرمایا جب شام سے نکالا جائے گا تو کیا کرے گا؟ میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ پیغمبر بنا کر بھیجا ہے پھر تو اپنی تلوار اپنے کندھے پر رکھ کر مقابلہ پر اتر آؤں گا، آپ نے فرمایا کیا میں تجھے اس سے بہتر ترکیب بتاؤں؟ میں نے کہا ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ارشاد ہو فرمایا سنتا رہ اور مانتا رہ اگر چہ حبشی غلام ہو، ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں بہت ہی جامع آیت (ترجمہ) ہے اور سب سے زیادہ کشادگی کا وعدہ اس آیت (ترجمہ) الخ، میں ہے،

مسند احمد میں فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جو شخص بکثرت استغفار کرتا رہے اللہ تعالیٰ اسے ہر غم سے نجات اور ہر تنگی سے فراخی دے گا اور ایسی جگہ سے رزق پہنچائے گا جہاں کا اسے خیال وگمان تک نہ ہو، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت کے ہر کرب وبے چینی سے نجات دے گا، ربیع فرماتے ہیں لوگوں پر کام بھاری ہو اس پر آسان ہو جائے گا، حضرت عکرمہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو اللہ کے حکم کے مطابق طلاق دے گا اللہ اسے نکاسی اور نجات دے گا، ابن مسعود وغیرہ سے مروی ہے کہ وہ جانتا ہے کہ اللہ اگر چاہے دے اگر نہ چاہے نہ دے،

حضرت قتادہ فرماتے ہیں تمام امور کے شبہ سے اور موت کی تکلیف سے بچالے گا اور روزی ایسی جگہ سے دے گا جہاں کا گمان بھی نہ ہو، حضرت سدی فرماتے ہیں یہاں اللہ سے ڈرنے کی یہ معنی ہیں کہ سنت کے مطابق طلاق دے اور سنت کے مطابق رجوع کرے، آپ فرماتے ہیں حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کو کفار گرفتار کر کے لے گئے اور انہیں جیل خانہ میں ڈال دیا ان کے والد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اکثر آتے اور اپنے بیٹے کی حالت اور حاجت مصیبت اور تکلیف بیان کرتے رہتے آپ انہیں صبر کرنے کی تلقین کرتے اور فرماتے عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے چھٹکارے کی سبیل بنادے گا تھوڑے دن گذرنے

ہوں گے کہ ان کے بیٹے دشمنوں میں سے نکل بھاگے راستہ میں دشمنوں کی بکریوں کا ریوڑ مل گیا جسے اپنے ساتھ ہنکا لائے اور بکریاں لئے ہوئے اپنے والد کی خدمت میں جا پہنچے پس یہ آیت اتری کہ متقی بندوں کو اللہ نجات دے دیتا ہے اور اس کا گمان بھی نہ ہو وہاں سے اسے روزی پہنچاتا ہے، مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ گناہ کی دلیل سے انسان اپنی روزی سے محروم ہو جاتا ہے تقدیر کو لوٹانے والی چیز صرف دعا ہے عمر میں زیادتی کرنے والی چیز صرف نیکی اور خوش سلوکی ہے۔

سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ حضرت مالک بن اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لڑکے حضرت عوف رضی اللہ عنہ جب کافروں کی قید میں تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان سے کہلوادو کہ بکثرت (ترجمہ) پڑھتا رہے، ایک دن اچانک بیٹھے بیٹھے ان کی قید کھل گئی اور یہ وہاں سے نکل بھاگے اور ان لوگوں کی ایک اونٹنی ہاتھ لگ گئی جس پر سوار ہو لئے راستے میں ان کے اونٹوں کے ریوڑ ملے انہیں بھی اپنے ساتھ ہنکا لائے وہ لوگ پیچھے دوڑے لیکن یہ کسی کے ہاتھ نہ لگے سیدھے اپنے گھر آئے اور دروازے پر کھڑے ہو کر آواز دی باپ نے آواز سن کر فرمایا اللہ کی قسم یہ تو عوف ہے ماں نے کہا ہائے وہ کہاں وہ تو قید و بند کی مصیبتیں جھیل رہا ہوگا اب دونوں ماں باپ اور خادم دروازے کی طرف دوڑے دروازہ کھولا تو ان کے لڑکے حضرت عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور تمام انگنائی اونٹوں سے بھری پڑی ہے پوچھا کہ یہ اونٹ کیسے ہیں انہوں نے واقعہ بیان فرمایا کہا اچھا ٹھہرو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی بابت مسئلہ دریافت کر آؤں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ سب تمہارا مال ہے جو چاہو کرو اور یہ آیت اتری کہ اللہ سے ڈرنے والوں کی مشکل اللہ آسان کرتا ہے اور بے گمان روزی پہنچاتا ہے، ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے جو شخص ہر طرف سے کٹ کر اللہ کا ہو جائے اللہ اس کی ہر مشکل میں اسے کفایت کرتا ہے اور بغیر گمان روزیاں دیتا ہے اور جو اللہ سے ہٹ کر دنیا ہی کا ہو جائے اللہ بھی اسے اسی کے حوالے کر دیتا ہے،

مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی سواری پر آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے جو آپ نے فرمایا بچے میں تمہیں چند باتیں سکھاتا ہوں سنو تم اللہ کو یاد رکھو وہ تمہیں یاد رکھے گا اللہ کے احکام کی حفاظت کرو تو اللہ کو اپنے پاس بلکہ اپنے سامنے پاؤ گے جب کچھ مانگنا ہو اللہ ہی سے مانگو جب مدد طلب کرنی ہو اسی سے مدد چاہو تمام امت مل کر تمہیں نفع پہنچانا چاہے اور اللہ کو منظور نہ ہو تو ذرا سا بھی نفع نہیں پہنچا سکتی اور اسی طرح سارے کے سارے جمع ہو کر تجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہیں تو بھی نہیں پہنچا سکتے اگر تقدیر میں نہ لکھا ہو قلمیں اٹھ چکیں اور صحیفے خشک ہو گئے، ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے،

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن صحیح کہتے ہیں مسند احمد کی اور حدیث میں ہے جسے کوئی حاجت ہو اور وہ لوگوں کی طرف لے جائے تو بہت ممکن ہے کہ وہ سختی میں پڑ جائے اور کام مشکل ہو جائے اور جو اپنی حاجت اللہ کی طرف لے جائے اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مراد پوری کرتا ہے یا تو جلدی اسی دنیا میں ہی یا دیر کے ساتھ موت کے بعد۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے قضا اور احکام جس طرح اور جیسے چاہے اپنی مخلوق میں پورے کرنے والا اور اچھی طرح جاری کرنے والا ہے۔ ہر چیز کا اس نے اندازہ مقرر کیا ہوا

ہے جیسے اور جگہ ہے (ترجمہ) ہر چیز اس کے پاس ایک اندازے سے ہے۔

طلاق رجعی سے جماع کے حرام نہ ہونے کا بیان

﴿وَالطَّلَاقُ الرَّجْعِيُّ لَا يُحَرِّمُ الْوَطْئَ﴾ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: يُحَرِّمُهُ لِأَنَّ الزَّوْجِيَّةَ زَائِلَةٌ لِوُجُوْدِ الْقَاطِعِ وَهُوَ الطَّلَاقُ. وَلَنَا أَنَّهَا قَائِمَةٌ حَتّٰى يَمْلِكَ مُرَاجَعَتَهَا مِنْ غَيْرِ رِضَاهَا لِأَنَّ حَقَّ الرَّجْعَةِ ثَبَتَ نَظَرًا لِلزَّوْجِ لِيُمْكِنَهُ التَّدَارُكُ عِنْدَ اعْتِرَاضِ النَّدَمِ، وَهٰذَا الْمَعْنٰى يُوجِبُ اسْتِبْدَادَهُ بِهِ، وَذٰلِكَ يُؤْذِنُ بِكَوْنِهِ اسْتِدَامَةً لَا إِنْشَاءً إِذِ الدَّلِيْلُ يُنَافِيْهِ وَالْقَاطِعُ أَخَّرَ عَمَلَهُ إِلٰى مُدَّةٍ إِجْمَاعًا أَوْ نَظَرًا لَهُ عَلٰى مَا تَقَدَّمَ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ترجمہ

اور رجعی طلاق کے نتیجے میں وطی کرنا حرام نہیں ہوتا امام شافعی اس کی حرمت کے قائل ہیں' چونکہ طلاق کے نتیجے میں میاں بیوی کا ازدواجی تعلق زائل ہو جاتا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے: یہ ازدواجی تعلق بدستور قائم ہے' یہاں تک کہ شوہر بیوی کی رضامندی کے بغیر بھی اس سے رجوع کر سکتا ہے' کیونکہ رجوع کرنے کا تعلق شوہر کی حاجت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہے' تاکہ اگر وہ ندامت محسوس کرے' تو اس کا تدارک کر سکے' ورنہ رجوع کرنے کا حق تو عورت پر ظلم شمار ہوگا۔ اس سے یہ بھی پتہ چل گیا' رجوع کرنے کا مطلب' نکاح کو برقرار رکھنا ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نئے سرے سے نکاح کیا جا رہا ہے کیونکہ مذکورہ دلیل اس کے منافی ہوگی۔ نیز طلاق کا عمل سب کے نزدیک ایک مدت تک التواء کا شکار رہتا ہے' یا شوہر کے حق رعایت کی پیش نظر ہوتی ہے' جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

شرح

مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو رجعی طلاق دیدے' تو اس کے نتیجے میں عورت کے ساتھ صحبت کرنا اس کے لئے حرام نہیں ہوتا۔ امام شافعی کی دلیل میں ایسا کرنا اس کے لئے حرام ہوتا ہے۔ کیونکہ قطع کرنے والی چیز یعنی طلاق کے پائے جانے کے نتیجے میں ملکیت زائل ہو گئی ہے۔ احناف یہ کہتے ہیں: یہ ملکیت ابھی برقرار ہے اس کی یہ دلیل ہے: عورت کی رضامندی کے بغیر بھی شوہر اس سے رجوع کر سکتا ہے۔ مصنف یہ فرماتے ہیں: یہ رجوع کرنا شوہر کا حق ہے تاکہ اگر وہ ندامت کا سامنا کرے' تو اس عمل کا تدارک کر دے اور یہ بات اس بات کی دلیل ہے: شوہر اس چیز کو برقرار رکھ رہا ہے' نہ کے نئے سرے سے نکاح کر رہا ہے۔ کیونکہ دلیل اس کے منافی ہے' تو اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ قطع کرنے والی چیز اپنے عمل کو ایک خاص مدت' یعنی عدت پوری ہونے تک مؤخر کر رہی ہے۔

فصل فیما تحل بہ المطلقۃ

﴿یہ فصل مطلقہ کو حلال کرنے والی چیزوں کے بیان میں ہے﴾

مطلقہ کی حلت والی فصل کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن ہمام اور علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہما الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مصنف علیہ الرحمہ نے طلاق کے حکم شرعی سے ادراک یعنی رجوع کے احکام شرعیہ کو بیان کیا ہے اور اب اسی کا غیر یعنی جب طلاق بائنہ یا پھر طلاق ثلاثہ جس میں حلالہ کے بغیر حلت ثابت نہیں ہوتی ان احکام کو ذکر کریں گے۔ کیونکہ سابقہ فصل میں بیان کردہ احکام کے مقابل انہی مسائل کا ذکر ہے۔

(فتح القدیر، ج ۸، ص ۴۳۷، عنایہ شرح الہدایہ، ج ۵، ص ۳۲۷ بیروت، بتصرف)

تین سے کم طلاقیں دی ہوں تو شوہر عورت کے ساتھ شادی کرسکتا ہے

﴿وَاِذَا كَانَ الطَّلَاقُ بَائِنًا دُوْنَ الثَّلَاثِ فَلَهُ اَنْ يَّتَزَوَّجَهَا فِي الْعِدَّةِ وَبَعْدَ انْقِضَائِهَا﴾ لِاَنَّ حِلَّ الْمَحَلِّيَّةِ بَاقٍ لِاَنَّ زَوَالَهُ مُعَلَّقٌ بِالطَّلْقَةِ الثَّالِثَةِ فَيَنْعَدِمُ قَبْلَهُ، وَمَنْعُ الْغَيْرِ فِي الْعِدَّةِ لِاشْتِبَاهِ النَّسَبِ وَلَا اشْتِبَاهَ فِيْ اِطْلَاقِهِ.

ترجمہ

اور جب طلاقیں تین سے کم ہوں اور بائنہ ہوں تو مرد کو اختیار ہوتا ہے وہ عدت کے دوران یا عدت کے بعد عورت کے ساتھ نکاح کر سکے اس کی دلیل یہ ہے: عورت کا حلال ہونا ابھی اس کے لئے باقی ہے اور حلت کے ازالے کا مدار تیسری طلاق پر ہے جب تک تیسری طلاق نہ ہو حلت زائل نہیں ہوگی۔ دوسرے شخص کو عورت کی عدت کے دوران نکاح کرنے سے اسی لیے منع کیا گیا ہے تا کہ نسب میں کسی قسم کا شبہ پیدا نہ ہو سکے البتہ پہلے شوہر سے متعلق عدت کے دوران یا عدت کے بعد نکاح کرنے میں اس قسم کے شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔

وقوع طلاق سے حق نکاح کے زوال وعدم زوال میں فقہی بحث ونظر

عقود میں عام قاعدہ یہ ہے کہ عقد سے وہ تمام حقوق فریقین پر لازم ہو جاتے ہیں جن کا عقد کے ذریعہ ہر ایک نے التزام کیا ہو اور طلاق خواہ رجعی ہو یا غیر رجعی، وہ عقد نکاح کو زائل کر دیتی ہے، ابن السمعانی کہتے ہیں کہ: حق یہ ہے کہ قیاس اس بات کو مقتضی تھا کہ طلاق جب واقع ہو تو نکاح زائل ہو جائے، جیسا کہ عتق میں رقیت زائل ہو جاتی ہے، مگر چونکہ شرع نے نکاح میں رجوع کا حق رکھا ہے اور عتق میں نہیں رکھا، اس بنا پر ان دونوں کے درمیان فرق ہو گیا۔

اس قاعدے سے دو باتیں ثابت کرنا چاہتا ہے، ایک یہ کہ اگر شارع کی جانب سے اذن نہ ہوتا تو مرد کا یک طرفہ طلاق دینا صحیح نہ ہوتا، چونکہ مرد کو طلاق دینے کا اختیار اذنِ شارع پر موقوف ہے لہٰذا اس کی طلاق کا صحیح ہونا بھی اذنِ شارع کے ساتھ مقید ہوگا۔ پس اگر کوئی شخص شارع کی اجازت کے خلاف طلاق دے تو اس کی طلاق باطل ہوگی، کیونکہ وہ تقاضائے عقد کی بنا پر یک طرفہ طلاق کا اختیار نہیں رکھتا۔

دُوسری بات وہ یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ جب طلاقِ رجعی سے نکاح زائل ہوگیا تو عورت دُوسری اور تیسری طلاق کا محل نہ رہی خواہ وہ ابھی تک عدت کے اندر ہو۔

"اس نظریے کی بنیاد انہی دو باتوں پر قائم ہے، لیکن جو شخص کتاب وسنت سے تمسک کا مدعی ہو، اس کا نصوص کی موجودگی میں محض تخیل اور اَٹکل پچو قیاس آرائی پر اپنے نظریے کی بنیاد رکھنا کتنی عجیب بات ہے؟ اور اگر موکلف کا مقصود خالی فلسفہ آرائی ہے اور وہ بزعمِ خود تھوڑی دیر کے لئے اہلِ دلیل کی صف میں شامل ہونے کا خواہش مند ہے تب بھی اس کے علم سے یہ بات تو اوجھل نہیں رہنی چاہئے کہ مسلمان محض طبیعتِ عقد کی بنا پر تو کسی بھی چیز کا مالک نہیں ہوتا، بلکہ اس لئے مالک ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے تصرفات کا اختیار دیا ہے، نیز اسے یہ بھی معلوم ہونا چاہئے تھا کہ عورت نکاح کے وقت مرد کے اس حق کو جانتی تھی کہ وہ جب چاہے طلاق دے سکتا ہے، اور اس نے نکاح میں یہ شرط بھی نہیں رکھی کہ اس کا شوہر اگر فلاں فلاں کام کرے گا تو اسے اپنے نفس کا خیار ہوگا، بلکہ یہ سب کچھ جاننے کے باوجود اس نے نکاح قبول کرلیا، تو گویا اس نے شوہر کے حقِ طلاق کا بھی التزام کرلیا۔ اب اگر اسے طلاق دی جارہی ہے تو اس کے التزام پر دی جارہی ہے، لہٰذا اس پر کوئی ایسی چیز لازم نہیں کی جارہی جس کا اس نے التزام نہیں کیا۔ اب غور فرمایئے کہ موکلفِ رسالہ کے اس نظریے کی کیا قیمت رہ جاتی ہے؟ اور جب یہ نظریہ خود گرتی ہوئی دیوار پر قائم ہے تو اس پر موکلف جن مسائل کا ہوائی قلعہ تعمیر کرنا چاہتا ہے وہ کب تعمیر ہوسکتا ہے؟

یہی حال اس کے اس دعویٰ کا ہے کہ : رجعی طلاق سے نکاح زائل ہوجاتا ہے یہ قطعاً باطل دلیل ہے جو کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کے مخالف اور ائمہ دین کے علم وتفقہ سے خارج ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اور ان کے شوہر حق رکھتے ہیں ان کے واپس لوٹانے کا عدت کے اندر۔

دیکھئے ! اللہ تعالیٰ نے عدت کے دوران مردوں کو ان کے شوہر ٹھہرایا ہے، اور انہیں اپنی بیویوں کو سابقہ حالت کی طرف لوٹانے کا حق دیا ہے، مگر اس خودساختہ مجتہد کا کہنا ہے کہ ان کے درمیان زوجیت کا تعلق باقی نہیں رہا۔ اور اگر وہ لفظ ردّ سے تمسک کا ارادہ کرے گا تو اچانک اسے ایسے رَدّ کا سامنا کرنا ہوگا جس سے وہ محسوس کرے گا کہ وہ ڈُوبتے ہوئے، تنکے کا سہارا لینا چاہتا ہے۔
نیز حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ طلاق دو مرتبہ ہوتی ہے، پھر یا تو روک لینا ہے معروف طریقے سے۔

پس روک رکھنے کے معنی یہی ہیں کہ جو چیز قائم اور موجود ہے اسے باقی رکھا جائے، یہ نہیں کہ جو چیز زائل ہوچکی ہے

سے دوبارہ حاصل کیا جائے، ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ طلاقِ رجعی کے بعد انقضائے عدّت تک نکاح باقی رہتا ہے۔ اسی طرح جو احادیث حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کے طلاق دینے کے قصے میں مروی ہیں، وہ بھی ہمارے مدعا کی دلیل ہیں، خصوصاً حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث مسندِ احمد میں، جس کے الفاظ یہ ہیں: لیراجعها فانها امرأته ۔ وہ اس سے رُجوع کرلے کیونکہ وہ اس کی بیوی ہے۔

اگر یہ روایت صحیح ہے، جیسا کہ مولفِ رسالہ کا دعویٰ ہے، تو یہ حدیث اس مسئلے میں نصِ صریح ہے کہ طلاقِ رجعی واقع ہونے کے بعد بھی وہ عورت اس کی بیوی ہے۔

اور مطلقہ رجعیہ سے رُجوع کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اسے ازدواجی تعلق کی پہلی حالت کی طرف لوٹا دیا جائے، جبکہ رجعی طلاق کے بعد عورت کی حیثیت یہ ہوگئی تھی کہ اگر اس سے رُجوع نہ کیا جاتا تو انقضائے عدّت کے بعد وہ بائنہ ہو جاتی۔

صوم وصلوٰۃ اور حج وزکوٰۃ وغیرہ کی طرح مراجعت (طلاق سے رُجوع) کا لفظ اپنے ایک خاص شرعی معنی رکھتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے آج تک مراد لئے جاتے رہے ہیں، جو شخص اس لفظ کے لغوی معنی کو لے کر خلطِ مبحث کرنا چاہتا ہے اس کی بات سراسر مہمل اور نامعقول ہے۔ جب مرد، عورت سے کوئی سی بات کرے تو عربی لغت میں اس کو بھی راجعها بولتے ہیں، گویا مراجعت کا اطلاق مطلق بات چیت پر ہوتا ہے، لیکن مطلقہ رجعیہ سے اس کے شوہر کے رُجوع کرنے میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں، ان میں ازدواجی تعلقات کی طرف دوبارہ لوٹنے کے سوا اور کوئی معنی مراد نہیں لئے جاسکتے، لہٰذا اس میں کج بحثی کی کوئی گنجائش نہیں۔

علاوہ ازیں اگر مولف کے بقول رجعی طلاق کے بعد عقد باقی نہیں رہتا تو تجدیدِ عقد کے بغیر دوبارہ ازدواجی تعلقات استوار کرنے کے معنی یہ ہوں گے کہ یہ تعلقات ناجائز اور غیر شرعی ہوں (حالانکہ قرآن وحدیث میں اس کا حکم دیا گیا ہے)، پھر کون نہیں جانتا کہ عدّت ختم ہونے تک نفقہ وسکنیٰ شوہر کے ذمہ واجب ہے، اور اگر اس دوران زوجین میں سے کوئی مرجائے تو دُوسرا اس کا وارث ہوگا، اور یہ کہ عورت چاہے نہ چاہے عدّت کے اندر مرد کو رُجوع کرنے کا حق ہے، یہ تمام اُمور اس بات کی دلیل ہیں کہ طلاقِ رجعی کے بعد بھی میاں بیوی کے درمیان عقدِ نکاح باقی رہتا ہے۔

رہا ابنِ سمعانیؒ کا وہ قول جو مولفِ رسالہ نے نقل کیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کتاب وسنت اور اِجماعِ اُمت، قیاس سے مانع نہ ہوتے تو قیاس کہتا تھا کہ نکاح باقی نہ رہے، آخر ایسا شخص کون ہے جو نصوصِ قطعیہ کے خلاف قیاس پر عمل کرنے کا قائل ہو، پھر جبکہ اسے مقیس اور مقیس علیہ کے درمیان دلیل فرق کا اقرار بھی ہو؟

پس اس مختصر سے بیان سے مولفِ رسالہ کے خودساختہ اُصول کی بنیاد منہدم ہو جاتی ہے اور اس پر جو اس نے ہوائی قلعے تعمیر کرنے کا ارادہ کیا تھا، وہ بھی دھڑام سے زمین پر گر جاتے ہیں۔ ذرا غور فرمائیے کہ ان قطعی دلائل کے سامنے اس کے برخود غلط اٹکل پچو جدلیات کی کیا قیمت ہے؟

طلاق مسنون اور غیر مسنون کی بحث

آیات واحادیث یہ نہیں بتاتیں کہ ایک طلاق مسنونہ ہوتی ہے اور ایک غیر مسنونہ، وہ تو یہ بتاتی ہیں کہ طلاق کی اجازت شارع نے مخصوص اوصاف اور خاص شرائط کے تحت دی ہے۔ پس جس شخص نے ان اوصاف وشرائط سے ہٹ کر طلاق دی تو اس نے اجازت کی حد سے تجاوز کیا، اور ایک ایسا کام کیا جس کا وہ مالک نہیں تھا، کیونکہ شارع کی طرف سے اس کی اجازت نہیں تھی، اس لئے وہ لغو ہوگی، پس ہم طلاق کو اسی وقت موثر کہہ سکتے ہیں جبکہ ان شرائط واوصاف کے مطابق دی جائے۔

جس شخص کو کتب حدیث کی ورق گردانی کا اتفاق ہوا ہو اس کا ایسے دعوے کرنا عجیب سی بات ہے، حالانکہ امام مالک ؟ نے موطا میں ذکر کیا ہے کہ طلاقِ سنت کیا ہے؟ اسی طرح امام بخاری نے الصحیح میں اور دیگر اصحاب صحاح وسنن نے اور ہر گروہ کے فقہائے اُمت نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، حتیٰ کہ ابن حزم نے بھی المحلّٰی میں اس کو ذکر کیا ہے، اور اس کے دلائل بہت زیادہ ہیں، ان میں سے ایک وہ روایت ہے جو شعیب بن رزیق اور عطا خراسانی نے حسن بصری سے نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

حضرت عبداللہ بن عمر نے ہمیں بتایا کہ انہوں نے اپنی بیوی کو اس کے اَیام ماہواری میں طلاق دے دی تھی، بعد ازاں انہوں نے دو طہروں میں دو مزید طلاقیں دینے کا ارادہ کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا: ابن عمر! تجھے اللہ تعالیٰ نے اس طرح حکم نہیں دیا، تو نے سنت سے تجاوز کیا ہے، سنت یہ ہے کہ تو طہر کا انتظار کرے، پھر ہر طہر پر طلاق دے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں اس سے رُجوع کرلوں، چنانچہ میں نے رُجوع کرلیا۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب وہ پاک ہوجائے تب تمہارا جی چاہے تو طلاق دے دینا، اور جی چاہے تو روک رکھنا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمایئے کہ اگر میں نے اسے تین طلاق دے دی ہوتیں تو میرے لئے اس سے رُجوع کرنا حلال ہوتا؟ فرمایا: نہیں! بلکہ وہ تجھ سے بائنہ ہوجاتی، اور گناہ بھی ہوتا۔

یہ طبرانی کی روایت ہے، اور انہوں نے اس کی سند حسبِ ذیل نقل کی ہے۔

حدثنا علی بن سعید الرزای، حدثنا یحییٰ بن عثمان بن سعید بن کثیر الحمصی، حدثنا أبی، ثنا شعیب بن رزیق قال: حدثنا الحسن الخ۔

اور دارقطنی نے بطریق معلّٰی بن منصور اس کو روایت کیا ہے، محدث عبدالحق نے اسے معلّٰی کی دلیل سے معلول ٹھہرانا چاہا، مگر یہ صحیح نہیں، کیونکہ ایک جماعت نے اس سے روایت لی ہے، اور ابنِ معین اور یعقوب بن شیبہ نے اسے ثقہ کہا ہے۔

اور بیہقی نے بطریق شعیب عن عطا الخراسانی اس کی تخریج کی ہے، اور خراسانی کے سوا اس میں اور کوئی علت ذکر نہیں کی۔ حالانکہ یہ صحیح مسلم اور سننِ اربعہ کا راوی ہے، اور اس پر جو جرح کی گئی ہے کہ اسے اپنی بعض روایات میں وہم ہوجاتا ہے، یہ جرح متابع موجود ہونے کی دلیل سے زائل ہوجاتی ہے، کیونکہ طبرانی کی روایت میں شعیب اس کا متابع موجود ہے۔

اور ابوبکر رازی نے یہ حدیث: ابنِ قانع عن محمد بن شاذان عن معلّٰی کی سند سے روایت کی ہے، اور ابنِ قانع سے ابوبکر

رازی کا سماع اس کے اختلاط سے قطعاً پہلے تھا۔

اور شعیب اس روایت کو کبھی عطا خراسانی کے واسطے سے حسن بصری سے روایت کرتا ہے اور کبھی بغیر واسطے کے، کیونکہ اس کی ملاقات ان دونوں سے ہوئی ہے، اور اس نے دونوں سے احادیث کا سماع کیا ہے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس نے عطا خراسانی کے واسطے سے یہ حدیث سنی ہوگی، بعد ازاں بلاواسطہ حسن سے اس لئے وہ کبھی عطا سے روایت کرتا ہے اور کبھی حسن سے۔ایسی صورت بہت سے راویوں کو پیش آتی ہے جیسا کہ حافظ ابوسعید العلائی نے جامع التحصیل لاحکام المراسیل میں ذکر کیا ہے۔

رہا شوکانی کا شعیب بن رزیق کی تضعیف کے درپے ہونا، تو یہ ابن حزم کی تقلید کی بنا پر ہے، اور وہ منہ زور ہے اور رجال سے بے خبر، جیسا کہ حافظ قطب الدین حلبی کی کتاب **القدح المعلی فی الکلام علی بعض احادیث المحلی** سے ظاہر ہے۔اور شعیب کو دارقطنی اور ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے۔اور رزیق دمشقی (جیسا کہ بعض روایات میں واقع ہے) صحیح مسلم کے رجال میں سے ہے۔اور علی بن سعید رازی کو ایک جماعت نے، جن میں ذہبی بھی شامل ہیں، پرعظمت الفاظ میں ذکر کیا ہے، اور ذہبی نے حسن بصری کے حضرت ابن عمر سے سماع کی تصریح بھی کی ہے، حافظ ابوزرعہ سے دریافت کیا گیا کہ: حسن کی ملاقات ابن عمر سے ہوئی ہے؟ فرمایا: ہاں!

حاصل یہ کہ حدیث درجہ احتجاج سے ساقط نہیں، خواہ اس کے گرد شیاطین شذوذ کا کتنا ہی گھیرا ہو، اور اس باب کے دلائل باقی کتب حدیث سے قطع نظر صحاح ستہ میں بھی بہت کافی ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص سنت کے خلاف طلاق دے اس کی طلاق مخالفتِ حکم کے باوجود واقع ہو جائے گی، کیونکہ نہی طاری، مشروعیتِ اصلیہ کے منافی نہیں، جیسا کہ علمِ اصول میں اس کی تفصیل ذکر کی گئی ہے، مثلاً کوئی شخص مغصوبہ زمین میں نماز پڑھے یا اذانِ جمعہ کے وقت خرید و فروخت کرے (اگرچہ وہ گناہگار ہوگا لیکن نماز اور بیع صحیح ہی کہلائے گی)۔

طلاق نام ہے کہ مِلکِ نکاح کو زائل کرنے اور عورت کی آزادی پر سے پابندی اُٹھادینے کا (جو نکاح کی دلیل سے اس پر عائد تھی)۔ابتدا میں عورت کی آزادی کو (بذریعہ نکاح) مقید کرنا متعدد دینی و دُنیوی مصالح کی بنا پر اس کی رضا پر موقوف رکھا گیا، لیکن مرد کو یہ حق دیا گیا کہ جب وہ دیکھے یہ مصالح، مفاسد میں تبدیل ہو رہے ہیں تو عورت پر سے پابندی اُٹھادے تاکہ عورت اپنی سابقہ حالت کی طرف لوٹ جائے۔اس سے معلوم ہوا کہ طلاق کتاب و سنت کی رُو سے مشروع الاصل ہے، البتہ شریعت مرد کو حکم دیتی ہے کہ وہ تین طلاقوں کا حق تین ایسے طہروں میں استعمال کرے جن میں میاں بیوی کے درمیان یکجائی نہ ہوئی ہو، اور مصلحت اس میں یہ ہے کہ یہ ایک ایسا وقت ہوتا ہے جس میں مرد کو عورت سے رغبت ہوتی ہے، اس وقت طلاق دینا اس اَمر کی دلیل ہوگی کہ میاں بیوی کے درمیان ذہنی رابطہ واقعتاً ٹوٹ چکا ہے، اور ایسی حالت میں طلاق کی واقعی ضرورت موجود ہے۔دُوسرے یہ کہ مرد تین طہروں میں متفرق طور پر طلاق دے گا تو اسے سوچنے سمجھنے کا موقع مل سکے گا اور طلاق سے اسے پشیمانی نہیں ہوگی۔علاوہ ازیں حیض کی حالت میں طلاق دینے میں عورت کی عدّت خواہ مخواہ طول پکڑے گی (کیونکہ یہ حیض، جس میں طلاق دی گئی ہے،

عدت میں شمار نہیں ہوگا، بلکہ اس کے بعد جب ایام ماہواری شروع ہوں گے اس وقت سے عدت کا شمار شروع ہوگا)لیکن یہ ساری چیزیں عارضی ہیں جو طلاق کی اصل مشروعیت میں خلل انداز نہیں ہوسکتیں، لہٰذا اگر کسی نے بحالت حیض تین طلاق دے دیں یا ایسے طہر میں طلاق دے دی جس میں میاں بیوی یکجا ہو چکے تھے تب بھی طلاق بہر حال واقع ہو جائے گی، اگر چہ بے ڈھنگی طلاق دینے پر وہ گنہگار بھی ہوگا، مگر اس عارض کی دلیل سے جو گناہ ہوا وہ طلاق کے موثر ہونے میں رُکاوٹ نہیں بن سکتا۔ اس کی مثال میں ظہار کو پیش کیا جاسکتا ہے، وہ اگر چہ نامعقول بات اور جھوٹ ہے (مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا) مگر اس کے باوجود اس کی یہ صفت اس کے اثر کے مرتب ہونے سے مانع نہیں۔ اور مسئلہ زیر بحث میں کتاب وسنت کی نص موجود ہونے کے بعد ہمیں قیاس سے کام لینے کی ضرورت نہیں، اس لئے ہم نے ظہار کو قیاس کے طور پر نہیں بلکہ نظیر کے طور پر پیش کیا ہے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ: تو نے سنت سے تجاوز کیا اس سے مراد یہ ہے کہ تو نے وہ طریقہ اختیار نہیں کیا جس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کا حکم فرمایا ہے۔ یہاں سنت سے وہ کام مراد نہیں جس پر ثواب دیا جائے، کیونکہ طلاق کوئی کارِ ثواب نہیں، اسی طرح طلاق بدعت میں بدعت سے مراد وہ چیز نہیں جو صدرِ اوّل کے بعد خلافِ سنت ایجاد کی گئی ہو، بلکہ اس سے مراد وہ طلاق ہے جو مأمور بہ طریقے کے خلاف ہو، کیونکہ حیض کے دوران طلاق دینے اور تین طلاقیں بیک بار دینے کے واقعات عہدِ نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں بھی پیش آئے تھے، جیسا کہ ہم آئندہ تین طلاق کی بحث میں نصوصِ احادیث سے اس کے دلائل ذکر کریں گے۔ اور جن لوگوں نے اس میں نزاع کیا ہے، ان کا نزاع صرف گناہ میں ہے، وقوعِ طلاق میں نہیں، اور تین طلاق بیک بار واقع ہونا اور حیض کی حالت میں طلاق کا واقع ہونا دونوں کی ایک ہی حیثیت ہے، جو شخص اُس میں یا اس میں نزاع کرتا ہے اس کے ہاتھ میں کوئی دلیل کیا، شبہ دلیل بھی نہیں، جیسا کہ ہمارے ان دلائل سے واضح ہوگا جو ہم آئندہ دو بحثوں میں پیش کریں گے۔

اور امام طحاوی نے نماز سے خروج کی جو مثال پیش کی ہے، اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ عقد میں دخول اور اس سے خروج کے درمیان جو دلیل وفرق ہے وہ فقہ کے طالب علم کے ذہن نشین کرا سکیں، ورنہ ان کا مقصد طلاق کو نماز پر قیاس کرنا نہیں، اور نہ کتاب وسنت کے نصوص کی موجودگی میں انہیں قیاس کی حاجت ہے، اس لئے موٴلف رسالہ کا یہ فقرہ بالکل بے معنی ہے کہ:

اعتراض صحیح ہے اور جواب باطل ہے، کیونکہ یہ عقود کا عبادات پر قیاس ہے، حالانکہ عقد میں دُوسرے کا حق متعلق ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں اگر بالفرض امام طحاوی نے قیاس ہی کیا ہو تو آخر قیاس سے مانع کیا ہے؟ کیونکہ اس میں نکاح سے غیر مأمور بہ طریقے پر خروج کو نماز سے غیر مأمور بہ طریقے سے خروج پر قیاس کیا گیا ہے، اور طلاق خالص مرد کا حق ہے، عورت کا حق صرف مہر وغیرہ میں ہے، اس لئے صحتِ قیاس میں موٴلف کے مصنوعی خیال کے سوا کوئی موٴثر دلیل وفرق نہیں ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ کے سبب نزول میں حاکم اور ترمذی کی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: میرے نزدیک دونوں سندیں صحیح ہیں یہ فقرہ اس بات کی دلیل ہے کہ موٴلف صرف فقہ ہی میں نہیں بلکہ چشم بددُور! حدیث میں بھی مرتبہءِ اجتہاد پر فائز

ہو چکے ہیں، جبکہ متاخرین میں حافظ ابن حجر جیسے حضرات کا بھی اس مرتبہ تک پہنچنا محلِ نظر ہے۔ میاں! تم ہو کون؟ کہ تم میرے نزدیک کے دعوے کرو؟ آیت کے سبب نزول کی بحث ہمارے موضوع سے غیر متعلق ہے، ورنہ ہم دکھاتے کہ میرے نزدیک صحیح ہے کیسے ہوتی ہے

طلاق سنت اور طلاق بدعت کا نتائجی فرق

طلاق سنت اور طلاق بدعت کے نتائج کا فرق یہ ہے کہ ایک طلاق یا دو طلاق دینے کی صورت میں اگر عدت گزر بھی جائے تو مطلقہ عورت اور اس کے سابق شوہر کے درمیان باہمی رضامندی سے پھر نکاح ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر آدمی تین طلاق دے چکا ہو تو نہ عدت کے اندر رجوع ممکن ہے اور نہ عدت گزر جانے کے بعد دوبارہ نکاح کیا جا سکتا ہے۔ البتہ یہ کہ اس عورت کا نکاح کسی اور شخص سے ہو، وہ نکاح صحیح نوعیت کا ہو، دوسرا شوہر اس عورت سے مباشرت بھی کر چکا ہو، پھر یا تو وہ اسے طلاق دے دے یا مر جائے۔ اس کے بعد اگر عورت اور اس کا سابق شوہر رضامندی کے ساتھ از سر نو نکاح کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ احادیث کی اکثر کتابوں میں صحیح سند کے ساتھ یہ روایت آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، پھر اس عورت نے دوسرے شخص سے نکاح کر لیا، اور اس دوسرے شوہر کے ساتھ اس کی خلوت بھی ہوئی مگر مباشرت نہیں ہوئی، پھر اس نے اسے طلاق دے دی، اب کیا اس عورت کا اپنے ساق شوہر سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے؟ حضور علیہ السلام نے جواب دیا: لا، حتّٰی یزوق الأخر من عسیلتھا ما ذاق الاول۔ نہیں، جب تک کہ دوسرا شوہر اس سے اسی طرح لطف اندوز نہ ہو چکا ہو جس طرح پہلا شوہر ہوا تھا۔ رہ سازشی نکاح، جس میں پہلے سے یہ طے شدہ ہو کہ عورت کو سابق شوہر کے لیے حلال کرنے کی خاطر ایک آدمی اس سے نکاح کرے گا اور مباشرت کرنے کے بعد اسے طلاق دیدے گا، تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ نکاح فاسد ہے، اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس سے تحلیل تو ہو جائے گی، مگر یہ فعل مکروہ تحریمی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لعن اللہ المحلل و المحلل لہ، اللہ نے تحلیل کرنے والے اور تحلیل کرانے والے، دونوں پر لعنت فرمائی ہے (ترمذی، نسائی)۔ حضرت عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا الا اخبر کم بالتیس المستعار ؟ کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ کرایہ کا سانڈ کون ہوتا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا ضرور ارشاد فرمائیں۔ فرمایا حوالمحلل، لعن اللہ المحلل و المحلل لہ۔ وہ تحلیل کرنے والا ہے۔ خدا کی لعنت ہے تحلیل کرنے والے پر بھی اور اس شخص پر بھی جس کے لیے تحلیل کی جائے (ابن ماجہ۔ دار قطنی)

تین طلاقیں دینے کے بعد عورت سے شادی کرنا کب حلال ہوگا؟

﴿وَإِنْ كَانَ الطَّلَاقُ ثَلَاثًا فِي الْحُرَّةِ أَوْ ثِنْتَيْنِ فِي الْأَمَةِ لَمْ تَحِلَّ لَهُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ نِكَاحًا صَحِيحًا وَيَدْخُلَ بِهَا ثُمَّ يُطَلِّقَهَا أَوْ يَمُوتَ عَنْهَا﴾ وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُه

تَعَالٰی ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ فَالْمُرَادُ الطَّلْقَةُ الثَّالِثَةُ،

ترجمہ

اور جب کوئی شخص آزاد عورت کو تین طلاقیں دیدے یا کنیز کو دو طلاقیں دیدے تو عورت اس وقت تک اس شخص کے لئے حلال نہیں ہوگی جب تک وہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ صحیح نکاح نہ کرلے اور وہ دوسرا شخص اس عورت کے ساتھ صحبت نہ کرلے اور پھر اسے طلاق نہ دیدے یا انتقال نہ کر جائے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: "پس اگر وہ اسے (تیسری) طلاق دیدے تو وہ عورت اس مرد کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک اس کے علاوہ دوسرے شخص کے ساتھ شادی نہ کرلے"۔ اس سے مراد تیسری طلاق ہے۔

شرح

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ أَنْ يَّتَرَاجَعَآ إِنْ ظَنَّآ أَنْ يُّقِيمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (البقرہ، ۲۳۰)

پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔ پھر وہ دوسرا اگر اسے طلاق دے دے تو ان دونوں پر گناہ نہیں کہ پھر آپس میں مل جائیں۔ اگر سمجھتے ہوں کہ اللہ کی حدیں نباہیں گے اور یہ اللہ کی حدیں ہیں جنہیں بیان کرتا ہے دانش مندوں کے لئے۔

جب کوئی شخص اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے چکنے کے بعد تیسری بھی دے دے تو وہ اس پر حرام ہو جائے گی یہاں تک کہ دوسرے سے باقاعدہ نکاح ہو، ہم بستری ہو، پھر وہ مر جائے یا طلاق دے دے۔ پس اگر نکاح کے مثلاً لونڈی بنا کر وطی بھی کرلے تو بھی اگلے خاوند کیلئے حلال نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح گو نکاح باقاعدہ ہو لیکن اس دوسرے خاوند نے مجامعت نہ کی ہو تو بھی پہلے شوہر کیلئے حلال نہیں۔

اکثر فقہاء میں مشہور ہے کہ حضرت سعید بن مسیب مجرم (صرف) وعقد کو حلال کہتے ہیں گو میل نہ ہوا ہو، لیکن یہ بات ان سے ثابت نہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص ایک عورت سے نکاح کرتا ہے اور دخول سے پہلے ہی طلاق دے دیتا ہے، وہ دوسرا نکاح کرتی ہے وہ بھی دخول سے پہلے ہی طلاق دے دیتا ہے، تو کیا اگلے خاوند کو اب اس سے نکاح کرنا حلال ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں نہیں، جب تک کہ یہ اس سے اور وہ اس سے لطف اندوز نہ ہولیں (مسند احمد ابن ماجہ وغیرہ)

اس روایت کے راوی حضرت ابن عمر سے خود امام بن مسیب ہیں، پس کیسے ممکن ہے کہ وہ روایت بھی کریں اور پھر مخالفت بھی کریں اور پھر وہ بھی بلا دلیل۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ عورت رخصت ہو کر جاتی ہے، ایک مکان میں میاں بیوی جاتے ہیں، پردہ ڈال دیا جاتا ہے لیکن آپس میں صحبت نہیں ہوتی، جب بھی یہی حکم ہے۔ خود آپ کے زمانہ میں ایسا واقعہ ہوا، آپ سے پوچھا گیا مگر آپ نے پہلے خاوند کی اجازت نہ دی (بخاری مسلم)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت رفاعہ قرظی کی بیوی صاحب تمیمہ بنت وہب کو جب انہوں نے آخری تیسری طلاق دے دی تو ان کا نکاح حضرت عبدالرحمٰن بن زبیر سے ہوا لیکن یہ شکایت لے کر دربار رسالت مآب میں آئیں اور کہا وہ عورت کے مطلب کے نہیں، مجھے اجازت ہو کہ میں اگلے خاوند کے گھر چلی جاؤں۔ آپ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ تمہاری کسی اور خاوند سے مجامعت نہ ہو، ان احادیث کی بہت سی سندیں ہیں اور مختلف الفاظ سے مروی ہیں۔

یہ یاد رہے کہ مقصود دوسرے خاوند سے یہ ہے کہ خود اسے رغبت ہو اور ہمیشہ بیوی بنا کر رکھنے کا خواہش مند ہو، کیونکہ نکاح سے مقصود یہی ہے، یہ نہیں کہ اگلے خاوند کیلئے محض حلال ہو جائے اور بس، بلکہ امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی شرط ہے کہ یہ مجامعت بھی مباح اور جائز طریق پر ہو مثلاً عورت روزے سے نہ ہو، احرام کی حالت میں نہ ہو، اعتکاف کی حالت میں نہ ہو، حیض یا نفاس کی حالت میں نہ ہو، اسی طرح خاوند بھی روزے سے نہ ہو، محرم یا معتکف نہ ہو، اگر طرفین میں سے کسی کی یہ حالت ہو اور پھر چاہے وطی بھی ہو جائے پھر بھی پہلے شوہر پر حلال نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر دوسرا خاوند ذمی ہو تو بھی اگلے خاوند کیلئے حلال نہ ہوگی کیونکہ امام صاحب کے نزدیک کفار کے آپس کے نکاح باطل ہیں۔ امام حسن بصری تو یہ بھی شرط لگاتے ہیں کہ انزال بھی ہو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب تک کہ وہ تیرا اور تو اس کا مزہ نہ چکھے، اور اگر یہی حدیث ان کے پیش نظر ہو جائے تو چاہئے کہ عورت کی طرف سے یہ بھی یہ شرط معتبر ہو لیکن حدیث کے لفظ عسیلہ سے منی مراد نہیں، یہ یاد رہے، کیونکہ مسند احمد اور نسائی میں حدیث ہے کہ "عسیلہ " سے مراد جماع ہے۔ اگر دوسرے خاوند کا ارادہ اس سے نکاح سے یہ ہے کہ یہ عورت پہلے خاوند کیلئے حلال ہو جائے تو ایسے لوگوں کی مذمت بلکہ ملعون ہونے کی تصریح احادیث میں آ چکی ہے، مسند احمد میں ہے گودنے والی، گدوانے والی، بال ملانے والی، ملوانے والی عورتیں ملعون، حلال کرنے والی اور جس کیلئے حلالہ کیا جاتا ہے ان پر بھی اللہ کی پھٹکار ہے۔ سود خوار اور سود کھلانے والے بھی لعنتی ہیں۔

امام ترمذی فرماتے ہیں صحابہ کا عمل اسی پر ہے۔ عمر، عثمان اور ابن عمر کا یہی مذہب تابعین فقہاء بھی یہی کہتے ہیں، علی ابن مسعود اور ابن عباس کا بھی یہی فرمان ہے اور روایت میں ہے کہ بیاج کی گواہی دینے والوں اور اس کے لکھنے پر بھی لعنت ہے۔ زکوٰۃ کے نہ دینے والوں اور لینے میں زیادتی کرنے والوں پر بھی لعنت ہے، ہجرت کے بعد لوٹ کر اعرابی بننے والے پر بھی پھٹکار ہے نوحہ کرنا بھی ممنوع ہے، ایک حدیث میں ہے میں تمہیں یہ بتاؤں کہ ادھار لیا ہوا سانڈ کون سا ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ فرمایا جو [illegible] کرے "یعنی طلاق والی عورت سے اس لئے نکاح کرے کہ وہ اگلے خاوند کیلئے حلال ہو جائے، اس پر اللہ کی لعنت ہے اور [illegible]

لئے اسی دلیل سے وہ بھی ملعون ہے (ابن ماجہ)

ایک روایت میں ہے کہ ایسے نکاح کی بابت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ نکاح ہی نہیں جس میں مقصود اور ہو اور ظاہر اور ہو، جس میں اللہ کی کتاب کے ساتھ مذاق اور ہنسی ہو، نکاح صرف وہی ہے جو رغبت کے ساتھ ہو، مستدرک حاکم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر سے سوال کیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تیسری طلاق دے دی، اس کے بعد اس کے بھائی نے بغیر اپنے بھائی کے کہے از خود اس سے اس ارادے سے نکاح کرلیا کہ یہ میرے بھائی کیلئے حلال ہوجائے، تو آیا یہ نکاح صحیح ہوگیا۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں، ہم تو اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زنا شمار کرتے تھے۔ نکاح وہی ہے جس میں رغبت ہو، اس حدیث کے پچھلے جملے نے گو اسے موقوف سے حکم میں مرفوع کردیا، بلکہ ایک اور روایت میں ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق نے ایسے نکاح میں تفریق کردی، اسی طرح حضرت علی اور حضرت ابن عباس وغیرہ بہت سے صحابہ کرام سے بھی یہی مروی ہے۔ پھر فرمان ہے کہ اگر دوسرا خاوند نکاح اور وطی کے بعد طلاق دے تو پہلے خاوند پر پھر اسی عورت سے نکاح کرلینے میں کوئی گناہ نہیں جبکہ یہ اچھی طرح گزر اوقات کرلیں اور یہ بھی جان لیں کہ وہ دوسرا نکاح صرف دھوکہ اور مکروفریب کا نہ تھا بلکہ حقیقت تھی۔ یہ ہیں احکام شرعی جنہیں علم والوں کیلئے اللہ نے واضح کردیا، آئمہ کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو یا ایک طلاق دے دی، پھر چھوڑے رہا یہاں تک کہ وہ عدت سے نکل گئی، پھر اس نے دوسرے سے گھر بسالیا، اس سے ہم بستری بھی ہوئی، پھر اس نے بھی طلاق دے دی اور اس کی عدت ختم ہوچکی، پھر اگلے خاوند نے اس سے نکاح کرلی تو اسے تین میں سے جو ایک یا دو جو باقی ہیں صرف انہی کا اختیار رہے گا یا پہلے کی طرح طلاقیں گنتی سے ساقط ہوجائیں گی اور اسے از سرنو تینوں طلاقوں کا حق حاصل ہوجائے گا، پہلا مذہب تو ہے امام مالک علیہ الرحمہ امام شافعی اور امام احمد کا اور صحابہ کی ایک جماعت کا، دوسرا مذہب ہے امام ابوحنیفہ اور ان کے ساتھیوں کا اور ان کی دلیل یہ ہے کہ جب اس طرح تیسری طلاق ہو، گنتی میں نہیں آئی تو پہلی دوسری کیا آئے گی،

طلاق ثلاثہ سے ازالہ نکاح و وقوع طلاق میں فقہی بحث ونظر

شیخ حسن الکوثری لکھتے ہیں۔ کہ اس حدیث کی (یعنی حضرت ابن عمر کے اپنی بیوی کو بحالت حیض طلاق دینے کی) روایات اور اس کے الفاظ کتب حدیث میں بہت سے ہیں، اور ان میں اس نکتے پر شدید اختلاف واضطراب ہے کہ ابن عمر نے حیض میں جو طلاق دی تھی اسے شمار کیا گیا یا نہیں؟ بلکہ اس حدیث کے الفاظ بھی مضطرب ہیں لہٰذا ابوالزبیر کی اس روایت کو ترجیح دی جائے گی، جس میں ابن عمر کے یہ الفاظ مروی ہیں کہ: آپ نے میری بیوی واپس لوٹا دی، اور اس کو کچھ نہیں سمجھا (فردھا علیّ ولم یرھا شیئا)۔ یہ روایت اس لئے راجح ہے کہ یہ ظاہر قرآن اور قواعد صحیحہ کے موافق ہے، اور اس روایت کی تائید ابوالزبیر ہی کی دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے جسے وہ حضرت جابر سے سماعاً یہ الفاظ نقل کرتے ہیں ابن عمر سے کہو وہ اس سے رجوع کرلے کیونکہ وہ اس کی بیوی ہے۔

یہ سند صحیح ہے اور ابن لھیعہ ثقہ ہے اور خشنی کی روایت محمد بن بشار سے یہ ہے: لا یعتد بذلك (اس کا اعتبار نہ کرے) اور یہ

سند بہت ہی صحیح ہے، اور ابن وہب کی روایت میں جو آتا ہے کہ :وہی واحدۃ (اور یہ ایک طلاق شمار ہوگی) اس سے لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ ضمیر اس طلاق کی طرف راجع ہے جو ابن عمر نے حیض کے دوران دی تھی، حتیٰ کہ ابن حزم اور ابن قیم کو بھی اس دلیل سے گلو خلاصی کی صورت اس کے سوا نظر نہ آئی کہ وہ اس کے مدرج ہونے کا دعویٰ کریں۔ حالانکہ صحیح اور واضح بات یہ ہے کہ یہ ضمیر اس طلاق کی طرف راجع ہے جو ابن عمر کو بعد میں دینی تھی، لہٰذا یہ فقرہ حیض کے دوران کی طلاق کے باطل ہونے پر دلیل ہے، اور ابوالزبیر کی روایت کا مؤید ہے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عمر کو ان کی مطلقہ فی الحیض سے رُجوع کرنے کا جو حکم فرمایا تھا اس میں مراجعت سے مراد لفظ کے معنی لغوی ہیں، اور مطلقہ رجعیہ سے رُجوع کرنے میں اس کا استعمال ایک نئی اصطلاح ہے، جو عصرِ نبوت کے بعد ایجاد ہوئی۔

مؤلف نے صفحہ : پر صاف صاف لکھا ہے کہ : حیض میں دی گئی طلاق صحیح نہیں، اور اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا مؤلف کا یہ قول روافض اور ان کے ہم مسلک لوگوں کی پیروی ہے، اور یہ ان صحیح احادیث سے تلاعب ہے جو صحیحین وغیرہ میں موجود ہیں اور جن کی صحت، ثقہ حفاظ کی شہادت سے ثابت ہے، یہ قول محض نفس پرستی پر مبنی ہے اور اہل نقد کی نظر میں ایک منکر (روایت) کو اس سے بدترین منکر کے ساتھ تقویت دینے کی کوشش ہے۔ اور پھر ایسی احادیث میں اضطراب کا دعویٰ کرنا جن کو تمام ارباب صحاح نے لیا ہے پرلے درجے کی بے حیائی ہے، اور ایسے مدعی کی عقل میں فتور اور اضطراب کی دلیل ہے۔ امام بخاری نے صحیح میں حائضہ کو دی گئی طلاق کے صحیح ہونے پر باب باندھا ہے :باب اذا طلقت الحائض یعتد بذلک الطلاق یعنی :جب حائضہ کو طلاق دی جائے تو اس طلاق کو صحیح شمار کیا جائے گا امام بخاری اس مسئلے میں کسی کے اختلاف کی طرف اشارہ تک نہیں کرتے، اور اس باب کے تحت ابن عمر کے اپنی بیوی کو طلاق دینے کی حدیث درج کرتے ہیں جس میں یہ الفاظ ہیں :مرہ فلیراجعہا یعنی اس سے کہو کہ اپنی بیوی سے رُجوع کرلے۔ امام مسلم بھی اس طلاق کے شمار کیے جانے کی تصریح کرتے ہیں، ان کے الفاظ یہ ہیں : وحسبت لہا التطلیقۃ التی طلقہا یعنی :ابن عمر نے اپنی بیوی کو اس کے حیض کی حالت میں جو طلاق دی تھی اسے شمار کیا گیا۔ اسی طرح مسند احمد میں حضرت حسن کی حدیث جو خود حضرت ابن عمر سے مروی ہے، اور جس کا ذکر مع سند کے پہلے آچکا ہے، وہ بھی اس اَمر کی دلیل ہے کہ اس طلاق کو صحیح اور مؤثر قرار دیا گیا۔

صحیحین وغیرہ میں جو اَحادیث اس سلسلے میں مروی ہیں ان میں جو رُجوع کرنے کا لفظ آیا ہے، جو شخص اس پر سرسری نظر بھی ڈالے اسے ایک لمحے کے لئے بھی اس بات میں شک نہیں ہوگا کہ یہ لفظ طلاق وغیرہ کی طرح عہدِ نبوی میں ایک خاص اصطلاحی مفہوم رکھتا تھا، اور یہ کہ یہ اصطلاح دورِ نبوت کے بعد قطعاً ایجاد نہیں ہوئی۔ احادیثِ طلاق میں ارتجاع، رجعت اور مراجعت کے جتنے الفاظ وارد ہیں ان کے شرعی معنی مراد ہیں، یعنی طلاقِ رجعی دینے کے بعد دوبارہ ازدواجی تعلقات قائم کرنا، بلکہ فقہائے اُمت کی عبارتوں میں اس قبیل کے جتنے الفاظ وارد ہیں وہ لفظاً معنیً انہی الفاظ کے مطابق ہیں جو اَحادیث میں وارد ہوئے ہیں۔ اور یہ

بات پہلے گزر چکی ہے کہ اس باب کی احادیث میں رُجوع کے لغوی معنی مراد لینا یکسر غلط ہے، ابن قیم ؒ بھی اس دعویٰ کی جرأت نہیں کر سکے کہ یہاں رُجوع کے شرعی معنی مراد نہیں، کیونکہ ان کے سامنے وہ احادیث موجود تھیں جن میں شرعی معنی کے سوا اور کوئی معنی ہو ہی نہیں سکتے، انہوں نے اپنی ذات کو اس سے بالاتر سمجھا کہ وہ ایک ایسی مہمل بات کہہ ڈالیں جو حاملین حدیث کے نزدیک بھی ساقط الاعتبار ہو، چہ جائیکہ فقہاء اس پر کان نہ دھریں۔

شوکانی چونکہ زیغ میں سب سے آگے ہے، اور یہ بات کم ہی سمجھ پاتا ہے کہ فلاں بات کہنے سے اس کی ذلت و رُسوائی ہوگی، اس لئے اس نے اپنے رسالہ، طلاق میں یہ راستہ اختیار کرنے میں کوئی باک نہیں سمجھا کہ یہاں رُجوع کے معنی، شرعی مراد نہیں ہیں، اور مؤلفِ رسالہ کو (شوکانی کی تقلید میں) یہ دعویٰ کرتے ہوئے یہ خیال نہیں رہا کہ اس سے اس کی دلیل کا بھی مطالبہ کیا جا سکتا ہے، اور یہ بھی دریافت کیا جا سکتا ہے کہ زمانہ نبوت کے بعد کس زمانے میں یہ نئی اصطلاح ایجاد ہوئی جس کا وہ مدعی ہے؟ مؤلفِ رسالہ، ابن حزم کی طرح بے دلیل دعوے ہانکنے میں جری ہے، اس نے ان صحیح احادیث کی طرف نظر اُٹھا کر نہیں دیکھا جن میں طلاق بحالتِ حیض کو واقع شدہ شمار کیا گیا ہے، اور یہ احادیث ناقابلِ تردید فیصلہ کرتی ہیں کہ یہاں مراجعت سے قطعاً معنی شرعی مراد ہیں۔

پس ان احادیث میں مطلقہ بحالتِ حیض سے رُجوع کرنے کا جو حکم وارد ہوا ہے، تنہا وہی یہ بتانے کے لئے کافی ہے کہ حیض کی حالت میں جو طلاق دی جائے وہ بلا شک وشبہ واقع ہو جاتی ہے، پھر جبکہ صحیح احادیث میں یہ بھی وارد ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا کہ اس حالت میں دی گئی طلاق کو صحیح شمار کیا گیا، تو آپ بتائیے کہ اس مسئلے میں شک وتردد کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ اور آیتِ کریمہ میں تراجع کا جو لفظ آیا ہے یہ اس صورت سے متعلق ہے جبکہ سابق میاں بیوی کے درمیان عقدِ جدید کی ضرورت ہو، اور یہ صورت ہماری بحث سے خارج ہے۔

اور جس شخص نے ان احادیث کا، جو ابن عمر کے واقعہ، طلاق میں وارد ہوئی ہیں، احاطہ کیا ہو، بلکہ احادیث کی وہ تھوڑی سی تعداد، جو حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ذکر کی ہے، بالخصوص دار قطنی کی حدیثِ شعبہ اور حدیثِ سعید بن عبدالرحمٰن الجمحی، جس کے پیشِ نظر ہو، اسے یہ یقین کئے بغیر چارہ نہیں ہوگا کہ ان احادیث میں مراجعت سے صرف معنی، شرعی مراد ہیں، یعنی طلاق رجعی کے بعد معاشرتِ زوجیت کی طرف لوٹنا۔ اور الفاظ سے ان کی حقیقتِ شرعیہ ہی مراد ہوتی ہے، اِلاّ یہ کہ وہاں کوئی صارف موجود ہو، اور یہاں کوئی مانع موجود نہیں۔ ابن قیم کو چونکہ یہ احادیث مستحضر تھیں اس لئے وہ اس پر راضی نہیں ہوئے کہ محض ہٹ دھرمی سے معنی، شرعی کے مراد ہونے سے انکار کر دیں، کیونکہ یہاں انکار کی مجال ہی نہیں۔ اس کے بجائے انہوں نے چاہا کہ شریعت میں مراجعت کے تین معنی ثابت کر دیں: نکاح: جائز ہبہ کو واپس کر دینا: طلاق کے بعد معاشرتِ زوجیت کی طرف لوٹنا، تاکہ وہ یہ کہہ سکیں کہ یہ لفظ مشترک ہے، اور مشترک میں احتمال ہوتا ہے، اور [illegible] میں استدلال ساقط ہو جاتا ہے۔ لیکن انہیں یہ خیال نہیں رہا کہ یہاں مراجعت کی نسبت میاں بیوی کی طرف کی گئی ہے، مرد کی طرف بحیثیت رُجوع کنندہ کے، اور عورت کی طرف بحیثیت رُجوع کردہ شدہ کے، اس سے مراجعت کے معنی خود بخود متعین ہو جاتے ہیں، یعنی طلاق کے بعد معاشرتِ زوجیت کی

طرف عود کرنا، لہٰذا یہاں اشتراک ثابت کرکے استدلال پر اعتراض کرنا صحیح نہیں، علاوہ ازیں وہ یہ بھی بھول گئے کہ ہماری بحث لفظ مراجعت میں ہے جو ان احادیث میں وارد ہوا ہے، نہ تو لفظ تراجع میں ہے جو قرآن کریم میں بہ معنی نکاح کے آیا ہے، اور نہ لفظ ارجاع میں ہے، جو جائز ہبہ کے واپس کرنے کی حدیث میں آیا ہے۔

ابن قیم کے بعد شوکانی آئے، اور موصوف نے اپنے رسالے میں جو طلاق بدعی کے موضوع پر ہے، یہ مسلک اختیار کیا کہ ان احادیث میں مراجعت کے معنی، شرعی مراد ہونا مُسلّم نہیں، بایں خیال کہ معنی ولغوی، معنی، شرعی سے عام ہیں۔ شوکانی کے اس موقف کو اختیار کرنے کی دلیل یہ ہے کہ ان کو فضول کٹ حجتی میں جس کا موصوف نے عجمیوں کی کتابوں سے استفادہ کیا ایک خاص ملکہ اور رُسوخ حاصل ہے۔ کیونکہ شوکانی نے عجمی کتابیں پڑھی تھیں، ابن قیم نے نہیں، مگر شوکانی سے یہ بات اوجھل رہی کہ باتفاق اہل علم کتاب وسنت میں الفاظ کی حقیقتِ شرعیہ مراد ہوا کرتی ہے، اور لفظ مراجعت کی حقیقتِ شرعیہ کو تسلیم کرلینے کے بعد اس کے مراد ہونے کو تسلیم نہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس کے بعد وہ تحریف وتحریف میں اور آگے بڑھے اور محض ہٹ دھرمی کی بنا پر نیل الاوطار میں لفظ مراجعت کے معنی، شرعی سے ہی انکار کرڈالا۔ ان کا خیال تھا کہ جو اُحادیث کہ معنی، شرعی میں نص ہیں، اور جن کو شوکانی نے ابن حجر کی فتح الباری سے نقل کیا ہے، اگر ان کو غلط سلط نقل کرکے ان کے معنی بگاڑ دیئے جائیں تو کمزور علم کے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے کافی ہے، اور ایسا کوئی آئے گا جو ان کی خیانت فی النقل کا پردہ چاک کرے، ذرا شوکانی سے پوچھو کہ اس نے فتح الباری سے ابن حجر کا یہ قول کیوں نقل نہیں کیا۔

اور دار قطنی میں بروایت شعبہ عن انس بن سیرین عن ابن عمر اس قصے میں یہ الفاظ ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا یہ طلاق شمار ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! اس حدیث کے شعبہ تک تمام راوی ثقہ ہیں۔

اور دار قطنی میں بروایت سعید بن عبدالرحمٰن الجمحی (ابن معین وغیرہ نے اس کی تصحیح کی ہے) عن عبیداللہ بن عمر عن نافع عن ابن عمر یہ واقعہ منقول ہے کہ ایک شخص نے ابن عمر سے عرض کیا کہ: میں نے اپنی بیوی کو البتہ (قطعی طلاق، یعنی تین) طلاق دے دی، جبکہ وہ حیض کی حالت میں تھی، ابن عمر نے فرمایا کہ: تو نے اپنے رَبّ کی نافرمانی کی، اور تیری بیوی تجھ سے الگ ہوگئی، وہ شخص بولا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ابن عمر کو اپنی بیوی سے رُجوع کرنے کا حکم دیا تھا، فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عمر کو اس طلاق کے ساتھ رُجوع کرنے کا حکم دیا تھا جو اس کے لئے ابھی باقی تھی، اور تو نے تو کچھ باقی ہی نہیں چھوڑا جس کے ذریعہ تو اپنی بیوی سے رُجوع کرسکتا (یعنی ابن عمر نے تو ایک رجعی طلاق دی تھی، اور دو طلاقیں ابھی باقی تھیں، اس لئے وہ رُجوع کرسکتے تھے، مگر تو نے تین دے ڈالیں، تو کیسے رُجوع کرسکتا ہے؟)۔ اور اس سیاق میں رَدّ ہے اس شخص پر جو ابن عمر کے قصے میں رجعت کو معنی، لغوی پر محمول کرتا ہے۔

اور یہ ساری بحث تو اس وقت ہے جبکہ یہ تسلیم کرلیا جائے کہ لفظ رجعت کے ایک ایسے معنی، لغوی بھی ہیں جو اُحادیث ابن عمر میں مراد لئے جاسکتے ہیں، لیکن جس شخص نے کتب لغت کا مطالعہ کیا ہو اس پر واضح ہوگا کہ لفظ مراجعت کے لغوی معنی ہر اس

صورت میں محقق ہیں، جبکہ مرد، عورت سے کسی معاملے میں بات چیت کرے، اور یہ عام معنی ان احادیث میں قطعاً مراد نہیں لئے جاسکتے، الا یہ کہ شوکانی اس لفظ کو کوئی جدید معنی پہنا دیں، جو کتاب وسنت، اجماع فقہائے ملت اور لغت کے علی الرغم شوکانی کی من گھڑت دلیل کے موافق ہوں۔

اس تقریر سے واضح ہوا کہ قصہ ابن عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ :اس سے کہو کہ اپنی بیوی سے رُجوع کرلے ازخود معنی شرعی پر نص ہے، اس کے لئے دارقطنی کی تخریج کردہ روایات کی بھی حاجت نہیں۔

رہا ابن حزم کا المحلّٰی میں یہ کہنا کہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عمر کو اپنی بیوی سے رُجوع کا جو حکم فرمایا تھا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس طلاق کو شمار کیا گیا۔ ہم جواب میں یہ کہتے ہیں کہ آپ کا یہ ارشاد تمہارے زعم کی دلیل نہیں، کیونکہ ابن عمر نے جب اسے حیض کی حالت میں طلاق دے دی تو بلاشبہ اس سے اجتناب بھی کیا ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں صرف یہ حکم دیا تھا کہ اپنی علیحدگی کو ترک کردیں اور اس کی پہلی حالت کی طرف لوٹا دیں۔

اس کی پہلی حالت سے ابن حزم کی مراد اگر طلاق سے پہلے کی حالت ہے، تب تو ابن حزم کی طرف سے یہ اقرار ہے کہ یہ جملہ طلاق کے واقع ہونے کی دلیل ہے، اور اگر پہلی حالت سے مراد اجتناب سے پہلے کی حالت ہے، تو یہ لفظ کے نہ لغوی معنی ہیں، نہ شرعی۔ البتہ ممکن ہے کہ یہ معنی مجازی ہوں، جو اطلاق وتقیید کی مناسبت سے معنی شرعی سے اخذ کئے گئے ہیں، لیکن معنی مجازی مراد لینے کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جبکہ کوئی قرینہ ایسا موجود ہو جو معنی حقیقی سے مراد لینے سے مانع ہو۔ سوال یہ ہے کہ یہاں وہ کون سا قرینہ ہے، جو حقیقت شرعیہ سے مانع ہے؟ اس بیان کے بعد مؤلف رسالہ کی بات کو جس وادی میں چاہو پھینک دو۔

اور ابوداؤد میں ابوالزبیر کی روایت کا یہ لفظ مجمل ہے کہ :فردھا علیّ ولم یرھا شیئاً، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مجھ پر لوٹا دیا اور اس کو کچھ نہیں سمجھا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ طلاق واقع نہیں ہوئی، بلکہ واپس لوٹانے کے لفظ سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ یہ طلاق بینونت میں قطعاً موثر نہیں تھی، رَدّ اور اِمساک کے الفاظ اس رُجوع میں استعمال ہوتے ہیں جو طلاقِ رجعی کے بعد ہو۔

اور اگر فرض کرلیا جائے کہ اس لفظ سے طلاق کا واقع ہونا کسی درجے میں ملفوم ہوتا ہے تو سنئے !امام ابوداود اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں :تمام احادیث اس کے خلاف ہیں۔ یعنی تمام احادیث بتاتی ہیں کہ ابن عمر پر ایک طلاق شمار کی گئی۔ امام بخاری نے اس کو صراحتاً روایت کیا ہے اور اسی طرح امام مسلم نے بھی، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور بہت سے حضرات نے ذکر کیا ہے کہ امام احمد کے سامنے ذکر کیا گیا کہ طلاقِ بدعی واقع نہیں ہوتی، آپ نے اس پر نکیر فرمائی اور فرمایا کہ :یہ رافضیوں کا مذہب ہے۔

اور ابوالزبیر محمد بن مسلم مکی کو ان سب مؤلفین نے جنھوں نے مدلسین پر کتابیں لکھی ہیں، مدلس راویوں کی فہرست میں جگہ دی ہے، پس جن کے نزدیک مدلسین کی روایت مطلقاً مردود ہے ان کے نزدیک تو اس کی روایت مردود ہوگی، اور جو لوگ

مدلس کی روایت کو کچھ شرائط سے قبول کرتے ہیں وہ اس کی روایت بھی شرائط کے ساتھ ہی قبول کر سکتے ہیں، مگر وہ شرائط یہاں مفقود ہیں، لہٰذا یہ روایت بالاتفاق مردود ہوگی۔

ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ: یہ بات ابوالزبیر کے سوا کسی نے نہیں کہی، اس حدیث کو ایک بہت بڑی جماعت نے روایت کیا ہے، مگر اس بات کو کوئی بھی نقل نہیں کرتا۔ بعض محدثین نے کہا ہے کہ: ابوالزبیر نے اس سے بڑھ کر کوئی منکر روایت نقل نہیں کی۔ اب اگر ابوالزبیر مدلس نہ بھی ہوتا، صرف صحیحین وغیرہ میں حدیثِ ابن عمر کے راویوں کی روایت اس کے خلاف ہوتی تب بھی اس کی روایت منکر ہی شمار ہوتی، چہ جائیکہ وہ مشہور مدلس ہے۔

رہی وہ روایت جس کو ابنِ حزم نے بطریق محمد بن عبدالسلام الخشنی (شوکانی کے رسالے میں خود اس کے اپنے قلم سے اس راوی کی نسبت الخشنی کے بجائے الحسی لکھی ہے، اس سے علمِ رجال میں شوکانی کا مبلغ علم معلوم ہوسکتا ہے) عن محمد بن بشار عن عبدالوھاب الثقفی عن عبیداللہ عن نافع عن ابنِ عمر نقل کی ہے کہ ابنِ عمر نے اس شخص کے بارے میں جس نے اپنی بیوی کو اس کے حیض کی حالت میں طلاق دے دی ہو، فرمایا کہ اس کو شمار نہیں کیا جائے گا، ابنِ حجر تخریج رافعی میں فرماتے ہیں کہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے سنت کے خلاف [illegible] یہ مطلب نہیں کہ وہ طلاق ہی شمار نہیں ہوگی علاوہ ازیں بندار اگر چہ صحیح کے راویوں میں سے ہے، لیکن یہ ان لوگوں میں سے ہے جن کی روایتوں کو چھانٹ کر لیا جاتا ہے، مطلقاً قبول نہیں کیا جاتا، اس لئے کہ وہ حدیث کی چوری اور کذب وغیرہ کے ساتھ متہم ہے، اور بہت سے ناقدین نے اس میں کلام [illegible]۔ بعض اصحابِ صحاح کے نزدیک اس کی عدالت راجح ثابت ہوئی اس لئے انہوں نے اس کی صرف وہ احادیث روایت [illegible] سے سالم تھیں۔ امام بخاری اس سے بکثرت روایت کرتے ہیں مگر انہوں نے بھی [illegible] زیر بحث حدیث نہیں لی۔ [illegible] اگر چہ ثقہ ہے، مگر احادیث کی چھان پھٹک میں امام بخاری جیسا نہیں۔

اور یہ دعویٰ بے حد مضحکہ خیز ہے کہ مسند احمد کی روایت، جو ابن [illegible] ابی الزبیر عن جابر کی سند سے مروی ہے، وہ ابوالزبیر کی روایت کی مؤید ہے۔ اس لئے کہ مسندِ احمد [illegible] راویوں پر مشتمل ہو [illegible] بنا پر اہلِ نقد کے نزدیک ان کتب احادیث میں سے نہیں جن میں صرف صحیح احادیث درج کرنے کا التزام کیا گیا ہو۔ ابنِ حجر نے اس کی روایت کا دائرہ وسیع ہونے سے قبل، جو اس کا دفاع کیا ہے وہ صرف اس مقصد کے لئے ہے کہ اس سے موضوع احادیث کی نفی کی جائے، خواہ اس کی روایت کسی اور راوی کے خلاف بھی نہ ہو۔ جیسا کہ حافظ ابوسعید العلائی نے جامع التحصیل میں ذکر کیا ہے، اور زیر بحث روایت بطریق لیث نہیں، اور مسندِ احمد جیسی ضخیم کتاب اس بات سے محفوظ نہیں رہ سکتی کہ اس کے متفرد راویوں کے قلتِ ضبط کی بنا پر عنعنہ کی جگہ سماع اور تحدیث کو ذکر کر دیا گیا ہو، ایسی صورت میں اس قسم کی روایت کی صحت ان لوگوں کے نزدیک کیسے ثابت ہوسکتی ہے جو روایت کی چھان پھٹک کے فن سے ناواقف ہیں؟

اور اگر روایت کی صحت کو فرض بھی کر لیا جائے تب بھی اس کو حالتِ حیض میں دی گئی طلاق کے عدمِ وقوع کے لئے

مؤید ماننا ممکن نہیں، جیسا کہ ہمارے نام نہاد مجتہد نے سمجھا ہے، کیونکہ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں: لیراجعھا فانھا امرأتہ ۔ وہ اس سے رُجوع کرلے، کیونکہ وہ اس کی بیوی ہے۔

یہ لفظ حالتِ حیض کی طلاق کے وقوع اور انقضائے عدّت تک زوجیت کے باقی رہنے کی دلیل ہے، جیسا کہ جمہور فقہائے اُمت اس کے قائل ہیں، کیونکہ مراجعت صرف طلاقِ رجعی کے بعد ہوتی ہے، اور ارشادِ نبوی : کیونکہ وہ اس کی بیوی ہے ان دونوں کے درمیان تعلقِ زوجیت کی بقا کی تصریح ہے، بلکہ یہ روایت، دُوسری روایت کے اجمال کی تفسیر کرتی ہے کہ کوئی چیز نہیں سے مراد یہ ہے کہ طلاق بحالتِ حیض ایسی چیز نہیں جس سے بینونت (علیحدگی) واقع ہوجائے جب تک کہ عدّت باقی ہے، اس تفسیر کے بعد ابوالزبیر کی روایت بھی دُوسرے راویوں کی روایت کے موافق ہوجاتی ہے۔

اور جو روایت ابنِ حزم نے بطریق ہمام بن یحییٰ عن قتادۃ عن خلاس عن عمرو ذکر کی ہے کہ انہوں نے ایسے شخص کے بارے میں جو اپنی بیوی کو اس کے حیض میں طلاق دے دے، فرمایا کہ اس کو کچھ نہیں سمجھا جائے گا، اس پر پہلا اعتراض تو یہ ہے کہ ہمام کے حافظے میں نقص تھا۔ دُوسرے، قتادہ مدلّس ہیں اور وہ عن کے ساتھ روایت کر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں اس کے مفہوم میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ اس کو یوں نہیں سمجھا جائے گا کہ اس نے سنت کے موافق طلاق دی ہے، جیسا کہ بعض کے نزدیک طلاق کو جمع کرنا خلافِ سنت نہیں۔ دُوسرا احتمال یہ ہے کہ اس طلاق کو طلاق ہی نہیں سمجھا جائے گا، مگر صحابہ میں جو اجماع جاری تھا وہ پہلے احتمال کا مؤید ہے۔ اور خلاس ان لوگوں میں نہیں جو مسائل میں شذوذ کے ساتھ معروف ہوں اور ابنِ عبدالبر کی دلیل یہ ہے کہ اس قسم کی ضمیریں اس حیض کی طرف راجع ہیں جس میں طلاق دی گئی، مطلب یہ ہے کہ اس حیض کو عورت کی عدّت میں شمار نہیں کیا جائے گا۔

اور مؤلفِ رسالہ نے ابوالزبیر کی منکر روایت کی تائید کے لئے جامع ابنِ وہب کی مندرجہ ذیل روایت جو حضرت عمر سے مروی ہے، پیش کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابنِ عمر کے بارے میں فرمایا۔ اس سے کہو کہ وہ اس سے رُجوع کرلے، پھر اسے روک رکھے یہاں تک کہ وہ پاک ہوجائے، پھر اسے حیض آئے، پھر پاک ہوجائے، اب اس کے بعد اگر چاہے تو اسے روک رکھے، اور اگر چاہے تو مقاربت سے پہلے اسے طلاق دے دے، یہ ہے وہ عدّت کہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے عورت کو طلاق دینے کا حکم فرمایا ہے، اور یہ ایک طلاق ہوگی۔

یہ مؤلف کا فکری اختلال ہے، اور آگ سے بچ کر گرم پتھروں میں پناہ لینے کی کوشش ہے۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد : وھی واحدۃ (اور یہ ایک طلاق ہوچکی) زیرِ بحث مسئلے میں نصِ صریح ہے، جس سے جمہور کے دلائل میں مزید ایک دلیل کا اضافہ ہوجاتا ہے۔ ابنِ حزم اور ابنِ قیم اس سے جان چھڑانے کے لئے زیادہ سے زیادہ جو کوشش کرچکے ہیں وہ یہ کہ اس میں مدرج ہونے کا احتمال ہے، حالانکہ یہ دعویٰ قطعاً بے دلیل ہے۔ لیکن ہمارے خود ساختہ مجتہد صاحب نے اس ارشادِ نبوی سے جان چھڑانے کے لئے ایک نیا طریقہ ایجاد کیا ہے، جس سے اس کے خیال میں حدیث کا مفہوم اُلٹ کر اس کی دلیل بن جاتا ہے، اور وہ یہ کہ : وھی واحدۃ کی ضمیر کو مناسبتِ قرب کی بنا پر اس طلاق کی طرف راجع کیا جائے جو ان شاء طلق سے مفہوم ہوتی ہے، (مطلب

پر کہ حیض میں جو طلاق دی گئی اس سے تو رُجوع کر لے، یہ حیض گزر جائے، پھر اس کے بعد دُوسرا حیض گزر جائے، اب جو طلاق دی جائے گی اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ ایک ہوگی)۔

فرض کر لیجئے کہ ضمیر اسی کی طرف راجع ہے، اس سے قطع نظر کہ اس صورت میں یہ جملہ خالی از فائدہ ہوگا، اور اس سے بھی قطع نظر کہ جس طلاق کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت دے رہے تھے اس سے کلام کو پھیرنا لازم آتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اس سے ابوالزبیر کی روایت کی کوئی ادنیٰ تائید کہاں سے نکلتی ہے؟ زیادہ سے زیادہ اس حدیث سے جو بات نکلتی ہے وہ یہ ہے کہ ابنِ عمر نے اپنی بیوی کو بحالتِ حیض طلاق دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضرت عمر کی زبانی حکم دیا کہ اس سے رُجوع کرلیں، آئندہ ان کو اختیار ہوگا، خواہ اس کو روک رکھیں یا طلاق دے دیں، اور یہ طلاق، جس کا وقوع اور عدمِ وقوع ابھی معلوم نہیں، ایک شمار ہوگی۔

اب یہ طلاق جس کا وقوع خارج میں ابھی نامعلوم ہے اس کے بارے میں آخر کون کہتا ہے کہ وہ تین ہوں گی، جب وہ خارج میں واقع اور متحقق ہوگی تو قطعاً ایک ہی ہوگی، لیکن اس کا ایک ہونا کیا اس بات کے منافی ہے کہ اس سے قبل بھی عورت پر حقیقتاً طلاق ہوچکی ہے، جیسا کہ حدیث کے لفظ اس سے رُجوع کرلے سے خود معلوم ہوتا ہے۔

غالباً جناب مؤلف وسعتِ علوم، خصوصاً علمِ عربیت میں اس مقام پر فائز ہوچکے ہیں کہ انہیں نہ تو اہلِ علم سے سیکھنے کی ضرورت ہے، اور نہ اس کے مصادر تلاش کرنے کی حاجت ہے، یہاں تک کہ ان کے نزدیک جو واقعہ کہ وقوع پذیر ہوچکا ہے، اور جو چیز کہ اس کا وقوع محض فرض کیا جارہا ہے، یہ دونوں ایک ہی صف میں کھڑے ہیں۔ یہ صرف موصوف ہی کی دریافت ہے کہ جس کو عدد کہا جاتا ہے وہ کبھی باعتبار اس کی ذات کے عدد ہوتا ہے، کبھی باعتبار اس کے مرتبے کے، اور کبھی باعتبار اس کے آئندہ عدد بن جانے کے۔ حالانکہ یہ سب عجمی اعتبارات ہیں جو عربیت میں داخل کئے گئے، اس نے اس کا ترک کرنا واجب ہے۔ اب اگر وھی واحدۃ میں ضمیر طلاقِ مفروض کی طرف راجع ہو تو اس جملے کے معنی یہ ہوں گے کہ یہ پہلی طلاق ہے، پس اس سے ابنِ حزم، ابنِ قیم اور جمہور کے خلاف حجت قائم ہوجائے گی؟ کیا اس قسم کے خودساختہ مجتہدوں کو یہ مشورہ دینا مناسب نہ ہوگا کہ: برخوردار! تم ابھی بچے ہو، ایک طرف ہو رہو، کہیں ہجوم تمہیں روند نہ ڈالے۔

اور ابنِ عمر نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں صرف ایک طلاق دی تھی، جیسا کہ لیث کی روایت میں ہے، نیز ابنِ سیرین کی روایت میں بھی، جس پر خود مؤلف اعتماد کرتا ہے، اور اس بات کو احمقانہ قرار دیتا ہے جو بعض لوگوں سے بیس سال تک سنتا اور اسے صحیح سمجھتا رہا کہ ابنِ عمر نے اس حالت میں تین طلاقیں دی تھیں۔ امام مسلم نے لیث اور ابنِ سیرین کی دونوں روایتیں اپنی صحیح میں تخریج کی ہیں۔

علاوہ ازیں طلاق بحالتِ حیض کو باطل قرار دینے کے معنی یہ ہوں گے کہ طلاق عورت کے ہاتھ میں دے دی جائے، کیونکہ حیض اور طہر کا علم عورت ہی کی جانب سے ہوسکتا ہے، پس جب کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور عورت نے کہہ دیا کہ وہ تو حیض

کی حالت میں تھی تو آدمی بار بار طلاق دیتا رہے گا یہاں تک کہ وہ اعتراف کرے کہ طلاق طہر میں ہوئی ہے، یا آدمی تھک ہار کر رہ جائے اور غیر شرعی طور پر اسے گھر میں ڈالے رکھے، حالانکہ اسے علم ہے کہ وہ تین طہروں میں الگ الگ تین طلاقیں دے چکا ہے، اور اس سے جو مفاسد لازم آتے ہیں وہ کسی فہیم آدمی پر مخفی نہیں، اس بحث میں مؤلف کے من گھڑت نظریات کی تردید کے لئے غالبًا اسی قدر بیان کافی ہے۔

ایک لفظ سے تین طلاق دینے میں فقہی بحث ونظر

مؤلف لکھتے ہیں عام لوگوں کا خیال ہے اور یہی بات ان جمہور علماء کے اقوال سے مفہوم ہوتی ہے جنھوں نے اس بحث سے تعرض کیا ہے کہ تین طلاق سے مراد یہ ہے کہ کوئی اپنی بیوی سے کہے کہ : تجھے تین طلاق وہ سمجھتے ہیں کہ متقدمین کے درمیان تین طلاقوں کے وقوع یا عدم وقوع میں جو اختلاف تھا وہ بس اسی لفظ میں یا اس کے ہم معنی الفاظ میں تھا، بلکہ یہ لوگ ان تمام احادیث و اخبار کو، جن میں تین طلاقوں کا ذکر آیا ہے، اسی پر محمول کرتے ہیں، حالانکہ یہ محض غلط اور عربی وضع کو تبدیل کرنا اور لفظ کے صحیح اور قابلِ فہم استعمال کے بجائے ایک باطل اور نا قابلِ فہم استعمال کی طرف عدول کرنا ہے۔ پھر یہ لوگ ایک قدم اور آگے بڑھے اور انہوں نے لفظ البتہ سے تین طلاق واقع کر دیں، جبکہ طلاق دہندہ نے تین کی نیت کی ہو۔ حالانکہ تجھے تین طلاق کا لفظ ہی محال ہے، یہ نہ صرف الفاظ کا کھیل ہے، بلکہ عقول و افکار سے کھیلنا ہے۔ یہ بات قطعاً غیر معقول ہے کہ بلفظِ واحد تین طلاق دینے کا مسئلہ ائمہ تابعین اور ان کے مابعد کے درمیان محلِ اختلاف رہا ہو، جبکہ صحابہ اسے پہچانتے تک نہ تھے، اور ان میں سے کسی نے اس کو لوگوں پر نافذ نہیں کیا، کیونکہ وہ اہلِ لغت تھے، اور فطرتِ سلیمہ کی بنا پر لغت میں محقق تھے۔ انہوں نے صرف ایسی تین طلاقوں کو نافذ قرار دیا جو تکرار کے ساتھ ہوں، اور یہ بات مجھے بیس سال پہلے معلوم ہوئی، اور میں نے اس میں تحقیق کی، اور اب میں اس میں اپنے تمام پیشرو بحث کرنے والوں سے اختلاف کرتا ہوں اور یہ قرار دیتا ہوں کہ کسی شخص کے تجھے تین طلاق جیسے الفاظ کہنے سے صرف ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے، الفاظ کے معنی پر دلالت کے اعتبار سے بھی، اور بداہتِ عقل کے اعتبار سے بھی۔ اور اس فقرے میں تین کا لفظ انشاء اور ایقاع میں عقلاً محال اور لغت کے لحاظ سے باطل ہے، اس لئے یہ محض لغو ہے۔ جس جملے میں یہ لفظ رکھا گیا ہے اس میں کسی چیز پر دلالت نہیں کرتا، اور میں یہ بھی قرار دیتا ہوں کہ تابعین اور ان کے بعد کے لوگوں کا تین طلاق کے مسئلے میں جو اختلاف ہے وہ صرف اس صورت میں ہے جبکہ تین طلاقیں یکے بعد دیگرے دی گئی ہوں، اور عقود، معنوی حقائق ہیں جن کا خارج میں کوئی وجود نہیں ہوتا، سوائے اس کے کہ ان کو الفاظ کے ذریعے وجود میں لایا جائے۔ پس تجھے طلاق کے لفظ سے ایک حقیقتِ معنویہ وجود میں آتی ہے اور وہ ہے طلاق۔ اور جب اس لفظ سے طلاق واقع ہوگئی تو اس کے بعد تین کا لفظ بولنا محض لغو ہوگا۔ جیسا کہ میں نے فروخت کیا کے بعد کوئی بیع کی ایجاد و انشاء کے قصد سے تین کا لفظ بولے تو یہ محض لغو ہوگا، اور یہ جو کچھ ہم نے کہا ہے یہ بالکل بدیہی ہے، ایک ایسا شخص جس نے معنی میں غور و فکر اور تحقیق و تدقیق سے کام لیا ہو بشرطِ انصاف اس میں چوں چرا نہیں کر سکتا۔

یہ وہ نکتہ ہے جو مؤلف نے تین طلاق کے بارے میں اپنے رسالے میں کئی جگہ لکھا ہے، اور اگر تم ان تمام باتوں کو دلیل و

جحت کا مطالبہ کئے بغیر قبول نہیں کرو گے تو مؤلف کی بارگاہ میں غیر منصف ٹھہرو گے۔

لہٰذا اور اسلام کی زبوں حالی کا ماتم کرو کہ دین کے معاملے میں ایسا بر خود غلط آدمی ایسی جسارت سے بات کرتا ہے، اور وہ بھی اس پاکیزہ ملک میں جو عالمِ اسلام کا قبلہ علم ہے، اس کے باوجود اس کی گوش مالی نہیں کی جاتی۔

مؤلف تین طلاق کے مسئلے میں صحابہ وتابعین کے درمیان اختلاف کا تخیل پیش کرتا ہے، جبکہ اس کے نہاں خانہ خیال کے سوا اس اختلاف کا کوئی وجود نہیں، اور نہ تجھے تین طلاق کے لفظ سے طلاق دینا صحابہ وتابعین کے لئے کوئی غیر معروف چیز تھی، بلکہ اس کو صحابہ بھی جانتے تھے، اور تابعین بھی، اور عرب بھی۔ ہاں اس سے اگر جاہل ہے تو ہمارا یہ خود رو مجتہد۔ اور اس کا یہ کہنا کہ یہ نکتہ اسے بیس سال قبل معلوم ہوا تھا، بتاتا ہے کہ عقلی اختلال بچپن ہی سے اس کے شاملِ حال تھا، اس سلسلے میں خبر وانشاء اور طلبی و غیر طلبی کے درمیان کسی نے فرق نہیں کیا، بلکہ فقہائے اُمت نے تجھے تین طلاق کے لفظ کو بینونتِ کبریٰ میں نص شمار کیا ہے، بخلاف لفظ البتہ کے، جس کے بارے میں عمر بن عبدالعزیز کا قول مشہور ہے (کہ اس سے تین طلاق واقع ہو جاتی ہیں، جیسا کہ آگے آتا ہے)، اور فقہاء نے البتہ جیسے الفاظ میں جو کہا ہے کہ : اگر اس سے تین طلاق کی نیت کی ہو تو تین واقع ہو جاتی ہیں وہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ تین طلاقیں بیک بار واقع ہو سکتی ہیں۔

ہمارے قول کے دلائلِ ظاہرہ میں سے ایک وہ حدیث ہے جسے بیہقی نے سنن میں اور طبرانی وغیرہ نے بروایت ابراہیم بن عبدالاعلیٰ سوید بن غفلہ سے تخریج کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ عائشہ بنت فضل، حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے نکاح میں تھیں، جب ان سے بیعتِ خلافت ہوئی تو اس بی بی نے انہیں مبارک باد دی، حضرت حسن نے فرمایا : تم امیر المؤمنین (علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ) کے قتل پر اظہارِ مسرت کرتی ہو؟ تجھے تین طلاق۔ اور اسے دس ہزار کا عطیہ (متعہ) دے کر فارغ کر دیا۔ اس کے بعد فرمایا : اگر میں نے اپنا نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات نہ سنی ہوتی یا یہ فرمایا کہ : اگر میں نے اپنے والد ماجد سے اپنے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نہ سنی ہوتی کہ آپ نے فرمایا : جب آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیں، خواہ الگ الگ طہروں میں دی ہوں، یا تین طلاقیں مبہم دی ہوں تو وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں رہتی یہاں تک کہ وہ دُوسری جگہ نکاح کرے تو میں اس سے رُجوع کر لیتا۔ حافظ ابنِ رجب حنبلی اپنی کتاب بیان مشکل الأحادیث الواردة فی ان الطلاق الثلاث واحدة میں اس حدیث کو سند کے ساتھ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو جو خط لکھا تھا، اس میں یہ بھی تحریر فرمایا تھا کہ جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا : تجھے تین طلاق تو یہ تین ہی شمار ہوں گی۔ اس کو ابونعیم نے روایت کیا ہے۔

امام محمد بن حسن کتاب الآثار میں اپنی سند کے ساتھ حضرت ابراہیم بن یزید نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اس شخص کے بارے میں، جو ایک طلاق دے کر تین کی یا تین طلاق دے کر ایک کی نیت کرے، فرمایا کہ : اگر اس نے ایک طلاق کہی تو ایک ہوگی اور اس کی نیت کا کچھ اعتبار نہیں، اور اگر تین طلاق کہی تھیں تو تین واقع ہوں گی، اور اس کی نیت کا اعتبار نہیں۔ امام محمد

فرماتے ہیں ، برابر ای کو لیتے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا، جیسا کہ موطا میں ہے کہ : طلاق ایک ہزار ہوتی تب بھی البتہ کا لفظ ان میں سے کچھ نہ چھوڑتا۔ جس نے البتہ طلاق دے دی اس نے آخری نشانے پر تیر پھینک دیا۔ یہ ان کی دلیل لفظ البتہ کے بارے میں ہے چہ جائیکہ تین طلاق کا لفظ ہو۔

امام شافعی کتاب الام (ج: ص:) میں فرماتے ہیں کہ : اگر کسی نے اپنی کسی بیوی کو آتے ہوئے دیکھ کر کہا : تجھے تین طلاق اور پھر اپنی بیویوں میں سے کسی ایک کے بارے میں کہا کہ یہ مراد تھی، تو اسی پر طلاق واقع ہوگی۔

عربی شاعر کہتا ہے : وأم عمرو طالق ثلاثا (ام عمرو کو تین طلاق) یہ شاعر اپنے حریف سے مقابلہ کر رہا تھا، اسے ثا کا کوئی اور قافیہ نہیں ملا، تو اس نے بیوی کو طلاق دیتے ہوئے یہی مصرعہ جڑ دیا۔

ایک اور عربی شاعر کہتا ہے وانت طالق والطلاق عزيمة ثلاث ومن يخرق أعق وأظلم

فبيني بها ان كنتِ غير رفيقة وما لامرىء بعد الثلاث تندم

اور تجھے تین طلاق، اور طلاق کوئی ہنسی مذاق کی بات نہیں، اور جو موافقت نہ کرے وہ سب سے بڑا ظالم اور قطع تعلق کرنے والا ہے، لہٰذا اگر تو رفاقت نہیں چاہتی تو تین طلاق لے کر الگ ہو جا، اور تین کے بعد تو آدمی کے لئے اظہار ندامت کا موقع بھی نہیں رہتا۔

امام محمد بن حسن سے امام کسائی نے اس شعر کا مطلب اور حکم دریافت کیا تھا، آپ نے جو جواب دیا امام کسائی نے اسے بے حد پسند فرمایا، جیسا کہ شمس الائمہ سرخسی کی المبسوط میں ہے، اور نحویوں نے اس شعر کے وجوہ اعراب پر طویل کلام کیا ہے۔

کسی ہوسناک کا یہ مقدور نہیں کہ وہ ائمہ نحو و عربیت کے کسی امام سے کوئی ایسی بات نقل کر سکے جو تین طلاق بلفظ واحد دینے کے منافی ہو۔ سیبویہ کی الکتاب، ابو علی فارسی کی الایضاح، ابن جنی کی خصائص، ابن یعیش کی شرح مفصل اور ابو حیان کی ارتشاف وغیرہ امہات کتب لو اور جتنا چاہو انہیں چھان مارو، مگر تمہیں ان میں ایک لفظ بھی ہمارے دعویٰ کے خلاف نہیں ملے گا۔ ارے خود رو مجتہد ! تو یہ دعویٰ کیسے کرتا ہے کہ تین طلاق بلفظ واحد کو نہ صحابہ جانتے تھے، نہ تابعین، نہ فقہاء، نہ عرب۔ ان کے یہاں تین طلاق دینے کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں کہ طلاق کا لفظ تین بار دہرا دیا جائے یہ سب صحابہ وتابعین، تبع تابعین، فقہائے دین، عرب اور علوم عربیہ پر افترا ہے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ اسے نواسہ رسول حضرت حسن رضی اللہ عنہ جو صحابی ہیں وہ بھی جانتے تھے، ان کے والد اور ان کے نانا (علیہم السلام) بھی جانتے تھے، اس کو حضرت عمر اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما جانتے تھے، ابراہیم نخعی جانتے تھے، جن کے بارے میں امام شعبی فرماتے ہیں کہ : ابراہیم نے اپنے بعد اپنے سے بڑا عالم نہیں چھوڑا، نہ حسن بصری، نہ ابن سیرین، نہ اہل بصرہ میں، نہ اہل کوفہ میں، اور نہ اہل حجاز اور شام میں۔ اور جن کے بارے میں ابن عبد البر نے التمہید میں ان کی مرسل احادیث کے حجت ہونے کا ذکر کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے وہ قابل دید ہے۔

اور اس کو حضرت عمر بن عبدالعزیز بھی جانتے تھے، اور عمر بن عبدالعزیز، عمر بن عبدالعزیز ہیں، اور اس کو امام ابوحنیفہ جانتے تھے، وہ امام یکتا جو علوم عربیہ کی گود میں پلا اور پھلا پھولا، اس کو امام محمد بن حسن جانتے تھے، جن کے بارے میں موافق و مخالف متفق اللفظ ہیں کہ وہ عربیت میں حجت تھے، اس کو امام شافعی جانتے تھے، وہ امام قرشی جو ائمہ کے درمیان یکتا تھے، ان دونوں سے پہلے عالم دار الہجرت امام مالک بھی اس کو جانتے تھے، اس کو یہ عربی شاعر اور وہ عربی شاعر بھی جانتا تھا، کیا اس بیان کے بعد مؤلف کی پیشانی ندامت سے عرق آلود ہوگی؟ اور اس کے یقین میں کوئی تبدیلی واقع ہوگی؟

اور انشاء میں عدد کو لغو قرار دینا شاید ایک خواب تھا جو مؤلف نے دیکھا اور وہ اس پر احکام کی بنیاد رکھنے لگا، اور عدد کو لغو ٹھہرانے کی بات اگر مؤلف کو حاذق اُصولیین کے ایک گروہ کے اس قول سے سوجھی ہے کہ عدد کا مفہوم نہیں ہوتا اور اس سے مؤلف نے یہ سمجھ لیا ہو کہ جس کا مفہوم نہیں ہوتا وہ لغو ہوتی ہے، تو یہ ایک ایسا انکشاف ہے جس میں کوئی شخص موصوف کا مقابلہ نہیں کرسکتا، اس قسم کی سوجھ سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے۔

ہبہ کرنے والا، عاریت دینے والا، طلاق دہندہ، بیع کنندہ اور آزاد کرنے والا یہ سب لوگ انشاء میں جتنے عدد چاہیں واقع کرسکتے ہیں، مثلاً: ہبہ کرنے والا کہتا ہے کہ: میں نے یہ غلام فلاں شخص کو ہبہ کردیئے تو یہ ہبہ سارے غلاموں پر واقع ہوگا۔ طلاق دینے والا اپنی چاروں بیویوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ: تم کو طلاق تو ان میں سے ہر ایک پر طلاق واقع ہوجائے گی، جیسا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے کیا تھا۔ بائع یا عاریت دینے والا یا غلاموں کو آزاد کرنے والا کہتا ہے کہ: میں نے یہ مکان فروخت کیے، میں نے یہ مکان فلاں کو عاریت پر دیئے، میں نے ان غلاموں کو آزاد کردیا ان میں سے ہر ایک کے لئے لفظِ واحد کافی ہے، تکرارِ لفظ کی حاجت نہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ مصدر جس کو یہ انشائی افعال متضمن ہیں اگر ہم مفعولِ مطلق کے ذریعے اس کا افادہ کرنا چاہتے تو ایسا عدد ذکر کرنا پڑتا جو ان غلاموں کی، ان عورتوں کی اور ان مکانوں کی تعداد کے مطابق ہوتا، مگر ان مثالوں میں مفعول کو ذکر کرنے کے بعد مفعولِ مطلق عددی کے ذکر کی حاجت نہیں رہی۔ اور مرد کا اپنی بیوی کی تین طلاق کا مالک ہونا اسے صرف شرع سے حاصل ہوا ہے، کسی خاص لغت سے اس کا کوئی علاقہ نہیں، بلکہ ساری لغات اس میں برابر ہیں۔ لہٰذا مؤلفِ رسالہ کا یہ کہنا کہ: أنت طالق ثلاثًا، کے لفظ سے طلاق دینا از رُوئے لغت باطل ہے، اور جو لوگ اس لفظ کو بولتے ہیں یہ ان کے کلام میں محض عجمیت کی دلیل ہے سے داخل ہوا یہ ایک بے معنی اور بے مقصد بات ہے، یہ بات اس صورت میں بامعنی ہوسکتی تھی اگر مسلمانوں کی شرع کے خلاف عجمیوں کی شرع میں آدمی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دینے کا مجاز ہوتا، حالانکہ مسلمانوں کی شرع نے ہی آدمی کو تین طلاقوں کا اختیار دیا ہے، خواہ بیک وقت دے یا متفرق کر کے، ہماری بحث شرعِ اسلام کے سوا کسی اور شرع میں نہیں ہے، نہ مسلمان بھائیوں کی طلاق کے سوا کسی اور مذہب وملت کے لوگوں کی طلاق کے بارے میں گفتگو ہے، خواہ وہ کسی عنصر سے ہوں۔

پس مسلمان جب اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہے تو یا تو خلافِ سنت تین طلاق بلفظ واحد طہر میں یا حیض میں دے گا، یا سنت کے مطابق تین طلاقیں تین الگ الگ طہروں میں دے گا۔ طلاق خواہ کسی لغت میں ہو، عربی میں ہو، یا فارسی میں، ہندی میں ہو یا

عربی زبان میں، ان لغات کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ بہر حال جب آدمی طلاق دینا چاہے تو پہلے ایک یا دو یا تین کا ارادہ کرے گا، پھر یہ لفظ ذکر کرے گا جو اس کی مراد کو ادا کر سکے، لہٰذا وہی طلاق واقع ہو جائے گی جس کا اس نے ارادہ کیا ہے، خواہ ایک کا، خواہ دو کا، خواہ تین کا، پس انشاء کا لفظ اس کے ارادے کے مطابق ہوا۔

اور انشاء میں عدد کے لغو ہونے کا دعویٰ ان دعاوی میں سے ہے جن کی اولاد بے نسب ہے، کیونکہ پہلے واضح ہو چکا ہے کہ جب ضرورت پیش آئے تو مفعول مطلق عددی کو فعل کے بعد ذکر کیا جا سکتا ہے، اور اس میں خبر و انشاء اور طلبی و غیر طلبی کا کوئی فرق نہیں ہے، نہ لغت کے اعتبار سے، نہ نحو کے لحاظ سے، کیونکہ اس میں اختیار صرف شرع کے سپرد ہے، جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

اور جہاں نص موجود ہو وہاں قیاس کے گھوڑے دوڑانا ایک احمقانہ حرکت ہے۔ علاوہ ازیں تسبیح و تحمید، تہلیل و تکبیر اور تلاوت و صلوٰۃ وغیرہ عبادات ہیں، جن میں اجر بقدر مشقت ہے، اور اقرار زنا، حلف، لعان اور قسامت میں عدد تاکید کے لئے ہے، اور یہ منصوص تعداد کے ادا کرنے ہی سے حاصل ہو سکتی ہے، بخلاف ہمارے زیر بحث مسئلے کے کہ طلاق نہ تو عبادت ہے، نہ اس میں عدد تاکید کے لئے ہے کہ اسے اس پر یا اُس پر قیاس کیا جائے۔ دیکھئے ! ایک عدد وہ ہے جس کے اقل پر اکتفا کیا جا سکتا ہے (مثلاً: طلاق)، اور ایک وہ ہے جس میں اقل پر اکتفا نہیں کیا جا سکتا (مثلاً: اقرار زنا، حلف، لعان اور قسامت)، آخر اوّل الذکر کو موخر الذکر پر کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے؟ اور دلیل فرق کے باوجود قیاس کرنا اور بھی احمقانہ بات ہے۔

محمود بن لبید کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دے دی تھیں، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہوئے، اس کے بارے میں مؤلف لکھتے ہیں: میرا غالب گمان یہ ہے کہ یہ رکانہ ہی تھے، ارے میاں! ہمیں اپنے غالب گمان سے معاف رکھو، جب تمہارا یقین بھی سراسر غلط ہے، تو غالب گمان کا کیا پوچھنا؟ اور محمود بن لبید کی حدیث بر تقدیر صحت، اہل استنباط کے نزدیک کسی طرح بھی عدم وقوع پر دلالت نہیں کرتی، البتہ گناہ پر دلالت کرتی ہے۔ اور اس میں بھی امام شافعی اور ابن حزم کی دلیل مختلف ہے، مگر ہم گناہ ہونے یا نہ ہونے کی بحث میں نہیں پڑنا چاہتے، بلکہ ابو بکر بن عربی نے روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر تین طلاقیں نافذ کر دی تھیں، اور توسع فی الروایات میں ابن عربی کا جو پایہ ہے وہ اہل علم کو معلوم ہے، اور حافظ ابن حجر کو ہر چیز میں ہر قسم کے اقوال نقل کر دینے کا عجیب شغف ہے، وہ ایک کتاب میں تحقیق قلم بند کرتے ہیں اور دوسری کتاب میں کلام کو بے تحقیق چھوڑ جاتے ہیں، اور یہ ان کی کتابوں کا عیب شمار کیا گیا ہے، محمود بن لبید کے بارے میں ان کے اقوال کا اختلاف بھی اسی قبیل سے ہے، تحقیق یہ ہے کہ محمود بن لبید کو سماع حاصل نہیں، جیسا کہ فتح الباری میں ہے، اور یہ کتاب ان کی پسندیدہ کتابوں میں ہے، بخلاف اصابہ کے، اور اصابہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ مسند کے بعض نسخوں کی نقل ہے اور مسند ہر چیز میں محل اعتماد نہیں، جبکہ ابن المنذہب اور قطیعی جیسے حضرات اس کی روایت میں منفرد ہوں۔

اور رکانہ کے تین طلاق دینے میں ابن اسحاق کی جو روایت مسند میں ہے اس پر بحث آگے آئے گی، اور جب سند سامنے موجود ہے تو ضیاء کی تصحیح کیا کام دے سکتی ہے؟ ضیاء تو حدیث خضر جیسی روایات کی بھی تصحیح کر جاتے ہیں، بعض غلو پسند حضرات مسند

احمد میں جو کچھ بھی ہے سب کو صحیح قرار دیتے ہیں، اور ہم خصائص مسند کی تعلیقات میں حافظ ابن طولون ؟ سے اس نظریے کی غلطی نقل کر چکے ہیں، لہٰذا ان لوگوں کو تو رہنے دو اور حدیث رکانہ پر آئندہ بحث میں گفتگو کا انتظار کرو۔

اور تین طلاقیں بہ لفظِ واحد واقع ہو جاتی ہیں اس کی ایک دلیل حدیث لعان ہے، جس کی تخریج صحیح بخاری میں ہوئی ہے:۔

عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ نے مجلس لعان میں کہا کہ : یارسول اللہ ﷺ اگر میں اس کو اپنے پاس رکھوں تو گویا میں نے اس پر جھوٹی تہمت لگائی، پس انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے پہلے ہی اس کو تین طلاق دے دیں۔ اور کسی روایت میں یہ نہیں آتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر نکیر فرمائی ہو، پس یہ تین طلاق بیک لفظ واقع ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ یہ ممکن نہیں تھا کہ لوگ تین طلاق کا بلفظِ واحد واقع ہونا سمجھتے رہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اصلاح نہ فرمائیں، اگر یہ سمجھنا صحیح نہ تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی اصلاح ضرور فرماتے۔ اس حدیث سے تمام اُمت نے یہی سمجھا ہے (کہ تین طلاقیں بلفظِ واحد واقع ہو جاتی ہیں) حتیٰ کہ ابن حزم نے بھی یہی سمجھا ہے، وہ لکھتے ہیں : عویمر نے اس عورت کو یہ سمجھ کر طلاق دی کہ وہ ان کی بیوی ہے، اگر تین طلاق بیک وقت واقع نہیں ہو سکتی تھیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ضرور نکیر فرماتے۔ اور امام بخاری ؟ نے بھی اس حدیث سے وہی سمجھا ہے جو پوری اُمت نے سمجھا، چنانچہ انہوں نے باب من اجاز طلاق الثلاث کے تحت پہلے یہی حدیث نقل کی ہے، اس کے بعد حدیث عسیلہ اور پھر حضرت عائشہ کی حدیث اس شخص کے بارے میں جو تین طلاقیں دے۔ جواز سے ان کی مراد یہ ہے کہ تین طلاق جمع کرنے میں گناہ نہیں، جیسا کہ امام شافعی اور ابن حزم کی دلیل ہے۔ مگر جمہور کا مذہب یہ ہے کہ تین طلاق بیک وقت واقع کرنے میں گناہ ہے، جیسا کہ ابن عبدالبر نے الاستذکار میں خوب تفصیل سے لکھا ہے، اور ہم یہاں اس مسئلے کی تحقیق کے درپے نہیں۔ امام بخاری کا یہ مطلب نہیں کہ تین طلاق کے بہ لفظِ واحد واقع ہونے میں کوئی اختلاف ہے، اس لئے یہ مفہوم امام بخاری کے الفاظ کے خلاف ہونے کے علاوہ حق کے بھی خلاف ہے، اس لئے کہ تین طلاقوں کا بیک وقت واقع ہو جانا ان تمام حضرات کا متفق علیہ مسئلہ ہے جن کا قول لائق اعتبار ہے، جیسا کہ ابن التین نے کہا ہے۔ اختلاف اگر نقل کیا گیا ہے تو صرف کسی غلط رو سے، یا ایسے شخص سے جس کا اختلاف کسی شمار میں نہیں۔ ابن حجر کو یہاں بھول ہوئی ہے، اس لئے انہوں نے امام بخاری کے الفاظ کا اس مفہوم کو شامل ہونا بھی تجویز کیا ہے۔ اس کا منشا یہ ہے کہ انہوں نے ابن مغیث جیسے لوگوں پر اعتماد کر لیا، حالانکہ کسی محدث کے لئے ایسے شخص پر اعتماد کرنا صحیح نہیں، جب تک کہ قابلِ اعتماد راویوں کی سند سے اختلاف نقل نہ کیا جائے، اس بحث کا اس کے موقع پر انتظار کیجئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، فقہائے صحابہ سے، تابعین سے اور بعد کے حضرات سے بہت احادیث منقول ہیں، جن میں ذکر کیا گیا ہے کہ کسی نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاق دے دی، کسی نے سو طلاق دیں، کسی نے ننانوے، کسی نے آٹھ، کسی نے آسمان کے ستاروں کی تعداد میں، وغیرہ وغیرہ۔ یہ روایات موطا امام مالک، مصنف ابن ابی شیبہ اور سنن بیہقی وغیرہ میں مروی ہیں۔ یہ تمام احادیث اس مسئلے کی دلیل ہیں کہ تین طلاق بلفظِ واحد واقع ہو جاتی ہیں، کیونکہ یہ بات بہت ہی بعید ہے کہ صحابہ کرام

میں کوئی ایسا شخص بھی موجود ہو جو یہ نہ جانتا ہو کہ طلاق کی تعداد صرف تین تک ہے، یہاں تک کہ وہ یکے بعد دیگرے ہزار، سو، یا ننانوے مرتبہ طلاق دیتا چلا جائے، اور اس طویل مدت میں فقہائے صحابہ میں سے کوئی بھی اسے یہ نہ بتائے کہ بندہ، خدا اطلاق کی آخری حد بس تین ہے۔ صحابہ کرام کے بارے میں اس فروگزاشت کا تصور بھی محال ہے، لہٰذا یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ یہ طلاق دیتے وقت طلاق دہندگان کے الفاظ تھے، یعنی ایک شخص کہتا: تجھے ہزار طلاق، دُوسرا کہتا: تجھے سو طلاقیں، تیسرا کہتا: تجھے ننانوے طلاقیں ان تمام الفاظ سے طلاق دینے والوں کا مقصد ایسی طلاق واقع کرنا تھا جس سے بینونت کبریٰ حاصل ہو جائے، اور یہ ایسی کھلی بات ہے کہ اس میں کسی طرح بھی شغب کی گنجائش نہیں۔

یحییٰ لیثی امام مالک سے روایت کرتے ہیں کہ انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ: میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دی ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: تین طلاقیں اس پر واقع ہو گئیں اور ستانوے طلاقوں کے ساتھ تو نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق بنایا۔ التمہید میں ابن عبدالبر نے اس کو سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

ابن حزم بھی بطریق عبدالرزاق، عن سفیان الثوری، سلمہ بن کہیل سے روایت کرتے ہیں کہ ہم سے زید بن وہب نے یہ حدیث بیان کی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص کا مقدمہ پیش ہوا جس نے اپنی بیوی کو ہزار طلاق دی تھیں، حضرت عمر نے اس سے دریافت فرمایا کہ: کیا واقعی تو نے طلاق دی ہے؟ وہ بولا کہ: میں تو ہنسی مذاق کرتا تھا۔ آپ نے اس پر دُرّہ اُٹھایا اور فرمایا: تجھ کو ان میں سے تین کافی تھیں۔ سنن بیہقی میں بھی بطریق شعبہ اس کی مثل روایت ہے۔

نیز ابن حزم بطریق وکیع، عن جعفر بن برقان، معاویہ بن ابی یحییٰ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ: میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاق دی ہے، فرمایا: وہ تین طلاق کے ساتھ تجھ سے بائنہ ہو گئی۔

نیز بطریق عبدالرزاق عن الثوری، عن عمرو بن مرۃ عن سعید بن جبیر روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک شخص سے جس نے ہزار طلاق دی تھی، فرمایا: تین طلاق اس کو تجھ پر حرام کر دیتی ہیں، باقی طلاقیں تجھ پر جھوٹ لکھی جائیں گی، جن کے ساتھ تو نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو مذاق بنایا۔ سنن بیہقی میں بھی اس کی مثل ہے۔

نیز ابن حزم بطریق وکیع، عن الاعمش عن حبیب بن ابی ثابت حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے اس شخص کو جس نے ہزار طلاق دی تھیں، فرمایا: تین طلاقیں اسے تجھ پر حرام کر دیتی ہیں الخ اس کی مثل سنن بیہقی میں بھی ہے۔

طبرانی حضرت عبادہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں، جس نے ہزار طلاقیں دیں، فرمایا کہ: تین کا تو اسے حق حاصل ہے، باقی عدوان اور ظلم ہے، اللہ تعالیٰ چاہیں تو اس پر گرفت فرمائیں اور چاہیں تو معاف کر دیں۔

مسندِ عبدالرزاق میں جد عبادہ سے اس کی مثل روایت ہے، مگر عبدالرزاق کی روایت میں علل ہیں۔ بیہقی بطریق شعبہ، عن ابی نجیح، عن مجاہد روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دیں، ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا۔

تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تیری بیوی تجھ سے بائنہ ہوگئی، تو نے اللہ سے خوف نہیں کیا، کہ اللہ تعالیٰ تیرے لئے نکلنے کی کوئی صورت پیدا کر دیتا۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ. (الطلاق)

نیز بیہقی بطریق شعبہ، عن الاعمش، عن مسروق، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے اس شخص سے، جس نے سو طلاقیں دے تھیں، فرمایا: وہ تین کے ساتھ بائنہ ہوگئی اور باقی طلاقیں عدوان ہیں۔

ابن حزم بطریق عبدالرزاق، عن معمر، عن الاعمش، عن ابراہیم، عن علقمہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: ایک شخص نے ننانوے طلاقیں دی تھیں، آپ نے اس سے فرمایا کہ: وہ تین کے ساتھ بائنہ ہوگئی، باقی طلاقیں عدوان ہیں۔

نیز ابن حزم بطریق وکیع، عن اسماعیل ابن ابی خالد، امام شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے قاضی شریح ؒ سے کہا کہ: میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں، شریح نے فرمایا کہ: وہ تجھ سے تین کے ساتھ بائنہ ہوگئی اور ستانوے طلاقیں اسراف اور معصیت ہیں۔ حضرت علی، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بہ سند صحیح ثابت ہے کہ انہوں نے لفظ حرام اور لفظ البتہ کے بارے میں فرمایا کہ اس سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں جیسا کہ ابن حزم کی المحلی اور باجی کی المنتقیٰ اور دیگر کتب میں ہے، اور یہ تین طلاقوں کو بلفظ واحد جمع کرنا ہے۔

بیہقی، مسلمہ بن جعفر سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جو شخص جہالت سے تین طلاقیں دے دے انہیں سنت کی طرف لوٹایا جائے گا (اور وہ تین طلاقوں کو ایک ہی سمجھتے ہیں) اور آپ لوگوں سے اس بات کو روایت کرتے ہیں، فرمایا: خدا کی پناہ! یہ ہمارا قول نہیں، بلکہ جس نے تین طلاقیں دیں وہ تین ہی ہوں گی۔

مجموع فقہی (مسند زید) میں زید بن علی عن ابیہ عن جدہ کی سند سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ: قریش کے ایک آدمی نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین کے ساتھ اس سے بائنہ ہوگئی، اور ستانوے طلاقیں اس کی گردن میں معصیت ہیں۔

امام مالک، امام شافعی اور امام بیہقی، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک طلاق عورت کو بائنہ کر دیتی ہے، تین طلاقیں اسے حرام کر دیتی ہیں، یہاں تک کہ وہ دوسری جگہ نکاح کرے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس بدوی شخص کے بارے میں جس نے دخول سے قبل اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی تھیں ایسا ہی فرمایا، اور اس کی مثل حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

عبدالرزاق اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: ایک شخص نے ننانوے طلاقیں دیں، آپ نے فرمایا: تین طلاقیں عورت کو بائنہ کر دیں گی اور باقی عدوان ہے۔

امام محمد بن حسن کتاب الآثار میں فرماتے ہیں کہ: ہم کو امام ابوحنیفہ نے خبر دی بروایت عبداللہ بن عبدالرحمن ابن ابی حسین، عمرو بن دینار عن عطاء کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ: میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں، فرمایا: ایک شخص جا کر گندگی میں لت پت ہو جاتا ہے، پھر ہمارے پاس آجاتا ہے، جا! تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی، اور تیری بیوی تجھ پر حرام ہوگئی، وہ اب تیرے لئے حلال نہیں یہاں تک کہ کسی دوسرے شوہر سے نکاح کرے۔ امام محمد فرماتے ہیں: ہم اسی کو لیتے ہیں، اور یہی امام ابوحنیفہ کا اور عام علماء کا قول ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

نیز امام محمد بن حسن بروایت امام ابوحنیفہ عن حماد، حضرت ابراہیم نخعی سے نقل کرتے ہیں کہ: جس شخص نے ایک طلاق دی، مگر اس کی نیت تین طلاق کی تھی، یا تین طلاقیں دیں مگر نیت ایک کی تھی، فرمایا کہ: اگر اس نے ایک کا لفظ کہا تو ایک طلاق ہوگی، اس کی نیت کوئی چیز نہیں، اور اگر تین کا لفظ کہا تو تین ہوں گی، اور اس کی نیت کوئی چیز نہیں۔ امام محمد فرماتے ہیں: ہم ان سب کو لیتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔

حسین بن علی کرابیسی ادب القضاء میں بطریق علی بن عبداللہ (ابن المدینی) عن عبدالرزاق عن معمر بن طاؤس سے حضرت طاؤس (تابعی) کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ: جو شخص تمہیں طاؤس کے بارے میں یہ بتائے کہ وہ تین طلاق کے ایک ہونے کی روایت کرتے تھے، اسے جھوٹا سمجھو۔

ابن جریج کہتے ہیں کہ: میں نے عطاء (تابعی) سے کہا کہ: آپ نے ابن عباس سے یہ بات سنی ہے کہ بکر (یعنی وہ عورت جس کی شادی کے بعد ابھی خانہ آبادی نہ ہوئی ہو) کی تین طلاقیں ایک ہی ہوتی ہیں؟ فرمایا: مجھے تو ان کی یہ بات نہیں پہنچی اور عطاء، ابن عباس کو سب سے زیادہ جانتے ہیں۔

ابوبکر جصاص رازی أحکام القرآن میں آیات واحادیث اور اقوالِ سلف سے تین طلاق کے وقوع کے دلائل ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: پس کتاب وسنت اور اجماع سلف تین طلاق بیک وقت کے وقوع کو ثابت کرتے ہیں، اس طرح طلاق دینا معصیت ہے۔

ابوالولید الباجی المنتقی میں فرماتے ہیں: پس جو شخص بیک لفظ تین طلاقیں دے گا اس کی تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی، جماعتِ فقہاء بھی اسی کی قائل ہے، اور ہمارے قول کی دلیل اجماع صحابہ ہے، کیونکہ یہ مسئلہ ابن عمر، عمران بن حصین، عبداللہ بن مسعود، ابن عباس، ابوہریرہ اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، اور ان کا کوئی مخالف نہیں۔

ابوبکر بن عربی تین طلاق کے نافذ کرنے کے بارے میں ابن عباس کی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اس حدیث کی صحت مختلف فیہ ہے، پس اس کو اجماع پر کیسے مقدم کیا جا سکتا ہے؟ اور اس کے معارض محمود بن لبید کی حدیث موجود ہے، جس میں یہ تصریح ہے کہ ایک شخص نے بیک وقت تین طلاقیں دیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رَد نہیں فرمایا، بلکہ نافذ کیا۔ غالبًا ان کی مراد نسائی کی روایت کے علاوہ کوئی اور روایت ہے، اور ابوبکر بن عربی حافظ ہیں اور بہت ہی وسیع الروایات ہیں۔ یا ان کا

مطلب یہ ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رد کیا ہوتا تو حدیث میں اس کا ذکر ہوتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر غضب ناک ہونا بھی تین طلاق کے وقوع کی دلیل ہے، اور ابن عربی کی مراد کے لئے کافی ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے التمہید اور الاستذکار میں اس مسئلے کے دلائل نقل کرنے اور اس پر اجماع ثابت کرنے میں بہت توسع سے کام لیا ہے۔

لفظ واحد سے طلاق ثلاثہ کے وقوع میں فقہاء و اسلاف امت کا اجماع

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ فتح القدیر میں لکھتے ہیں۔ فقہائے صحابہ کی تعداد بیس سے زیادہ نہیں، مثلاً: خلفائے راشدین، عبادلہ، زید بن ثابت، معاذ بن جبل، انس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم۔ ان کے سوا فقہائے صحابہ قلیل ہیں، اور باقی حضرات انہی سے رجوع کرتے اور انہی سے فتویٰ دریافت کیا کرتے تھے، اور ہم ان میں سے اکثر کی نقل صریح ثابت کر چکے ہیں کہ وہ تین طلاق کے وقوع کے قائل تھے، اور ان کا مخالف کوئی ظاہر نہیں ہوا۔ اب حق کے بعد باطل کے سوا کیا رہ جاتا ہے؟ اسی بنا پر ہم نے کہا ہے کہ اگر کوئی حاکم یہ فیصلہ دے کہ تین طلاق بلفظ واحد ایک ہوگی تو اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں، لہٰذا یہ مخالفت ہے اختلاف نہیں۔ اور حضرت انس کی یہ روایت کہ تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں، امام طحاوی وغیرہ نے ذکر کی ہے۔

جس شخص نے کتاب وسنت، اقوالِ سلف اور احوالِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے جمہور کے دلائل کا احاطہ کیا ہو وہ اس مسئلے میں، نیز فقہائے صحابہ کی تعداد کے بارے میں ابنِ ہمام کے کلام کی قوت کا صحیح اندازہ کر سکتا ہے، اگر چہ ابنِ حزم نے احکام میں ان کی تعداد بڑھانے کی بہت کوشش کی ہے، چنانچہ انہوں نے ہر اس صحابی کو جس سے فقہ کے ایک دو مسئلے بھی منقول تھے، فقہائے صحابہ کی صف میں شامل کر دیا۔ اس سے ابنِ حزم کا مقصد صحابہ کرام کا اجلال و تعظیم نہیں، بلکہ یہ مقصد ہے کہ اجماعی مسائل میں جمہور کا یہ کہہ کر توڑ کر سکیں کہ ان سب کی نقل پیش کرو۔ حالانکہ ہر وہ شخص جس سے فقہ کے ایک دو مسئلے یا سنت میں ایک دو حدیثیں مروی ہوں، اسے مجتہدین میں کیسے شمار کیا جا سکتا ہے؟ خواہ وہ کوئی ہو، اگر چہ صحابیت کے اعتبار سے صحابہ کرام کا مرتبہ بہت عظیم القدر ہے، اور اس کی کچھ تفصیل آئندہ آئے گی۔

اور جو شخص کسی چیز پر اجماع ثابت کرنے کے لئے ان ایک لاکھ صحابہ؟ کے ایک ایک فرد کی نقل کو شرط ٹھہراتا ہے جو وصال نبوی کے وقت موجود تھے، وہ خیال کے سمندر میں غرق ہے، اور وہ حجیتِ اجماع میں جمہور کا توڑ کرنے میں ابنِ حزم سے بازی لے گیا ہے، ایسا شخص خواہ حنبلی ہونے کا مدعی ہو مگر وہ مسلمانوں کے راستے کے بجائے کسی اور راہ پر چل رہا ہے۔

حنابلہ میں حافظ ابنِ رجب حنبلی بچپن ہی سے ابنِ قیم اور ان کے شیخ (ابنِ تیمیہ) کے سب سے بڑے متبع تھے، بعد ازاں ان پر بہت سے مسائل میں ان دونوں کی گمراہی واضح ہوئی، اور موصوف نے ایک کتاب میں جس کا نام **بیان مشکل الأحادیث الواردة فی ان الطلاق الثلاث واحدة** رکھا، اس مسئلے میں ان دونوں کے قول کو رد کیا، اور یہ بات ان لوگوں کے لئے باعثِ عبرت ہونی چاہئے جو احادیث کے مداخل و مخارج کو جانے بغیر ان دونوں کی کج بحثی (تشغیب) سے دھوکا کھاتے ہیں، حافظ ابن

رجب اس کتاب میں دیگر باتوں کے علاوہ یہ بھی فرماتے ہیں:

جاننا چاہئے کہ صحابہ، تابعین اور ان ائمہ سلف سے، جن کا قول حرام وحلال کے فتویٰ میں لائق اعتبار ہے، کوئی صریح چیز ثابت نہیں کہ تین طلاقیں دُخول کے بعد ایک شمار ہوں گی، جبکہ ایک لفظ سے دی گئی ہوں، اور اِمام اعمش سے مروی ہے کہ کوفہ میں ایک بڈھا تھا، وہ کہا کرتا تھا کہ میں نے علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) سے سنا ہے کہ: جب آدمی اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک مجلس میں دے ڈالے تو ان کو ایک کی طرف رَدّ کیا جائے گا لوگوں کی اس کے پاس ڈار لگی ہوئی تھی، آتے تھے اور اس سے یہ حدیث سنتے تھے، میں بھی اس کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ: تم نے علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) سے سنا ہے؟ بولا: میں نے ان سے سنا ہے کہ جب آدمی اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک مجلس میں دے ڈالے تو ان کو ایک کی طرف رَدّ کیا جائے گا۔ میں نے کہا: آپ نے حضرت علی سے یہ بات کہاں سنی ہے؟ بولا: میں تجھے اپنی کتاب نکال کر دِکھاتا ہوں، یہ کہہ کر اس نے اپنی کتاب نکالی اس میں لکھا تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ وہ تحریر ہے جو میں نے علی بن ابی طالب سے سنی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: جب آدمی اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک مجلس میں دے ڈالے تو اس سے بائنہ ہو جائے گی، اور اس کے لئے حلال نہیں رہے گی یہاں تک کہ کسی اور شوہر سے نکاح کرے۔ میں نے کہا: تیرا ناس ہو جائے! تحریر کچھ اور ہے، اور تو بیان کچھ اور کرتا ہے۔ بولا: صحیح تو یہی ہے، لیکن یہ لوگ مجھ سے یہی چاہتے ہیں۔ اس کے بعد ابنِ رجب نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث سند کے ساتھ نقل کی، جو پہلے گزر چکی ہے، اور کہا کہ: اس کی سند صحیح ہے۔

اور حافظ جمال الدین بن عبدالہادی الحنبلی نے اپنی کتاب السیر الحاث الی علم الطلاق الثلاث میں اس مسئلے پر ابنِ رجب کی مذکورہ بالا کتاب سے بہت عمدہ نقول جمع کردیئے ہیں، اس کا مخطوطہ دمشق کے کتب خانہ ظاہریہ میں موجود ہے، جو الجامع کے شعبے میں کے تحت درج ہے۔

جمال بن عبدالہادی اس کتاب میں ایک جگہ لکھتے ہیں: تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں، یہی صحیح مذہب ہے، اور ایسی مطلقہ، مرد کے لئے حلال نہیں ہوگی یہاں تک کہ کسی دُوسری جگہ نکاح کرے۔ اِمام احمد کے مذہب کی اکثر کتابوں مثلاً: خرقی، المقنع، المحرر، الہدایہ وغیرہ میں اسی قول کو جزم کے ساتھ لیا گیا ہے۔ اثرم کہتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ (اِمام احمد بن حنبل) سے کہا کہ: ابنِ عباس کی حدیث کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں تین طلاق ایک ہوتی تھی، آپ اس کو کس چیز کے ساتھ رَدّ کرتے ہیں؟ فرمایا: لوگوں کی ابنِ عباس سے اس روایت کے ساتھ کہ وہ تین ہوتی ہیں۔ اور فروع میں اسی قول کو مقدم کیا ہے، اور المغنی میں بھی اسی پر جزم کیا ہے، اور اکثر حضرات نے تو اس قول کے علاوہ کوئی قول ذکر ہی نہیں کیا۔

اور ابنِ عبدالہادی کی عبارت میں اکثر کتب اصحاب احمد کا جو لفظ ہے وہ احمد بن تیمیہ کے بعد کے متأخرین، مثلاً: بنو مفلح اور مرادوہ کے اعتبار سے ہے، ان لوگوں نے ابنِ تیمیہ سے دھوکا کھایا ہے، اس لئے ان کا قول اِمام احمد کے مذہب میں ایک قول شمار

تک ہوگا۔ متروح کا مصنف بھی ان معتبر لوگوں سے ہے جنہوں نے ابن تیمیہ سے فریب کھایا۔

امام ترمذی کے استاذ اسحاق بن منصور نے بھی اپنے رسالہ مسائل عن احمد میں جو بظاہر یہ دمشق میں مکتبہ حنابلہ کے تحت نمبر پر درج ہے اسی کی مثل ذکر کیا ہے جو اثرم نے ذکر کیا ہے۔ بلکہ امام احمد بن حنبل اس مسئلے کی مخالفت کو خروج از سنت سمجھتے تھے، چنانچہ انہوں نے سنت کے بارے میں جو خط مسدد بن مسرہد کو لکھا اس میں تحریر فرماتے ہیں:

اور جس نے تین طلاقیں ایک لفظ میں دیں اس نے جہالت کا کام کیا، اور اس کی بیوی اس پر حرام ہوگئی، اور وہ اس کے لئے کبھی حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ دوسری جگہ نکاح کرے۔

امام احمد کا یہ جواب قاضی ابوالحسین بن ابی یعلی الحنبلی نے طبقات حنابلہ میں مسدد بن مسرہد کے تذکرے میں سند کے ساتھ ذکر کیا ہے، اور اس کی سند ایسی ہے جس پر حنابلہ اعتماد کرتے ہیں۔ امام احمد نے اس مسئلے کو سنت میں سے اس لئے شمار کیا کہ روافض، مسلمانوں کے نکاحوں سے کھیلنے کے لئے اس مسئلے کی مخالفت کرتے تھے۔

امام کبیر ابوالوفاء بن عقیل الحنبلی کے تذکرہ میں ہے: اور جب کسی نے اپنی بیوی سے کہا: تجھے تین طلاق مگر دو تو تین ہی واقع ہوں گی، کیونکہ یہ اکثر کا استثناء ہے، لہٰذا استثناء صحیح نہیں۔

اور ابوالبرکات مجد الدین عبدالسلام بن تیمیہ الحرانی الحنبلی مؤلف منتقی الاخبار (حافظ ابن تیمیہ کے دادا) اپنی کتاب المحرر میں لکھتے ہیں۔

اور اگر اس کو (ایک طلاق دے کر) بغیر مراجعت کے دو طلاقیں دیں یا تین، ایک لفظ میں یا الگ الگ لفظوں میں، ایک طہر میں یا الگ الگ طہروں میں تو یہ واقع ہو جائیں گی، اور یہ طریق بھی سنت کے موافق ہے۔ امام احمد ؒ کی ایک روایت ہے کہ یہ بدعت ہے، اور ایک روایت ہے کہ ایک طہر میں تین طلاقیں جمع کرنا بدعت ہے، اور تین الگ الگ طہروں میں دینا سنت ہے۔

اور احمد بن تیمیہ اپنے اس دادا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ خفیہ طور پر فتویٰ دیا کرتا تھے کہ تین طلاقوں کو ایک کی طرف رد کیا جائے گا۔ حالانکہ ان کی اپنی کتاب المحرر کی تصریح آپ کے سامنے ہے، اور ہم ابن تیمیہ ؒ کے دادا کو اس بات سے بری سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی کتابوں میں جو تصریح کریں چھپ کر اس کے خلاف بات کریں۔ یہ حالت تو منافقین اور زنادقہ کی ہوا کرتی ہے، اور ہمیں ابن تیمیہ کی نقل میں بکثرت جھوٹ کا تجربہ ہوا ہے، پس جب وہ اپنے دادا کے بارے میں یہ کھلا سفید جھوٹ بول سکتے ہیں تو دوسروں کے بارے میں ان کو جھوٹ بولنا کچھ بھی مشکل نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ہم سلامتی کی درخواست کرتے ہیں

اور اس مسئلے میں شافعیہ کا مذہب آفتاب نصف النہار سے زیادہ روشن ہے، ابوالحسن السبکی، کمال زملکانی، ابن جہبل، ابن فرکان، عز بن جماعہ اور تقی حصنی وغیرہ نے اس مسئلے میں اور دیگر مسائل میں ابن تیمیہ کے رد میں تالیفات کی ہیں جو آج بھی اہل علم کے ہاتھ میں ہیں۔

اور ابن حزم ظاہری کو مسائل میں شذوذ پر فریفتہ ہونے کے باوجود یہ گنجائش نہ ہوئی کہ اس مسئلے میں جمہورؒ کے راستے پر نہ

چلیں، بلکہ انہوں نے بلفظِ واحد تین طلاق کے وقوع پر دلائل قائم کرنے میں بڑے توسع سے کام لیا ہے، اس پر اطلاع واجب ہے، تاکہ ان بر خود غلط لوگوں کے زیغ کا اندازہ ہو سکے جو اس کے خلاف کا زعم رکھتے ہیں۔

اس مفصل بیان سے اس مسئلے میں صحابہ وتابعین وغیرہ پوری اُمت کا قول واضح ہو گیا، صحابہ وتابعین کا بھی، اور دیگر حضرات کا بھی، اور جو احادیث ہم نے ذکر کی ہیں وہ تین طلاق بلفظِ واحد کے وقوع میں کسی قائل کے قول کی گنجائش باقی نہیں رہنے دیتیں۔

اور کتاب اللہ کی دلالت اس مسئلے پر ظاہر ہے، جو مشاغبہ (کج بحثی) کو قبول نہیں کرتی، چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے: فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ (پس ان کو طلاق دو ان کی عدت سے قبل) اللہ تعالیٰ نے عدت سے آگے طلاق دینے کا حکم فرمایا، مگر یہ نہیں فرمایا کہ غیر عدت میں طلاق دی جائے تو باطل ہوگی، بلکہ طرزِ خطاب غیر عدت کی طلاق کے وقوع پر دلالت کرتا ہے، چنانچہ ارشاد ہے۔ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللهِ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ (الطلاق)

اور یہ اللہ کی قائم کی ہوئی حدود ہیں، اور جو شخص حدود اللہ سے تجاوز کرے اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔

پس اگر غیر عدت میں دی گئی طلاق واقع نہ ہوتی (بلکہ لغو اور کالعدم ہوتی) تو غیر عدت میں طلاق دینے سے وہ ظالم نہ ہوتا، نیز اس پر حق تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے: وَمَنْ يَّتَّقِ اللهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا۔ (الطلاق)

اور جو ڈرے اللہ سے بنا دے گا اللہ اس کے نکلنے کا راستہ۔

اس کا مطلب واللہ اعلم یہ ہے کہ جب طلاق اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق دے اور طلاق الگ الگ طہروں میں دے، اس صورت میں اگر طلاق واقع کرنے کے بعد اسے پشیمانی ہو تو اس کے لئے اپنی واقع کردہ طلاق سے مخرج کی صورت موجود ہے، اور وہ ہے رجعت۔ حضرت عمر، ابنِ مسعود اور ابنِ عباس رضی اللہ عنہم نے آیت کا یہی مطلب سمجھا ہے، قرآن کریم کے فہم، ادراک میں ان کی مثل کون ہے؟

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ: اگر لوگ طلاق کی مقرر کردہ حد کو ملحوظ رکھیں تو کوئی شخص جس نے بیوی کو طلاق دی ہو، نادم نہ ہوا کرے۔ یہ ارشاد بھی اسی طرف اشارہ ہے، اور اسرارِ تنزیل کے سمجھنے میں باب مدینۃ العلم کی مثل کون ہے؟"

اور حق تعالیٰ کا ارشاد: اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ بھی دلالت کرتا ہے کہ دو طلاقوں کا جمع کرنا صحیح ہے، جبکہ مَرَّتٰنِ کے لفظ کو دو پر محمول کیا جائے، جیسا کہ ارشادِ خداوندی: نُؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ میں ہے۔ اور قرآنِ کریم کی آیات ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں، اور امام بخاری نے آیت کے معنی اسی طرح سمجھے ہیں، چنانچہ انہوں نے اس آیت کو باب من اجاز طلاق الثلاث کے تحت ذکر کیا ہے، اسی طرح ابن حزم نے بھی یہی سمجھا ہے، اور علامہ کرمانی نے اس کی تائید کی ہے، کیونکہ ایسا کوئی شخص نہیں پایا جاتا ہے جو دو اور تین طلاق کے وقوع کی صحت میں فرق کرتا ہو، اور اسی کی طرف شافعیہ کا میلان ہے۔ اور ابنِ حجر ؟ کا فقرہ تکلف ہے، انہیں لغت میں توسع حاصل نہیں، اور نظر اور لغت کے باب میں ان کا قول کرمانی کے قول کے سامنے کوئی چیز نہیں، اور جب اس لفظ مَرَّتٰنِ

کو اس پر محمول کرو کہ یہ ثانی مکررہ کے قبیل سے ہے (یعنی مَرَّتَانِ کا مفہوم یہ ہے کہ طلاق مرتبا الگ الگ اوقات میں دی جانی چاہیے)، تو یہ لفظ تین طلاق کے وقوع کی صحت پر بھی دلالت کرے گا، جبکہ وہ بہ تکرار لفظ ہوں، خواہ حیض میں ہوں، یا طہر میں، یا چند طہروں میں، یا ایک مجلس میں، یا چند مجالس میں، پس جب طلاق طہر میں یا حیض میں بہ تکرار لفظ صحیح ہے تو طہر میں یا حیض میں بلفظ واحد بھی صحیح ہوگی، کیونکہ ایسا کوئی شخص نہیں جو اس میں اور اس میں فرق کرتا ہو، نزاع کرنے والوں کا نزاع صرف اس صورت میں ہے جبکہ طلاق متفرق طہروں میں نہ دی گئی ہو، اور یہ ظاہر ہے۔

اور شوکانی نے چاہا کہ اس کے ثانی مکررہ کے قبیل سے ہونے کے ساتھ تمسک کریں جیسا کہ زمخشری کہتے ہیں، اور ان کو خیال ہوا کہ (زمخشری) اس قول کے ساتھ اس مسئلے میں اپنے مذہب سے دور چلے گئے ہیں، مگر ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ شوکانی کو ایسی جگہ کہاں سے مل سکتی ہے؟ جس کے ذریعہ وہ اس آیت سے تمسک کریں، آیت تو اس طرح ہے جس طرح کہ ہم شرح کر چکے ہیں، لیکن ڈوبتا ہوا آدمی ہر تنکے کا سہارا لیا کرتا ہے۔

اور یہ گفتگو تو اس صورت میں ہے جبکہ یہ فرض کرلیا جائے کہ آیت قصر پر دلالت کرتی ہے، اور یہ بھی فرض کرلیا جائے طلاق سے مراد طلاق شرعی ہے جس کے خلاف دی گئی طلاق لغو ہوتی ہے، جیسا کہ شوکانی کا خیال ہے، پھر جبکہ یہ دونوں باتیں بھی ناقابل تسلیم ہوں تو شوکانی کا تمسک کیسے صحیح ہوگا؟ کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ ایک طلاق رجعی، طلاق شرعی شمار ہوتی ہے اور انقضائے عدت کے بعد اس سے بینونت واقع ہوجاتی ہے، باوجودیکہ وہ طلاق بعد از طلاق نہیں۔

اور امام ابوبکر جصاص رازی نے جمہور کے قول پر کتاب اللہ کی دلالت کو اس سے زیادہ تفصیل سے لکھا ہے، جو شخص مزید بحث دیکھنا چاہتا ہو تو وہ احکام القرآن کی مراجعت کرے۔

اور آیات شریفہ طرز خطاب میں اس طرف اشارہ کرتی ہیں کہ متفرق طہروں میں طلاق دینے کا حکم طلاق دہندگان کی دنیوی مصلحت پر مبنی ہے، اور وہ مصلحت ہے ان کو طلاق میں ایسی جلد بازی سے بچانا، جس کا نتیجہ ندامت ہو۔ لیکن بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مخصوص حالات کی بنا پر طلاق دینے والے کو ندامت نہیں ہوتی، پس غیر عدت میں دی گئی طلاق سے ندامت منفک ہوسکتی ہے، کیونکہ جو شخص الگ الگ طہروں میں طلاق دے، کبھی اس کو بھی ندامت ہوتی ہے، اور کبھی خاص حالات کی بنا پر ایسے شخص کو بھی ندامت نہیں ہوتی جس نے حیض میں طلاق دی ہو، یا ایسے طہر میں جس میں مقاربت ہوچکی ہو، پس ندامت طلاق مذکور کے ساتھ پائی تو جاتی ہے، مگر اس کے لئے وصف لازم نہیں ہے، تاکہ یہاں حکم اس کی ضد کی تحریم کو مفید ہو، جیسا کہ بعض لوگ اس کے قائل ہیں۔ اس تقریر سے شوکانی کے اس کلام کی قیمت معلوم ہوجاتی ہے جو اس نے اس موقع پر کیا ہے۔

حاصل یہ کہ آیات شریفہ نسق خطاب کے لحاظ سے اور حق تعالیٰ کا ارشاد: اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ دونوں تفسیروں پر، نیز وہ احادیث جو پہلے گزر چکی ہیں، یہ سب اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ غیر عدت میں دی گئی طلاق واقع ہوجاتی ہے، مگر گناہ کے ساتھ۔ پس یہ بات قیاس سے مستغنی کردیتی ہے، کیونکہ مورد نص میں قیاس کی حاجت نہیں۔

اور یہ جوڑ کر کیا جاتا ہے کہ : ظہار، قولِ منکر اور زُور ہے، اس کے باوجود اس پر حکم مرتب ہوجاتا ہے یہ محض نظیر کے طور پر ہے، قیاس کے طور پر نہیں۔ اور چونکہ شوکانی نے یہ سمجھا کہ اس کا ذکر قیاس کے طور پر کیا جارہا ہے اس لئے موصوف نے فوراً یہ کہہ کر مشاغبہ شروع کردیا کہ : یہ قیاس غلط ہے، کیونکہ حرام چیزوں کی بیع اور محرمات سے نکاح کرنا بھی قولِ منکر اور زُور ہے، لیکن وہ باطل ہے اس پر اس کا اثر مرتب نہیں ہوگا، لہٰذا قیاس صحیح نہیں۔ مگر یہ بات شوکانی کی نظر سے اوجھل رہی کہ بیع اور نکاح کی مثال میں دلیل فرق بالکل ظاہر اور کھلی ہے، کیونکہ یہ دونوں ابتدائی عقد ہیں، کسی عقدِ قائم پر طاری نہیں ہوتے، بخلاف طلاق اور ظہار کے، کہ وہ دونوں ایک ایسے عقد پر جو پہلے سے قائم ہے، طاری ہوتے ہیں۔ اس لئے اگر بالفرض یہاں قیاس کی ضرورت ہو تو طلاق کو ظہار پر قیاس کرنا شوکانی کے علی الرغم صحیح ہے، تعجب تو اس پر ہے کہ شوکانی اس قسم کے بے مقصد مشاغبوں سے اُکتاتے نہیں۔

امام طحاوی کی احادیث بیان کرنے کا مقصد

یہاں ایک اور دقیق بات کی طرف بھی اشارہ ضروری ہے، اور وہ یہ کہ امام طحاوی اکثر و بیشتر ابواب کے تحت احادیث پر، جو اخبارِ آحاد ہیں، بحث کرنے کے بعد دلیل نظر بھی ذکر کیا کرتے ہیں، کہ نظر یہاں فلاں فلاں بات کا تقاضا کرتی ہے۔ بعض لوگ جو حقیقتِ حال سے بے خبر ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ موصوف زیرِ بحث مسئلے میں قیاس کو پیش کر رہے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں، دراصل اہلِ عراق کا قاعدہ یہ ہے کہ کتاب وسنت سے ان کے یہاں جو اُصول منقح ہو کر سامنے آتے ہیں وہ احادیث آحاد کو ان پر پیش کیا کرتے ہیں، اگر کوئی خبرِ واحد ان اُصولِ شرعیہ کے خلاف ہو تو وہ اسے شاذ اور نظائر سے خارج قرار دے کر اس میں توقف سے کام لیتے ہیں، اور اس میں مزید غور وفکر کرتے ہیں، تاآنکہ مزید دلائل ان کے سامنے آجائیں۔ پس امام طحاوی کا دلیل نظر کو پیش کرنا دراصل اس قاعدے کی تطبیق کے لئے ہوتا ہے۔ اور چونکہ یہ اُصول ان کے نزدیک بہت ہی دقیق ہے، اس لئے ان کی تطبیق بھی آسان نہیں، بلکہ اس کے لئے امام طحاوی جیسے دقیق النظر اور وسیع العلم مجتہد کی ضرورت ہے، اس لئے امام طحاوی کی کتابیں اس قسم کے اُصول وقواعد کے لئے، جن کو ضعیف متاخرین نے چھوڑ دیا ہے، بہت ہی مفید ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ امام طحاوی اجتہادِ مطلق کے مرتبے پر فائز ہیں، اگرچہ انہوں نے امام ابوحنیفہ ؟ سے انتساب کو نہیں چھوڑا۔ اور امام طحاوی کا یہ قول کہ : عقود میں شروع ہونا تو صحیح نہیں، مگر اسی طریقے سے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے، بخلاف ان اُمور کے جو عقودِ قائمہ پر طاری ہوں یہ من جملہ انہی اُصول کے ہے جن پر خبرِ واحد کو پیش کیا جاتا ہے، اور خروج من الصلوٰۃ کا ذکر بطور نظیر کے ہے، جیسا کہ ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں۔ حاصل یہ کہ امام طحاوی جو وجوہِ نظر ذکر کرتے ہیں وہ موردِ نص میں قیاس کی خاطر نہیں، بلکہ اپنے اُصول کے مطابق کسی حدیث کی تصحیح یا ایک حدیث کی دُوسری حدیث پر ترجیح کی خاطر ذکر کرتے ہیں، اگرچہ ان کی ذکر کردہ نظر میں قیاس بھی صحیح ہوتا ہے۔

بہرحال کتاب وسنت اور فقہائے اُمت تین طلاق کے مسئلے میں پوری طرح متفق ہیں، پس جو شخص ان سب سے نکل جائے وہ قریب قریب اسلام ہی سے نکلنے والا ہوگا، اِلَّا یہ کہ وہ غلط فہمی میں مبتلا ہو، اور اس مسئلے میں جہلِ بسیط رکھتا ہو تو اس کو تو بیدار کرنا ممکن ہے، بخلاف اس شخص کے جس کا جہل مرکب یا مکعب ہو، کہ یا تو صرف اپنے جہل سے جاہل و بے خبر ہو (یہ تو جہلِ مرکب ہوا)، یا

اپنے جہل مرکب کے ساتھ یہ بھی اعتقاد رکھتا ہو کہ وہ اس مسئلے کو، جو اس کے لئے جہل مرکب کے ساتھ مجہول ہے، اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ جانتا ہے، (بہ جھلِ مکعب ھے) ایسے شخص کو راہ راست پر لانا ممکن نہیں، (مقالہ، شیخ حسن کوثری)

کنیز کے حق میں دو طلاقیں ہوتی ہیں

وَالثِّنْتَانِ فِیْ حَقِّ الْاَمَةِ کَالثَّلَاثِ فِیْ حَقِّ الْحُرَّةِ، لِاَنَّ الرِّقَّ مُنَصِّفٌ لِحِلِّ الْمَحَلِّیَّةِ عَلٰی مَا عُرِفَ .

ترجمہ

اور باندی کے حق میں دو طلاقوں کی وہی حیثیت ہوگی جو آزاد عورت کے حق میں تین طلاقوں کی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے: کنیز ہونا، حلال ہونے کے محل کو نصف کر دیتا ہے، جیسا کہ یہ بات پتہ چل چکی ہے۔

باندی کی دو طلاقوں سے متعلق احادیث

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا لونڈی کی دو طلاقیں ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں۔ (یہ حدیث امام اعظم ابوحنیفہ کا مستدل ہے) ۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 236)

(۲) عمر بن معتب، بنی نوفل کے آزاد کردہ غلام ابوالحسن سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عباس سے مسئلہ دریافت کیا کہ اگر کوئی غلام مرد اپنی غلام بیوی کو دو طلاقیں دیدے اور پھر آزاد ہو جائے تو کیا وہ اس سے پھر نکاح کر سکتا ہے؟ ابن عباس نے کہا ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ایسا ہی فیصلہ دیا تھا۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 424)

(۳) علی ابن مبارک اسی حدیث کو لفظ تحدیث کے بغیر روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے (ابوالحسن سے) کہا تیری ایک طلاق باقی ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ فرمایا تھا۔

(سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 425)

(۴) حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لونڈی کی دو طلاقیں ہیں اور اسکی عدت (بھی) دو حیض ہیں۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 237)

باندی کیلئے دو طلاقوں پر اتفاق مذاہب اربعہ

(۵) حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لونڈی کی طلاق دو طلاقیں ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہے۔ محمد بن یحیی کہتے ہیں کہ ہم کو اس حدیث کی خبر ابو عاصم نے دی اور انہوں نے مظاہر سے روایت کی اس باب میں عبداللہ بن عمر سے بھی روایت ہے حدیث عائشہ غریب ہے ہم اسے صرف مظاہر بن اسلم کی روایت سے مرفوع جانتے ہیں اور ان کی اس کے علاوہ کوئی حدیث نہیں۔ علماء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وغیرہ کا اسی حدیث پر عمل ہے سفیان، ثوری، شافعی، احمد، اور اسحاق کا بھی

قول ہے۔(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1192) نیز ائمہ اربعہ کا اسی پر اتفاق ہے کہ غلام کو دو طلاقوں کا حق ہے اور باندی کیلئے دو طلاقیں ہیں۔

عورت کے حلال ہونے کے لئے دوسری شادی میں صحبت شرط ہے

ثُمَّ الْغَايَةُ نِكَاحُ الزَّوْجِ مُطْلَقًا، وَالزَّوْجِيَّةُ الْمُطْلَقَةُ إِنَّمَا تَثْبُتُ بِنِكَاحٍ صَحِيحٍ، وَشَرْطُ الدُّخُولِ ثَبَتَ بِإِشَارَةِ النَّصِّ وَهُوَ أَنْ يُحْمَلَ النِّكَاحُ عَلَى الْوَطْءِ حَمْلًا لِلْكَلَامِ عَلَى الْإِفَادَةِ دُونَ الْإِعَادَةِ إِذِ الْعَقْدُ اسْتُفِيدَ بِإِطْلَاقِ اسْمِ الزَّوْجِ أَوْ يُزَادَ عَلَى النَّصِّ بِالْحَدِيثِ الْمَشْهُورِ، وَهُوَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ﴿لَا تَحِلُّ لِلْأَوَّلِ حَتّٰى تَذُوقَ عُسَيْلَةَ الْآخَرِ(۱)﴾ رُوِيَ بِرِوَايَاتٍ، وَلَا خِلَافَ لِأَحَدٍ فِيهِ سِوَى سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ (۱) وَقَوْلُهُ غَيْرُ مُعْتَبَرٍ حَتّٰى لَوْ قَضٰى بِهِ الْقَاضِيُ لَا يَنْفُذُ، وَالشَّرْطُ الْإِيلَاجُ دُونَ الْإِنْزَالِ لِأَنَّهُ كَمَالٌ وَمُبَالَغَةٌ فِيهِ وَالْكَمَالُ قَيْدٌ زَائِدٌ

ترجمہ

اور پھر غایت کلام تو یہ ہے: مطلق طور پر دوسرے شخص کے ساتھ شادی کر لے اور مطلق زوجیت صحیح نکاح کے ذریعے ثابت ہو جاتی ہے لیکن دخول کی شرط اشارۃ النص کے ذریعے ثابت ہے اور وہ یہ ہے: یہاں نکاح کو وطی پر محمول کیا جائے یعنی کلام کو افادے پر محمول کیا جائے اعادے پر نہیں کیونکہ عقد نکاح کا فائدہ تو زوج کے مطلق لفظ کے ذریعے بھی حاصل ہو گیا ہے یا پھر یہاں حدیث مشہور کے ذریعے نص پر اضافہ ہوگا اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: "وہ پہلے شوہر کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک دوسرے کا شہد نہ چکھ لے"۔ اس بارے میں کئی روایات منقول ہیں البتہ سعید بن مسیب کی دلیل اس بارے میں مختلف ہے اور ان کا قول معتبر نہیں ہوگا یہاں تک کہ اگر کوئی قاضی اس کے مطابق فیصلہ دیدے تو وہ فیصلہ نافذ نہیں ہوگا۔ یہاں (دوسرے شخص کا شہد چکھنے میں) دخول شرط ہے انزال شرط نہیں کیونکہ دخول کے ذریعے وطی کامل ہو جاتی ہے اور انزال کی حیثیت مبالغے کی ہے اور کامل ہونے کی قید اضافی ہے۔

شرح

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، اس عورت نے دوسرے شوہر سے نکاح کر لیا

(۱) أخرجه البخاري في "صحيحه" برقم (۲٦۳۹) و مسلم في "صحيحه" برقم (۱٤۳٤)- و أبو داود برقم (۲۳۰۹) والترمذي برقم (۱۱۳۲) والنسائي برقم (۳۰۷٦) و ابن ماجه برقم (۱۹۳۲) وغيرهم عن عائشة رضي الله عنها مرفوعاً۔ بلفظ: "..... لا حتى يذوق الآخر من عسيلتها ما ذاق الأول"۔

جس کے پاس عضو مخصوص کپڑے کے پھندنے کی طرح تھا اس شوہر سے اپنا مقصد نہ پا سکی کچھ ہی دنوں کے بعد اس نے عورت کو طلاق دے دی، پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی ہے، میں نے ایک دوسرے مرد سے نکاح کر لیا، وہ میرے پاس آیا تو اس کے پاس (عضو مخصوص) کپڑے کے پھندنے کی طرح تھا، میرے پاس تھوڑی ہی دیر ٹھہر سکا اور مجھ سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکا، تو کیا میں پہلے شوہر کے لئے حلال ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں جب تک کہ دوسرا شوہر تجھ سے اور تو اس سے لطف اندوز نہ ہو لے۔

(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 247)

مراہق بچہ عورت کو پہلے شوہر کے لئے حلال کر سکتا ہے

﴿وَالصَّبِيُّ الْمُرَاهِقُ فِي التَّحْلِيلِ كَالْبَالِغِ﴾ لِوُجُودِ الدُّخُولِ فِي نِكَاحٍ صَحِيحٍ وَهُوَ الشَّرْطُ بِالنَّصِّ، وَمَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ يُخَالِفُنَا فِيهِ، وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا بَيَّنَّاهُ .وَفَسَّرَهُ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ وَقَالَ :غُلَامٌ لَمْ يَبْلُغْ وَمِثْلُهُ يُجَامِعُ جَامَعَ امْرَأَتَهُ وَجَبَ عَلَيْهَا الْغُسْلُ وَأَحَلَّهَا عَلَى الزَّوْجِ الْأَوَّلِ، وَمَعْنَى هَذَا الْكَلَامِ أَنْ تَتَحَرَّكَ آلَتُهُ وَيَشْتَهِي، وَإِنَّمَا وَجَبَ الْغُسْلُ عَلَيْهَا لِالْتِقَاءِ الْخِتَانَيْنِ وَهُوَ سَبَبٌ لِنُزُولِ مَائِهَا وَالْحَاجَةِ إِلَى الْإِيجَابِ فِي حَقِّهَا، أَمَّا لَا غُسْلَ عَلَى الصَّبِيِّ وَإِنْ كَانَ يُؤْمَرُ بِهِ تَخَلُّقًا قَالَ ﴿وَوَطْءُ الْمَوْلَى أَمَتَهُ لَا يُحِلُّهَا﴾ لِأَنَّ الْغَايَةَ نِكَاحُ الزَّوْجِ .

ترجمہ

اور جو لڑکا قریب بلاغت ہو وہ حلال کرنے میں بالغ شخص کی مانند ہوگا' کیونکہ صحیح نکاح میں دخول پایا گیا ہے اور نص کے ذریعے شرط یہی ہے۔ امام مالک علیہ الرحمہ کی دلیل اس بارے میں ہم سے مختلف ہے اور ان کے خلاف دلیل وہ ہے' جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔ امام محمد علیہ الرحمہ نے "الجامع الصغیر" میں اس کی وضاحت یہ کی ہے' وہ فرماتے ہیں: ایسا لڑکا جو ابھی بالغ نہ ہوا ہو' لیکن اس کی عمر کے لڑکے صحبت کر سکتے ہوں' اگر وہ لڑکا عورت کے ساتھ صحبت کر لیتا ہے' تو اس پر حکم واجب ہوگا اور وہ عورت اپنے پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائے گی۔ اس کلام کا مطلب یہ ہے: اس کا آلہ تناسل متحرک ہو جائے اور وہ شہوت محسوس کرے' تاہم غسل صرف عورت پر واجب ہوگا اس کی دلیل شرمگاہوں کا ملنا ہے اور یہی اس کے انزال کا سبب ہے اور ضرورت اس بات کی ہے: عورت کے حق میں اسے واجب قرار دیا جائے' البتہ بچے پر غسل واجب نہیں ہوگا' تاہم اگر تربیت کے پیش نظر اسے اس کا حکم دیا جائے (تو مناسب ہوگا)۔ فرماتے ہیں: اگر آقا اپنی طلاق یافتہ کنیز کے ساتھ صحبت کر لے تو وہ کنیز اپنے پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی' کیونکہ اصل مقصد دوسرے خاوند کے ساتھ نکاح کرنا ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ دوسرا نکاح مراہق سے ہوا (یعنی ایسے لڑکے سے جو نابالغ ہے مگر قریب بلوغ ہے اور اُس کی عمر والے جماع کرتے ہیں) اور اُس نے وطی کی اور بعد بلوغ طلاق دی تو وہ وطی کہ قبل بلوغ کی تھی حلالہ کے لیے کافی ہے مگر طلاق بعد بلوغ ہونی چاہیے کہ نابالغ کی طلاق واقع ہی نہ ہوگی مگر بہتر یہ ہے کہ بالغ کی وطی ہو کہ امام مالک علیہ الرحمہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انزال شرط ہے اور نابالغ میں انزال کہاں۔

اگر مطلقہ چھوٹی لڑکی ہے کہ وطی کے قابل نہیں تو شوہر ثانی اُس سے وطی کر بھی لے جب بھی شوہر اول کے لیے حلال نہ ہوئی اور اگر نابالغہ ہے مگر اُس جیسی لڑکی سے وطی کی جاتی ہے یعنی وہ اس قابل ہے تو وطی کافی ہے۔ (درمختار، کتاب طلاق، باب حلالہ)

پہلے شوہر کے لیے حلال ہونے میں نکاح صحیح نافذ کی شرط ہے اگر نکاح فاسد ہوا یا موقوف اور وطی بھی ہوگئی تو حلالہ نہ ہوا مثلاً کسی غلام نے بغیر اجازت مولیٰ اُس سے نکاح کیا اور وطی بھی کرلی پھر مولیٰ نے جائز کیا تو اجازت مولیٰ کے بعد وطی کرکے چھوڑے گا تو پہلے شوہر سے نکاح کرسکتی ہے اور بلا وطی طلاق دی تو وہ پہلے کی وطی کافی نہیں۔ یونہی زنا یا وطی بالشبہ سے بھی حلالہ نہ ہوگا۔ یونہی اگر وہ عورت کسی کی باندی تھی عدت پوری ہونے کے بعد مولیٰ نے اُس سے جماع کیا تو شوہر اول کے لیے اب بھی حلال نہ ہوئی اور اگر زوجہ باندی تھی اُسے دو طلاقیں دیں پھر اُس کے مالک سے خرید لی یا اور کسی طرح سے اُس کا مالک ہوگیا تو اُس سے وطی نہیں کرسکتا جب تک دوسرے سے نکاح نہ ہولے اور وہ دوسرا وطی بھی نہ کرلے۔ یونہی اگر عورت معاذ اللہ! مُرتدہ ہوکر دارالحرب میں چلی گئی پھر وہاں سے جہاد میں پکڑ آئی اور شوہر اُس کا مالک ہوگیا تو اس کے لیے حلال نہ ہوئی۔ حلالہ میں جو وطی شرط ہے، اس سے مراد وہ وطی ہے جس سے غسل فرض ہوجاتا ہے یعنی دخول حشفہ اور انزال شرط نہیں۔
(درمختار، کتاب طلاق)

حلالہ کی شرط پر شادی کرنا مکروہ ہے

﴿وَاِذَا تَزَوَّجَهَا بِشَرْطِ التَّحْلِيْلِ فَالنِّكَاحُ مَكْرُوْهٌ﴾ لِقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴿لَعَنَ اللّٰهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهٗ﴾ وَهٰذَا هُوَ مَحْمَلُهٗ ﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا بَعْدَمَا وَطِئَهَا حَلَّتْ لِلْاَوَّلِ﴾ لِوُجُوْدِ الدُّخُوْلِ فِيْ نِكَاحٍ صَحِيْحٍ اِذِ النِّكَاحُ لَا يَبْطُلُ بِالشَّرْطِ وَعَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ اَنَّهٗ يُفْسِدُ النِّكَاحَ لِاَنَّهٗ فِيْ مَعْنَى الْمُؤَقَّتِ فِيْهِ وَلَا يُحِلُّهَا عَلَى الْاَوَّلِ لِفَسَادِهٖ. وَعَنْ مُحَمَّدٍ اَنَّهٗ يَصِحُّ النِّكَاحُ لِمَا بَيَّنَّا، وَلَا يُحِلُّهَا عَلَى الْاَوَّلِ لِاَنَّهٗ اسْتَعْجَلَ مَا اَخَّرَهُ الشَّرْعُ فَيُجَازٰى بِمَنْعِ مَقْصُوْدِهٖ كَمَا فِيْ قَتْلِ الْمُوَرِّثِ

ترجمہ

اور اگر دوسرا شوہر صرف حلال کرنے کی شرط کے ساتھ نکاح کرتا ہے تو یہ مکروہ ہوگا' کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔" حلالہ کرنے والے پر اور جس کے لئے حلالہ کیا جائے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے"۔ اس حدیث کا مصداق یہی صورت ہے۔ اگر دوسرا شوہر اس عورت کے ساتھ صحبت کرنے کے بعد اسے طلاق دیدے' تو وہ پہلے کے لئے حلال ہو جائے گی' کیونکہ صحیح نکاح کے ہمراہ دخول پایا گیا ہے'اس کی دلیل یہ ہے: فاسد شرائط کے ساتھ نکاح فاسد نہیں ہوتا۔ امام ابو یوسف نے یہ بات بیان کی ہے: اس کے نتیجے میں نکاح فاسد ہو جائے گا' کیونکہ حلالے کی شرط پر نکاح کرنا وقتی نکاح ہوگا' جو متعہ ہے اور ایسی عورت پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی' کیونکہ دوسرا نکاح فاسد تھا۔ امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: حلالے کی شرط پر نکاح درست ہو جائے گا' لیکن عورت پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی اس کی دلیل یہ ہے: شریعت نے جس چیز کو پہلے شوہر کے لئے التواء میں رکھا تھا۔ دوسرے شوہر نے اس میں عجلت اور جلد بازی کا مظاہرہ کیا تو اس کی سزا کے طور پر اسے مقصد کے حصول سے روک دیا جائے گا' جیسا کہ کوئی شخص اپنے مورث کو قتل کردے (تو وراثت کے حق سے محروم ہو جاتا ہے)۔

نکاح حلالہ کا فقہی مفہوم کا بیان

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ایک دن رفاعہ قرظی کی عورت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میں رفاعہ کے نکاح میں تھی مگر انہوں نے مجھے طلاق دیدی اور طلاقیں بھی تین دیں چنانچہ میں نے رفاعہ کے بعد عبدالرحمٰن ابن زبیر سے نکاح کر لیا لیکن عبدالرحمٰن کپڑے کے پھند کی مانند رکھتے ہیں (یعنی اس عورت نے از راہ شرم وحیا عبدالرحمٰن کی نامردی کو کنایۃ ان الفاظ کے ذریعہ بیان کیا کہ وہ عورت کے قابل نہیں ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ کیا تم پھر رفاعہ کے پاس جانا چاہتی ہو اس نے عرض کیا کہ ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس وقت تک رفاعہ سے دوبارہ نکاح نہیں کر سکتیں جب تک کہ عبدالرحمٰن تمہارا مزہ نہ چکھ لے اور تم اس کا مزہ نہ چکھ لو۔

(بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 494)

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب تک تمہارا دوسرا شوہر تمہارے سات جماع نہ کرے اور پھر اس کی طلاق کے بعد تم عدت کے دن پورے نہ کرلو تم اپنے سابق خاوند یعنی رفاعہ سے نکاح نہیں کر سکتیں چنانچہ یہ حدیث مشہور اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حلالہ یعنی سابق خاوند کے واسطے حلال ہونے کے لیے کسی دوسرے مرد سے محض نکاح کرنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ مجامعت بھی ضروری ہے البتہ مجامعت میں صرف دخول کافی ہے انزال شرط نہیں۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے محلل اور محلل لہ پر لعنت فرمائی ہے (دارمی) ابن ماجہ نے اس روایت کو حضرت علی حضرت ابن عباس اور حضرت عقبہ ابن عامر سے نقل کیا ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 495)

فرض کیجئے کہ دو شخص ہیں ایک کا نام زید ہے اور دوسرے کا نام بکر ہے زید نے اپنی بیوی خالدہ کو تین طلاقیں دیدی ہیں اور اس کی عدت کے دن پورے ہو گئے ہیں اب زید پھر چاہتا ہے کہ وہ خالدہ کو دوبارہ اپنی زوجیت میں لائے۔ لہٰذا دوسرا شخص یعنی بکر خالدہ سے اس شرط یا ارادہ کے ساتھ نکاح کرتا ہے کہ جماع کے بعد خالدہ کو طلاق دیدی جائے گی تا کہ خالدہ کا پہلا شوہر زید کہ جس نے اس کو تین طلاقیں دی تھیں اس سے دوبارہ نکاح کر سکے اور خالدہ کا پہلا شوہر محلل لہ یعنی جس کے لئے حلالہ کیا گیا) کہلائے گا۔

حدیث میں انہی دونوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر لعنت فرمائی ہے حلالہ کرنیوالے پر لعنت فرمانے کی دلیل یہ ہے کہ اس نے زبان سے تحلیل کی شرط کا اظہار واقرار کرنے کے بعد اور محض جدائی اختیار کرنے کے قصد سے اس عورت سے نکاح کیا جب کہ نکاح اس لئے شروع ہوا ہے کہ اس کے ذریعہ مرد وعورت ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کے رفیق حیات ودمساز رہیں، لہٰذا اس صورت میں نہ صرف یہ کہ نکاح کے اصل مقصد ومنشاء پر زد پڑتی ہے بلکہ عورت کی حرمت وعزت بھی مجروح ہوتی ہے اسی لئے ایک حدیث میں اس کو مستعار بکری سے تشبیہ دی گئی ہے۔

اور محلل لہ یعنی پہلے خاوند پر لعنت فرمانے کی دلیل یہ ہے کہ اس صورت حال اور اس نکاح کا اصل باعث وہی بنتا ہے لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس صورت میں عقد باطل ہوتا ہے بلکہ حدیث کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ عقد صحیح ہو جاتا ہے کیونکہ حدیث میں اس نکاح کرنیوالے کو محلل کہا گیا ہے اور یہ ایک ظاہر بات ہے کہ کوئی شخص محلل اسی صورت میں ہوتا ہے جب کہ عقد صحیح ہو عقد فاسد سے محلل نہیں ہوتا لہٰذا ثابت ہوا کہ اس ارشاد گرامی میں لعنت کا حقیقی مفہوم مراد نہیں ہے بلکہ یہاں مراد محلل اور محلل لہ کی خساست طبع کو ظاہر کرنا ہے اور یہ واضح کرنا ہے کہ یہ ایک قبیح فعل ہے جس کو کوئی سلیم الطبع انسان پسند نہیں کر سکتا۔

حلالہ کے مکروہ تحریمی ہونے کا بیان

ہدایہ اور فقہ کی دیگر کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حلالہ کو زبان سے مشروط کیا گیا ہو یعنی محلل اس عورت سے کہ جس کو اس کا خاوند تین طلاقیں دے چکا ہے یہ کہے کہ میں تم سے اس لئے نکاح کرتا ہوں کہ تمہیں اس خاوند کے لئے کہ جس نے تمہیں طلاق دی ہے حلال کر دوں یعنی میں تم سے صرف اس لئے نکاح کرتا ہوں کہ میں جماع کے بعد تمہیں طلاق دیدوں تا کہ تمہارے پہلے خاوند کے لے تم سے دوبارہ نکاح کرنا حلال ہو جائے یا وہ عورت محلل سے یوں کہے کہ میں تم سے اس لئے نکاح کرتی ہوں کہ میں اپنے پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جاؤں تو اس صورت میں حلالہ مکروہ تحریمی ہوگا۔ ہاں اگر زبان سے یہ نہ کہا جائے مگر نیت میں یہ بات ہو تو پھر محلل نہ قابل مواخذہ ہوگا اور نہ لعنت کا مورد ہوگا کیونکہ اس صورت میں یہی کہا جائے گا کہ اس کا مقصد دراصل اصلاح احوال ہے۔

علامہ ابن ہمام نے کہا ہے کہ اس عورت نے کہ جس کو تین طلاقیں دی جا چکی ہیں غیر کفو سے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح

کرلیا اور پھر اس نے اس کے ساتھ جماع بھی کرلیا تو اس صورت میں وہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوگی چنانچہ فتوی اسی قول پر ہے۔ (فتح القدیر، کتاب طلاق، باب حلالہ)

صاحبین کے نکاح حلالہ کے فساد کا بیان

امام ابو یوسف سے یہ روایت ہے۔ وہ یہ فرماتے ہیں: حلالہ کی نیت سے نکاح پڑھوایا گیا ہو تو یہ نکاح فاسد ہوگا' کیونکہ اس کی مثال موقت نکاح کی سی ہوگی' اور موقت نکاح فاسد ہوتا ہے' لہٰذا اس نکاح کو بھی فاسد قرار دیا جائے گا' تو جب یہ نکاح فاسد قرار دیدیا جائے گا' تو اس کے نتیجے میں جو صحبت کی گئی ہے وہ عورت کو پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں کرے گی صحبت کے لئے یہ بات شرط ہے: وہ صحیح نکاح کے نتیجے میں کی گئی ہو جبکہ یہ صورت یہاں نہیں پائی گئی ہے۔

اس بارے میں امام محمد علیہ الرحمہ سے یہ روایت ہے: حلالہ کی شرط پر نکاح صحیح ہو جاتا ہے۔ کیونکہ فاسد شرائط کے نتیجے میں نکاح باطل نہیں ہوتا' لیکن اس کے نتیجے میں وہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی۔ کیونکہ نکاح کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ اسے تاعمر برقرار رکھا جائے لیکن پہلے سے ہی یہ بات طے کرلی گئی ہے کہ نکاح کو فوراً ختم کردیا جائے گویا وہ شخص شریعت کے حکم کی خلاف ورزی کررہا ہے' لہٰذا اس شخص کو اس عمل کے نتیجے سے محروم کردیا جائے گا' جیسے کوئی شخص وراثت حاصل کرنے کے لئے اپنے مورث کو قتل کردیتا ہے' تو اس کو وراثت سے محروم کردیا جاتا ہے۔

احناف کی فقہی اصطلاحات پر شائع شدہ کتاب القاموس الفقہی مطبوعہ ادارہ القرآن کراچی میں مُحلّل کی تعریف یہ لکھی ہے کہ: مُحلّل سے مراد حلالہ کرنے والا وہ شخص ہے جو مطلقہ ثلاثہ کے ساتھ اس لئے نکاح کرے تاکہ وہ پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے اور حدیث شریف میں وارد ہے حلالہ کرنے والا اور جس کے لئے حلالہ کیا جائے ان دونوں پر اللہ کی لعنت ہو۔"

یہی معنی لغت کی مشہور کتب القاموس المحیط ۳/۱۷۲ اور المعجم الوسیط ص ۱۹۴ پر بھی موجود ہے۔ حلالہ کی تشریح احناف کے مشہور امام اور امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے شاگرد محمد بن حسن الشیبانی کی زبانی ملاحظہ کیجئے۔ محمد بن حسن شیبانی اپنی کتاب الاثار رقم ۸۷۸ پر مُحلّل اور مُحلّل لہٗ کی توضیح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں": مُحلّل (حلالہ کرنے والا) اور مُحلّل لہٗ (جس کے لئے حلالہ کیا جائے) کا بیان یہ ہے کہ ایک مرد اپنی عورت کو تین طلاقیں دے۔ پھر چاہے کہ اس کا کسی دوسرے مرد سے نکاح کردے تاکہ وہ اس کو اس کے لئے حلال کردے۔

حلالہ سے متعلق اختلاف کا بیان اور غیر مقلدین کی وہم پرستی

"اختلاف کی صورت میں یہ ہے کہ اگر اس شرط پر نکاح کیا جائے کہ دوسرا خاوند اسے طلاق دے دے گا تو کیا یہ نکاح ہو جائے گا۔ اگرچہ یہ شرط بے کار ہوگی یا نکاح ہی نہیں ہوگا۔ اب اگر یہ نکاح صحیح قرار پائے تو طلاق کے بعد عورت کا پہلے خاوند سے نکاح جائز ہوگا اور اگر یہ نکاح صحیح قرار نہیں پاتا تو عورت پہلے خاوند کے لئے بدستور حرام رہے گی۔ سیدنا امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ رحمۃ اللہ علیہ کے

نزدیک یہ نکاح صحیح ہوگا کیونکہ فاسد شرائط سے نکاح کے انعقاد میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

یہ عبارت من وعن ہم نے نقل کر دی ہے۔اب اس کی وضاحت ملاحظہ کیجئے۔مولوی صدیق ہزاروی نے اس عبارت میں یہ بات تسلیم کی ہے کہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک حلت (عورت کو حلال کروانے) کی شرط پر نکاح صحیح ہوگا اور یہی بات فقہ حنفی کی معتبر کتب کنز الدقائق ص، مع فتح القدیر ر' اور دیگر کتب فقہ میں موجود ہے۔یہ تو آپ نے پیچھے پڑھ لیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق حلالہ کرنے والا اور کروانے والا ملعون ہیں اور حلالہ کرنے والا اُدھار سانڈ کی مانند ہے۔یہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ نکاح حلالہ صحیح نہیں بلکہ نکاح فاسد ہے۔صاحب سبل السلام راقم ہیں:

مذکورہ حدیث حلالہ کی حرمت پر دلالت کرتی ہے۔اس لئے کہ لعنت کا اطلاق فعل حرام کے مرتکب پر ہی ہوتا ہے اور ہر حرام چیز پر شریعت میں نہی وارد ہے اور نہی فساد کا تقاضا ہے۔"

لہٰذا جب حلالہ حرام اور منہی عنہ ہے،اس لئے یہ نکاح فاسد قرار پاتا ہے۔یہی مفہوم دیگر صحیح احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نکاح حلالہ نکاح فاسد ہے،زنا اور بدکاری ہے،نکاح صحیح نہیں ہے۔

سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم سے "ایک آدمی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ایک ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔پھر اس (طلاق دینے والے آدمی) کے بھائی نے اس کے مشورے کے بغیر اس سے اس لئے نکاح کر لیا تا کہ وہ اس عورت کو اپنے بھائی کے لئے حلال کر دے۔کیا یہ پہلے کے لئے حلال ہو سکتی ہے۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صحیح نکاح کے بغیر یہ حلال نہیں ہو سکتی ہم اس طریقے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بدکاری (زنا) شمار کرتے تھے۔"(مستدرک حاکم ،رط،قدیم ،ر،بیہقی ر، التلخیص الحبیر باب موانع النکاح ،ر،تحفۃ الاحوذی ر،امام حاکم نے فرمایا۔یہ حدیث بخاری ومسلم کی شرط پر ہے اور امام ذہبی نے تلخیص مستدرک میں امام حاکم کی موافقت کی ہے)۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا":اللہ کی قسم میرے پاس حلالہ کرنے والا اور کروانے والا لایا گیا تو میں دونوں کو سنگسار کر دوں گا۔"(مصنف عبدالرزاق ر،ر،سعید بن منصور ر،بیہقی ر)

فتوے سے بھی ہوتی ہے کہ ان کے پاس ایک آدمی لایا گیا جس نے حلالے کی غرض سے نکاح کیا تھا تو انہوں نے ان دونوں کے درمیان جدائی کرا دی اور فرمایا"یہ عورت حلالہ کے ذریعے پہلے خاوند کی طرف نہیں لوٹ سکتی بلکہ ایسے نکاح کے ذریعے لوٹ سکتی ہے جو رغبت کے ساتھ ہو اور دھوکہ دہی کے علاوہ ہو۔"(بیہقی)

اسی طرح عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ "؛ کہ حلالہ کرنے والا مرد و عورت اگرچہ بیس سال اکٹھے رہیں،وہ زنا ہی کرتے رہیں گے۔"(مغنی ابن قدامہ،کتاب طلاق)

اس قسم کی روایات سے غیر مقلدین نے وہم پرستی کا ایک طوفان کھڑا کیا ہوا ہے کہ حلالہ فقہاء نے جائز قرار دیا ہے حالانکہ میں قباحتیں ہیں۔اور وہ ناجائز ہے۔

حلالہ کے منکرین کے توہمات کا بیان

فرقہ ظاہریہ غیر مقلدین نام نہاد اسلام کے داعی حلالے کی مذمت اور انکار تو بڑے شور سے کرتے ہیں۔ جبکہ یہی غیر مقلدین حلالے کے شرعی مأخذ کا انکار نہیں کر سکتے ورنہ قرآن وحدیث کا انکار لازم آئے گا۔ اصل میں حلالہ سے متعلق بیان کردہ وعید اور ایک معذوری کی صورت حال کو سمجھنے کی بہ جائے جہلاء غیر مقلدین نے سیدھا انکار کر دیا۔ جبکہ یہ لوگ اتنا بھی علم نہیں رکھتے کہ کسی بھی حلال وجائز حکم کا جب محل یا مقصد بدل جائے تو وہ بھی نیکی گناہ میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ ایک مسلمان بچہ بھی جانتا ہے کہ جب کوئی شخص نماز رضائے حق کی بہ جائے ریاکاری کیلئے پڑھے تو وہی نیکی جہنم کا ایندھن بن جاتی ہے۔ لیکن افسوس! فرقہ غیر مقلدین کتنے کی عقل سے دور ہیں کہ حلالہ کا مطلق طور پر انکار کر دیا اور کسی قسم کی شرعی نصوص کو خاطر میں نہ لائے۔ اللہ تعالیٰ ہم اہل اسلام کو اس قسم کے فتنوں سے محفوظ فرمائے۔ امین۔

قارئین ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ ہم نے حلالے کی جائز وناجائز دونوں صورتوں کو بیان کر دیا ہے اور یہی فقہاء احناف کا مذہب اور جمہور ائمہ وفقہاء امت کا مذہب ہے۔

دوسرا شوہر تین سے کم طلاقوں کو بھی کالعدم کر دیتا ہے

﴿وَإِذَا طَلَّقَ الْحُرَّةَ تَطْلِيقَةً أَوْ تَطْلِيقَتَيْنِ وَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا وَتَزَوَّجَتْ بِزَوْجٍ آخَرَ ثُمَّ عَادَتْ إِلَى الزَّوْجِ الْأَوَّلِ عَادَتْ بِثَلَاثِ تَطْلِيقَاتٍ وَيَهْدِمُ الزَّوْجُ الثَّانِي مَا دُونَ الثَّلَاثِ كَمَا يَهْدِمُ الثَّلَاثَ . وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ . وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ : لَا يَهْدِمُ مَا دُونَ الثَّلَاثِ﴾ لِأَنَّهُ غَايَةٌ لِلْحُرْمَةِ بِالنَّصِّ فَيَكُونُ مُنْهِيًا، وَلَا إِنْهَاءَ لِلْحُرْمَةِ قَبْلَ الثُّبُوتِ . وَلَهُمَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ﴿لَعَنَ اللَّهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ(۱)﴾ سَمَّاهُ مُحَلِّلًا وَهُوَ الْمُثْبِتُ لِلْحِلِّ ﴿وَإِذَا طَلَّقَهَا ثَلَاثًا فَقَالَتْ قَدْ انْقَضَتْ عِدَّتِي وَتَزَوَّجْت وَدَخَلَ بِي الزَّوْجُ وَطَلَّقَنِي وَانْقَضَتْ عِدَّتِي وَالْمُدَّةُ تَحْتَمِلُ

---

(۱) أخرجه أحمد في "المسند" ۱/۴۴۸ والدارمي في "سننه" ۲/۱۵۸۔ والترمذي في "جامعه" برقم (۱۱۲۰) والنسائي في "المجتبى" ۶/۱۴۹ عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه۔ وأخرجه ابو داود في "سننه" برقم (۲۰۷۶) والترمذي في "جامعه" برقم (۱۱۲۳) و ابن ماجه في "سننه" برقم (۱۹۳۵) من حديث علي۔ والترمذي في "جامعه" برقم (۱۱۲۳) من حديث جابر و ابن ماجه في "سننه" برقم (۱۹۳۶) من حديث ابن عامر باسناد حسن۔ و ابن ماجه أيضاً برقم (۱۹۳۴) عن ابن عباس۔ وبسند صحيح أخرجه أحمد والبزار وأبو يعلى و اسحاق بن راهويه في "مسانيدهم" عن أبي هريرة رضي الله عنه انظر "نصب الراية" ۳/۲۳۹۔ ۲۴۰۔ و في المسألة أثر جيد أخرجه محمد بن الحسن في "الآثار" عن ابن مسعود رضي الله عنه و ابن عمر و ابن عباس رضي الله عنهم أجمعين بمثل ما قال امامنا الأعظم رحمه الله۔ ذكره في "نصب الراية" ۳/۲۴۰۔

وكذلك جاز للزوج ان يصدقها اذا كان في غالب ظنه انها صادقة﴾ لانه معاملة او امر دينى لتعلق الحل به، وقول الواحد فيهما مقبول وهو غير مستنكر اذا كانت المدة تحتمله، واختلفوا في ادنى هذه المدة وسنبينها في باب العدة.

ترجمہ

اور جب کوئی مرد آزاد بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دے تو عورت عدت گزارنے کے بعد دوسری شادی کر لے پھر طلاق حاصل کرنے کے بعد پہلے شوہر کے ساتھ دوبارہ شادی کر لے تو مرد کو تین طلاقوں کا حق حاصل ہوگا اور دوسرا شوہر تین سے کم طلاقوں کو کالعدم کر دے گا' جیسا کہ وہ تین طلاقوں کو کالعدم کر دیتا ہے' یہ حکم شیخین کے نزدیک ہے۔

[illegible] یہ بات بیان کی ہے: دوسرا شوہر تین سے کم طلاقوں کو کالعدم نہیں کرے گا' کیونکہ قرآن پاک کی نص سے یہ بات ثابت ہے: دوسرا شوہر حرمت کی انتہاء کو معدوم کرتا ہے' اس لئے انتہائی حرمت ثابت ہونے سے پہلے اختتام اور کالعدم کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: "حلالہ کرنے والے شخص اور جس کے لئے حلالہ کیا جائے' اس پر اللہ کی لعنت ہو"۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو محلل (حلال کرنے والا) کا نام دیا ہے اور یہ وہی شخص ہو سکتا ہے' جو حلت کو ثابت کر دے۔ جب شوہر بیوی کو تین طلاقیں دیدے' اور بیوی یہ کہہ دے: میری عدت پوری ہو چکی ہے' اور میں نے دوسرے شوہر کے ساتھ شادی بھی کر لی اور اس نے میرے ساتھ صحبت بھی کر لی اور پھر اس نے مجھے طلاق بھی دیدی اور میری دوسرے شوہر سے بھی عدت گزر چکی ہے' تو اگر یہ اتنی طویل مدت ہو کہ جس میں ان تمام باتوں کا عملی طور پر ہونا ممکن ہو' تو مرد کے لئے یہ بات جائز ہے کہ وہ اس بارے میں عورت کے بیان کی تصدیق کر دے لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے: شوہر کے غالب گمان میں عورت کی بات کا سچ ہونا غالب ہو' اس کی دلیل یہ ہے: عورت کی بات کا تعلق یا تو دین کے معاملے سے ہے' یا دنیا کے معاملے سے ہے' کیونکہ اس کا تعلق حلال ہونے کے ساتھ ہے' اس لیے دونوں صورتوں میں اس کی خبر واحد قبول کی جائے گی۔ عورت کا یہ اطلاع دینا غیر مناسب بھی نہیں ہے' جبکہ اتنی مدت بھی گزر چکی ہو' جس میں ان تمام باتوں کے پائے جانے کا امکان موجود ہو' لیکن اگر اتنی مدت نہ گزری ہو' تو اس بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے' جسے ہم عدت کے بیان میں نقل کریں گے۔

نکاح ثانی کے بعد حق طلاق میں مذاہب اربعہ

ائمہ کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو یا ایک طلاق دے دی، پھر چھوڑے رہا یہاں تک کہ وہ عدت سے نکل گئی، پھر اس نے دوسرے سے گھر بسا لیا، اس سے ہم بستری بھی ہوئی، پھر اس نے بھی طلاق دے دی اور اس کی عدت ختم ہو چکی، پھر اگلے خاوند نے اس سے نکاح کر لی تو اسے تین میں سے جو طلاقیں یعنی ایک یا دو جو باقی ہیں صرف انہی کا اختیار رہے گا یا

پہلے کی طرح طلاقیں گنتی سے ساقط ہو جائیں گی اور اسے از سر نو تینوں طلاقوں کا حق حاصل ہو جائے گا، پہلا مذہب تو ہے امام مالک علیہ الرحمہ امام شافعی اور امام احمد کا اور صحابہ کی ایک جماعت کا، دوسرا مذہب ہے امام ابوحنیفہ اور ان کے ساتھیوں کا اور ان کی دلیل یہ ہے کہ جب اس طرح تیسری طلاق ہو، گنتی میں نہیں آئی تو پہلی دوسری کیا آئے گی، واللہ اعلم۔

نکاح ثانی کے بعد طلاق ثلاثہ کے حق فقہاء احناف کا اختلاف

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص آزاد عورت کو ایک یا دو طلاقیں دیتا ہے اور عدت گزرنے کے بعد وہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ شادی کر لیتی ہے۔ پھر وہ دوسرا شخص اس کو طلاق دیدیتا ہے تو عدت گزرنے کے بعد وہ عورت پہلے شوہر سے دوبارہ شادی کرتی ہے تو امام ابوحنیفہ امام ابویوسف اس بات کے قائل ہیں: شوہر کو نئے سرے سے تین طلاقوں کا حق حاصل ہوگا۔ جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ اس بات کے قائل ہیں: شوہر کو صرف اتنی طلاقوں کا حق حاصل ہوگا جو پہلی مرتبہ طلاق دینے کے بعد باقی رہ گئی ہوں یعنی جب پہلے اس نے ایک طلاق دی تھی تو اب، دو طلاقوں کا حق ہوگا اور اگر پہلے دو دی تھیں تو اب ایک طلاق کا حق ہوگا۔

امام محمد علیہ الرحمہ اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں: اگر پہلے شوہر نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں تو دوسرا نکاح ان تین طلاقوں کو کالعدم کر دیتا ہے لیکن تین طلاقوں سے کم جو طلاقیں ہیں انہیں کالعدم نہیں کرتا۔

امام محمد علیہ الرحمہ نے اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: قرآن نے یہ بات بیان کی ہے۔ وہ عورت پہلے شوہر کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہو سکتی جب تک دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح نہیں کر لیتی تو یہاں قرآن نے حرمت غلیظہ کی انتہاء کو بیان کیا ہے لہٰذا دوسرا شوہر حرمت غلیظہ کو ختم کرے گا لیکن جب حرمت غلیظہ نہ ہو یعنی پہلے شوہر نے تین سے کم طلاقیں دی ہوں تو یہاں حرمت غلیظہ ثابت ہی نہیں ہوتی تو اسے ختم کیسے کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اب اگر وہ عورت پہلے شوہر کے ساتھ دوبارہ شادی کر لیتی تو اس میں پہلے حرمت غلیظہ ثابت نہیں ہوتی اس لئے جتنی طلاقیں باقی رہ گئی تھیں وہ ان طلاقوں کے ہمراہ شوہر کے پاس جائے گی اور شوہر کو صرف اتنی طلاقیں مزید دینے کا اختیار ہوگا۔

امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف نے یہ دلیل پیش کی ہے: نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: اللہ تعالیٰ حلالہ کرنے والے پر لعنت کرے۔

اس میں نبی اکرم نے دوسرے شوہر کو "محلل" یعنی حلال کرنے والا قرار دیا ہے۔ اب دوسرے شوہر کے ذریعے جو حلت ثابت ہوگی اس میں دو احتمالات پائے جا سکتے ہیں۔

پہلا احتمال یہ ہو سکتا ہے: آپ اسے سابقہ حلت تسلیم کریں۔

دوسرا احتمال یہ ہو سکتا ہے: آپ اسے جدید حلت تسلیم کریں۔

اس لو بہو

سابقہ حلت اس لئے تسلیم نہیں کیا جاسکتا' کیونکہ اس کے نتیجے میں اُس چیز کی تحصیل لازم آئے گی جو پہلے ہی حاصل ہو چکی ہے۔ چونکہ اگر تین سے کم طلاقیں دی گئی ہوں تو سابقہ حلت پہلے ہی سے موجود ہے' اس لئے یہاں نئے سرے سے حلت کو تسلیم کرنا ہوگا اور سابقہ حلت چونکہ ناقص تھی اس لئے اس نئی حلت کو کامل تسلیم کرنا ہوگا اور وہ کامل حلت تین طلاقوں کا حق ہے۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو' جو آزاد عورت ہو' تین طلاقیں دیدیتا ہے اور اس کے کچھ عرصہ گزرنے کے بعد وہ عورت یہ بیان کرتی ہے پہلے شوہر سے میری عدت ختم ہوگئی تھی پھر میں نے دوسرے شخص سے نکاح کیا اس نے میرے ساتھ صحبت کی اور پھر مجھے طلاق دیدی اور اب دوسرے شوہر سے میری عدت مکمل ہو چکی ہے تو پہلے شوہر کے لئے اس عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہوگا۔

مصنف نے یہاں اس بات کی وضاحت کی ہے: اگر پہلے شوہر کو بیوی کے اس بیان کے سچ ہونے کا یقین ہو یعنی درمیان میں اتنا عرصہ گزر چکا ہو جس میں دو عدتیں گزر سکتی ہوں تو شوہر کے لئے یہ ممکن ہوگا کہ وہ عورت کے اس بیان کی تصدیق کردے۔

مصنف نے اس کی دلیل یہ بیان کی ہے: نکاح میں دو پہلو پائے جاتے ہیں:

ایک پہلو یہ ہے: نکاح دو فریقوں کے درمیان طے پانے والا ایک معاہدہ ہے۔ اس اعتبار سے ایک فرد یعنی اُس عورت کی دی ہوئی اطلاع کو قبول کرنا معتبر ہوگا۔

اس کا دوسرا پہلو یہ ہے: نکاح ایک دینی مسئلہ ہے۔ اس اعتبار سے عورت کی بات کو اس وقت قبول کیا جائے گا جب دیگر خارجی قرائن اور شواہد عورت کی بات کی تائید کر رہے ہوں۔

درمیان کا یہ عرصہ کتنا ہونا چاہئے؟ اس بارے میں فقہاء کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے جس کے بارے میں مصنف نے یہ بات کہی ہے: وہ آگے چل کر اس کی مزید وضاحت کریں گے۔

باب ایلاء

﴿یہ باب ایلاء کے بیان میں ہے﴾

باب ایلاء کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ صاحب نہایہ نے اسرار کی کتاب طلاق کے شروع میں کہا ہے۔ کہ ملک نکاح کے حکم سے چار حرمات نافذ ہوتی ہیں۔ (۱) طلاق (۲) ایلاء (۳) لعان (۴) ظہار۔ اس کے بعد ان سب میں اصل طلاق ہے جو کسی وقت شوہر کیلئے مباح ہو جاتی ہے۔ لہذا مصنف علیہ الرحمہ نے پہلے کتاب طلاق کو ذکر کیا ہے اور اب اس کے بعد باب ایلاء کو ذکر کر رہے ہیں۔ اور یہ طلاق کی نسبت سے کم ظلم ہے جس کے احکام مفصل آ رہے ہیں۔ طلاق میں صراحت کے ساتھ بیوی سے تفریق کا اعلان ہے جبکہ ایلاء میں یمین کے ساتھ صرف وطی سے یا قربت سے انکار کا اعلان ہے۔ لہذا ایلاء کی اسی حیثیت کے پیش نظر اس کو کتاب طلاق میں اور پھر باب طلاق کے بعد ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہ لغت میں یمین کہلاتا ہے کیونکہ اس میں شوہر بیوی سے عدم قربت کی قسم کھاتا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ۵، ص ۴۴۱، بیروت)

ایلاء کا فقہی مفہوم

"ایلاء" "اَلَا یَـألُوْ" سے باب افعال ہے۔ "اَلَا یَـألُوْ" کا اصل لغوی مفہوم کسی امر میں کوتاہی اور کمی کرنا ہے اور "ایلاء" ایلاء کے لغوی معنی یہ ہیں کہ قسم (یمین) کے ہیں خواہ کسی بھی بات پر قسم کھائی جائے۔ جبکہ اصطلاحی معنی یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے مطلق طور پر یا ہمیشہ کے لیے یا چار مہینہ اور اس سے زیادہ مدت کے لیے صحبت نہ کرنے کی قسم کھالے، اسی طرح بیوی سے صحبت کرنے کی صورت میں کوئی ایسی چیز اپنے اوپر لازم کرلے جس کی ادائیگی ایک گونہ دشوار اور مشکل ہو مثلاً یہ کہے کہ اگر میں تجھ سے صحبت کرلوں تو مجھ پر حج یا روزہ وغیرہ واجب ہو جائے تو بھی ایلاء ہی شمار ہوگا۔ (فقہ اسلامی وادلہ، ج ۹، ص ۵۰۲)

مدت ایلاء گزرنے کے بعد وقوع طلاق میں مذاہب اربعہ

حضرت سلیمان ابن یسار تابعی کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دس بلکہ اس سے بھی زیادہ صحابیوں کو پایا ہے وہ سب یہ فرمایا کرتے تھے کہ ایلاء کرنیوالے کو ٹھہرایا جائے (شرح السنہ مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 496)

ایلاء اس کو کہتے ہیں کہ کوئی مرد یہ قسم کھائے کہ میں چار مہینہ یا اس سے زائد مثلاً پانچ مہینہ یا چھ مہینہ) تک اپنی بیوی سے جماع نہیں کروں گا لہذا اگر اس مرد نے اپنی بیوی سے جماع نہیں کیا یہاں تک کہ چار مہینے گزر گئے تو اس صورت میں اکثر صحابہ کے قول کے مطابق اس مرد کی بیوی پر محض چار مہینے گزر جانے سے طلاق نہیں پڑے گی بلکہ ایلاء کرنیوالے کو ٹھہرایا جائیگا یعنی حاکم وقاضی اس کو محبوس کریگا اور اس سے یہ کہے گا کہ یا تو اپنی عورت سے رجوع کرو یعنی اس سے جماع کرلو اور اپنی قسم پوری نہ کرنے کا کفارہ دو یا

اپنی بیوی کو طلاق دیدو۔ چنانچہ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد کا مسلک یہی ہے نیز حضرت امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ مرد حاکم وقاضی کی اس بات پر عمل نہ کرے یعنی نہ تو عورت سے رجوع کرے اور نہ طلاق دے تو حاکم کو اختیار ہے کہ وہ اس کی بیوی کو طلاق دیدے۔ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اس صورت میں اگر اس مرد نے چار مہینے کے اندر اپنی بیوی سے جماع کر لیا تو اس کا ایلاء ساقط ہو جائیگا۔ مگر اس پر قسم پوری نہ کرنے کا کفارہ لازم آئے گا اور اگر اس نے جماع نہ کیا یہاں تک کہ چار مہینے گزر گئے تو اس کی بیوی پر ایک طلاق بائن پڑ جائے گی ایلاء کے دیگر مسائل اور اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ "امام نخعی اور قتادہ اور حماد، اور ابن ابی لیلی اور اسحاق کا قول ہے کہ جس نے بھی قلیل یا کثیر وقت میں وطئی نہ کرنے کی قسم اٹھائی، اور اسے چار ماہ تک چھوڑ دیا تو اس نے ایلاء کیا ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے:(ان لوگوں کے لیے جو اپنی بیویوں سے ایلاء کرتے ہیں وہ چار ماہ تک انتظار کریں)، اور یہ شخص ایلاء کرنے والا ہے؛ کیونکہ ایلاء حلف ہے اور اس نے قسم اٹھائی ہے۔ (المغنی (7 / . (415)

ایلاء کے حکم کا بیان

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ایلاء کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ شخص اس عورت سے چار ماہ تک صحبت نہ کرے تو چار ماہ بعد خود بخود طلاق بائن پڑ جائے گی اور اگر چار ماہ کے اندر صحبت کر لے تو قسم کا کفارہ دینا پڑیگا۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۵، ص ۴۴۲، بیروت)

علامہ علاؤالدین کاسانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

وَأَمَّا حُكْمُ الْإِيلَاءِ فَنَقُولُ وَبِاللَّهِ التَّوْفِيقُ إنَّهُ يَتَعَلَّقُ بِالْإِيلَاءِ حُكْمَانِ :حُكْمُ الْحِنْثِ، وَحُكْمُ الْبِرِّ ، أَمَّا حُكْمُ الْحِنْثِ فَيَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْمَحْلُوفِ بِهِ :فَإِنْ كَانَ الْحَلِفُ بِاللَّهِ تَعَالَى فَهُوَ وُجُوبُ كَفَّارَةِ الْيَمِينِ كَسَائِرِ الْأَيْمَانِ بِاللَّهِ ،، أَمَّا أَصْلُ الْحُكْمِ فَهُوَ وُقُوعُ الطَّلَاقِ بَعْدَ مُضِيِّ الْمُدَّةِ مِنْ غَيْرِ فَيْءٍ (بدائع الصنائع فصل فی حُكْمِ الْإِيلَاءِ)

ایلاء کے تاریخی پس منظر کا بیان اور اسلامی اصول کی اہمیت

زمانہ جاہلیت میں ایک طریقہ میاں بیوی میں علیحدگی کا یہ بھی تھا کہ شوہر غصے میں آ کر قسم کھا بیٹھتے تھے کہ وہ اپنی بیویوں سے ہم بستری نہ کریں گے۔ اصطلاح میں اسی کو ایلاء کہتے ہیں۔ ایلاء کرنے کے بعد جو ایک طرح کی طلاق ہی تھی، شوہر اپنی بیوی کے نان و نفقہ اور ہر قسم کے ادائے حقوق سے معاف دستبردار ہو جاتا تھا۔

اسلام نے اس طریقہ طلاق کی بھی اصلاح کی اور اسے ایک قانون کی شکل میں نافذ فرمایا اور فطرت بشری کا بالکل صحیح اندازہ

کر کے حکم دیا کہ چونکہ زوجین میں تعلقات ہمیشہ خوشگوار تو نہیں رہ سکتے، بگاڑ پیدا ہوتے ہی رہتے ہیں، لیکن ایسے بگاڑ کو خدا کی شریعت پسند نہیں کرتی کہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ، قانونی طور پر رشتہ ازدواج میں تو بندھے رہیں، مگر عملاً ایک دوسرے سے اس طرح الگ رہیں کہ گویا وہ میاں بیوی نہیں ہیں۔ ایسے بگاڑ کے لیے اللہ تعالیٰ نے چار ماہ کی مدت مقرر فرمادی کہ یا تو اس مدت میں سارے پہلوؤں پر ٹھنڈے دل سے غور وفکر کے بعد اپنے تعلقات درست کرلو لیکن اس صورت میں ایسی قسم توڑنے کا گناہ ایک خفیف سے کفارے کے بعد معاف کیا جائے گا ورنہ رشتہ ازدواج منقطع کردو تا کہ دونوں، ایک دوسرے سے آزاد ہو کر جس سے چاہیں، نباہ کر سکیں۔ فریقین بخوشی اور باضابطہ معاہدہ نکاح کو فسخ کر کے ایک دوسرے سے مستقل علیحدگی اختیار کرلیں۔ یہ اس سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ رہیں تو میاں بیوی، لیکن عملاً ایک دوسرے سے لاتعلق ہو جائیں۔

ایلاء کے الفاظ اور اس کے احکام

﴿وَاِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِامْرَاَتِهٖ وَاللّٰهِ لَا اَقْرَبُكِ اَوْ قَالَ وَاللّٰهِ لَا اَقْرَبُكِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ فَهُوَ مُوْلٍ﴾ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی ﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ﴾ الْاٰيَةَ ﴿فَاِنْ وَطِئَهَا فِي الْاَرْبَعَةِ الْاَشْهُرِ حَنِثَ فِيْ يَمِيْنِهٖ وَلَزِمَتْهُ الْكَفَّارَةُ﴾ لِاَنَّ الْكَفَّارَةَ مُوْجَبُ الْحِنْثِ ﴿وَسَقَطَ الْاِيْلَاءُ﴾ لِاَنَّ الْيَمِيْنَ تَرْتَفِعُ بِالْحِنْثِ

﴿وَاِنْ لَمْ يَقْرَبْهَا حَتّٰی مَضَتْ اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ بَانَتْ مِنْهُ بِتَطْلِيْقَةٍ﴾ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: تَبِيْنُ بِتَفْرِيْقِ الْقَاضِيْ لِاَنَّهٗ مَانِعٌ حَقَّهَا فِي الْجِمَاعِ فَيَنُوْبُ الْقَاضِيْ مَنَابَهٗ فِي التَّسْرِيْحِ كَمَا فِي الْجَبِّ وَالْعُنَّةِ. وَلَنَا اَنَّهٗ ظَلَمَهَا بِمَنْعِ حَقِّهَا فَجَازَاهُ الشَّرْعُ بِزَوَالِ نِعْمَةِ النِّكَاحِ عِنْدَ مُضِيِّ هٰذِهِ الْمُدَّةِ وَهُوَ الْمَاْثُوْرُ عَنْ عُثْمَانَ وَعَلِيٍّ وَالْعَبَادِلَةِ الثَّلَاثَةِ وَزَيْدِ ابْنِ ثَابِتٍ رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ،(۱) وَكَفٰی بِهِمْ قُدْوَةً، وَلِاَنَّهٗ كَانَ طَلَاقًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَحَكَمَ الشَّرْعُ بِتَاْجِيْلِهٖ اِلٰی انْقِضَاءِ الْمُدَّةِ

---

(۱) أما عثمان فأخرجه عبدالرزاق في "مصنفه" والبيهقي في ۲۷۱/۷۔ روی الدارقطني عن أحمد أنه قال: لا أعرف هذا الحديث و قد روی عن عثمان خلافه ثم روی عنه أنه قال: يوقف، وأما علي والعبادلة فأخرجه عبدالرزاق في "مصنف" قال في "الجوهر النقي" ۲۸۰/۷: و في "الاشراف" لابن منذر كذا قال ابن عباس و ابن مسعود، وروی ذلك عن عثمان بن عفان و زيد بن ثابت و ابن عمر۔ و قال ابن عبد البر: هو قول ابن عباس و ابن مسعود و زيد بن ثابت ورواية عن عثمان و ابن عمر۔ وهو قول أبي بكر بن عبدالرحمن، وهو الصحيح عن ابن المسيب و لم يختلف منه عن ابن مسعود وبه قال الأوزاعي و مكحول والكوفيون وأبو حنيفة وأصحابه والثوري والحسن بن صالح، وبه قال عطاء و جابر بن زيد و محمد بن الحنفية و ابن الحكم و أخرج ابن أبي شيبة عن أبي سلمة وسالم: اذا مضت المدة لهي تطليقة۔

ترجمہ

اور جب شوہر بیوی سے یہ کہے: اللہ کی قسم میں تمہارے قریب نہیں آؤں گا' یا یہ کہہ دے: اللہ کی قسم میں چار ماہ تک تمہارے قریب نہیں آؤں گا' تو وہ ایلاء کرنے والا شمار ہوگا۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''وہ لوگ جو اپنی بیویوں کے ساتھ ایلاء کرتے ہیں ان کے لئے حکم ہے کہ وہ چار ماہ تک انتظار کریں''۔ اگر چار ماہ کے دوران' شوہر بیوی کے ساتھ صحبت کر لیتا ہے' تو وہ قسم توڑنے والا شمار ہوگا اور اس پر کفارے کی ادائیگی لازم ہوگی' چونکہ قسم توڑنے کے نتیجے میں کفارہ لازم ہو جاتا ہے' اور ایلاء ساقط ہو جائے گا۔ توڑے جانے کے نتیجے میں قسم خود بخود ختم ہو جائے گی۔ لیکن اگر وہ عورت کے قریب نہیں جاتا اور چار ماہ گزر جاتے ہیں' تو عورت کو ایک بائنہ طلاق ہو جائے گی۔

امام شافعی نے یہ بات بیان کی ہے: عورت قاضی کی تفریق کے بعد بائنہ ہوگی اس کی دلیل یہ ہے: مرد نے صحبت کے بارے میں اس کے حق میں رکاوٹ پیدا کی ہے' تو قاضی عورت کو نجات دلانے کے لئے مرد کا قائم مقام تصور کیا جائے گا۔ جیسا کہ اگر شوہر نامرد ہو' تو قاضی کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے: مرد نے عورت کے ساتھ زیادتی کی ہے اور اس کے حق میں رکاوٹ ڈالی ہے' تو شریعت نے اسے یہ سزا دی ہے' طے شدہ مدت گزرنے کے بعد نکاح کی نعمت خود بخود زائل ہو جائے گی' اور یہی بات حضرت عثمان غنی' حضرت علی' حضرت عبداللہ بن عمر' حضرت عبداللہ بن عباس' حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت زید بن ثابت سے منقول ہے اور ان حضرات کی پیروی کافی ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے: یہ (ایلاء) زمانہ جاہلیت میں طلاق شمار ہوتا تھا' تو شریعت نے یہ حکم دیا: مخصوص مدت گزرنے تک اس کو مؤخر کیا جائے۔

مدت ایلاء کے بعد وقوع طلاق کا بیان

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (البقرہ، ۲۲۶)

اور وہ جو قسم کھا بیٹھتے ہیں اپنی عورتوں کے پاس جانے کی انہیں چار مہینے کی مہلت ہے پس اگر اس مدت میں پھر آئے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہ معمول تھا کہ اپنی عورتوں سے مال طلب کرتے اگر وہ دینے سے انکار کرتیں تو ایک سال دو سال تین سال یا اس سے زیادہ عرصہ ان کے پاس نہ جانے اور صحبت ترک کرنے کی قسم کھا لیتے تھے اور انہیں پریشانی میں چھوڑ دیتے تھے نہ وہ بیوہ ہی تھیں کہ کہیں اپنا ٹھکانہ کر لیتیں نہ شوہر دار کہ شوہر سے آرام پاتیں اسلام نے اس ظلم کو مٹایا اور ایسی قسم کھانے والوں کے لئے چار مہینے کی مدت معین فرما دی کہ اگر عورت سے، چار مہینے یا اس سے زائد عرصہ کے لئے یا غیر معین مدت کے لئے ترک صحبت کی قسم کھالے جس کو ایلا کہتے ہیں تو اس کے لئے چار ماہ انتظار کی مہلت ہے اس عرصہ میں خوب سوچ سمجھ لے کہ عورت کو چھوڑنا اس

کے لیے بہتر ہے تو کہا اگر کہا بہتر ہے اور اس مدت کے اندر رجوع کرے تو نکاح باقی رہے گا اور قسم کا کفارہ لازم ہوگا اور اگر اس مدت میں رجوع نہ کیا قسم نہ توڑی تو عورت نکاح سے باہر ہوگئی اور اس پر طلاق بائن واقع ہوگئی۔ اگر مرد صحبت پر قادر ہو تو رجوع صحبت ہی سے ہوگا اور اگر کسی دلیل سے قدرت نہ ہو تو بعد قدرت صحبت کا وعدہ رجوع ہے۔ (تفسیرات احمدی)

مدت ایلاء کے بعد والی طلاق میں مذاہب اربعہ

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے یہ نہیں کہا ہے کہ قاضی تفریق کردیگا بلکہ ان کا مذہب بھی یہی ہے کہ طلاق رجعی واقع ہو جائے گی اور اسی طرح امام مالک علیہ الرحمہ اور امام احمد بن حنبل علیہما الرحمہ کا بھی مذہب ہے (لہذا احناف اور ائمہ ثلاثہ کا اس مسئلہ میں اختلاف طلاق رجعی اور بائنہ ہونے میں ہے۔ وقوع طلاق میں کوئی اختلاف نہیں ہے)۔ (فتح القدیر، ج ۸، ص ۴۷۵، بیروت)

حضرت سلیمان ابن یسار تابعی کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دس بلکہ اس سے بھی زیادہ صحابیوں کو پایا ہے وہ سب یہ فرمایا کرتے تھے کہ ایلاء کرنے والے کو ٹھہرایا جائے (شرح السنہ)

ایلاء اس کو کہتے ہیں کہ کوئی مرد یہ قسم کھائے کہ میں چار مہینہ یا اس سے زائد مثلاً پانچ مہینہ یا چھ مہینہ) تک اپنی بیوی سے جماع نہیں کروں گا لہذا اگر اس مرد نے اپنی بیوی سے جماع نہیں کیا یہاں تکہ کہ چار مہینے گزر گئے تو اس صورت میں اکثر صحابہ کے قول کے مطابق اس مرد کی بیوی پر محض چار مہینے گزر جانے سے طلاق نہیں پڑے گی بلکہ ایلاء کرنے والے کو ٹھہرایا جائے گا یعنی حاکم و قاضی اس کو محبوس کریگا اور اس سے یہ کہے گا کہ یا تو اپنی عورت سے رجوع کرو یعنی اس سے جماع کرلو اور اپنی قسم پوری نہ کرنے کا کفارہ دو یا اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔ چنانچہ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد کا مسلک یہی ہے نیز حضرت امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ مرد حاکم و قاضی کی اس بات پر عمل نہ کرے یعنی نہ تو عورت سے رجوع کرے اور نہ طلاق دے تو حاکم کو اختیار ہے کہ وہ اس کی بیوی کو طلاق دیدے۔

اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اس صورت میں اگر اس مرد نے چار مہینے کے اندر اپنی بیوی سے جماع کرلیا تو اس کا ایلاء ساقط ہو جائے گا۔ مگر اس پر قسم پوری نہ کرنے کا کفارہ لازم آئے گا اور اگر اس نے جماع نہ کیا یہاں تک کہ چار مہینے گزر گئے تو اس کی بیوی پر ایک طلاق بائن پڑ جائے گی ایلاء کے دیگر مسائل اور اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

مدت ایلاء گزرنے کے بعد وقوع طلاق میں فقہی مذاہب اربعہ

حافظ ابن کثیر دمشقی لکھتے ہیں کہ اگر چار مہینے گزر جانے کے بعد وہ طلاق دینے کا قصد کرے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چار مہینے گزرتے ہی طلاق نہیں ہوگی۔

جمہور متاخرین کا یہی مذہب ہے، گو ایک دوسری جماعت یہ بھی کہتی ہے کہ بلا جماع چار ماہ گزرنے کے بعد طلاق ہو جائے

کی۔ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت زید بن ثابت اور بعض تابعین سے بھی یہی مروی ہے لیکن یاد رہے کہ راجح قول اور قرآن کریم کے الفاظ اور صحیح حدیث سے ثابت شدہ قول یہی ہے کہ طلاق واقع نہ ہوگی۔

احناف کہتے ہیں بائن ہوگی، جو لوگ طلاق پڑنے کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اسے عدت بھی گزارنی پڑے گی۔ ہاں ابن عباس اور ابوالشعثاء فرماتے ہیں کہ اگر ان چار مہینوں میں اس عورت کو تین حیض آگئے ہیں تو اس پر عدت بھی نہیں۔ امام شافعی کا بھی قول یہی ہے لیکن جمہور متاخرین علماء کا فرمان یہی ہے کہ اس مدت کے گزرتے ہیں طلاق واقع نہ ہوگی بلکہ اب ایلاء کرنے والے کو مجبور کیا جائے گا کہ یا تو وہ اپنی قسم کو توڑے یا طلاق دے۔ موطا مالک میں حضرت عبداللہ بن عمر سے یہی مروی ہے۔ صحیح بخاری میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

امام شافعی اپنی سند سے حضرت سلیمان بن یسار سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دس سے اوپر صحابیوں سے سنا کہ وہ کہتے تھے چار ماہ کے بعد ایلاء کرنے والے کو کھڑا کیا گیا تو کم سے کم یہ تیرہ صحابی ہوگئے۔ حضرت علی سے بھی یہی منقول ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں یہی ہمارا مذہب ہے اور یہی حضرت عمر، حضرت ابن عمر، حضرت عثمان بن زید بن ثابت اور دس سے اوپر اوپر دوسرے صحابہ کرام سے مروی ہے، دار قطنی میں ہے حضرت ابوصالح فرماتے ہیں میں نے بارہ صحابیوں سے اس مسئلہ کو پوچھا، سب نے یہی جواب عنایت فرمایا، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابودرداء، حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، بھی یہی فرماتے ہیں اور تابعین میں سے حضرت سعید بن میسب، حضرت عمر بن عبدالعزیز، حضرت مجاہد، حضرت طاؤس، حضرت محمد بن کعب، حضرت قاسم رحمۃ اللہ علیہ اجمعین کا بھی یہی قول ہے اور حضرت امام مالک علیہ الرحمہ، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد اور ان کے ساتھیوں کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام بن جریر بھی اسی قول کو پسند کرتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، بقرہ، ۲۲۶)

حافظ ابن کثیر نے ائمہ ثلاثہ کے مذاہب نقل کرتے میں سہو کیا

ہم نے فتح القدیر سے فقہی مذاہب بیان کیے ہیں جس میں امام، علامہ، ترجمان حنفیت کمال الدین ابن ہمام علیہ الرحمہ جن کی تحقیق کے اغیار اور اہل ظواہر بھی قائل ہیں انہوں نے یہ لکھا ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بھی مدت ایلاء گزرنے کے ساتھ طلاق رجعی واقع ہو جاتی ہے۔ جبکہ حافظ ابن کثیر تابعین کی طرف کثرت سے اقوال کی نسبت بھی کی اور ان کے بعد ائمہ ثلاثہ کی طرف یہ موقف منسوب کیا ہے کہ ان کے نزدیک مدت ایلاء گزرنے کے بعد طلاق واقع نہ ہوگی۔ یہ تفسیر ابن کثیر میں ان کا سہو ہے۔

مدت ایلاء کے خود بائنہ ہونے میں فقہی مذاہب

مسروق، حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیویوں سے ایلاء اور انہیں اپنے اوپر حرام

کرلیا، پھر آپ نے قسم کا کفارہ ادا کیا اور جس چیز کو حرام کیا تھا اسے حلال کیا اس باب میں حضرت ابوموسیٰ اور انس سے بھی روایت ہے مسلمہ بن علقمہ کی داؤد سے منقول حدیث علی بن مسہر وغیرہ داؤد سے منقول حدیث نقل کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایلاء کیا الخ۔ اس حدیث میں مسروق کے عائشہ سے نقل کرنے کا ذکر نہیں اور یہ حدیث مسلمہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔ ایلاء کی تعریف یہ ہے کہ کوئی شخص قسم کھائے کہ وہ چار مہینے یا اس سے زیادہ تک اپنی بیوی کے قریب بھی نہیں جائے گا پھر چار مہینے گزر جانے کے بعد عورت کے قریب نہ جائے تو کیا حکم ہے؟ اہل علم کا اس بارے میں اختلاف ہے بعض علماء اور تابعین فرماتے ہیں کہ چار ماہ گزر جانے پر تو وہ ٹھہر جائے یا تو رجوع کرنے یا طلاق دے۔ امام مالک علیہ الرحمہ بن انس، شافعی، احمد، اسحاق کا یہی قول ہے بعض علماء اور دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ چار ماہ گزرنے پر ایک طلاق بائن خود بخود ہو جائے گی، سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1213)

امام ترمذی علیہ الرحمہ نے مختلف فقہی مذاہب کے فقہاء کے اقوال نقل کیے ہیں۔ جن میں ائمہ ثلاثہ کا قول کہ یا ایلاء والا رجوع کرے یا طلاق دے اس سے یہ اشتباہ ہو سکتا ہے کہ شاید ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مدت ایلاء گزر جانے کے بعد طلاق واقع نہیں ہوتی حالانکہ ائمہ ثلاثہ نے طلاق دینے کا حکم دیا ہے لہٰذا اس حکم کا وقوع طلاق یا عدم وقوع کے حکم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یعنی اگر وہ طلاق نہ دے تو کیا پھر بھی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک طلاق واقع نہ ہوگی یہ مسئلہ جامع ترمذی کی مذکورہ روایت سے ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

ایلاء کے طلاق نہ ہونے میں فقہ شافعی کے دلائل

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اکثر صحابہ سے یہ روایت کیا گیا ہے کہ اگر چار ماہ گزر جائیں تو اس شخص سے جس نے "ایلاء" کیا ہے (یعنی ازدواجی تعلقات نہ رکھنے کی قسم کھائی ہے)، یہ کہا جائے گا کہ وہ بیوی کو یا تو رکھنے کا فیصلہ کرے یا پھر اسے طلاق دے دے۔ بعض دوسرے صحابہ سے یہ مروی ہے کہ چار ماہ کا گزرنا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ شخص طلاق دینا چاہتا ہے۔ اس معاملے میں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، میرے ماں باپ آپ پر قربان، کوئی بات نہیں ملتی۔

نوٹ: اس حکم کی دلیل یہ ہے کہ کوئی شخص بلا دلیل اپنی بیوی کو لٹکائے نہ رکھے۔ اگر کوئی ایسی بیہودہ قسم کھا بیٹھے تو پھر یا تو بیوی کو آزاد کرے اور یا پھر قسم توڑ کر اس کا کفارہ ادا کرے۔ آیت کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسی قسم کھانا بہر حال ایک گناہ کا فعل ہے۔

سائل: ان دونوں میں سے آپ نے کس نقطہ نظر کو اختیار کیا ہے؟ شافعی: میری دلیل یہ ہے کہ قسم کھانے سے طلاق لازم نہیں آتی۔ اگر خاتون اپنے حقوق کا مطالبہ کرے تو ہم چار ماہ تک تو علیحدگی نہیں کروائیں گے۔ جب چار ماہ گزر جائیں گے تو اس سے کہا جائے گا، یا تو طلاق دو یا پھر واپس آؤ۔ اس کا ازدواجی تعلقات قائم کرلینا واپسی کا ثبوت ہوگا۔

سائل: اس دلیل کو آپ نے کس بنیاد پر اختیار کیا ہے؟ شافعی: مجھے یہ کتاب اللہ اور عقل کے زیادہ قریب لگی ہے۔

سائل: کتاب اللہ سے اس بارے میں کوئی بات ملتی ہے؟

شافعی: اللہ تعالی نے یہ فرمایا کہ "للذین یؤلون من نسائھم تربص اربعۃ اشھر" یعنی "جو لوگ اپنی بیویوں سے ازدواجی تعلق نہ رکھنے کی قسم کھا بیٹھیں، ان کے لئے چار ماہ کی مہلت ہے"۔ آیت کے ظاہری مفہوم میں یہ بات ملتی ہے کہ جس (خاتون کو) اللہ نے چار ماہ انتظار کرنے کا حکم دیا ہے، اس کے لئے چار ماہ تک تو انتظار کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے۔

یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالی نے چار مہینے میں لوٹ آنے کا جو حکم دیا ہے، وہ اس طرح سے ہو جیسا کہ آپ کسی کو کہیں، "میں آپ کو چار ماہ کی مہلت دے رہا ہوں، اس میں یہ عمارت تعمیر کر دیجیے۔" کوئی شخص بھی یہ بات اس وقت نہیں سمجھ سکتا کہ بات کس سے کی گئی ہے جب تک وہ اس کلام کے سیاق و سباق سے واقف نہ ہو۔

اگر یہ کہا جائے کہ "آپ کو چار ماہ کی مہلت ہے" تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ شخص اس وقت تک دعوی نہیں کر سکتا جب تک چار ماہ پورے نہ ہو جائیں اور عمارت کی تعمیر مکمل نہ ہوئی ہو۔ اس وقت تک اس بلڈر کو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ تم نے عمارت کی تعمیر بروقت مکمل نہیں کی جب تک چار ماہ کی مدت پوری نہ ہو جائے۔ جب مدت پوری ہو جائے گی (اور اس نے تعمیر مکمل نہ کی ہو گی) تب کہا جائے گا کہ تم نے کام پورا نہیں کیا۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ چار ماہ مکمل ہونے سے پہلے (پراگریس دیکھنے پر) یہ معلوم ہو جائے کہ چار ماہ کی مدت پوری ہونے پر بھی عمارت کی تعمیر مکمل نہ ہو گی۔

(قسم کھانے کے بعد خاتون سے) رجوع کر لینے کا معاملہ (عمارت کی طرح نہیں ہے۔) اس میں چار ماہ گزرنے کے بعد ہی پتہ چل سکتا ہے کیونکہ ازدواجی تعلقات تو بہت ہی کم وقت میں قائم کئے جا سکتے ہیں۔ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں کہ اگر ایک شخص اپنی بیوی سے علیحدہ ہو جائے اور چار ماہ اسی طرح گزار دے۔ اس کے بعد بھی وہ علیحدہ رہے تو وہ اللہ کے نزدیک جواب دہ ہو گا۔ اب اس پر لازم ہے کہ وہ یا تو واپس لوٹے اور یا پھر اسے طلاق دے دے۔

اگر اس آیت کے آخری حصے میں ایسی کوئی بات نہ پائی جائے جس کی بنیاد پر دوسرا نقطہ نظر اختیار (یعنی چار ماہ علیحدہ رہنے سے طلاق خود بخود واقع ہو جائے گی) کرنا ضروری ہو تو پھر اپنے ظاہری مفہوم پر ہم پہلے نقطہ نظر ہی کو ترجیح دیں گے۔ قرآن کے معنی کو اپنے ظاہری مفہوم ہی پر لیا جائے گا۔ ہاں اگر سنت یا اجماع سے کوئی دلیل مل جائے تو پھر اس کے ظاہری معنی کی بجائے مجازی معنی کو بھی قبول کیا جا سکتا ہے۔

سائل: کیا آیت کے سیاق و سباق میں بھی کوئی ایسی بات ہے جو آپ کی وضاحت کی توثیق کرتی ہو؟

شافعی: اللہ عزوجل نے یہ بیان کرنے کے بعد کہ "ایلاء کرنے والے کے لئے چار ماہ کی مہلت ہے"، فرمایا کہ "فان فاء وا، فان اللہ غفور رحیم، وان عزموا الطلاق، فان اللہ سمیع علیم" یعنی "اگر وہ واپس آ جائیں تو اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ اگر انہوں نے طلاق ہی کا ارادہ کر رکھا ہے تو بے شک اللہ سننے جاننے والا ہے۔" اس نے ان دونوں صورتوں کے احکام کو بغیر کسی فاصلے کے بیان فرما دیا ہے۔ یہ دونوں چار ماہ کے بعد واقع ہوں گے۔ اب یا تو اس شخص کو بیوی سے رجوع کرنا ہو گا یا طلاق دینی ہو گی۔ یہ اختیار ایک ہی وقت میں استعمال کیا جا سکے گا۔ ان میں سے کوئی بات ایک دوسرے سے پہلے نہیں ہو سکتی۔ ان

دونوں کا ذکر اکٹھے ہی ہوا ہے۔ یہ معاملہ ایسا ہی ہے جیسا اگر (وہ شخص جس کے پاس دوسرے کی کوئی چیز گروی رکھی ہوئی ہے) کہے، "قرض ادا کر کے اپنی گروی چیز واپس لے لو یا پھر میں اسے بیچنے لگا ہوں۔" جب بھی دو کاموں میں اختیار ہوتا ہے کہ "یہ کر لو یا یہ کر لو" تو پھر یہ ایک ہی وقت میں ہوتا ہے۔

اگر ایسا نہ ہوتا تو ان دونوں کا ذکر ایک ساتھ نہ ہوتا۔ پھر یہ کہا جاتا کہ ایلاء کرنے والا چار ماہ کے عرصے میں بیوی سے رجوع کر سکتا ہے لیکن اگر وہ طلاق کا ارادہ رکھتا ہے تو پھر یہ چار ماہ کے بعد ہی ہو گا۔ اس صورت میں ایک آپشن کے لئے تو کھلا وقت ہوتا جبکہ دوسری آپشن کے لئے بہت کم وقت ہوتا۔ (ایسا نہیں ہوا بلکہ) ان دونوں کا ذکر ایک ساتھ ہی کیا گیا ہے۔ سائل :اگر وہ چار ماہ سے پہلے ہی بیوی سے رجوع کرلے تو کیا اسے "رجوع کرنا" ہی کہیں گے؟

شافعی :جی ہاں۔ یہ ایسے ہی ہے کہ اگر میں آپ سے کہوں، "آپ پر یہ قرض (ایک مخصوص مدت میں) ادا کرنا لازم ہے۔ اگر آپ نے اسے وقت سے پہلے ادا کر دیا تو آپ اس سے بری ہو جائیں گے۔" اب اگر آپ وقت پورا ہونے سے پہلے ہی اسے ادا کر دیتے ہیں تو یہ جلدی کر کے آپ ایک اچھا کام کریں گے۔

کیا آپ اس سے اتفاق نہیں کریں گے کہ اگر (ایلاء کرنے والا) شخص ہر روز رجوع کرنے کا فیصلہ کرے لیکن چار ماہ تک ازدواجی تعلقات قائم نہ کرے تو وہ ایک غلط کام کر رہا ہے۔ سائل :اگر وہ شخص ازدواجی تعلقات قائم کرنے کے قابل ہے، تو جب تک وہ ایسا نہیں کرے گا، ارادے کا تو کوئی مطلب ہی نہیں۔

شافعی :اگر وہ شخص ازدواجی تعلقات تو قائم کر لے لیکن اس خاتون سے رجوع کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو تو کیا وہ اس ذمہ داری سے بری ہو جائے گا کہ چار ماہ کی مدت میں طلاق دے۔ ازدواجی تعلقات کی اہمیت تو یہی ہے (کہ اس کے ذریعے وہ شخص اپنی بیوی سے رجوع کرے۔ (سائل :جی ہاں۔

شافعی :اگر ایک شخص یہ ارادہ کرلے کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع نہیں کرے گا اور وہ ہر روز یہ قسم کھائے کہ وہ رجوع نہیں کرے گا۔ اس کے بعد چار ماہ پورے ہونے سے چند لمحے قبل وہ ازدواجی تعلقات قائم کر لے تو کیا وہ ایلاء کے قانون کے تحت طلاق دینے کی ذمہ داری سے بری ہو جائے گا۔ (دل میں کھوٹ کے ساتھ) ازدواجی تعلقات قائم کرنے سے کیا وہ طلاق دینے کی ذمہ داری سے بری ہو سکتا ہے؟ سائل :جی ہاں۔

شافعی :اگر اس کا ارادہ بیوی سے رجوع کا نہیں ہے، اور وہ ازدواجی تعلقات واپس لینے کی نیت سے نہیں بلکہ محض لطف اندوز ہونے کے لئے قائم کر رہا ہے تو کیا آپ کی اور ہماری دلیل میں وہ ایلاء کے قانون کے تحت طلاق دینے کی ذمہ داری سے بری ہو جائے گا؟ سائل :یہ ایسا ہی ہے جیسا آپ نے فرمایا۔ ازدواجی تعلقات خواہ کسی بھی ارادے سے قائم کیے جائیں اس کے تحت وہ (ایلاء کے قانون کے تحت طلاق دینے کی) ذمہ داری سے بری ہو جائے گا۔

شافعی :اگر وہ روزانہ رجوع کا فیصلہ کرے تو پھر چار ماہ گزرنے پر کس طرح یہ لازم آتا ہے کہ وہ طلاق بھی دے۔ جب یہ

اس نے اس کا ارادہ کیا اور نہ ہی اس پر بات کی ہے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ دلیل کسی کی عقل میں بھی آ سکتی ہے؟ سائل : یہ دلیل عقل کے خلاف کیسے ہے؟

شافعی : اگر ایک شخص اپنی بیوی سے کہے، "خدا کی قسم میں کبھی تمہارے قریب نہ آؤں گا۔" یا یہ کہے "تمہیں چار مہینے کے لئے طلاق ہے۔" تو آپ اس کے بارے میں کیا کہیں گے؟ سائل : اگر میں کہوں کہ ہاں؟ شافعی : اگر اس نے چار ماہ سے قبل ازدواجی تعلقات قائم کر لیے تو؟

سائل : یہ تو نہیں ہو سکتا۔ (ازدواجی تعلقات قائم نہ کرنے کی قسم کھانا) یا چار ماہ کے لئے طلاق دے دینا ایک جیسی بات تو نہیں ہے۔

شافعی : ایک ایلاء کرنے والے شخص کا قسم کھانا طلاق نہیں ہے۔ یہ محض ایک قسم ہے جو مدت گزرنے کے بعد طلاق میں تبدیل ہو جائے گی۔ کیا کسی بھی عقل مند شخص کے لئے یہ درست ہے کہ وہ کسی آیت یا حدیث کے بغیر اپنی طرف سے کوئی بات کہے؟ سائل : یہ دلیل تو آپ کے نقطہ نظر کے بھی خلاف ہے۔ شافعی : وہ کیسے؟

سائل : آپ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اگر چار ماہ کی مدت ختم ہو جائے تو اب ایلاء کرنے والے شخص کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کرے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اسے طلاق دینے پر مجبور کیا جائے گا۔

شافعی : ایلاء کی قسم کھا لینے سے طلاق واقع نہیں ہو جاتی۔ یہ ایک ایسی قسم ہے جس کے بارے میں اللہ نے وقت مقرر کر دیا ہے تاکہ خاوند بیوی کو (لٹکا کر) نقصان نہ پہنچائے۔ اس نے حکم یہ دیا ہے کہ اب یا تو وہ رجوع کرے یا پھر طلاق دے۔ اس حکم کی مدت قسم کھانے کے وقت سے چار ماہ مقرر کر دی گئی ہے۔ اس کے بعد اس شخص کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ دو میں ایک راستے کا اختیار کر لے۔ یا تو خاتون سے رجوع کرے یا پھر اسے طلاق دے۔ اگر وہ ان دونوں سے انکار کرے تو حکمران اسے مجبور کرے گا کہ وہ اس کی طلاق کو جاری کر دے جس کے بعد اس کے لئے ازدواجی تعلقات قائم رکھنا ممنوع قرار پائے۔

مدت ایلاء کے بعد وقوع طلاق میں فقہ حنفی کے دلائل

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اصل حکم جو ہے کہ یہ شخص اپنی عورت سے قربت کی قسم کھائے، رب عزوجل نے اسے چار مہینے کی مہلت دی ہے، اگر چار مہینے کے اندر قربت کرے گا تو عورت نکاح سے نہ نکلے گی کفارہ دینا ہوگا، اور اگر چار مہینے کامل گزر جائینگے تو ایک طلاق بائن ہو جائے گی، عورت نکاح سے نکل جائے گی، پھر دوسرے یا تیسرے مہینے کوئی طلاق نہ ہوگی،

قال اللہ تعالٰی للذین یؤلون من نساء ھم تربص اربعۃ اشھر فان فآؤ فان اللہ غفور رحیم○ وان عزمو االطلاق فان اللہ سمیع علیم○ واللہ تعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا : وہ لوگ جو بیویوں سے ایلاء کرتے ہیں ان کی قسم کی مدت چار ماہ ہے اگر اس دوران رجوع کر لیں تو اللہ تعالٰی بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے، اور اگر وہ (رجوع نہ کر کے) طلاق کا عزم کئے ہوں تو اللہ تعالٰی سننے والا جاننے والا

ہے۔

آثار سے طلاق ایلاء کا بیان

ابن شہاب سے روایت ہے کہ سعید بن مسیب اور ابو بکر بن عبدالرحمٰن کہتے تھے جو شخص ایلاء کرے اپنی عورت سے تو جب چار مہینے گزر جائیں ایک طلاق پڑ جائے گی مگر خاوند کو اختیار ہے کہ جب تک عورت عدت میں ہے رجعت کر لے۔

عَنْ مَالِكٍ انَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ كَانَ يَقْضِي فِي الرَّجُلِ إِذَا آلَى مِنْ امْرَأَتِهِ أَنَّهَا إِذَا مَضَتْ الْأَرْبَعَةُ الْأَشْهُرِ فَهِيَ تَطْلِيقَةٌ وَلَهُ عَلَيْهَا الرَّجْعَةُ مَا دَامَتْ فِي عِدَّتِهَا

مالک کو پہنچا کہ مروان بن حکم کہتے تھے جب کوئی شخص اپنی عورت سے ایلاء کرے اور چار مہینے گزر جائیں تو ایک طلاق پڑ جائے گی مگر خاوند کو اختیار رہے گا کہ جب تک عورت عدت میں ہے رجعت کر لے۔

قَالَ مَالِكٌ وَعَلَى ذَلِكَ كَانَ رَأْيُ ابْنِ شِهَابٍ کہا مالک نے ابن شہاب کی دلیل یہی تھی۔

عَنْ مَالِكٍ أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ شِهَابٍ عَنْ إِيلَاءِ الْعَبْدِ فَقَالَ هُوَ نَحْوُ إِيلَاءِ الْحُرِّ وَهُوَ عَلَيْهِ وَاجِبٌ وَإِيلَاءُ الْعَبْدِ شَهْرَانِ۔

امام مالک علیہ الرحمہ نے ابن شہاب سے غلام کی ایلاء کا حال پوچھا تو ابن شہاب نے کہا کہ غلام کا ایلاء بھی آزاد شخص کی طرح ہے مگر غلام کی مدت دو مہینے ہے۔ (موطا امام مالک علیہ الرحمہ: جلد اول: حدیث نمبر 1047)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے حضرت امام مالک علیہ الرحمہ والی روایت جو انہوں حضرت نافع روایت کی ہے وہ سب زیادہ صحیح سند والی ہے۔ اور اس کے سوا والی کوئی روایت مرتبے میں اس کے موافق نہیں ہے۔ (اس میں بھی مدت ایلاء کے بعد وقوع طلاق کا بیان ہے)۔ (فتح القدیر، ج ۸، ص ۲۸۰، بیروت)

قوت آثار کے مطابق فقہ حنفی کا موقف طلاق ایلاء میں اصح

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ فقہاء شوافع کے دلائل کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہم شوافع کے مذہب کا اس لئے رد کرتے ہیں کہ بہت سے آثار میں تعارض ہے۔ اور اصول کے مطابق آثار میں ترجیح دی ہے اور معروف چار آثار حسب ذیل ہیں۔

(۱) امام عبدالرزاق علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما ایلاء کے بارے میں فرماتے ہیں جب چار ماہ اس کی عدت گزر جائے تو اسے ایک طلاق ہے اور وہ اپنی جان کی زیادہ حقدار ہے اور مطلقہ والی عدت گزارے۔ اس کی سند سب سے جید ہے جبکہ اس سے اختلافی سند میں حبیب کی پہچان بھی نہیں ہے اور یہ بھی کوئی نہیں جانتا کہ طاؤس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اخذ کیا ہے لہذا وہ سند منقطع ہے۔

(۲) امام عبدالرزاق علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ حضرت علی، ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم ایلاء کے بارے میں

فرماتے ہیں جب چار اس کی عدت گزر جائے تو اسے ایک طلاق ہے اور وہ اپنی جان کی زیادہ حقدار ہے اور مطلقہ والی عدت گزارے۔ اور ان میں ہر ایک کی روایت مرسل ہے۔

(۳)(۴) امام ابن ابی شیبہ علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم دونوں فرماتے ہیں کہ جب کسی شخص نے ایلاء کیا اور رجوع نہ کیا اور اس کی مدت گزر گئی تو اسے ایک طلاق بائنہ ہو جائے گی۔

اس روایت کے رواۃ تمام وہی ہیں جن کی تخریج امام بخاری اور امام مسلم کی ہے۔ لہذا اس کے تمام راوی صحیح ہیں۔ سب سے تقدم اس روایت کو ہوتا ہے جس کو امام بخاری اور امام مسلم نے بیان کیا ہو اور ان کے بعد تقدم اس روایت کو ہوتا ہے جو روایت ان کے شرط کے مطابق صحیح ہو اور یہ روایت امام بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ (فتح القدیر، بتصرف، ج ۸، ص ۲۸۲، بیروت)

مدت ایلاء کے گزر جانے سے وقوع طلاق میں مذاہب اسلاف

حضرت عثمان، ابن مسعود، زید بن ثابت وغیرہم کے نزدیک رُجوع کا موقع چار مہینے کے اندر ہی ہے۔ اس مدت کا گزر جانا خود اس بات کی دلیل ہے کہ شوہر نے طلاق کا عزم کر لیا ہے، اس لیے مدت گزرتے ہی طلاق خود بخود واقع ہو جائے گی اور وہ ایک طلاق بائن ہوگی، یعنی دورانِ عدت میں شوہر کو رجوع کا حق نہ ہوگا۔ البتہ اگر وہ دونوں چاہیں، تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔ حضرات عمر، علی، ابنِ عباس اور ابنِ عمر سے بھی ایک قول اسی معنی میں منقول ہے اور فقہائے حنفیہ نے اسی دلیل کو قبول کیا ہے۔

سعید بن مُسیّب، مکحول، زُہری وغیرہ حضرات اس دلیل سے یہاں تک تو متفق ہیں کہ چار مہینے کی مدت گزرنے کے بعد خود بخود طلاق واقع ہو جائے گی، مگر اُن کے نزدیک وہ ایک طلاق رجعی ہوگی، یعنی دورانِ عدت میں شوہر کو رجوع کر لینے کا حق ہوگا اور رجوع نہ کرے تو عدت گزر جانے کے بعد دونوں اگر چاہیں، تو نکاح کر سکیں گے۔

بخلاف اس کے حضرت عائشہؓ، ابوالدّرداء اور اکثر فقہائے مدینہ کی دلیل یہ ہے کہ چار مہینے کی مدت گزرنے کے بعد معاملہ عدالت میں پیش ہوگا اور حاکمِ عدالت شوہر کو حکم دے گا کہ یا تو اس عورت سے رُجوع کرے یا اسے طلاق دے۔ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور ابنِ عمرؓ کا ایک قول اس کی تائید میں بھی ہے اور امام مالک علیہ الرحمہ و شافعی نے اسی کو قبول کیا ہے۔

نوٹ: اس مسئلہ کی سب سے جامع تحقیق علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ نے فتح القدیر میں کی ہے جو یقیناً لاجواب ہے اور ان کی بیان کردہ اس بحث کے بعد فقہ حنفی کی ترجیح روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی اہل علم فتح القدیر میں بیان کردہ اسناد و احوال اور دلائل قاہرہ اور کئی فقہی اصول جو اس بحث کے پس منظر میں بیان ہوئے ہیں ان کی طرف رجوع کریں۔ (رضوی عفی عنہ)

ایلاء مؤقت وغیر مؤقت کا بیان

﴿فَإِنْ كَانَ حَلَفَ عَلٰى أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَقَدْ سَقَطَتِ الْيَمِيْنُ﴾ لِأَنَّهَا كَانَتْ مُؤَقَّتَةً بِهٖ ﴿وَإِنْ كَانَ حَلَفَ عَلَى الْأَبَدِ فَالْيَمِيْنُ بَاقِيَةٌ﴾ لِأَنَّهَا مُطْلَقَةٌ وَلَمْ يُوْجَدِ الْحِنْثُ لِتَرْتَفِعَ بِهٖ إِلَّا أَنَّهٗ

قربت گزرنے پر طلاق نہ ہوگی مگر قسم باقی ہے اگر جماع کریگا کفارہ واجب ہوگا۔ اور اگر پہلی یا دوسری طلاق کے بعد عورت نے کسی اور سے نکاح کیا اس کے بعد پھر اس سے نکاح کیا تو مستقل طور پر اب سے تین طلاق کا مالک ہوگا مگر ایلاء رہے گا یعنی قربت نہ کرنے پر طلاق ہو جائے گی پھر نکاح کیا پھر وہی حکم ہے پھر ایک یا دو طلاق کے بعد کسی سے نکاح کیا پھر اس سے نکاح کیا پھر وہی حکم ہے یعنی جب تک تین طلاق کے بعد دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے ایلاء بدستور باقی رہے گا۔ (عالمگیری، باب ایلاء)

ایلاء کی قسم کے ابدی ہونے کا بیان

ایلاء میں، اگر اللہ کی قسم، کرتو اس سے رجوع کرنے پر کفارہ لازم ہوگا، اور اگر کوئی شرط رکھی تھی تو وہ جزاء لازم آئے گی، اور ایلاء ساقط ہو جائیگا ورنہ قسم کو پورا کرنے پر بیوی ایک طلاق سے بائنہ ہو جائیگی اور حلف مقررہ وقت کیلئے ہو تو ختم ہو جائے گا اور اگر حلف ابدی ہو تو ختم نہ ہوگا، لہذا دوبارہ اور سہ بارہ نکاح کرنے پر ایلاء کی مدت پورا ہونے اور رجوع نہ کرنے پر دوسری اور تیسری طلاق سے بائنہ ہوتی رہے گی اور قسم کی مدت کا اعتبار نکاح کے وقت ہوگا لہذا اگر بیوی حلالہ کے بعد واپس اس کے نکاح میں آئے تو طلاق نہ ہوگی تاہم وطی کرنے پر کفارہ ضرور لازم ہوگا کیونکہ قسم ابدی ہونے کی دلیل سے باقی ہے

ایلاء سے متعلق جملے میں استثناء کا حکم

﴿وَلَوْ قَالَ وَاللّٰهِ لَا اَقْرَبُكِ سَنَةً اِلَّا يَوْمًا لَمْ يَكُنْ مُولِيًا﴾ خِلَافًا لِزُفَرَ، هُوَ يَصْرِفُ الْاِسْتِثْنَاءَ اِلَى آخِرِهَا اعْتِبَارًا بِالْاِجَارَةِ فَتَمَّتْ مُدَّةُ الْمَنْعِ .وَلَنَا اَنَّ الْمُوْلِيَ مَنْ لَا يُمْكِنُهُ الْقُرْبَانُ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ اِلَّا بِشَيْءٍ يَلْزَمُهُ وَهٰهُنَا يُمْكِنُهُ لِاَنَّ الْمُسْتَثْنَى يَوْمٌ مُنَكَّرٌ، بِخِلَافِ الْاِجَارَةِ لِاَنَّ الصَّرْفَ اِلَى الْآخِرِ لِتَصْحِيحِهَا فَاِنَّهَا لَا تَصِحُّ مَعَ التَّنْكِيرِ وَلَا كَذٰلِكَ الْيَمِينُ ﴿وَلَوْ قَرِبَهَا فِي يَوْمٍ وَالْبَاقِي اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ اَوْ اَكْثَرُ صَارَ مُولِيًا﴾ لِسُقُوطِ الْاِسْتِثْنَاءِ .﴿وَلَوْ قَالَ وَهُوَ بِالْبَصْرَةِ وَاللّٰهِ لَا اَدْخُلُ الْكُوفَةَ وَامْرَاَتُهُ بِهَا لَمْ يَكُنْ مُولِيًا﴾ لِاَنَّهُ يُمْكِنُهُ الْقُرْبَانُ مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ يَلْزَمُهُ بِالْاِخْرَاجِ مِنَ الْكُوفَةِ ﴿قَالَ .وَلَوْ حَلَفَ بِحَجٍّ اَوْ بِصَوْمٍ اَوْ بِصَدَقَةٍ اَوْ عِتْقٍ اَوْ طَلَاقٍ فَهُوَ مُولٍ﴾ لِتَحَقُّقِ الْمَنْعِ بِالْيَمِينِ وَهُوَ ذِكْرُ الشَّرْطِ وَالْجَزَاءِ، وَهٰذِهِ الْاَجْزِيَةُ مَانِعَةٌ لِمَا فِيهَا مِنَ الْمَشَقَّةِ .وَصُورَةُ الْحَلِفِ بِالْعِتْقِ اَنْ يُعَلِّقَ بِقُرْبَانِهَا عِتْقَ عَبْدِهِ، وَفِيهِ خِلَافُ اَبِي يُوسُفَ فَاِنَّهُ يَقُولُ يُمْكِنُهُ الْبَيْعُ ثُمَّ الْقُرْبَانُ فَلَا يَلْزَمُهُ شَيْءٌ وَهُمَا يَقُولَانِ الْبَيْعُ مَوْهُومٌ فَلَا يَمْنَعُ الْمَانِعِيَّةَ فِيهِ، وَالْحَلِفُ بِالطَّلَاقِ اَنْ يُعَلِّقَ بِقُرْبَانِهَا طَلَاقَهَا اَوْ طَلَاقَ صَاحِبَتِهَا وَكُلُّ ذٰلِكَ مَانِعٌ .

ترجمہ

اور اگر اس نے یہ کہا: اللہ کی قسم! میں ایک دن کم ایک سال تک تمہارے قریب نہیں آؤں گا تو وہ ایلاء کرنے والا شمار نہیں ہوگا۔ امام زفر کی دلیل مختلف ہے وہ استثناء کو آخری حصے کی طرف پھیرتے ہیں اسے اجارہ پر قیاس کرتے ہوئے لہٰذا منع کرنے کی نسبت مکمل ہو جائے گی۔ ہماری دلیل یہ ہے: (شرعی طور پر) ایلاء کرنے والا وہ شخص ہوتا ہے جو کسی بھی چیز کو اپنے اوپر لازم کیے بغیر چار ماہ تک عورت کے قریب جانا ممکن نہ ہو اور اس صورت میں مرد کے لئے کسی چیز کو لازم کیے بغیر ایسا کرنا ممکن ہے جبکہ اجارہ کا حکم اس سے مختلف ہے کیونکہ اسے آخری طرف پھیرا جاتا ہے تا کہ اسے صحیح قرار دیا جا سکے کیونکہ وہ اجارہ (غیر متعین) کے ہمراہ درست نہیں ہوتا اور یمین میں یہ صورت نہیں ہوگی۔ اگر شوہر نے اس صورت میں عورت کے ساتھ صحبت کر لی اور بقیہ مدت چار ماہ یا اس سے زائد ہوگی تو وہ ایلاء کرنے والا شمار ہوگا کیونکہ اب استثناء ساقط ہو چکا ہے۔ اگر شوہر نے یہ کہا: جبکہ وہ بصرہ میں مقیم ہو اللہ کی قسم! میں کوفہ میں داخل نہیں ہوں گا حالانکہ اس کی بیوی وہاں ہو تو وہ ایلاء کرنے والا شمار نہیں ہوگا کیونکہ اس کے لئے یہ بات ممکن ہے وہ اپنے اوپر کوئی چیز لازم کیے بغیر عورت کو کوفہ سے باہر لے جا کر (اس کے ساتھ صحبت کر لے) اگر اس نے حج کرنے یا روزہ رکھنے یا صدقہ کرنے یا غلام آزاد کرنے یا طلاق دینے کی قسم اٹھائی تو وہ ایلاء کرنے والا شمار ہوگا کیونکہ قسم کے نتیجے میں رکاوٹ متحقق ہوگئی ہے اور وہ چیز شرط اور جزاء کا ذکر کرنا ہے اور یہ تمام جزاء اس کے لئے رکاوٹ ہوگی کیونکہ اس میں مشقت پائی جاتی ہے۔ غلام آزاد کرنے کے بارے میں قسم اٹھانے کی صورت یہ ہے: وہ عورت کے ساتھ صحبت کو غلام کی آزادی کے ساتھ معلق کر دے۔ اس بارے میں امام ابو یوسف کی دلیل مختلف ہے وہ یہ فرماتے ہیں: مرد کے لئے یہ بات ممکن ہے کہ وہ پہلے غلام کو فروخت کر دے اور پھر عورت کے ساتھ صحبت کرے اس لیے اس سے کوئی بھی چیز لازم نہیں ہوگی۔ طرفین یہ فرماتے ہیں: یہاں پر "بیع" کا امکان موہوم ہے لہٰذا یہ اس بارے میں مانعیت کو روکے گی نہیں۔ طلاق کے ساتھ قسم اٹھانے کی صورت یہ ہے: مرد اس کی طلاق کو یا اس کی سوکن کی طلاق کو صحبت کے ساتھ معلق کر دے اور یہ دونوں باتیں رکاوٹ ہیں۔

قسم کھانے کی صورت میں ترک تعلق میں مذاہب اربعہ

اِصطلاحِ شرع میں اس کو ایلاء کہتے ہیں۔ میاں اور بیوی کے درمیان تعلقات ہمیشہ خوش گوار تو نہیں رہ سکتے۔ بگاڑ کے اسباب پیدا ہوتے ہی رہتے ہیں۔ لیکن ایسے بگاڑ کو خدا کی شریعت پسند نہیں کرتی کہ دونوں ایک دوسرے کیساتھ قانونی طور پر رشتہ ازدواج میں تو بندھے رہیں، مگر عملاً ایک دُوسرے سے اس طرح الگ رہیں کہ گویا وہ میاں اور بیوی نہیں ہیں۔ ایسے بگاڑ کے لیے اللہ تعالیٰ نے چار مہینے کی مدت مقرر کر دی کہ یا تو اس دَوران میں اپنے تعلقات درست کر لو، ورنہ ازدواج کا رشتہ منقطع کر دو تا کہ دونوں ایک دُوسرے سے آزاد ہو کر جس سے نباہ کر سکیں، اس کے ساتھ نکاح کر لیں۔

آیت میں چونکہ قسم کھا لینے کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، اس لیے فقہائے حنفیہ اور شافعیہ نے اس آیت کا منشا یہ سمجھا ہے کہ

جہاں شوہر نے بیوی سے تعلق زن وشوئی رکھنے کی قسم کھائی ہو، صرف وہیں اس حکم کا اطلاق ہوگا، باقی رہا قسم کھائے بغیر تعلق منقطع کر لینا، تو یہ خواہ کتنی ہی طویل مدت کے لیے ہو، اس آیت کا حکم اس صورت پر چسپاں نہ ہوگا۔ مگر فقہائے مالکیہ کی دلیل یہ ہے کہ خواہ قسم کھائی گئی ہو یا نہ کھائی گئے ہو، دونوں صورتوں میں ترکِ تعلق کے لیے یہی چار مہینے کی مدت ہے۔ ایک قول امام احمد کا بھی اسی کی تائید میں ہے۔ (بدایۃ المجتہد، جلد دوم، کتاب طلاق)

حضرت علیؓ اور ابنِ عباسؓ اور حسن بصری کی دلیل میں یہ حکم صرف اس ترکِ تعلق کے لیے ہے، جو بگاڑ کی دلیل سے ہو۔ رہا کسی مصلحت سے شوہر کا بیوی کے ساتھ جسمانی رابطہ منقطع کر دینا، جبکہ تعلقات خوشگوار ہوں، تو اس پر یہ حکم منطبق نہیں ہوتا۔ لیکن دوسرے فقہا کی دلیل میں ہر وہ حلف جو شوہر اور بیوی کے درمیان رابطہ، جسمانی کو منقطع کر دے، ایلاء ہے اور سے چار مہینے سے زیادہ قائم نہ رہنا چاہیے، خواہ ناراضی سے ہو یا رضامندی سے

آزاد و باندی کی مدت ایلاء کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یہ بھی شرط ہے کہ چار مہینے سے کم کی مدت نہ ہو اور زدلیل کنیز ہے تو دو ماہ سے کم کی نہ ہو اور زیادہ کی کوئی حد نہیں اور زدلیل کنیز تھی اس کے شوہر نے ایلا کیا تھا اور مدت پوری نہ ہوئی تھی کہ آزاد ہو گئی تو اب اس کی مدت آزاد عورتوں کی ہے۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ جگہ معین نہ کرے اگر جگہ معین کی مثلاً واللہ فلاں جگہ تجھ سے قربت نہ کروں گا تو ایلا نہیں۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ زدلیل کے ساتھ کسی باندی یا اجنبیہ کو نہ ملائے مثلاً تجھ سے اور فلاں عورت سے قربت نہ کرونگا۔ اور یہ کہ بعض مدت کا استثنا نہ ہو مثلاً چار مہینے تجھ سے قربت نہ کرونگا مگر ایک دن۔ اور یہ کہ قربت کے ساتھ کسی اور چیز کو نہ ملائے مثلاً اگر میں تجھ سے قربت کروں یا تجھے اپنے بچھونے پر بلاؤں تو تجھ کو طلاق ہے تو یہ ایلا نہیں۔ (درمختار، باب ایلاء)

اپنی عورت سے کہا خدا کی قسم تجھ سے قربت نہ کروں گا ایک دن بعد پھر یہی کہا ایک دن اور گزرا پھر یہی کہا تو یہ تین ایلا ہوئے اور تین قسمیں۔ چار مہینے گزرنے پر ایک بائن طلاق پڑی پھر ایک دن اور گزرا تو ایک اور پڑی، تیسرے دن پھر ایک اور پڑی اب بغیر حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی، حلالہ کے بعد اگر نکاح اور قربت کی تو تین کفارے ادا کرے اور اگر ایک ہی مجلس میں یہ لفظ تین بار کہے اور نیت تاکید کی ہے تو ایک ہی ایلا ہے اور ایک ہی قسم اور اگر کچھ نیت نہ ہو یا بار بار قسم کھانا تشدد کی نیت سے ہو تو ایلا ایک ہے مگر قسم تین، لہٰذا اگر قربت کریگا تو تین کفارے دے اور قربت نہ کرے تو مدت گزرنے پر ایک طلاق واقع ہوگی۔ (درمختار)

خدا کی قسم میں تجھ سے ایک سال تک قربت نہ کرونگا مگر ایک دن یا ایک گھنٹا تو فی الحال ایلا نہیں مگر جبکہ سال میں کسی دن جماع کرلیا اور ابھی سال پورا ہونے میں چار ماہ یا زیادہ باقی ہیں تو اب ایلا ہو گیا۔ اور اگر جماع کرنے کے بعد سال میں چار مہینے سے کم باقی ہے یا اُس سال قربت ہی نہ کی تو اب بھی ایلا نہ ہوا۔ اور اگر صورت مذکورہ میں ایک دن کی جگہ ایک بار کہا جب بھی یہی حکم ہے فرق صرف اتنا ہے کہ اگر ایک دن کہا ہے تو جس دن جماع کیا ہے اُس دن آفتاب ڈوبنے کے بعد سے اگر چار مہینے باقی ہیں تو ایلا ہے ورنہ نہیں اگرچہ وقت جماع سے چار مہینے ہوں اور اگر ایک بار کا لفظ کہا تو جماع سے فارغ ہونے سے چار ماہ باقی ہیں تو ایلا

ہوگیا۔ اور اگر یوں کہا کہ میں ایک سال تک جماع نہ کرونگا مگر جس دن جماع کروں تو ایلا کسی طرح نہ ہوا اور اگر یہ کہا کہ تجھ سے قربت نہ کرونگا مگر ایک دن یعنی سال کا لفظ نہ کہا تو جب کبھی جماع کریگا اُسوقت سے ایلا ہے۔ (درمختار، باب ایلاء)

طلاق رجعی یا بائنہ والی عورت سے ایلاء کرنے کا بیان

﴿وَاِنْ آلَى مِنَ الْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ كَانَ مُولِيًا، وَاِنْ آلَى مِنَ الْبَائِنَةِ لَمْ يَكُنْ مُولِيًا﴾ لِاَنَّ الزَّوْجِيَّةَ قَائِمَةٌ فِي الْاُولَى دُوْنَ الثَّانِيَةِ، وَمَحَلُّ الْاِيلَاءِ مَنْ تَكُوْنُ مِنْ نِسَائِنَا بِالنَّصِّ، فَلَوْ انْقَضَتِ الْعِدَّةُ قَبْلَ انْقِضَاءِ مُدَّةِ الْاِيلَاءِ سَقَطَ الْاِيلَاءُ لِفَوَاتِ الْمَحَلِّيَّةِ ﴿وَلَوْ قَالَ لِاَجْنَبِيَّةٍ وَاللّٰهِ لَا اَقْرَبُكِ اَوْ اَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّي ثُمَّ تَزَوَّجَهَا لَمْ يَكُنْ مُولِيًا وَلَا مُظَاهِرًا﴾ لِاَنَّ الْكَلَامَ فِي مَخْرَجِهِ وَقَعَ بَاطِلًا لِانْعِدَامِ الْمَحَلِّيَّةِ فَلَا يَنْقَلِبُ صَحِيحًا بَعْدَ ذٰلِكَ ﴿وَاِنْ قَرِبَهَا كَفَّرَ﴾ لِتَحَقُّقِ الْحِنْثِ اِذِ الْيَمِينُ مُنْعَقِدَةٌ فِي حَقِّهِ ﴿وَمُدَّةُ اِيلَاءِ الْاَمَةِ شَهْرَانِ﴾ لِاَنَّ هٰذِهِ مُدَّةٌ ضُرِبَتْ اَجَلًا لِلْبَيْنُوْنَةِ فَتَتَنَصَّفُ بِالرِّقِّ كَمُدَّةِ الْعِدَّةِ.

ترجمہ

اور جب شوہر کسی عورت سے ایلاء کرے جسے پہلے رجعی طلاق دی جا چکی ہو تو مرد ایلاء کرنے والا شمار ہوگا' لیکن اگر اسے بائنہ طلاق ہو چکی ہو اور اس کے ساتھ ایلاء کرے تو یہ ایلاء ثابت نہیں ہوگا' اس کی دلیل یہ ہے: پہلی صورت میں میاں بیوی کا رشتہ قائم ہے اور دوسری صورت میں یہ قائم نہیں رہتا کیونکہ قرآن پاک سے یہ ثابت ہے' ایلاء صرف بیوی کے ساتھ ہو سکتا ہے' اس لیے اگر ایلاء کی مدت گزرنے سے پہلے' عورت کی عدت ختم ہو گئی' تو ایلاء بھی ساقط ہو جائے گا' کیونکہ ایلاء کا محل باقی نہیں رہا۔ اگر مرد نے کسی اجنبی عورت سے یہ کہہ دیا: اللہ کی قسم! میں تمہارے ساتھ قربت نہیں کروں گا' یا تم میرے لیے میری ماں کی پشت کی طرح ہو' اور پھر وہ اس عورت کے ساتھ نکاح کر لے تو وہ ایلاء کرنے والا شمار نہیں ہوگا اور نہ ہی ظہار کرنے والا شمار ہوگا' کیونکہ یہ قول اپنے آغاز میں ہی باطل شمار ہو گیا' کیونکہ اجنبی عورت (ایلاء یا ظہار) کا محل نہیں ہوتی' لہٰذا یہ قول درست شمار نہیں ہوگا۔ لیکن اگر مرد اس عورت کے ساتھ صحبت کر لیتا ہے تو اسے کفارہ دینا پڑے گا' کیونکہ قسم ٹوٹنے کی صورت پائی جا رہی ہے' کیونکہ مرد کے حق میں قسم منعقد ہو گئی تھی۔ کنیز کے ایلاء کی مدت دو مہینے ہے' کیونکہ اسی مدت کو ان کے لیے علیحدگی کی آخری حد قرار دیا گیا ہے' لہٰذا عدت کی مدت کی طرح غلامی کی دلیل سے یہ مدت بھی نصف ہو جائے گی۔

شرح

جس عورت کو طلاق بائن دی ہے اُس سے ایلا نہیں ہو سکتا اور رجعی دی ہے تو عدت میں ہو سکتا ہے مگر وقت ایلا سے چار مہینے پورے نہ ہوئے تھے کہ عدت ختم ہو گئی تو ایلا ساقط ہو گیا اور اگر ایلا کرنے کے بعد طلاق بائن دی تو طلاق ہو گئی اور وقت ایلا سے چار

مہینے گزرے اور ہنوز طلاق کی عدت پوری نہ ہوئی تو دوسری طلاق پھر پڑی اور اگر عدت پوری ہونے پر ایلا کی مدت پوری ہوئی تو اب ایلا کی دلیل سے طلاق نہ پڑے گی۔ اور اگر ایلا کے بعد طلاق دی اور عدت کے اندر اُس سے پھر نکاح کر لیا تو ایلا بدستور باقی ہے یعنی وقت ایلا سے چار مہینے گزرنے پر طلاق واقع ہو جائے گی اور عدت پوری ہونے کے بعد نکاح کیا جب بھی ایلا ہے مگر وقت نکاح ثانی سے چار ماہ گزرنے پر طلاق ہوگی۔ (فتاویٰ خانیہ، باب ایلاء)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی نے یہ کہا کہ خدا کی قسم تجھ سے قربت نہ کرونگا دو مہینے اور دو مہینے تو ایلا ہو گیا۔ اور اگر یہ کہا کہ واللہ دو مہینے تجھ سے قربت نہ کروں گا پھر ایک دن بعد بلکہ تھوڑی دیر بعد کہا واللہ اُن دو مہینوں کے بعد دو مہینے قربت نہ کرونگا تو ایلا نہ ہوا مگر اس مدت میں جماع کریگا تو قسم کا کفارہ لازم ہے۔ اگر کہا قسم خدا کی تجھ سے چار مہینے قربت نہ کرونگا مگر ایک دن، پھر فوراً کہا واللہ اُس دن بھی قربت نہ کرونگا تو ایلا ہو گیا۔ (درمختار، باب ایلاء)

ایلاء کرنے والا شخص یا اس کی بیوی بیمار ہوں تو ان کا حکم

﴿وَإِنْ كَانَ الْمُولِي مَرِيضًا لَا يَقْدِرُ عَلَى الْجِمَاعِ أَوْ كَانَتْ مَرِيضَةً أَوْ رَتْقَاءَ أَوْ صَغِيرَةً لَا تُجَامَعُ أَوْ كَانَتْ بَيْنَهُمَا مَسَافَةٌ لَا يَقْدِرُ أَنْ يَصِلَ إِلَيْهَا فِي مُدَّةِ الْإِيلَاءِ فَفَيْؤُهُ أَنْ يَقُولَ بِلِسَانِهِ فِئْتُ إِلَيْهَا فِي مُدَّةِ الْإِيلَاءِ، فَإِنْ قَالَ ذَلِكَ سَقَطَ الْإِيلَاءُ﴾ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا فَيْءَ إِلَّا بِالْجِمَاعِ وَإِلَيْهِ ذَهَبَ الطَّحَاوِيُّ، لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ فَيْئًا لَكَانَ حِنْثًا. وَلَنَا أَنَّهُ آذَاهَا بِذِكْرِ الْمَنْعِ فَيَكُونُ إِرْضَاؤُهَا بِالْوَعْدِ بِاللِّسَانِ، وَإِذَا ارْتَفَعَ الظُّلْمُ لَا يُجَازَى بِالطَّلَاقِ ﴿وَلَوْ قَدَرَ عَلَى الْجِمَاعِ فِي الْمُدَّةِ بَطَلَ ذَلِكَ الْفَيْءُ وَصَارَ فَيْؤُهُ بِالْجِمَاعِ﴾ لِأَنَّهُ قَدَرَ عَلَى الْأَصْلِ قَبْلَ حُصُولِ الْمَقْصُودِ بِالْخَلَفِ۔

ترجمہ

اور اگر ایلاء کرنے والا شخص بیمار ہو صحبت کرنے پر قادر نہ ہو یا عورت بیمار ہو یا کوئی اور جسمانی عیب ہو یا عورت نابالغ ہو جس کے ساتھ صحبت نہ کی جاسکتی ہو یا میاں بیوی کے درمیان اتنی دوری ہو کہ ایلاء کی مدت تک مرد عورت تک نہ پہنچ سکتا ہو تو اس کے لئے رجوع کا طریقہ یہ ہوگا: وہ اپنی زبان کے ذریعے یہ کہے: میں نے ایلاء کی مدت میں اس سے رجوع کیا' جب وہ یہ الفاظ کہہ دے گا: تو ایلاء ساقط ہو جائے گا۔ امام شافعی فرماتے ہیں: صرف صحبت کے ذریعے رجوع ثابت ہو سکتا ہے امام طحاوی بھی اسی بات کے قائل ہیں اس کی دلیل یہ ہے: اگر اس عمل کو رجوع قرار دیا جائے' تو یہ قسم توڑنا بھی ہونا چاہئے۔ ہماری دلیل یہ ہے: مرد نے صحبت سے رکنے کا ذکر کر کے عورت کو تکلیف دی اب عورت کو راضی کرنا بھی اسی طریقے کے ساتھ ہوگا' جب اس کے ساتھ زبانی طور پر یہ وعدہ کرلے' نیز جب زیادتی کا ازالہ ہو گیا' تو اب اسے طلاق کی سزا نہیں دی جاسکتی۔ البتہ اگر ایلاء کی مدت میں وہ صحبت کرنے پر قادر

ہو جائے تو زبانی طور پر اس کا رجوع کرنا باطل قرار دیا جائے گا اور پھر عملی طور پر صحبت کے ذریعے رجوع درست ہو سکے گا کیونکہ وہ رجوع کی اصل صورت پر قادر ہو چکا ہے اور اس سے پہلے وہ اس اصل صورت کے نائب یعنی زبانی اقرار کے ذریعے اپنے مقصد کو حاصل کر پایا تھا۔

دو مرتبہ ایلاء کی مدت میں فقہی بیان

مریض نے ایلا کیا پھر دس دن کے بعد دوبارہ ایلا کے الفاظ کہے تو دو ایلا ہیں اور دو قسمیں اور دونوں کی دو مدتیں اگر دونوں مدتیں پوری ہونے سے پہلے زبانی رجوع کر لیا اور دونوں مدتیں پوری ہونے تک بیمار رہا تو زبانی رجوع صحیح ہے دونوں ایلا جاتے رہے۔ اور اگر پہلی مدت پوری ہونے سے پہلے اچھا ہو گیا تو وہ رجوع کرنا بیکار گیا اور اگر زبانی رجوع نہ کیا تھا تو دونوں مدتیں پوری ہونے پر دو طلاقیں واقع ہونگی اور اگر جماع کرے گا تو دونوں قسمیں ٹوٹ جائیں گی اور دو کفارے لازم اور اگر پہلی مدت پوری ہونے سے پہلے زبانی رجوع کیا اور مدت پوری ہونے پر اچھا ہو گیا تو اب دوسرے کے لیے وہ کافی نہیں بلکہ جماع ضروری ہے۔ (عالم گیری، کتاب طلاق)

ایلا کیا اور مدت کے اندر قسم توڑنا چاہتا ہے مگر وطی کرنے سے عاجز ہے کہ وہ خود بیمار ہے یا عورت بیمار ہے یا عورت صغیر سن ہے یا عورت کا مقام بند ہے کہ وطی ہو نہیں سکتی یا یہی نامرد ہے یا اسکا عضو کاٹ ڈالا گیا ہے یا عورت اتنے فاصلہ پر ہے کہ چار مہینے میں وہاں نہیں پہنچ سکتا یا خود قید ہے اور قید خانہ میں وطی نہیں کرسکتا اور قید بھی ظلماً ہو یا عورت جماع نہیں کرنے دیتی یا کہیں ایسی جگہ ہے کہ اسکو اُسکا پتا نہیں تو ایسی صورتوں میں زبان سے رجوع کے الفاظ کہہ لے مثلاً کہے میں نے رجوع کر لیا یا ایلا کو باطل کر دیا یا میں نے اپنے قول سے رجوع کیا یا واپس لیا تو ایلا جاتا رہیگا یعنی مدت پوری ہونے پر طلاق واقع نہ ہوگی اور احتیاط یہ ہے کہ گواہوں کے سامنے کہے مگر قسم اگر مطلق ہے یا مؤبد تو وہ بحالہ باقی ہے جب وطی کریگا کفارہ لازم آئیگا۔ اور اگر چار مہینے کی تھی اور چار مہینے کے بعد وطی کی تو کفارہ نہیں مگر زبان سے رجوع کرنے کے لیے یہ شرط ہے کہ مدت کے اندر یہ عجز قائم رہے اور اگر مدت کے اندر زبانی رجوع کے بعد وطی پر قادر ہو گیا تو زبانی رجوع ناکافی ہے وطی ضرور ہے۔ (جوہرہ وغیرہما)

اگر کسی عذر شرعی کی دلیل سے وطی نہیں کرسکتا مثلاً خود یا عورت نے حج کا احرام باندھا ہے اور ابھی حج پورے ہونے میں چار مہینے کا عرصہ ہے تو زبان سے رجوع نہیں کرسکتا۔ یونہی اگر کسی کے حق کی دلیل سے قید ہے تو زبانی رجوع کافی نہیں کہ یہ عاجز نہیں کہ حق ادا کر کے قید سے رہائی پا سکتا ہے اور اگر جہاں عورت ہے وہاں تک چار مہینے سے کم میں پہنچے گا مگر دشمن یا بادشاہ جانے نہیں دیتا تو یہ عذر نہیں۔ (درمختار)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ وطی سے عاجز نے دل سے رجوع کر لیا مگر زبان سے کچھ نہ کہا تو رجوع نہیں۔ جس وقت ایلا کیا اُس وقت عاجز نہ تھا پھر عاجز ہو گیا تو زبانی رجوع کافی نہیں مثلاً تندرست نے ایلا کیا پھر بیمار ہو گیا تو اب رجوع کے لیے وطی ضرور ہے، مگر جبکہ ایلا کرتے ہی بیمار ہو گیا اتنا وقت نہ ملا کہ وطی کرتا تو زبان سے کہہ لینا کافی ہے اور اگر مریض

نے ایلا کیا تھا اور ابھی اچھا نہ ہوا تھا کہ عورت بیمار ہوگئی، اب یہ اچھا ہو گیا تو زبانی رجوع نا کافی ہے۔ (رد محتار، کتاب طلاق)

بیوی کو اپنے پر حرام قرار دینے کا حکم

﴿وَإِذَا قَالَ لِامْرَأَتِهِ أَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ سُئِلَ عَنْ نِيَّتِهِ﴾ ، فَإِنْ قَالَ أَرَدْتُ الْكَذِبَ فَهُوَ كَمَا قَالَ لِأَنَّهُ نَوَى حَقِيقَةَ كَلَامِهِ، وَقِيلَ لَا يُصَدَّقُ فِي الْقَضَاءِ لِأَنَّهُ يَمِينٌ ظَاهِرًا ﴿وَإِنْ قَالَ أَرَدْتُ الطَّلَاقَ فَهِيَ تَطْلِيقَةٌ بَائِنَةٌ إِلَّا أَنْ يَنْوِيَ الثَّلَاثَ﴾ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي الْكِنَايَاتِ ﴿وَإِنْ قَالَ أَرَدْتُ الظِّهَارَ فَهُوَ ظِهَارٌ﴾ وَهٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ .وَقَالَ مُحَمَّدٌ :لَيْسَ بِظِهَارٍ لِانْعِدَامِ التَّشْبِيهِ بِالْمُحَرَّمَةِ وَهُوَ الرُّكْنُ فِيهِ .وَلَهُمَا أَنَّهُ أَطْلَقَ الْحُرْمَةَ وَفِي الظِّهَارِ نَوْعُ حُرْمَةٍ وَالْمُطْلَقُ يَحْتَمِلُ الْمُقَيَّدَ ﴿وَإِنْ قَالَ أَرَدْتُ التَّحْرِيمَ أَوْ لَمْ أُرِدْ بِهِ شَيْئًا فَهُوَ يَمِينٌ يَصِيرُ بِهِ مُولِيًا﴾ لِأَنَّ الْأَصْلَ فِي تَحْرِيمِ الْحَلَالِ إِنَّمَا هُوَ يَمِينٌ عِنْدَنَا وَسَنَذْكُرُهُ فِي الْأَيْمَانِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ .وَمِنَ الْمَشَايِخِ مَنْ يَصْرِفُ لَفْظَةَ التَّحْرِيمِ إِلَى الطَّلَاقِ مِنْ غَيْرِ نِيَّةٍ بِحُكْمِ الْعُرْفِ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ .

ترجمہ

اور اگر شوہر نے اپنی بیوی سے یہ کہا: تم میرے لیے حرام ہو تو مرد سے اس کی نیت کے بارے میں دریافت کیا جائے گا' اگر وہ یہ کہے: میں نے جھوٹ کا ارادہ کیا تھا' تو یہ اس کے اس بیان کے مطابق شمار ہوگا' کیونکہ اس نے کلام کے ذریعے اس کے حقیقی معنی مراد لیے ہیں۔ فقہاء نے یہ بات بیان کی ہے: قضاء میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی' کیونکہ یہ الفاظ ظاہری طور پر قسم پر دلالت کرتے ہیں۔ اگر شوہر نے یہ کہا: میں نے طلاق کی نیت کی تھی' تو ایک بائنہ طلاق واقع ہو جائے گی' البتہ اگر اس نے تین کی نیت کی ہو' تو (تین طلاقیں ہو جائیں گی) ان کی تفصیل کنایات سے متعلق باب میں گزر چکی ہے۔ اگر شوہر نے یہ کہا: ان الفاظ کے ذریعے میں نے ظہار کی نیت کی تھی' تو اس پر ظہار کا حکم عائد کیا جائے گا۔

یہ شیخین کا موقف ہے۔ امام محمد علیہ الرحمہ نے یہ بات بیان کی ہے: ''ظہار'' شمار نہیں ہوگا' کیونکہ ان الفاظ میں محرم خواتین کے ساتھ کوئی تشبیہ نہیں ہے' جبکہ ظہار میں ایسی تشبیہ کا پایا جانا ضروری ہے۔ شیخین نے یہ بات بیان کی ہے: مرد نے مطلق لفظ ''حرام'' استعمال کیا ہے اور ظہار میں بھی ایک قسم کی حرمت ہوتی ہے اس لیے مطلق میں مقید کا احتمال بہرحال باقی ہوتا ہے۔ اگر شوہر نے یہ کہا: میں نے صرف تحریم مراد لی تھی' یا میں نے اس کے ذریعے' کسی بھی چیز کا ارادہ نہیں کیا تھا' تو مرد کے یہ الفاظ قسم شمار ہوں گے' اور مرد ایلاء کرنے والا شمار ہوگا' کیونکہ حلال چیز کو حرام کرنا' ہمارے نزدیک اصل کے اعتبار سے قسم شمار ہوتا ہے۔ انشاء اللہ قسموں سے

متعلق باب میں ہم اس کی وضاحت کریں گے۔ جب مرد نے لفظ تحریم کے ہمراہ کوئی نیت نہ کی ہو تو بعض مشائخ نے اسے طلاق شمار کیا ہے کیونکہ عرف میں عام طور پر اس لفظ کے ذریعے یہی معنی مراد لیا جاتا ہے۔

مطلق حرام کہنے سے ایلاء اور ظہار کی نیت کا بیان

عورت سے کہا تو مجھ پر حرام ہے اس لفظ سے ایلا کی نیت کی تو ایلا ہے اور ظہار کی تو ظہار ورنہ طلاق بائن اور تین کی نیت کی تو تین۔ اور اگر عورت نے کہا کہ میں تجھ پر حرام ہوں تو یمین ہے شوہر نے زبردستی یا اُس کی خوشی سے جماع کیا تو عورت پر کفارہ لازم ہے۔ اگر شوہر نے کہا تو مجھ پر مثل مُردار یا گوشتِ خنزیر یا خون یا شراب کے ہے اگر اس سے جھوٹ مقصود ہے تو جھوٹ ہے اور حرام کرنا مقصود ہے تو ایلا ہے اور طلاق کی نیت ہے تو طلاق۔ عورت کو کہا تو میری ماں ہے اور نیت تحریم کی ہے تو حرام نہ ہوگی، بلکہ یہ جھوٹ ہے اپنی دو عورتوں سے کہا تم دونوں مجھ پر حرام ہو اور ایک میں طلاق کی نیت ہے، دوسری میں ایلا کی یا ایک میں ایک طلاق کی نیت کی، دوسری میں تین کی تو جیسی نیت کی، اُس کے موافق حکم دیا جائے گا۔

باب الخلع

﴿یہ باب خلع کے بیان میں ہے﴾

باب خلع کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے باب خلع کو باب ایلاء سے مؤخر ذکر کیا ہے اس کے دو معانی ہیں۔ ایک معنی یہ ہے کہ ایلاء مال سے خالی ہے لہذا اس بنیاد پر وہ طلاق کے زیادہ قریب ہوا اس لئے اس کو باب خلع پر مقدم کیا ہے۔ جبکہ خلع میں مال کا معاوضہ ہوتا ہے۔

اور دوسرا معنی یہ ہے۔ کہ ایلاء کی بنیاد شوہر کی طرف سے نافرمانی ہے جبکہ خلع کی بنیاد بیوی کی طرف سے نافرمانی ہے۔ لہذا جانب شوہر کی طرف سے ہونے والے انکار کو مقدم ذکر کیا ہے۔ اور خلع کی خاء کو ضمہ کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ جس طرح کہا جاتا ہے "خَالَعَتِ الْمَرْأَةُ زَوْجَهَا وَاخْتَلَعَتْ مِنْهُ بِمَالِهَا" (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۵، ص ۴۵۶، بیروت)

خلع کا فقہی مفہوم

خلع خ کے پیش کے ساتھ خلع خ کے زبر کے ساتھ) اسم ہے خلع کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کو نکالنا اور عام طور پر یہ لفظ بدن سے کسی پہنی ہوئی چیز مثلا کپڑے اور موزے وغیرہ اتارنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

شرعی اصطلاح میں اس لفظ کے معنی ہیں ملکیت نکاح کو مال کے عوض میں لفظ خلع کے ساتھ زائل کرنا یا ملکیت نکاح ختم کرنے کے لئے لفظ خلع کے ساتھ اپنی عورت سے مال لینا اس شرعی اصطلاح کی توضیح یہ ہے کہ اگر میاں بیوی میں اختلاف ہو جائے اور دونوں میں کسی طرح نباہ نہ ہو سکے اور مرد طلاق بھی نہ دیتا ہو تو عورت کو جائز ہے کہ کچھ مال دے کر اپنا مہر دے کر نجات حاصل کر لے مثلا اپنے مرد سے کہے کہ اتنا روپیہ لے کر خلع کر دو یعنی میری جان چھوڑ دو یا یوں کہے کہ جو مہر تمہارے ذمہ ہے اس کے عوض میری جان چھوڑ دو اس کے جواب میں مرد کہے کہ میں نے چھوڑ دی تو اس سے عورت پر ایک طلاق بائن پڑ جائے گی اور دونوں میں جدائی ہو جائے گی۔

خلع سے مراد فسخ یا طلاق ہونے میں مذاہب اربعہ

مظہر نے لکھا ہے کہ اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ اگر مرد عورت سے کہے کہ میں نے اتنے مال کے عوض تم سے خلع کیا اور بیوی کہے کہ میں نے قبول کیا اور پھر میاں بیوی کے درمیان جدائی واقع ہو جائے تو آیا یہ طلاق ہے یا فسخ ہے، چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کا مسلک یہ ہے کہ یہ طلاق بائن ہے حضرت امام شافعی کا زیادہ صحیح قول بھی یہی ہے لیکن حضرت امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ یہ فسخ ہے اور حضرت امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے

اگر میاں بیوی کے باہمی اختلاف کی بنیاد شوہر کی زیادتی وسرکشی ہو اور شوہر کی اس زیادتی وسرکشی کی دلیل سے بیوی خلع چاہتی ہو تو اس صورت میں شوہر کے لیے یہ مکروہ ہے کہ وہ خلع کے معاوضہ کے طور پر کوئی چیز مثلا روپیہ وغیرہ لے اور اگر میاں بیوی کے باہمی اختلاف کی بنیاد بیوی کی نافرمانی وسرکشی ہو یعنی بیوی کی نافرمانی وبداطواری کی دلیل سے خلع کی نوبت آئی ہو تو اس صورت میں شوہر کے لیے یہ مکروہ ہے کہ وہ اس خلع کے عوض میں اس قدر رقم لے کہ اس نے عورت کے مہر میں جو رقم دی ہے اس سے بھی زیادہ ہو۔

خلع کے طلاق ہونے میں فقہ حنفی کی ترجیحی دلیل

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ ثابت ابن قیس کی بیوی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! ثابت ابن قیس پر مجھے غصہ نہیں آتا اور نہ میں ان کی عادات اور ان کے دین میں کوئی عیب لگاتی ہوں لیکن میں اسلام میں کفر یعنی کفران نعمت یا گناہ کو پسند نہیں کر سکتی، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم ثابت ابن قیس کا باغ جو انہوں نے تمہیں مہر میں دیا ہے) ان کو واپس کر سکتی ہو؟ ثابت کی بیوی نے کہا کہ ہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر ثابت سے فرمایا کہ تم اپنا باغ لے لو اور اس کو ایک طلاق دیدو۔ (بخاری، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 475)

ثابت ابن قیس کی بیوی کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں اپنے شوہر سے اس لئے جدائی اختیار کرنا نہیں چاہتی کہ وہ بد اخلاق ہیں یا ان کی عادات مجھے پسند نہیں ہیں یا یہ کہ ان کے دین میں کچھ نقصان ہے بلکہ صورت حال یہ ہے کہ مجھے ان سے محبت نہیں ہے اور وہ طبعی طور پر مجھے ناپسند ہیں لیکن بہر حال وہ میرے شوہر ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں ان کے تئیں میری طرف سے کوئی ایسی حرکت نہ ہو جائے جو اسلامی حکم کے خلاف ہو مثلا مجھ سے کوئی نافرمانی ہو جائے یا ان کی مرضی کے خلاف کوئی فعل سرزد ہو جائے تو ایسی صورت میں گویا کفران نعمت یا گناہ ہوگا جو مجھے گوارہ نہیں ہے اس لئے میں کیوں نہ ان سے جدائی اختیار کرلوں۔

کہا جاتا ہے کہ ثابت ابن قیس بہت بدصورت تھے اور ٹھگنے (پست) قد تھے اور ان کی بیوی کا نام حبیبہ یا جمیلہ تھا جو بہت خوبصورت اور حسین تھیں اسی لئے ان دونوں کا جوڑا بہت ناموزوں تھا اور ان کی بیوی ان کو پسند نہیں کرتی تھیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عرض کے مطابق حضرت ثابت کو مصلحۃ یہ حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کو ایک طلاق دیدیں اس سے معلوم ہوا کہ طلاق دینے والے کے حق میں یہ اولی افضل ہے کہ وہ ایک طلاق دے تاکہ اگر رجوع کرنا منظور ہو تو رجوع کرلے نیز اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ خلع طلاق ہے فسخ نہیں ہے چنانچہ صاحب ہدایہ نے اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث بھی نقل کی ہے کہ الخلع تطليقة بائنة یعنی خلع طلاق بائن ہے۔

خلع کے یکطرفہ نہ ہونے میں مذاہب اربعہ

فدیہ کے لفظ میں معاوضہ کا معنی ہے اور معاوضہ میں باہمی رضامندی ضروری ہے۔

وفی تسمیتہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الخلع فدیہ دلیل علی ان فیہ معنی المعاوضۃ ولہذا اعتبر فیہ رضا الزوجین (زاد المعاد)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خلع کا نام فدیہ رکھا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں معاوضہ کے معنی پائے جاتے ہیں اور اس لئے اس میں زوجین کی رضامندی کو لازمی قرار دیا۔

فان خفتم سے جملہ شرطیہ شروع ہوتا ہے اور فلا جناح علیہما فیما افتدت بہ جملہ جزائیہ ہے، جزاء سے کہیں یہ ثابت نہیں ہورہا کہ اگر زوجین اندیشہ محسوس کریں کہ وہ اللہ کی حدیں قائم نہیں رکھ سکیں گے تو حکام ان کے درمیان تفریق کردیں۔۔ خلع کی صورت میں شوہر کچھ مالی مفاد حاصل کرلیتا ہے جبکہ طلاق دینے کی صورت میں مالی فوائد سے یکسر محروم رہتا ہے، اس لئے بجائے طلاق کے شوہر کیلئے خلع باعث کشش ہے، بسا اوقات شوہر خلع دینے پر رضامند ہوتا ہے مگر بیوی یا تو جدائی ہی نہیں چاہتی یا چاہتی ہے مگر جدائی کے بدلے مہر وغیرہ سے دستبردار ہونے پر تیار نہیں ہوتی۔ سوال یہ ہے کہ کیا عدالت شوہر کی خواہش پر بیوی کو زبردستی خلع لینے پر مجبور کرسکتی ہے؟ ظاہر ہے عدالت ایسا اختیار نہیں رکھتی پس آیت شریفہ کی رو سے جس طرح بیوی کی رضامندی ضروری ہے اسی طرح شوہر کی رضامندی بھی ضروری ہے۔

ایک مقدمہ فرض کیجئے کہ شوہر طلاق نہیں دینا چاہتا اور عورت طلاق چاہتی ہے مگر مہر نہیں چھوڑنا چاہتی، علیحدگی کی کوئی اور معقول دلیل بھی موجود نہیں اور حکام کو صرف اندیشہ نہیں بلکہ یقین ہے کہ دونوں حدود اللہ قائم نہیں رکھ سکیں گے، کیا فان خفتم کے خطاب کی دلیل سے حکام زبردستی ان کا نکاح منسوخ اور کالعدم کرسکتے ہیں؟

آیت شریفہ اپنی گفتگو میں میاں بیوی دونوں کو شریک رکھتی ہے ولا یحل لکم سے شوہر کو مال واپس لینے سے منع کردیا گیا ہے، الا ان یخافا سے ایک صورت میں اجازت دی گئی، ان لا یقیما حدود اللہ کے الفاظ سے بدل خلع کے جواز کو بیان کیا گیا ہے، مگر مال کے بدلے علیحدگی کی صورت میں زوجین کو مال کی ادائیگی و وصولی میں گناہ کا شک ہوسکتا تھا، فلا جناح علیہما کے الفاظ سے اس تردد کو زائل کردیا گیا۔

ہر وہ شخص جسے سخن فہمی کا سلیقہ ہو وہ ان علیحدہ علیحدہ جملوں اور آیت شریفہ کے مجموعی تاثر سے یہی مفہوم اخذ کرے گا کہ خلع میں میاں بیوی دونوں کی رضامندی ضروری ہے جب تک زبان و بیان کے قاعدوں کا خون نہ کیا جائے، اور خواہشات کا رندہ قرآن کریم پر نہ چلایا جائے، اس وقت تک شوہر کی رضامندی کے بغیر خلع کا جواز آیت شریفہ سے ثابت نہیں ہوتا۔

میاں بیوی مل کر نکاح کی صورت میں ایک گرہ لگاتے ہیں مگر قرآن کریم کے بیان کے مطابق یہ گرہ لگنے کے بعد صرف شوہر ہی اسے کھول سکتا ہے، یعنی طلاق کا اختیار صرف مرد کے ہاتھ میں ہے۔ الذی بیدہ عقدۃ النکاح جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔

عمرو بن شعیب کی مرفوع روایت میں ہے جو سند کے لحاظ سے حسن درجے سے کم نہیں کہ اس سے مراد شوہر ہے، حضرت علی

اور ابن عباس سمیت صحابہ کی اکثریت سے یہی تفسیر منقول ہے، حافظ ابن جریر طبری نے بھی ناقابل انکار دلائل سے یہی ثابت کیا ہے خلع کی شرطیں بھی وہی ہیں جو طلاق کی ہیں، اور طلاق میں شوہر کی مرضی واجازت شرط ہے اس لئے خلع میں بھی شوہر کی رضامندی شرط ہے، وشرطه شرط الطلاق (فتاوی ھندیہ ۔ ر) خلع کی شرائط وہی ہیں جو طلاق کی ہیں۔

حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور ظاہری سمیت تمام ائمہ مجتہدین اس نظریئے میں ہم خیال وہم زبان ہیں کہ خلع میں میاں بیوی دونوں کی رضامندی شرط ہے۔

حنفی مسلک :والخلع جائز عند السلطان وغيره لانه عقد يعتمد التراضی (المبسوط)

شافعی مسلک :لان الخلع طلاق فلا يكون لأحد ان يكلف عن احد اب ولا سيد ولا ولی ولا سلطان (الامام الشافعی ،مكتبه الازهريه)

مالکی مسلک :وتجبر علی الرجوع اليه ان لم يفرقهما بخلع او بغيره المنتقی)

حنبلی مسلک لانه قطع عقد بالتراضی فاشبه الاقالة ابن قدامة ، المغنی دار المنار

ظاهری مسلک :الخلع هو الافتداء وانما يجوز بتراضيهما .(ابن حزم، المحلی اداره الطباعة المنيرية)

حضرت جمیلہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ

بخاری شریف میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت ثابت بن قیس کی بیوی (جمیلہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یارسول اللہ میں ثابت بن قیس کے اخلاق اور دین داری سے ناراض نہیں ہوں، لیکن میں اسلام لانے کے بعد کفر کی باتوں سے ڈرتی ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم ان کو ان کا باغ (جوانہوں نے بطور مہر دیا تھا) لوٹا دوگی؟ انہوں نے کہا ہاں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت سے کہا کہ تم باغ قبول کرلو اور انہیں ایک طلاق دے دو۔

بعض حضرات اس واقعے سے استدلال کرتے ہیں کہ مذکورہ خلع کا واقعہ شوہر کی مرضی کے خلاف ہوا تھا۔ مگر سنن نسائی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ معاملہ شوہر کی رضامندی سے ہوا تھا۔ نسائی کے الفاظ یہ ہیں:

فارسل الی ثابت فقال له خذ الذی لها عليك،وخل سبيلها، قال نعم ۔ (المطبعه البهيه)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا، کہ جو مال ان کا تم پر واجب ہے وہ لے لو اور ان کو چھوڑ دو، حضرت ثابت نے کہا ٹھیک ہے۔

قابل فہم کے الفاظ اس مفہوم و مدعا میں بالکل واضح ہیں کہ حضرت ثابت نے خلع قبول کی تھی، اور جب شوہر خلع قبول کر لے تو بحث کی ضرورت ہی نہیں رہتی، علاوہ ازیں اگر صرف حاکم کا اطمینان کافی ہوتا جیسا کہ ہماری عدالتوں کا دستور ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ استفسار کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی کہ کیا تم ان کا باغ لوٹا دو گی؟ بلکہ جوں ہی آپ خلع کی ضرورت محسوس فرماتے بحیثیت حاکم ہونے کے فیصلہ صادر فرما دیتے۔

رہا یہ امر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شوہر کو حکم دیا تھا کہ باغ لے لو اور اسے طلاق دے دو، تو اس حکم کی حیثیت محض مشورے کی تھی جیسا کہ بخاری کے مستند شارحین حافظ ابن حجر، علامہ عینی اور قسطلانی نے لکھا ہے:

هو امر ارشاد و اصلاح لا ایجاب (فتح الباری)

نیز اگر حاکم زوجین کی رضامندی کے بغیر خلع کی ڈگری جاری کرنے کا مجاز ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ثابت کو طلاق کا حکم دینے کی ضرورت ہی نہ تھی، امام ابو بکر جصاص رازی نے حضرت جمیلہ کے واقعے سے یہی نکتہ کشید کیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

اگر یہ اختیار سلطان کو ہوتا کہ وہ یہ دیکھیں کہ زوجین حدود اللہ کو قائم نہیں کریں گے، تو ان کے درمیان خلع کا فیصلہ کر دے خواہ زوجین خلع چاہیں یا نہ چاہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں سے سوال ہی نہ فرماتے اور نہ شوہر سے یہ فرماتے کہ تم ان سے خلع کر لو، بلکہ خود خلع کا فیصلہ فرما کر عورت کو مرد سے چھڑا دیتے اور شوہر کو اس کا باغ واپس لوٹا دیتے، خواہ وہ دونوں اس سے انکار کرتے یا ان میں سے کوئی ایک انکار کرتے، چنانچہ لعان میں زوجین کے درمیان تفریق کا اختیار چونکہ حاکم کو ہوتا ہے اس لئے وہ لعان کرنے والے شوہر سے یہ نہیں کہتا کہ تم اپنے بیوی کو چھوڑ دو بلکہ خود ان دونوں کے درمیان تفریق کر دیتا ہے۔

(احکام القرآن، سہیل اکیڈمی لاہور)

حکمین کا اختیار تفریق:

زوجین کے پاس مفاہمت کے لئے جو حکمین بھیجے جاتے ہیں۔ امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک اگر وہ مناسب سمجھیں تو زوجین میں تفریق بھی کر سکتے ہیں۔ بعض دیگر ائمہ بھی اس سلسلے میں امام مالک علیہ الرحمہ کے ہم خیال ہیں، جب کہ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور دوسرے تمام فقہاء رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ جب تک شوہر حکمین کو تفریق کے سلسلے میں اپنا نمائندہ و مختار بنائیں اس وقت تک ان کو شوہر کی مرضی کے بغیر تفریق کرنے کا حق حاصل نہیں، دونوں جانب کے فقہاء نے سورہ نساء کی آیت نمبر اور چند آثار سے استدلال کیا ہے۔ سورہ نساء میں ہے: اگر وہ دونوں (حکمین) اصلاح کا ارادہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ زوجین کے درمیان موافقت پیدا فرما دے گا۔

آیت شریفہ کے اس ٹکڑے سے معلوم ہوتا ہے کہ حکمین تفریق و علیحدگی کے لئے نہیں بلکہ پھوٹ سے بچانے کے لئے جارہے ہیں۔امام شافعی نے کتاب الام میں ذکر کیا ہے۔

حاکم کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ حکمین کو اپنی دلیل سے شوہر کے حکم کے بغیر تفریق کا حکم دے۔

لیس له ان یامرهما یفرقان ان رایا الا بامر الزوج (کتاب الام)

ابن حزم الظاہری، بہت سختی کے ساتھ لکھتے ہیں۔

لیس فی الآیۃ ولا شیئ من السنن ان للحکمین ان یفرقا ولا ان ذالک للحاکم .المحلیٰ .ادارہ طباعه منیریه)

یعنی کسی آیت یا کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا، کہ حکمین کو میاں بیوی کے درمیاں علیٰحدگی کرنے کا اختیار ہے اور نہ یہ اختیار حاکم کو ثابت ہوتا ہے۔

معقول اسباب کی بناء پر تفریق:

جو حقوق بیوی کے شوہر پر واجب ہیں وہ دو قسم پر ہیں :ایک وہ ہیں جو قانونی حیثیت رکھتے ہیں جن کے بغیر نکاح کے مقاصد اور مصالح حاصل نہیں کیے جاسکتے ،مثلاً نان ونفقہ کی ادائگی ،وظائف زوجیت وغیرہ۔یہ حقوق بزور عدالت حاصل کیے جاسکتے ہیں بعض اوقات عورت بہت مشکل سے دوچار ہوجاتی ہے۔ظالم شوہر نہ آباد کرتا ہے اور نہ خوش اسلوبی سے رہائی دیتا ہے۔کبھی لاپتہ ہو جاتا ہے،کبھی پاگل ہوتا ہے،کبھی نامرد ہوتا ہے اور کبھی جان بوجھ کر نان نفقہ ادا نہیں کرتا۔ایسی صورتوں میں شوہر پر واجب ہو جاتا ہے،کہ وہ طلاق دے دے اگر وہ طلاق سے انکار کرے تو عدالت اس کی مرضی کے بغیر تنسیخ نکاح کرسکتی ہے۔

اس کے برخلاف بعض حقوق ایسے ہیں جن کی ادائگی شوہر پر دیانتاً ضروری ہے،لیکن وہ قانونی حیثیت نہیں رکھتے اور انہیں بزور عدالت حاصل نہیں کیا جاسکتا،مثلاً شوہر بیوی کے ساتھ حسن سلوک یا خوش اخلاقی کے ساتھ پیش نہ آتا ہو ایسے حقوق کو بذریعہ عدالت نہیں منوایا جاسکتا۔خلاصہ کلام یہ ہے کہ شوہر کی رضامندی کے بغیر یک طرفہ طور پر خلع کی ڈگری صادر کرنا از روئے شرع درست نہیں۔

بلاسبب طلاق کا مطالبہ کرنے کیلئے وعید

حضرت ثوبان روایت کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ نے فرمایا جو خاتون کسی تکلیف کے بغیر اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہوگی"۔(سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 128)

جب میاں بیوی ایک ساتھ نہ رہ سکتے ہوں تو خلع جائز ہے

﴿وَاِذَا تَشَاقَّ الزَّوْجَانِ وَخَافَا اَنْ لَا یُقِیمَا حُدُودَ اللّٰهِ فَلَا بَاْسَ بِاَنْ تَفْتَدِیَ نَفْسَهَا مِنْهُ

بِمَالٍ يَخْلَعُهَا بِهِ﴾ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ﴾ ﴿فَإِذَا فَعَلَا ذٰلِكَ وَقَعَ بِالْخُلْعِ تَطْلِيقَةٌ بَائِنَةٌ وَلَزِمَهَا الْمَالُ﴾ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴿اَلْخُلْعُ تَطْلِيقَةٌ بَائِنَةٌ(۱)﴾ وَلِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ الطَّلَاقَ حَتّٰى صَارَ مِنَ الْكِنَايَاتِ، وَالْوَاقِعُ بِالْكِنَايَةِ بَائِنٌ إِلَّا أَنَّ ذِكْرَ الْمَالِ أَغْنٰى عَنِ النِّيَّةِ هُنَا، وَلِأَنَّهَا لَا تُسَلِّمُ الْمَالَ إِلَّا لِتَسْلَمَ لَهَا نَفْسُهَا وَذٰلِكَ بِالْبَيْنُونَةِ.

ترجمہ

جب میاں بیوی کے درمیان جھگڑا ہو جائے اور ان دونوں کو یہ خوف ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکتے تو اس بارے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ عورت اپنی ذات کے فدیہ کے طور پر کچھ مال دے کے اس کے عوض میں خلع حاصل کرے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: "تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہوگا اس کے بارے میں جو وہ عورت فدیہ دیتی ہے"۔ جب وہ دونوں ایسا کریں گے تو اس خلع کے نتیجے میں ایک بائنہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ عورت کے ذمے مال کی ادائیگی لازم ہوگی اس کی دلیل نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان ہے: "خلع بائنہ طلاق ہے"۔ دوسری بات یہ ہے: خلع میں طلاق کا احتمال موجود ہوتا ہے یہاں تک کہ لفظ خلع کے ذریعے کنایہ مراد لیا جا سکتا ہے اور کنایہ کے ذریعے ہمیشہ بائنہ طلاق واقع ہوتی ہے البتہ خلع میں جب مال کا ذکر کر دیا جائے تو پھر (طلاق کی) نیت کی ضرورت نہیں رہتی۔ تیسری بات یہ ہے: عورت صرف اسی دلیل سے اپنے ذمے مال کی ادائیگی کو لازم کرتی ہے کہ اس کی ذات اس کے قبضے میں آ جائے (یعنی اسے طلاق بائنہ مل جائے) اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب وہ بائنہ ہو جائے۔

خلع کے طلاق ہونے میں فقہی مذاہب اربعہ

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں۔ کہ خلع کو بعض حضرات طلاق میں شمار نہیں کرتے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے دی ہیں پھر اس عورت نے خلع کرا لیا ہے تو اگر خاوند چاہے تو اس سے پھر بھی نکاح کر سکتا ہے اور اس پر دلیل یہی آیت وارد کرتے ہیں۔

یہ قول حضرت ابن عباس کا ہے، حضرت عکرمہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ طلاق نہیں، دیکھو آیت کے اول و آخر طلاق کا ذکر ہے پہلے دو طلاقوں کا پھر آخر میں تیسری طلاق کا اور درمیان میں جو خلع کا ذکر ہے، پس معلوم ہوا کہ خلع طلاق نہیں بلکہ فسخ ہے۔ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عمر طاؤس عکرمہ، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، ابوثور، داؤد بن علی ظاہری کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام شافعی کا بھی قدیم قول یہی ہے اور آیت کے ظاہری الفاظ بھی یہی ہیں۔ بعض دیگر بزرگ فرماتے ہیں کہ خلع طلاق بائن

(۱) أخرجه الدارقطني في "سننه" ٤/٦ والبيهقي في "السنن الكبرى" ٧/٣١٦۔ وابن عدي في "الكامل" وأعله بعباد بن كثير الثقفي، وأسند عن البخاري قال: تركوه، وعن النسائي قال: متروك الحديث وعن شعبة قال: احذروا حديثه۔

ہے اور اگر ایک سے زیادہ کی نیت ہوگی تو وہ بھی معتبر ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ام بکر اسلمیہ نے اپنے خاوند عبداللہ بن خالد سے خلع لیا اور حضرت عثمان نے اسے ایک طلاق ہونے کا فتویٰ دیا اور ساتھ ہی فرمادیا کہ اگر کچھ سامان لیا ہو تو جتنا سامان لیا ہو وہ ہے، لیکن یہ اثر ضعیف ہے۔

حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر، سعید بن مسیب، حسن، عطا، شریح، شعبی، ابراہیم، جابر بن زید، مالک، ابوحنیفہ اور ان کے ساتھی ثوری، اوزاعی، ابوعثمان بتی کا یہی قول ہے کہ خلع طلاق ہے۔ امام شافعی کا بھی جدید قول یہی ہے، ہاں حنیفہ کہتے ہیں کہ اگر دو طلاق کی نیت خلع دینے والے کی ہے تو دو ہو جائیں گی۔ اگر کچھ لفظ نہ کہے اور مطلق خلع ہو تو ایک طلاق بائن ہوگی اگر تین کی نیت ہے تو تین ہو جائیں گی۔ امام شافعی کا ایک اور قول بھی ہے کہ اگر طلاق کا لفظ نہیں اور کوئی دلیل و شہادت بھی نہیں تو وہ بالکل کوئی چیز نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

طلاق، خلع اور فسخ نکاح کے فرق کا بیان

طلاق صرف خاوند کے الفاظ اور اس کے اختیار و رضا سے ہوتی ہے، لیکن فسخ نکاح خاوند کے الفاظ کے بغیر بھی ہو جاتا ہے، اور اس میں خاوند کی رضا اور اختیار کی شرط نہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں "ہر وہ جس سے تفریق اور علیحدگی کا فیصلہ کیا جائے اور خاوند اس کے الفاظ نہ بولے، اور اسے نہ چاہے۔ تو یہ علیحدگی طلاق نہیں کہلائے گی۔ (الام (5 / 128)

2 طلاق کے کئی ایک اسباب ہیں، اور بعض اوقات بغیر کسی سبب کے بھی ہو سکتی ہے، بلکہ طلاق تو صرف خاوند کا اپنی بیوی کو چھوڑنے کی رغبت سے ہوگی۔

لیکن فسخ نکاح کے لیے سبب کا ہونا ضروری ہے جو فسخ کو واجب یا مباح کرے۔ فسخ نکاح ثابت ہونے والے اسباب کی مثالیں: خاوند اور بیوی کے مابین کفو و مناسبت نہ ہونا جنہوں نے لزوم عقد میں اس کی شرط لگائی ہے۔ جب خاوند یا بیوی میں سے کوئی ایک اسلام سے مرتد ہو جائے، اور دین اسلام میں واپس نہ آئے۔ جب خاوند اسلام قبول کرلے اور بیوی اسلام قبول کرنے سے انکار کردے، اور وہ مشرک ہو اور اہل کتاب سے تعلق نہ رکھتی ہو۔

خاوند اور بیوی میں لعان ہو جائے۔ خاوند کا نفقہ و اخراجات سے تنگ اور عاجز ہو جانا، جب بیوی فسخ نکاح طلب کرے۔ خاوند یا بیوی میں سے کسی ایک میں ایسا عیب پایا جائے جو استمتاع میں مانع ہو یا پھر دونوں میں نفرت پیدا کرنے کا باعث ہے۔

3 فسخ نکاح کے بعد خاوند کو رجوع کا حق حاصل نہیں اس لیے وہ اسے نئے عقد نکاح اور عورت کی رضامندی سے ہی واپس لا سکتا ہے۔ لیکن طلاق رجعی کی عدت میں وہ اسکی بیوی ہے، اور اسے پہلی اور دوسری طلاق کے بعد اسے رجوع کرنے کا حق حاصل ہے، چاہے بیوی راضی ہو یا راضی نہ ہو۔

فسخ نکاح میں مروجہ طلاقوں کی تعداد کا مالک ہے اسے شمار نہیں کیا جاتا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں "اور خاوند اور بیوی کے

بائن جو فسخ نکاح ہو تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی نہ تو ایک اور نہ ہی اس کے بعد۔ (کتاب الام(5 / .(199)

ابن عبد البر رحمہ اللہ کہتے ہیں: "فسخ نکاح اور طلاق میں فرق یہ ہے کہ اگرچہ ہر ایک سے خاوند اور بیوی میں علیحدگی اور تفریق ہو جاتی ہے: فسخ یہ ہے کہ جب اس کے بعد خاوند اور بیوی دوبارہ نکاح کریں تو وہ پہلی عصمت پر ہیں، اور عورت اپنے خاوند کے پاس تین طلاق پر ہوگی (یعنی خاوند کو تین طلاق کا حق ہوگا) اور اگر اس نے فسخ نکاح سے قبل طلاق دی اور رجوع کر لیا تو اس کے پاس دو طلاقیں ہونگی۔ (الاستذکار(6 / .(181)

اگر شوہر کی طرف سے زیادتی ہو تو اس کے لئے عوض وصول کرنا مکروہ ہے

﴿وَإِنْ كَانَ النُّشُوزُ مِنْ قِبَلِهِ يُكْرَهُ لَهُ أَنْ يَأْخُذَ مِنْهَا عِوَضًا﴾ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَإِنْ أَرَدْتُمْ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ﴾ إلَى أَنْ قَالَ ﴿فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا﴾ وَلِأَنَّهُ أَوْحَشَهَا بِالِاسْتِبْدَالِ فَلَا يَزِيدُ فِي وَحْشَتِهَا بِأَخْذِ الْمَالِ ﴿وَإِنْ كَانَ النُّشُوزُ مِنْهَا كَرِهْنَا لَهُ أَنْ يَأْخُذَ مِنْهَا أَكْثَرَ مِمَّا أَعْطَاهَا﴾ وَفِي رِوَايَةِ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ طَابَ الْفَضْلُ أَيْضًا لِإِطْلَاقِ مَا تَلَوْنَا بَدْءًا. وَوَجْهُ الْأُخْرَى قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي امْرَأَةِ ثَابِتِ بْنِ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ ﴿أَمَّا الزِّيَادَةُ فَلَا (۱)﴾ وَقَدْ كَانَ النُّشُوزُ مِنْهَا ﴿وَلَوْ أَخَذَ الزِّيَادَةَ جَازَ فِي الْقَضَاءِ﴾ وَكَذَلِكَ إذَا أَخَذَ وَالنُّشُوزُ مِنْهُ لِأَنَّ مُقْتَضَى مَا تَلَوْنَا شَيْئَانِ الْجَوَازُ حُكْمًا وَالْإِبَاحَةُ، وَقَدْ تُرِكَ الْعَمَلُ فِي حَقِّ الْإِبَاحَةِ لِمُعَارِضٍ فَبَقِيَ مَعْمُولًا فِي الْبَاقِي.

ترجمہ

اگر یہ ناپسندیدگی مرد کی طرف سے ہو تو مرد کے لئے یہ بات مکروہ ہے کہ عورت سے عوض وصول کرے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: "اگر تم ایک بیوی کی بجائے دوسری بیوی لانا چاہتے ہو تو اگرچہ تم پہلی بیوی کو ایک ڈھیر کے برابر (مال) دے چکے ہو تو پھر بھی اس سے کچھ (واپس) نہ لو"۔ اس کی دلیل یہ بھی ہے: شوہر اس عورت کو چھوڑ کر دوسری بیوی لانے کے ذریعے اسے پریشانی کا شکار کر سکتا ہے تو اب وہ اس سے مال لے کر اسے مزید پریشان نہ کرے۔

لیکن اگر ناپسندیدگی عورت کی طرف سے ہو تو ہمارے نزدیک یہ بات مکروہ ہے کہ مرد عورت سے اس سے زیادہ وصول کرے

(۱) أخرجه أبو داود في "مراسيله" (۲۰۶) عن عطاء مرسلا قال: جاءت امرأة إلى النبي ﷺ تشكو زوجها، فقال: أتردين عليه حديقته التي أصدقك؟ قالت: نعم، و زيادة قال: أما الزيادة فلا، و ابن شيبة في "مصنفه" عن عطاء و أخرجه أيضاً الدارقطني في "سننه" ۲۲۱/۳ مرسلاً، و قال و قد أسنده الوليد عن ابن جريج عن عطاء عن ابن عباس و المرسل أصح، وأخرجه الدارقطني في "سننه" ۲۵۵/۳ عن أبي الزبير مرسلاً أيضاً

جو (اس نے مہر کے طور پر) دیا تھا۔ "الجامع الصغیر" کی ایک روایت میں یہ بات ہے: اضافی ادائیگی لینا بھی جائز ہوگا' اس کی دلیل وہ روایت ہے ہم نے جو روایت آغاز میں نقل کی ہے وہ مطلق ہے۔ دوسری دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: جو حضرت ثابت بن قیس کی اہلیہ کے بارے میں ہے۔ "جہاں تک اضافی ادائیگی کا تعلق ہے' تو وہ نہیں"۔ اس مسئلے میں ناپسندیدگی' خاتون کی طرف سے تھی۔ اگر مرد زیادہ وصولی کر لیتا ہے' تو قضا کے اعتبار سے یہ جائز ہوگا' اسی طرح اگر وہ عوض وصول کر لیتا ہے اور ناپسندیدگی بھی اس کی طرف سے ہو' تو (یہ بھی جائز) ہوگا' کیونکہ ہم نے جو آیت تلاوت کی ہے' اس کا مقتضیٰ دو چیزیں ہیں۔ حکم کے اعتبار سے جائز ہونا اور مباح ہونا اس لئے اباحت کے حق میں عمل ترک کر دیا جائے گا' کیونکہ اس کے مقابلے میں چیز موجود ہے' تو باقی پر عمل کرنا باقی رہ جائے گا۔

صحابیہ کا حق مہر کی عدم واپسی سے متعلق فقہی استدلال

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۔(النساء، ۲۰)

اور اگر تم ایک بی بی کے بدلے دوسری بدلنا چاہو۔ اور اُسے ڈھیروں مال دے چکے ہو۔ تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو کیا اسے واپس لو گے جھوٹ باندھ کر اور کھلے گناہ سے۔ (کنز الایمان)

اس آیت سے گراں مہر مقرر کرنے کے جواز پر دلیل لائی گئی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے برسر منبر فرمایا کہ عورت کے مہر گراں نہ کرو ایک عورت نے یہ آیت پڑھ کر کہا کہ اے ابن خطاب اللہ ہمیں دیتا ہے اور تم منع کرتے ہو اس پر امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے عمر تجھ سے ہر شخص زیادہ سمجھدار ہے جو چاہو مقرر کرو سبحان اللہ خلیفہ رسول کے شانِ انصاف اور نفس شریف کی پاکی ۔ رَزَقَنَا اللّٰهُ تَعَالٰى اِتِّبَاعَه آمین ۔(خزائن العرفان)

خلع میں زیادہ مال لینے سے متعلق مذاہب اربعہ

جمہور کا مذہب تو یہ ہے کہ خلع عورت اپنے سے دیئے ہوئے سے زیادہ لے تو بھی جائز ہے کیونکہ قرآن نے آیت (فی ما افتدت بہ) فرمایا ہے، حضرت عمر کے پاس ایک عورت اپنے خاوند سے بگڑی ہوئی آئی، آپ نے فرمایا اسے گندگی والے گھر میں قید کر دو پھر قید خانہ سے اسے بلوایا اور کہا کیا حال ہے؟ اس نے کہا آرام کی راتیں مجھ پر میری زندگی میں یہی گزری ہیں۔ آپ نے اس کے خاوند سے فرمایا اس سے خلع کر لے۔ اگر چہ گوشوارہ کے بدلے ہی ہو، ایک روایت میں ہے اسے تین دن وہاں قید رکھا تھا، ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا اگر یہ اپنی چٹیا کی دھجی بھی دے تو لے لے اور اسے الگ کر دے۔ حضرت عثمان فرماتے ہیں اس کے سوا سب کچھ لے کر بھی خلع ہو سکتا ہے۔

ربیع بنت معوذ بن عفراء فرماتی ہیں میرے خاوند اگر موجود ہوتے تو بھی میرے ساتھ سلوک کرنے میں کمی کرتے اور کہیں چلے

جاتے تو بالکل ہی محروم کر دیتے۔ ایک مرتبہ جھگڑے کے موقع پر میں نے کہہ دیا کہ میری ملکیت میں جو کچھ ہے سب لے لو اور مجھے خلع دو۔ اس نے کہا اور یہ معاملہ طے ہو گیا لیکن میرے چچا معاذ بن عفراء اس قصہ کو لے کر حضرت عثمان کے پاس گئے۔ عثمان نے بھی اسے برقرار رکھا اور فرمایا کہ چوٹی کی دھجی چھوڑ کر سب کچھ لے لو بعض روایتوں میں ہے یہ بھی اور اس (سیس) چھوٹی چیز بھی غرض سب کچھ لے لو، پس مطلب ان واقعات کا یہ ہے کہ یہ دلیل ہے اس پر کہ عورت کے پاس جو کچھ ہے دے کر وہ خلع کرا سکتی ہے اور خاوند اپنی دی ہوئی چیز سے زائد لے کر بھی خلع کر سکتا ہے۔

ابن عمر، ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، ابراہیم نخعی، قبیصہ بن ذویب، حسن بن صالح عثمان رحمہم اللہ اجمعین بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام مالک علیہ الرحمہ، لیث، امام شافعی اور ابوثور کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام ابن جریر بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔

اور اصحاب ابوحنیفہ کا قول ہے کہ اگر قصور اور ضرر رسانی عورت کی طرف سے ہو تو خاوند کو جائز ہے کہ جو اس نے دیا ہے واپس لے لے لیکن اس سے زیادہ لینا جائز نہیں۔ گو زیادہ لے لے تو بھی قضاء کے وقت جائز ہوگا اور اگر خاوند کی اپنی جانب سے زیادتی ہو تو اسے کچھ بھی لینا جائز نہیں۔ گو لے لے تو قضا جائز ہوگا۔

امام احمد ابوعبید اور اسحٰق بن راھویہ فرماتے ہیں کہ خاوند کو اپنے دیئے ہوئے سے زیادہ لینا جائز ہی نہیں۔ سعید بن مسیب عطاء عمرو بن شعیب زہری طاؤس حسن شعبی حماد بن ابوسلیمان اور ربیع بن انس کا بھی یہی مذہب ہے۔ عمر اور حاکم کہتے ہیں حضرت علی کا بھی یہ فیصلہ ہے۔

اوزاعی کا فرمان ہے کہ قاضیوں کا فیصلہ ہے کہ دیئے ہوئے سے زیادہ کو جائز نہیں جانتے۔ اس مذہب کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو اوپر بیان ہو چکی ہے جس میں ہے کہ اپنا باغ لے لو اور اس سے زیادہ نہ لو۔ مسند عبد بن حمید میں بھی ایک مرفوع حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خلع لینے والی عورت سے اپنے دیئے ہوئے سے زیادہ لینا مکروہ رکھا، اور اس صورت میں جو کچھ فدیہ وہ دے لے گا، کا لفظ قرآن میں ہے۔ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ دیئے ہوئے میں سے جو کچھ دے، کیونکہ اس سے پہلے یہ فرمان موجود ہے کہ تم نے جو انہیں دیا ہے اس میں سے کچھ نہ لو، ربیع کی قرأت میں بہ کے بعد منہ کا لفظ بھی ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ حدود اللہ ہیں ان سے تجاوز نہ کرو ورنہ گنہگار ہوں گے۔

اگر عورت طے کر لے تو اس پر طے شدہ مال کی ادائیگی لازم ہوگی

﴿وَاِنْ طَلَّقَهَا عَلٰى مَالٍ فَقَبِلَتْ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَلَزِمَهَا الْمَالُ﴾ لِاَنَّ الزَّوْجَ يَسْتَبِدُّ بِالطَّلَاقِ تَنْجِيزًا وَتَعْلِيقًا وَقَدْ عَلَّقَهُ بِقَبُولِهَا، وَالْمَرْاَةُ تَمْلِكُ اِلْتِزَامَ الْمَالِ لِوِلَايَتِهَا عَلٰى نَفْسِهَا، وَمِلْكُ النِّكَاحِ مِمَّا يَجُوْزُ الْاِعْتِيَاضُ عَنْهُ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ مَالًا كَالْقِصَاصِ ﴿وَكَانَ الطَّلَاقُ بَائِنًا﴾ لِمَا بَيَّنَّا وَلِاَنَّهُ مُعَاوَضَةُ الْمَالِ بِالنَّفْسِ وَقَدْ مَلَكَ الزَّوْجُ اَحَدَ الْبَدَلَيْنِ

فَتَمْلِكُ هِيَ الْآخَرَ وَهِيَ النَّفْسُ تَحْقِيقًا لِلْمُسَاوَاةِ .

ترجمہ

اور اگر شوہر نے مال کے عوض طلاق دی اور عورت نے اسے قبول کرلیا تو طلاق ہوجائے گی اور عورت کے ذمے مال کی ادائیگی لازم ہوجائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے: شوہر کو اس وقت فوری طور پر یا بعد میں معلق طور پر طلاق دینے کا اختیار حاصل ہے اور مذکورہ صورت میں اس نے طلاق کو عورت کی قبولیت کے ساتھ معلق کردیا ہے۔ اس طرح عورت چونکہ اپنی ذات کے بارے میں اختیار رکھتی ہے تو اسے اپنے ذمے مال کی ادائیگی لازم کرنے کا بھی اختیار ہونا چاہئے اور ملک نکاح ایک ایسی چیز ہے جس میں عوض لینا جائز ہے اگرچہ وہ مال نہیں ہے جیسا کہ قصاص کا یہی حکم ہے اور طلاق بائنہ ہوجائے گی اس کی دلیل ہم بیان کرچکے ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے: یہ جان کے بدلے میں مال کا معاوضہ ہے تو جب مرد ایک بدل کا مالک بن جائے گا تو دوسرے بدل یعنی نفس کی مالک عورت ہوجائے گی تاکہ برابری کا حکم ہوسکے۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ چونکہ شوہر کی جانب سے خلع طلاق ہے لہٰذا شوہر کا عاقل بالغ ہونا شرط ہے نابالغ یا مجنون خلع نہیں کرسکتا کہ اہل طلاق نہیں اور یہ بھی شرط ہے کہ عورت محل طلاق ہو لہٰذا اگر عورت کو طلاق بائن دیدی ہے تو اگرچہ عدت میں ہو اس سے خلع نہیں ہوسکتا۔ یونہی اگر نکاح فاسد ہوا ہے یا عورت مرتدہ ہوگئی جب بھی خلع نہیں ہوسکتا کہ نکاح ہی نہیں ہے خلع کس چیز کا ہوگا اور رجعی کی عدت میں ہے تو خلع ہوسکتا ہے۔

علامہ علاؤالدین کاسانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں،

جب شوہر نے کہا میں نے تجھ سے خلع کیا اور مال کا ذکر نہ کیا تو خلع نہیں بلکہ طلاق ہے اور عورت کے قبول کرنے پر موقوف نہیں۔ (بدائع الصنائع، طلاق کا بیان)

شوہر نے کہا میں نے تجھ سے اتنے پر خلع کیا عورت نے جواب میں کہا ہاں تو اس سے کچھ نہیں ہوگا جب تک یہ نہ کہے کہ میں راضی ہوئی یا جائز کیا یہ کہا تو صحیح ہوگیا۔ یونہی اگر عورت نے کہا مجھے ہزار روپیہ کے بدلے میں طلاق دیدے شوہر نے کہا ہاں تو یہ بھی کچھ نہیں اور اگر عورت نے کہا مجھ کو ہزار روپیہ کے بدلے میں طلاق ہے شوہر نے کہا ہاں تو ہوگئی۔

خلع میں عوض باطل ہونے کا حکم

قَالَ ﴿وَإِنْ بَطَلَ الْعِوَضُ فِي الْخُلْعِ مِثْلَ أَنْ يُخَالِعَ الْمُسْلِمُ عَلَى خَمْرٍ أَوْ خِنْزِيرٍ أَوْ مَيْتَةٍ فَلَا شَيْءَ لِلزَّوْجِ وَالْفُرْقَةُ بَائِنَةٌ، وَإِنْ بَطَلَ الْعِوَضُ فِي الطَّلَاقِ كَانَ رَجْعِيًّا﴾ فَوُقُوعُ الطَّلَاقِ فِي الْوَجْهَيْنِ لِلتَّعْلِيقِ بِالْقَبُولِ وَافْتِرَاقُهُمَا فِي الْحُكْمِ لِأَنَّهُ لَمَّا بَطَلَ الْعِوَضُ كَانَ

الْعَامِلُ فِي الْأَوَّلِ لَفْظُ الْخُلْعِ وَهُوَ كِنَايَةٌ، وَفِي الثَّانِي الصَّرِيْحُ وَهُوَ يَعْقُبُ الرَّجْعَةَ وَإِنَّمَا لَمْ يَجِبْ لِلزَّوْجِ شَيْءٌ عَلَيْهَا لِأَنَّهَا مَا سَمَّتْ مَالًا مُتَقَوَّمًا حَتّٰى تَصِيْرَ غَارَّةً لَهُ، وَلِأَنَّهُ لَا وَجْهَ إِلَى إِيْجَابِ الْمُسَمّٰى لِلْإِسْلَامِ وَلَا إِلَى إِيْجَابِ غَيْرِهِ لِعَدَمِ الْإِلْتِزَامِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا خَالَعَ عَلٰى خَلٍّ بِعَيْنِهِ فَظَهَرَ أَنَّهُ خَمْرٌ لِأَنَّهَا سَمَّتْ مَالًا فَصَارَ مَغْرُوْرًا، وَبِخِلَافِ مَا إِذَا كَاتَبَ أَوْ أَعْتَقَ عَلٰى خَمْرٍ حَيْثُ تَجِبُ قِيْمَةُ الْعَبْدِ لِأَنَّ مِلْكَ الْمَوْلٰى فِيْهِ مُتَقَوَّمٌ وَمَا رَضِيَ بِزَوَالِهِ مَجَّانًا، أَمَّا مِلْكُ الْبُضْعِ فِي حَالَةِ الْخُرُوْجِ غَيْرُ مُتَقَوَّمٍ عَلٰى مَا نَذْكُرُ، وَبِخِلَافِ النِّكَاحِ لِأَنَّ الْبُضْعَ فِي حَالَةِ الدُّخُوْلِ مُتَقَوَّمٌ، وَالْفِقْهُ أَنَّهُ شَرِيْفٌ فَلَمْ يُشْرَعْ تَمَلُّكُهُ إِلَّا بِعِوَضٍ إِظْهَارًا لِشَرَفِهِ، فَأَمَّا الْإِسْقَاطُ فَنَفْسُهُ شَرَفٌ فَلَا حَاجَةَ إِلَى إِيْجَابِ الْمَالِ. قَالَ ﴿وَمَا جَازَ أَنْ يَكُوْنَ مَهْرًا جَازَ أَنْ يَكُوْنَ بَدَلًا فِي الْخُلْعِ﴾ لِأَنَّ مَا يَصْلُحُ عِوَضًا لِلْمُتَقَوَّمِ أَوْلٰى أَنْ يَصْلُحَ عِوَضًا لِغَيْرِ الْمُتَقَوَّمِ.

ترجمہ

فرمایا: اور اگر خلع میں عوض باطل ہو جیسے کوئی مسلمان شراب' خنزیر یا مردار کے عوض خلع کرے' تو شوہر کو کچھ نہیں ملے گا' اور علیحدگی بائنہ طور پر ہوگی' لیکن اگر طلاق میں عوض باطل ہو' تو رجعی طلاق ہوتی ہے۔ البتہ دونوں صورتوں میں طلاق کا وقوع قبول کرنے پر ہوگا اور حکم میں دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہوں گے اس کی دلیل یہ ہے: عوض باطل ہوگا' تو پہلی صورت میں عمل کرنے والا لفظ خلع ہوگا جو کہ ''کنایہ'' ہے اور دوسری صورت میں لفظ ''صریح'' ہوگا جو رجعت لے کر آتا ہے البتہ عورت کے ذمے کسی بھی چیز کی ادائیگی لازم نہیں ہوگی جو شوہر کو ادا کی جائے اس کی دلیل یہ ہے: اس نے ایسی کسی چیز کو مقرر نہیں کیا جو قیمت رکھتی ہو اسے مرد کے ساتھ دھوکے کرنے والی قرار دیا جائے۔ اس کی دلیل یہ بھی ہے: اس نے جس چیز کو معاوضہ مقرر کیا ہے' وہ اسلام کی دلیل سے قابل قبول نہیں ہے اور اس چیز کے علاوہ' کسی دوسری چیز کی ادائیگی بھی عورت کے ذمے لازم نہیں کی گئی۔ اس کی دلیل یہ ہے: عورت نے کسی اور چیز کی ادائیگی کو اپنے ذمے نہیں لیا۔

البتہ جب شوہر نے کسی متعین سرکے کے عوض خلع کیا ہو' اور بعد میں وہ شراب نکل آئے (تو حکم مختلف ہوگا) اس کی دلیل یہ ہے: عورت نے مال متعین کر لیا تھا اور اس طرح شوہر کے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔ اس کے برخلاف جب کوئی شخص اپنے غلام کو شراب کے عوض میں آزاد کر دے یا مکاتب بنا لے تو اس صورت میں مالک غلام کی قیمت کو وصول کرے گا' کیونکہ آقا جس چیز کا مالک ہے وہ ایک قیمت والی چیز ہے اور وہ اپنی ملکیت کو کسی معاوضہ کے بغیر زائل کرنے پر رضامند نہیں ہوگا۔ جہاں تک ملک بضع کا تعلق ہے'

تو وہ طلاق کی دلیل سے باقیمت مال نہیں رہتا اس کی تفصیل ہم عنقریب بیان کریں گے۔ جبکہ شراب کے عوض نکاح کرنے کا حکم اس سے مختلف ہے' کیونکہ عورت سے تمتع کا حق رکھنا ایک باقیمت چیز شمار ہوگا۔ اس میں مفہوم یہ ہے: عورت سے تمتع قابل احترام ہے اور شریعت نے اس چیز کو درست قرار نہیں دیا کہ عوض کے بغیر اس کا مالک بنا جائے اس کی دلیل یہ ہے' اس کے شرف واحترام کو نمایاں کیا جائے' لیکن اگر شوہر عورت سے اس کے حق کو زائل کر دے' تو وہ از خود قابل احترام ہے اس لئے مال کو واجب کرنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔ فرماتے ہیں: جو بھی چیز مہر بننے کی صلاحیت رکھتی ہے' اسے خلع میں معاوضے کے طور پر قبول کیا جا سکتا ہے' کیونکہ ہر وہ باقیمت چیز تمتع کے حق کا عوض بن سکتی ہے' وہ اس چیز کا عوض بدرجہ اولیٰ بن سکتی ہے' جو باقیمت نہ ہو۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ شراب وخنزیر ومردار وغیرہ ایسی چیز پر خلع ہوا جو مال نہیں تو طلاق بائن پڑگئی اور عورت پر کچھ واجب نہیں اور اگران چیزوں کے بدلے میں طلاق دی تو رجعی واقع ہوئی۔ یونہی اگر عورت نے یہ کہا میرے ہاتھ میں جو کچھ ہے اُس کے بدلے میں خلع کر اور ہاتھ میں کچھ نہ تھا تو کچھ واجب نہیں اور اگر یوں کہا کہ اُس مال کے بدلے میں جو میرے ہاتھ میں ہے اور ہاتھ میں کچھ نہ ہو تو اگر مہر لے چکی ہے تو واپس کرے ورنہ مہر ساقط ہو جائیگا اور اس کے علاوہ کچھ دینا نہیں پڑیگا۔ یونہی اگر شوہر نے کہا میں نے خلع کیا اُس کے بدلے میں جو میرے ہاتھ میں ہے اور ہاتھ میں کچھ نہ ہو تو کچھ نہیں اور ہاتھ میں جواہرات ہوں تو عورت پر دینا لازم ہوگا اگرچہ عورت کو یہ معلوم نہ تھا کہ اُس کے ہاتھ میں کیا ہے۔

(درمختار، باب خلع، ج۵، ص۹۶، بیروت)

جب عورت نے جو کچھ ہاتھ میں ہے اس پر خلع کیا

﴿فَإِنْ قَالَتْ لَهُ خَالِعْنِي عَلَى مَا فِي يَدِي فَخَالَعَهَا فَلَمْ يَكُنْ فِي يَدِهَا شَيْءٌ فَلَا شَيْءَ لَهُ عَلَيْهَا﴾ لِأَنَّهَا لَمْ تَغُرَّهُ بِتَسْمِيَةِ الْمَالِ ﴿وَإِنْ قَالَتْ خَالِعْنِي عَلَى مَا فِي يَدِي مِنْ مَالٍ فَخَالَعَهَا فَلَمْ يَكُنْ فِي يَدِهَا شَيْءٌ رَدَّتْ عَلَيْهِ مَهْرَهَا﴾ لِأَنَّهَا لَمَّا سَمَّتْ مَالًا لَمْ يَكُنِ الزَّوْجُ رَاضِيًا بِالزَّوَالِ إلَّا بِعِوَضٍ، وَلَا وَجْهَ إلَى إيجَابِ الْمُسَمَّى وَقِيمَتِهِ لِلْجَهَالَةِ وَلَا إلَى قِيمَةِ الْبُضْعِ :أَعْنِي مَهْرَ الْمِثْلِ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُتَقَوِّمٍ حَالَةَ الْخُرُوجِ فَتَعَيَّنَ إيجَابُ مَا قَامَ بِهِ عَلَى الزَّوْجِ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهُ ﴿وَلَوْ قَالَتْ خَالِعْنِي عَلَى مَا فِي يَدِي مِنْ دَرَاهِمَ أَوْ مِنْ الدَّرَاهِمِ فَفَعَلَ فَلَمْ يَكُنْ فِي يَدِهَا شَيْءٌ فَعَلَيْهَا ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ﴾ لِأَنَّهَا سَمَّتْ الْجَمْعَ وَأَقَلُّهُ ثَلَاثَةٌ، وَكَلِمَةُ مِنْ هَاهُنَا لِلصِّلَةِ دُونَ التَّبْعِيضِ

لِاَنَّ الْكَلَامَ يَخْتَلُّ بِدُوْنِهٖ.

ترجمہ

اور اگر بیوی نے شوہر سے یہ کہا میرے پاس جو مال ہے اس کے عوض مجھ سے خلع کرلو اور مرد اس بات کو تسلیم کرے اور عورت کے پاس کچھ بھی نہ ہو تو عورت کو اپنا مہر مرد کو واپس کرنا ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے: جب عورت نے مال کا نام لیا تو اس سے یہ پتہ چل گیا کہ شوہر عوض کے بغیر اپنی ملکیت کو زائل کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگا اور عورت نے جس کو مال قرار دیا تھا اس کے لازم کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے اور اس کی قیمت کو بھی لازم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ چیز تو معلوم ہی نہیں ہے تو عورت پر تمتع کے حق کا معاوضہ یعنی مہر مثل بھی لازم نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ خروج کی حالت میں بضع مال متقوم نہیں ہوتی ہے۔ اب صرف ایک ہی صورت باقی رہ جائے گی کہ مرد نے جو کچھ اسے ادا کیا تھا اس کی ادائیگی عورت پر لازم کردی جائے تاکہ شوہر کے نقصان کا ازالہ ہو سکے۔ اگر عورت نے یہ کہا ہو: میرے ہاتھ میں جو دراہم ہیں اس کے عوض مجھ سے خلع کرلو اور شوہر خلع کرے لیکن عورت کے ہاتھ میں کچھ بھی نہ ہو تو عورت کو تین درہم کی ادائیگی لازم ہوگی کیونکہ عورت نے اپنے الفاظ میں جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے اور جمع کا اطلاق کم از کم تین افراد پر ہوتا ہے اسی طرح لفظ ''من'' بیان کے طور پر ہے یہ تبعیض کا مفہوم پیدا کرنے کے لئے نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے: لفظ ''من'' کے بغیر کلام میں خلل واقع ہو جائے گا۔

شرح

اگر یہ کہا کہ اِس گھر میں یا اس صندوق میں جو مال یا روپے ہیں اُن کے بدلے میں خلع کرا اور حقیقۃً ان میں کچھ نہ تھا تو یہ بھی اسی کے مثل ہے کہ ہاتھ میں کچھ نہ تھا۔ یونہی اگر یہ کہا کہ اس جاریہ یا بکری کے پیٹ میں جو ہے اُس کے بدلے میں اور کمتر مدت حمل میں نہ جنی تو مفت طلاق واقع ہوگئی اور کمتر مدت حمل میں جنی تو وہ بچہ خلع کے بدلے ملے گا۔ کمتر مدت حمل عورت میں چھ مہینے ہے اور بکری میں چار مہینے اور دوسرے چوپایوں میں بھی وہی چھ مہینے۔ یونہی اگر کہا اس درخت میں جو پھل ہیں اُن کے بدلے اور درخت میں پھل نہیں تو مہر واپس کرنا ہوگا۔ (درمختار)

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر بیوی شوہر سے یہ کہتی ہے میرے ہاتھ میں جو مال موجود ہے اس کے عوض میں تم مجھ سے خلع کرلو اور پھر شوہر اس سے خلع کرلے اور عورت کے ہاتھ میں کوئی چیز موجود نہ ہو تو وہ عورت اس شخص کو اپنا مہر ادا کرے گی اس کی دلیل یہ ہے: جب اس نے اپنے جملے میں لفظ مال استعمال کرلیا تو اس کا مطلب یہ ہے: شوہر اپنی ملکیت کو صرف اسی وقت زائل کرنے پر تیار ہوگا جب اس کا کوئی عوض موجود ہو۔

اب کیونکہ بیوی کے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا لہذا کسی بھی طے شدہ ادائیگی کو لازم قرار دینے کی کوئی صورت نہیں ہے کیونکہ اس کی قیمت مجہول ہو جاتی ہے اسی طرح بضع کے معاوضے یعنی مہر مثل کو لازم قرار دینے کی بھی کوئی صورت نہیں ہے کیونکہ

اس وقت بضع کی حیثیت مال متقوم کی نہیں ہے' کیونکہ یہاں حق ملکیت سے چیز نکل رہی ہے لہٰذا اب یہ چیز متعین ہوگی: اس چیز کی ادائیگی کو لازم قرار دیا جائے جو شوہر نے ادا کی تھی تا کہ شوہر کو ہونے والے نقصان کو دور کیا جا سکے۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر بیوی شوہر سے یہ کہتی ہے: میرے ہاتھ میں جو دراہم موجود ہیں ان کے عوض میں تم مجھ سے خلع کر لو اور عورت کے ہاتھ میں کچھ نہ ہو' تو عورت پر تین درہم کی ادائیگی لازم ہوگی اس کی دلیل یہ ہے: عورت نے اپنے جملے میں لفظ جمع استعمال کیا ہے' اور جمع کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے عورت نے اپنے جملے میں جو لفظ ''من'' استعمال کیا ہے یہ بعض کا مفہوم پیدا کرنے کی بجائے صلے کے طور پر ہوگا اس کی دلیل یہ ہے: اس کے بغیر کلام میں خلل آجائے گا۔

مفرور غلام کے عوض میں خلع لینے کا حکم

﴿فَاِنْ اخْتَلَعَتْ عَلٰى عَبْدٍ لَهَا آبِقٍ عَلٰى اَنَّهَا بَرِيْئَةٌ مِنْ ضَمَانِهٖ لَمْ تَبْرَأْ وَعَلَيْهَا تَسْلِيْمُ عَيْنِهٖ اِنْ قَدَرَتْ وَتَسْلِيْمُ قِيْمَتِهٖ اِنْ عَجَزَتْ﴾ لِاَنَّهٗ عَقْدُ الْمُعَاوَضَةِ فَيَقْتَضِيْ سَلَامَةَ الْعِوَضِ، وَاشْتِرَاطُ الْبَرَاءَةِ عَنْهُ شَرْطٌ فَاسِدٌ فَيَبْطُلُ اِلَّا اَنَّ الْخُلْعَ لَا يَبْطُلُ بِالشُّرُوْطِ الْفَاسِدَةِ، وَعَلٰى هٰذَا النِّكَاحِ

ترجمہ

اور اگر عورت کسی ایسے غلام کے عوض خلع کرے جو مفرور ہو اور یہ شرط بھی عائد کر دے کہ اس غلام کی میری طرف سے کوئی ضمانت نہیں ہے' تو وہ عورت بری الذمہ نہیں ہوگی اور اسے وہی غلام ادا کرنا ہوگا اگر وہ اس پر قادر ہو جاتی ہے' اور اگر قادر نہیں ہوتی تو اسے اس غلام کی قیمت ادا کرنا ہوگی۔ اس کی دلیل یہ ہے: معاوضے کا عقد ہے اور یہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ عوض کو سلامتی کے ساتھ (ادا کیا جائے) اور اس سے بری ہونے کو شرط مقرر کرنا یہ ایک فاسد شرط ہے' لہٰذا یہ باطل قرار دی جائے گی البتہ خلع باطل شرائط کے نتیجے میں خود باطل نہیں ہوتا اور یہی حکم نکاح کا بھی ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ جب کسی بھاگے ہوئے غلام کے بدلے میں خلع کیا اور عورت نے یہ شرط لگادی کہ میں اُس کی ضامن نہیں یعنی اگر مل گیا تو دیدوں گی اور نہ ملا تو اس کا تاوان میرے ذمہ نہیں تو خلع صحیح ہے اور شرط باطل یعنی اگر نہ ملا تو عورت اُس کی قیمت دے اور اگر یہ شرط لگائی کہ اگر اُس میں کوئی عیب ہو تو میں بَری ہوں تو شرط صحیح ہے۔ جانور گم شدہ کے بدلے میں ہو جب بھی یہی حکم ہے۔۔ (در مختار، کتاب طلاق، باب خلع)

طلاق کے مطالبے اور خلع کے عوض میں فرق کا حکم

﴿وَاِذَا قَالَتْ طَلِّقْنِیْ ثَلَاثًا بِاَلْفٍ فَطَلَّقَهَا وَاحِدَةً فَعَلَيْهَا ثُلُثُ الْاَلْفِ﴾ لِاَنَّهَا لَمَّا طَلَبَتِ الثَّلَاثَ بِاَلْفٍ فَقَدْ طَلَبَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ بِثُلُثِ الْاَلْفِ، وَهٰذَا لِاَنَّ حَرْفَ الْبَاءِ يَصْحَبُ الْاَعْوَاضَ وَالْعِوَضُ يَنْقَسِمُ عَلَى الْمُعَوَّضِ وَالطَّلَاقُ بَائِنٌ لِوُجُوْبِ الْمَالِ ﴿وَاِنْ قَالَتْ طَلِّقْنِیْ ثَلَاثًا عَلٰی اَلْفٍ فَطَلَّقَهَا وَاحِدَةً فَلَا شَیْءَ عَلَيْهَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَيَمْلِكُ الرَّجْعَةَ .وَقَالَا هِیَ وَاحِدَةٌ بَائِنَةٌ بِثُلُثِ الْاَلْفِ﴾ لِاَنَّ كَلِمَةَ عَلٰی بِمَنْزِلَةِ الْبَاءِ فِی الْمُعَاوَضَاتِ، حَتّٰی اِنَّ قَوْلَهُمْ اِحْمِلْ هٰذَا الطَّعَامَ بِدِرْهَمٍ اَوْ عَلٰی دِرْهَمٍ سَوَاءٌ .وَلَهٗ اَنَّ كَلِمَةَ عَلٰی لِلشَّرْطِ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی ﴿يُبَايِعْنَكَ عَلٰی اَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا﴾ وَمَنْ قَالَ لِامْرَاَتِهٖ اَنْتِ طَالِقٌ عَلٰی اَنْ تَدْخُلِی الدَّارَ كَانَ شَرْطًا، وَهٰذَا لِاَنَّهٗ لِلُّزُوْمِ حَقِيْقَةً، وَاسْتُعِيْرَ لِلشَّرْطِ لِاَنَّهٗ يُلَازِمُ الْجَزَاءَ، وَاِذْ كَانَ لِلشَّرْطِ فَالْمَشْرُوْطُ لَا يَتَوَزَّعُ عَلٰی اَجْزَاءِ الشَّرْطِ، بِخِلَافِ الْبَاءِ لِاَنَّهٗ لِلْعِوَضِ عَلٰی مَا مَرَّ، وَاِذَا لَمْ يَجِبِ الْمَالُ كَانَ مُبْتَدَاً فَوَقَعَ الطَّلَاقُ وَيَمْلِكُ الرَّجْعَةَ

ترجمہ

اور جب عورت یہ کہے: ایک ہزار کے عوض میں مجھے تین طلاق دے دو اور مرد اسے ایک طلاق دیدے تو عورت کے ذمے ایک ہزار کا تیسرا حصہ ادا کرنا لازم ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے: جب اس نے تین طلاقوں کا مطالبہ ایک ہزار کے عوض میں کیا تھا تو گویا اس نے ہر ایک طلاق کو ایک ہزار کے ایک تہائی کے عوض میں طلب کیا اس کی دلیل یہ بھی ہے: حرف ''ب'' عوض کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے اور عوض اپنے متبادل پر تقسیم ہو جاتا ہے اور یہ طلاق بائنہ ہوگی کیونکہ مال کی ادائیگی لازم ہوگئی ہے۔ اگر عورت نے یہ کہا ہو: ایک ہزار پر تین طلاقیں دے دو تو مرد ایک طلاق دیدے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک کوئی بھی ادائیگی واجب نہیں ہوگی اور مرد طلاق سے رجوع کرنے کا مالک ہوگا۔ صاحبین نے یہ بات بیان کی ہے: یہ طلاق واقع ہو جائے گی اور عورت کو ایک ہزار کا ایک تہائی حصہ ادا کرنا ہوگا۔ صاحبین کے نزدیک حرف ''علیٰ'' بھی معاوضے کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح سے اس مفہوم میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ لوگوں کا محاورہ ہے ''اس اناج کو ایک درہم کے عوض میں اٹھا کر لے جاؤ یا ایک درہم پر اٹھا کر لے جاؤ'' یہ دونوں ایک جیسا مفہوم رکھتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے: لفظ ''علیٰ'' شرط کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ''یہ عورتیں اس شرط پر تمہاری بیعت کریں گی کہ وہ کسی کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہرائیں گی''۔ جو شخص اپنی بیوی سے یہ کہے: ''تمہیں

طلاق ہے اس شرط پر کہ تم گھر میں داخل ہو جاؤ'' تو یہاں بھی ''علی'' شرط کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے یہ حقیقت لازم کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اسے استعارے کے طور پر شرط کے لئے استعمال کیا جاتا ہے' کیونکہ شرط اپنی جزا کے ساتھ لازم ہو جاتی ہے۔ تو جب یہ شرط کے لئے استعمال ہوگا' تو مشروط چیز شرط کے اجزاء پر تقسیم نہیں ہوتی جبکہ ''ب'' اس کا حکم مختلف ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں: وہ عوض کے لئے استعمال ہوتا ہے' تو جب مال کی ادائیگی واجب نہیں ہوگی' تو یہ شوہر کی طرف سے ابتدائی طلاق ہوگی ور اسے رجوع کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

شوہر کو طلاق بیچنے میں فقہی تصریحات

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی عورت نے کہا ہزار روپے کے عوض مجھے تین طلاقیں دیدے شوہر نے اُسی مجلس میں ایک طلاق دی تو بائن واقع ہوئی اور ہزار کی تہائی کا مستحق ہے اور مجلس سے اُٹھ گیا پھر طلاق دی تو بلا معاوضہ واقع ہوگی۔ اور اگر عورت کے اس کہنے سے پہلے دو طلاقیں دے چکا تھا اور اب ایک دی تو پورے ہزار پائیگا۔ اور اگر عورت نے کہا تھا کہ ہزار روپے پر تین طلاقیں دے اور ایک دی تو رجعی ہوئی اور اگر اس صورت میں مجلس میں تین طلاقیں متفرق کر کے دیں تو ہزار پائے گا اور تین مجلسوں میں دیں تو کچھ نہیں پائیگا۔ شوہر نے عورت سے کہا ہزار کے عوض یا ہزار روپے پر تو اپنے کو تین طلاقیں دیدے عورت نے ایک طلاق دی تو واقع نہ ہوئی۔ عورت سے کہا ہزار کے عوض یا ہزار روپے پر تجھ کو طلاق ہے عورت نے اُسی مجلس میں قبول کر لیا تو ہزار روپے واجب ہو گئے اور طلاق ہوگئی۔ ہاں اگر عورت بیوقوف ہے یا قبول کرنے پر مجبور کی گئی تو بغیر مال طلاق پڑ جائے گی اور اگر مریضہ ہے تو تہائی سے یہ رقم ادا کی جائے گی۔ (درمختار، کتاب طلاق)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اپنی دو عورتوں سے کہا تم میں ایک کو ہزار روپے کے عوض طلاق ہے اور دوسری کو سواشرفیوں کے بدلے اور دونوں نے قبول کر لیا تو دونوں مطلقہ ہوگئیں اور کسی پر کچھ واجب نہیں ہاں اگر شوہر دونوں سے روپے لینے پر راضی ہو تو روپے لازم ہوں گے اور راضی نہ ہو تو مفت مگر اس صورت میں رجعی ہوگی۔ اور اگر یوں کہا کہ ایک کو ہزار روپے پر طلاق اور دوسری کو پانسو روپے پر تو دونوں مطلقہ ہوگئیں اور ہر ایک پر پان پانچ سو روپے لازم ہیں۔ اور اگر اس نے عورت غیر مدخولہ کو ہزار روپے پر طلاق دی اور اُس کا مہر تین ہزار کا تھا جو سب ابھی شوہر کے ذمہ ہے تو ڈیڑھ ہزار تو یوں ساقط ہو گئے کہ قبل دخول طلاق دی ہے باقی رہے ڈیڑھ ہزار ان میں ہزار طلاق کے بدلے وضع ہوئے اور پانچ سو روپے شوہر سے واپس لے۔ (ردمختار، کتاب طلاق)

خلع سے متعلق ایک ذیلی صورت کا حکم

﴿وَلَوْ قَالَ الزَّوْجُ طَلِّقِي نَفْسَكِ ثَلَاثًا بِأَلْفٍ أَوْ عَلَى أَلْفٍ فَطَلَّقَتْ نَفْسَهَا وَاحِدَةً لَمْ يَقَعْ شَيْءٌ﴾ لِأَنَّ الزَّوْجَ مَا رَضِيَ بِالْبَيْنُونَةِ إِلَّا لِتَسْلَمَ لَهُ الْأَلْفُ كُلُّهَا، بِخِلَافِ

قَوْلِهَا طَلِّقْنِي ثَلَاثًا بِأَلْفٍ لِأَنَّهَا لَمَّا رَضِيَتْ بِالْبَيْنُونَةِ بِأَلْفٍ كَانَتْ بِبَعْضِهَا أَرْضَى

﴿وَلَوْ قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ عَلَى أَلْفٍ فَقَبِلَتْ طَلُقَتْ وَعَلَيْهَا الْأَلْفُ وَهُوَ كَقَوْلِهِ أَنْتِ طَالِقٌ بِأَلْفٍ﴾ وَلَا بُدَّ مِنَ الْقَبُولِ فِي الْوَجْهَيْنِ لِأَنَّ مَعْنَى قَوْلِهِ بِأَلْفٍ بِعِوَضِ أَلْفٍ يَجِبُ لِي عَلَيْكِ، وَمَعْنَى قَوْلِهِ عَلَى أَلْفٍ عَلَى شَرْطِ أَلْفٍ يَكُونُ لِي عَلَيْكِ، وَالْعِوَضُ لَا يَجِبُ بِدُونِ قَبُولِهِ، وَالْمُعَلَّقُ بِالشَّرْطِ لَا يَنْزِلُ قَبْلَ وُجُودِهِ .وَالطَّلَاقُ بَائِنٌ لِمَا قُلْنَا .

ترجمہ

اور اگر شوہر نے یہ کہا: ایک ہزار کے عوض میں یا ایک ہزار پر اپنے آپ کو تین طلاقیں دے دو تو وہ عورت اپنے آپ کو ایک طلاق دیدے تو کچھ واقع نہیں ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے: شوہر مکمل علیحدگی پر اس وقت راضی شمار ہوگا۔ جب پورے ایک ہزار اس کے سپرد کئے جائیں اس کے برخلاف جب عورت یہ کہے: تم مجھے ایک ہزار کے عوض تین طلاقیں دے دو تو اس کا حکم مختلف ہوگا اس کی دلیل یہ ہے: عورت ایک ہزار کے عوض علیحدگی پر راضی ہے تو وہ اس کے بعض حصے کے عوض میں بدرجہ اولیٰ علیحدگی پر راضی ہوگی۔

اگر شوہر نے یہ کہا: تمہیں ایک ہزار پر طلاق ہے اور عورت اس بات کو قبول کر لے تو عورت کو طلاق ہو جائے گی اور اس کے ذمے ایک ہزار کی ادائیگی لازم ہوگی یہ ان الفاظ کی طرح ہے "ایک ہزار کے عوض تمہیں طلاق ہے"۔ دونوں صورتوں میں قبول کرنا لازم ہوگا' کیونکہ مرد کے الفاظ "بالف" کا مطلب یہ ہے: ایک ہزار کے عوض میں جو میرے لئے تم پر واجب ہو جائیں گے' اور مرد کے یہ الفاظ "علی" کا مطلب یہ ہے: اس شرط پر کہ تمہاری طرف سے ایک ہزار مجھے ملیں گے' اور عوض اسی وقت لازم ہوگا جب اسے قبول کیا جائے' اور جس چیز کو شرط کے ساتھ معلق کیا جائے وہ شرط کے وجود سے پہلے ثابت نہیں ہوتی اور اس صورت میں طلاق بائنہ ہوگی جس کی دلیل ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اور جب کسی عورت نے کہا ہزار روپے پر یا ہزار کے بدلے میں مجھے ایک طلاق دے شوہر نے کہا تجھ پر تین طلاقیں اور بدلے کو ذکر نہ کیا تو بلا معاوضہ تین ہو گئیں۔ اور اگر شوہر نے ہزار کے بدلے میں تین دیں تو عورت کے قبول کرنے پر موقوف ہے قبول نہ کیا تو کچھ نہیں اور قبول کیا تو تین طلاقیں ہزار کے بدلے میں ہوئیں۔ عورت سے کہا تجھ پر تین طلاقیں ہیں جب تو مجھے ہزار روپے دے تو فقط اس کہنے سے طلاق واقع نہ ہوگی بلکہ جب عورت ہزار روپے دے گی یعنی شوہر کے سامنے لاکر رکھ دیگی اُس وقت طلاقیں واقع ہونگی اگرچہ شوہر لینے سے انکار کرے اور شوہر روپے لینے پر مجبور نہیں کیا جائیگا۔ دونوں

راہ چل رہے ہیں اور خلع کیا اگر ہر ایک کا کلام دوسرے کے کلام سے متصل ہے تو خلع صحیح ہے ورنہ نہیں اور اس صورت میں طلاق بھی واقع نہیں ہوگی۔ عورت کہتی ہے میں نے ہزار کے بدلے تین طلاقوں کو کہا تھا اور تو نے ایک دی اور شوہر کہتا ہے تو نے ایک ہی کو کہا تھا تو اگر شوہر گواہ پیش کرے تو اچھا ہے ورنہ عورت کا قول معتبر ہے۔ (عالم گیری، کتاب طلاق)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب شوہر کہتا ہے میں نے ہزار روپے پر تجھے طلاق دی تو نے قبول نہ کیا عورت کہتی ہے میں نے قبول کیا تھا تو قسم کے ساتھ شوہر کا قول معتبر ہے اور اگر شوہر کہتا ہے میں نے ہزار روپے پر تیرے ہاتھ طلاق بیچی تو نے قبول نہ کی عورت کہتی ہے میں نے قبول کی تھی تو عورت کا قول معتبر ہے۔ (درمختار، کتاب طلاق)

اور اگر وہ عورت کہتی ہے میں نے سو روپے میں طلاق دینے کو کہا تھا شوہر کہتا ہے نہیں بلکہ ہزار کے بدلے تو عورت کا قول معتبر ہے اور دونوں نے گواہ پیش کیے تو شوہر کے گواہ قبول کیے جائیں۔ یونہی اگر عورت کہتی ہے بغیر کسی بدلے کے خلع ہوا اور شوہر کہتا ہے نہیں بلکہ ہزار روپے کے بدلے میں تو عورت کا قول معتبر ہے اور گواہ شوہر کے مقبول ہیں۔ اور اگر عورت کہتی ہے میں نے ہزار کے بدلے میں تین طلاق کو کہا تھا تو نے ایک دی شوہر کہتا ہے میں نے تین دیں اگر اسی مجلس کی بات ہے تو شوہر کا قول معتبر ہے اور وہ مجلس نہ ہو تو عورت کا اور عورت پر ہزار کی تہائی واجب مگر عدت پوری نہیں ہوئی ہے تو تین طلاقیں ہوگئیں۔

(عالم گیری، کتاب طلاق)

شوہر کا بیوی کو ایک ہزار کے بدلے میں طلاق دینے کا بیان

﴿وَلَوْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ أَنْتِ طَالِقٌ وَعَلَيْكِ أَلْفٌ فَقَبِلَتْ، وَقَالَ لِعَبْدِهِ أَنْتَ حُرٌّ وَعَلَيْكَ أَلْفٌ فَقَبِلَ عَتَقَ الْعَبْدُ وَطَلُقَتْ الْمَرْأَةُ، وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِمَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ﴾ وَكَذَا إذَا لَمْ يَقْبَلَا ﴿وَقَالَا عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْأَلْفُ إذَا قَبِلَ﴾ وَإِذَا لَمْ يَقْبَلْ لَا يَقَعُ الطَّلَاقُ وَالْعَتَاقُ. لَهُمَا أَنَّ هَذَا الْكَلَامَ يُسْتَعْمَلُ لِلْمُعَاوَضَةِ، فَإِنَّ قَوْلَهُمْ احْمِلْ هَذَا الْمَتَاعَ وَلَكَ دِرْهَمٌ بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهِمْ بِدِرْهَمٍ. وَلَهُ أَنَّهُ جُمْلَةٌ تَامَّةٌ فَلَا تَرْتَبِطُ بِمَا قَبْلَهُ إلَّا بِدَلَالَةٍ، إذْ الْأَصْلُ فِيهَا الِاسْتِقْلَالُ وَلَا دَلَالَةَ، لِأَنَّ الطَّلَاقَ وَالْعَتَاقَ يَنْفَكَّانِ عَنْ الْمَالِ، بِخِلَافِ الْبَيْعِ وَالْإِجَارَةِ لِأَنَّهُمَا لَا يُوجَدَانِ دُونَهُ.

ترجمہ

اور اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے: تمہیں طلاق ہے اور تم پر ایک ہزار کی ادائیگی لازم ہوگی اور عورت قبول کرے یا وہ شخص اپنے غلام سے یہ کہے: تم آزاد ہو اور تم پر ایک ہزار کی ادائیگی لازم ہوگی اور غلام اس بات کو قبول کرے تو وہ آزاد ہو جائے گا اور عورت کو طلاق ہو جائے گی۔ لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک ان دونوں پر کوئی ادائیگی لازم نہیں ہوگی اور اسی طرح اگر وہ دونوں اسے

قبول نہیں کرتے (تو یہی حکم ہے) صاحبین یہ فرماتے ہیں: جب وہ قبول کرلیں تو دونوں میں سے ہر ایک پر ایک ہزار کی ادائیگی لازم ہوگی اور اگر وہ قبول نہیں کرتے تو نہ طلاق واقع ہوگی اور نہ وہ غلام آزاد ہوگا۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے: یہ کلام معاوضے کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے لوگ کہتے ہیں: تم یہ سامان اٹھالو تمہیں ایک درہم دیا ہوگا تو یہ اسی طرح ہے: یہ ایک درہم کے عوض میں ہے۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے: یہ جملہ مکمل ہے اس لئے یہ اپنے ماقبل کے ساتھ کسی دلالت کی دلیل سے ہی مربوط ہوگا' کیونکہ اس میں اصل کے اعتبار سے استقلال کا مفہوم پایا جاتا ہے اور یہاں کوئی دلالت نہیں پائی جارہی کیونکہ طلاق اور غلام آزاد ہونا' عوض کے بغیر بھی ہوسکتے ہیں۔ خرید وفروخت اور اجارہ کا حکم اس سے مختلف ہے' کیونکہ یہ دونوں مال کے بغیر نہیں پائے جاسکتے۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ عورت نے کسی کو ہزار روپے پر خلع کے لیے وکیل بنایا تو اگر وکیل نے بدل خلع مطلق رکھا مثلاً یہ کہا کہ ہزار روپے پر خلع کریا اس ہزار پر یا وکیل نے اپنی طرف اضافت کی مثلاً یہ کہا کہ میرے مال سے ہزار روپے پر یا کہا ہزار روپے پر اور میں ہزار روپے کا ضامن ہوں تو دونوں صورتوں میں وکیل کے قبول کرنے سے خلع ہو جائیگا پھر اگر روپے مطلق ہیں جب تو شوہر عورت سے لے گا اور نہ وکیل سے بدل خلع کا مطالبہ کریگا عورت سے نہیں پھر وکیل عورت سے لے گا اور اگر وکیل کے اسباب کے بدلے خلع کیا اور اسباب ہلاک ہوگئے تو وکیل اُن کی قیمت ضمان دے۔ (عالم گیری، کتاب طلاق)

عورت سے کہا میں نے تیرے ہاتھ تین ہزار کو طلاق بیچی اس کو تین بار کہا آخر میں عورت نے کہا میں نے خریدی پھر شوہر یہ کہتا ہے کہ میں نے تکرار کے ارادہ سے تین بار کہا تھا تو قضاءً اُس کا قول معتبر نہیں اور تین طلاقیں واقع ہوگئیں اور عورت کو صرف تین ہزار دینے ہونگے نو ہزار نہیں کہ پہلی طلاق تین ہزار کے عوض ہوئی اور اب دوسری اور تیسری پر مال واجب نہیں ہوسکتا اور یہ [illegible] ہیں، لہٰذا بائن کو لاحق ہوگی۔

مال کے بدلے میں طلاق دی اور عورت نے قبول کرلیا تو مال واجب ہوگا اور طلاق بائن واقع ہوگی۔ (عالم گیری، کتاب طلاق)

خلع میں اختیار کی شرط عائد کرنا

﴿وَلَوْ قَالَ اَنْتِ طَالِقٌ عَلٰى اَلْفٍ عَلٰى اَنِّيْ بِالْخِيَارِ اَوْ عَلٰى اَنَّكِ بِالْخِيَارِ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ فَقَبِلَتْ فَالْخِيَارُ بَاطِلٌ اِذَا كَانَ لِلزَّوْجِ، وَهُوَ جَائِزٌ اِذَا كَانَ لِلْمَرْاَةِ، فَاِنْ رَدَّتِ الْخِيَارَ فِي الثَّلَاثِ بَطَلَ، وَاِنْ لَمْ تَرُدَّ طَلُقَتْ وَلَزِمَهَا الْاَلْفُ﴾ وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ ﴿وَقَالَا: الْخِيَارُ بَاطِلٌ فِي الْوَجْهَيْنِ، وَالطَّلَاقُ وَاقِعٌ وَعَلَيْهَا اَلْفُ دِرْهَمٍ﴾ لِاَنَّ الْخِيَارَ لِلْفَسْخِ بَعْدَ الِانْعِقَادِ لَا لِلْمَنْعِ مِنَ الِانْعِقَادِ، وَالتَّصَرُّفَانِ لَا يَحْتَمِلَانِ الْفَسْخَ مِنَ الْجَانِبَيْنِ لِاَنَّهٗ فِيْ جَانِبِهٖ يَمِيْنٌ

وَمِنْ جَانِبِهَا شَرْطُهَا. وَلِأَبِي حَنِيفَةَ اَنَّ الْخُلْعَ فِي جَانِبِهَا بِمَنْزِلَةِ الْبَيْعِ حَتَّى يَصِحَّ رُجُوعُهَا، وَلَا يَتَوَقَّفُ عَلَى مَا وَرَاءِ الْمَجْلِسِ فَيَصِحُّ اشْتِرَاطُ الْخِيَارِ فِيهِ، اَمَّا فِي جَانِبِهِ يَمِينٌ حَتَّى لَا يَصِحُّ رُجُوعُهُ وَيَتَوَقَّفُ عَلَى مَا وَرَاءِ الْمَجْلِسِ، وَلَا خِيَارَ فِي الْاَيْمَانِ، وَجَانِبُ الْعَبْدِ فِي الْعَتَاقِ مِثْلُ جَانِبِهَا فِي الطَّلَاقِ.

ترجمہ

اور اگر مرد یہ کہے: تمہیں ایک ہزار پر طلاق ہے اس شرط پر کہ تین دن تک مجھے اختیار حاصل ہوگا یا تین دن تک تمہیں اختیار حاصل ہوگا اور عورت اس بات کو قبول کرے تو یہ اختیار باطل ہوجائے گا۔ اگر یہ شوہر کے لئے ہواور اگر یہ عورت کے لئے ہوتو جائز ہوگا اور اگر وہ تین دن میں اس اختیار کو مسترد کردے تو وہ باطل ہوجائے گا اور اگر مسترد نہیں کرتی ہے تو اسے طلاق ہوجائے گی اور اس کے ذمے ایک ہزار کی ادائگی لازم ہوگی یہ حکم امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں: دونوں صورتوں میں اختیار باطل ہوجائے گا اور طلاق واقع ہوجائے گی اور عورت کے ذمے ایک ہزار درہم کی ادائگی لازم ہوجائے گی۔ اس کی دلیل یہ ہے یہ انعقاد کے بعد فسخ کا اختیار ہے نہ کہ انعقاد سے روکنے کا اختیار ہے اور یہ دونوں تصرف دونوں طرف سے فسخ کا اختیار نہیں رکھتے۔ اس کی دلیل ہے: یہ مرد کی طرف سے یمین ہے (یعنی مشروط کرنا ہے) اور عورت کی طرف سے شرط ہے۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے: عورت کی طرف میں خلع سودے کی طرح ہے یہاں تک کہ عورت کا رجوع کرنا درست ہوگا اور یہ بات مجلس سے باہر ہونے پر موقوف نہیں ہوگی۔ لہٰذا اس بارے میں اختیار کو شرط رکھنا درست ہوگا جہاں تک مرد کے پہلو کا تعلق ہے کہ یہ یمین ہے اس کا طلاق کے بارے میں رجوع کرنا درست نہیں ہوگا۔ اور یہ ماوراء مجلس پر موقوف ہوگا۔ جبکہ یمین میں اس نوعیت کا اختیار نہیں ہوتا ہے۔ آزاد ہونے میں غلام کی حیثیت وہی ہوتی ہے جو طلاق ہونے میں عورت کی ہوتی ہے۔

شرح

علامہ محمد آفندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص کی عورت نے کہا ہزار روپے کے عوض مجھے تین طلاقیں دیدے شوہر نے اسی مجلس میں ایک طلاق دی تو بائن واقع ہوئی اور ہزار کی تہائی کا مستحق ہے اور مجلس سے اُٹھ گیا پھر طلاق دی تو بلا معاوضہ واقع ہوئی۔ اور اگر عورت کے اس کہنے سے پہلے دو طلاقیں دے چکا تھا اور اب ایک دی تو پورے ہزار پائیگا۔ اور اگر عورت نے کہا تھا کہ ہزار روپے پر تین طلاقیں دے اور ایک دی تو رجعی ہوئی اور اگر اس صورت میں مجلس میں تین طلاقیں متفرق کر کے دیں تو ہزار پائے گا اور تین مجلسوں میں دیں تو کچھ نہیں پائیگا۔ (ردمحتار، کتاب طلاق)

خلع قبول کرنے میں اختلاف کا بیان

﴿وَمَنْ قَالَ لِامْرَاَتِهِ طَلَّقْتُكِ اَمْسِ عَلَى اَلْفِ دِرْهَمٍ فَلَمْ تَقْبَلِي فَقَالَتْ قَبِلْتُ فَالْقَوْلُ قَوْلُ

الزَّوْجِ، وَمَنْ قَالَ لِغَيْرِهِ بِعْتُ مِنْكَ هٰذَا الْعَبْدَ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ أَمْسِ فَلَمْ تَقْبَلْ فَقَالَ :قَبِلْتُ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُشْتَرِي﴾ وَوَجْهُ الْفَرْقِ أَنَّ الطَّلَاقَ بِالْمَالِ يَمِينٌ مِنْ جَانِبِهِ فَالْإِقْرَارُ بِهِ يَكُونُ إِقْرَارًا بِالشَّرْطِ لِصِحَّتِهِ بِدُونِهِ، أَمَّا الْبَيْعُ فَلَا يَتِمُّ إِلَّا بِالْقَبُولِ وَالْإِقْرَارُ بِهِ إِقْرَارٌ بِمَا لَا يَتِمُّ إِلَّا بِهِ فَإِنْكَارُهُ الْقَبُولَ رُجُوعٌ مِنْهُ.

ترجمہ

اور جو شخص اپنی بیوی سے یہ کہے: میں نے گزشتہ کل ایک ہزار درہم کے عوض میں طلاق دیدی تھی لیکن تم نے قبول نہیں کی تھی اور عورت یہ کہے: میں نے قبول کر لی تھی تو شوہر کا قول معتبر ہوگا۔ لیکن جو شخص کسی دوسرے شخص سے یہ کہے: میں نے تمہیں یہ غلام کل ایک ہزار درہم کے عوض میں فروخت کیا تھا اور تم نے قبول نہیں کیا تھا اور وہ شخص کہے: میں نے قبول کر لیا تھا' تو اس بارے میں خریدار کا قول معتبر ہوگا۔ فرق کی دلیل یہ ہے: مال کے عوض طلاق مرد کی طرف سے یمین ہے لہٰذا اس کے بارے میں اقرار کرنا شرط کے بارے میں اقرار کرنا نہیں ہوگا' کیونکہ یہ اس کے بغیر بھی درست ہوتی ہے' لیکن جہاں تک خرید و فروخت کا تعلق ہے تو یہ صرف قبول کے ذریعے ہی مکمل ہوتی ہے اور اس کے بارے میں اقرار کرنا اس چیز کے بارے میں اقرار کرنا ہے' جو صرف اسی کے ہمراہ مکمل ہو سکتی ہے۔ اس لئے فروخت کنندہ کا (خریدار کے) قبول کرنے کا انکار کرنا' اس کی طرف سے رجوع کرنا شمار ہوگا۔

خلع لینے والی عورت کی عدت کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم کے زمانے میں ثابت بن قیس کی بیوی نے اپنے شوہر سے خلع لیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ایک حیض عدت گزارنے کا حکم فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے خلع لینے والی عورت کی عدت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ اس کی عدت بھی مطلقہ کی طرح ہے ثوری، اہل کوفہ کا یہی قول ہے بعض اہل علم کے نزدیک خلع لینے والی عورت کی عدت ایک حیض ہے اسحاق فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اس مسلک پر عمل کرے تو یہی قوی مسلک ہے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1196)

قبول خلع میں قول شوہر کا اعتبار

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہتا ہے: ایک ہزار کے عوض میں، میں نے تمہیں کل طلاق دیدی تھی لیکن تم نے اسے قبول نہیں کیا تھا جبکہ بیوی یہ کہتی ہے: میں نے قبول کر لیا تھا تو اس صورت میں شوہر کا بیان معتبر ہوگا اور بیوی کا بیان معتبر نہیں ہوگا۔

پھر مصنف نے دوسرا مسئلہ یہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص دوسرے سے یہ کہتا ہے: میں نے یہ غلام ایک ہزار درہم کے عوض میں گزشتہ کل تمہیں فروخت کر دیا تھا اور تم نے قبول نہیں کیا تھا جب کہ دوسرا شخص یہ کہتا ہے: میں نے قبول کر لیا تھا تو

اس بارے میں خریدار کا قول معتبر ہوگا۔ مصنف نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے یہ بات بیان کی ہے: پہلے مسئلے میں مال کے عوض میں طلاق کی حیثیت شوہر کی جانب میں یمین کی ہے' لہٰذا اس کا اقرار کر لینے کے بعد اس کی شرط کا اقرار کرنا ضروری نہیں ہوگا' کیونکہ یہ اس کے بغیر بھی صحیح ہوتا ہے' جبکہ جہاں تک سودے کا تعلق ہے' کیونکہ وہ قبول کے بغیر جب مکمل ہی نہیں ہوتا اس لئے اس کا حکم مختلف ہوگا تو اس کے بارے میں اقرار کرنے کا مطلب یہی ہوگا' اس چیز کا اقرار کیا جا رہا ہے جو سودے کے مکمل ہونے کیلئے ضروری ہے' لہٰذا یہاں فروخت کرنے والے کا خریدار کے قبول کرنے سے انکار کرنا اسی طرح ہوگا' جیسے وہ سودے سے رجوع کرنا چاہ رہا ہے۔

مبارات کا خلع کی طرح ہونے کا بیان

قَالَ ﴿وَالْمُبَارَاَةُ كَالْخُلْعِ كِلَاهُمَا يُسْقِطَانِ كُلَّ حَقٍّ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الزَّوْجَيْنِ عَلَى الْآخَرِ مِمَّا يَتَعَلَّقُ بِالنِّكَاحِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ﴾ وَقَالَ مُحَمَّدٌ :لَا يَسْقُطُ فِيْهِمَا اِلَّا مَا سَمَّيَاهُ، وَاَبُو يُوْسُفَ مَعَهُ فِي الْخُلْعِ وَمَعَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ فِي الْمُبَارَاَةِ .لِمُحَمَّدٍ اَنَّ هٰذِهِ مُعَاوَضَةٌ وَفِي الْمُعَاوَضَاتِ يُعْتَبَرُ الْمَشْرُوْطُ لَا غَيْرُهُ .

وَلِاَبِيْ يُوْسُفَ اَنَّ الْمُبَارَاَةَ مُفَاعَلَةٌ مِنَ الْبَرَاءَةِ فَتَقْتَضِيهَا مِنَ الْجَانِبَيْنِ وَاَنَّهُ مُطْلَقٌ قَيَّدْنَاهُ بِحُقُوْقِ النِّكَاحِ لِدَلَالَةِ الْغَرَضِ اَمَّا الْخُلْعُ فَمُقْتَضَاهُ الْاِنْخِلَاعُ وَقَدْ حَصَلَ فِيْ نَقْضِ النِّكَاحِ وَلَا ضَرُوْرَةَ اِلَى انْقِطَاعِ الْاَحْكَامِ، وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّ الْخُلْعَ يُنْبِئُ عَنِ الْفَصْلِ وَمِنْهُ خَلَعَ النَّعْلَ وَخَلَعَ الْعَمَلَ وَهُوَ مُطْلَقٌ كَالْمُبَارَاَةِ فَيُعْمَلُ بِاِطْلَاقِهِمَا فِي النِّكَاحِ وَاَحْكَامِهِ وَحُقُوْقِهِ .

ترجمہ

فرمایا: باہمی طور پر ایک دوسرے کو بری قرار دینا بھی خلع کی مانند ہے چونکہ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کے حق کو ساقط کر دیتے ہیں وہ حق جس کے ساتھ نکاح متعلق ہوتا ہے۔ یہ حکم امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔ امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ان دونوں میں نکاح کا ہر حق زائل نہیں ہوتا بلکہ وہی حقوق زائل ہوں گے جنہیں ان دونوں نے متعین کیا ہو۔ امام ابویوسف کی خلع کے بارے میں دلیل امام محمد علیہ الرحمہ کی دلیل کے مطابق ہے اور مبارات کے بارے میں امام ابوحنیفہ کی دلیل کے مطابق ہے۔

امام محمد علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے: یہ معاوضہ ہے اور معاوضات میں صرف مشروط کا اعتبار کیا جاتا ہے' اس کے علاوہ کسی چیز کا نہیں کیا جاتا۔ امام ابویوسف یہ فرماتے ہیں: لفظ مبارات لفظ برأت سے ماخوذ ہے' تو یہ دونوں طرف سے بری ہونے کا تقاضا کرتا

ہے اور یہ لفظ چونکہ مطلق ہے تو ہم نے اسے نکاح کے حقوق کے ساتھ مقید کر دیا ہے' کیونکہ غرض اس پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن جہاں تک خلع کا تعلق ہے' تو اس کا تقاضا بالکل علیحدگی ہے اور یہ نکاح ٹوٹنے کے نتیجہ میں ہی حاصل ہوتی ہے' اس لئے احکام منقطع کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے: خلع کا تعلق علیحدگی کے ساتھ ہے۔ اسی سے لفظ خلع النعل اور خلع العمل (اس نے جوتا اتارا یا کام سے علیحدگی اختیار کی) ماخوذ ہے' تو یہ مبارات کی طرح مطلق لفظ ہے' لہٰذا نکاح کے احکام اور اس کے حقوق میں ان دونوں پر مطلق طور پر عمل کیا جائے گا۔

شرح

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مبارات کے ہمزہ کو فتح کے ساتھ پڑھیں گے کیونکہ یہ باب مفاعلہ سے ہے اور اس کا معنی برات ہے۔ (یعنی شوہر اور بیوی کا ایک دوسرے سے بری ہونا مباراۃ کہلاتا ہے) جبکہ اس میں ہمزے کو ترک کرنا غلطی ہے جس طرح مغرب میں ہے۔ (فتح القدیر، ج ۹، ص ۸۰، بیروت)

لفظ خلع سے مکمل الگ ہونے کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: مبارات کا حکم خلع کی طرح ہے' اور مبارات میں یعنی میاں بیوی ایک دوسرے کو بری الذمہ قرار دیدیں تو یہ دونوں ایک دوسرے کے حق کو ساقط کر دیتے ہیں یعنی وہ حق جو ان کا ہو اور جو دوسرے کے ذمے لازم ہو اور وہ تمام حقوق جن کا تعلق نکاح سے ہے انہیں ساقط کرتے ہیں یہ حکم امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔

امام محمد علیہ الرحمہ کی دلیل اس بارے میں مختلف ہے وہ یہ فرماتے ہیں: مبارات کے ذریعے صرف وہی حقوق ساقط ہوتے ہیں جن کا تذکرہ ان دونوں نے ایک دوسرے کو بری الذمہ قرار دیتے ہوئے کیا ہو۔ خلع کے بارے میں امام ابویوسف کی دلیل امام محمد علیہ الرحمہ کے ساتھ ہے' اور مبارات کے بارے میں ان کی دلیل امام ابوحنیفہ کے ساتھ ہے۔

امام محمد علیہ الرحمہ نے اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: خلع اور مبارات میں معاوضے کا لین دین ہوتا ہے' اور یہ دونوں عقد معاوضہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور عقد معاوضہ میں مشروط کا اعتبار کیا جاتا ہے' لہٰذا ان دونوں میں یعنی خلع اور مبارات میں صرف وہی چیزیں ساقط شمار ہوں گی جنہیں میاں بیوی نے ذکر کیا ہوگا۔ امام ابویوسف اپنے موقف کی تائید میں یہ بات بیان کرتے ہیں: خلع اور مبارات کے درمیان فرق ہے اس کی دلیل یہ ہے: لفظ مبارات لفظ برات سے ماخوذ ہے' اور یہ مفاعلہ کے وزن پر ہے جو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ یہ دونوں فریقین کی طرف پائی جانی چاہئے' پھر کیونکہ یہ لفظ مطلق ہے' جبکہ ہم نے اسے نکاح کے حقوق کے ساتھ پابند کر دیا ہے' کیونکہ غرض وغایت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ یہاں اس سے مراد یہی ہوسکتا ہے' اس کے برعکس دوسری طرف لفظ خلع کا تقاضا یہ ہے: انخلاع ہو جائے یعنی نکاح مکمل طور پر منقطع ہو جائے' تو نکاح ختم ہونے میں یہ مفہوم حاصل ہو جائے گا' تو احکام کے انقطاع کے بارے میں اس کی ضرورت

نہیں ہوگی۔

امام ابوحنیفہ اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں خلع کا مطلب علیحدہ ہونا اور جدا ہونا ہے جیسے خلع النعل کا مطلب جوتے کو مکمل طور پر اتار دینا ہے اسی طرح خلع العمل کا مطلب کام سے مکمل طور پر الگ ہو جاتا ہے اس لئے جب لفظ خلع مکمل علیحدگی کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے اور لفظ مبارات کا مطلب بھی مکمل علیحدگی ہے تو جس طرح لفظ مبارات مطلق ہے اسی طرح خلع بھی مطلق ہوگا اور مبارات اور خلع دونوں کے ذریعے مطلق طور پر نکاح سے متعلق تمام حقوق ساقط ہو جائیں گے خواہ میاں بیوی ان کا ذکر کریں یا ان کا ذکر نہ کریں۔

نابالغ بچی کی طرف سے خلع کرنے کا بیان

قَالَ ﴿وَمَنْ خَلَعَ ابْنَتَهُ وَهِيَ صَغِيرَةٌ بِمَالِهَا لَمْ يَجُزْ عَلَيْهَا﴾ لِاَنَّهُ لَا نَظَرَ لَهَا فِيهِ اِذَا الْبِضْعُ فِي حَالَةِ الْخُرُوجِ غَيْرُ مُتَقَوَّمٍ، وَالْبَدَلُ مُتَقَوَّمٌ بِخِلَافِ النِّكَاحِ لِاَنَّ الْبِضْعَ مُتَقَوَّمٌ عِنْدَ الدُّخُولِ وَلِهٰذَا يُعْتَبَرُ خَلْعُ الْمَرِيْضَةِ مِنَ الثُّلُثِ وَنِكَاحُ الْمَرِيْضِ بِمَهْرِ الْمِثْلِ مِنْ جَمِيعِ الْمَالِ، وَاِذَا لَمْ يَجُزْ لَا يَسْقُطُ الْمَهْرُ وَلَا يَسْتَحِقُّ مَالَهَا، ثُمَّ يَقَعُ الطَّلَاقُ فِي رِوَايَةٍ وَفِي رِوَايَةٍ لَا يَقَعُ وَالْاَوَّلُ اَصَحُّ لِاَنَّهُ تَعْلِيقٌ بِشَرْطِ قَبُولِهِ فَيُعْتَبَرُ بِالتَّعْلِيقِ بِسَائِرِ الشُّرُوطِ ﴿وَاِنْ خَالَعَهَا عَلَى اَلْفٍ عَلٰى اَنَّهُ ضَامِنٌ فَالْخُلْعُ وَاقِعٌ وَالْاَلْفُ عَلَى الْاَبِ﴾ لِاَنَّ اشْتِرَاطَ بَدَلِ الْخُلْعِ عَلَى الْاَجْنَبِيِّ صَحِيحٌ فَعَلَى الْاَبِ اَوْلٰى.

وَلَا يَسْقُطُ مَهْرُهَا لِاَنَّهُ لَمْ يَدْخُلْ تَحْتَ وِلَايَةِ الْاَبِ ﴿وَاِنْ شَرَطَ الْاَلْفَ عَلَيْهَا تَوَقَّفَ عَلٰى قَبُولِهَا اِنْ كَانَتْ مِنْ اَهْلِ الْقَبُولِ، فَاِنْ قَبِلَتْ وَقَعَ الطَّلَاقُ﴾ لِوُجُودِ الشَّرْطِ ﴿وَلَا يَجِبُ الْمَالُ﴾ لِاَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ اَهْلِ الْغَرَامَةِ فَاِنْ قَبِلَهُ الْاَبُ عَنْهَا فَفِيهِ رِوَايَتَانِ ﴿وَكَذَا اِنْ خَالَعَهَا عَلٰى مَهْرِهَا وَلَمْ يَضْمَنِ الْاَبُ الْمَهْرَ تَوَقَّفَ عَلٰى قَبُولِهَا، فَاِنْ قَبِلَتْ طَلُقَتْ وَلَا يَسْقُطُ الْمَهْرُ﴾ وَاِنْ قَبِلَ الْاَبُ عَنْهَا فَعَلَى الرِّوَايَتَيْنِ ﴿وَاِنْ ضَمِنَ الْاَبُ الْمَهْرَ وَهُوَ اَلْفُ دِرْهَمٍ طَلُقَتْ﴾ لِوُجُودِ قَبُولِهِ وَهُوَ الشَّرْطُ وَيَلْزَمُهُ خَمْسُمِائَةٍ اسْتِحْسَانًا.

وَفِي الْقِيَاسِ يَلْزَمُهُ الْاَلْفُ، وَاَصْلُهُ فِي الْكَبِيرَةِ اِذَا اخْتَلَعَتْ قَبْلَ الدُّخُولِ عَلٰى اَلْفٍ وَمَهْرُهَا اَلْفٌ فَفِي الْقِيَاسِ عَلَيْهَا خَمْسُمِائَةٍ زَائِدَةٌ، وَفِي الْاِسْتِحْسَانِ لَا شَيْءَ عَلَيْهَا

لِاَنَّہٗ یُرَادُ بِہٖ عَادَۃً حَاصِلُ مَا یَلْزَمُ لَہَا .

ترجمہ

اور جب کوئی شخص اپنی نابالغ بیٹی کا خلع اس بچی کے مال کے عوض میں حاصل کرے (تو یہ درست ہوگا) لیکن اس مال کی ادائیگی اس نابالغ بچی پر واجب نہیں ہوگی' کیونکہ اس صورت میں اس نابالغ بچی کے لئے شفقت ثابت نہیں ہو رہی' اس کی دلیل یہ ہے: عورت نکاح میں نہ ہونے کی صورت میں اس سے حق تمتع قیمتی نہیں رہتا' جبکہ معاوضہ با قیمت ہوتا ہے' جبکہ نکاح کا حکم اس کے برخلاف ہے' اس کی دلیل یہ ہے: دخول کے وقت بضع قیمتی ہو جاتی ہے۔ یہی دلیل ہے: ایک تہائی مال میں سے بیمار شخص کا خلع کرنا معتبر ہوگا اور پورے مال میں سے' مہر مثل میں بیمار کا نکاح کرنا درست ہوگا اور جب یہ جائز نہیں ہوگا۔ تو مہر ساقط نہیں ہوگا اور مرد عورت کے مال کا مستحق نہیں ہوگا۔ پھر ایک روایت کے مطابق' طلاق واقع ہو جائے گی' اور ایک روایت کے مطابق' واقع نہیں ہوگی۔ پہلی دلیل زیادہ درست ہے' اس کی دلیل یہ ہے: اسے ایک شرط کے ساتھ معلق کرنا ہے' جسے قبول کیا جائے' لہٰذا دیگر شرائط کی طرح یہ تعلیق معتبر ہوگی۔ اگر شوہر نے ایک ہزار کے عوض میں عورت کے ساتھ خلع کیا اس شرط پر کہ اس لڑکی کا باپ ضامن ہوگا' تو خلع واقع ہو جائے گا' اور ایک ہزار کی ادائیگی لڑکی کے باپ پر واجب ہو جائے گی۔ اس کی دلیل یہ ہے: خلع کا بدل مقرر کرنا اجنبی شخص پر درست ہے' تو باپ پر بدرجہ اولیٰ درست ہوگا اور عورت کا مہر ساقط نہیں ہوگا اس کی دلیل یہ ہے: یہ باپ کی ولایت کے تحت داخل نہیں ہوتا۔ لیکن شوہر نے اگر ایک ہزار کی ادائیگی عورت کے ذمے ہونے کی شرط رکھی تو عورت کے قبول کرنے پر یہ بات موقوف ہوگی' اگر وہ قبول کرنے کی اہل ہو' اگر وہ قبول کر لیتی ہے' تو طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ شرط پائی جا رہی ہے اور مال واجب نہیں ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے: وہ تاوان ادا کرنے کی اہل نہیں ہے۔ اگر اس کی طرف سے باپ اس کو قبول کر لیتا ہے' تو اس بارے میں دو روایات ہیں۔

اسی طرح مرد نے (نابالغ) لڑکی کے ساتھ مہر کے عوض خلع کر لیا اور باپ مہر کا ضامن نہ بنا تو یہ عورت کے قبول کرنے پر موقوف ہوگا۔ اگر وہ قبول کر لیتی ہے' تو اسے طلاق ہو جائے گی' اور مہر ساقط نہیں ہوگا۔ اگر اس کی طرف سے اس کا باپ قبول کرے' تو اس بارے میں دو روایات ہیں۔ اگر باپ مہر کا ضامن ہو جاتا ہے' جو ایک ہزار درہم ہے' تو عورت کو طلاق ہو جائے گی' کیونکہ اسے قبول کرنے کا وجود پایا جا رہا ہے اور وہی شرط ہے اور استحسان کے پیش نظر اس کے باپ پر پانچ سو درہم کی ادائیگی لازم ہوگی۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے: اس پر ایک ہزار درہم کی ادائیگی لازم ہو۔ اس کی اصل بالغ لڑکی کے مسئلے میں ہے: جب وہ خلع' دخول سے پہلے حاصل کر لیتی ہے اور ایک ہزار کے عوض میں کرتی ہے' تو مہر بھی ایک ہزار ہو' تو اس پر قیاس کی صورت یہ ہے: پانچ سو درہم ادائیگی لازم ہو جبکہ استحسان کا تقاضا یہ ہے: اس پر کوئی بھی ادائیگی لازم نہ ہو' کیونکہ مراد اس چیز کا حصول ہوتا ہے' جو عورت کے لیے مرد کے ذمے واجب ہے۔

نابالغہ سمجھدار نے جب خود خلع کروایا تو منعقد ہو جائے گا

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ نابالغہ نے اپنا خلع خود کرایا اور سمجھ والی ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی مگر مال واجب نہ ہوگا اور اگر مال کے بدلے طلاق دلوائی تو طلاق رجعی ہوگی۔

جب باپ نے لڑکی کا اُس کے شوہر سے خلع کرایا اگر لڑکی بالغہ ہے اور باپ بدل خلع کا ضامن ہوا تو خلع صحیح ہے اور اگر مہر پر خلع ہوا اور لڑکی نے اذن دیا تھا جب بھی صحیح ہے اور اگر بغیر اذن ہوا اور خبر پہنچنے پر جائز کر دیا جب بھی ہو گیا اور اگر جائز نہ کیا نہ باپ نے مہر کی ضمانت کی تو نہ ہوا اور مہر کی ضمانت کی ہے تو ہو گیا۔ پھر جب لڑکی کو خبر پہنچی اُس نے جائز کر دیا تو شوہر مہر سے بری ہے اور جائز نہ کیا تو عورت شوہر سے مہر لے گی اور شوہر اُس کے باپ سے۔ اور اگر نابالغہ لڑکی کا اُس لڑکی کے مال پر خلع کرایا تو صحیح یہ ہے کہ طلاق ہو جائے گی مگر نہ تو مہر ساقط ہوگا نہ لڑکی پر مال واجب ہوگا اور اگر ہزار روپے پر نابالغہ کا خلع ہوا اور باپ نے ضمانت کی تو ہو گیا اور روپے باپ کو دینے ہوں گے اور اگر باپ نے یہ شرط کی کہ بدل خلع لڑکی دیگی تو اگر لڑکی سمجھ والی ہے یہ سمجھتی ہے کہ خلع نکاح سے جدا کر دیتا ہے تو اُس کے قبول پر موقوف ہے قبول کر لے گی تو طلاق واقع ہو جائے گی مگر مال واجب نہ ہوگا اور اگر نابالغہ کی ماں نے اپنے مال سے خلع کرایا یا ضامن ہوئی تو خلع ہو جائیگا اور لڑکی کے مال سے کرایا تو طلاق نہ ہوگی۔ یونہی اگر اجنبی نے خلع کرایا تو یہی حکم ہے۔ (ردمحتار، کتاب طلاق، باب خلع)

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کسی شخص کی بیٹی کمسن ہو یعنی نابالغ ہو اور وہ شخص اس لڑکی کے مال کے عوض میں اس کے شوہر سے خلع حاصل کر لے تو یہ درست نہیں ہوگا' کیونکہ اس میں اس بچی کے لئے شفقت کی صورت نہیں پائی جا رہی اس کی دلیل یہ ہے: جب بضع خروج کی حالت میں ہو یعنی ملکیت سے نکل رہی ہو' تو اس وقت وہ مال متقوم نہیں ہوتی جبکہ اس کا بدل یعنی خلع میں ادا کی جانے والی رقم مال متقوم ہے۔

اس کے برخلاف نکاح کے مسئلے میں ایسا کرنا درست ہوتا ہے' لیکن اُس کے لئے یہ بات شرط ہے کہ وہ مہر مثل کے عوض میں ہو اس کی دلیل یہ ہے: جب ملکیت میں داخل ہو رہی ہو اس وقت بضع کی حیثیت مال متقوم کی ہوتی ہے۔

خلع میں شوہر کی رضامندی کا بیان

خلع دراصل بیوی کی جانب سے مال کی پیشکش یا اپنے مالی حق کی دستبرداری کے ساتھ مطالبہ پر شوہر کا طلاق دینا ہے، خلع میں شوہر اور بیوی دونوں کی رضامندی لازمی وضروری ہے، اگر بیوی خلع لینا چاہتی ہے تو مال کی پیشکش کر کے شوہر سے مطالبہ کر سکتی ہے لیکن شوہر کی منظوری کے بغیر خلع قرار نہیں پا سکتا، شوہر کو اس کی اطلاع نہ دے کر خلع حاصل کرنا تو کوئی معنی نہیں رکھتا، لہذا بیوی شوہر کو اطلاع دیئے بغیر قاضی کے پاس جا کر خلع نہیں لے سکتی۔ تبیین الحقائق، کتاب الطلاق، باب الخلع، ج 3، ص 189، میں ہے:

لَا وِلَايَةَ لِاَحَدِهِمَا فِي اِلْزَامِ صَاحِبِهِ بِدُوْنِ رِضَاه -جب شوہر خلع منظور کر دے تو خلع واقع قرار پائے گا، ایک

صورت میں شوہر اور بیوی کے درمیان طلاق بائن واقع ہو جائے گی فتاوی عالمگیری ج 1 ص 488 میں ہے:

الفَصْلُ الأوَّلُ فِی شَرَائِطِ الخُلْعِ ...... (وحُكْمُهُ) وُقُوعُ الطَّلاقِ البَائِنِ كَذَا فِی التَّبیِینِ . وَتَصِحُّ نِیَّةُ الثَّلاثِ فِیهِ . اور اگر زوجین باہمی رضامندی سے دوبارہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا چاہیں تو اندرون عدت یا بعد ختم عدت نیا مہر مقرر کر کے دو گواہوں کے روبرو از سر نو نکاح کر سکتے ہیں خلع چونکہ طلاق بائن کے حکم میں ہے، لہذا اس میں حلالہ کی ضرورت نہیں۔

عدت خلع میں حق طلاق پر مذاہب فقہاء

اس عورت پر عدت کے اندر اندر دوسری طلاق بھی واقع ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کے تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ نہیں، کیونکہ وہ عورت اپنے نفس کی مالکہ ہے اور اس خاوند سے الگ ہو گئی ہے، ابن عباس ابن زبیر عکرمہ جابر بن زید حسن بصری شافعی احمد اسحاق ابو ثور کا یہی قول ہے۔

دوسرا قول امام مالک علیہ الرحمہ کا ہے کہ اگر خلع کے ساتھ ہی بغیر خاموش رہے طلاق دے دے تو واقع ہو جائے گی ورنہ نہیں، یہ مثل اس کے ہے جو حضرت عثمان سے مروی ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ عدت میں طلاق واقع ہو جائے گی۔ ابو حنیفہ ان کے اصحاب، ثوری، اوزاعی، سعید بن میسب، شریح، طاؤس، ابراہیم، زہری، حاکم، حکم اور حماد کا بھی یہی قول ہے۔

ابن مسعود اور ابو الدرداء سے بھی یہ مروی تو ہے لیکن ثابت نہیں۔ پھر فرمایا ہے کہ یہ اللہ کی حدیں ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ کی حدوں سے آگے نہ بڑھو، فرائض کو ضائع نہ کرو، محارم کی بے حرمتی نہ کرو، جن چیزوں کا ذکر شریعت میں نہیں تم بھی ان سے خاموش رہو کیونکہ اللہ کی ذات بھول چوک سے پاک ہے۔ اس آیت سے استدلال ہے ان لوگوں کا جو کہتے ہیں کہ تینوں طلاقیں ایک مرتبہ ہی دینا حرام ہیں۔ مالکیہ اور ان کے موافقین کا یہی مذہب ہے، ان کے نزدیک سنت طریقہ یہی ہے کہ طلاق ایک ایک دی جائے کیونکہ آیت (الطلاق مرتان) کہا پھر فرمایا کہ یہ حدیں ہیں اللہ کی، ان سے تجاوز نہ کرو،

اس کی تقویت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو سنن نسائی میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ یہ معلوم ہوا کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کو تینوں طلاقیں ایک ساتھ دی ہیں۔ آپ سخت غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے کیا میری موجودگی میں کتاب اللہ کے ساتھ کھیلا جانے لگا۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں تو میں اس شخص کو قتل کر دوں، لیکن اس روایت کی سند میں انقطاع ہے۔

بانجھ کے فسخ نکاح کا ذریعہ نہ ہونے کا بیان

ابن قدامہ رحمہ اللہ فسخ نکاح کو جائز کرنے والے عیوب بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں "ہمارے علم کے مطابق تو اہل علم کے ہاں اس میں کوئی اختلاف نہیں، صرف حسن بصری رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ: جب دونوں یعنی خاوند اور بیوی میں سے کوئی ایک بانجھ ہو تو دوسرے کو اختیار ہوگا۔

اور امام احمد رحمہ اللہ یہ پسند کرتے ہیں کہ وہ اپنا معاملہ واضح کرے، ہو سکتا ہے اس کی بیوی اولاد چاہتی ہو، اور یہ نکاح کے شروع میں ہونا چاہیے، لیکن اس سے فسخ ثابت نہیں ہوتا، اگر اس سے فسخ نکاح ثابت ہوتا تو پھر آیسہ یعنی ناامید ہونے والی عورت میں یہ ضرور ثابت ہوتا؛ اور اس لیے بھی کہ اس کا علم نہیں، کیونکہ کچھ آدمی ایسے ہوتے ہیں جنہیں جوانی میں اولاد نہیں ہوتی لیکن بڑھاپے میں اولاد ہو جاتی ہے. اور سارے عیوب سے ان کے ہاں فسخ نکاح ثابت نہیں ہوتا" المغنی (7 / 143).

اس آیت شریفہ کے مضمون کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

: اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو چھوڑنا چاہے تو بیوی سے کچھ مال لینا اس کے لئے حلال نہیں، خواہ وہ مال خود شوہر ہی کا دیا ہو کیوں نہ ہو۔

: صرف ایک ہی صورت ایسی ہے جس میں شوہر کے لئے بیوی سے معاوضہ لینا حلال ہے، وہ یہ کہ میاں بیوی دونوں کو یہ احتمال ہو کہ وہ دونوں اللہ تعالیٰ کے مقرّر کردہ ضابطوں کو قائم نہیں کرسکیں گے۔

: پس اگر ایسی صورتِ حال پیدا ہو جائے کہ میاں بیوی دونوں یہ محسوس کرتے ہوں کہ اب وہ میاں بیوی کی حیثیت سے حدودِ خداوندی کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو ان دونوں کو خلع کا معاملہ کر لینے میں کوئی گناہ نہیں، اور اس صورت میں بیوی سے بدل خلع کا وصول کرنا شوہر کے لئے حلال ہوگا۔

یک طرفہ عدالتی خلع پر بحث ونظر

اور خلع کی صورت یہ ہے کہ عورت شوہر کی قیدِ نکاح سے آزادی حاصل کرنے کے لئے کچھ مال بطور فدیہ پیش کرے، اور شوہر اس کی پیشکش کو قبول کر کے اسے قیدِ نکاح سے آزاد کردے۔

آیت شریفہ کا یہ مضمون اتنا صاف اور دو اور دو چار کی طرح ایسا واضح ہے کہ جو شخص سخن فہمی کا ذرا بھی سلیقہ رکھتا ہو وہ اس کے سوا کوئی دُوسرا نتیجہ اخذ ہی نہیں کرسکتا۔

ہر شخص کھلی آنکھوں دیکھ رہا ہے کہ قرآنِ کریم کی اس آیتِ مقدسہ نے (جس کو آیتِ خلع کہا جاتا ہے) خلع کے معاملے میں اوّل سے آخر تک میاں بیوی دونوں کو برابر کے شریک قرار دیا ہے، مثلاً

اِلَّآ اَنْ یَّخَافَا (الّا یہ کہ میاں بیوی دونوں کو اندیشہ ہو) ۔

اَلَّا یُقِیْمَا (کہ وہ دونوں قائم نہیں کرسکیں گے اللہ تعالیٰ کی حدود کو)۔
فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا (پس اگر تم کو اندیشہ ہو کہ وہ دونوں خداوندی حدود کو قائم نہیں کرسکیں گے)۔
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا (تب ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں)۔
فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ (اس مال کے لینے اور دینے میں، جس کو دے کر عورت قیدِ نکاح سے آزادی حاصل کرے)۔

فرمایئے! کیا پوری آیت میں ایک لفظ بھی ایسا ہے جس کا مفہوم یہ ہو کہ عورت جب چاہے شوہر کی رضامندی کے بغیر اپنے آپ خلع لے سکتی ہے؟ اس کے لئے شوہر کی رضامندی یا مرضی کی کوئی ضرورت نہیں؟ آیت شریفہ میں اوّل سے آخر تک وہ دونوں، وہ دونوں کے الفاظ مسلسل استعمال کئے گئے ہیں، جس کا مطلب اناڑی سے اناڑی آدمی بھی یہ سمجھنے پر مجبور ہے کہ: خلع ایک ایسا معاملہ ہے جس میں میاں بیوی دونوں برابر کے شریک ہیں، اور ان دونوں کی رضامندی کے بغیر خلع کا تصور ہی ناممکن ہے۔

یاد رہے کہ پوری اُمت کے علماء وفقہاء اور ائمہ دین نے آیت شریفہ سے یہی سمجھا ہے کہ خلع کے لئے میاں بیوی دونوں کی رضامندی شرط ہے، جیسا کہ اُوپر عرض کیا گیا، مگر حلیمہ اسحاق صاحبہ کی ذہانت آیت شریفہ سے یہ نکتہ کشید کررہی ہے کہ جس طرح طلاق مرد کا انفرادی حق ہے، اسی طرح خلع عورت کا انفرادی حق ہے، جس میں شوہر کی مرضی و نامرضی کا کوئی دخل نہیں۔ فقہائے اُمت کے اجماعی فیصلے کے خلاف اور قرآنِ کریم کے صریح الفاظ کے علی الرغم قرآنِ کریم ہی کے نام سے ایسے نکتے تراشنا ایک ایسی ناروا جسارت ہے جس کی توقع کسی مسلمان سے نہیں کی جانی چاہئے اور جس کو کوئی مسلمان قبول نہیں کرسکتا۔

محترمہ حلیمہ اسحاق کی ذہانت نے یہ فتویٰ بھی صادر فرمایا ہے کہ عدالت اگر محسوس کرے کہ زوجین اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود کو قائم نہیں کرسکتے تو وہ ازخود زوجین کے درمیان علیحدگی کا فیصلہ کرسکتی ہے۔

اُوپر عرض کیا جاچکا ہے کہ تمام فقہائے اُمت اس اَمر پر متفق ہیں کہ خلع، میاں بیوی دونوں کی رضامندی پر موقوف ہے، اگر دونوں خلع پر رضامند نہ ہوں یا ان میں سے ایک راضی نہ ہو تو خلع نہیں ہوسکتا، لہٰذا حلیمہ صاحبہ کا یہ فتویٰ بھی اِجماعِ اُمت کے خلاف اور صریحاً غلط ہے، محترمہ نے اپنے غلط دعویٰ پر آیت شریفہ سے جو استدلال کیا ہے وہ انہی کے الفاظ میں یہ ہے:

اس آیت مبارکہ میں لفظ خفتم استعمال کیا گیا ہے، جس کا مطلب ہے: پس اگر تمہیں خوف ہو یعنی صرف شوہر اور بیوی کو مخاطب کیا ہوتا تو لفظ خفتما استعمال ہوتا، جس سے مراد ہے: تم دونوں، مگر لفظ خفتم کا استعمال اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اجتماعی طور پر شوہر اور بیوی کے ساتھ ساتھ قاضی یا حاکم کو بھی اختیار دیا ہے کہ اگر تم سمجھتے ہو کہ دونوں یعنی شوہر اور بیوی اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کو قائم نہیں رکھ سکتے تو تمہیں اختیار ہے کہ ان کو الگ کردو۔ محترمہ کا یہ استدلال چند وجوہ سے غلط در غلط ہے۔

اوّل: محترمہ کے یہ الفاظ کہ: تو تمہیں اختیار ہے کہ انہیں الگ کردو قرآنِ کریم کے کسی لفظ کا مفہوم نہیں، نہ قرآنِ کریم نے قاضی یا حاکم کو میاں بیوی کے درمیان تفریق کا کسی جگہ اختیار دیا ہے، اس مفہوم کو خود تصنیف کرکے محترمہ نے بڑی جرأت و جسارت کے ساتھ اس کو قرآنِ کریم سے منسوب کردیا ہے۔

دوم: آیت شریفہ میں فَاِنْ خِفْتُم سے جو جملہ شروع ہوتا ہے وہ جملہ شرطیہ ہے، جو شرط اور جزا پر مشتمل ہے، اس جملے میں شرط تو وہی ہے جس کا ترجمہ محترمہ نے یوں نقل کیا ہے یعنی:

اگر تم سمجھتے ہو کہ دونوں یعنی شوہر اور بیوی اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کو قائم نہیں رکھ سکتے تو۔

اس تو کے بعد شرط کی جزا ہے، لیکن وہ جزا کیا ہے؟ اس میں محترمہ حلیمہ اسحاق کو اللہ تعالیٰ سے شدید اختلاف ہے، اللہ تعالیٰ نے اس شرط کی جزا یہ ذکر فرمائی ہے: فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ

ترجمہ: تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا اس (مال کے لینے اور دینے) میں جس کو دے کر عورت اپنی جان چھڑائے۔ لیکن محترمہ فرماتی ہیں کہ نہیں! اس شرط کی جزا یہ نہیں جو اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمائی ہے، بلکہ اس شرط کی جزا یہ ہے کہ: تو (اے حکام!) تم کو اختیار ہے کہ تم ان دونوں میاں بیوی کو الگ کر دو۔

گویا حلیمہ اسحاق صاحبہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی غلطی نکال رہی ہیں کہ فَاِنْ خِفْتُم کی جو جزا اللہ تعالیٰ نے فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ کے بلیغ الفاظ میں ذکر فرمائی ہے، یہ غلط ہے، اس کی جزا یہ ہونی چاہیے تھی: فلکم ان تفرقوا بینھما۔ (تو تم کو اختیار ہے کہ تم ان دونوں کے درمیان از خود علیحدگی کر دو)

کیسا غضب ہے کہ پورا ایک فقرہ تصنیف کر کے اسے قرآن کے پیٹ میں بھرا جاتا ہے، اور اس پر دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہیں قرآن و سنت کی روشنی میں کہہ رہی ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون!

سوم: محترمہ فرماتی ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے اجتماعی طور پر شوہر اور بیوی کے ساتھ ساتھ قاضی یا حاکم کو بھی اختیار دیا ہے۔

شوہر اور بیوی کے ساتھ ساتھ کے الفاظ سے واضح ہے کہ محترمہ کے نزدیک بھی فَاِنْ خِفْتُم کا اصل خطاب تو میاں بیوی ہی سے ہے، البتہ ان کے ساتھ ساتھ یہ خطاب دوسروں کو بھی شامل ہے، اب دیکھئے کہ قرآنِ حکیم کی رو سے صورتِ مسئلہ یہ ہوئی کہ:

خلع میاں بیوی کا شخصی اور نجی معاملہ ہے۔

خلع کے ضمن میں قرآنِ کریم بار بار میاں بیوی دونوں کا ذکر کرتا ہے (جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے)۔

اور فَاِنْ خِفْتُم میں بھی اصل خطاب انہی دونوں سے ہے (اگرچہ ان دونوں کے ساتھ ساتھ قاضی یا حاکم بھی شریک ہیں)۔

ان تمام حقائق کے باوجود جب خلع کے فیصلے کی نوبت آتی ہے تو محترمہ فرماتی ہیں کہ میاں بیوی دونوں سے یہ پوچھنا ضروری نہیں کہ آیا وہ خلع کے لئے تیار ہیں یا نہیں؟ بلکہ عدالت اپنی صوابدید پر علیحدگی کا یک طرفہ فیصلہ کر سکتی ہے، خواہ میاں بیوی ہزار خلع سے انکار کریں، مگر عدالت یہی کہے گی۔

مابدولت قطعی طور پر اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں کہ یہ دونوں حدود اللہ کو قائم نہیں رکھ سکتے، لہٰذا مابدولت ان دونوں سے پوچھے بغیر دونوں کی علیحدگی کا فیصلہ صادر فرماتے ہیں، کیونکہ حلیمہ اسحاق کے بقول قرآن نے ہمیں اس کے اختیارات دیئے ہیں۔

کیا محترمہ کا یہ نکتہ عجیب وغریب نہیں کہ جن لوگوں کے بارے میں علیحدگی کا فیصلہ صادر کیا جا رہا ہے ان سے پوچھنے کی بھی

ضرورت نہیں، بس عدالت کا سکہ شاہی فیصلہ بیوی کو حلال وحرام کرنے کے لئے کافی ہے؟ کیا قرآن کریم میں دُور دُور بھی کہیں یہ مضمون نظر آتا ہے؟

چہارم: فَاِنْ خِفْتُمْ کے خطاب میں مفسرین کے تین قول ہیں، ایک یہ کہ یہ خطاب بھی میاں بیوی سے ہے، نہ کہ حکام سے، دُوسرا قول یہ ہے کہ یہ خطاب میاں بیوی کے علاوہ حکام کو بھی شامل ہے، اب اگر یہی فرض کرلیا جائے کہ یہ خطاب حکام سے ہے تو اس کی دلیل یہ ہوسکتی ہے کہ خلع کے قضیہ میں بسا اوقات حکام سے مرافعہ کی ضرورت پیش آتی ہے، اس لئے حکام کو اس خطاب میں اس لئے شریک کیا گیا کہ اگر خلع کا معاملہ حکام تک پہنچ جائے تو ان کے لئے لازم ہوگا کہ فریقین کو مناسب طرزِ عمل اختیار کرنے پر آمادہ کریں، اور اگر فریقین خلع ہی پر مصر ہوں تو خلع کا معاملہ خوش اُسلوبی سے طے کرادیں، جیسا کہ صاحب کشاف، بیضاوی اور دیگر مفسرین نے اس کی تقریر کی ہے۔ بہرحال فَاِنْ خِفْتُمْ کا خطاب اگر حکام سے بھی تسلیم کرلیا جائے تو اس سے کسی طرح یہ لازم نہیں آتا کہ عدالتوں اور قاضیوں کو خلع کی یک طرفہ ڈگری جاری کرنے کی کھلی چھوٹ دے دی گئی ہے، اور یہ کہ انہیں زوجین کی رضامندی معلوم کرنے کی بھی ضرورت نہیں رہی۔

تیسرا قول یہ ہے کہ :فَاِنْ خِفْتُمْ کا خطاب میاں بیوی کے ساتھ ساتھ دونوں خاندانوں کے سربرآوردہ اور سنجیدہ افراد اور حکام وولاۃ سب کو عام ہے، جیسا کہ بعض مفسرین نے اس کی تصریح فرمائی ہے، اس قول کے مطابق اس تعبیر کے اختیار کرنے میں ایک بلیغ نکتہ ملحوظ ہے۔

شرح اس کی یہ ہے کہ میاں بیوی کی علیحدگی کا معاملہ نہایت سنگین ہے، شیطان کو جتنی خوشی میاں بیوی کی علیحدگی سے ہوتی ہے اتنی خوشی لوگوں کو چوری اور شراب نوشی جیسے بدترین گناہوں میں ملوث کرنے سے بھی نہیں ہوتی۔ حدیث شریف میں ہے کہ شیطان اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے، پھر اپنے لشکروں کو لوگوں کو بہکانے کے لئے بھیجتا ہے، ان شیطانی لشکروں میں شیطان کا سب سے زیادہ مقرب اس کا وہ چیلا ہوتا ہے جو لوگوں کو سب سے زیادہ گمراہ کرے، ان میں سے ایک شخص آتا ہے اور شیطان کو بتاتا ہے کہ آج میں نے فلاں فلاں گناہ کئے لیل ہیں (مثلاً : کسی کو شراب نُوشی میں اور کسی کو چوری کے گناہ میں مبتلا کیا ہے)، تو شیطان کہتا ہے کہ تو نے کچھ نہیں کیا، پھر ایک اور آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں (میاں بیوی کے پیچھے پڑا رہا، ایک دُوسرے کے خلاف ان کو بھڑکا تا رہا اور میں) نے آدمی کا پیچھا نہیں چھوڑا، یہاں تک آج اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان علیحدگی کراکے آیا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :شیطان اس سے کہتا ہے کہ :ہاں !تونے کارنامہ انجام دیا ہے، یہ کہہ کر شیطان اس سے بغل گیر ہوتا ہے۔(مشکوٰۃ)

شیطان کی اس خوشی کا سبب یہ ہے کہ میاں بیوی کی علیحدگی سے بے شمار مفاسد جنم لیتے ہیں، پہلے تو یہ گھر اُجڑتا ہے، پھر ان کے بچوں کا مستقبل بگڑتا ہے، پھر دونوں خاندانوں کے درمیان بغض وعداوت اور نفرت وحقارت کی مستقل خلیج حائل ہوجاتی ہے اور ایک دُوسرے کے خلاف جھوٹ طوفان، طعن وتشنیع اور غیبت وچغل خوری تو معمولی بات ہے، اس سے بڑھ کر یہ کہ ایک دُوسرے کی جان کے درپے ہوجاتے ہیں، اور یہ سلسلہ مزید آگے بڑھتا رہتا ہے۔

یہی دلیل ہے کہ شیطان کو زوجین کی تفریق سے اتنی خوشی ہوتی ہے کہ کسی اور گناہ سے نہیں ہوتی، اور یہی دلیل ہے کہ اللہ تعالی
کے نزدیک تمام مباح چیزوں میں طلاق سب سے زیادہ مبغوض اور ناپسندیدہ ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا ہے:

ابغض الحلال الی اللہ الطلاق۔ (مشکوٰۃ، بروایت ابوداؤد)

ترجمہ:۔ اللہ تعالی کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض چیز طلاق ہے۔

اور یہی دلیل ہے کہ بغیر کسی شدید ضرورت کے عورت کے مطالبہ طلاق کو لائق نفرت قرار دیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد نبوی ہے:
جس عورت نے اپنے شوہر سے شدید ضرورت کے بغیر طلاق کا مطالبہ کیا اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام
ہے۔ (مشکوٰۃ، بروایت مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد، دارمی، ابن ماجہ)

ایک اور حدیث میں ہے کہ: اپنے کو قید نکاح سے نکالنے والی اور خلع لینے والی عورتیں منافق ہیں۔ (مشکوٰۃ)

فَاِنْ خِفْتُم کے خطاب میں میاں بیوی کے علاوہ دونوں خاندانوں کے معزز افراد کے ساتھ حکام کو شریک کرنے سے
مدعا یہ ہے کہ اگر میاں بیوی کسی وقتی جوش کی بنا پر خلع کے لئے آمادہ ہو بھی جائیں تو دونوں خاندانوں کے بزرگ اور نیک اور خدا
ترس حکام ان کو خانہ ویرانی سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کریں، اور اگر معاملہ کسی طرح بھی سلجھنے نہ پائے تو پھر اس کے سوا کیا چارہ ہے
کہ دونوں کی خواہش و رضامندی کے مطابق ان کو خلع ہی کا مشورہ دیا جائے، ایسی صورت کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ: واللہ اعلم

اگر تم کو اندیشہ ہو کہ وہ دونوں اللہ تعالی کی مقرر کردہ حدوں کو قائم نہیں رکھ سکتے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں اس مال کے لینے
اور دینے میں، جس کو دے کر عورت اپنی جان چھڑائے۔

اس تقریر سے معلوم ہوا کہ فَاِنْ خِفْتُم کے خطاب میں حکام کو شریک کرنے کا مطلب وہ نہیں جو محترمہ حلیمہ صاحبہ نے سمجھا ہے کہ
حکام کو خلع کی یک طرفہ ڈگری دینے کا اختیار ہے، بلکہ اس سے مدعا یہ ہے کہ خلع کو ہر ممکن حد تک روکنے کی کوشش کی جائے، اور
دونوں کے درمیان مصالحت کرانے اور گھر اجڑنے سے بچانے کی ہر ممکن تدبیر کی جائے، جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

اور اگر تم کو ان دونوں میاں بیوی میں کشاکشی کا اندیشہ ہو تو تم لوگ ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو مرد کے خاندان
سے اور ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو عورت کے خاندان سے بھیجو، اگر ان دونوں آدمیوں کو اصلاح منظور ہوگی تو اللہ
تعالی ان میاں بیوی کے درمیان اتفاق پیدا فرمادیں گے، بلاشبہ اللہ تعالی بڑے علم اور بڑے خبر والے ہیں۔ (النساء)

الغرض اس خطاب کو عام کرنے سے مدعا یہ ہے کہ حتی الامکان میاں بیوی کی علیحدگی کا راستہ روکنے کی کوشش کی جائے، دونوں
خاندانوں کے معزز افراد بھی اور خدا ترس حکام بھی کوشش کریں کہ کسی طرح ان کے درمیان مصالحت کرادی جائے۔ ہاں اگر
دونوں خلع ہی پر مصر ہیں تو دونوں کے درمیان خوش اسلوبی سے خلع کرادیا جائے۔ بہر حال محترمہ حلیمہ صاحبہ کا فَاِنْ خِفْتُم سے یہ نکتہ پیدا
کرنا کہ عدالت کو زوجین کی رضامندی کے بغیر بھی خلع کا فیصلہ کرنے کا اختیار ہے، منشائے الٰہی اور فقہائے امت کے اجماعی فیصلے
کے قطعاً خلاف ہے۔

محترمہ مزید لکھتی ہیں: حضرت ابوعبیدہ بھی اس آیت کی تفسیر یونہی فرماتے ہیں کہ لفظ خفتم کا استعمال زوجین کے ساتھ ساتھ حکم اور قاضی سے بھی متعلق ہے، بلکہ وہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگر بیوی شوہر سے کہہ دے کہ مجھے تم سے نفرت ہے، میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی تو خلع واقع ہو جاتا ہے۔

یہاں چند امور لائق تذلیل ہیں: اوّل: یہ حضرت ابوعبیدہ کون بزرگ ہیں؟ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا لفظ سن کر ذہن فوراً منتقل ہوتا ہے کہ اسلام کی مایہ ناز ہستی امین الامت حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی طرف، جن کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے، لیکن محترمہ کی مراد غالباً ان سے نہیں، کیونکہ تفسیر کی کتاب میں حضرت ابوعبیدہ سے یہ تفسیر منقول نہیں۔

خیال ہوا کہ شاید محترمہ کی مراد مشہور امام لغت ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ ہوں، لیکن ان سے بھی ایسا کوئی قول کتابوں میں نظر نہیں آیا۔

البتہ امام قرطبی نے تفسیر میں اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں امام ابوعبید القاسم بن سلام (المتوفی ھ) کا یہ تفسیری قول نقل کیا ہے، خیال ہوا کہ محترمہ کی مراد شاید یہی بزرگ ہوں، اور ان کی ذہانت نے ابوعبید کو حضرت ابوعبیدہ بنا دیا ہو، اور ان کے نام پر رضی اللہ عنہ کی علامت بھی لکھوا دی ہو، کاش ! کہ محترمہ نے وضاحت کر دی ہوتی، اور اسی کے ساتھ کتاب کا حوالہ لکھنے کی بھی زحمت فرمائی ہوتی تو ان کے قارئین کو خیال آرائی کی ضرورت نہ رہتی۔

دوم: امام قرطبی اور حافظ ابن حجر نے ابوعبید کا یہ تفسیری قول نقل کر کے اس کی پُر زور تردید فرمائی ہے۔

امام قرطبی ؟ لکھتے ہیں کہ : ابوعبید نے الا ان یخافا میں حمزہ کی قرأۃ (بصیغہ مجہول) کو اختیار کیا ہے اور اس کی توجیہ کے لئے مندرجہ بالا تفسیر اختیار کی۔

قرطبی، ابوعبید کے قول کو نقل کر کے اس پر درج ذیل تبصرہ فرماتے ہیں۔

کہ ابوعبید کے اس اختیار کردہ قول کو منکر اور مردود قرار دیا گیا ہے، اور مجھے معلوم نہیں کہ ابوعبید کے اختیار کردہ حروف میں کوئی حرف اس سے زیادہ بعد از عقل ہوگا، اس لئے کہ یہ نہ تو اعراب کے لحاظ سے صحیح ہے، نہ لفظ کے اعتبار سے، اور نہ معنی کی رُو سے۔ (القرطبی الجامع لاحکام القرآن)

اور حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔

ابوعبید نے فَاِنْ خِفْتُمْ کی اس تفسیر کی تائید کے لئے حمزہ کی قرأۃ الا ان یخافا (بصیغہ مجہول) کو پیش کر کے کہا ہے کہ مراد اس سے حکام کا خوف ہے، اور امام لغت نحاس نے ان کے اس قول کو یہ کہہ کر مردود قرار دیا ہے کہ : یہ ایسا قول ہے کہ نہ اعراب اس کی موافقت کرتے ہیں، نہ لفظ اور نہ معنی اور امام طحاوی نے اس کو یہ کہہ کر رَدّ کیا ہے کہ یہ قول شاذ اور منکر ہے، کیونکہ یہ قول اُمت کے جم غفیر کے مذہب کے خلاف ہے۔ نیز از رُوئے عقل و نظر بھی غلط ہے، کیونکہ طلاق، عدالت کے بغیر ہو سکتی ہے تو اسی طرح خلع بھی ہو سکتا ہے۔ (فتح الباری شرح بخاری)

محترمہ حلیمہ صاحبہ نے یہ تو دیکھ لیا کہ ابو عبید نے بھی فَاِنْ خِفْتُمْ کے خطاب میں غیر زوجین کو شامل قرار دیا ہے، مگر یہ تو نہ سوچا کہ ابو عبید کا موقف نقل کر کے قرطبی اور ابنِ حجر نے اس کا منکر اور باطل و مردود ہونا بھی نقل کیا ہے۔ چونکہ محترمہ کا نظریہ خود بھی باطل و مردود تھا، لامحالہ اس کی تائید میں بھی ایک منکر اور باطل و مردود قول ہی پیش کیا جا سکتا تھا، اقبال کے پیر رومی کے بقول: زانکہ باطل باطلاں را می کشد

سوم: امام ابو عبید کے اس تفسیری قول کو اختیار کرنے کی اصل دلیل یہ ہے کہ سلف میں اس مسئلے میں اختلاف ہوا کہ آیا خلع، زوجین کی باہمی رضامندی سے بھی ہو سکتا ہے یا اس کے لئے عدالت میں جانا ضروری ہے؟ جمہور سلف و خلف کا قول ہے کہ اس کے لئے عدالت میں جانا کوئی ضروری نہیں، دونوں باہمی رضامندی سے اس کا تصفیہ کر سکتے ہیں، لیکن بعض تابعین یعنی سعید بن جبیر، امام حسن بصری اور امام محمد بن سیرین قائل تھے کہ اس کے لئے عدالت میں جانا ضروری ہے، امام ابو عبید نے بھی اسی قول کو اختیار کیا، امام قتادہ اور نحاس فرماتے تھے کہ ان حضرات نے یہ مسلک زیاد بن ابیہ سے لیا ہے، حافظ ابنِ حجر لکھتے ہیں۔

امام قتادہ اس مسئلے میں حسن بصری پر نکیر فرماتے تھے کہ: حسن نے یہ مسئلہ صرف زیاد سے لیا ہے یعنی جب زیاد حضرت معاویہ کی جانب سے عراق کا امیر تھا، میں (یعنی حافظ ابنِ حجر) کہتا ہوں کہ زیاد اس کا اہل نہیں کہ اس کی اقتدا کی جائے۔ (فتح الباری)

اور امام قرطبی اس قول کو رَدّ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ قول بے معنی ہے، کیونکہ مرد جب اپنی بیوی سے خلع کرے گا تو یہ خلع اسی مال پر ہوگا جس پر دونوں میاں بیوی راضی ہو جائیں، حاکم، مرد کو خلع پر مجبور نہیں کر سکتا، لہٰذا جو لوگ خلع کے لئے عدالت میں جانا ضروری قرار دیتے ہیں، ان کا قول قطعاً مہمل اور لایعنی ہے۔ (قرطبی، الجامع لاحکام القرآن)

چہارم: اُوپر جو مسئلہ ذکر کیا گیا کہ آیا خلع کا معاملہ عدالت ہی میں طے ہونا ضروری ہے، یا عدالت کے بغیر بھی اس کا تصفیہ ہو سکتا ہے؟ اس میں تو ذرا سا اختلاف ہوا، کہ جمہورِ اُمت اس کے لئے عدالت کی ضرورت کے قائل نہیں تھے، اور چند بزرگ اس کو ضروری سمجھتے تھے (بعد میں یہ اختلاف بھی ختم ہو گیا، اور بعد کے تمام اہلِ علم اس پر متفق ہو گئے کہ عدالت میں جانے کی شرط غلط اور مہمل ہے، جیسا کہ آپ ابھی سن چکے ہیں)۔

لیکن محترمہ حلیمہ صاحبہ نے جو فتویٰ صادر فرمایا ہے کہ عدالت، زوجین کی رضامندی کے بغیر بھی خلع کا فیصلہ کر سکتی ہے، یقین کیجئے کہ اہلِ علم میں ایک فرد بھی اس کا قائل نہیں، نہ امام ابو عبید، نہ حسن بصری نہ کوئی اور۔ لہٰذا زوجین کی رضامندی کے بغیر عدالت کا یک طرفہ فیصلہ باجماعِ اُمت باطل ہے، اور یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی شخص، دُوسرے کی بیوی کو اس کی اجازت کے بغیر طلاق دے ڈالے۔ ہر معمولی عقل و فہم کا شخص بھی جانتا ہے کہ ایسی نام نہاد طلاق یکسر لغو اور مہمل ہے، جس کا زوجین کے نکاح پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ ٹھیک اسی طرح زوجین کی رضامندی کے بغیر خلع کا عدالتی فیصلہ بھی قطعی لغو اور مہمل ہے، جو کسی بھی طرح موثر نہیں۔ محترمہ حلیمہ صاحبہ کی ذہانت چونکہ ان دونوں مسئلوں میں فرق کرنے سے قاصر تھی، اس لئے انہوں نے امام ابو عبید کے قول کا مطلب یہ سمجھ

لیا کہ عدالت خلع کی یک طرفہ ڈگری دے سکتی ہے۔

پنجم: محترمہ نے حضرت ابوعبیدہ سے جو یہ نقل کیا ہے کہ اگر بیوی شوہر سے کہہ دے کہ مجھے تم سے نفرت ہے، میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی تو خلع واقع ہو جاتا ہے۔

انہوں نے اس کا حوالہ نہیں دیا کہ انہوں نے یہ فتویٰ کہاں سے نقل کیا ہے، جہاں تک اس ناکارہ کے ناقص مطالعے کا تعلق ہے، ایسا فتویٰ کسی بزرگ سے منقول نہیں، نہ حضرت ابوعبیدہ سے، اور نہ کسی اور حضرت سے۔ ممکن ہے کہیں ایسا قول منقول ہو اور میری نظر سے نہ گزرا ہو، لیکن سابقہ تجربات کی روشنی میں اَغلب یہ ہے کہ یہ فتویٰ بھی محترمہ کی عقل وذہانت کی پیداوار ہے۔ خدا جانے اصل بات کیا ہوگی؟ جس کو محترمہ کی ذہانت نے اپنے مطلب پر ڈھال لیا۔

بہرحال محترمہ کا یہ فقرہ کتنا خطرناک ہے؟ انہوں نے اس کا اندازہ ہی نہیں کیا! یہاں اس کے چند مفاسد کی طرف ہلکا سا اشارہ کر دینا کافی ہوگا۔

اوّلاً: مکرر عرض کر چکا ہوں کہ خلع کے لئے باجماعِ اُمت، فریقین کی رضامندی شرط ہے۔ محترمہ کا یہ فتویٰ اجماعِ اُمت کے خلاف ہونے کی دلیل سے آیت شریفہ: نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى کا مصداق ہے، جس میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: اہلِ ایمان کے راستے کو چھوڑ کر چلنے والوں کو ہم دوزخ میں داخل کریں گے۔

ثانیاً: ہر شخص جانتا ہے کہ عورت کی حیثیت خلع لینے والی کی ہے، خلع دینے والی کی نہیں، خود محترمہ بھی عورت کے لئے خلع لینے کا لفظ استعمال کر رہی ہیں، لیکن محترمہ کے مندرجہ بالا فتویٰ سے لازم آئے گا کہ عورت جب چاہے شوہر کے خلاف اظہارِ نفرت کرکے، اسے چھٹی کرا سکتی ہے، اور اس کو خلع دے سکتی ہے۔

ثالثاً: محترمہ نے یہ مضمون عدالتی خلع کے جواز کے لئے لکھا ہے، حالانکہ اگر صرف عورت کے اظہارِ نفرت کرنے سے خلع واقع ہو جاتا ہے تو عدالتوں کو زحمت دینے کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟

رابعاً: اللہ تعالیٰ نے: اَلَّذِیْ بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّکَاحِ فرما کر نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں دی ہے، کہ وہی اس کو کھول سکتا ہے، لیکن محترمہ اپنے فتویٰ کے ذریعہ نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ سے چھین کر عورت کے ہاتھ میں تھما رہی ہیں، کہ وہ جب چاہے مرد کے خلاف اظہارِ نفرت کرکے خلع واقع کر دے، اور مرد کو بیک بینی و دو گوش گھر سے نکال دے، تاکہ امریکہ کے ورلڈ آرڈر کی تکمیل ہو سکے، اور مغربی معاشرے کی طرح مشرقی معاشرے میں بھی طلاق کا اختیار مرد کے ہاتھ میں نہ ہو، بلکہ عورت کے ہاتھ میں ہو، گویا محترمہ حلیمہ صاحبہ کو فرمودہ خداوندی: اَلَّذِیْ بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّکَاحِ سے اختلاف ہے، اور امریکی نظام پر ایمان ہے۔

خامساً: محترمہ کے اس فتویٰ سے لازم آئے گا کہ ہمارے معاشرے میں فی ہزار جوڑے نکاح کے بغیر گناہ کی زندگی گزار رہے ہیں، کیونکہ عورت کی نفسیات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمایا ہے کہ اگر تم ان میں سے کسی کے ساتھ پوری زندگی بھی احسان کرو، پھر کوئی ذرا سی ناگوار بات اس کو تم سے پیش آجائے تو فوراً کہہ دے گی کہ میں نے تجھ سے کبھی خیر نہیں دیکھی۔

(صحیح بخاری)

اب ہر خاتون کو زندگی میں کبھی نہ کبھی شوہر سے ناگواری ضرور پیش آئی ہوگی اِلّا ما شاء اللہ اور اس نے اپنی ناگواری کے اظہار کے لئے شوہر کے خلاف نفرت و بیزاری کا اظہار کیا ہوگا۔ محترمہ کے فتویٰ کی رُو سے ایسی تمام عورتوں کا خلع واقع ہوگیا، نکاح فسخ ہوگیا، اور اب وہ بغیر تجدید نکاح میاں بیوی کی حیثیت سے رہ رہے ہیں، اور گناہ کی زندگی گزار رہے ہیں۔ محترمہ کے فتویٰ کے مطابق یا تو ایسی عورتوں کو فوراً گھر چھوڑ کر اپنی راہ لینی چاہئے، یا کم سے کم دوبارہ عقد کی تجدید کر لینی چاہئے، تاکہ وہ گناہ کے وبال سے بچ سکیں، کیا محترمہ حلیمہ صاحبہ قرآن وسنت کی روشنی میں عورتوں کی یہی راہ نمائی کرنے چلی ہیں۔ (مقالہ، شیخ حسن کوثری)

بَابُ الظِّہَار

﴿یہ باب ظہار کے بیان میں ہے﴾

باب ظہار کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ظہار کی مناسبت خلع کے ساتھ اس طرح واضح ہے کہ ان میں سے ہر ایک حکم کے اعتبار سے ایک ہی طرح واضح ہے اور فرق یہ ہے کہ خلع میں جماع کی حرمت ثابت ہوتے ہی نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ جبکہ ظہار میں جماع کی حرمت نکاح کے ساتھ باقی رہتی ہے۔ لہذا مصنف علیہ الرحمہ نے نکاح کو ختم کرنے والی حرمت کو پہلے ذکر کیا ہے کیونکہ وہ مقام طلاق کے قریب ہے اور نکاح کے ساتھ پائی جانے والی حرمت کو مؤخر کیا ہے کیونکہ یہ نکاح کے قریب معارضہ کے ساتھ باقی ہے۔ (فتح القدیر، بتصرف، ج ۹، ص ۱۰۱، بیروت)

ظہار کا لغوی معنی وتعریف

ظہار کے لغوی معنی: ظہار ظہر سے مشتق ہے ظہر کے معنی پیٹھ کے ہیں۔ ظہار کے اصطلاحی معنی: بیوی یا اس کے بعض حصہ جیسے آدھا یا چوتھائی وغیرہ یا اس کے ایسے عضو جس کو بول کر پورا وجود مراد لیا جاتا ہو، جیسے سر، وغیرہ کو اپنے حقیقی یا سسرالی یا رضائی محرم کے ایسے عضو سے تشبیہ دینا جس کا دیکھنا جائز نہیں۔ جو اپنی منکوحہ کو یا اس کے کسی ایسے جزء کو جس کو بول کر کل مراد لیا جا سکتا ہو، اپنی محرم عورت کے ساتھ تشبیہ دے، ظہار کہلاتا ہے جس کی مثال یہ ہے۔

جب کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے: تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی مثل ہے تو وہ اس پر حرام ہو جاتی ہے اور اب اس سے جماع کرنا جائز نہیں اور نہ اسکو چھونا اور نہ بوسہ لینا جائز ہے حتی کہ وہ اس ظہار کا کفارہ ادا کرے۔ (ہدایہ اولین ج ۳ ص ۳۷۹، مجتبائے دہلی)

ظہار کا فقہی مفہوم

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ظہار کا معنی ہے کہ اپنی زوجہ یا اس کے کسی جزو شائع یا ایسے جز کو جو کُل سے تعبیر کیا جاتا ہو ایسی عورت سے تشبیہ دینا جو اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو یا اسکے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دینا جس کی طرف دیکھنا حرام ہو مثلاً کہا تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے یا تیرا سر یا تیری گردن یا تیرا نصف میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے۔ (درمختار، ج ۵، ص ۱۲۵، بیروت)

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ عورت کے سر یا چہرہ یا گردن یا شرمگاہ کو محارم سے تشبیہ دی تو ظہار ہے اور اگر عورت کی پیٹھ یا پیٹ یا ہاتھ یا پاؤں یا ران کو تشبیہ دی تو نہیں۔ یونہی اگر محارم کے ایسے عضو سے تشبیہ دی جسکی طرف نظر کرنا حرام نہ ہو مثلاً سر یا چہرہ یا ہاتھ یا پاؤں یا بال تو ظہار نہیں اور گھٹنے سے تشبیہ دی تو ہے۔ (جوہرہ نیرہ، باب ظہار، رحمانیہ لاہور)

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں کہ محارم کی پیٹھ یا پیٹ یا ران سے تشبیہ دی یا کہا میں نے تجھ سے ظہار کیا تو یہ الفاظ صریح ہیں ان

میں نیت کی کچھ حاجت نہیں کچھ بھی نیت نہ ہو یا طلاق کی نیت ہو یا اکرام کی نیت ہو، ہر حالت میں ظہار ہی ہے اور اگر یہ کہتا ہے کہ مقصود جھوٹی خبر دینا تھا یا زمانہ گزشتہ کی خبر دینا ہے تو قضاء تصدیق نہ کرینگے اور عورت بھی تصدیق نہیں کر سکتی۔ (عالمگیری، باب ظہار)

ظہار کا شرعی حکم

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ظہار کا حکم یہ ہے کہ جب تک کفارہ نہ دیدے اُس وقت تک اُس عورت سے جماع کرنا یا شہوت کے ساتھ اُس کا بوسہ لینا یا اُس کو چھونا یا اُس کی شرمگاہ کی طرف نظر کرنا حرام ہے اور بغیر شہوت چھونے یا بوسہ لینے میں حرج نہیں مگر لب کا بوسہ بغیر شہوت بھی جائز نہیں کفارہ سے پہلے جماع کر لیا تو توبہ کرے اور اُس کے لیے کوئی دوسرا کفارہ واجب نہ ہوا مگر خبر دار پھر ایسا نہ کرے اور عورت کو بھی یہ جائز نہیں کہ شوہر کو قربت کرنے دے۔ (جوہرہ نیرہ، باب ظہار)

قرآن کے مطابق حکم ظہار کا بیان

وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۔(المجادلہ،۳)

اور وہ جو اپنی بیبیوں کو اپنی ماں کی جگہ کہیں۔ پھر وہی کرنا چاہیں جس پر اتنی بڑی بات کہہ چکے۔ تو ان پر لازم ہے۔ ایک بردہ آزاد کرنا۔ قبل اس کے کہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ یہ ہے جو نصیحت تمہیں کی جاتی ہے اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے

فقہائے اسلام نے اس آیت کے الفاظ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں، اور اسلام کے اصول عامہ سے اس مسئلے میں جو قانون اخذ کیا ہے اس کی تفصیلات یہ ہیں۔

ظہار کا یہ قانون عرب جاہلیت کے اس رواج کو منسوخ کرتا ہے جس کی رو سے یہ فعل نکاح کے رشتے کو توڑ دیتا تھا اور عورت شوہر کے لیے ابداً حرام ہو جاتی تھی۔ اسی طرح یہ قانون ان تمام قوانین اور رواجوں کو بھی منسوخ کرتا ہے جو ظہار کو بے معنی اور بے اثر سمجھتے ہوں اور آدمی کے لیے اس بات کو جائز رکھتے ہوں کہ وہ اپنی بیوی کا ماں یا محرمات سے تشبیہ دے کر بھی اس کے ساتھ حسب سابق زن و شو کا تعلق جاری رکھے، کیونکہ اسلام کی نگاہ میں ماں اور دوسری محرمات کی حرمت ایسی معمولی چیز نہیں ہے کہ انسان ان کے اور بیوی کے درمیان مشابہت کا خیال بھی کرے، کجا کہ اس کے زبان پر لائے۔ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان اسلامی قانون نے اس معاملہ میں جو موقف اختیار کیا ہے وہ تین بنیادوں پر قائم ہے۔ ایک یہ کہ ظہار سے نکاح نہیں ٹوٹتا بلکہ عورت بدستور شوہر کی بیوی رہتی ہے۔ دوسرے یہ کہ ظہار سے عورت وقتی طور پر شوہر کے لیے حرام ہو جاتی ہے۔ تیسرے یہ یہ حرمت اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک شوہر کفارہ ادا نہ کردے، اور یہ کہ صرف کفارہ ہی اس حرمت کو رفع کر سکتا ہے۔

ظہار کرنے والے شخص کے بارے میں یہ امر متفق علیہ ہے کہ اس شوہر کا ظہار معتبر ہے جو عاقل و بالغ ہو اور بحالت ہوش و حواس ظہار کے الفاظ زبان سے ادا کرے۔ بچے اور مجنون کا ظہار معتبر نہیں ہے۔ نیز ایسے شخص کا ظہار بھی معتبر نہیں جو ان الفاظ کو ادا

کرتے وقت اپنے ہوش وحواس میں نہ ہو، مثلاً سوتے میں بڑبڑائے، یا کسی نوعیت کی بیہوشی میں مبتلا ہو گیا ہو۔اس کے بعد حسب ذیل امور میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

نشئی کے ظہار میں مذاہب اربعہ

نشے کی حالت میں ظہار کرنے والے کے متعلق ائمہ اربعہ سمیت فقہاء کی عظیم اکثریت کہتی ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی نشہ آور چیز جان بوجھ کر استعمال کی ہو تو اس کا ظہار اس کی طلاق کی طرح قانوناً صحیح مانا جائے گا، کیونکہ اس نے یہ حالت اپنے اوپر خود طاری کی ہے۔البتہ اگر مرض کی دلیل سے اس نے کوئی دوا پی ہو اور اس سے نشہ لاحق ہو گیا ہو، یا پیاس کی شدت میں وہ جان بچانے کے لیے شراب پینے پر مجبور ہوا ہو تو اس طرح کے نشے کی حالت میں اس کے ظہار وطلاق کو نافذ نہیں کیا جائے گا۔احناف اور شوافع اور حنابلہ کی دلیل یہی ہے اور صحابہ کا عام مسلک بھی یہی تھا۔بخلاف اس کے حضرت عثمانؓ کا قول یہ ہے کہ نشے کی حالت میں طلاق و ظہار معتبر نہیں ہے۔احناف میں سے امام طحاویؒ اور کرخیؒ اس قول کو ترجیح دیتے رہیں اور امام شافعیؒ کا بھی ایک قول اس کی تائید میں ہے۔مالکیہ کے نزدیک ایسے نشے کی حالت میں ظہار معتبر ہوگا جس میں آدمی بالکل بہک نہ گیا ہو، بلکہ وہ مربوط اور مرتب کلام کر رہا ہو اور اسے یہ احساس ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

ظہار کے متعین وقت سے متعلق فقہی مذاہب اربعہ

کیا ظہار ایک خاص وقت تک کے لیے ہو سکتا ہے؟ حنفی اور شافعی کہتے ہیں کہ اگر آدمی نے کسی خاص وقت کی تعیین کر کے ظہار کیا ہو تو جب تک وہ وقت باقی ہے، بیوی کو ہاتھ لگانے سے کفارہ لازم آئے گا، اور اس وقت کے گزر جانے پر ظہار غیر مؤثر ہو جائے گا۔اس کی دلیل سلمہ بن صخر بیاضی کا واقعہ ہے جس میں انہوں نے اپنی بیوی سے رمضان کے لیے ظہار کیا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ وقت کی تعیین بے معنی ہے۔بخلاف اس کے امام مالک علیہ الرحمہ اور ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ ظہار جب بھی کیا جائے گا، ہمیشہ کے لیے ہوگا اور وقت کی تخصیص غیر مؤثر ہوگی، کیونکہ جو حرمت واقع ہو چکی ہے وہ وقت گزر جانے پر آپ سے آپ ختم نہیں ہو سکتی۔

مشروط ظہار کیا گیا ہو تو جس وقت بھی شرط کی خلاف ورزی ہوگی، کفارہ لازم آ جائے گا۔مثلاً آدمی بیوی سے یہ کہتا ہے کہ اگر میں گھر میں آؤں تو میرے اوپر تو ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ۔اس صورت میں وہ جب بھی گھر میں داخل ہوگا۔کفارہ ادا کیے بغیر بیوی کو ہاتھ نہ لگا سکے گا۔

ایک بیوی سے کئی مرتبہ ظہار کے الفاظ کہے گئے ہوں تو حنفی اور شافعی کہتے ہیں کہ خواہ ایک ہی نشست میں ایسا کیا گیا ہو یا متعدد نشستوں میں، بہر حال جتنی مرتبہ یہ الفاظ کہے گئے ہوں اتنے ہی کفارے لازم آئیں گے، الا یہ کہ کہنے والے نے ایک دفعہ کہنے کے بعد اس قول کی تکرار محض اپنے پہلے قول کی تاکید کے لیے کی ہو۔بخلاف اس کے امام مالک علیہ الرحمہ اور امام احمد بن حنبل

کہتے ہیں کہ خواہ کتنی ہی مرتبہ اس قول کی تکرار کی گئی ہو، قطع نظر اس سے کہ اعادہ کی نیت ہو یا تاکید کی، کفارہ ایک ہی لازم ہوگا۔ یہی قول شعبی، طاؤس، عطاء بن ابی رباح، حسن بصری، اور اوزاعی رحمہم اللہ کا ہے حضرت علی کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر تکرار ایک نشست میں کی گئی ہو تو ایک ہی کفارہ ہوگا، اور مختلف نشستوں میں ہو تو جتنی نشستوں میں کی گئی ہو اتنے ہی کفارے دینے ہوں گے۔ قتادہ اور عمرو بن دینار کی دلیل بھی یہی ہے۔

ظہار کے بعد رجوع میں مذاہب اربعہ

قرآن مجید میں جس چیز کو کفارہ لازم آنے کا سبب قرار دیا گیا ہے وہ محض ظہار نہیں ہے بلکہ ظہار کے بعد عود ہے۔ یعنی اگر آدمی صرف ظہار کر کے رہ جائے اور عود نہ کرے تو اس پر کفارہ لازم نہیں آتا۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ عود کیا ہے جو کفارہ کا موجب ہے؟ اس بارے میں فقہاء کے مالک یہ ہیں۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ عود سے مراد مباشرت کا ارادہ ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ محض ارادے اور خواہش پر کفارہ لازم آجائے، حتیٰ کہ اگر آدمی ارادہ کر کے رہ جائے اور عملی اقدام نہ کرے تب بھی اسے کفارہ دینا پڑے۔ بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس حرمت کو رفع کرنا چاہے جو اس نے ظہار کر کے بیوی کے ساتھ تعلق زن وشو کے معاملہ میں اپنے اوپر عائد کر لی تھی وہ پہلے کفارہ دے، کیونکہ یہ حرمت کفارہ کے بغیر رفع نہیں ہو سکتی۔

امام مالک علیہ الرحمہ کے اس معاملہ میں تین قول ہیں، مگر مالکیہ کے ہاں ان کا مشہور ترین اور صحیح ترین قول اس مسلک کے مطابق ہے جو اوپر حنفیہ کا بیان ہوا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ظہار سے جس چیز کو اس نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ وہ بیوی کے ساتھ مباشرت کا تعلق تھا۔ اس کے بعد عود یہ ہے کہ وہ اس کے ساتھ یہی تعلق رکھنے کے لیے پلٹے۔

امام احمد بن حنبل کا مسلک بھی ابن قدامہ نے قریب قریب وہی نقل کیا ہے جو اوپر دونوں اماموں کا بیان کیا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ظہار کے بعد مباشرت کے حلال ہونے کے لیے کفارہ شرط ہے۔ ظہار کرنے والا جو شخص اسے حلال کرنا چاہے وہ گویا تحریم سے پلٹنا چاہتا ہے۔ اس لیے اسے حکم دیا گیا کہ اسے حلال کرنے سے پہلے کفارہ دے، ٹھیک اسی طرح جیسے کوئی شخص ایک غیر عورت کو اپنے لیے حلال کرنا چاہے تو اس سے کہا جائے گا کہ اسے حلال کرنے سے پہلے نکاح کرے۔

امام شافعی کا مسلک ان تینوں سے مختلف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آدمی کا اپنی بیوی سے ظہار کرنے کے بعد اسے حسب سابق بیوی بنائے رکھنا، یا بالفاظ دیگر اسے بیوی کی حیثیت سے روکے رکھنا عود ہے۔ کیونکہ جس وقت اس نے ظہار کیا اسی وقت گویا اس نے اپنے لیے یہ بات حرام کر لی کہ اسے بیوی بنا کر رکھے۔ لہٰذا اگر اس نے ظہار کرتے ہی فوراً اسے طلاق نہ دی اور اتنی دیر تک اسے روکے رکھا جس میں وہ طلاق کے الفاظ زبان سے نکال سکتا تھا، تو اس نے عود کر لیا اور اس پر کفارہ واجب ہو گیا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک سانس میں ظہار کرنے کے بعد اگر آدمی دوسرے ہی سانس میں طلاق نہ دے دے تو کفارہ لازم آجائے گا، خواہ بعد میں اس کا فیصلہ یہی ہو کہ اس عورت کو بیوی بنا کر نہیں رکھنا ہے، اور اس کا کوئی ارادہ اس کے ساتھ تعلق زن وشوہر رکھنے کا نہ ہو۔ حتیٰ کہ چند

منٹ غور کر کے وہ بیوی کو طلاق بھی دے ڈالے تو امام شافعیؒ کے مسلک کی رو سے کفارہ اس کے ذمہ لازم رہے گا۔

کفارے سے پہلے چھونے کی ممانعت میں مذاہب اربعہ

قرآن کا حکم ہے کہ ظہار کرنے والا کفارہ دے قبل اس کے کہ زوجین ایک دوسرے کو مس کریں۔ ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں مس سے مراد چھونا ہے، اس لیے کفارہ سے پہلے صرف مباشرت ہی حرام نہیں ہے بلکہ شوہر کسی طرح بھی بیوی کو چھو نہیں سکتا۔ شافعیہ شہوت کے ساتھ چھونے کو حرام کہتے ہیں، حنابلہ ہر طرح کے تلذذ کو حرام قرار دیتے ہیں، اور مالکیہ لذت کے لیے بیوی کے جسم پر بھی نظر ڈالنے کو ناجائز ٹھیراتے ہیں اور ان کے نزدیک صرف چہرے اور ہاتھوں پر نظر ڈالنا اس سے مستثنیٰ ہے۔

ظہار کے بعد اگر آدمی بیوی کو طلاق دے دے تو رجعی طلاق ہونے کی صورت میں رجوع کر کے بھی وہ کفارہ دیے بغیر اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ بائن ہونے کی صورت میں اگر اس سے دوبارہ نکاح کرے تب بھی اسے ہاتھ لگانے سے پہلے کفارہ دینا ہوگا۔ حتیٰ کہ اگر تین طلاق دے چکا ہو، اور عورت دوسرے آدمی نکاح کرنے کے بعد بیوہ یا مطلقہ ہو چکی ہو، اور اس کے بعد ظہار کرنے والا شوہر اس سے از سر نو نکاح کر لے، پھر بھی کفارے کے بغیر وہ اس کے لیے حلال نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ اسے ماں یا محرمات سے تشبیہ دے کر اپنے اوپر ایک دفعہ حرام کر چکا ہے، اور یہ حرمت کفارے کے بغیر رفع نہیں ہو سکتی۔ اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔

عورت کے لیے لازم ہے کہ جس شوہر نے اس کے ساتھ ظہار کیا ہے اسے ہاتھ نہ لگانے دے جب تک وہ کفارہ ادا نہ کرے۔ اور چونکہ تعلق زن وشو عورت کا حق ہے جس سے ظہار کر کے شوہر نے اسے محروم کیا ہے، اس لیے اگر وہ کفارہ نہ دے تو بیوی عدالت سے رجوع کر سکتی ہے۔ عدالت اس کے شوہر کو مجبور کرے گی کہ وہ کفارہ دے کر حرمت وہ دیوار ہٹائے جو اس نے اپنے اور اس کے درمیان حائل کر لی ہے۔ اور اگر وہ نہ مانے تو عدالت اسے ضرب یا قید یا دونوں طرح کی سزائیں دے سکتی ہے۔ یہ بات بھی چاروں مذاہب فقہ میں متفق علیہ ہے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ مذہب حنفی میں عورت کے لیے صرف یہی ایک چارہ کار ہے، ورنہ ظہار پر خواہ کتنی ہی مدت گزر جائے، عورت کو اگر عدالت اس مشکل سے نہ نکالے تو وہ تمام عمر معلق رہے گی، کیونکہ ظہار سے نکاح ختم نہیں ہوتا، صرف شوہر کا حق تمتع سلب ہوتا ہے۔ ملکی مذہب میں اگر شوہر عورت کو ستانے کے لیے ظہار کر کے معلق چھوڑ دے تو اس پر ایلاء کے احکام جاری ہوں گے، یعنی وہ چار مہینے سے زیادہ عورت کو روک کر نہیں رکھ سکتا (احکام ایلاء کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد اول، البقرہ، حواشی 245 تا 247)۔ شافعیہ کے نزدیک اگر چہ ظہار میں احکام ایلاء تو صرف اس وقت جاری ہو سکتے ہیں جبکہ شوہر نے ایک مدت خاص کے لیے ظہار کیا ہو اور وہ مدت چار مہینے سے زیادہ ہو، لیکن چونکہ مذہب شافعی کی رو سے شوہر پر اسی وقت کفارہ واجب ہو جاتا ہے جب وہ عورت کو بیوی بنا کر رکھے رہے، اس لیے یہ ممکن نہیں رہتا کہ وہ کسی طویل مدت تک اس کو معلق رکھے۔

قرآن اور سنت میں تصریح ہے کہ ظہار کا پہلا کفارہ غلام آزاد کرنا ہے۔ اس سے آدمی عاجز ہو تب دو مہینے کے روزوں کی شکل

میں کفارہ دے سکتا ہے۔ اور اس سے بھی عاجز ہو تب 60 مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے۔ لیکن اگر تینوں کفاروں سے کوئی شخص عاجز ہو تو چونکہ شریعت میں کفارے کی کوئی اور شکل نہیں رکھی گئی ہے اس لیے اسے اس وقت تک انتظار کرنا ہوگا جب تک وہ ان میں سے کسی ایک پر قادر نہ ہو جائے۔ البتہ سنت سے یہ ثابت ہے کہ ایسے شخص کی مدد کی جانی چاہیے تاکہ وہ تیسرا کفارہ ادا کر سکے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المال سے ایسے لوگوں کی مدد فرمائی ہے جو اپنی غلطی سے اس مشکل میں پھنس گئے تھے اور تینوں کفاروں سے عاجز تھے۔

قرآن مجید کفارہ میں رقبہ آزاد کرنے کا حکم دیتا ہے، جس کا اطلاق لونڈی اور غلام دونوں پر ہوتا ہے اور اس میں عمر کی کوئی قید نہیں ہے۔ شیر خوار بچہ بھی اگر غلامی کی حالت میں ہو تو اسے آزاد کیے جا سکتے ہیں یا صرف مومن غلام ہی آزاد کرنا ہوگا۔ حنفیہ اور ظاہریہ کہتے ہیں غلام خواہ مومن ہو یا کافر، اس کا آزاد کر دینا کفارہ ظہار کے لیے کافی ہے، کیونکہ قرآن میں مطلق رقبہ کا ذکر ہے، یہ نہیں کہا گیا ہے کہ وہ مومن ہی ہونا چاہیے۔ بخلاف اس کے شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ اس کے لیے مومن کی شرط لگاتے ہیں، اور انہوں نے اس حکم کو ان دوسرے کفاروں پر قیاس کیا ہے جن میں رقبہ کے ساتھ قرآن مجید میں مومن کی قید لگائی گئی ہے۔

ظہار کے الفاظ اور ان کے حکم کا بیان

﴿وَإِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِامْرَأَتِهِ أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي فَقَدْ حُرِّمَتْ عَلَيْهِ لَا يَحِلُّ لَهُ وَطْؤُهَا وَلَا مَسُّهَا وَلَا تَقْبِيلُهَا حَتَّى يُكَفِّرَ عَنْ ظِهَارِهِ﴾ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ﴾ إِلَى أَنْ قَالَ ﴿فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا﴾ وَالظِّهَارُ كَانَ طَلَاقًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَقَرَّرَ الشَّرْعُ أَصْلَهُ وَنَقَلَ حُكْمَهُ إِلَى تَحْرِيمٍ مُوَقَّتٍ بِالْكَفَّارَةِ غَيْرِ مُزِيلٍ لِلنِّكَاحِ، وَهٰذَا لِأَنَّهُ جِنَايَةٌ لِكَوْنِهِ مُنْكَرًا مِنَ الْقَوْلِ وَزُورًا فَيُنَاسِبُ الْمُجَازَاةَ عَلَيْهَا بِالْحُرْمَةِ، وَارْتِفَاعُهَا بِالْكَفَّارَةِ. ثُمَّ الْوَطْءُ إِذَا حَرُمَ حَرُمَ بِدَوَاعِيهِ كَيْ لَا يَقَعَ فِيهِ كَمَا فِي الْإِحْرَامِ، بِخِلَافِ الْحَائِضِ وَالصَّائِمِ لِأَنَّهُ يَكْثُرُ وُجُودُهُمَا، فَلَوْ حَرُمَ الدَّوَاعِي يُفْضِي إِلَى الْحَرَجِ وَلَا كَذٰلِكَ الظِّهَارُ وَالْإِحْرَامُ. ﴿فَإِنْ وَطِئَهَا قَبْلَ أَنْ يُكَفِّرَ اسْتَغْفَرَ اللّٰهَ تَعَالَى وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ غَيْرَ الْكَفَّارَةِ الْأُولَى وَلَا يَعُودُ حَتَّى يُكَفِّرَ﴾ ﴿لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِلَّذِي وَاقَعَ فِي ظِهَارِهِ قَبْلَ الْكَفَّارَةِ اسْتَغْفِرِ اللّٰهَ وَلَا تَعُدْ حَتَّى تُكَفِّرَ (۱)﴾ وَلَوْ كَانَ شَيْءٌ آخَرُ وَاجِبًا لَنَبَّهَ عَلَيْهِ. قَالَ: وَهٰذَا اللَّفْظُ لَا يَكُونُ إِلَّا ظِهَارًا لِأَنَّهُ صَرِيحٌ فِيهِ ﴿وَلَوْ نَوَى بِهِ الطَّلَاقَ لَا يَصِحُّ﴾ لِأَنَّهُ مَنْسُوخٌ فَلَا يَتَمَكَّنُ مِنَ الْإِتْيَانِ بِهِ

(۱) أخرجه أبو داود في "سننه" برقم (۲۲۲۳) والترمذي في "جامعه" برقم (۱۱۹۹) وقال: حسن صحيح غريب، والنسائي في "المجتبى" برقم (۳۴۲۳) وابن ماجه في "سننه" برقم (۲۰۶۵) عن ابن عباس رضي الله عنهما مرفوعاً، وأخرجه أبو داود مرسلاً برقم (۲۲۲۱) عن عكرمة موقوفاً على ابن عباس رضي الله عنهما، وعن الحكم مرسلاً أيضاً برقم (۲۲۲۲) والنسائي برقم (۳۲۳۵) وقال: المرسل أولى بالصواب انظر "نصب الراية" ۳/۲۴۷ و "الدراية" ۲/۷۵-۷۶۔

ترجمہ

اور جب کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے: تم میرے لئے میری والدہ کی پشت (کی طرح قابل احترام) ہو تو وہ عورت اس مرد کے لئے حرام ہو جائے گی اور اس مرد کے لئے اس عورت کے ساتھ صحبت کرنا جائز نہیں ہوگا اسے چھونا اس کا بوسہ لینا جائز نہیں ہوگا جب تک وہ اپنے ظہار کا کفارہ نہیں دیدیتا' اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''جو لوگ اپنی بیویوں کے ساتھ ظہار کرتے ہیں''۔ یہ آیت یہاں تک ہے۔ ''ایک غلام آزاد کرنا اس سے پہلے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ملاپ کریں''۔ زمانہ جاہلیت میں ظہار' طلاق شمار ہوتا تھا' تو شریعت نے اس کی اصل کو برقرار رکھا اور اس کے حکم کو وقتی حرمت کی طرف منتقل کر دیا' جو کفارے کے ذریعے (ختم ہو جاتی ہے) البتہ اس کے ذریعے نکاح ختم نہیں ہوتا۔ اس کی دلیل یہ ہے: ظہار کرنا اس اعتبار سے جرم ہے کہ مرد کا قول قابل انکار اور غلط ہے اس لیے مناسب یہی ہے: مرد کو اس بات کی سزا دی جائے اور عورت کو اس کے لئے (عارضی طور پر) حرام قرار دیدیا جائے البتہ جب وہ مرد کفارہ ادا کر دے' تو یہ حرمت ختم ہو جائے گی۔ پھر جب وطی کو حرام قرار دیا گیا تو اس کے محرکات (چھونے اور بوسہ دینے) کو بھی حرام قرار دیا جائے گا تا کہ وہ وطی کا ارتکاب نہ کرلے' جیسا کہ احرام کی حالت میں بھی (یہ ممنوع ہوتے ہیں) جبکہ حیض والی عورت اور روزہ دار کا حکم اس سے مختلف ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے: حیض اور روزہ دونوں کا وقوع بکثرت ہوتا ہے' اس لئے اگر ان محرکات کو بھی حرام قرار دیدیا جائے' تو اس کے نتیجے میں دقت پیدا ہو سکتی ہے البتہ ظہار اور احرام کی صورت مختلف ہے (کیونکہ یہ شاذ و نادر پیش آتے ہیں)۔ اگر شوہر کفارہ دینے سے پہلے عورت کے ساتھ صحبت کر لیتا ہے' تو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار کرے گا' اور اس پر کفارے کی ادائیگی کے علاوہ اور کوئی مزید ادائیگی لازم نہیں ہوگی' اور وہ دوبارہ ایسا نہ کرے' جب تک کفارہ ادا نہیں کر دیتا۔ اس کی دلیل' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس شخص سے یہ فرمان ہے: جس نے ظہار کی حالت میں کفارہ دینے سے پہلے صحبت کر لی تھی۔ ''تم اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو اور دوبارہ یہ عمل اس وقت تک نہ کرنا جب تک کفارہ نہیں دیدیتے''۔ اگر کوئی دوسری چیز لازم ہوتی' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر متنبہ کر دیتے۔ مصنف فرماتے ہیں: یہ الفاظ صرف ظہار شمار ہوں گے' کیونکہ یہ اس بارے میں صریح ہیں۔ اگر شوہر اس کے ذریعے طلاق کی نیت کر لیتا ہے' تو یہ درست نہیں ہوگی' کیونکہ یہ حکم منسوخ ہے اس لیے اس پر عمل کرنا ممکن نہیں ہوگا۔

شرح

اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ وَ اِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ

مُنكَرًا وَ زُورًا وَ إِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ۔ (مجادلہ ۲)

جولوگ تم میں سے اپنی عورتوں کو ماں کہہ دیتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں ہو جاتیں۔ ان کی مائیں تو وہی ہیں جن کے بطن سے وہ

پیدا ہوئے ہیں بیشک وہ نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔ خدا بڑا معاف کرنیوالا اور بخشنے والا ہے۔

خویلہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا اور مسئلہ ظہار

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں۔ حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کی قسم میرے اور میرے خاوند اوس بن صامت کے بارے میں اس سورۂ مجادلہ کی شروع کی چار آیتیں اتری ہیں، میں ان کے گھر میں تھی یہ بوڑھے اور بڑی عمر کے تھے اور کچھ اخلاق کے بھی اچھے نہ تھے، ایک دن باتوں ہی باتوں میں میں نے ان کی کسی بات کے خلاف کہا اور انہیں کچھ جواب دیا، جس پر وہ بڑے غضب ناک ہوئے اور غصے میں فرمانے لگے تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے پھر گھر سے چلے گئے اور قومی مجلس میں کچھ دیر بیٹھے رہے پھر واپس آئے اور مجھ سے خاص بات چیت کرنی چاہی، میں نے کہا اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں خولہ کی جان ہے تمہارے اس کہنے کے بعد اب یہ بات ناممکن ہے یہاں تک کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہمارے بارے میں نہ ہو، لیکن وہ نہ مانے اور زبردستی کرنے لگے مگر چونکہ کمزور اور ضعیف تھے میں ان پر غالب آگئی اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے، میں اپنی پڑوسن کے ہاں گئی اور اس سے کپڑا مانگ کر اوڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی، اس واقعہ کو بیان کیا اور بھی اپنی مصیبتیں اور تکلیفیں بیان کرنی شروع کردیں، آپ یہی فرماتے جاتے تھے خولہ اپنے خاوند کے بارے میں اللہ سے ڈرو وہ بوڑھے بڑے ہیں، ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی، جب وحی اتر چکی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے خولہ تیرے اور تیرے خاوند کے بارے میں قرآن کریم کی آیتیں نازل ہوئی ہیں، پھر آپ نے آیت (قد سمع اللہ سے عذاب الیم) تک پڑھ سنایا اور فرمایا جاؤ اپنے میاں سے کہو کہ ایک غلام آزاد کریں، میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس غلام کہاں؟ وہ تو بہت مسکین شخص ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تو دو مہینے کے لگاتار روزے رکھ لیں، میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ تو بڑی عمر کے بوڑھے ناتواں کمزور ہیں انہیں دو ماہ کے روزوں کی بھی طاقت نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر ساٹھ مسکینوں کو ایک وسق (تقریباً چار من پختہ) کھجوریں دے دیں، میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس مسکین کے پاس یہ بھی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا آدھا وسق کھجوریں میں اپنے پاس سے انہیں دیدوں گا میں نے کہا بہتر آدھا وسق میں دیدوں گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تم نے بہت اچھا کیا اور خوب کام کیا، جاؤ یہ ادا کر دو اور اپنے خاوند کے ساتھ جو تمہارے چچا کے لڑکے ہیں محبت، پیار، خیر خواہی اور فرمانبرداری سے گزارا کرو (مسند احمد و ابوداؤد)۔

ان کا نام بعض روایتوں میں خولہ کے بجائے خویلہ بھی آیا ہے اور بنت ثعلبہ کے بدلے بنت مالک بن ثعلبہ بھی آیا ہے، ان اقوال میں کوئی ایسا اختلاف نہیں جو ایک دوسرے کے خلاف ہو، واللہ اعلم۔

اس سورت کی ان شروع کی آیتوں کا صحیح شان نزول یہی ہے۔ حضرت سلمہ بن صخر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ جواب آرہا ہے وہ

اس کے اترنے کا باعث نہیں ہوا ہاں البتہ جو حکم ظہار ان آیتوں میں تھا انہیں بھی دیا گیا یعنی غلام آزاد کرنا یا روزے رکھنا یا کھانا دینا، حضرت سلمہ بن صخر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ خود ان کی زبانی یہ ہے کہ مجھے جماع کی طاقت اوروں سے بہت زیادہ تھی، رمضان میں اس خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو دن میں روزے کے وقت میں بچ نہ سکوں میں نے رمضان بھر کیلئے اپنی بیوی سے ظہار کرلیا، ایک رات جبکہ وہ میری خدمت میں مصروف تھی بدن کے کسی حصہ پر سے کپڑا ہٹ گیا پھر تاب کہاں تھی؟ اس سے بات چیت کر بیٹھا صبح اپنی قوم کے پاس آ کر میں نے کہا کہ ایسا واقعہ ہوگیا ہے تم مجھے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلو اور آپ سے پوچھو کہ اس گناہ کا بدلہ کیا ہے؟ سب نے انکار کیا اور کہا کہ ہم تو تیرے ساتھ نہیں جائیں گے ایسا نہ ہو کہ قرآن کریم میں اس کی بابت کوئی آیت اترے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسی بات فرما دیں کہ ہمیشہ کیلئے ہم پر عار باقی رہ جائے، تو جانے تیرا کام، تو نے ایسا کیوں کیا؟ ہم تیرے ساتھی نہیں، میں نے کہا اچھا پھر میں اکیلا جاتا ہوں۔ چنانچہ میں گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام واقعہ بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے ایسا کیا؟ میں نے کہا جی ہاں حضور مجھ سے ایسا ہوگیا۔ آپ نے پھر فرمایا تم نے ایسا کیا؟ میں نے پھر یہی عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے یہ خطا ہوگئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری دفعہ بھی یہی فرمایا میں نے پھر اقرار کیا اور کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہوں جو سزا میرے لئے تجویز کی جائے میں اسے صبر سے برداشت کروں گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیجئے، آپ نے فرمایا جاؤ ایک غلام آزاد کرو، میں نے اپنی گردن پر ہاتھ رکھ کر کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تو صرف اس کا مالک ہوں اللہ کی قسم مجھے غلام آزاد کرنے کی طاقت نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر دو مہینے کے پے درپے روزے رکھو، میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزوں ہی کی دلیل سے تو یہ ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر جاؤ صدقہ کرو میں نے کہا اس اللہ کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میرے پاس کچھ نہیں بلکہ آج کی شب سب گھر والوں نے فاقہ کیا ہے، پھر فرمایا اچھا بنو رزیق کے قبیلے کے صدقے والے کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ وہ صدقے کا مال تمہیں دیدیں تم اس میں سے ایک وسق کھجور تو ساٹھ مسکینوں کو دیدو اور باقی تم آپ اپنے اور اپنے بال بچوں کے کام میں لاؤ، میں خوش خوش لوٹا اور اپنی قوم کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ تمہارے پاس تو میں نے تنگی اور برائی پائی اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس میں نے کشادگی اور برکت پائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ اپنے صدقے تم مجھے دیدو چنانچہ انہوں نے مجھے دے دیئے (مسند احمد ابوداؤد وغیرہ)

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت اوس بن صامت اور ان کی بیوی صاحبہ حضرت خویلہ بنت ثعلبہ کے واقعہ کے بعد کا ہے، چنانچہ حضرت ابن عباس کا فرمان ہے کہ ظہار کا پہلا واقعہ حضرت اوس بن صامت کا ہے جو حضرت عبادہ بن صامت کے بھائی تھے، ان کی بیوی صاحبہ کا نام خولہ بنت ثعلبہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا، اس واقعہ سے حضرت خولہ کو ڈر تھا کہ شاید طلاق ہوگئی، انہوں نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میرے میاں نے مجھ سے ظہار کرلیا ہے اور اگر ہم علیحدہ علیحدہ ہوگئے تو دونوں برباد ہو جائیں گے میں اب اس لائق بھی نہیں رہی کہ مجھے اولاد ہو ہمارے اس تعلق کو بھی زمانہ گزر چکا اور بھی اسی طرح کی باتیں کہتی جاتی

تھیں اور روتی جاتی تھیں، اب تک ظہار کا کوئی حکم اسلام میں نہ تھا اس پر یہ آیتیں شروع سورت سے الیم تک اتریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اوس کو بلوایا اور پوچھا کہ کیا تم غلام آزاد کر سکتے ہو؟ انہوں نے قسم کھا کر انکار کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے رقم جمع کی انہوں نے اس سے غلام خرید کر آزاد کیا اور اپنی بیوی صاحبہ سے رجوع کیا (ابن جریر)

حضرت ابن عباس کے علاوہ اور بھی بہت سے بزرگوں کا یہ فرمان ہے کہ یہ آیتیں انہی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، واللہ اعلم۔ لفظ ظہار ظہر سے مشتق ہے چونکہ اہل جاہلیت اپنی بیوی سے ظہار کرتے وقت یوں کہتے تھے کہ انت علی کظھر امی یعنی تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ، شریعت میں حکم یہ ہے کہ اس طرح خواہ کسی عضو کا نام لے ظہار ہو جائے گا، ظہار جاہلیت کے زمانے میں طلاق سمجھا جاتا تھا اللہ تعالیٰ نے اس امت کیلئے اس میں کفارہ مقرر کر دیا اور اسے طلاق شمار نہیں کیا جیسے کہ جاہلیت کا دستور تھا۔ سلف میں سے اکثر حضرات نے یہی فرمایا ہے،

حضرت ابن عباس جاہلیت کے اس دستور کا ذکر کر کے فرماتے ہیں اسلام میں جب حضرت خویلہ والا واقعہ پیش آیا اور دونوں میاں بیوی پچھتانے لگے تو حضرت اوس نے اپنی بیوی صاحبہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا یہ جب آئیں تو دیکھا کہ آپ کنگھی کر رہے ہیں، آپ نے واقعہ سن کر فرمایا ہمارے پاس اس کا کوئی حکم نہیں اتنے میں یہ آیتیں اتریں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خویلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کی خوشخبری دی اور پڑھ سنائیں، جب غلام کو آزاد کرنے کا ذکر کیا تو عذر کیا کہ ہمارے پاس غلام نہیں، پھر روزوں کا ذکر سن کر کہا اگر ہر روز تین مرتبہ پانی نہ پئیں تو بدلیل اپنے بڑھاپے کے فوت ہو جائیں، جب کھانا کھلانے کا ذکر سنا تو کہا چند لقموں پر تو سارا دن گزرتا ہے تو اوروں کو دینا کہاں؟ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آدھا وسق تیس صاع منگوا کر انہیں دیئے اور فرمایا اسے صدقہ کر دو اور اپنی بیوی سے رجوع کر لو (ابن جریر)

اس کی اسناد قوی اور پختہ ہے، لیکن ادائیگی غربت سے خالی نہیں۔ حضرت ابو العالیہ سے بھی اسی طرح مروی ہے، فرماتے ہیں خولہ بنت دلیج ایک انصاری کی بیوی تھیں جو کم نگاہ والے مفلس اور کج خلق تھے، کسی دن کسی بات پر میاں بیوی میں جھگڑا ہو گیا تو جاہلیت کی رسم کے مطابق ظہار کر لیا جو ان کی طلاق تھی۔ یہ بیوی صاحبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں اس وقت آپ عائشہ کے گھر میں تھے اور ام المومنین آپ کا سر دھو رہی تھیں، جا کر سارا واقعہ بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب کیا ہو سکتا ہے، میرے علم میں تو تو اس پر حرام ہو گئی یہ سن کر کہنے لگیں اللہ میری عرض تجھ سے ہے، اب حضرت عائشہ آپ کے سر مبارک کا ایک طرف کا حصہ دھو کر گھوم کر دوسری جانب آئیں اور ادھر کا حصہ دھونے لگیں تو حضرت خولہ بھی گھوم کر اس دوسری طرف آ بیٹھیں اور اپنا واقعہ دوہرایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی جواب دیا، ام المومنین نے دیکھا کہ آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا ہے تو ان سے کہا کہ دور ہٹ کر بیٹھو، یہ دور کھسک گئیں ادھر وحی نازل ہونی شروع ہوئی جب اتر چکی تو آپ نے فرمایا وہ عورت کہاں ہے؟ ام المومنین نے انہیں آواز دے کر بلایا۔ آپ نے فرمایا جاؤ اپنے خاوند کو لے آؤ، یہ دوڑتی ہوئی گئیں اور اپنے شوہر کو بلا لائیں تو واقعی وہ ایسے ہی تھے جیسے انہوں نے کہا تھا، آپ نے استعیذ باللہ السمیع العلیم بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر اس سورت کی یہ آیتیں

سنائیں، اور فرمایا تم غلام آزاد کر سکتے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں، کہا دو مہینے کے لگاتار ایک کے پیچھے ایک روزے رکھ سکتے ہو؟ انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ اگر دو تین دفعہ دن میں نہ کھاؤں تو بینائی بالکل جاتی رہتی ہے، فرمایا کیا ساٹھ مسکینوں کو کھانا دے سکتے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں لیکن اگر آپ میری امداد فرمائیں تو اور بات ہے، پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اعانت کی اور فرمایا ساٹھ مسکینوں کو کھلا دو اور جاہلیت کی اس رسم طلاق کو ہٹا کر اللہ تعالیٰ نے اسے ظہار مقرر فرمایا (ابن ابی حاتم وابن جریر)

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایلا اور ظہار جاہلیت کے زمانہ کی طلاقیں تھیں، اللہ تعالیٰ نے ایلا میں تو چار مہینے کی مدت مقرر فرمائی اور ظہار میں کفارہ مقرر فرمایا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ منکم سے استدلال کیا ہے کہ چونکہ یہاں خطاب مومنوں سے ہے اسلئے اس حکم میں کافر داخل نہیں، جمہور کا مذہب اس کے برخلاف ہے وہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ باعتبار غلبہ کے کہہ دیا گیا ہے اس لئے بطور قید کے اس کا مفہوم مخالف مراد نہیں لے سکتے۔ لفظ من نسائهم سے جمہور نے استدلال کیا ہے کہ لونڈی سے ظہار نہیں نہ وہ اس خطاب میں داخل ہے۔ پھر فرماتا ہے اس کہنے سے کہ تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے یا میرے لئے تو مثل میری ماں کے ہے یا مثل میری ماں کی پیٹھ کے ہے یا اور ایسے ہی الفاظ اپنی بیوی کو کہہ دینے سے وہ سچ مچ ماں نہیں بن جاتی، حقیقی ماں تو وہی ہے جس کے بطن سے یہ تولد ہوا ہے، یہ لوگ اپنے منہ سے فحش اور باطل قول بول دیتے ہیں اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا اور بخشش دینے والا ہے۔ اس نے جاہلیت کی اس تنگی کو تم سے دور کر دیا، اسی طرح ہر وہ کلام جو ایک دم زبان سے بغیر سوچے سمجھے اور بلا قصد نکل جائے۔

چنانچہ ابوداؤد وغیرہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ ایک شخص اپنی بیوی سے کہہ رہا ہے اے میری بہن تو آپ نے فرمایا یہ تیری بہن ہے؟ غرض یہ کہنا برا لگا اسے روکا مگر اس سے حرمت ثابت نہیں کی کیونکہ دراصل اس کا مقصود یہ نہ تھا یونہی زبان سے بغیر قصد کے نکل گیا تھا ورنہ ضرور حرمت ثابت ہو جاتی، کیونکہ صحیح قول یہی ہے کہ اپنی بیوی کو جو شخص اس نام سے یاد کرے جو محرمات ابدیہ ہیں مثلاً بہن یا پھوپھی یا خالہ وغیرہ تو وہ بھی حکم میں ماں کہنے کے ہیں۔ جو لوگ ظہار کریں پھر اپنے کہنے سے لوٹیں اس کا مطلب ایک تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ ظہار کیا پھر مکرر اس لفظ کو کہا لیکن یہ ٹھیک نہیں،

کفارہ ظہار ادا کرنے سے پہلے جماع کرنے میں مذاہب اربعہ

حضرت امام شافعی کا مطلب یہ ہے کہ ظہار کیا پھر اس عورت کو روک رکھا یہاں تک کہ اتنا زمانہ گزر گیا کہ اگر چاہتا تو اس میں باقاعدہ طلاق دے سکتا تھا لیکن طلاق نہ دی۔

حضرت امام احمد فرماتے ہیں کہ پھر لوٹے جماع کی طرف یا ارادہ کرے تو یہ حلال نہیں تاوقتیکہ مذکورہ کفارہ ادا نہ کرے۔ امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مراد اس سے جماع کا ارادہ یا پھر بسانے کا عزم یا جماع ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ وغیرہ کہتے ہیں مراد ظہار کی طرف لوٹنا ہے اس کی حرمت اور جاہلیت کے حکم کے اٹھ جانے کے بعد پس جو شخص اب ظہار کرے گا اس پر اس کی بیوی حرام ہو جائے گی جب تک کہ یہ کفارہ ادا نہ کرے،

حضرت سعید فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ جس چیز کو اس نے اپنی جان پر حرام کرلیا تھا اب پھر اس کام کو کرنا چاہے تو اس کا کفارہ ادا کرے۔

حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ مجامعت کرنا چاہے ورنہ اور طرح چھونے میں قبل کفارہ کے بھی ان کے نزدیک کوئی حرج نہیں۔ ابن عباس وغیرہ فرماتے ہیں یہاں مس سے مراد صحبت کرنا ہے۔ زہری فرماتے ہیں کہ ہاتھ لگانا پیار کرنا بھی کفارہ کی ادائیگی سے پہلے جائز نہیں۔

سنن میں ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تھا پھر کفارہ ادا کرنے سے پہلے میں اس سے مل لیا آپ نے فرمایا اللہ تجھ پر رحم کرے ایسا تو نے کیوں کیا؟ کہنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاندنی رات میں اس کے خلخال کی چمک نے مجھے بیتاب کردیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب اس سے قربت نہ کرنا جب تک کہ اللہ کے فرمان کے مطابق کفارہ ادا نہ کردے، نسائی میں یہ حدیث مرسلاً مروی ہے اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ مرسل ہونے کو اولیٰ بتاتے ہیں۔ پھر کفارہ بیان ہورہا ہے کہ ایک غلام آزاد کرے، ہاں یہ قید نہیں کہ مومن ہی ہو جیسے قتل کے کفارے مین غلام کے مومن ہونے کی قید ہے۔

حضرت امام شافعی تو فرماتے ہیں یہ مطلق اس مقید پر محمول ہوگی کیونکہ غلام کو آزاد کرنے کی شرط جیسی وہاں ہے ایسی ہی یہاں بھی ہے، اس کی دلیل یہ حدیث بھی ہے کہ ایک سیاہ فام لونڈی کی بابت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اسے آزاد کردو یہ مومنہ ہے، اوپر واقعہ گزر چکا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہار کرکے پھر کفارہ سے قبل واقع ہونے والے کو آپ نے دوسرا کفارہ ادا کرنے کو نہیں فرمایا۔ پھر فرماتا ہے اس سے تمہیں نصیحت کی جاتی ہے یعنی دھمکایا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مصلحتوں سے خبردار ہے اور تمہارے احوال کا عالم ہے۔ جو غلام کو آزاد کرنے پر قادر نہ ہو وہ دو مہینے کے لگاتار روزے رکھنے کے بعد اپنی بیوی سے اس صورت میں مل سکتا ہے اور اگر اس کا بھی مقدور نہ ہو تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا دینے کے بعد، پہلے حدیثیں گزرچکیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مقدم پہلی صورت پھر دوسری پھر تیسری، جیسے کہ بخاری و مسلم کی اس حدیث میں بھی ہے جس میں آپ نے رمضان میں اپنی بیوی سے جماع کرنے والے کو فرمایا تھا۔ ہم نے یہ احکام اس لئے مقرر کیے ہیں کہ تمہارا کامل ایمان اللہ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو جائے۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں اس کے محرمات ہیں خبردار اس حرمت کو نہ توڑنا۔ جو کافر ہوں یعنی ایمان نہ لائیں حکم برداری نہ کریں شریعت کے احکام کی بے عزتی کریں ان سے لاپرواہی برتیں انہیں بلاؤں سے بچنے والا نہ سمجھو بلکہ ان کیلئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہیں۔

محرم عورت کے قابلِ سترعضو سے تشبیہ دینے کا حکم

﴿وَاِذَا قَالَ اَنْتِ عَلَیَّ كَبَطْنِ اُمِّی اَوْ كَفَخِذِهَا اَوْ كَفَرْجِهَا فَهُوَ مُظَاهِرٌ﴾ لِاَنَّ الظِّهَارَ لَیْسَ اِلَّا تَشْبِیهُ الْمُحَلَّلَةِ بِالْمُحَرَّمَةِ، وَهٰذَا الْمَعْنٰی یَتَحَقَّقُ فِی عُضْوٍ لَا یَجُوْزُ النَّظَرُ اِلَیْهِ

﴿وَ كَذَا إِذَا شَبَّهَهَا بِمَنْ لَا يَحِلُّ لَهُ النَّظَرُ إِلَيْهَا عَلَى التَّأْبِيدِ مِنْ مَحَارِمِهِ مِثْلَ أُخْتِهِ أَوْ عَمَّتِهِ أَوْ أُمِّهِ مِنَ الرَّضَاعَةِ﴾ لِأَنَّهُنَّ فِي التَّحْرِيمِ الْمُؤَبَّدِ كَالْأُمِّ ﴿وَ كَذٰلِكَ إِذَا قَالَ رَأْسُكِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي أَوْ فَرْجُكِ أَوْ وَجْهُكِ أَوْ رَقَبَتُكِ أَوْ نِصْفُكِ أَوْ ثُلُثُكِ أَوْ بَدَنُكِ﴾ لِأَنَّهُ يُعَبَّرُ بِهَا عَنْ جَمِيعِ الْبَدَنِ، وَيَثْبُتُ الْحُكْمُ فِي الشَّائِعِ ثُمَّ يَتَعَدَّى كَمَا بَيَّنَّاهُ فِي الطَّلَاقِ

ترجمہ

اور جب شوہر یہ کہے: تم میرے لیے میری ماں کے پیٹ یا اس کے زانوں یا اس کی شرمگاہ کی طرح (قابل احترام) ہو تو مرد ظہار کرنے والا شمار ہوگا' کیونکہ ظہار اسی چیز کا نام ہے کہ حلال کو حرام کے ساتھ تشبیہ دی جائے اور یہ مفہوم اس عضو کے بارے میں متحقق ہوگا جس کی طرف (شہوت سے دیکھنا جائز نہ ہو)۔ اسی طرح جب مرد نے عورت کو ان خواتین کے ساتھ تشبیہ دی جن کی طرف (شہوت کے ساتھ) دیکھنا ہمیشہ کے لئے جائز نہیں ہے (یعنی ان کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے) جیسے بہن یا پھوپھی یا رضائی ماں (تو یہی حکم ہوگا) کیونکہ دائمی حرمت کے اعتبار سے یہ بھی ماں کی مانند ہیں۔ اسی طرح اگر اس مرد نے یہ کہا: تمہارا سر میرے لیے میری ماں کی پشت کی طرح ہے' یا تمہاری شرمگاہ' یا تمہارا چہرہ' یا تمہاری گردن' یا تمہارا نصف حصہ' یا تمہارا ایک تہائی حصہ' یا تمہارا جسم (میرے لئے میری ماں کی طرح قابل احترام ہے) تو یہی حکم ہوگا' کیونکہ ان الفاظ کے ذریعے پورا بدن مراد لیا جاتا ہے اور حکم ایسے جزء میں ثابت ہوتا ہے' جو پھیلا ہوا ہو' پھر وہ متعدی ہو جاتا ہے' جیسا کہ ہم طلاق میں یہ بات بیان کر چکے ہیں۔

شرح

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ "اور اگر اس نے یہ کہا کہ :تو مجھ پر میری ماں جیسی ہے، یا میری ماں کی طرح ہے، اور اس سے ظہار کی نیت کی تو فقہاء کی نظر میں یہ ظہار ہوگا، جن میں ابوحنیفہ، اور صاحبین، اور امام شافعی، اسحاق رحمہم اللہ شامل ہیں. اور اگر اس سے عزت وتوقیر اور اکرام کی نیت کی، یا پھر یہ کہ وہ بڑی ہونے کے اعتبار سے ماں کی طرح، یا صفت کے اعتبار سے ماں کی طرح کی نیت کی تو یہ ظہار نہیں ہوگا، اور اس میں اس کی نیت کا اعتبار کیا جائیگا۔ (المغنی ابن قدامہ (11 / .(60

ظہار ثابت کرنے والے اعضاء کی تشبیہ میں مذاہب اربعہ

-بیوی کس کس سے تشبیہ دینا ظہار ہے؟ اس مسئلے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے :عامر شعبی کہتے ہیں کہ صرف ماں سے تشبیہ ظہار ہے، باقی اور کسی بات پر اس حکم کا اطلاق نہیں ہوتا نگ فقہاء امت میں سے کسی گروہ نے بھی ان سے اس معاملہ میں اتفاق نہیں کیا ہے، کیونکہ قرآن نے ماں سے تشبیہ کو گناہ قرار دینے کی دلیل یہ بیان کی ہے کہ یہ نہایت بیہودہ اور جھوٹی بات ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ جن عورتوں کی حرمت ماں جیسی ہے ان کے ساتھ بیوی کو تشبیہ دینا بیہودگی اور جھوٹ میں اس سے کچھ مختلف نہیں ہے، اس

لیے کوئی دلیل نہیں کہ اس کا حکم وہی نہ ہو جو ماں سے تشبیہ کا حکم ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اس حکم میں تمام وہ عورتیں داخل ہیں جو نسب یا رضاعت، یا ازدواجی رشتہ کی بنا پر آدمی کے لیے ابداً حرام ہیں مگر وقتی طور پر جو عورتیں حرام ہوں اور کسی وقت حلال ہو سکتی ہوں وہ اس میں داخل نہیں ہیں۔ جیسے بیوی کی بہن، اس کی خالہ، اس کی پھوپھی، یا غیر عورت جو آدمی کے نکاح میں نہ ہو۔ ابدی محرمات میں سے کسی عورت کے کسی ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دینا جس پر نظر ڈالنا آدمی کے لیے حلال نہ ہو، ظہار ہوگا۔ البتہ بیوی کے ہاتھ، پاؤں، سر، بال، دانت وغیرہ کو ابداً حرام عورت کی پیٹھ سے، یا بیوی کو اس کے سر، ہاتھ، پاؤں جیسے اجزائے جسم سے تشبیہ دینا ظہار نہ ہوگا کیونکہ ماں بہن کے ان اعضاء پر نگاہ ڈالنا حرام نہیں ہے۔ اسی طرح یہ کہنا کہ تیرا ہاتھ میری ماں کے ہاتھ جیسا ہے، یا تیرا پاؤں میری ماں کے پاؤں جیسا ہے، ظہار نہیں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اس حکم میں صرف وہی عورتیں داخل ہیں جو حق ہمیشہ حرام تھیں اور ہمیشہ حرام رہیں، یعنی ماں، بہن، بیٹی وغیرہ مگر وہ عورتیں اس میں داخل نہیں ہیں جو کبھی حلال رہ چکی ہوں، جیسے رضائی ماں، بہن، ساس اور بہو، یا کسی وقت حلال ہو سکتی ہوں، جیسے سالی۔ ان عارضی یا وقتی حرام عورتوں کے ماسوا ابدی حرمت رکھنے والی عورتوں میں سے کسی کے ان اعضا کے ساتھ بیوی کو تشبیہ دینا ظہار ہوگا جن کا ذکر بغرض اظہار اکرام وتوقیر عادۃً نہیں کیا جاتا۔ رہے وہ اعضاء جن کا اظہار اکرام وتوقیر کے کیا جاتا ہے تو ان تشبیہ صرف اس صورت میں ظہار ہوگی جبکہ یہ بات ظہار کی نیت سے کہی جائے۔ مثلاً بیوی سے یہ کہنا کہ تو میرے لیے میری ماں کی آنکھ یا جان کی طرح ہے، یا ماں کے ہاتھ، پاؤں یا پیٹ کی طرح ہے، یا ماں کے پیٹ یا سینے سے بیوی کے پیٹ یا سینے کو تشبیہ دینا، یا بیوی کے سر، پیٹھ یا ہاتھ کو اپنے لیے ماں کی پیٹھ جیسا قرار دینا، یا بیوی کو یہ کہنا کہ تو میرے لیے میری ماں جیسی ہے، ظہار کی نیت سے ہو تو ظہار ہے اور عزت کی نیت سے ہو تو عزت ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ہر عورت جو آدمی کے لیے حرام ہو، اس سے بیوی کو تشبیہ دینا ظہار ہے، حتی کہ بیوی سے یہ کہنا بھی ظہار کی تعریف میں آتا ہے کہ تو میرے اوپر فلاں غیر عورت کی پیٹھ جیسی ہے، نیز وہ کہتے ہیں کہ ماں اور ابدی محرمات کے کسی عضو سے بیوی کو یا بیوی کے کسی عضو کو تشبیہ دینا ظہار ہے، اور اس میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ اعضاء ایسے ہوں جن پر نظر ڈالنا حلال نہ ہو، کیونکہ ماں کے کسی عضو پر بھی اس طرح کی نظر ڈالنا جیسی بیوی پر ڈالی جاتی ہے، حلال نہیں ہے۔

حنابلہ اس حکم میں تمام ان عورتوں کو داخل سمجھتے ہیں جو ابداً حرام ہوں، خواہ وہ پہلے کبھی حلال رہ چکی ہوں، مثلاً ساس، یا دودھ پلانے والی ماں رہیں وہ عورتیں جو بعد میں کسی وقت حلال ہو سکتی ہوں، (مثلاً سالی)، تو ان کے معاملہ میں امام احمد کا ایک قول یہ ہے کہ ان سے تشبیہ بھی ظہار ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان سے تشبیہ دینا ظہار کی تعریف میں آجاتا ہے۔ البتہ بال، ناخن، دانت جیسے غیر متقل اجزاء جسم اس حکم سے خارج ہیں۔

اعضاء سے متعلق ظہار میں فقہی بیان

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے عورت کے سر یا چہرہ یا گردن یا شرمگاہ کو محارم سے تشبیہ دی تو

ظہار ہے اور اگر عورت کی پیٹھ یا پیٹ یا ہاتھ یا پاؤں یا ران کو تشبیہ دی تو نہیں۔ یو ہیں اگر محارم کے ایسے عضو سے تشبیہ دی جسکی طرف نظر کرنا حرام نہ ہو مثلاً سر یا چہرہ یا ہاتھ یا پاؤں یا بال تو ظہار نہیں اور گھٹنے سے تشبیہ دی تو ہے۔ (جوہرہ نیرہ باب ظہار)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

محارم سے مراد عام ہے نسبی ہوں یا رضاعی یا سسرالی رشتہ سے لہٰذا ماں بہن پھوپھی لڑکی اور رضاعی ماں اور بہن وغیرہما اور زوجہ کی ماں اور لڑکی جبکہ زوجہ مدخولہ ہو اور مدخولہ نہ ہو تو اُس کی لڑکی سے تشبیہ دینے میں ظہار نہیں کہ وہ محارم میں نہیں۔ یو ہیں جس عورت سے اُس کے باپ یا بیٹے نے معاذ اللہ زنا کیا ہے اُس سے تشبیہ دی یا جس عورت سے اس نے زنا کیا ہے اُس کی ماں یا لڑکی سے تشبیہ دی تو ظہار ہے۔ محارم کی پیٹھ یا پیٹ یا ران سے تشبیہ دی یا کہا میں نے تجھ سے ظہار کیا تو یہ الفاظ صریح ہیں ان میں نیت کی کچھ حاجت نہیں کچھ بھی نیت نہ ہو یا طلاق کی نیت ہو یا اکرام کی نیت ہو، ہر حالت میں ظہار ہی ہے اور اگر یہ کہتا ہے کہ مقصود جھوٹی خبر دینا تھا یا زمانہ گزشتہ کی خبر دینا ہے تو قضاءً تصدیق نہ کرینگے اور عورت بھی تصدیق نہیں کرسکتی۔ (درمختار، باب ظہار)

''مثل اُمی'' الفاظ استعمال کرنے کا بیان

﴿وَلَوْ قَالَ اَنْتِ عَلَيَّ مِثْلُ اُمِّي اَوْ كَاُمِّي يَرْجِعُ اِلَى نِيَّتِهِ﴾ لِيَنْكَشِفَ حُكْمُهُ ﴿فَإِنْ قَالَ اَرَدْتُ الْكَرَامَةَ فَهُوَ كَمَا قَالَ﴾ لِاَنَّ التَّكْرِيمَ بِالتَّشْبِيهِ فَاشٍ فِي الْكَلَامِ ﴿وَاِنْ قَالَ اَرَدْتُ الظِّهَارَ فَهُوَ ظِهَارٌ﴾ لِاَنَّهُ تَشْبِيهٌ بِجَمِيعِهَا، وَفِيهِ تَشْبِيهٌ بِالْعُضْوِ لٰكِنَّهُ لَيْسَ بِصَرِيحٍ فَيَفْتَقِرُ اِلَى النِّيَّةِ ﴿وَاِنْ قَالَ اَرَدْتُ الطَّلَاقَ فَهُوَ طَلَاقٌ بَائِنٌ﴾ لِاَنَّهُ تَشْبِيهٌ بِالْاُمِّ فِي الْحُرْمَةِ فَكَاَنَّهُ قَالَ اَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ وَنَوَى الطَّلَاقَ، وَاِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ نِيَّةٌ فَلَيْسَ بِشَيْءٍ عِنْدَ اَبِي حَنِيفَةَ وَاَبِي يُوسُفَ لِاحْتِمَالِ الْحَمْلِ عَلَى الْكَرَامَةِ. وَقَالَ مُحَمَّدٌ يَكُونُ ظِهَارًا لِاَنَّ التَّشْبِيهَ بِعُضْوٍ مِنْهَا لَمَّا كَانَ ظِهَارًا فَالتَّشْبِيهُ بِجَمِيعِهَا اَوْلٰى. وَاِنْ عَنٰى بِهِ التَّحْرِيمَ لَا غَيْرُ؛ فَعِنْدَ اَبِي يُوسُفَ هُوَ اِيلَاءٌ لِيَكُونَ الثَّابِتُ بِهِ اَدْنَى الْحُرْمَتَيْنِ. وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ ظِهَارٌ لِاَنَّ كَافَ التَّشْبِيهِ تَخْتَصُّ بِهِ.

ترجمہ

اور جب شوہر نے یہ کہا: تم میرے لیے میری ماں کی مثل ہو' یا میری ماں کی طرح ہو' تو مرد کی نیت کی طرف رجوع کیا جائے گا تا کہ اس کا حکم لگایا جا سکے۔ اگر مرد یہ کہتا ہے: میرا ارادہ قابل احترام ہونا تھا' تو یہ اس کے بیان کے مطابق ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے: تشبیہ کے ذریعے کسی کی عزت افزائی کا اظہار کرنا عام محاورے کا حصہ ہے۔ اگر مرد نے یہ کہا: میں نے ظہار کا ارادہ کیا تھا' تو وہ ظہار

ہی شمار ہوگا' کیونکہ یہ پورے جسم کے ساتھ تشبیہ دینے کی مانند ہے اور اس میں ایک عضو کے ساتھ بھی تشبیہ پائی جاتی ہے' لیکن کیونکہ یہ صریح نہیں ہے اس لیے یہ نیت کا محتاج ہوگا۔ اگر مرد نے یہ کہا: میں نے طلاق کی نیت کی تھی' تو یہ بائنہ طلاق ہوگی' کیونکہ حرمت میں ماں کے ساتھ تشبیہ دی ہے گویا اس شخص نے یہ کہا: تم میرے لیے حرام ہو اور اس نے اس کے ذریعے طلاق کی نیت کر لی۔ اگر مرد نے کوئی نیت نہ کی ہو' تو کچھ بھی نہیں ہوگا' یہ حکم امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک ہے' کیونکہ یہاں اس بات کا احتمال موجود ہے کہ ان الفاظ کو عزت افزائی پر محمول کیا جائے۔ امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: وہ ظہار کرنے والا شمار ہوگا' کیونکہ ایک عضو کے ساتھ تشبیہ دینا' جب ظہار شمار ہوسکتا ہے' تو پورے وجود کے ساتھ تشبیہ دینا تو بدرجہ اولیٰ ظہار شمار ہوگا۔ اگر اس نے اس کے ذریعے تحریم مراد لی ہو اور اس کے علاوہ اور کچھ نہ ہو' تو امام ابویوسف کے نزدیک اس سے ایلاء ثابت ہوگا' کیونکہ اس کے ذریعے دو حرمتوں میں سے کمتر حیثیت کی حرمت ثابت ہوگی' جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک اس سے ظہار ثابت ہوگا' کیونکہ یہاں "ک" تشبیہ والا استعمال ہوا ہے' جو اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔

مثل امی کہنے سے وقوع ظہار میں مذاہب اربعہ

اس امر میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ بیوی سے یہ کہنا کہ تو میرے اوپر میری ماں کی پیٹھ جیسی ہے صریح ظہار ہے کیونکہ اہل عرب میں یہی ظہار کا طریقہ تھا اور قرآن مجید کا حکم اسی کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ البتہ اس امر میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے کہ دوسرے الفاظ میں سے کون سے ایسے ہیں جو صریح ظہار کے حکم میں ہیں، اور کون سے ایسے ہیں جن کے ظہار ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ قائل کی نیت پر کیا جائے گا۔

حنفیہ کے نزدیک ظہار کے صریح الفاظ وہ ہیں جن میں صاف طور پر حلال عورت (بیوی) کو حرام عورت (یعنی محرمات ابدیہ میں سے کسی عورت) سے تشبیہ دی گئی ہو، یا تشبیہ ایسے عضو سے دی گئی ہو جس پر نظر ڈالنا حلال نہیں ہے، جیسے یہ کہنا کہ تو میرے اوپر ماں یا فلاں حرام عورت کے پیٹ یا ران جیسی ہے۔ ان کے سوا دوسرے الفاظ میں اختلاف کی گنجائش ہے۔ اگر کہے کہ تو میرے اوپر حرام ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ تو امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک یہ صریح ظہار ہے، لیکن امام ابویوسف اور امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک ظہار کی نیت ہو تو ظہار ہے اور طلاق کی نیت ہو تو طلاق۔ اگر کہے کہ تو میری ماں جیسی ہے یا میری ماں کی طرح ہے تو حنفیہ کا عام فتویٰ یہ ہے کہ یہ ظہار کی نیت سے ظہار ہے، طلاق کی نیت سے طلاق بائن، اور اگر کوئی نیت نہ ہو تو بے معنی ہے۔ لیکن امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک یہ قطعی ہے۔ اگر بیوی کو ماں یا بہن یا بیٹی کہہ کر پکارے تو یہ سخت بیہودہ بات ہے جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غصے کا اظہار فرمایا تھا، مگر اسے ظہار نہیں قرار دیا۔ اگر کہے کہ تو میرے اوپر ماں کی طرح حرام ہے تو یہ ظہار کی نیت سے ظہار ہے، طلاق کی نیت سے طلاق، اور کوئی نیت نہ ہو تو ظہار ہے۔ اگر کہے کہ تو میرے لیے ماں کی طرح یا ماں جیسی ہے تو نیت پوچھی جائے گی۔ عزت اور توقیر کی نیت سے کہا ہو تو عزت اور توقیر ہے۔ ظہار کی نیت سے کہا ہو تو ظہار ہے۔ طلاق کی نیت سے کہا ہو تو طلاق ہے۔ کوئی نیت نہ ہو اور یونہی یہ بات کہہ دی ہو تو امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک بے معنی ہے، امام ابویوسف کے نزدیک

اس پر ظہار کا تو نہیں مگر قسم کا کفارہ لازم آئے گا، اور امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک یہ ظہار ہے۔

شافعیہ کے نزدیک ظہار کے صریح الفاظ یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ تو میرے نزدیک، یا میرے ساتھ، یا میرے لیے ایسی ہے جیسی میری ماں کی پیٹھ۔ یا تو میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔ یا تیرا جسم، یا تیرا بدن، یا تیرا نفس میرے لیے میری ماں کے جسم یا بدن یا جنس کی طرح ہے۔ ان کے سوا باقی تمام الفاظ میں قائل کی نیت پر فیصلہ ہوگا۔

حنابلہ کے نزدیک ہر وہ لفظ جس سے کسی شخص نے بیوی کو یا اس کے مستقل اعضاء میں سے کسی عضو کو کسی ایسی عورت سے جو اس کے لیے حرام ہے، یا اس کے مستقل اعضاء میں سے کسی عضو سے صاف صاف تشبیہ دی ہو، ظہار کے معاملہ میں صریح مانا جائے گا۔

مالکیہ کا مسلک بھی قریب قریب یہی ہے، البتہ تفصیلات میں ان کے فتوے الگ الگ ہیں۔ مثلاً کسی شخص کی بیوی سے یہ کہنا کہ میرے لیے میری ماں جیسی ہے، یا میری ماں کی طرح ہے مالکیوں کے نزدیک ظہار کی نیت سے ہو تو ظہار ہے، طلاق کی نیت سے ہو تو طلاق اور کوئی نیت نہ ہو تو ظہار ہے۔ حنبلیوں کے نزدیک یہ بشرط نیت صرف ظہار قرار دیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص بیوی سے کہے کہ تو میری ماں ہے تو مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ ظہار ہے اور حنابلہ کہتے ہیں کہ یہ بات اگر جھگڑے اور غصے کی حالت میں کہی گئی ہو تو ظہار ہے، اور پیار محبت کی بات چیت میں کہی گئی ہو تو یہ بہت ہی بری بات ہے لیکن ظہار نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص کہے تجھے طلاق ہے تو میری ماں کی طرح ہے تو حنابلہ کے نزدیک یہ طلاق ہے نہ کہ ظہار، اور اگر کہے تو میری ماں کی طرح ہے تجھے طلاق ہے تو ظہار اور طلاق دونوں واقع ہو جائیں گے۔ یہ کہنا کہ تو میرے اوپر ایسی حرام ہے جیسی میری ماں کی بیٹھ مالکیہ اور حنابلہ دونوں کے نزدیک ظہار ہے خواہ طلاق ہی کی نیت سے یہ لفاظ کہے گئے ہوں، یا نیت کچھ بھی نہ ہو۔

الفاظ ظہار کی اس بحث میں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ فقہاء نے اس باب میں جتنی بحثیں کی ہیں وہ سب عربی زبان کی الفاظ اور محاورات سے تعلق رکھتی ہیں، اور ظاہر ہے کہ دنیا کی دوسری زبانیں بولنے والے نہ عربی زبان میں ظہار کریں گے، نہ ظہار کرتے وقت عربی الفاظ اور فقروں کا ٹھیک ٹھیک ترجمہ زبان سے ادا کریں گے۔ اس لیے کسی لفظ یا فقرے کے متعلق اگر یہ فیصلہ کرنا ہو کہ وہ ظہار کی تعریف میں آتا ہے یا نہیں، تو اسے اس لحاظ سے نہیں جانچنا چاہیے کہ وہ فقہاء کے بیان کردہ الفاظ میں سے کس کا صحیح ترجمہ ہے، بلکہ صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ آیا قائل نے بیوی کو جنسی (Sexul) تعلق کے لحاظ سے محرمات میں سے کسی کے ساتھ صاف صاف تشبیہ دی ہے، یا اس کے الفاظ میں دوسرے مفہومات کا بھی احتمال ہے؟ اس کی نمایاں ترین مثال خود وہ فقرہ ہے جس کے متعلق تمام فقہاء اور مفسرین کا اتفاق ہے کہ عرب میں ظہار کے لیے وہی بولا جاتا تھا اور قرآن مجید کا حکم اسی کے بارے میں نازل ہوا ہے، یعنی اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّیْ (تو میرے اوپر میری ماں کی پیٹھ جیسی ہے)۔ غالباً دنیا کی کسی زبان میں، اور کم از کم اردو کی حد تک تو ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس زبان میں کوئی ظہار کرنے والا ایسے الفاظ استعمال نہیں کر سکتا جو اس عربی فقرے کا لفظی ترجمہ ہوں۔ البتہ وہ اپنی زبان کے ایسے الفاظ ضرور استعمال کر سکتا ہے جن کا مفہوم ٹھیک وہی ہو جسے ادا کرنے کے لیے ایک

عرب یہ فقرہ بولا کرتا تھا۔ اس کا مفہوم یہ تھا کہ تجھ سے مباشرت میرے لیے ایسی ہے جیسے اپنی ماں سے مباشرت، یا جیسے بیوی سے کہہ بیٹھتے ہیں کہ تیرے پاس آؤں تو اپنی ماں کے پاس جاؤں تو اپنی ماں کے پاس جاؤں۔

"ماں کی طرح حرام" الفاظ استعمال کرنے کا حکم

﴿وَلَوْ قَالَ اَنْتِ عَلَیَّ حَرَامٌ کَاُمِّی وَنَوٰی ظِهَارًا اَوْ ...قًا فَهُوَ عَا مَا نَوٰی﴾ لِاَنَّهٗ یَحْتَمِلُ الْوَجْهَیْنِ. الظِّهَارُ لِمَکَانِ التَّشْبِیْهِ وَالطَّلَاقُ لِمَکَانِ التَّحْرِیْمِ وَالتَّشْبِیْهُ تَاکِیْدٌ لَهٗ وَاِنْ لَمْ تَکُنْ لَهٗ نِیَّةٌ، فَعَلٰی قَوْلِ اَبِیْ یُوْسُفَ اِیْلَاءٌ، وَعَلٰی قَوْلِ مُحَمَّدٍ ظِهَارٌ، وَالْوَجْهَانِ بَیَّنَّاهُمَا ﴿وَاِنْ قَالَ اَنْتِ عَلَیَّ حَرَامٌ کَظَهْرِ اُمِّی وَنَوٰی بِهٖ طَلَاقًا اَوْ اِیْلَاءً لَمْ یَکُنْ اِلَّا ظِهَارًا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ، وَقَالَا: هُوَ عَلٰی مَا نَوٰی﴾ لِاَنَّ التَّحْرِیْمَ یَحْتَمِلُ کُلَّ ذٰلِكَ عَلٰی مَا بَیَّنَّا، غَیْرَ اَنَّ عِنْدَ مُحَمَّدٍ اِذَا نَوَی الطَّلَاقَ لَا یَکُوْنُ ظِهَارًا، وَعِنْدَ اَبِیْ یُوْسُفَ یَکُوْنَانِ جَمِیْعًا وَقَدْ عُرِفَ مَوْضِعُهٗ. وَلِاَبِیْ حَنِیْفَةَ اَنَّهٗ صَرِیْحٌ فِی الظِّهَارِ فَلَا یَحْتَمِلُ غَیْرَهٗ، ثُمَّ هُوَ مُحْکَمٌ فَیُرَدُّ التَّحْرِیْمُ اِلَیْهِ.

ترجمہ

اور جب مرد نے یہ کہا: تم مجھ پر حرام ہو جیسے میری ماں اور اس نے ظہار یا طلاق کی نیت کی تو اس کا حکم اس کی نیت کے مطابق ہوگا اس کی دلیل یہ ہے: یہ دونوں صورتوں کا احتمال رکھتا ہے ظہار کا بھی کیونکہ تشبیہ کی صورت پائی جا رہی ہے اور طلاق کا بھی کیونکہ حرمت کے الفاظ پائے جا رہے ہیں اور تشبیہ اسے مؤکد کرنے کے لئے ہے۔ لیکن اگر مرد کی کوئی نیت نہ ہو تو امام ابو یوسف کے قول کے مطابق یہ ایلاء شمار ہوگا اور امام محمد علیہ الرحمہ کے قول کے مطابق ظہار شمار ہوگا دونوں کی دلیل ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اگر مرد نے یہ کہا: تم مجھ پر حرام ہو جس طرح میری ماں کی پشت (حرام ہے) اور اس نے اس کے ذریعے طلاق یا ایلاء کی نیت کی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ ظہار ہی ہوگا جبکہ صاحبین یہ فرماتے ہیں: یہ اس کی نیت کے مطابق شمار ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے: لفظ تحریم ان میں سے ہر ایک معنی کا احتمال رکھتا ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ البتہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک جب وہ طلاق کی نیت کرے گا تو وہ ظہار کرنے والا شمار نہیں ہوگا جبکہ امام ابو یوسف کے نزدیک یہ دونوں مراد ہو سکتے ہیں اور یہ بات اپنے مقام پر جانی جا چکی ہے۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے: ظہار کے بارے میں یہ صریح لفظ ہے لہٰذا دوسرے کسی مفہوم کا احتمال نہیں رکھے گا پھر کیونکہ یہ محکم ہے اس لئے حرمت اس کی طرف لوٹے گی۔

مطلق حرام کہنے سے ظہار میں فقہی مذاہب اربعہ

جب خاوند اپنی بیوی کو اپنے لیے حرام کر لے یعنی وہ کہے : تم مجھ پر حرام ہو تو کیا یہ ظہار ہوگا یا کہ طلاق یا اس میں قسم کا کفارہ؟
اس میں فقہاء کرام کا بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے، قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں چودہ اقوال نقل کیے ہیں اور امام نووی رحمہ اللہ نے مسلم کی شرح میں بھی نقل کیے ہیں۔

ان میں راجح قول یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ اس سے ظہار کی نیت کرے تو یہ ظہار ہوگا، اور اگر طلاق کی نیت کرے تو طلاق ہوگی اور اگر قسم کی نیت رکھتا ہو تو یہ قسم کہلائیگی، اس لیے یہ اس کی نیت پر منحصر ہے جو نیت کریگا وہی معاملہ ہوگا، امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک یہی ہے، اور ایک روایت میں امام احمد رحمہ اللہ سے یہی منقول ہے. اور اگر وہ اس سے کچھ نیت نہ رکھے تو پھر اسے قسم کا کفارہ ادا کرنا ہوگا، امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ اور امام شافعی کا مسلک یہی ہے.

کفارہ واجب ہونے کی دلیل صحیح بخاری کی درج ذیل حدیث ہے: ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما بیان کرتے ہیں کہ ": جب مرد اپنی بیوی کو اپنے لیے حرام کر لے تو یہ قسم ہے وہ اس کا کفارہ ادا کریگا. اور انہوں نے فرمایا : تمہارے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہترین نمونہ ہیں" (صحیح بخاری حدیث نمبر (4911) صحیح مسلم حدیث نمبر (1473).)

اس حدیث کی شرح میں امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں۔

"جب کوئی شخص اپنی بیوی کو "تم مجھ پر حرام ہو " کہے تو اس میں علماء کرام کا اختلاف پایا جاتا ہے امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر اس نے طلاق کی نیت کی تو طلاق ہوگی، اور اگر ظہار کی نیت کی تو ظہار ہوگا، اور اگر بعینہ بغیر طلاق اور ظہار کے حرام ہونے کی نیت کی تو اس پر نفس لفظ کے ساتھ قسم کا کفارہ لازم ہوگا، لیکن یہ قسم نہیں کہلائیگی.

اور اگر اس میں کچھ بھی نیت نہ کرے تو امام شافعی کے دو قول ہیں : ان میں زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس پر قسم کا کفارہ لازم آئیگا، اور دوسری قول یہ ہے کہ : یہ لغو ہے اس میں کچھ نہیں اور اس کے نتیجہ میں کوئی حکم مرتب نہیں ہوگا، ہمارا یہی مذہب ہے.

اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں چودہ قول نقل کیے ہیں۔

پہلا: امام مالک علیہ الرحمہ رحمہ اللہ کے مسلک میں مشہور یہ ہے کہ اس سے تین طلاق واقع ہو جاتی ہیں، چاہے عورت سے دخول ہو چکا ہو یا نہ ہوا ہو، لیکن اگر اس نے تین طلاق سے کم کی نیت کی تو غیر مدخولہ عورت کے لیے خاص طور پر قبول کیا جائیگا، ان کا کہنا ہے : علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور زید اور حسن اور حکم کا بھی یہی مسلک ہے۔

چنانچہ مالکیوں کا مسلک یہ ہے کہ : اس حرمت سے تین طلاق واقع ہو جائیگی، تو اس طرح بینونت کبری واقع ہو جائیگی اور ظاہر یہی ہوتا ہے کہ قاضی نے اسی مذہب کی بنا پر حکم لگایا ہے، اور آپ کے خاوند کے قول " : آپ کے ساتھ زندگی بسر کرنا حرام ہے " کو اس حرمت میں شامل کیا ہے، جس میں فقہاء کرام کا اختلاف پایا جاتا ہے.

مالکیہ نے بیان کیا ہے کہ جس شخص نے بھی زندگی بسر کرنا حرام قرار دیا اور اس سے اپنی بیوی کی نیت کی تو اس سے تین طلاق ہو جائیگی. حاشیۃ الدسوقی (2 / 382) اور فتح العلی المالک (2 / 34).

ہم نے اس مسئلہ میں علماء کے اقوال میں سے وہ قول پیش کیا ہے جو راجح معلوم ہوتا ہے، اور اس مسئلہ میں نیت کی طرف اشارہ کرنا باقی ہے، اور اسی طرح قسم یا طلاق یا ظہار کی نیت میں فرق بھی۔

اگر کوئی قائل یہ کہے کہ : ان تین امور (یعنی طلاق، ظہار اور قسم) میں کیا فرق ہے؟ تو ہم کہیں گے : ان میں فرق یہ ہے کہ :

پہلی حالت : قسم میں اس نے حرام کرنے کی نیت نہیں کی لیکن ممانعت کی ایک قسم کی نیت کی ہے، یا تو معلق یا پھر غیر معلق، مثلا وہ کہے : اگر تم نے ایسے کیا تو تم مجھ پر حرام ہو، تو یہ معلق ہے، اس کا مقصد اپنے لیے بیوی کو حرام کرنا نہ تھا، بلکہ اس کا مقصد تو بیوی کو اس کام سے روکنا اور منع کرنا ہے۔

اور اسی طرح یہ الفاظ " تم مجھ پر حرام ہو " سے اس کا مقصد بیوی کو روکنا ہے، تو ہم یہ کہتے ہیں کہ : یہ قسم ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے :

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس چیز کو اپنے لیے حرام کیوں کرتے ہیں جسے اللہ نے آپ کے لیے حلال کیا ہے، آپ اپنی بیویوں کی رضامندی حاصل کرنا چاہتے ہیں.....

پھر اس کے بعد اللہ سبحانہ وتعالی نے فرمایا : یقیناً اللہ سبحانہ وتعالی نے تمہارے لیے تمہاری قسموں کو کھولنا واجب کر دیا ہے. اللہ کا فرمان : اللہ نے آپ کے لیے جو حلال کیا ہے. اس میں ما اسم موصولہ ہے جو عموم کا فائدہ دیتا ہے اور یہ بیوی اور لونڈی اور کھانے پینے اور لباس وغیرہ سب کو شامل ہے، تو اس کا حکم قسم کا حکم ہے.

ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما بیان کرتے ہیں ": جب کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے : تم مجھ پر حرام ہو تو یہ قسم ہے وہ اس کا کفارہ ادا کریگا ، اور اس کا اس آیت سے استدلال ظاہر ہے۔

دوسری حالت : اس سے خاوند طلاق کا ارادہ رکھتا ہو اور " تم مجھ پر حرام ہو " یعنی میں تجھے چھوڑنے والا ہوں، اور وہ اپنے ساتھ نہ رکھنا چاہتا ہو، اور وہ ان الفاظ کے ساتھ اسے چھوڑنے کا ارادہ کرے تو یہ طلاق کہلائیگی اس لیے کہ یہ علیحدگی کے لیے صحیح، اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ": اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، اور ہر شخص کے لیے وہی ہے جو اس نے نیت کی "

تیسری حالت : اس سے ظہار کا ارادہ کیا ہو، ظہار کا معنی یہ ہے کہ وہ بیوی اس پر حرام ہے، بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ یہ ظہار نہیں کیونکہ اس میں ظہار کے الفاظ نہیں ہیں.

اور بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ ظہار ہے ؛ کیونکہ بیوی سے ظہار کرنے والے کے قول کا معنی یہی ہے " تم مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہو " اس کا معنی حرام کے علاوہ کچھ نہیں لیکن اس نے اسے حرمت کے سب سے اعلی درجہ سے مشابہت دی ہے اور وہ ماں کی پشت ہے، اس لیے کہ یہ اس پر سب سے زیادہ حرام ہے تو یہ ظہار کہلائیگا۔ (الشرح الممتع (5 / ، 476)

ظہار صرف بیوی سے ہوسکتا ہے

قَالَ ﴿وَلَا يَكُوْنُ الظِّهَارُ اِلَّا مِنَ الزَّوْجَةِ، حَتّٰى لَوْ ظَاهَرَ مِنْ اَمَتِهٖ لَمْ يَكُنْ مُظَاهِرًا﴾ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿مِنْ نِّسَائِهِمْ﴾ وَلِاَنَّ الْحِلَّ فِي الْاَمَةِ تَابِعٌ فَلَا تُلْحَقُ بِالْمَنْكُوْحَةِ، وَلِاَنَّ الظِّهَارَ مَنْقُوْلٌ عَنِ الطَّلَاقِ وَلَا طَلَاقَ فِي الْمَمْلُوْكَةِ . ﴿فَاِنْ تَزَوَّجَ امْرَاَةً بِغَيْرِ اَمْرِهَا ثُمَّ ظَاهَرَ مِنْهَا ثُمَّ اَجَازَتِ النِّكَاحَ فَالظِّهَارُ بَاطِلٌ﴾ لِاَنَّهٗ صَادِقٌ فِي التَّشْبِيْهِ وَقْتَ التَّصَرُّفِ فَلَمْ يَكُنْ مُنْكَرًا مِنَ الْقَوْلِ، وَالظِّهَارُ لَيْسَ بِحَقٍّ مِنْ حُقُوْقِهٖ حَتّٰى يَتَوَقَّفَ، بِخِلَافِ اِعْتَاقِ الْمُشْتَرِيْ مِنَ الْغَاصِبِ لِاَنَّهٗ مِنْ حُقُوْقِ الْمِلْكِ . ﴿وَمَنْ قَالَ لِنِسَائِهٖ اَنْتُنَّ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّيْ كَانَ مُظَاهِرًا مِنْهُنَّ جَمِيْعًا﴾ لِاَنَّهٗ اَضَافَ الظِّهَارَ اِلَيْهِنَّ فَصَارَ كَمَا اِذَا اَضَافَ الطَّلَاقَ ﴿وَعَلَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدَةٍ كَفَّارَةٌ﴾ لِاَنَّ الْحُرْمَةَ تَثْبُتُ فِيْ حَقِّ كُلِّ وَاحِدَةٍ وَالْكَفَّارَةُ لِاِنْهَاءِ الْحُرْمَةِ فَتَتَعَدَّدُ بِتَعَدُّدِهَا، بِخِلَافِ الْاِيْلَاءِ مِنْهُنَّ لِاَنَّ الْكَفَّارَةَ فِيْهِ لِصِيَانَةِ حُرْمَةِ الْاِسْمِ وَلَمْ يَتَعَدَّدْ ذِكْرُ الْاِسْمِ

ترجمہ

اور ظہار صرف بیوی کے ساتھ ہوسکتا ہے' یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اپنی کنیز کے ساتھ ظہار کرے' تو وہ ظہار کرنے والا شمار نہیں ہوگا اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: "اپنی بیویوں کے ساتھ" اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے: کنیز میں حلت کا مفہوم تابع کی حیثیت رکھتا ہے' اس لیے وہ منکوحہ کے ساتھ شامل نہیں ہوگی۔ نیز ظہار کو طلاق سے نقل کیا گیا ہے اور مملوکہ (کنیز) کو طلاق نہیں دی جاتی۔ اگر کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ اس کی اجازت کے بغیر شادی کرلے اور پھر اس کے ساتھ ظہار کرلے۔ پھر وہ عورت اس نکاح کو برقرار رکھے تو ظہار باطل ہوجائے گا' کیونکہ اس وقت وہ بندہ تشبیہ میں سچا ہے جب تصرف کررہا تھا لہٰذا اس کی یہ بات جھوٹ نہیں ہوگی۔ ظہار' شوہر کا کوئی حق نہیں ہے کہ اسے موقوف قرار دیا جائے۔ اس کے برخلاف جب خریدار ایسے غلام کو آزاد کردے جسے اس نے کسی غاصب سے خریدا ہو (تو حکم مختلف ہوگا) کیونکہ آزاد کرنا ملکیت کے حقوق سے تعلق رکھتا ہے۔ جو شخص اپنی بیویوں سے یہ کہے: تم سب میرے لیے میری ماں کی پشت کی طرح ہو' تو وہ ان سب کے ساتھ ظہار کرنے والا شمار ہوگا' کیونکہ اس نے ظہار کی نسبت ان سب کی طرف کردی ہے' تو یہ اسی طرح ہوگا' جس طرح اس نے طلاق کی نسبت (ان سب کی طرف) کی ہو۔ اس مرد پر یہ لازم ہوگا: وہ ہر ایک بیوی کی طرف سے کفارہ دے' اس کی دلیل یہ ہے: ان میں سے ہر ایک کے حق میں حرمت اور کفارہ

ثابت ہوگئے ہیں لہٰذا حرمتوں کے متعدد ہونے کی دلیل سے کفارہ بھی متعدد ہو جائے گا۔ لہٰذا یا ہوا کا حکم اس کے برخلاف ہے کیونکہ اس میں کفارہ اسم (یعنی اللہ تعالیٰ کا وہ نام جس کی قسم اٹھائی جاتی ہے) کی حرمت محفوظ کرنے کے لئے ہوتا ہے اور اسم کا اعادہ متعدد نہیں ہوتا۔

کافر کے مسلمان ہونے کے بعد کفارہ ظہار نہیں لوٹے گا

علامہ محمد امین آفندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ظہار کے لیے اسلام و عقل و بلوغ شرط ہے کافر نے اگر کہا تو ظہار نہ ہوا یعنی اگر کہنے کے بعد مشرف باسلام ہوا تو اُس پر کفارہ لازم نہیں۔ یوہیں نابالغ و مجنون یا بوہرے یا مدہوش یا سرسام و برسام کے بیمار نے یا بیہوش یا سونے والے نے ظہار کیا تو ظہار نہ ہوا اور ہنسی مذاق میں یا نشہ میں یا مجبور کیا گیا اس حالت میں یا زبان سے غلطی میں ظہار کا لفظ نکل گیا تو ظہار ہے۔ زوجہ کی جانب سے کوئی شرط نہیں، آزاد ہو یا باندی، مدبرہ یا مکاتبہ یا ام ولد، مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ، مسلمہ ہو یا کتابیہ، نابالغہ ہو یا بالغہ، بلکہ اگر عورت غیر کتابیہ ہے اور اُسکا شوہر اسلام لایا مگر ابھی عورت پر اسلام پیش نہیں کیا گیا تھا کہ شوہر نے ظہار کیا تو ظہار ہو گیا عورت مسلمان ہوئی تو شوہر پر کفارہ دینا ہوگا۔

اپنی باندی سے ظہار نہیں ہو سکتا موطوءہ ہو یا غیر موطوءہ۔ یونہی اگر کسی عورت سے بغیر اذن لیے نکاح کیا اور ظہار کیا پھر عورت نے نکاح کو جائز کر دیا تو ظہار نہ ہوا کہ وقتِ ظہار وہ زوجہ نہ تھی۔ یوہیں جس عورت کو طلاق بائن دے چکا ہے یا ظہار کو کسی شرط پر معلق کیا اور وہ شرط اُس وقت پائی گئی کہ عورت کو بائن طلاق دیدی تو ان صورتوں میں ظہار نہیں۔ (ردمحتار، کتاب طلاق)

جس عورت سے تشبیہ دی اگر اُس کی حرمت عارضی ہے ہمیشہ کے لیے نہیں تو ظہار نہیں مثلاً زوجہ کی بہن یا جس کو تین طلاقیں دی ہیں یا مجوسی یا بُت پرست عورت کہ یہ مسلمان یا کتابیہ ہو سکتی ہیں اور اُنکی حرمت دائمی نہ ہونا ظاہر۔ (درمختار، باب ظہار)

بیوی کے عدم ظہار میں فقہی مذاہب اربعہ

کیا مرد کی طرح عورت بھی ظہار کر سکتی ہے؟ مثلاً اگر وہ شوہر سے کہے کہ تو میرے لیے میرے باپ کی طرح ہے، یا میں تیرے لیے تیری ماں کی طرح ہوں، تو کیا یہ بھی ہوگا؟ ائمہ اربعہ کہتے ہیں کہ یہ ظہار نہیں ہے اور اس پر ظہار کے قانونی احکام کا سرے سے اطلاق نہیں ہوتا۔ کیونکہ قرآن مجید نے صریح الفاظ میں یہ احکام صرف اس صورت کے لیے بیان کیے ہیں جبکہ شوہر بیویوں سے ظہار کریں (اَلَّذِیۡنَ یُظٰهِرُوۡنَ مِنۡ نِّسَآءِ هِمۡ) اور ظہار کرنے کے اختیارات اسی کو حاصل ہو سکتے ہیں جسے طلاق دینے کا اختیار ہے۔ عورت کو شریعت نے جس طرح یہ اختیار نہیں دیا کہ شوہر کو طلاق دیدے اسی طرح اسے یہ اختیار بھی نہیں دیا کہ اپنے آپ کو شوہر کے لیے حرام کر لے۔ یہی دلیل سفیان ثوری، اسحٰق بن راہویہ، ابو ثور اور لیث بن سعد کی ہے کہ عورت کا ایسا قول بالکل بے معنی اور بے اثر ہے۔ امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ یہ ظہار تو نہیں ہے۔ مگر اس سے عورت پر قسم کا کفارہ لازم آئے گا، کیونکہ عورت کا ایسے الفاظ کہنا یہ معنی رکھتا ہے کہ اس نے اپنے شوہر سے تعلق نہ رکھنے کی قسم کھائی ہے۔

امام احمد بن حنبل کا مسلک بھی ابن قدامہ نے یہی نقل کیا ہے۔ امام اوزاعی کہتے ہیں کہ اگر شادی سے پہلے عورت نے یہ بات کہی ہو کہ میں اس شخص سے شادی کروں تو وہ میرے لیے ایسا ہے جیسے میرا باپ، تو یہ ظہار ہوگا، اور اگر شادی کے بعد کہے تو یہ قسم کے معنی میں ہوگا جس سے کفارۂ یمین لازم آئے گا۔ بخلاف اس کے حسن بصری، زہری، ابراہیم نخعی، اور حسن بن زیاد لؤلؤی کہتے ہیں کہ یہ ظہار ہے اور ایسا کہنے سے عورت پر کفارہ ظہار لازم آئے گا، البتہ عورت کو یہ حق نہ ہوگا کہ کفارہ دینے سے پہلے شوہر کو اپنے پاس آنے سے روک دے۔

ابراہیم نخعی اسکی تائید میں یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت طلحہؓ کی صاحبزادی عائشہ نے حضرت زبیر کے صاحبزادے مصعب نے بناح کا پیغام دیا۔ انہوں نے اسے رد کرتے ہوئے یہ الفاظ کہہ دیے کہ اگر میں ان سے نکاح کروں تو هُوَ عَلَيَّ كَظَهْرِ اَبِي۔ (وہ میرے اوپر ایسے ہوں جیسے میرے باپ کی پیٹھ)۔ کچھ مدت بعد وہ ان سے شادی کرنے پر راضی ہوگئیں۔ مدینہ کے علماء سے اس کے متعلق فتویٰ لیا گیا تو بہت سے فقہاء نے جن میں متعدد صحابہ بھی شامل تھے، یہ فتویٰ دیا کہ عائشہ پر کفارہ ظہار لازم ہے۔ اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد ابراہیم نخعی اپنی یہ دلیل بیان کرتے ہیں کہ اگر عائشہ یہ بات شادی کے بعد کہتیں تو کفارہ لازم نہ آتا، مگر انہوں نے شادی سے پہلے یہ کہا تھا جب انہیں نکاح کرنے یا نہ کرنے کا اختیار حاصل تھا اس لیے کفارہ ان پر واجب ہوگیا۔

ظہار کی بعض شرائط میں مذاہب اربعہ

امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ اور امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک ظہار صرف اس شوہر کا معتبر ہے جو مسلمان ہو۔ ذمیوں پر ان احکام کا اطلاق نہیں ہوتا، کیونکہ قرآن مجید میں اَلَّذِيْنَ يُظَاهِرُوْنَ مِنْكُمْ کے الفاظ ارشاد ہوئے ہیں جن کا خطاب مسلمانوں سے ہے، اور تین قسم کے کفاروں میں سے ایک کفارہ قرآن میں روزہ بھی تجویز کیا گیا ہے جو ظاہر ہے کہ ذمیوں کے لیے نہیں ہوسکتا۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک یہ احکام ذمی اور مسلمان، دونوں کے ظہار پر نافذ ہوں گے، البتہ ذمی کے لیے روزہ نہیں ہے۔ وہ یا غلام آزاد کرے یا 60 مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

جو عاقل و بالغ آدمی ظہار کے صریح الفاظ بحالت ہوش وحواس زبان سے ادا کرے اس کا یہ عذر قابل قبول نہیں ہوسکتا کہ اس نے غصے میں، یا مذاق مذاق میں، یا پیار سے ایسا کہا، یا یہ کہ اس کی نیت ظہار کی نہ تھی۔ البتہ جو الفاظ اس معاملہ میں صریح نہیں ہیں، اور جن میں مختلف معنوں کا احتمال ہے، ان کا حکم الفاظ کی نوعیت پر منحصر ہے۔ آگے چل کر ہم بتائیں گے کہ ظہار کے صریح الفاظ کون سے ہیں اور غیر صریح کون سے۔

یہ امر متفق علیہ ہے کہ ظہار اس عورت سے کیا جا سکتا ہے جو آدمی کے نکاح میں ہو۔ البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ کیا غیر عورت سے بھی ظہار ہوسکتا ہے۔ اس معاملہ میں مختلف مسالک یہ ہیں:

حنفیہ کہتے ہیں کہ غیر عورت سے اگر آدمی یہ کہے کہ میں تجھ سے نکاح کروں تو میرے اوپر تو ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ، تو جب بھی وہ اس سے نکاح کرے گا کفارہ ادا کیے بغیر اسے ہاتھ نہ لگا سکے گا۔ یہی حضرت عمرؓ کا فتویٰ ہے۔ ان کے زمانہ میں ایک شخص

نے ایک عورت سے یہ بات کہی اور بعد میں اس سے نکاح کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اسے کفارہ ظہار دینا ہوگا۔

مالکیہ اور حنابلہ بھی یہی بات کہتے ہیں، اور وہ اس پر یہ اضافہ کرتے ہیں کہ اگر عورت کی تخصیص نہ کی گئی ہو بلکہ کہنے والے نے یوں کہا ہو کہ تمام عورتیں میرے اوپر ایسی ہیں، تو جس سے بھی وہ نکاح کرے گا اسے ہاتھ لگانے سے پہلے کفارہ دینا ہوگا۔ یہی دلیل سعید بن المسیب، عروہ بن زبیر، عطاء بن ابی رباح، حسن بصری اور اسحاق بن راہویہ کی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ نکاح سے پہلے ظہار بالکل بے معنی ہے۔ ابن عباس اور قتادہ کی بھی یہی دلیل ہے۔

فصل فی الکفارۃ

یہ فصل ظہار کے کفارے کے بیان میں ہے

کفارہ ظہار والی فصل کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ جب ظہار سے متعلق احکام شرعیہ سے فارغ ہوئے ہیں تو اب انہوں ظہار کا کفارہ بیان کیا ہے۔ (ایک مناسبت اس طرح بھی واضح ہے کہ ہمیشہ کسی غلطی کی سزا وضعی طور بھی اس غلطی کے سرزد ہو جانے کے بعد واقع ہوتی ہے۔ اسی طرح حکم ظہار کے بعد ظہار کا کفارہ ذکر کیا گیا ہے)۔ اور یہی سبب ظہار ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسی یعنی عود کو کا عطف ظہار پر ڈالا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۱۹، بیروت)

ظہار کی شرائط کا فقہی بیان

علامہ علاؤالدین کاسانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ شرائط ظہار کرنے والے سے متعلق ہیں۔ بعض شرائط ظہار کرنے والے سے اس طرح متعلق ہیں: ظہار کرنے والا عاقل، بالغ، مسلمان ہو، بے ہوش اور سویا ہوا نہ ہو۔

عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ عَنْ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ وَعَنْ الصَّبِيِّ حَتَّى يَشِبَّ وَعَنْ الْمَعْتُوهِ حَتَّى يَعْقِلَ (ترمذی باب مَا جَاءَ فِيمَنْ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ الْحَدُّ)

وَأَمَّا الشَّرَائِطُ فَأَنْوَاعٌ بَعْضُهَا يَرْجِعُ إِلَى الْمُظَاهِرِ وَبَعْضُهَا يَرْجِعُ إِلَى الْمُظَاهَرِ مِنْهُ وَبَعْضُهَا يَرْجِعُ إِلَى الْمُظَاهَرِ بِهِ . أَمَّا الَّذِي يَرْجِعُ إِلَى الْمُظَاهِرِ فَأَنْوَاعٌ : مِنْهَا أَنْ يَكُونَ عَاقِلًا إِمَّا حَقِيقَةً أَوْ تَقْدِيرًا فَلَا يَصِحُّ ظِهَارُ الْمَجْنُونِ وَالصَّبِيِّ الَّذِي لَا يَعْقِلُ ؛ لِأَنَّ حُكْمَ الْحُرْمَةِ وَخِطَابَ التَّحْرِيمِ لَا يَتَنَاوَلُ مَنْ لَا يَعْقِلُ . وَمِنْهَا أَنْ لَا يَكُونَ مَعْتُوهًا وَلَا مَدْهُوشًا وَلَا مُبَرْسَمًا وَلَا مُغْمًى عَلَيْهِ وَلَا نَائِمًا فَلَا يَصِحُّ ظِهَارُ هَؤُلَاءِ كَمَا لَا يَصِحُّ طَلَاقُهُمْ (بدائع الصنائع فصل فی شرائط رکن الظهار وَبَعْضُهَا يَرْجِعُ إِلَى الْمُظَاهَرِ)

بعض شرائط اس عورت سے متعلق ہیں جس سے ظہار کر رہا ہے بعض شرائط عورت سے متعلق ہیں: جس عورت سے ظہار کر رہا ہے اس کے شرائط یہ ہیں کہ وہ ظہار کرنے والے کے نکاح میں ہو، ظہار کی نسبت عورت کے پورے حصہ یا اس کے مناسب حصہ کی طرف کی گئی ہو یا اس کے ایسے متعین عضو کی طرف ہو جسے بول کر پورا بدن مراد لیا جاتا ہو جیسے سر، گردن چہرہ شرمگاہ وغیرہ۔

وَأَمَّا الَّذِي يَرْجِعُ إِلَى الْمُظَاهِرِ مِنْهُ فَمِنْهَا أَنْ تَكُونَ زَوْجَتَهُ وَهِيَ أَنْ تَكُونَ مَمْلُوكَةً لَهُ بِمِلْكِ النِّكَاحِ وَمِنْهَا أَنْ يَكُونَ الظِّهَارُ مُضَافًا إِلَى بَدَنِ الزَّوْجَةِ أَوْ إِلَى عُضْوٍ مِنْهَا جَامِعٍ أَوْ شَائِعٍ وَهَذَا عِنْدَنَا(بدائع الصنائع فصل في بيان الشرائط التي تَرْجِعُ إِلَى الْمُظَاهَرِ مِنْهُ)

بعض شرائط اس عورت سے متعلق ہیں جس عورت سے تشبیہ دی گئی ہے حقیقی یا سسرالی یا رضاعی ایسی عورت سے تشبیہ دیکر ظہار کرنے والے پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جیسے ماں، بہن، دادی، نانی وغیرہ، ساس، رضاعی ماں وغیرہ، جن سے عارضی طور پر حرمت کا رشتہ ہو ان سے تشبیہ دینے کی دلیل سے ظہار نہ ہوگا، جیسے سالی، غیر کی منکوحہ۔ جو بالترتیب ادا کرنے ہیں اور ان تینوں میں سے ایک بھی ادا کر دیتو کفارہ ادا ہو جائیگا۔

وَأَمَّا الَّذِي يُرْجَعُ إِلَى الْمُظَاهَرِ بِهِ فَمِنْهَا أَنْ يَكُونَ مِنْ جِنْسِ النِّسَاءِ حَتَّى لَوْ قَالَ لَهَا : أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أَبِي أَوْ ابْنِي لَا يَصِحُّ ؛ لِأَنَّ الظِّهَارَ عُرْفًا مُوجِبًا بِالشَّرْعِ ، وَالشَّرْعُ إِنَّمَا وَرَدَ بِهَا فِيمَا إِذَا كَانَ الْمُظَاهَرِ بِهِ امْرَأَةً .وَمِنْهَا أَنْ يَكُونَ عُضْوًا لَا يَحِلُّ لَهُ النَّظَرُ إِلَيْهِ مِنْ الظَّهْرِ وَالْبَطْنِ وَالْفَخِذِ وَالْفَرْجِ حَتَّى لَوْ شَبَّهَهَا بِرَأْسِ أُمِّهِ أَوْ بِوَجْهِهَا أَوْ يَدِهَا أَوْ رِجْلِهَا لَا يَصِيرُ مُظَاهِرًا ؛ لِأَنَّ هَذِهِ الْأَعْضَاءَ مِنْ أُمِّهِ يَحِلُّ لَهُ النَّظَرُ إِلَيْهَا .وَمِنْهَا أَنْ تَكُونَ هَذِهِ الْأَعْضَاءُ مِنْ امْرَأَةٍ يَحْرُمُ نِكَاحُهَا عَلَيْهِ عَلَى التَّأْبِيدِ سَوَاءٌ حُرِّمَتْ عَلَيْهِ بِالرَّحِمِ كَالْأُمِّ وَالْبِنْتِ وَالْأُخْتِ وَبِنْتِ الْأَخِ وَالْأُخْتِ وَالْعَمَّةِ وَالْخَالَةِ ، أَوْ بِالرَّضَاعِ ، أَوْ بِالصِّهْرِيَّةِ كَامْرَأَةِ أَبِيهِ وَحَلِيلَةِ ابْنِهِ ؛ لِأَنَّهُ يَحْرُمُ عَلَيْهِ نِكَاحُهُنَّ عَلَى التَّأْبِيدِ ، وَكَذَا أُمُّ امْرَأَتِهِ (بدائع الصنائع فصل في بيان الشرائط التي تَرْجِعُ إِلَى الْمُظَاهَرِ بِهِ)

ظہار کا حکم

ظہار میں چونکہ ایک غلط بات کہی جاتی ہے اس لیے گناہ اور حرام ہے۔ بہر حال اگر کوئی ظہار کرلے خواہ مذاق یا نشہ میں کیا ہو یا جبراً کیا ہو، جب تک کفارہ ظہار ادا نہیں کریگا اس کا اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرنا جائز نہیں البتہ دیکھنا، بات کرنا وغیرہ جائز ہے۔

وَحُكْمُهُ حُرْمَةُ الْوَطْءِ وَالدَّوَاعِي مَعَ بَقَاءِ أَصْلِ الْمِلْكِ إِلَى غَايَةِ الْكَفَّارَةِ(العناية باب الظِّهَارُ)

ظہار کے کفارے کا بیان

قَالَ ﴿وَكَفَّارَةُ الظِّهَارِ عِتْقُ رَقَبَةٍ﴾ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ، ﴿فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا﴾ لِلنَّصِّ الْوَارِدِ فِيهِ فَإِنَّهُ يُفِيدُ الْكَفَّارَةَ عَلَى هٰذَا التَّرْتِيبِ. قَالَ ﴿وَكُلُّ ذٰلِكَ قَبْلَ الْمَسِيسِ﴾ وَهٰذَا فِي الْإِعْتَاقِ، وَالصَّوْمُ ظَاهِرٌ لِلتَّنْصِيصِ عَلَيْهِ، وَكَذَا فِي الْإِطْعَامِ لِأَنَّ الْكَفَّارَةَ فِيهِ مَنْهِيَّةٌ لِلْحُرْمَةِ فَلَا بُدَّ مِنْ تَقْدِيمِهَا عَلَى الْوَطْءِ لِيَكُونَ الْوَطْءُ حَلَالًا قَالَ ﴿وَتَجْزِي فِي الْعِتْقِ الرَّقَبَةُ الْكَافِرَةُ وَالْمُسْلِمَةُ وَالذَّكَرُ وَالْأُنْثَى وَالصَّغِيرُ وَالْكَبِيرُ﴾ لِأَنَّ اسْمَ الرَّقَبَةِ يَنْطَلِقُ عَلَى هٰؤُلَاءِ إِذْ هِيَ عِبَارَةٌ عَنِ الذَّاتِ الْمَرْقُوقِ الْمَمْلُوكِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ، وَالشَّافِعِيُّ يُخَالِفُنَا فِي الْكَافِرَةِ وَيَقُولُ: الْكَفَّارَةُ حَقُّ اللّٰهِ تَعَالٰى فَلَا يَجُوزُ صَرْفُهُ إِلَى عَدُوِّ اللّٰهِ كَالزَّكَاةِ، وَنَحْنُ نَقُولُ: الْمَنْصُوصُ عَلَيْهِ إِعْتَاقُ الرَّقَبَةِ وَقَدْ تَحَقَّقَ، وَقَصْدُهُ مِنَ الْإِعْتَاقِ التَّمَكُّنُ مِنَ الطَّاعَةِ ثُمَّ مُقَارَفَتُهُ الْمَعْصِيَةَ يُحَالُ بِهِ إِلَى سُوءِ اخْتِيَارِهِ

ترجمہ

اور ظہار کا کفارہ غلام آزاد کرنا ہے اگر (آدمی) اسے نہ پائے' تو دو مہینے کے لگا تار روزے رکھنا ہے' اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو' تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے' اس کی دلیل وہ نص ہے' جو اس بارے میں وارد ہوئی ہے' کیونکہ وہ اسی ترتیب کے مطابق کفارے کا فائدہ دیتی ہے۔ فرماتے ہیں: یہ سب کچھ صحبت کرنے سے پہلے ہوگا' یہ حکم غلام آزاد کرنے اور روزہ رکھنے کے بارے میں تو ظاہر ہے' کیونکہ اس پر نص موجود ہے اور کھانا کھلانے میں بھی اسی طرح ہے' کیونکہ اس بارے میں کفارہ ہی حرمت کو ختم کرے گا' لہٰذا اسے صحبت سے پہلے ہونا چاہئے تاکہ وطی حلال ہو سکے۔ فرماتے ہیں: غلام آزاد کرنے میں' کافر غلام' یا مسلمان' یا مذکر' یا مؤنث' یا نابالغ' یا بالغ' (سب کو) آزاد کرنا جائز ہے' اس کی دلیل یہ ہے: لفظ ''رقبہ'' کا اطلاق ان سب پر ہوتا ہے' اس کی دلیل یہ ہے: اس سے مراد وہ ذات ہے جس میں رقیق ہونے اور غلامی کا مفہوم کسی بھی اعتبار سے پایا جاتا ہو۔ کافر غلام کے بارے میں امام شافعی کی دلیل ہم سے مختلف ہے۔ وہ یہ فرماتے ہیں: کفارہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے' لہٰذا زکوۃ کی طرح اسے اللہ تعالیٰ کے دشمن کی طرف پھیرنا جائز نہیں ہوگا۔ ہم یہ کہتے ہیں: نص اس بارے میں یہ ہے: غلام آزاد کیا جائے اور وہ مفہوم یہاں پایا جا رہا ہے اور آدمی کا غلام آزاد کرنے سے ارادہ یہی ہے: حکم کی پیروی کرے' لیکن غلام کا معصیت (کفر) کو اختیار کرنا یہ اس غلام کے اپنے برے اختیار کی طرف منسوب ہوگا۔

کفارہ ظہار کے طریقے میں فقہی بیان

حضرت ابوسلمہ کہتے ہیں کہ ایک صحابی سلمان ابن صخر نے کہ جن کو سلمہ ابن صخر بیاضی کہا جاتا تھا اپنی بیوی کو اپنے لئے اپنی ماں کی پشت کی مانند قرار دیا تاوقتیکہ رمضان ختم ہو (یعنی انہوں نے بیوی سے یوں کہا کہ ختم رمضان تک کے لیے تو مجھ پر میری ماں کی پشت کے مثل ہے گویا اس طرح انہوں نے اپنی بیوی کو رمضان کے ختم تک کے لئے اپنے اوپر حرام قرار دیا) مگر ابھی آدھا ہی رمضان گزرا تھا کہ انہوں نے اسی رات اپنی بیوی سے صحبت کر لی پھر جب صبح ہوئی تو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ ماجرا بیان کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک غلام آزاد کرو انہوں نے عرض کیا کہ میں اس کی استطاعت نہیں رکھتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا دو مہینے یعنی پے در پے روزے رکھو انہوں نے عرض کیا کہ مجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے کیونکہ حکم خداوندی تو یہ ہے کہ دو مہینے مسلسل اس طرح روزے رکھے جائیں کہ ان مہینوں میں جماع سے کلیۃ اجتناب کیا جائے اور میں اپنے جنسی ہیجان کی دلیل سے اتنے دنوں تک جماع سے باز نہیں رہ سکتا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ! انہوں نے عرض کیا میں اس کی بھی استطاعت نہیں رکھتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور صحابی حضرت فروہ ابن عمرو سے فرمایا کہ ان کو کھجوروں کا فرق دیدو فرق کھجور کے درخت کے پتوں سے بنے ہوئے تھیلے چھابے) کو کہتے ہیں جس میں پندرہ صاع یا سولہ صاع (یعنی تقریبا ساڑھے باون سیر یا چھپن سیر) کھجور سماتی ہیں (ترمذی ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 497)

اور دارمی نے اس روایت کو سلیمان ابن یسار سے اور انہوں نے حضرت سلمہ ابن صخر سے اسی طرح نقل کیا ہے جس میں حضرت سلمہ کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ میں اپنی عورتوں سے اس قدر قربت کیا کرتا تھا کہ کوئی اور شخص میری برابر قربت نہیں کرتا تھا چنانچہ جنسی ہیجان کے اتنے زیادہ غلبہ ہی کی دلیل سے میں اپنی بیوی سے صحبت کرنے سے نہ رک سکا) اور ان دونوں میں یعنی ابوداؤد اور دارمی کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ فرمانے کی جگہ یہ فرمایا کہ ساٹھ مسکینوں کو ایک وسق کھجوریں کھلاؤ۔

اس حدیث میں ظہار کا حکم بیان کیا گیا ہے ظہار اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو اس کے جسم کے کسی ایسے حصے کو کہ اس کو بول کر پورا بدن مراد لیا جاتا ہو اور یا اسکے جسم کے کسی ایسے حصہ کو جو شائع غیر متعین ہو محرمات ابدیہ یعنی ماں، بہن اور پھوپھی وغیرہ) کے جسم کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دے جس کی طرف نظر کرنا حلال نہ ہو جیسے وہ اپنی بیوی سے یوں کہے کہ تم مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح حرام ہو یا تمہارا سر یا تمہارے بدن کا نصف حصہ میری ماں کی پیٹھ یا پیٹ کے مانند ہے یا میری ماں کی ران کے مانند ہے یا میری بہن یا میری پھوپھی کی پیٹھ کے مانند ہے اس طرح کہنے سے اس بیوی سے جماع کرنا یا ایسا کوئی بھی فعل کرنا جو جماع کا سبب بنتا ہے جیسے مساس کرنا یا بوسہ لینا اس وقت تک کے لئے حرام ہو جاتا ہے جب تک کہ کفارہ ظہار ادا نہ کر دیا جائے اور اگر کسی شخص نے کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کر لیا تو اس پر پہلے کفارہ کے علاوہ کچھ اور واجب نہیں ہوگا ہاں اسے چاہئے کہ اللہ تعالیٰ

سے مغفرت طلب کرے اور پھر جب تک کفارہ ادا نہ کرے دوبارہ جماع نہ کرے۔

یہ بات ملحوظ رکھی جانی چاہئے کہ ظہار صرف بیوی سے ہوتا ہے اور بیوی خواہ آزاد عورت ہو اور خواہ کسی کی لونڈی ہو اسی طرح خواہ وہ مسلمان ہو یا کتابیہ یعنی عیسائی و یہودی ہو ظہار کے باقی مسائل فقہ کی کتابوں میں دیکھنے چاہئیں۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ حدیث الفاظ (حتی یمضی رمضان) (جب تک کہ رمضان ختم ہو) کہ ظاہر موقت صحیح ہو جاتا ہے اور قاضی خان نے کہا ہے کہ جب کوئی شخص موقت یعنی کسی متعین مدت وعرصہ کے لیے ظہار کرتا ہے تو وہ اسی وقت ظہار کرنیوالا ہو جاتا ہے اور جب وہ متعینہ عرصہ گزر جاتا ہے تو ظہار باطل ہو جاتا ہے۔

محقق علام حضرت ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ظہار کرے اور مثلاً جمعہ کے دن استثناء کردے تو صحیح نہیں ہوتا اور اگر ایک دن یا ایک مہینہ کے لئے ظہار کردے (یعنی کسی مدت متعین کے لئے ظہار کرے) تو اس مدت کی قید لگائی صحیح ہے اور پھر اس مدت کے گزرے جانے کے بعد ظہار باقی نہیں رہتا۔

حدیث (اطعم ستین مسکینا) یعنی ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ سے دونوں باتیں مراد تھیں کہ یا تو تم ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دو یا ان میں سے ہر ایک کو صدقہ فطر کی مقدار کے برابر کچا اناج یا اس کی قیمت دیدو اور جس طرح کفارہ ادا کرنے کے لئے غلام آزاد کرنے کی صورت میں جماع سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ضروری ہے یا کفارہ ادا کرنے کے لئے دو مہینے کے روزے رکھنے کی صورت میں جماع سے پہلے دو مہینے مسلسل روزے رکھنا ضروری ہے اس طرح ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا بھی جماع کرنے سے پہلے ضروری ہے۔

حدیث کے اس جملہ تاکہ یہ ساٹھ مسکینوں کو کھلا دیں کے بارے میں بظاہر ایک اشکال پیدا ہوسکتا ہے وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساٹھ مسکینوں کو کھلانے کے لئے حضرت سلمہ ابن صخر کو جو کھجوریں دلائیں انکی مقدار خود روایت کی وضاحت کے مطابق پندرہ یا سولہ صاع تھی اس سے معلوم ہوا کہ ہر مسکین کو ایک ایک صاع دینا واجب نہیں ہے جب کہ فقہ کی کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ اگر کھجوریں دی جائیں تو صدقہ فطر کی قدار کے برابر یعنی ایک ایک صاع دی جائیں۔

گویا حدیث کے اس جملہ اور فقہی حکم میں تعارض واقع ہوگیا لیکن اگر اس جملہ کا یہ ترجمہ کیا جائیگا کہ تاکہ یہ ان کھجوروں کو ساٹھ مسکینوں کو کھلانے میں صرف کردیں۔ تو پھر کوئی تعارض باقی نہیں رہے گا کیونکہ اس طرح اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کھجوروں میں اپنے پاس سے بھی کھجوریں ملا کر ساٹھ مسکینوں میں تقسیم کردو۔

اس کے علاوہ ابوداؤد دارمی کی دوسری روایت کے یہ الفاظ کہ ساٹھ مسکینوں کو ایک وسق کھجوریں کھلاؤ) بھی اس بات کی دلیل ہیں کہ اس جملہ سے یہ مراد نہیں ہے کہ صرف یہی کھجوریں ساٹھ مسکینوں کو کھلاؤ بلکہ مراد یہ ہے کہ ان کھجوروں میں اپنے پاس سے کھجوریں ملا کر ایک وسق کی مقدار پوری کرلو اور پھر ہر ایک مسکین کو ایک ایک صاع کھجور دے دو واضح رہے کہ ایک وسق ساٹھ صاع کے برابر ہوتا ہے۔

کفارہ ظہار کے غلام میں مذہبی قید کے معدوم ہونے کا بیان

حضرت معاویہ ابن حکم کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! میری ایک لونڈی ہے جو میرا ریوڑ چراتی ہے میں جب اس کے پاس گیا اور ریوڑ میں اپنی بکری کم پائی تو میں نے اس بکری کے بارے میں پوچھا کہ کیا ہوئی؟ اس نے کہا کہ بھیڑیا لے گیا مجھ کو اس پر غصہ آ گیا اور چونکہ میں بنی آدم میں سے ہوں یعنی ایک انسان ہوں اور انسان بتقاضائے بشریت مغلوب الغضب ہو جاتا ہے اس لیے میں نے اس لونڈی کے منہ پر ایک تھپڑ مار دیا اور اس وقت کفارہ ظہار یا کفارہ قسم کے طور پر اور یا کسی اور سبب سے مجھ پر ایک بردہ یعنی ایک لونڈی یا ایک غلام آزاد کرنا واجب ہے تو کیا میں اس لونڈی کو آزاد کر دوں تاکہ میرے ذمہ سے وہ کفارہ بھی ادا ہو جائے اور اس کو تھپڑ مار دینے کی دلیل سے میں جس ندامت و شرمندگی میں مبتلا ہوں اس سے بھی نجات پا جاؤں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ اس نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو آزاد کر دو (مالک) مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت معاویہ نے کہا کہ میری ایک لونڈی تھی جو احد پہاڑ اور جوانیہ کے اطراف میں میرا ریوڑ چرایا کرتی تھی جوانیہ احد پہاڑ کے قریب ہی ایک جگہ کا نام ہے ایک دن جو میں نے اپنا ریوڑ دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ بھیڑیا میری ایک بکری کو ریوڑ میں سے اٹھا کر لے گیا ہے میں بنی آدم کا ایک مرد ہوں اور جس طرح کسی نقصان و اتلاف کی دلیل سے اولاد آدم کو غصہ آ جاتا ہے اسی طرح مجھے بھی غصہ آ گیا (چنانچہ اس غصہ کی دلیل سے میں نے چاہا کہ اس لونڈی کو خوب ماروں لیکن میں اس کو ایک ہی تھپڑ مار کر رہ گیا پھر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ سارا ماجرا بیان کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کو میرے حق میں ایک امر اہم جانا اور فرمایا کہ تم نے یہ بڑا گناہ کیا ہے میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! تو کیا میں اس لونڈی کو آزاد کر دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو میرے پاس بلاؤ میں لونڈی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بلا لایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے اس نے جواب دیا کہ آسمان میں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ اس نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس لونڈی کو آزاد کر دو کیونکہ یہ مسلمان ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 499)

اس باب میں اس حدیث کو نقل کرنے سے مصنف کتاب کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ ظہار میں بطور کفارہ جو بردہ یعنی غلام یا لونڈی آزاد کیا جائے اس کا مسلمان ہونا ضروری ہے چنانچہ حضرت امام شافعی کا مسلک یہی ہے لیکن حنفی مسلک میں چونکہ یہ ضروری نہیں ہے اس لئے حنفیہ اس حدیث کو افضلیت پر محمول کرتے ہیں یعنی ان کے نزدیک اس حدیث کی مراد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ کفارہ ظہار میں آزاد کیا جانے والا بردہ اگر مسلمان ہو تو یہ افضل اور بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ ان الفاظ کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اللہ تعالیٰ کے مکان کے بارے میں سوال نہیں تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ تو مکان و زمان سے پاک ہے بلکہ اس موڑ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ سوال کرنا تھا کہ بتاؤ اللہ تعالیٰ کا حکم

کہاں جاری وساری ہے اور اس کی بادشاہت وقدرت کس جگہ ظاہر و باہر ہے اور اس سوال کی ضرورت یہ تھی کہ اس وقت عرب کے کفار بتوں ہی کو معبود جانتے تھے اور جاہل لوگ ان بتوں کے علاوہ اور کسی کو معبود نہیں مانتے تھے لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جاننا چاہا کہ آیا یہ لونڈی موحدہ یا مشرکہ ہے گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد دراصل ان بے شمار معبودوں کی نفی کرنی تھی جو زمین پر موجود تھے نہ کہ آسمان کو اللہ تعالیٰ کا مکان ثابت کرنا تھا چنانچہ جب اس لونڈی نے مذکورہ جواب دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو گیا کہ یہ موحدہ ہے مشرکہ نہیں ہے۔

مالک کی روایت میں تو حضرت معاویہ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک بردہ آزاد کرنا مجھ پر کسی اور سبب سے واجب ہے تو کیا میں اس لونڈی کو آزاد کر دوں تاکہ وہ کفارہ بھی ادا ہو جائے جو واجب ہے اور اس کو مارنے کی دلیل سے مجھے جو پشیمانی اور شرمندگی ہے وہ بھی جاتی رہے لیکن مسلم نے جو روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ نے اس لونڈی کو محض اس دلیل سے آزاد کرنا چاہا کہ انہوں نے اس کو غصہ میں مار دیا تھا۔

گویا دونوں روایتوں کے مفہوم میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو ان دونوں میں قطعاً کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ مالک کی روایت میں تو اس مفہوم کو صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ یوں تو کسی اور سبب سے مجھ پر بردہ آزاد کرنا واجب ہے لیکن مارنے کی دلیل سے بھی اس کو آزاد کرنا میرے لئے ضروری ہو گیا ہے تو اگر میں اس کو آزاد کر دوں تو ان دونوں سبب کا تقاضا پورا ہو جائے گا اس کے برخلاف مسلم کی روایت اس بارے میں مطلق ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں باتوں پر محمول کیا جا سکتا ہے لہذا یہی کہا جائے گا کہ مسلم کی روایت کا مطلق مفہوم مالک کی روایت کے مقید مفہوم پر محمول ہے یعنی مسلم کی روایت کے الفاظ کا مطلب بھی وہی ہے جو مالک کی روایت کے الفاظ کا ہے کہ اگر میں اس لونڈی کو آزاد کر دوں تو کیا دونوں سبب پورے ہو جائیں گے یا نہیں؟

کفارے میں اباحت کے جواز کا فقہی مفہوم

اباحت کا مطلب یہ ہے کہ کھانا پکا کر فقیر کے سامنے رکھ دیا جائے تاکہ وہ اس میں سے جس قدر کھانا چاہے کھالے چنانچہ یہ اباحت کفارات اور رمضان کے روزے کے بدلے میں دیئے جانیوالے) فدیہ میں تو جائز ہے لیکن صدقات واجبہ مثلاً زکوۃ وغیرہ میں جائز نہیں ہے کیونکہ صدقات واجبہ یعنی زکوۃ وغیرہ میں فقیر کو مال کا مالک بنا دینا ضروری ہے اس وضاحت کے بعد اب سمجھئے کہ ظہار کے کفارہ میں ساٹھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلایا جائے خواہ ایک ہی دن میں دو وقت یعنی دوپہر اور رات میں کھلا دیا جائے۔ اسی طرح کھلانے میں پیٹ بھرنے کا اعتبار ہے خواہ کتنے ہی تھوڑے کھانے میں ان کا پیٹ بھر جائے جہاں تک کھانے کی نوعیت کا سوال ہے تو اس کا انحصار کھلانے والے کی حیثیت واستطاعت پر ہے کہ وہ جیسا کھانا کھلا سکتا ہو کھلائے اگر کھانے میں جو کی روٹی ہو تو اس کے ساتھ سالن ہونا ضروری ہے البتہ گیہوں کی روٹی کے ساتھ سالن ضروری نہیں ہے اگر دو وقت ساٹھ فقیروں کو کھلانے کی بجائے ایک ہی فقیر کو ساٹھ دن تک دونوں وقت کھلائے تو بھی جائز ہے لیکن ایک ہی فقیر کو ایک ہی دن ساٹھ فقیروں کا

کھانا دیدیا تو یہ جائز نہیں ہوگا اس صورت میں صرف ایک ہی دن کا ادا ہوگا۔

ظہار کرنیوالے نے اگر کھانا کھلانے کے درمیان جماع کرلیا تو اس صورت میں اگرچہ وہ گنہگار ہوگا مگر ازسرنو کھانا کھلانا نہ پڑے گا اگر کسی شخص پر دو ظہار کے دو کفارے واجب ہوں اور وہ ساٹھ فقیروں کو مثلا گیہوں نصف صاع فی کفارہ کا اعتبار کرکے ایک ایک صاع دے تو دونوں ظہار کا کفارہ ادا نہیں ہوگا بلکہ ایک ہی ظہار کا کفارہ ادا ہوگا۔ ہاں اگر کسی شخص پر ایک ایک کفارہ تو ظہار کا اور ایک کفارہ روزہ توڑنے کا واجب ہوا اور وہ ہر فقیر کو ایک ایک صاع گیہوں دے تو یہ جائز ہوگا اور دونوں کفارے ادا ہوجائیں گے۔

مطلق کے اطلاق پر جاری رہنے کا قاعدہ فقہیہ

المطلق یجری علی اطلاقه والمقید علی تقییده (اصول شاشی)

مطلق اپنے اطلاق پر جاری رہتا ہے اور مقید اپنی قید کے ساتھ ہوتا ہے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ وہ شرعی احکام جن کا حکم نصوص شرعیہ سے مطلقا وارد ہوا ہے وہ اپنے اطلاق پر جاری رہیں گے اور جن احکام کی تقیید نصوص شرعیہ سے وارد ہوئی وہ اس کے مطابق جاری رہیں گے۔ اس کا ثبوت یہ ہے۔

ترجمہ: اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرلیں پھر عمل زوجیت کی طرف لوٹنا چاہیں جس کے متعلق وہ اتنی سخت بات کہہ چکے ہیں تو ان پر عمل زوجیت سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ہے یہ وہ جس کی تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تمہارے کاموں کی خوب خبر رکھنے والا ہے پس جو غلام کو نہ پائے تو اس پر عمل زوجیت سے پہلے دو ماہ کے لگاتار روزے رکھنا ہے پس جو روزوں کی طاقت نہ رکھے تو اس پر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے یہ حکم اس لئے ہے کہ تم اللہ (جل جلالہ) اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان برقرار رکھو اور یہ اللہ کی حدود ہیں اور کافروں کیلئے دردناک عذاب ہے۔ (المجادلہ ۳۔۴)

اس آیت میں کفارہ ظہار ادا کرنے کا حکم بیان کیا گیا ہے اور اسکی ادائیگی کیلئے تین اشیاء کا ذکر کیا گیا ہے کہ کفارہ ظہار ادا کرنے والا ان تینوں میں سے جسے چاہے اختیار کرلے۔

۱۔ غلام آزاد کرنا ۲۔ دو ماہ کے لگاتار روزے ۳۔ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا۔

اس آیت میں غلام آزاد کرنے اور دو ماہ کے لگاتار روزوں کو عمل زوجیت سے پہلے ادا کرنے کے ساتھ مقید کیا گیا ہے کہ ان دونوں میں کسی ایک ادائیگی عمل زوجیت سے پہلے ضروری ہے۔ جبکہ ساٹھ مسکینوں کے کھانے کو مطلق بیان کیا گیا ہے لہذا وہاں عمل زوجیت سے پہلے مکمل ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ضروری نہ ہوگا کیونکہ یہ مطلق ہے جو اپنے اطلاق پہ جاری رہے گا اور عتاق وصیام کا حکم مقید ہے جو اپنی قید کے ساتھ جاری ہوگا۔

صاحب نصب الرایہ لکھتے ہیں۔

اور کھانا کھلانے میں یہ قید نہیں لگائی گئی کہ جماع کرنے سے پہلے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائیں اس لئے یہ کفارہ ا[illegible] ے گا اور کھانا کھلانے کے دوران وہ جماع کرسکتا ہے۔ (نصب الرایہ ج ۳ ص ۳۵۱، ادارۃ القرآن کراچی)

عیب والے غلام کو کفارے میں آزاد کرنے کا بیان

﴿وَلَا تُجْزِءُ الْعَمْيَاءُ وَلَا الْمَقْطُوعَةُ الْيَدَيْنِ أَوْ الرِّجْلَيْنِ﴾ لِأَنَّ الْفَائِتَ جِنْسُ الْمَنْفَعَةِ وَهُوَ الْبَصَرُ أَوْ الْبَطْشُ أَوْ الْمَشْيُ وَهُوَ الْمَانِعُ، أَمَّا إِذَا اخْتَلَّتْ الْمَنْفَعَةُ فَهُوَ غَيْرُ مَانِعٍ، حَتَّى يَجُوزَ الْعَوْرَاءُ وَمَقْطُوعَةُ إِحْدَى الْيَدَيْنِ وَإِحْدَى الرِّجْلَيْنِ مِنْ خِلَافٍ لِأَنَّهُ مَا فَاتَ جِنْسُ الْمَنْفَعَةِ بَلْ اخْتَلَّتْ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَتَا مَقْطُوعَتَيْنِ مِنْ جَانِبٍ وَاحِدٍ حَيْثُ لَا يَجُوزُ لِفَوَاتِ جِنْسِ مَنْفَعَةِ الْمَشْيِ إِذْ هُوَ عَلَيْهِ مُتَعَذِّرٌ، وَيَجُوزُ الْأَصَمُّ .وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَجُوزَ وَهُوَ رِوَايَةُ النَّوَادِرِ، لِأَنَّ الْفَائِتَ جِنْسُ الْمَنْفَعَةِ، إِلَّا أَنَّا اسْتَحْسَنَّا الْجَوَازَ لِأَنَّ أَصْلَ الْمَنْفَعَةِ بَاقٍ، فَإِنَّهُ إِذَا صِيحَ عَلَيْهِ سَمِعَ حَتَّى لَوْ كَانَ بِحَالٍ لَا يَسْمَعُ أَصْلًا بِأَنْ وُلِدَ أَصَمَّ وَهُوَ الْأَخْرَسُ لَا يُجْزِئُهُ

﴿وَلَا يَجُوزُ مَقْطُوعُ إِبْهَامَيْ الْيَدَيْنِ﴾ لِأَنَّ قُوَّةَ الْبَطْشِ بِهِمَا فَبِفَوَاتِهِمَا يَفُوتُ جِنْسُ الْمَنْفَعَةِ ﴿وَلَا يَجُوزُ الْمَجْنُونُ الَّذِي لَا يَعْقِلُ﴾ لِأَنَّ الِانْتِفَاعَ بِالْجَوَارِحِ لَا يَكُونُ إِلَّا بِالْعَقْلِ فَكَانَ فَائِتَ الْمَنَافِعِ ﴿وَالَّذِي يُجَنُّ وَيُفِيقُ يُجْزِئُهُ﴾ لِأَنَّ الِاخْتِلَالَ غَيْرُ مَانِعٍ، وَلَا يُجْزِءُ عِتْقُ الْمُدَبَّرِ وَأُمِّ الْوَلَدِ لِاسْتِحْقَاقِهِمَا الْحُرِّيَّةَ بِجِهَةٍ فَكَانَ الرِّقُّ فِيهِمَا نَاقِصًا، وَكَذَا الْمُكَاتَبُ الَّذِي أَدَّى بَعْضَ الْمَالِ لِأَنَّ إِعْتَاقَهُ يَكُونُ بِبَدَلٍ .وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يُجْزِيهِ لِقِيَامِ الرِّقِّ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ، وَلِهَذَا تَقْبَلُ الْكِتَابَةُ الِانْفِسَاخَ، بِخِلَافِ أُمُومِيَّةِ الْوَلَدِ وَالتَّدْبِيرِ لِأَنَّهُمَا لَا يَحْتَمِلَانِ الِانْفِسَاخَ،

ترجمہ

اور (اس کفارے میں) اندھے، کٹے ہوئے ہاتھوں والے، کٹے ہوئے پاؤں والے غلام کو آزاد نہیں کیا [illegible] کے غلام میں منفعت کی جنس یعنی بینائی یا پکڑنے کی صلاحیت یا چلنے کی صلاحیت معدوم ہے اور یہ عیب اسے کفارے کے طور پر ادا کرنے میں رکاوٹ ہے۔ اگر اس کی منفعت میں تھوڑا سا خلل اور کمی پائی جاتی ہو تو اسے ادا کرنا منع نہیں ہوگا، جیسے وہ کانا ہو یا ایک

پاؤں اور ایک ہاتھ مخالف سمت میں کٹے ہوئے ہوں اس کی دلیل یہ ہے: یہاں منفعت کی جنس فوت نہیں ہوئی ہے بلکہ اس میں خلل واقع ہو گیا ہے لیکن اگر ایک ہاتھ اور ایک پاؤں ایک ہی طرف سے کٹے ہوئے ہوں تو ایسا غلام کفارے میں آزاد کرنا جائز نہیں ہوگا کیونکہ یہاں منفعت کی جنس مکمل طور پر معدوم ہے اور وہ شخص چلنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ بہرے غلام کو کفارے میں آزاد کرنا جائز ہے قیاس کا تقاضا یہ تھا: اسے آزاد کرنا جائز نہ ہو' نوادر' میں یہی مذکور ہے' کیونکہ اس میں منفعت کی جنس زائل ہو چکی ہے' لیکن استحسان کے پیش نظر ہم ایسے غلام کو آزاد کرنا جائز قرار دیں گے' کیونکہ اصل منفعت باقی ہے' کیونکہ جب بلند آواز میں بات کی جائے' تو وہ سن لیتا ہے۔ لیکن اگر غلام کی حالت ایسی ہو کہ اسے کچھ بھی سنائی نہ دیتا ہو' جیسا کہ وہ پیدائشی طور پر بہرہ ہو اور ساتھ میں گونگا بھی ہو' تو کفارے میں ایسے غلام کا آزاد کرنا درست نہیں ہوگا۔ جس غلام کے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں اسے آزاد کرنا جائز نہیں ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے: انسان انگوٹھوں کی مدد سے ہی کسی چیز کو گرفت میں لے سکتا ہے' تو جب یہ معدوم ہوں گے تو منفعت ختم ہو جائے گی۔ اسی طرح پاگل غلام کو کفارے میں آزاد کرنا بھی جائز نہیں ہے' یعنی جس میں عقل کا شائبہ بھی نہ ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے: انسان عقل کی دلیل سے ہی اپنے اعضاء سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور پاگل پن کے عالم میں یہ منفعت زائل ہو جاتی ہے۔ جس غلام پر کبھی دیوانگی کا دورہ پڑتا ہو اور کبھی وہ ٹھیک ہو جاتا ہو' اسے کفارے میں آزاد کرنا جائز ہوگا' کیونکہ اس کی منفعت میں خلل پایا جاتا ہے اور یہ اس امر سے مانع نہیں ہے۔ مدبر غلام' یا ام ولد کنیز کو کفارے میں آزاد کرنا درست نہیں ہے' کیونکہ یہ ایک اعتبار سے پہلے ہی آزاد ہو چکے ہیں اور ان کا مملوک ہونا کامل طور پر نہیں ہے بلکہ ناقص طور پر ہے۔ اسی طرح جو مکاتب غلام اپنی قیمت ادا کر چکا ہو' اسے بھی آزاد کرنا کافی نہیں ہوگا' کیونکہ اس کا آزاد کرنا تو مال کے معاوضے میں سے ہو جائے گا۔ امام ابوحنیفہ نے یہ بات بیان کی ہے: مکاتب غلام کو آزاد کرنا جائز ہوگا' کیونکہ ابھی وہ مملوک ہے' اس کی دلیل یہ ہے: کتابت کے معاہدے کو منسوخ کیا جا سکتا ہے' جبکہ ام ولد اور مدبر غلام کا حکم اس سے مختلف ہے۔ کیونکہ یہ دونوں فسخ کیے جانے کا احتمال نہیں رکھتے ہیں۔

شرح

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب غلام میں کسی قسم کا عیب ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ وہ عیب اس قسم کا ہو جس سے جنسِ منفعت فوت ہوتی ہے یعنی دیکھنے، سُننے، بولنے، پکڑنے، چلنے کی اُس کو قدرت نہ ہو یا عاقل نہ ہو تو کفارہ ادا نہ ہوگا اور دوسرے یہ کہ اس حد کا نقصان نہیں تو ہو جائیگا، لہٰذا اتنا بہرا کہ چیخنے سے بھی نہ سُنے یا گونگا یا اندھا یا مجنون کہ کسی وقت اُسکو افاقہ نہ ہوتا ہو یا بوہرا یا وہ بیمار جس کے اچھے ہونے کی اُمید نہ ہو یا جس کے سب دانت گر گئے ہوں اور کھانے سے بالکل عاجز ہو یا جس کے دونوں ہاتھ کٹے ہوں یا ہاتھ کے دونوں انگوٹھے کٹے ہوں یا علاوہ انگوٹھے کے ہر ہاتھ کی تین تین اُنگلیاں یا دونوں پاؤں یا ایک جانب کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں نہ ہو یا فالج کا مارا ہو یا دونوں ہاتھ بیکار ہوں تو ان سب کے آزاد کرنے سے کفارہ ادا نہ ہوا۔ (جوہرہ، نیرہ کتاب طلاق)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر ایسا بہرا ہے کہ چیخنے سے سُن لیتا ہے یا مجنون ہے مگر کبھی افاقہ بھی ہوتا ہے اور اسی حالت افاقہ میں آزاد کیا یا اُس کا ایک ہاتھ یا ایک پاؤں یا ایک ہاتھ ایک پاؤں خلاف سے کٹا ہو یعنی ایک دہنا دوسرا بایاں یا ایک ہاتھ کا انگوٹھا یا پاؤں کے دونوں انگوٹھے یا ہر ہاتھ کی دو دو انگلیاں یا دونوں ہونٹ یا دونوں کان یا ناک کٹی ہو یا انثیین یا عضوتناسل کٹ گیا ہو یا لونڈی کا آگے کا مقام بند ہو یا بھوں یا داڑھی یا سر کے بال نہ ہوں یا کانا یا چندھا ہو یا ایسا بیمار ہو جس کے اچھے ہونے کی امید ہے اگرچہ موت کا خوف ہو یا سپید داغ کی بیماری ہو یا نامرد ہو تو ان کے آزاد کرنے سے کفارہ ادا ہو جائیگا۔

(درمختار، کتاب طلاق، باب ظہار)

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب ظہار کا کفارہ غلام یا کنیز آزاد کرنا ہے مسلمان ہو یا کافر، بالغ ہو یا نابالغ یہاں تک کہ اگر دودھ پیتے بچہ کو آزاد کیا کفارہ ادا ہو گیا۔ پہلے نصف غلام کو آزاد کیا اور جماع سے پہلے پھر نصف باقی کو آزاد کیا تو کفارہ ادا ہو گیا اور اگر درمیان میں جماع کرلیا تو ادا نہ ہوا اور اگر غلام مشترک ہے اور اس نے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو ادا نہ ہوا، اگرچہ یہ مالدار ہو یعنی جب غلام مشترک کو آزاد کرے اور مالدار ہو تو حکم یہ ہے کہ اپنے شریک کو اُس کے حصہ کی قدر دے اور کُل غلام اسکی طرف سے آزاد ہوگا مگر کفارہ ادا نہ ہوگا۔ یونہی دو غلاموں میں آدھے آدھے کا مالک ہے اور دونوں کے نصف نصف کو آزاد کیا تو کفارہ ادا نہ ہوا۔ اور اگر کسی شخص نے آدھا غلام آزاد کیا اور ایک مہینے کے روزے رکھ لیے یا تیس مسکین کو کھانا کھلا دیا تو کفارہ ادا نہ ہوا۔ غلام آزاد کرنے میں شرط یہ ہے کہ کفارہ کی نیت سے آزاد کیا ہو بغیر نیت کفارہ آزاد کرنے سے کفارہ ادا نہ ہوگا اگرچہ آزاد کرنے کی نیت کیا کرے۔ (جوہرہ نیرہ کتاب طلاق)

کفارہ ظہار سے متعلق فقہی مسائل

حنفی مسلک کے مطابق ظہار کے کفارہ میں سب سے پہلا درجہ بردہ لونڈی یا غلام) کو آزاد کرنے کا ہے بردہ خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلمان مرد ہو یا عورت چھوٹا ہو یا بڑا اور خواہ کانا ہو بہرا ہو لیکن اسی قدر بہرا ہو کہ اگر اس کو با آواز بلند مخاطب کیا جائے تو سن لے اور اگر کوئی ایسا بردہ ہو کہ اسکا ایک ہاتھ اور ایک پیر کٹا ہوا ہو تو اس کو آزاد کرنا بھی درست ہوگا بشرطیکہ یہ دونوں عضو مختلف جانب کے کٹے ہوئے ہوں مثلاً اگر دایاں ہاتھ کٹا ہوا ہو تو پیر بایاں کٹا ہوا ہو اسی طرح اس مکاتب کو آزاد کرنا بھی درست ہے جس نے اپنا بدل کتابت کچھ بھی ادا نہ کیا ہو۔

جو بردہ گونگا ہو یا ایسا بہرا ہو کہ سرے سے کچھ سن ہی نہ سکتا ہو (خواہ اسے کتنی ہی بلند آواز میں مخاطب کیا جائے) تو اس کو آزاد کرنے سے کفارہ ظہار ادا نہیں ہوگا اسی طرح جس بردہ کے دونوں ہاتھ کٹے ہوئے ہوں یا دونوں پیر یا دونوں پیروں کے دونوں انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں یا ایک ہاتھ اور ایک پیر دونوں ایک ہی طرف کے کٹے ہوئے ہوں مثلاً دایاں ہاتھ بھی کٹا ہوا ہو اور دایاں پیر بھی کٹا ہوا ہو تو ایسے بردہ کو آزاد کرنا بھی کافی نہیں ہوگا ایسا بردہ جو مجنون ہو یعنی جس پر ہمیشہ دیوانگی طاری رہتی ہو یا جو مدبر یا ام ولد ہو یا ایسا مکاتب ہو جس نے بدل کتابت میں سے کچھ ادا کر دیا ہو تو ان میں سے بھی کسی کو آزاد کرنے سے کفارہ ظہار ادا نہیں ہوگا۔

مکاتب غلام کو کفارے میں آزاد کرنے کا حکم

فَإِنْ أَعْتَقَ مُكَاتَبًا لَمْ يُؤَدِّ شَيْئًا جَازَ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ. لَهُ أَنَّهُ اسْتَحَقَّ الْحُرِّيَّةَ بِجِهَةِ الْكِتَابَةِ فَأَشْبَهَ الْمُدَبَّرَ. وَلَنَا أَنَّ الرِّقَّ قَائِمٌ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ عَلَى مَا بَيَّنَّا، وَلِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "الْمُكَاتَبُ عَبْدٌ مَا بَقِيَ عَلَيْهِ دِرْهَمٌ(۱)" وَالْكِتَابَةُ لَا تُنَافِيهِ فَإِنَّهُ فَكُّ الْحَجْرِ بِمَنْزِلَةِ الْإِذْنِ فِي التِّجَارَةِ إِلَّا أَنَّهُ بِعِوَضٍ فَيَلْزَمُ مِنْ جَانِبِهِ، وَلَوْ كَانَ مَانِعًا يَنْفَسِخُ مُقْتَضَى الْإِعْتَاقِ إِذْ هُوَ يَحْتَمِلُهُ، إِلَّا أَنَّهُ تَسْلَمُ لَهُ الْأَكْسَابُ وَالْأَوْلَادُ لِأَنَّ الْعِتْقَ فِي حَقِّ الْمَحَلِّ بِجِهَةِ الْكِتَابَةِ، أَوْ لِأَنَّ الْفَسْخَ ضَرُورِيٌّ لَا يَظْهَرُ فِي حَقِّ الْوَلَدِ وَالْكَسْبِ

ترجمہ

ظہار کرنے والا شخص اگر ایسے مکاتب غلام کو آزاد کردے جس نے ابھی تک کچھ بھی ادا نہ کیا ہو تو یہ جائز ہوگا۔ امام شافعی کی دلیل اس بارے میں مختلف ہے' وہ یہ فرماتے ہیں: معاہدہ طے کرنے کے ساتھ ہی وہ غلام آزادی کا مستحق ہو چکا ہے اس لیے یہ بھی مدبر غلام کے حکم میں شمار ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے: مکاتب غلام میں ہر اعتبار سے غلامی اور ملکیت میں ہونے کی کیفیت موجود ہے' جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ ہماری دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی ہے: "مکاتب غلام کے ذمے جب تک ایک درہم کی ادائیگی بھی باقی ہو' وہ غلام ہی شمار ہوگا"۔ معاہدہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے' جو غلام ہونے کے منافی ہو' اس کی دلیل یہ ہے: معاہدہ کرنے کے ذریعے صرف (ذاتی تصرف کی) ممانعت زائل ہوتی ہے' یعنی وہ اپنی مرضی کے ذریعے کما سکتا ہے' جس طرح وہ غلام ہوتا ہے' جو تجارت کے بارے میں اختیار رکھتا ہو۔ دونوں کے درمیان بنیادی فرق یہ ہے: جس غلام کو تجارت کے بارے میں اختیار دیا گیا ہو' مالک اسے کسی بھی وقت معزول کر سکتا ہے' کیونکہ یہ اختیار کسی عوض کے بغیر ہوتا ہے' جبکہ کتابت' معاوضے کے بدلے میں ہوتی ہے' لہٰذا وہ غلام کی جانب سے لازم ہوگی' اگر کتابت آزاد کرنے کے منافی ہوتی ہے' تو بھی کفارے میں آزاد کرنے کے نتیجے میں کتابت کا معاہدہ فسخ ہو جائے گا' کیونکہ اس کا احتمال تو موجود ہے البتہ اتنا ضرور ہوگا' مکاتب غلام کی کمائی اور اس کی اولاد محفوظ اور سالم رہیں گے اس کی دلیل یہ ہے: اس کی ذات میں آزادی کتابت کے اعتبار سے پیدا ہوئی تھی' یا اس کی دلیل یہ ہوگی: کتابت ضرورت کے پیش نظر فسخ قرار دی گئی ہے' لہٰذا اس کی اولاد اور کمائی کے حق میں اس کا اثر ظاہر نہیں ہوگا۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

لونڈی کے شکم میں بچہ ہے اُس کو کفارہ میں آزاد کیا تو نہ ہوا۔ اس کے غلام کو کسی نے غصب کیا اس مالک نے آزاد کردیا تو ہوگیا

(۱) أخرجه أبو داود في "سننه" ٤/٢٤٢ برقم (٣٩٢٦) عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده عن النبي ﷺ۔

اور ام ولد و مدبر و مکاتب جس نے بدل کتابت کچھ ادا نہ کیا ہو یا کچھ ادا کیا مگر پورا ادا کرنے سے عاجز ہو گیا تو اُسے آزاد کرنے سے کفارہ ادا ہو گیا۔ (درمختار، باب کفار و ظہار)

حضرت عمرو بن شعیب، اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مکاتب اس وقت تک غلام ہی ہے جب تک کہ اس کے بدل کتابت میں سے ایک درہم بھی باقی ہے۔ سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 535

عمرو بن شعیب، اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو بھی غلام جس نے عہد کتابت کیا سو اوقیہ چاندی پر اس نے اسے ادا کر دیا سوائے دس اوقیہ چاندی کے تو وہ غلام ہی ہے، اور جس غلام نے عہد کتابت سو دینار پر اور پھر سوائے دس دینار کے سب ادا کر دیئے تب بھی غلام ہی ہے۔ سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 536

بہان، سلمہ جو ام المومنین حضرت سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکاتب تھے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ام سلمہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا کوئی مکاتب ہو اس مکاتب کے پاس بدل کتابت کا مقررہ مال موجود ہو تو اسے چاہیے کہ اس مکاتب سے پردہ کرے۔ سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 537

خواہ وہ مومن ہو یا کافر، صغیر ہو یا کبیر، مرد ہو یا عورت، البتہ مُدبّر اور اُمِ ولد اور ایسا مکاتب جائز نہیں جس نے بدلِ کتابت میں سے کچھ ادا کیا ہو۔

عروہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں بتلایا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو باندی تھیں) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اپنے بدل کتابت میں مدد طلب کرنے کے لیے آئی اور ابھی انہوں نے اپنے بدل کتابت میں سے کچھ ادا نہیں کیا تھا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے فرمایا کہ تم اپنے مالکان کے پاس جاؤ اگر وہ پسند کریں کہ میں تمہارا سارا بدل کتابت ادا کر دوں اور تمہاری ولا میری ہو تو میں یہ کرلوں، حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مالکان سے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے انکار دیا، اور کہنے لگے کہ اگر وہ اللہ فی اللہ ایسا کرنا چاہیں تو کریں لیکن تمہاری ولا ہماری ہی ہوگی انہوں نے اس کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تم اسے خرید لو اور آزاد کر دو، پس بیشک ولا اسی کی ہے جو آزاد کرے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ لوگوں کا کیا حال ہے جو ایسی شرائط نہیں کہ جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہے جس شخص نے ایسی شرط لگائی جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہے تو وہ اگرچہ سو مرتبہ شرط لگائے لیکن اللہ تعالیٰ کی شرط زیادہ صحیح اور مضبوط ہے۔ سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 538 حدیث متواتر

غلام نے اگر اپنی عورت سے ظہار کیا اگرچہ مکاتب ہو یا اُسکا کچھ حصہ آزاد ہو چکا باقی کے لیے سعایت کرتا ہو (وہ غلام جو ثمن کا ادا کرنے کرنے کیلئے محنت و مزدوری کرے تا کہ وہ قیمت ادا کر کے آزاد ہو جائے) یا آزاد نے ظہار کیا مگر بدلیل کم عقلی کے اُس کے تصرفات روک دیے گئے ہوں تو ان سب کے لیے کفارے میں روزے رکھنا معین ہے ان کے لیے غلام آزاد کرنا یا کھانا کھلانا

نہیں لہذا اگر غلام کے آقا نے اُس کی طرف سے غلام آزاد کر دیا یا کھانا کھلا دیا تو یہ کافی نہیں اگرچہ غلام کی اجازت سے ہو اور کفارہ کے روزوں سے اُسکا آقا منع نہیں کرسکتا اور اگر غلام نے کفارہ کے روزے ابتک نہیں رکھے اور اب آزاد ہوگیا تو اگر غلام آزاد کرنے پر قدرت ہو تو آزاد کرے ورنہ روزے رکھے۔ (عالم گیری، کتاب طلاق)

باپ یا بیٹے کو کفارے کی ادائیگی کے لئے خریدنے کا حکم

﴿وَإِنْ اشْتَرَى اَبَاهُ اَوْ ابْنَهُ يَنْوِي بِالشِّرَاءِ الْكَفَّارَةَ جَازَ عَنْهَا﴾ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا يَجُوزُ وَعَلَى هٰذَا الْخِلَافِ كَفَّارَةُ الْيَمِينِ وَالْمَسْاَلَةُ تَاْتِيك فِي كِتَابِ الْاَيْمَانِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ

ترجمہ

اور اگر ظہار کرنے والا شخص اپنے باپ یا بیٹے (جو کہ کسی اور کے غلام ہوں) کو اس نیت کے ساتھ خرید لے کہ میں کفارے میں انہیں آزاد کردوں گا' تو ایسا کرنا جائز ہوگا۔ امام شافعی کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔ اسی طرح قسم کے کفارے میں اگر اس نوعیت کا غلام آزاد کیا جائے' تو اس بارے میں ہمارے اور امام شافعی کے درمیان اسی نوعیت کا اختلاف ہوگا' جس کی تفصیل' اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا' تو ہم قسموں سے متعلق باب میں تحریر کریں گے۔

شرح

حضرت سمرہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ذی رحم محرم کا مالک ہوجائے تو وہ (مملوک) آزاد ہوجائے گا۔ سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 558

مشترک غلام کے نصف حصے کو آزاد کرنے کا حکم

وَاِنْ اَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدٍ مُشْتَرَكٍ وَهُوَ مُوسِرٌ وَضَمِنَ قِيمَةَ بَاقِيهِ لَمْ يَجُزْ عِنْدَ اَبِي حَنِيفَةَ وَيَجُوزُ عِنْدَهُمَا لِاَنَّهُ يَمْلِكُ نَصِيبَ صَاحِبِهِ بِالضَّمَانِ فَصَارَ مُعْتِقًا كُلَّ الْعَبْدِ عَنْ الْكَفَّارَةِ وَهُوَ مِلْكُهُ، بِخِلَافِ مَا اِذَا كَانَ الْمُعْتِقُ مُعْسِرًا لِاَنَّهُ وَجَبَ عَلَيْهِ السِّعَايَةُ فِي نَصِيبِ الشَّرِيكِ فَيَكُونُ اِعْتَاقًا بِعِوَضٍ. وَلِاَبِي حَنِيفَةَ اَنَّ نَصِيبَ صَاحِبِهِ يَنْتَقِصُ عَلَى مِلْكِهِ ثُمَّ يَتَحَوَّلُ اِلَيْهِ بِالضَّمَانِ وَمِثْلُهُ يَمْنَعُ الْكَفَّارَةَ ﴿فَاِنْ اَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدِهِ عَنْ كَفَّارَتِهِ ثُمَّ اَعْتَقَ بَاقِيَهُ عَنْهَا جَازَ﴾ لِاَنَّهُ اَعْتَقَهُ بِكَلَامَيْنِ وَالنُّقْصَانُ مُتَمَكِّنٌ عَلَى مِلْكِهِ بِسَبَبِ الْاِعْتَاقِ بِجِهَةِ الْكَفَّارَةِ وَمِثْلُهُ غَيْرُ مَانِعٍ، كَمَنْ اَضْجَعَ شَاةً لِلْاُضْحِيَّةِ فَاَصَابَ السِّكِّينُ عَيْنَهَا،

بِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ لِأَنَّ النُّقْصَانَ تَمَكَّنَ عَلَى مِلْكِ الشَّرِيكِ وَهَذَا عَلَى أَصْلِ أَبِي حَنِيفَةَ. أَمَّا عِنْدَهُمَا فَالْإِعْتَاقُ لَا يَتَجَزَّأُ، فَإِعْتَاقُ النِّصْفِ إِعْتَاقُ الْكُلِّ فَلَا يَكُونُ إِعْتَاقًا بِكَلَامَيْنِ

ترجمہ

اور اگر ظہار کرنے والا شخص کسی ایسے غلام کا نصف حصہ آزاد کر دے جو دو مالکوں کے درمیان مشترک تھا' تو آزاد کرنے والا شخص اگر صاحب حیثیت ہو اور اس غلام کی بقیہ نصف قیمت بھی اپنے ذمے لے' تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایسا کرنا جائز نہیں ہوگا' لیکن صاحبین کے نزدیک ایسا کرنا درست ہے۔ان کی دلیل یہ ہے: ظہار کرنے والے شخص نے جب اپنے شراکت دار کے نصف حصے کی قیمت اپنے ذمے لی تو گویا وہ پورے غلام کا مالک بن گیا اور اس نے کفارے میں مکمل غلام کو آزاد کر دیا جو کہ پورا اس کی ملکیت میں تھا۔لیکن اگر ظہار کرنے والا شخص صاحب حیثیت نہ ہو' تو ایسا کرنا جائز نہیں ہوگا' کیونکہ ایسی صورت میں اس غلام کو اپنی بقیہ نصف قیمت کما کر دوسرے مالک کو ادا کرنا ہوگی' تو یہ آزادی عوض کے بدلے میں ہوگی۔امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے: دوسرے شراکت دار کا حصہ اس کی ملکیت میں ناقص طور پر ہوگا اور یہ حصہ ضمانت لینے پر آزاد ہوگا' اس قسم کا نقص کفارے کی ادائیگی میں رکاوٹ ہوتا ہے۔اگر کوئی شخص اپنے غلام کا نصف حصہ کفارے کے طور پر آزاد کر دے' اور بعد میں بقیہ نصف حصہ بھی آزاد کر دے' تو ایسا کرنا جائز ہوگا۔اس کی دلیل یہ ہے: اس نے اپنے غلام کو دو جملوں کے ذریعے آزاد کیا ہے اور اس نوعیت کا نقصان کفارے کے جواز میں رکاوٹ نہیں ہوتا' کیونکہ اس کی ملکیت میں جو نقصان پیدا ہوا تھا وہ کفارے میں آزاد کرنے کے اعتبار سے تھا اور اس نوعیت کی مثال رکاوٹ نہیں ہوتی۔جیسے کوئی شخص قربانی کے جانور کو لٹائے اور پھر چھری اس جانور کی آنکھ میں لگ جائے (تو وہ جانور عیب والا شمار نہیں ہوگا) لیکن جو صورت پہلے گزری ہے' اس کا حکم اس سے مختلف ہے' اس کی دلیل یہ ہے: یہ نقصان شراکت دار کی ملکیت میں پیدا ہوا ہے' یہ حکم امام ابوحنیفہ کی اصل کے مطابق ہے۔جبکہ صاحبین کے اصول کے مطابق آزادی کے اجزاء نہیں ہو سکتے لہٰذا نصف کو آزاد کرنا ہی پورے کو آزاد کرنا شمار ہوگا یہ آزاد کرنا دو کلام کے نتیجے میں نہیں ہوگا۔

شرح

بشیر بن نہیک سے روایت ہے کہ ایک شخص نے غلام (مشترک) میں سے اپنے حصے کو آزاد کر دیا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے آزاد کرنے کو جائز قرار دیا اور باقی غلام کی قیمت بطور تاوان مالک کو دلوائی (کیونکہ آدھا آزاد ہو آدھا غلام) یہ ناممکن ہے لہٰذا اعتق تو جائز ہے البتہ آزاد کرنے والا اپنے شریک کے حصہ کی قیمت اپنے شریک کو ادا کرے گا۔سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 543

نصف غلام آزاد کرنے کے بعد صحبت کرنے کا حکم

﴿وَإِنْ أَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدِهِ عَنْ كَفَّارَتِهِ ثُمَّ جَامَعَ الَّتِي ظَاهَرَ مِنْهَا ثُمَّ أَعْتَقَ بَاقِيَهُ لَمْ يَجُزْ

عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ﴾ لِاَنَّ الْاِعْتَاقَ یَتَجَزَّاُ عِنْدَہٗ، وَشَرْطُ الْاِعْتَاقِ اَنْ یَّکُوْنَ قَبْلَ الْمَسِیْسِ بِالنَّصِّ، وَاِعْتَاقُ النِّصْفِ حَصَلَ بَعْدَہٗ، وَعِنْدَھُمَا اِعْتَاقُ النِّصْفِ اِعْتَاقُ الْکُلِّ فَحَصَلَ الْکُلُّ قَبْلَ الْمَسِیْسِ .

﴿وَاِذَا لَمْ یَجِدِ الْمُظَاھِرُ مَا یَعْتِقُ فَکَفَّارَتُہٗ صَوْمُ شَھْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ لَیْسَ فِیْھِمَا شَھْرُ رَمَضَانَ وَلَا یَوْمُ الْفِطْرِ وَلَا یَوْمُ النَّحْرِ وَلَا اَیَّامُ التَّشْرِیْقِ﴾ اَمَّا التَّتَابُعُ فَلِاَنَّہٗ مَنْصُوْصٌ عَلَیْہِ وَشَھْرُ رَمَضَانَ لَا یَقَعُ عَنِ الظِّھَارِ لِمَا فِیْہِ مِنْ اِبْطَالِ مَا اَوْجَبَہُ اللّٰہُ وَالصَّوْمُ فِیْ ھٰذِہِ الْاَیَّامِ مَنْھِیٌّ عَنْہُ فَلَا یَنُوْبُ عَنِ الْوَاجِبِ الْکَامِلِ .

ترجمہ

اگر کوئی شخص اپنے نصف غلام کو کفارے کے طور پر آزاد کرنے کے بعد اس عورت کے ساتھ صحبت کر لے جس کے ساتھ اس نے ظہار کیا تھا اور پھر بقیہ غلام کو آزاد کر دے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے: امام ابوحنیفہ کے نزدیک آزاد کرنا اجزاء میں ہو سکتا ہے اور آزاد کرنے کے لئے نص میں یہ بات شرط ہے: وہ صحبت کرنے سے پہلے ہو تو یہاں نصف آزادی صحبت کے بعد حاصل ہوئی ہے۔ صاحبین کے نزدیک نصف کو آزاد کرنا ہی پورے کو آزاد کرنا ہے لہٰذا مکمل آزادی صحبت سے پہلے حاصل ہوگئی ہے۔

جب ظہار کرنے والے شخص کو آزاد کرنے کے لئے (کوئی غلام یا کنیز) نہ ملے تو اس کا کفارہ یہ ہے: وہ لگاتار دو مہینے تک روزے رکھے جن کے درمیان رمضان نہ ہو عید الفطر کا دن نہ ہو اور عید الاضحیٰ کا دن نہ ہو اور ایام تشریق نہ ہوں۔ مسلسل روزے رکھنا قرآن پاک کی نص سے ثابت ہے اور رمضان کے مہینے میں ظہار کے روزے نہیں رکھے جا سکتے کیونکہ اس صورت میں اس چیز کو باطل قرار دینا لازم آئے گا جسے اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے جبکہ ان ایام میں (یعنی عید الفطر عید الاضحیٰ اور ایام تشریق میں) روزے رکھنا منع ہے لہٰذا یہ کامل واجب کے قائم مقام نہیں ہو سکتے۔

شرح

— ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنا حصہ (مشترک) غلام میں سے آزاد کر دیا تو اس کی ذمہ داری ہے کہ اسے پورا آزاد کرے اگر اس کے پاس مال ہو (اس کی قیمت ادا کرنے کے لیے بقیہ) اور اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو غلام سے محنت کروائی جائے گی بغیر مشقت ڈالے۔ (سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 546)

کفارہ ظہار کے دوران جماع کرنے کو کا بیان

﴿فَاِنْ جَامَعَ الَّتِیْ ظَاھَرَ مِنْھَا فِیْ خِلَالِ الشَّھْرَیْنِ لَیْلًا عَامِدًا اَوْ نَھَارًا نَاسِیًا اسْتَاْنَفَ

الصَّوْمَ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَمُحَمَّدٍ﴾ وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ :لَا یَسْتَاْنِفُ لِاَنَّهٗ لَا یَمْنَعُ التَّتَابُعَ، اِذْ لَا یَفْسُدُ بِهِ الصَّوْمُ وَهُوَ الشَّرْطُ، وَاِنْ کَانَ تَقْدِیْمُهٗ عَلَی الْمَسِیْسِ شَرْطًا فَفِیْمَا ذَهَبْنَا اِلَیْهِ تَقْدِیْمُ الْبَعْضِ وَفِیْمَا قُلْتُمْ تَاْخِیْرُ الْکُلِّ عَنْهُ .

وَلَهُمَا اَنَّ الشَّرْطَ فِی الصَّوْمِ اَنْ یَّکُوْنَ قَبْلَ الْمَسِیْسِ وَاَنْ یَّکُوْنَ خَالِیًا عَنْهُ ضَرُوْرَةً بِالنَّصِّ، وَهٰذَا الشَّرْطُ یَنْعَدِمُ بِهٖ فَیَسْتَاْنِفُ ﴿وَاِنْ اَفْطَرَ مِنْهَا یَوْمًا بِعُذْرٍ اَوْ بِغَیْرِ عُذْرٍ اسْتَاْنَفَ﴾ لِفَوَاتِ التَّتَابُعِ وَهُوَ قَادِرٌ عَلَیْهِ عَادَةً ﴿وَاِنْ ظَاهَرَ الْعَبْدُ لَمْ یَجْزِ فِی الْکَفَّارَةِ اِلَّا الصَّوْمُ﴾ لِاَنَّهٗ لَا مِلْكَ لَهٗ فَلَمْ یَکُنْ مِنْ اَهْلِ التَّکْفِیْرِ بِالْمَالِ ﴿وَاِنْ اَعْتَقَ الْمَوْلٰی اَوْ اَطْعَمَ عَنْهُ لَمْ یَجْزِهٖ﴾ لِاَنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِ الْمِلْكِ فَلَا یَصِیْرُ مَالِکًا بِتَمْلِیْکِهٖ .

ترجمہ

اور جب دو ماہ کے دوران کسی رات میں ظہار کرنے والے شخص نے جان بوجھ کر یا دن کے وقت بھول کر اس عورت کے ساتھ صحبت کر لی جس کے ساتھ ظہار کیا تھا' تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ نئے سرے سے روزے رکھنا شروع کرے گا۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں: وہ نئے سرے سے شروع نہیں کرے گا۔ اس کی دلیل یہ ہے: صحبت روزوں کے مسلسل ہونے میں رکاوٹ نہیں ہے' اس کی دلیل یہ ہے: صحیح صحبت کے نتیجے میں روزہ فاسد نہیں ہوتا اور اصل شرط یہی ہے: روزے مسلسل ہوں ان میں کوئی فرق نہیں آیا' جہاں تک روزوں کے صحبت سے پہلے ہونے کا تعلق ہے' تو اگر یہ بات شرط بھی ہو' تو جو صورت ہم نے اختیار کی ہے اس میں کئی روزے صحبت سے پہلے پائے جا رہے ہیں' جبکہ آپ کی اختیار کردہ صورت کے مطابق تمام روزے صحبت کے بعد ہوں گے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے: کفارے کے روزوں کے لئے دو باتیں شرط ہیں' ایک تو یہ کہ وہ تمام روزے صحبت کرنے سے پہلے ہوں اور دوسری یہ بات شرط ہے: ان روزوں کے دوران صحبت نہ ہو۔ اگر کوئی شخص ان روزوں کے دوران صحبت کر لیتا ہے تو یہاں دوسری شرط معدوم ہو جائے گی' لہٰذا اسے نئے سرے سے روزے رکھنے ہوں گے۔ اگر وہ شخص ان میں سے کسی ایک دن کسی عذر کی دلیل سے یا کسی عذر کے بغیر روزہ ترک کر دیتا ہے' تو وہ نئے سرے سے روزے رکھنا شروع کرے گا' کیونکہ یہاں مسلسل کا مفہوم فوت ہو گیا ہے اور وہ شخص عادت کے اعتبار سے اس پر قدرت رکھتا تھا۔ اگر کسی غلام نے ظہار کر لیا تو اس کے لئے کفارہ صرف روزے رکھنا ہو گا اس کی دلیل یہ ہے: کوئی چیز اس کی ملکیت نہیں ہے اس لیے وہ مال کے ذریعے کفارہ ادا نہیں کر سکتا۔ اگر آقا اس کی طرف سے غلام آزاد کر دے یا اس کی طرف سے کھانا کھلا دے' تو یہ بھی جائز نہیں ہو گا' کیونکہ وہ غلام ملکیت کا اہل ہی نہیں ہے' لہٰذا وہ آقا کے مالک بنانے سے بھی مالک نہیں ہو گا۔

ظہار سے حرمت دلیل کا بیان

حضرت امام شافعی کا مطلب یہ ہے کہ ظہار کیا پھر اس عورت کو روک رکھا یہاں تک کہ اتنا زمانہ گزر گیا کہ اگر چاہتا تو اس میں باقاعدہ طلاق دے سکتا تھا لیکن طلاق نہ دی۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ پھر لوٹنے جماع کی طرف یا ارادہ کرے تو یہ حلال نہیں تاوقتیکہ مذکورہ کفارہ ادا نہ کرے۔

امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مراد اس سے جماع کا ارادہ یا پھر بسانے کا عزم یا جماع ہے۔ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ وغیرہ کہتے ہیں مراد ظہار کی طرف لوٹنا ہے اس کی حرمت اور جاہلیت کے حکم کے اٹھ جانے کے بعد پس جو شخص اب ظہار کرے گا اس پر اس کی بیوی حرام ہو جائے گی جب تک کہ یہ کفارہ ادا نہ کرے،

حضرت سعید فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ جس چیز کو اس نے اپنی جان پر حرام کر لیا تھا اب پھر اس کام کو کرنا چاہے تو اس کا کفارہ ادا کرے۔

حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ مجامعت کرنا چاہے ورنہ اور طرح چھونے میں قبل کفارہ کے بھی ان کے نزدیک کوئی حرج نہیں۔ ابن عباس وغیرہ فرماتے ہیں یہاں مس سے مراد صحبت کرنا ہے۔ زہری فرماتے ہیں کہ ہاتھ لگانا پیار کرنا بھی کفارہ کی ادائیگی سے پہلے جائز نہیں۔

کفارہ ظہار سے قبل جماع کرنے میں اعادہ کفارہ کے عدم پر فقہی مذاہب اربعہ

حضرت سلمہ بن صخر بیاضی سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص ظہارہ کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کرے اس پر ایک کفارہ ہے یہ حدیث حسن غریب ہے اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے سفیان، ثوری، مالک، شافعی، احمد، اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے بعض اہل علم کے نزدیک ایسے شخص پر دو کفارہ واجب ہیں۔ عبدالرحمن بن مہدی کا بھی یہی قول ہے۔ جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1210

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی سے ظہار کرنے کے بعد اس سے صحبت کر بیٹھا پھر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تھا اور کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس سے صحبت کر لی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تم پر رحم کرے تمہیں کس چیز نے اس پر مجبور کیا وہ کہنے لگا میں نے چاند کی روشنی میں اس کی پازیب دیکھ لی تھی نبی ﷺ نے فرمایا اب اللہ کا حکم (کفارہ ادا) پورا کرنے سے پہلے اس کے پاس نہ جانا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1211

اکثر علماء کا یہی مسلک ہے کہ اگر کوئی شخص ظہار کرے اور پھر کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کر لے تو اس پر بھی ایک ہی کفارہ واجب ہوگا لیکن بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کر لینے کی صورت میں دو کفارے واجب ہو جاتے ہیں۔

اگر کوئی شخص اپنی ایک سے زائد دو یا تین اور چار بیویوں سے ظہار کرے یعنی ان سب سے یوں کہے کہ تم سب مجھ پر میری ماں

کی پیٹھ کی مانند حرام ہو تو اس صورت میں متفقہ طور پر تمام علماء یہ کہتے ہیں کہ وہ شخص ان سب سے ظہار کرنے والا ہو جاتا ہے البتہ اس بارے میں اختلافی اقوال ہیں کہ اس پر کفارہ ایک واجب ہوگا یا کئی واجب ہوں گے۔

چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام شافعی کے نزدیک تو اس پر کئی کفارے واجب ہوں گے یعنی وہ ان بیویوں میں سے جس کسی کے ساتھ بھی جماع کا ارادہ کرے گا پہلے کفارہ ادا کرنا واجب ہوگا حسن، زہری اور ثوری وغیرہ کا بھی یہی قول ہے جبکہ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ اور حضرت امام احمد یہ فرماتے ہیں کہ اس پر ایک ہی کفارہ واجب ہوگا یعنی وہ پہلے ایک کفارہ ادا کردے اس کے بعد ہر بیوی کے ساتھ جماع کرنا جائز ہوگا۔

حضرت عکرمہ، حضرت ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کیا اور پھر کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کرلیا اس کے بعد وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ ذکر کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ کس چیز نے تمہیں ایسا کرنے پر آمادہ کیا یعنی کیا دلیل پیش آئی کہ تم کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کر بیٹھے اس نے عرض کیا کہ چاندنی میں اس کی پازیب کی سفیدی پر میری نظر پڑ گئی اور میں جماع کرنے سے پہلے اپنے آپ کو نہ روک سکا۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنس دیئے۔ اور اس کو یہ حکم دیا کہ اب دوبارہ اس سے اس وقت تک جماع نہ کرنا جب تک کفارہ ادا نہ کرو (ابن ماجہ) ترمذی نے بھی اسی طرح کی یعنی اس کے ہم معنی روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے، نیز ابوداؤد اور نسائی نے اس طرح کی روایت مسند اور مرسل نقل کی ہے اور نسائی نے کہا ہے کہ مسند کی بہ نسبت مرسل زیادہ صحیح ہے۔

کفارات متفرقہ کے فرق کا بیان

یہ احکام جو کفارہ کے متعلق بیان کیے گئے یعنی غلام آزاد کرنے اور روزے رکھنے کے متعلق یہ ظہار کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر کفارہ کے یہی احکام ہیں۔ مثلاً قتل کا کفارہ یا روزہ رمضان توڑنے کا کفارہ، قسم کا کفارہ مگر قسم کے کفارہ میں تین روزے ہیں۔ اور یہ حکم کہ روزہ توڑ دیا تو سرے سے رکھنے ہونگے کفارہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ جہاں پے در پے کی شرط ہو مثلاً پے در پے روزوں کی منت مانی تو یہاں بھی یہی حکم ہے البتہ اگر عورت نے رمضان کا روزہ توڑ دیا اور کفارہ میں روزے رکھ رہی تھی اور حیض آ گیا تو سرے سے رکھنے کا حکم نہیں بلکہ جتنے باقی ہیں اُن کا رکھنا کافی ہے۔ ہاں اگر اس حیض کے بعد آئسہ ہوگئی یعنی اب ایسی عمر ہوگئی کہ حیض نہ آئے گا تو سرے سے رکھنے کا حکم دیا جائے گا کہ اب وہ پے در پے دو مہینے کے روزے رکھ سکتی ہے اور اگر اثنائے کفارہ میں عورت کے بچہ ہوا تو سرے سے رکھے۔ ظہار و غیر ظہار کے کفاروں میں ایک اور فرق ہے وہ یہ کہ غیر ظہار کے کفارے میں اگر رات میں وطی کی یا دن میں بھول کر کی تو سرے سے روزے رکھنے کی حاجت نہیں۔ یونہی ظہار کے روزوں میں اگر بھول کر کھالیا یا دوسری عورت سے بھول کر جماع کیا یا رات میں قصداً جماع کیا تو سرے سے رکھنے کی حاجت نہیں۔ (درمختار، کتاب طلاق، باب کفارہ)

کفارے کے روزوں میں قمری مہینوں میں مذاہب اربعہ

اس امر پر اتفاق ہے کہ مہینوں سے مراد ہلالی مہینے ہیں۔ اگر طلوع ہلال سے روزوں کا آغاز کیا جائے تو دو مہینے پورے کرنے ہوں گے۔ اگر بیچ میں کسی تاریخ سے شروع کیا جائے تو حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ 60 روزے رکھنے چاہئیں۔ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ پہلے اور تیسرے مہینے میں مجموعی طور پر 30 روزے رکھ اور بیچ کا ہلالی مہینہ خواہ 29 کا ہو یا 30 کا، اس کے روزے رکھ لینے کافی ہیں۔

حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ روزے ایسے وقت شروع کرنے چاہئیں جب کہ بیچ میں نہ رمضان آئے نہ عیدین نہ یوم النحر اور ایام تشریق، کیونکہ کفارہ کے روزے رکھنے کے دوران میں رمضان کے روزے رکھنے اور عیدین اور یوم النحر اور ایام تشریق کے روزے چھوڑنے سے دو مہینے کا تسلسل ٹوٹ جائے گا اور نئے سرے سے روزے چھوڑنے سے دو مہینے کا تسلسل ٹوٹ جائے گا اور نئے سرے سے روزے پڑیں گے۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ بیچ میں رمضان کے روزے رکھنے اور حرام دنوں کے روزے نہ رکھنے سے تسلسل نہیں ٹوٹتا۔

دو مہینوں کے دوران میں خواہ آدمی کسی عذر کی بنا پر روزہ چھوڑے یا بلا عذر، دونوں صورتوں میں حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک تسلسل ٹوٹ جائے گا اور نئے سرے سے روزے رکھنے ہوں گے۔ یہی دلیل امام محمد علیہ الرحمہ باقر، ابراہیم نخعی، سعید بن جبیر اور سفیان ثوری کی ہے۔ امام مالک علیہ الرحمہ اور امام احمد کے نزدیک مرض یا سفر کے عذر سے بیچ میں روزہ چھوڑا جا سکتا ہے اور اس سے تسلسل نہیں ٹوٹتا، البتہ بلا عذر روزہ چھوڑ دینے سے ٹوٹ جاتا ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ کفارہ کے روزے رمضان کے فرض روزوں زیادہ موکد نہیں ہیں۔ جب ان کو عذر کی بنا پر چھوڑا جا سکتا ہے تو کوئی دلیل نہیں کہ ان کو نہ چھوڑا جا سکے۔ یہی قول حضرت عبداللہ بن عباس، حسن بصری، عطاء بن ابی رباح، سعید بن المسیب، عمرو بن دینار، شعبی طاؤس، مجاہد، اسحاق بن راہویہ، ابو عبید اور ابو ثور ہے۔

دو مہینوں کے دوران میں اگر آدمی اس بیوی سے مباشرت کر بیٹھے جس سے اس نے ظہار کیا ہو، تو تمام ائمہ کے نزدیک اس کا تسلسل ٹوٹ جائے گا اور نئے سرے سے روزے رکھنے ہوں گے کیونکہ ہاتھ لگانے سے پہلے دو مہینے کے مسلسل روزے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

قرآن اور سنت کی رو سے تیسرا کفارہ (یعنی 60 مسکینوں کا کھانا) وہ شخص دے سکتا ہے جو دوسرے کرنے (دو مہینے کے مسلسل روزوں) کی قدرت نہ رکھتا ہو۔

کفارہ ظہار میں ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا بیان

﴿وَاِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ الْمُظَاهِرُ الصِّيَامَ اَطْعَمَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا﴾ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿فَمَنْ لَّمْ

يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا﴾ ﴿وَيُطْعِمُ كُلَّ مِسْكِيْنٍ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيْرٍ أَوْ قِيمَةَ ذٰلِكَ﴾ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِيْ حَدِيْثِ أَوْسِ بْنِ الصَّامِتِ وَسَهْلِ بْنِ صَخْرٍ[1]: ﴿لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ[2]﴾ وَلِأَنَّ الْمُعْتَبَرَ دَفْعُ حَاجَةِ الْيَوْمِ لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ فَيُعْتَبَرُ بِصَدَقَةِ الْفِطْرِ، وَقَوْلُهُ أَوْ قِيمَةَ ذٰلِكَ مَذْهَبُنَا وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي الزَّكَاةِ

ترجمہ

اگر ظہار کرنے والا شخص روزے رکھنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے گا۔اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:''جو شخص اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے''۔وہ ہر مسکین کو گندم کا نصف صاع یا کھجور اور جو کا ایک صاع کھلائے گا یا پھر اس کی قیمت دے گا۔اس کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: جو حضرت اوس بن صامت اور حضرت سہل بن صخر کی حدیث میں ہے۔''ہر مسکین کو گندم کا نصف صاع ملے گا''اس کی دلیل یہ بھی ہے: اصل اعتبار اس بات کا ہوگا' ہر مسکین کی ایک دن کی ضرورت پوری کی جائے' تو اس بارے میں صدقہ فطر پر قیاس کیا جائے گا۔مصنف کا یہ کہنا: یا اس کی قیمت دی جائے گی' یہ ہمارا مذہب ہے اور ہم یہ بات (اس سے پہلے) کتاب الزکوۃ میں ذکر کر چکے ہیں

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کفارہ ظہار ادا کرنے والے میں روزے رکھنے پر بھی قدرت نہ ہو کہ بیمار ہے اور اچھے ہونے کی امید نہیں یا بہت بوڑھا ہے تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے اور یہ اختیار ہے کہ ایک دم سے ساٹھ مسکینوں کو کھلاوے یا متفرق طور پر، مگر شرط یہ ہے کہ اس اثنا میں روزے پر قدرت حاصل نہ ہو ورنہ کھلانا صدقۂ نفل ہوگا اور کفارہ میں روزے رکھنے ہونگے۔اور اگر ایک وقت ساٹھ کو کھلایا دوسرے وقت ان کے سوا دوسرے ساٹھ کو کھلایا تو ادا نہ ہوا بلکہ ضرور ہے کہ پہلوں یا پچھلوں کو پھر ایک وقت کھلائے۔ (درمختار، باب کفارہ ظہار)

علامہ ابن عابدین آفندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں، شرط یہ ہے کہ جن مسکینوں کو کھانا کھلایا ہو اُن میں کوئی نابالغ غیر مراہق نہ ہو ہاں اگر ایک جوان کی پوری خوراک کا اُسے مالک کر دیا تو کافی ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہر مسکین کو بقدر صدقہ فطر یعنی نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جَو یا ان کی قیمت کا مالک کر دیا جائے مگر اباحت کافی نہیں اور انھیں لوگوں کو دے سکتے ہیں جنھیں صدقہ فطر دے

۔(۱) قال الامام الزيلعي في "نصب الراية" ۲۳۷/۳ هكذا وقع في "الهداية" و صوابه: وسلمة بن صخر، قال الحافظ ابن حجر ۷٦/۲: ولم اقف في شيء من طرقه على مضمون الترجمة۔(۲) أخرجه الطبراني في "معجمه" من حديث أوس بن الصامت و أبو داود في "سننه" برقم(۲۲۱٤)

سکتے ہیں جن کی تفصیل صدقہ فطر کے بیان میں مذکور ہوئی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صبح کو کھلاوے اور شام کے لیے قیمت دیدے یا شام کو کھلاوے اور صبح کے کھانے کی قیمت دیدے یا دو دن صبح کو یا شام کو کھلاوے یا تیس کو کھلائے اور تیس کو دیدے غرض یہ کہ ساٹھ کی تعداد جس طرح چاہے پوری کرے اس کا اختیار ہے یا پاؤ صاع گیہوں اور نصف صاع جو دیدے یا کچھ گیہوں یا جو دے باقی کی قیمت ہر طرح اختیار ہے۔

کھلانے میں پیٹ بھر کر کھلانا شرط ہے اگرچہ تھوڑے ہی کھانے میں آسودہ ہوجائیں اور اگر پہلے ہی سے کوئی آسودہ تھا تو اُس کا کھانا کافی نہیں اور بہتر یہ ہے کہ گیہوں کی روٹی اور سالن کھلائے اور اس سے اچھا کھانا ہو تو اور بہتر اور جو کی روٹی ہو تو سالن ضروری ہے۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ایک مسکین کو ساٹھ دن تک دونوں وقت کھلایا یا ہر روز بقدر صدقہ فطر اُسے دیدیا جب بھی ادا ہوگیا اور اگر ایک ہی دن میں ایک مسکین کو سب دیدیا یا ایک دفعہ میں یا ساٹھ دفعہ کر کے یا اُس کو سب بطور اباحت دیا تو صرف اُس ایک دن کا ادا ہوا۔ یونہی اگر تیس مساکین کو ایک ایک صاع گیہوں دیے یا دو دو صاع جو تو صرف تیس کو دینا قرار پائیگا یعنی تیس مساکین کو پھر دینا پڑے گا یہ اُس صورت میں ہے کہ ایک دن میں دیے ہوں اور دو دنوں میں دیے تو جائز ہے۔ ساٹھ مساکین کو پاؤ پاؤ صاع گیہوں دیے تو ضرور ہے کہ ان میں ہر ایک کو اور پاؤ پاؤ صاع دے اور اگر ان کی عوض میں اور ساٹھ مساکین کو پاؤ پاؤ صاع دیے تو کفارہ ادا نہ ہوا۔ ایک سو بیس مساکین کو ایک وقت کھانا کھلا دیا تو کفارہ ادا نہ ہوا بلکہ ضرور ہے کہ ان میں سے ساٹھ کو پھر ایک وقت کھلائے خواہ اُسی دن یا کسی دوسرے دن اور اگر وہ نہ ملیں تو دوسرے ساٹھ مساکین کو دونوں وقت کھلائے۔ (درمختار، کتاب طلاق، باب ظہار)

روزوں پر عدم قدرت کے اعتبار میں فقہی مذاہب اربعہ

ائمہ اربعہ کے نزدیک روزوں پر قادر نہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ آدمی یا تو بڑھاپے کی دلیل سے قادر نہ ہو، یا مرض کے سبب سے، یا اس سبب سے کہ وہ مسلسل دو مہینے تک مباشرت سے پرہیز نہ کرسکتا ہو اور اسے اندیشہ ہو کہ اس دوران میں کہیں بے صبری نہ کر بیٹھے۔ ان تینوں عذرات کا صحیح ہونا اس احادیث سے ثابت ہے جو اَوس بن صامت انصاری اور سلمہ بن صخر بیاضی کے معاملہ میں وارد ہوئی ہیں۔ البتہ مرض کے معاملہ میں فقہاء کے درمیان تھوڑا سا اختلاف ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ مرض کا عذر اس صورت میں صحیح ہوگا جب کہ یا تو اس کے زائل ہونے کی امید نہ ہو، یا روزوں سے مرض کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہو۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر روزوں سے ایسی شدید مشقت لاحق ہوتی ہو جس سے آدمی کو یہ خطرہ ہو کہ دو مہینے کے دوران میں کہیں سلسلہ منقطع نہ کرنا پڑے، تو یہ عذر بھی صحیح ہوسکتا ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر آدمی کا گمان غالب یہ ہو کہ وہ مستقبل میں روزہ رکھنے کے قابل ہوسکے گا تو انتظار کرلے، اور اگر گمان غالب اس قابل نہ ہوسکنے کا ہو تو مسکینوں کو کھانا کھلادے۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ روزے سے مرض بڑھ جانے کا اندیشہ بالکل کافی عذر ہے۔ کھانا صرف ان مساکین کو دیا جاسکتا ہے جن کا نفقہ آدمی کے ذمہ واجب نہ ہوتا ہو۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ کھانا مسلمان اور ذمی دونوں قسم کے مساکین کو دیا جا سکتا ہے۔ البتہ حربی اور مستامن کو نہیں دیا جا سکتا۔ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی دلیل یہ ہے کہ صرف مسلمان مساکین ہی کو دیا جا سکتا ہے۔

یہ امر متفق علیہ ہے کہ کھانا دینے سے مراد دو وقت کا پیٹ بھر کھانا دینا ہے۔ البتہ کھانا دینے کے مفہوم میں اختلاف ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ دو وقت کی شکم سیری کے قابل غلہ دے دینا یا کھانا پکا کر دو وقت کھلا دینا، دونوں یکساں صحیح ہیں، کیونکہ قرآن مجید میں اطعام کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی خوراک دینے کے بھی ہیں اور کھلانے کے بھی۔ مگر مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کھلانے کو صحیح نہیں سمجھتے بلکہ غلہ دے دینا ہی ضروری قرار دیتے ہیں۔ غلہ دینے کی صورت میں یہ امر متفق علیہ ہے کہ وہ غلہ دینا چاہیے جو اس شہر یا علاقے کے لوگوں کی عام غذا ہو۔ اور سب مسکینوں کو برابر دینا چاہیے۔

حنفیہ کے نزدیک اگر ایک ہی مسکین کو 60 دن تک کھانا دیا جائے تو یہ بھی صحیح ہے، البتہ یہ صحیح نہیں ہے کہ ایک ہی دن اسے 60 دنوں کی خوراک دے دی جائے۔ لیکن باقی تینوں مذاہب ایک مسکین کو دینا صحیح نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک 60 ہی مساکین کو دینا ضروری ہے۔ اور یہ بات چاروں مذاہب میں جائز نہیں ہے کہ 60 آدمیوں کو ایک وقت کی خوراک اور دوسرے 60 آدمیوں کو دوسرے وقت کی خوراک دی جائے۔

کفارے کی عدم تجزی میں فقہی مذاہب اربعہ

یہ بات چاروں مذاہب میں سے کسی میں جائز نہیں ہے کہ آدمی 30 دن کے روزے رکھے اور 30 مسکینوں کو کھانا دے۔ دو کفارے جمع نہیں کیے جا سکتے۔ روزے رکھنے ہوں تو پورے دو مہینوں کے مسلسل رکھنے چاہئیں۔ کھانا کھلانا ہو تو 60 مسکینوں کو کھلایا جائے۔

اگر چہ قرآن مجید میں کفارہ طعام کے متعلق یہ الفاظ استعمال نہیں کیے گئے ہیں کہ یہ کفارہ بھی زوجین کے ایک دوسرے کو چھونے سے پہلے ادا ہونا چاہیے، لیکن فحوائے کلام اس کا مقتضی ہے کہ اس تیسرے کفارے پر بھی اس قید کا اطلاق ہوگا۔ اسی لیے ائمہ اربعہ نے اس کو جائز نہیں رکھا ہے کہ کفارہ طعام کے دوران میں آدمی بیوی کے پاس جائے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ جو شخص ایسا کر بیٹھے اس کے متعلق حنابلہ یہ حکم دیتے ہیں کہ اسے از سر نو کھانا دینا ہوگا۔ اور حنفیہ اس معاملہ میں رعایت کرتے ہیں، کیونکہ اس تیسرے کفارے کے معاملے میں مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا کی صراحت نہیں ہے اور یہ چیز رعایت کی گنجائش دیتی ہے۔

یہ احکام فقہ کی حسب ذیل کتابوں سے اخذ کیے گئے ہیں: ھدایہ۔ فتح القدیر۔ بدایع الصنائع۔ احکام القرآن للجصاص۔ فقہ شافعی: المنہاج للنووی مع شرح مغنی المحتاج۔ تفسیر کبیر۔ فقہ مالکی: حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر۔ ہدایۃ المجتہد۔ احکام القرآن ابن عربی۔ فقہ حنبلی: المغنی لابن قدامہ۔ فقہ ظاہری: المحلّٰی لابن حزم۔

مسکین کو دیے جانے والے کفارہ کا بیان

﴿فَإِنْ أَعْطَى مَنًّا مِنْ بُرٍّ وَمَنَوَيْنِ مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيرٍ جَازَ﴾ لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ إِذِ الْجِنْسُ مُتَّحِدٌ ﴿وَإِنْ أَمَرَ غَيْرَهُ أَنْ يُطْعِمَ عَنْهُ مِنْ ظِهَارِهِ فَفَعَلَ أَجْزَأَهُ﴾ لِأَنَّهُ اسْتِقْرَاضٌ مَعْنًى وَالْفَقِيرُ قَابِضٌ لَهُ أَوَّلًا ثُمَّ لِنَفْسِهِ فَتَحَقَّقَ تَمَلُّكُهُ ثُمَّ تَمْلِيكُهُ ﴿فَإِنْ غَدَّاهُمْ وَعَشَّاهُمْ جَازَ قَلِيلًا كَانَ مَا أَكَلُوا أَوْ كَثِيرًا﴾ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا يُجْزِئُهُ إِلَّا التَّمْلِيكُ اعْتِبَارًا بِالزَّكَاةِ وَصَدَقَةِ الْفِطْرِ، وَهَذَا لِأَنَّ التَّمْلِيكَ أَدْفَعُ لِلْحَاجَةِ فَلَا يَنُوبُ مَنَابَهُ الْإِبَاحَةُ.

وَلَنَا أَنَّ الْمَنْصُوصَ عَلَيْهِ هُوَ الْإِطْعَامُ وَهُوَ حَقِيقَةٌ فِي التَّمْكِينِ مِنَ الطُّعْمِ وَفِي الْإِبَاحَةِ ذَلِكَ كَمَا فِي التَّمْلِيكِ، أَمَّا الْوَاجِبُ فِي الزَّكَاةِ الْإِيتَاءُ وَفِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ الْأَدَاءُ وَهُمَا لِلتَّمْلِيكِ حَقِيقَةً ﴿وَلَوْ كَانَ فِيمَنْ عَشَّاهُمْ صَبِيٌّ فَطِيمٌ لَا يُجْزِئُهُ﴾ لِأَنَّهُ لَا يَسْتَوْفِي كَامِلًا، وَلَا بُدَّ مِنَ الْإِدَامِ فِي خُبْزِ الشَّعِيرِ لِيُمْكِنَهُ الْاِسْتِيفَاءُ إِلَى الشِّبَعِ، وَفِي خُبْزِ الْحِنْطَةِ لَا يُشْتَرَطُ الْإِدَامُ.

ترجمہ

اور اگر وہ شخص ایک من گندم اور دو من کھجور یا جو دیدے تو یہ بھی جائز ہوگا۔ (یہاں من سے مراد ایک صاع کا چوتھائی حصہ ہے اور مسئلے سے مراد یہ وہ دو مختلف طرح کے اناج کی ادائیگی کردے تو یہ جائز ہوگا) اس کی دلیل یہ ہے: مقصود حاصل ہو گیا ہے کیونکہ جنس تو متحد ہے۔ اگر وہ شخص کسی دوسرے کو یہ ہدایت کرے وہ دوسرا شخص اس کی طرف سے اس کے ظہار کے عوض میں کھانا کھلا دے اور دوسرا شخص ایسا کرلے تو ایسا کرنا جائز ہوگا کیونکہ معنی کے اعتبار سے یہ قرض لینے کے مترادف ہے فقیر شخص (اس دوسرے شخص سے) پہلے اس (ظہار کرنے والے شخص) کے لیے وہ اناج اپنے قبضے میں لے گا اور پھر (وہ فقیر) اپنی ذات کے لیے (یعنی اپنے قبضے میں وہ اناج) لے گا۔ لہٰذا (اس مفہوم کے اعتبار سے ظہار کرنے والے شخص کے لیے اس اناج کو) پہلے اپنی ملکیت میں لینے اور پھر (فقیر کی) ملکیت میں دینے کی صورت متحقق ہو جائے گی۔ اگر ظہار کرنے والا شخص فقراء کو صبح شام دو وقت کھانا کھلا دے تو یہ بھی جائز ہے خواہ انہوں نے کھانا کم کھایا ہو یا زیادہ کھایا ہو۔ امام شافعی نے یہ بات بیان کی ہے: ایسا کرنا جائز نہیں ہوگا بلکہ مالک بنانا شرط ہوگا۔ انہوں نے پھر اسے زکوٰۃ اور صدقہ فطر پر قیاس کیا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے: مالک بنانا حاجت کو زیادہ بہتر طور پر پورا کرتا ہے لہٰذا صرف مباح قرار دینا اس کے قائم مقام نہیں ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے: نص جس بات پر ہے وہ کھانا کھلانا ہے اور اپنی حقیقت کے اعتبار سے وہ یہی ہے: اگلے بندے کو کھانا میسر آ جائے اور مباح قرار دینے میں یہ صورت اسی طرح پائی جاتی ہے

جیسا کہ یہ مالک بنانے میں پائی جاتی ہے۔ جہاں تک زکوٰۃ کا تعلق ہے تو اس میں واجب ادائیگی ہے اور صدقہ فطر میں بھی ادائیگی ہے اور یہ دونوں الفاظ حقیقت کے اعتبار سے مالک بنانے کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ ظہار کرنے والے شخص نے جن لوگوں کو رات کے وقت کھانا کھلایا' ان میں اگر کوئی ایسا بچہ ہو جس کا دودھ چھڑایا گیا ہو' تو یہ کافی نہیں ہوگا' کیونکہ وہ پورا کھانا نہیں کھا سکتا اسی طرح جو کی روٹی کے ساتھ سالن ہونا بھی ضروری ہے تا کہ وہ پیٹ بھر کر کھانا کھا سکیں' البتہ گندم کی روٹی ہو' تو ساتھ سالن دینا ضروری نہیں ہوگا۔

شرح

تیسرا درجہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا ہے یعنی اگر کوئی شخص مذکورہ بالا شرائط وقیود کے ساتھ روزے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو پھر وہ ساٹھ مسکینوں اور فقیروں کو دو وقت کا کھانا کھلائے یا ان کو کچا اناج دیدے کچا اناج دینے کی صورت میں یہ ہے کہ ہر مسکین وفقیر کو نصف صاع پونے دو سیر یعنی ایک کلو ۶۳۳ گرام گیہوں یا ایک صاع ساڑھے تین سیر یعنی تین کلو ۲۶۶ ب ۲ گرام جو یا کھجوریں یا ان میں سے کسی ایک مقدار کی قیمت دیدے اسی طرح اگر ان میں سے کوئی چیز دینے کی بجائے دو چیزیں دی جائیں تو بھی جائز ہے مثلا چودہ چھٹانک یعنی ۸۱۷ گرام گیہوں کے ساتھ پونے دو سیر یعنی ایک کلو ۶۳۳ گرام جو دیا جا سکتا ہے۔

ایک مسکین کو ساٹھ دن کا کھانا دینے کا حکم

﴿وَاِنْ اَطْعَمَ مِسْكِينًا وَّاحِدًا سِتِّيْنَ يَوْمًا اَجْزَاَهُ، وَاِنْ اَعْطَاهُ فِيْ يَوْمٍ وَاحِدٍ لَمْ يَجْزِهِ اِلَّا عَنْ يَّوْمِهِ﴾ لِاَنَّ الْمَقْصُوْدَ سَدُّ خَلَّةِ الْمُحْتَاجِ وَالْحَاجَةُ تَتَجَدَّدُ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ، فَالدَّفْعُ اِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ الثَّانِيْ كَالدَّفْعِ اِلٰى غَيْرِهِ، وَهٰذَا فِي الْاِبَاحَةِ مِنْ غَيْرِ خِلَافٍ. وَاَمَّا التَّمْلِيْكُ مِنْ مِسْكِيْنٍ وَاحِدٍ فِيْ يَوْمٍ وَاحِدٍ بِدَفَعَاتٍ، فَقَدْ قِيْلَ لَا يُجْزِئُهُ، وَقَدْ قِيْلَ يُجْزِئُهُ لِاَنَّ الْحَاجَةَ اِلَى التَّمْلِيْكِ تَتَجَدَّدُ فِيْ يَوْمٍ وَاحِدٍ، بِخِلَافِ مَا اِذَا دَفَعَ بِدَفْعَةٍ وَاحِدَةٍ، لِاَنَّ التَّفْرِيْقَ وَاجِبٌ بِالنَّصِّ. ﴿وَاِنْ قَرُبَ الَّتِيْ ظَاهَرَ مِنْهَا فِيْ خِلَالِ الْاِطْعَامِ لَمْ يَسْتَاْنِفْ﴾ لِاَنَّهُ تَعَالٰى مَا شَرَطَ فِي الْاِطْعَامِ اَنْ يَّكُوْنَ قَبْلَ الْمَسِيْسِ، اِلَّا اَنَّهُ يُمْنَعُ مِنَ الْمَسِيْسِ قَبْلَهُ لِاَنَّهُ رُبَّمَا يَقْدِرُ عَلَى الْاِعْتَاقِ اَوِ الصَّوْمِ فَيَقَعَانِ بَعْدَ الْمَسِيْسِ، وَالْمَنْعُ لِمَعْنًى فِيْ غَيْرِهِ لَا يَعْدَمُ الْمَشْرُوْعِيَّةَ فِيْ نَفْسِهِ .

ترجمہ

اور جب ظہار کرنے والا شخص ایک ہی مسکین کو ساٹھ دن تک کھانا کھلاتا رہے تو یہ بھی جائز ہے اور اگر وہ ایک ہی دن میں ساٹھ

لوگوں کو کھانا کھلا دے تو صرف اسی دن کا کفارہ ادا ہوگا اس کی دلیل یہ ہے: اصل مقصد تو یہ ہے محتاج کی حاجت کو پورا کیا جائے اور حاجت روز نئے سرے سے پیدا ہوتی ہے تو ایک ہی مسکین کو دوسرے دن دینا اسی طرح ہوگا جیسے دوسرے مسکین کو دیا جارہا ہے اور اباحت کے بارے میں یہ حکم کسی اختلاف کے بغیر ہے۔ جہاں تک مالک بنانے کا تعلق ہے تو ایک ہی دن میں ایک مسکین کو متعدد دفعہ مالک بنایا جاسکتا ہے تو اس بارے میں ایک قول کے مطابق ایسا کرنا جائز نہیں ہے اور ایک قول کے مطابق ایسا کرنا جائز ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے: مالک بنانے کی ضرورت ہر دن مختلف ہوتی ہے اس کے برخلاف جب وہ ایک ہی دفعہ سب کچھ ادا کردے (تو صورت مختلف ہوگی) اس کی دلیل یہ ہے: نص کے مطابق (ادائیگی میں) فرق کرنا لازم ہے۔ اگر کھانا کھلانے کے دوران مرد اس عورت کے ساتھ صحبت کر لیتا ہے جس کے ساتھ اس نے ظہار کیا تھا تو وہ ازسرنو کھانا کھلانا شروع نہیں کرے گا اس کی دلیل یہ ہے: اللہ تعالیٰ نے کھانا کھلانے میں یہ بات شرط مقرر نہیں کی ہے کہ وہ صحبت کرنے سے پہلے ہو البتہ صحبت کرنے سے پہلے ایسا کرنا آدمی کے لئے ممنوع ہے کیونکہ ایسا ہوسکتا ہے وہ اس دوران غلام آزاد کرنے یا روزہ رکھنے پر قادر ہو جائے تو یہ دونوں صحبت کرنے کے بعد واقع ہوں گے اور جو چیز کسی دوسری چیز کی دلیل سے ممنوع ہو وہ بذات خود مشروع ہوسکتی ہے۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی ایک مسکین کو ساٹھ دن تک دونوں وقت کھلایا یا ہر روز بقدر صدقہ فطر اُسے دیدیا جب بھی ادا ہوگیا اور اگر ایک ہی دن میں ایک مسکین کو سب دیدیا ایک دفعہ میں یا ساٹھ دفعہ کر کے یا اُس کو سب بطور اباحت دیا تو صرف اُس ایک دن کا ادا ہوا۔ یونہی اگر تیس مساکین کو ایک ایک صاع گیہوں دیے یا دو دو صاع جو تو صرف تیس کو دینا قرار پائیگا یعنی تیس مساکین کو پھر دینا پڑے گا یہ اُس صورت میں ہے کہ ایک دن میں دیے ہوں اور دو دنوں میں دیے تو جائز ہے۔ (عالمگیری، باب کفارہ ظہار)

دو ظہاروں کے کفارے میں ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا

﴿وَاِذَا اَطْعَمَ عَنْ ظِهَارَيْنِ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا كُلَّ مِسْكِيْنٍ صَاعًا مِنْ بُرٍّ لَمْ يُجْزِهِ اِلَّا عَنْ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ. وَقَالَ مُحَمَّدٌ يُجْزِئُهُ عَنْهُمَا، وَاِنْ اَطْعَمَ ذٰلِكَ عَنْ اِفْطَارٍ وَظِهَارٍ اَجْزَاهُ عَنْهُمَا﴾ لَهُ اَنَّ بِالْمُؤَدّٰى وَفَاءً بِهِمَا وَالْمَصْرُوْفُ اِلَيْهِ مَحَلٌّ لَّهُمَا فَيَقَعُ عَنْهُمَا كَمَا لَوِ اخْتَلَفَ السَّبَبُ اَوْ فَرَّقَ فِي الدَّفْعِ. وَلَهُمَا اَنَّ النِّيَّةَ فِي الْجِنْسِ الْوَاحِدِ لَغْوٌ وَّفِي الْجِنْسَيْنِ مُعْتَبَرَةٌ، وَاِذَا لَغَتِ النِّيَّةُ وَالْمُؤَدّٰى يَصْلُحُ كَفَّارَةً وَّاحِدَةً لِاَنَّ نِصْفَ الصَّاعِ اَدْنَى الْمَقَادِيْرِ فَيَمْنَعُ النُّقْصَانَ دُوْنَ الزِّيَادَةِ فَيَقَعُ عَنْهُمَا كَمَا اِذَا نَوٰى اَصْلَ الْكَفَّارَةِ بِخِلَافِ مَا اِذَا فَرَّقَ فِي الدَّفْعِ لِاَنَّهٗ فِي الدَّفْعَةِ الثَّانِيَةِ فِي حُكْمِ مِسْكِيْنٍ

الخ

ترجمہ

اور جب ظہار کرنے والا شخص دو ظہاروں کے کفارے میں ساٹھ مسکینوں کو گندم کا ایک ایک صاع دیدیتا ہے۔ تو امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک صرف ایک ظہار کا کفارہ ادا ہوگا۔ امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: دونوں ظہاروں کا کفارہ ادا ہو جائے گا۔ اگر ظہار کرنے والا شخص روزہ نہ رکھنے کے کفارے اور ظہار کے کفارے کو اکٹھا کر کے ادا کر دیتا ہے تو اس بات پر اتفاق ہے کہ ایسا کرنا جائز ہوگا۔ امام محمد علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے: ظہار کرنے والے شخص نے جو اناج ادا کیا ہے وہ دونوں ظہاروں کے کفارے کے لئے کافی ہے اور جن لوگوں کو اس نے دیا ہے وہی اس کے وصول کرنے کے مستحق ہیں لہٰذا دونوں ظہاروں کا کفارہ ادا ہو جائے گا جیسا کہ اس صورت میں ہو جاتا ہے جبکہ اسباب مختلف ہوں یا جب متفرق طور پر کر کے ادا کیا جائے۔ شیخین کی دلیل یہ ہے: ایک ہی جنس میں نیت لغو ہو جاتی ہے اور دو جنسوں میں نیت کا اعتبار کیا جاتا ہے تو جب نیت کا لغو ہونا ثابت ہو گیا تو ادا شدہ چیز صرف ایک چیز کا کفارہ شمار ہوگی۔ اس کی دلیل یہ ہے: نصف صاع کفارے کی کم از کم مقدار ہے اس سے کم ادائیگی کرنا جائز نہیں ہے لیکن زیادہ ادائیگی کرنا جائز ہے لہٰذا اس صورت میں ایک کفارے کی ادائیگی ہوگی لہٰذا اس شخص نے نیت ہی ایک کفارے کی ادائیگی کی کی تھی۔ اس کے برخلاف جب وہ متفرق اوقات میں ادائیگی کرتا ہے تو گویا دوسری بار ادائیگی کرنا کسی دوسرے مسکین کو دینے کے مترادف ہوگا۔

شرح

ایک سو بیس مساکین کو ایک وقت کھانا کھلا دیا تو کفارہ ادا نہ ہوا بلکہ ضرور ہے کہ ان میں سے ساٹھ کو پھر ایک وقت کھلائے خواہ اُسی دن یا کسی دوسرے دن اور اگر وہ نہ ملیں تو دوسرے ساٹھ مساکین کو دونوں وقت کھلائے۔ (درمختار، باب کفارہ ظہار)

دو یا زائد بیویوں سے بیک وقت اور بیک لفظ ظہار کیا جائے، مثلاً ان کو مخاطب کر کے شوہر کہے کہ تم میرے اوپر ایسی ہو جیسے میری ماں کی پیٹھ، تو حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ ہر ایک کو حلال مرنے کے لیے الگ الگ کفارے دینے ہونگے۔ یہی دلیل حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، عروہ بن زبیر، طاؤس، عطاء، حسن بصری، ابراہیم نخعی، سفیان ثوری، اور ابن شہاب زہری کی ہے۔ امام مالک علیہ الرحمہؒ اور امام احمدؒ کہتے ہیں کہ اس صورت میں سب سے کے لیے ایک ہی کفارہ لازم ہوگا۔ ربیعہ، اوزاعی، اسحاق بن راہویہ اور ابوثور کی بھی یہی دلیل ہے۔

ایک ظہار کا کفارہ دینے کے بعد اگر آدمی پھر ظہار کر بیٹھے تو یہ امر متفق علیہ ہے کہ پھر کفارہ دیے بغیر بیوی اس کے لیے حلال نہ ہوگی۔

کفارہ ادا کرنے سے پہلے اگر بیوی سے تعلق زن و شوہر قائم کر بیٹھا ہو تو ائمہ اربعہ کے نزدیک اگرچہ یہ گناہ ہے، اور آدمی کو اس پر استغفار کرنا چاہیے، اور پھر اس کا اعادہ نہ کرنا چاہیے، مگر کفارہ اسے ایک ہی دینا ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جن

لوگوں نے ایسا کیا تھا ان سے آپ نے نہیں دیا تھا کہ کفارہ ظہار کے علاوہ اس پر انہیں کوئی اور کفارہ بھی دینا ہوگا۔ حضرت عمرو بن عاص، قبیص بن ذؤیب سعید بن جبیر، زہری اور قتادہ کہتے ہیں کہ اس پر دو کفارے لازم ہوں گے۔ اور حسن بصری اور ابراہیم نخعی کی دلیل یہ ہے کہ تین کفارے دینے ہوں گے۔ غالباً ان حضرات کو وہ احادیث نہ پہنچی ہوں گی جن میں اس مسئلہ پر حضور علیہ ﷺ کا فیصلہ بیان ہوا ہے۔

دو کفاروں میں غیر متعین ادائیگی کرنے کا بیان

(وَمَنْ وَجَبَتْ عَلَيْهِ كَفَّارَتَا ظِهَارٍ فَأَعْتَقَ رَقَبَتَيْنِ لَا يَنْوِي عَنْ إِحْدَاهُمَا بِعَيْنِهَا جَازَ عَنْهُمَا، وَكَذَا إِذَا صَامَ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ أَوْ أَطْعَمَ مِائَةً وَعِشْرِينَ مِسْكِينًا جَازَ) لِأَنَّ الْجِنْسَ مُتَّحِدٌ فَلَا حَاجَةَ إِلَى نِيَّةٍ مُعَيَّنَةٍ (وَإِنْ أَعْتَقَ عَنْهُمَا رَقَبَةً وَاحِدَةً أَوْ صَامَ شَهْرَيْنِ كَانَ لَهُ أَنْ يَجْعَلَ ذَلِكَ عَنْ أَيِّهِمَا شَاءَ، وَإِنْ أَعْتَقَ عَنْ ظِهَارٍ وَقَتْلٍ لَمْ يَجُزْ عَنْ وَاحِدٍ مِنْهُمَا) وَقَالَ زُفَرُ: لَا يُجْزِيهِ عَنْ أَحَدِهِمَا فِي الْفَصْلَيْنِ.

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَهُ أَنْ يَجْعَلَ ذَلِكَ عَنْ أَحَدِهِمَا فِي الْفَصْلَيْنِ لِأَنَّ الْكَفَّارَاتِ كُلَّهَا بِاعْتِبَارِ اتِّحَادِ الْمَقْصُودِ جِنْسٌ وَاحِدٌ. وَجْهُ قَوْلِ زُفَرَ أَنَّهُ أَعْتَقَ عَنْ كُلِّ ظِهَارٍ نِصْفَ الْعَبْدِ، وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَجْعَلَ عَنْ أَحَدِهِمَا بَعْدَمَا أَعْتَقَ عَنْهُمَا لِخُرُوجِ الْأَمْرِ مِنْ يَدِهِ. وَلَنَا أَنَّ نِيَّةَ التَّعْيِينِ فِي الْجِنْسِ الْمُتَّحِدِ غَيْرُ مُفِيدٍ فَتَلْغُو، وَفِي الْجِنْسِ الْمُخْتَلِفِ مُفِيدَةٌ، وَاخْتِلَافُ الْجِنْسِ فِي الْحُكْمِ وَهُوَ الْكَفَّارَةُ هَاهُنَا بِاخْتِلَافِ السَّبَبِ. نَظِيرُ الْأَوَّلِ إِذَا صَامَ يَوْمًا فِي قَضَاءِ رَمَضَانَ عَنْ يَوْمَيْنِ يُجْزِيهِ عَنْ قَضَاءِ يَوْمٍ وَاحِدٍ وَنَظِيرُ الثَّانِي إِذَا كَانَ عَلَيْهِ صَوْمُ الْقَضَاءِ وَالنَّذْرِ فَإِنَّهُ لَا بُدَّ فِيهِ مِنَ التَّمْيِيزِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ

اور اگر کسی شخص پر ظہار کے دو کفارے لازم تھے اور اس نے دو غلام آزاد کر دیئے لیکن ہر کفارے کے غلام کا الگ سے تعین نہ کیا تو دونوں کفارے ادا ہو جائیں گے۔ اسی طرح اگر اس نے کسی تعیین کے بغیر مسلسل چار ماہ روزے رکھ لیے یا ایک سو بیس مسکینوں کو کھانا کھلا دیا تو ایسا کرنا بھی جائز ہوگا' کیونکہ جنس متحد ہے اس لیے متعین نیت کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اگر ظہار کرنے والا شخص' دو ظہاروں کے کفارے میں' ایک غلام آزاد کر دے یا دو ماہ کے روزے رکھ لے تو وہ جس ظہار کا چاہے کفارہ ادا کر سکتا ہے' لیکن اگر وہ ظہار اور قتل دونوں کے کفارے میں ایک ہی غلام کو آزاد کر دے' تو کسی ایک کا بھی کفارہ ادا نہیں ہوگا۔ امام زفر نے یہ بات بیان کی

ہے ان دونوں صورتوں میں ایسا کرنا جائز نہیں ہوگا۔امام شافعی فرماتے ہیں ان دونوں صورتوں میں غلام کوکسی بھی ایک کفارے کے لئے متعین کیا جاسکتا ہے کیونکہ کفارے کا مقصود تو ایک ہی ہے لہذا وہ ایک ہی جنس شمار ہوں گے۔امام زفر نے یہ بات بیان کی ہے گویا اس نے ہر دو ظہار کے لیے نصف غلام آزاد کیا تو جب وہ دونوں کے لئے آزاد کر چکا تو اب اسے یہ اختیار حاصل نہیں ہوگا پورے غلام کوکسی ایک ظہار کے کفارے کے طور پر مقرر کرے کیونکہ مال اس کے ہاتھ سے جا چکا ہے۔ہماری دلیل یہ ہے متحد جنس میں نیت کی تعیین کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا اس لیے وہ لغو قرار دی جائے گی لیکن مختلف جنس میں نیت معتبر ہوتی ہے۔اگر دو چیزوں کے سبب مختلف ہوں تو ان پر مختلف اجناس کا حکم لگایا جاسکتا ہے۔متحد جنس کی مثال یہ دی جاسکتی ہے ایک شخص نے دو روزوں کی قضاء کے سلسلے میں ایک دن روزہ رکھا تو ایک روزے کی قضاء پوری ہو جائے گی اور مختلف جنس کی مثال یہ ہے ایک شخص پر دو روزے واجب ہیں۔ایک قضاء کا لازم ہے اور دوسرا نذر کا لازم ہے تو اس صورت میں تعیین کر کے تمیز کرنا ضروری ہوگا اور اللہ تعالی بہتر جانتا ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے دو ظہار کے کفاروں میں دو غلام آزاد کر دیے یا چار مہینے کے روزے رکھ لیے یا ایک سو بیس مسکینوں کو کھانا کھلا دیا تو دونوں کفارے ادا ہو گئے اگرچہ معین نہ کیا ہو کہ یہ فلاں کا کفارہ ہے اور یہ فلاں کا۔اور اگر دونوں دو قسم کے کفارے ہوں تو کوئی ادا نہ ہوا مگر جبکہ یہ نیت ہو کہ ایک کفارہ میں یہ اور ایک میں وہ اگرچہ معین نہ کیا ہو کہ کون سے کفارہ میں یہ اور کس میں وہ۔اور اگر دونوں کی طرف سے ایک غلام آزاد کیا یا دو ماہ کے روزے رکھے تو ایک ادا ہوا اور اُسے اختیار ہے کہ جس کے لیے چاہے معین کرے اور اگر دونوں کفارے دو قسم کے ہیں مثلاً ایک ظہار کا ہے دوسرا قتل کا تو کوئی کفارہ ادا نہ ہوا مگر جبکہ کافر کو آزاد کیا ہو تو یہ ظہار کے لیے متعین ہے کہ قتل کے کفارہ میں مسلمان کا آزاد کرنا شرط ہے۔دو قسم کے دو کفارے ہیں اور ساٹھ مسکین کو ایک ایک صاع گیہوں دونوں کفاروں میں دیدیے تو دونوں ادا ہو گئے اگرچہ پورا پورا صاع ایک مرتبہ دیا ہو۔

(درمختار، کتاب طلاق باب کفارہ، ج۵،ص۱۵۰، بیروت)

کفارے کے تعدد میں بعض فقہی مذاہب کا بیان

حضرت سلیمان بن یسار، حضرت سلمہ بن صخر بیاضی سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص ظہار و کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کرے اس پر ایک کفارہ ہے یہ حدیث حسن غریب ہے اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے سفیان، ثوری، مالک، شافعی، احمد، اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے بعض اہل علم کے نزدیک ایسے شخص پر دو کفارہ واجب ہیں۔عبدالرحمن بن مہدی کا بھی یہی قول ہے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1210)

حضرت عکرمہ، حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی سے ظہار کرنے کے بعد اس سے صحبت کر بیٹھا پھر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تھا

اور کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس سے صحبت کر لی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تم پر رحم کرے تمہیں کس چیز نے اس پر مجبور کیا وہ کہنے لگا میں نے چاند کی روشنی میں اس کی پازیب دیکھ لی تھی نبی ﷺ نے فرمایا اب اللہ کا حکم (کفارہ ادا) پورا کرنے سے پہلے اس کے پاس نہ جانا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1211)

اختتامی کلمات ودعائیہ کلمات کا بیان

حدیث کے معروف امام، امام ترمذی اور تیسری صدی ہجری کے عظیم محدث اور جرح وتعدیل کے عظیم محقق، امام بخاری علیہ الرحمہ کے شاگرد اور علم حدیث کے امام، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ کی عظیم تصنیف جامع ترمذی کی مذکورہ حدیث شریف کے ساتھ، ہم شرح ہدایہ کی چھٹی جلد کے اختتامی کلمات ودعا کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت کے ساتھ الحمد للہ! فیوضات رضویہ فی تشریحات ہدایہ المعروف بہ شرح ہدایہ کی جلد ششم آج مورخہ ۱۴، مئی ۲۰۱۲، بروز پیر بمطابق ۲۲، جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ کو پایہ تکمیل تک پہنچ گئی۔ اور ۲۲ جمادی الثانی یوم وصال حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ اور میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے خلیفہ رسول ﷺ امیر المؤمنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صدقے ایمان وعمل صالح کی توفیق واستقامت عطاء فرمائے۔ اور خاتمہ بہ ایمان ہو، اور اس کتاب کے قارئین، ناشرین، اس کی پروفریڈنگ کرنے والے طلباء، اور اس کی عربی عبارات کی تصحیح کرنے والوں کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین، بجاہ النبی الکریم ﷺ

محمد لیاقت علی رضوی

چک سنتیکا بہاولنگر